الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

مقدمۂ زندگانی محمدؐ

عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

زندگانی محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پریس ہی میں فروخت ہو گئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر اندر ختم ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزار ہا کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر امت مسلمہ امرتسر نے زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبر اسلامؐ کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیئے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانی محمدؐ ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دلچسپ پایا۔ (سر عبدالقا

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانی محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے، جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیام نسواں)

لکھائی، چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ ۱۳ر ٹکٹوں کی صورت میں یا بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے

ملنے کا پتہ: **دفتر امتِ مسلمہ امرتسر** (پنجاب)

البیان

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۳	جنوری سنہ ۱۹۴۱ء مطابق ذوالحجہ سنہ ۱۳۵۹ھ	نمبر ۱

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر، امرتسر سے چھپوا کر دفتر اُمّتِ مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

پنجاب اسمبلی میں ایک مفید بل | پچھلے دنوں پنجاب اسمبلی میں ایک غیر سرکاری بل پیش کیا گیا جس کا مقصد یہ ہے کہ پیروں فقیروں کے مزاروں پر بازاری عورتوں کو گانے کی ممانعت کردی جائے۔

جن لوگوں کو اپنی عمر میں ایک مرتبہ بھی کسی عرس میں شرکت کا فخر حاصل ہوا ہے اور جنھوں نے بزرگوں کے مزاروں پر گانے بجانے کی محفلوں کے حیا سوز مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، وہ اس بات کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان کی سینکڑوں ہزاروں درگاہوں پر ہر سال جو عرس منائے جاتے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی اور بربادی میں کتنا خوفناک حصہ لے رہے ہیں۔ جن مزاروں پر فاحشہ عورتوں کے ناچنے اور گانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اُن میں سے ایک بہت بڑی تعداد اُن بزرگانِ اسلام کے مزاروں کی ہے جن کی کوششوں سے آج ہندوستان میں آٹھ نو کروڑ مسلمانوں کا وجود نظر آرہا ہے۔ اس غلط فہمی میں کبھی نہیں آنا چاہیے کہ اسلام ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی کوششوں سے پھیلا ہوگا، بلکہ اس کے برعکس اکثر مسلمان فرماں رواؤں نے اسلام کو فائدہ تو کجا، اُلٹا نقصان ہی پہنچایا ہے۔ انھیں سات سو برس تک ہندوستان میں حکومت کرنے کا موقعہ ملا، مگر یہ سارا وقت اُن کے شخصی فخر و غرور، عیش و عشرت اور فتنہ و فساد کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اگر خاندانِ مغلیہ میں صرف ایک جلال الدین اکبر اور پیدا ہو جاتا، تو ہندوستان کا مؤرخ اس بات کو باور کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے گا کہ آج ہندوستان میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی کوئی مسلمان دیکھنے میں نہ آتا اور اگر اکبر کے ساتھ ابوالفضل اور فیضی جیسے دو انسان ایک مرتبہ پھر پیدا ہو جاتے تو مسلمانوں کو یہودیوں کی طرح مرنے کے لیے بھی زمین میسر نہ ہوتی جن مسلمان حکمرانوں کی سات سو سالہ فرماں روائی پر سادہ لوح مسلمان فخر کرتے ہیں، اُن ہی کی نفس پرستی، عیش کوشی اور تبلیغ دین سے بے پروائی اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمان ہندو اکثریت کے آہنی پنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کرلینا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کی جس قدر بھی اشاعت ہوئی ہے، وہ معین الدین چشتیؒ، علاؤالدین صابرؒ، حضرت نظام الدینؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے علاوہ دوسرے کئی بزرگوں کے فیضانِ عام کا نتیجہ ہے —— پھر یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ جن لوگوں نے اپنی

ساری ساری عمریں توحید کی اشاعت اور شرک و معصیت کے استیصال میں بسر کردیں، اُن ہی بزرگوں کے مزاروں کو طوائفوں، رنڈیوں اور بازاری عورتوں کے حیاسوز رقص و سرود اور مخرب اخلاق میلوں اور نمائشوں کے لیے وقف کردیا جائے؟ ان کی درگاہوں پر اخلاق سوز مجروں اور بے ہودہ اور فحش گانوں کے ذریعے مسلمانوں کو سفلی جذبات کی پرستش سکھلائی جائے۔ اُن کا وقت، روپیہ اور انسانیت برباد کی جائے۔ اسلامی قانون تو اس لہو و لعب بلکہ فحاشی اور بے حیائی کو عام حالات میں بھی گوارا نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ اُسے بزرگانِ دین کے مزاروں پر نشوونما کا موقعہ دیا جائے۔

پھر یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ اسی پنجاب اسمبلی کے ایک مسلمان ممبر، پیر اکبر علی نے اس نہایت اہم اور مفید بل کی مخالفت کی اور فرمایا:

"میں اس بل کی اصولی طور پر مخالفت کرتا ہوں۔ پنجاب کے علاوہ دہلی، اجمیر اور ہندوستان کے دیگر بہت مقامات پر گانے کا یہ سلسلہ مدت سے چلا آتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے ہاں ایک حدیث ہے کہ قرآن پاک سُریلی آواز سے پڑھنا ثواب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پنجاب اسمبلی کو ایک اسلامی معاملے میں دست اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

یہ اُن لوگوں کی عقل و بصیرت کا ایک نمونہ ہے، جو حکومت کے نظم و اہتمام میں قانونی طور پر مسلمانانِ پنجاب کے نمائندے کہلاتے ہیں۔ اور پیر اکبر علی کی حمیت اسلامی کی تو جس قدر بھی تعریف کی جائے، اتنی ہی تھوڑی ہے، یعنی، وہ یہ تو برداشت کرسکتے ہیں کہ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد پردے کو خیرباد کہہ کر بے حجابی اختیار کرے، رقص و سرود کی محفلیں جمائے، فحاشی اور زناکاری کے اڈے قائم کرے، مسلمانوں کے اخلاق کو، اُن کے وقت اور دولت کو تباہ کرے، مگر اُن کی غیرت اسلامی یہ کسی طرح برداشت نہیں کرسکتی کہ ان ہی عورتوں کو سُریلی آواز سے "قرآن مجید" پڑھنے سے روکا جائے، کیوں کہ یہ "مداخلت فی الدین" ہے اور پنجاب اسمبلی کو ایک اسلامی معاملے میں دست اندازی کا کوئی حق نہیں!

پھر لطف یہ ہے کہ وہ اپنی دلیل میں ایک "حدیث" کا حوالہ بھی دیتے ہیں، لیکن اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حقیقت کا علم ہو جاتا کہ چودھویں صدی کے سربرآوردہ مسلمان آپؐ کی حدیث سے بازاری عورتوں کے گانے بجانے کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، تو آپؐ کی زبان مبارک سے کبھی یہ الفاظ نہ نکلتے۔ ہم سمجھتے تھے کہ دین کی تحریف صرف پیشہ ور مولویوں کا شیوہ ہے، مگر پیر اکبر علی صاحب کے ارشادات سے یہ خیال کچھ غلط ثابت

ہو رہا ہے مسلمانوں کی مکمل تباہی کے لیے ابھی اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ جب ہر کس و ناکس "محدث" بنے گا اور ہر کودمغز عالم دین: بقول اقبالؒ:

کار ما از ترک کار دیں شدہ است
ہر لئیمے راز دار دیں شدہ است

ہم سیلکٹ کمیٹی کے مسلمان ممبروں سے پُرزور درخواست کرتے ہیں کہ وہ مذکورہ "بل" کی تائید و حمایت کرکے بزرگانِ دین کی درگاہوں کو شریعت کُشی اور اسلام دشمنی کے کارناموں سے نجات دلائیں اور "امیر المومنین" سر سکندر حیات خان کی وزارت کو کم از کم مسلمانوں کی یہی ایک خدمت سرانجام دینے کا موقعہ دیں۔

ایک بُزدل دہری | دسمبر ۱۹۴۰ء کے "نگار" میں ایک صاحب نیاز فتح پوری سے دریافت کرتے ہیں:

"آپ کی طرف سے مسلمانوں یا کم از کم علمائے اسلام کو سب سے زیادہ شکایت یہ ہے کہ جب آپ مسلمہ عقاید اسلام کے قائل نہیں، تو آپ اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہتے ہیں؟ کیوں نہ آپ اس کا اعلان کردیں کہ آپ مسلمان نہیں ہیں؟ اس کے بعد غالباً پھر کوئی شکایت باقی نہ رہے گی۔ سید سلیمان ندوی اور عبد الماجد دریابادی وغیرہ کی برہمی کا زیادہ تر سبب یہی ہے۔ کیا آپ "نگار" کے ذریعے جواب دینے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟

نیاز فتح پوری استفسار بالا کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سید سلیمان اور ان کے شرکا نے پبلک کو میرے خلاف اُبھارنے کے لیے جس قدر کذب و فریب سے کام لیا ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مجھ سے وہ باتیں منسوب کیں جو کبھی میری زبان سے نہ نکلیں۔ میں صاف صاف کہتا ہوں کہ رسول اللہ کو میں بہت بڑا انسان سمجھتا ہوں۔ ان کے اخلاق کی بلندی کا قائل ہوں، لیکن سید سلیمان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ میرے دل کی بات نہیں۔ ۔ ۔

جب کہ میں خدا اور رسول کا انتہائی احترام کرتا ہوں، جتنا وہ، اُن کو یا کسی کو کیا حق ہے کہ وہ مجھے مسلمان نہ سمجھے؟ اور میں کیوں ترکِ اسلام کا اعلان کروں، جب کہ میں عقائد اسلام کو اُن سے بہتر سمجھتا ہوں" ("نگار" دسمبر ۱۹۴۰ء ص ۹۸)

اوپر کے الفاظ میں نیاز صاحب نے خدا اور رسولؐ کے احترام کا اعلان کیا ہے۔ اب آپ "نگار" کے اسی پرچے کے ایک مضمون "خدا کا ماضی، حال اور مستقبل" کی چند سطریں بھی ملاحظہ فرما لیجیے:

"دوسری دنیا کا ذکر تو خدا کے ان حقیقی پرستاروں کے لیے چھوڑ دو، جن کے لیے وہاں محلات کھڑے کیے گئے ہیں۔

آؤ ہم ان حقائق پر غور کریں، جو ہماری عقل کی دسترس سے باہر نہیں ہیں۔ ہماری آنکھیں مصائب کے ایک ناختناہی سلسلہ کو دیکھتی ہیں، جس نے انسان کو بے چین و بے قرار کر رکھا ہے۔ ہمارے کان انسانیت کی چیخ پکار سے پھٹے جا رہے ہیں۔ انسان پریشان ہیں، جانور پریشان ہیں۔ آخر یہ کیا ہے؟ انسان کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لیے جانوروں کو کھانا پڑتا ہے۔ اسی طرح جانور اپنی زندگی قائم رکھنے کے لیے اپنے ہم جنسوں کو کھا جانے پر مجبور ہوتے ہیں اور یہ سب ہوتا ہے خدا کی مرضی سے اور صرف عیسائیوں ہی کے خدا کی مرضی سے نہیں بلکہ تمام اقوام کے خداؤں کی مرضی سے بھی۔ ..... ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا کا کوئی وجود ہے، تو وہ بے حد ظالم ہے۔"

اسی مضمون کے چند جملے اور دیکھیے:

"آج معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اپنے تعین کو اب بھی چھپا رکھا ہے، لیکن خدا کی عدم موجودگی میں بھی ہر چیز اپنی جگہ پر بہ دستور جاری و ساری ہے ..... کتاب تخلیق ہم کو بتاتی ہے کہ انسان کو خدا نے اپنے نمونے پر بنایا، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کو خود انسان کے جذبۂ خوف نے پیدا کیا ..... کیا خدا کا کوئی وجود ہے؟ بہت سے تمدن دماغ آج بھی اس کا جواب اثبات میں دیں گے، لیکن کل جب سائنس کی ایجادیں، ذہن انسانی کا گوشہ گوشہ اپنی روشنی سے منور کر دیں گی، کیا اس وقت بھی کوئی دماغ اس کا جواب اثبات میں دے گا؟"

اوپر کے الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ دہریت اور الحاد کی کھلی تبلیغ ہے، جس سے خدا اور خدا پرستی کا جی کھول کر مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ نیاز صاحب اس کا زیادہ سے زیادہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ "یہ ان کے اپنے الفاظ نہیں، بلکہ کسی دوسرے مضمون نگار کے ہیں، مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ اپنے پرچے میں اس قسم کے اسلام سوز مضامین شائع کر دیتے ہیں، تو وہ لازماً آپ ہی کے دل و دماغ اور اعتقاد و خیال کے آئینہ دار ہیں۔ پھر جب آپ قرآن کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کرتے، خدا کی ہستی کے قائل نہیں، اس حالت میں اگر آپ احترام رسول ؐ کا لاکھ دعویٰ کریں، تو نتیجہ وہی نکلے گا جو بقول آپ کے سید سلیمان ندوی نے نکالا ہے، یعنی احترام رسول ؐ کا دعویٰ آپ کے دل کی بات نہیں۔

دہریت اتنی بری نہیں جتنی منافقت، مگر جب یہ دونوں چیزیں یکجا ہو جائیں، تو اسلام کے نزدیک یہی سب سے بڑا جرم ہے۔ ایک منافق شخص کسی سوسائٹی یا مذہب کو جو نقصان پہنچا سکتا ہے، وہ کھلے مخالفوں سے ممکن نہیں۔ علمائے اسلام نے آپ سے یہی مطالبہ ۱۹۳۱ء میں کیا تھا کہ آپ "مار آستین" نہ بنیں، بلکہ کھلے طور پر ترک اسلام کا اعلان کر دیں، مگر آپ نے اس زمانے میں بڑی ہی بزدلی کے ساتھ یہ عہد کیا تھا:

"آئندہ میری طرف سے ایسے مقالات کبھی شائع نہ ہوں گے جن سے مذہبی شکایات کا سبب پیدا ہو۔ مجھے افسوس اور ندامت ہے کہ ان مضامین سے مسلمانوں کو صدمہ پہنچا اور یہ یقین دلانے کے لیے میں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں۔ اپنے معاصی سے جناب باری میں اظہار برأت و استغفار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین۔"

—— یہ تو یہ منافقت کی تو یہ تھی، مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کا ایک ڈھنگ تھا۔ دس برس گذرنے کے بعد اب بھی نیاز ہے، وہی نگار ہے، وہی قرآن کی توہین اور وہی خدا کا انکار۔

ہمیں معاصر "معارف" سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ شہریار دکن نے اپنی ریاست میں ایک برس کے لیے نگار کا داخلہ بند کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ دوسرے مسلمان والیان ریاست بھی اپنی اپنی حدود میں اس زہریلے پرچے کا داخلہ ممنوع کر دیں۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اس منافق اور بزدل دہری کے رسالے کا مکمل بائیکاٹ کر دیں، ورنہ یہ مسلمانوں کا خون چوس چوس کر پرورش بھی پائے گا اور ان پر نیش زنی بھی کرے گا!

طلاق اور اسلام | اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت، دنیا کی وہ ٹھوکریں ہیں، جو اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں اُسے قدم قدم پہ کھانی پڑتی ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام نے عورتوں کے حقوق ازدواج و طلاق وغیرہ کے متعلق جو قوانین مقرر کیے ہیں، تازہ واقعات کی روشنی میں اُن کا مطالعہ کیجیے۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ عورتوں کو بے جا آزادی اور آزادہ روی سے باز رہنا چاہیے۔ یورپین ممالک میں اس قانون کا عملی طور پر مضحکہ اڑایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سال کے اندر اندر وہاں کی سماجی زندگی میں شدید مشکلات پیدا ہو گئیں۔ بدکاری، بے حیائی، منع حمل، عشق پرستی اور طلاق بازی کی وبائیں پھیلیں، عیش و عشرت کے سامان بڑھے اور جرائم کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ سب سے پہلے جرمنی کو ان ہولناک مصیبتوں کا احساس ہوا۔ چنانچہ ہٹلر نے حکم دیا کہ عورتیں بازاروں، ہوٹلوں اور دفتروں کو خالی کرکے گھروں کی چار دیواری میں داخل ہو جائیں، خانہ داری کے کاموں کو سر انجام دیں۔ بچے پیدا کریں اور اپنا وقت اُن کی تعلیم و تربیت میں صرف کریں۔ ہٹلر کا یہ حکم درحقیقت بے حیائی اور قتلِ اولاد کے خلاف ایک زبردست اقدام تھا۔ دوسرے لفظوں میں قدرت نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ اپنے ملک میں اسلامی قانون کا نفاذ کرے۔

پھر ترکی کا معاملہ لیجیے، کمال اتاترک نے یورپین ممالک کی تقلید میں اپنے ملک میں یہ قانون جاری کر دیا کہ کوئی شخص ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرے۔ یہ قطعاً غیر اسلامی حکم تھا۔ اسلام مجبوری کے عالم میں، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے، تعددِ ازدواج کی اجازت دیتا ہے۔ کمال اتاترک کی زندگی تک تو ترکی میں یہ قانون قائم رہا، مگر جوں ہی ملک نے اُس کے جابر ہاتھوں سے نجات پائی، عصمت اِنونو نے تعددِ ازدواج کی اجازت دے دی۔ یہ اسلامی قانون کی فتح تھی۔

پھر فرانس کے حالات پر ایک نگاہ ڈالیے جس قدر عیاشی، بدکاری، بے حجابی، فیشن پرستی اور شراب خوری اس ملک میں ہوئی ہے، شاید دنیا کا کوئی دوسرا ملک اس معاملے میں اس کا حریف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ فرانسیسی قوم کے سارے طبقے، کیا شہری، کیا فوجی اور کیا امراء حکومت، سب عیش و عشرت میں غرق تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اخلاقی اور جسمانی طاقتیں روز بروز زوال پذیر ہوتی گئیں۔ ملک کا فوجی معیار سال بہ سال کم ہوتا چلا گیا اور آخر کار وہ وقت آیا کہ دنیا کا سب سے بڑا "مہذب" ملک، آناً فاناً جرمنی کے قدموں تلے پامال ہو کر رہ گیا۔ دنیا کے بڑے بڑے مدبرین نے صاف الفاظ میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ فرانس کی شکست اس کی شراب خواری، عورتوں اور مردوں کی کھلی بے حیائی اور عیش و عشرت میں استغراق کے سبب ہوئی ہے۔

——— فرانس کی شکست بھی حقیقتہً اسلام کی فتح ہے۔ یہاں شراب خواری بھی حرام ہے، بدکاری اور بے حیائی بھی حرام ہے - - - - - - - اور کھانے پینے کی عام ضرورتوں سے بڑھ کر اسراف، یعنی عیش و عشرت بھی حرام ہے۔ اگر فرانس نے جرمنی کی طرح اسلامی قوانین کی اطاعت کی ہوتی، تو آج اُسے یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

اسلامی قوانین کی ایک بہت بڑی فتح کا دروازہ یہیں ہندوستان میں کھلنے والا ہے۔ حال ہی میں دہلی میں خواتین کی نیشنل کونسل کا اجلاس منعقد ہُوا۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر" اس امر پر زور دیا گیا کہ ہندو قانون پر از سرِ نو نظرِ ثانی کی جائے اور اُسے اس قابل بنایا جائے کہ وُہ زمانے کا ساتھ دے سکے۔ ہندو قانون کے سلسلے میں بتایا گیا کہ وہ نکاح، طلاق، تولیت اور وراثت کے بارے میں ناقابلِ عمل ہے۔ ضرورت ہے کہ خواتین کو طلاق کا حق دیا جائے اور ظالم شوہروں سے نجات دلانے کے لیے اُن کی امداد کی جائے"

جن لوگوں نے نکاح و طلاق کے متعلق ہندو قانون کا مطالعہ کیا ہے، وہ آسانی سے سمجھ لے سکتے ہیں کہ ہندو عورتوں کی یہ چیخ پکار، جو پہلی مرتبہ ایک منظم صورت میں بلند ہو رہی ہے، کس حد تک قرینِ انصاف ہے۔ ویدک دھرم کا یہ اصول بالکل بے لچک ہے کہ کوئی ہندو عورت زندگی کے کسی مرحلے پر، کسی بھی مجبوری کے ماتحت اپنے خاوند سے الگ نہیں ہو سکتی۔ البتہ آریہ سماج نے طلاق کے بجائے "نیوگ" کا مسئلہ جاری کر کے اس مشکل کا حل نکالنا چاہا ہے۔ مگر "نیوگ" بجائے خود زناکاری اور فحاشی کی ایک نئی راہ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مرد اپنی جنسی کمزوری کے باعث یعنی صرف ایسی صورت میں جب کہ وہ اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، اپنی عورت کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کی اجازت تو دے سکتا ہے، مگر طلاق نہیں دے سکتا۔ سوامی دیانند نے "ستیارتھ پرکاش" میں "نیوگ" کے جواز، فضائل اور اہمیت پر صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں، مگر اتنی سخت تلقین کے باوجود، ہندو سوسائٹی اب تک نیوگ کی غالباً ایک مثال بھی پیدا نہیں کر سکی۔ "نیوگ" انسان کے ضمیر پر، اُس کی غیرت پر ایک کھُلا ہُوا تازیانہ ہے اور کوئی باحمیت انسان، اس غیر فطری اور دوسرے لفظوں میں مذہبی بدکاری کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا۔

"پرکاش" آریہ سماج کا مشہور اخبار اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ۲۴ نومبر ۱۹۴۰ء کے پرچے میں ایک آریہ ہی کے قلم سے "طلاق اور آریہ سماج" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہُوا ہے۔ مضمون نگار لکھتا ہے:

> "طلاق کیا ہے؟ شادی شدہ عورت یا مرد کو از روئے قانون حق ملنا کہ وہ خاص حالات کے اندر علیحدگی اختیار کر سکے۔ آریہ سماج ان خاص حالات کے لیے، جہاں تک راقم کو معلوم ہے، دوسرا علاج تجویز کرتا ہے اور وہ "نیوگ" ہے، مگر راقم کے خیال میں کوئی بھی آریہ سماجی عورت یا مرد ایسا نہ ہوگا، جو ان خاص حالات میں بھی چھاتی پہ پتھر رکھ کر دِس زمانے میں نیوگ کرانے کے لیے تیار ہو۔ کہا جاتا ہے کہ نیوگ آپت کال کا دھرم ہے، مگر "ستیارتھ پرکاش" میں جو آپت کال کی تشریح کی گئی ہے، کیا ایسے حالات آج کل پیدا نہیں ہوتے؟ ضرور ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں، لیکن تس پر بھی راقم کے علم میں کوئی ایسی مثال نہیں آئی، جو ۱۹۰۰ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک اخبار "پرکاش" یا کسی اور اخبار میں پرکاشت ہوئی ہو، جب کہ آریہ سماج کے دائرے میں کسی نے "نیوگ"

کی شرن لی ہو۔ اس لیے "نیوگ" آپت کال کا دھرم، ظاہرا طور پر ایک مُردہ سدھانت ہے"

آگے چل کر یہی مضمون نگار سوال کرتا ہے کہ جب ویدک دھرم نکاح بیوگان کی اجازت نہیں دیتا اور اس کے باوجود آریہ سماج نے اس، مرکی اجازت دے دی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ آریہ سماج موجودہ زمانے کے حالات کو سامنے رکھ کر طلاق کی اجازت نہیں دیتا؟

پھر آئندہ سطور میں مضمون نگار نے ایسے متعدد واقعات بیان کیے ہیں جن میں ہندو عورتوں کی مصیبتوں کا رونا رویا گیا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس نے دوسری شادی کر لی ہے، مگر پہلی بیوی کو طلاق دیتا ہے نہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ اب وہ لڑکی سالہا سال سے اپنے والدین کے گھر غم و مصیبت کے دن بسر کر رہی ہے۔ اسی طرح دو ایک واقعات میں، خاوندوں کی جنسی ناقابلیت یا عنانت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایسے افسوس ناک حالات میں بھی عورتوں کو الگ ہو جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مضمون نگار نے یہ بھی بتایا ہے کہ مسٹر دیش مکھ اسمبلی میں ہندو عورتوں کے لیے طلاق کا بل پیش کیے ہوئے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ کل تک جو لوگ اسلام کے قانون طلاق پر طعن و تشنیع کے آوازے بلند کرنے میں پیش پیش تھے، جسے عورت کے حق میں ایک ظالمانہ طرز سلوک قرار دیا جاتا رہا ہے، جس قانون کے متعلق علانیہ کہا جاتا تھا کہ یہ چیز انسانیت کے خلاف ہے کہ ایک عورت کو، جو ہمیشہ کے لیے مرد کی رفیقۂ حیات قرار دی گئی ہے، طلاق کے ذریعے اس کی زندگی بے کار کر دی جائے، وہی لوگ اب اس کی شدید ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ انھوں نے عملی طور پر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اسلامی قوانین ہی فطری قوانین کہلائے جانے کے مستحق ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے ہی سے انسان اپنی سماجی اور معاشرتی مشکلات پر قابو پا سکتا ہے۔ زمانے نے انھیں مجبور کر دیا ہے کہ وہ ویدک دھرم کے بوسیدہ و ناقابلِ عمل قوانین و ضوابط سے منہ موڑ کر اسلام کے پاکیزہ، بے عیب، بے غلط، زندہ اور پائندہ قوانین کو اپنے دستورِ حیات میں شامل کریں۔ انھیں محسوس ہو گیا ہے کہ اُن کے سب سے بڑے ریفارمر سوامی دیانند نے بھی اُن کے لیے جو جدید قوانین وضع کیے ہیں، عملی زندگی میں بالکل لایعنی ثابت ہوئے ہیں اور اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لینے کے سوا اُن کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں!

مردم شماری اور مسلمان | آئندہ مردم شماری کا وقت قریب آ گیا ہے اور چوں کہ موجودہ دور میں کسی قوم کی سیاسی اہمیت کا دار اس کی تعداد ہی پر مبنی ہے اس لیے تمام ہندوستانی قوموں کی جدوجہد یہ ہے کہ ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ ثابت ہو۔ اس معاملے میں ہندو سب سے بازی لے گئے ہیں۔ انھیں اس سے پہلے سات صوبوں میں اکثریت حاصل ہے، مگر اب ان کی کوشش یہ ہے کہ پنجاب اور بنگال میں بھی، جہاں وہ اقلیت میں ہیں، اکثریت حاصل ہو جائے۔

پچھلے دنوں پٹھان کوٹ میں اچھوتوں کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام اچھوت اپنے آپ کو آریہ لکھوائیں۔ اسی طرح سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا لاہور کے اجلاس میں مردم شماری کے سلسلے میں قریباً دو لاکھ روپے کا بجٹ پاس ہوا۔ اب ہندوستان کے تمام ہندو مردم شماری میں اپنی تعداد کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں نئی نئی سوسائٹیاں قائم ہو رہی ہیں، جو اچھوتوں اور ہریجنوں کو ترغیب دلا رہی ہیں کہ وہ آئندہ مردم شماری میں اپنے آپ کو ہندو لکھوائیں۔ اس غرض کے لیے انھوں نے اچھوتوں کے نام تک بدل ڈالے ہیں۔ ہر اچھوت کے نام کے ساتھ "رام"

اور پرشاد وغیرہ کا اضافہ کیا جا رہا ہے، تاکہ حکومت کے کارکنوں کو دھوکا دے کر اچھوتوں کو ہندوؤں میں شامل کیا جاسکے۔

یہ ہیں برادرانِ وطن کی کوششیں! اب مسلمانوں کی بدبختیوں کا جائزہ لیجیے۔ حال ہی میں آرہ (بہار) میں آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس کانفرنس کا چوتھا ریزولیوشن حسبِ ذیل ہے:

"آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہندوستان کے تمام اہلِ حدیث بھائیوں سے پُرزور درخواست کرتا ہے کہ آنے والی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کا مذہب "اہلِ حدیث" لکھائیں، تاکہ جماعتِ اہلِ حدیث کے وجود کا بھی ثبوت ہو سکے۔" ("اہلحدیث" ۱۳ ذی قعدہ ۵۹ھ)

مسلمانوں کی یہ بدبختی ہی کیا کم تھی کہ وہ "مسلم" کہلانے کے بجائے شیعہ، سنی، اور حنفی، وہابی وغیرہ جیسیوں ناموں سے مختلف فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ یہ دینی انتشار تھا، مگر سیاسی پلیٹ فارم پر اُن لوگوں کے مقابلے میں بھی وہ ایک جماعت بن جانے کی صلاحیت نہیں رکھتے، جن کا مذہب ہزارہا سال سے اچھوتوں کا دشمن چلا آرہا ہے، مگر اب وہ اسی قابلِ نفرت گروہ کو اپنے آغوش میں لینے کے لیے بے قرار ہیں۔ "اہلحدیث" ہی نہیں، "شیعہ" بھی مسلمانوں کے سیاسی افتراق میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ نومبر ۱۹۳۹ء میں مہاراج کمار محمود آباد کی صدارت میں شیعوں کا جو اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا، اس کی دو قراردادیں حسبِ ذیل ہیں:

"(۱) لوکل باڈیز اور لیجسلیچروں میں شیعوں کے لیے جداگانہ نمائندگی کا انتظام کیا جائے۔

(۲) سرکاری ملازمتوں میں شیعوں کو جائز حصہ دیا جائے۔" ("پرتاپ" ۲۴ نومبر ۱۹۳۹ء)

اوپر کی دونوں قراردادوں کا مطلب یہ ہے کہ شیعوں کو عام مسلمانوں کے حقوق و مفادات سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنے نام سے اپنا الگ حصہ مانگتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ آئندہ مردم شماری میں اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ ایک مستقل گروہ کے نام سے اپنی حیثیت قائم کریں۔ گویا "اہلحدیث" اور "شیعہ" نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی برادری سے خارج قرار دے لیا ہے۔ یہ مصیبت یہیں ختم نہیں ہوجاتی بسلمانوں میں اب پیشوں کے نام پر بھی سیاسی گروہ بندیاں قائم ہو رہی ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے مسلمان پارچہ بافوں کا تقاضا یہ ہے کہ "مومنوں" کو بھی ایک مستقل سیاسی جماعت کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے۔ گذشتہ دنوں نجیب آباد میں آل انڈیا مومن کانفرنس اور آرہ میں بہار پراونشل جمعیۃ المومنین کے جو اجلاس منعقد ہوئے ہیں، وہ اسی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ اول الذکر اجلاس کے دو ریزولیوشن حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ملک کی کوئی دوسری سیاسی جماعت مومن قوم کی نمائندگی کا حق نہیں رکھتی۔

(۲) مومن کانفرنس کا نامزد کردہ ایک ممبر وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل میں اور دو ممبر جنگی کونسل میں لیے جائیں۔

ان ریزولیوشنوں کو پڑھ کر بے اختیار مسلمانوں کی سیاسی بدنصیبی پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ایسے نازک وقت میں، جب کہ دشمنان اسلام ہر طرف منہ کھولے ہوئے مسلمانوں کو نگل لینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، ہماری مختلف دینی اور حرفتی جماعتوں کی الگ الگ حقوق طلبی، افتراق انگیزی اور دھڑے بندی یقیناً موت کے مرادف ہے۔ وہ لاکھوں روپے صرف کرکے غیروں کو اپنا بنا رہے ہیں اور ہم "اہلحدیث" "شیعہ" "جولاہا" اور غیر جولاہا کی تقسیم پیدا کرکے اپنی دینی اور دنیوی مصیبتوں کا بیج بو رہے ہیں۔

ہم مسلمانوں کی تمام جماعتوں کی خدمت میں، خواہ وہ دینی حیثیت سے کسی بھی فرقے کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں، اسلام کے نام پر، ان کی اپنی بہتری اور بھلائی کے نام پر، ان کی آئندہ نسلوں کی فلاح و بہبود کے نام پر نہایت دردمندی کے ساتھ التجا کرتے ہیں کہ وہ وقت کی نزاکت کا احساس کریں، مسلمان پہلے ہی مسلمان نہیں رہے، کم از کم ان کو مردم شماری کے لیے تو مسلمان کہلانے کی ترغیب دلائیں۔ قومی کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ مسجدوں میں، تقریروں اور تحریروں میں، ہر گلی کوچے میں پھر کر ایک ایک مسلمان کا شانہ ہلا کر اُس کو اپنے فرض سے آگاہ کریں۔ بے شمار ان پڑھ اور بے علم مسلمان، پنجاب کے نئے ٹیکسوں کے ڈر سے اپنا نام نہیں لکھوائیں گے، اُن کے اندیشوں کو دُور کیا جائے۔ حکومت کو توجہ دلائی جائے کہ وہ غیر مسلم شمار کنندوں کے ساتھ ساتھ مسلمان شمار کنندوں کو بھی تحقیق اور پڑتال کے لیے مقرر کرے، تاکہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ ہونے پائے۔ قومیت کے خانے میں بھی سید، مغل اور پٹھان کے بجائے مسلمان ہی لکھوایا جائے۔ زبان کے خانے میں "اُردو" کا اندراج کرایا جائے۔ مُسلم اقلیت کے صوبوں میں تمام مقامی زبانوں کے فارم تیار کیے گئے ہیں: صوبائی حکومتوں سے درخواست کی جائے کہ وہ اُردو زبان میں بھی فارم تیار کرے۔

"البیان" کی اسی اشاعت میں "مردم شماری اور مسلمان" کے عنوان سے ایک مختصر اور جامع مضمون معاصر "طلوع اسلام" سے نقل کیا جا رہا ہے، قارئین "البیان" کا فرض ہے کہ وہ اُسے غور سے پڑھیں اور اپنے زیادہ سے زیادہ بھائیوں کو پڑھ کر سُنا دیں۔

(محمد اقبال سلمانی)

آہ طالب علی[1]

۹ دسمبر ۱۹۴۲ء کو میاں محمد امین الدین صاحب کے گرامی نامہ سے اطلاع ملی کہ حکیم صاحب سخت بیمار ہیں۔ دوسرے دن دریافتِ حال کے لیے بہاول پور خط لکھا۔ اُسی دن زبانی پیغام پہنچا کہ مسافر منزل پر پہنچ گیا۔ کل ۱۰ کو میاں صاحب کے دوسرے خط سے تصدیق ہو گئی، مگر معلوم نہ ہو سکا کہ مرض کیا تھا اور موت کا دن اور وقت کیا تھا ـــــ میرا اس وقت یہ حال ہے کہ میری "خدا پرستی" "طالب علی پرستی" بنی جا رہی ہے۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ اپنے حی وقیوم مالک کی طرف دل لگاؤں، لیکن سامنے طالب علی آجاتے ہیں اور اس صحبت کے بزرگ دوست میاں محمد امین الدین صاحب، مولوی محمد شریف صاحب وغیرہما اور میرے قلب و دماغ پر چھائے جاتے ہیں۔ مرحوم سے میرے تعلقات صحیح یاد نہیں، بیس سال سے تھے یا کچھ کم و بیش۔ مَیں نے اس فکر سلیم اور طبع مستقیم کا آدمی کم دیکھا ہے۔ ان کی رفتار و کردار، اخلاق و اطوار، اوصاف و گفتار سب شیریں تھے، بے حد شیریں۔ اس تمام مدتِ تعلق میں بالکل صحیح عرض کرتا ہوں کہ ایک لفظ بھی کبھی ان کی زبان سے ایسا نہیں نکلا، جو میری سماعت پر بار اور دل پر غبار بنا ہو۔ ایسے پاکیزہ نفوس بہشت میں ملیں، تو ملیں، یہ دنیا ان سے خالی ہے۔ میرے ماں باپ کے بعد مجھے سب سے زیادہ پیار کرنے والا شخص ـــــ آہ! ـــــ دنیائے محبت، اقلیم وفا، جہانِ خلوص، تیرہ و تار، ویران و برباد، خستہ و خراب ـــــ آفتاب روز اپنا روشن چہرہ دکھائے گا۔ زمین و آسمان باقاعدہ گردش کریں گے، نظامِ عالم میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں ہو گی، لیکن حرماں نصیب فراق زدوں کی آنکھیں اپنے مطلوب طالب کو ڈھونڈیں گی اور نہ پائیں گی۔

اسائل عن سلمیٰ فھل من مخبر
یکون لھا علم بھا این تنزل[2]

---

[1] ڈاکٹر حکیم طالب علی ڈسٹرکٹ سینیٹری انسپکٹر ریاست بہاولپور، برادرِ اصغر حکیم شہاب الدین مرحوم بانیٔ "بلاغ"۔ [2] (ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۱۳)

آج میں اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ سکتا۔ ممکن ہے کسی دوسری فرصت میں حواس کو مجتمع کر کے کچھ لکھنے کے قابل ہو سکوں اور اپنے محترم ناظرین کو حضرتِ مرحوم کی سبق آموز زندگی کے مختصر حال سے روشناس کرا سکوں۔

وجدت مصیبات الزمان جمیعہا
سوی الفرقۃ الاحباب ھینۃ الخطب[۱]

عرشی ۱۲ جنوری ۱۱

خاندانی حالات آج ۱۲ جنوری ہے۔ مجھے پرسوں ۱۲ جنوری کو میاں محمد امین الدین صاحب کے ملفوف کے ذریعے حکیم صاحب مرحوم کا مختصر تذکرہ ملا، جس میں اپنے معلومات شامل کر کے درج ذیل کرتا ہوں:

خاندانی طور پر آپ حضرتِ رسالت مآب صلعم کے قبیلہ قریش سے وابستہ تھے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کے اجداد سے کون بزرگ ہندوستان تشریف لائے اور کب؟ اتنا معلوم ہے کہ آپ کے جدِ اعلیٰ مولانا الحاج جناب محمد شریفؒ نے سکھوں کے عہد سے پہلے پنجاب کو اپنا مسکن بنایا۔ علم و عمل میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ۱۲ سال تک مکہ معظمہ میں سقایۃ الحجاج کی خدمت انجام دی۔ پھر ہندوستان میں سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا۔ آپ کا مزار اب تک مرجع انام ہے۔ آپ کے دو بیٹے تھے: ہاشم شاہؒ اور رحمۃ اللہ شاہؒ۔ ہاشم، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے منظورِ نظر پنجابی شاعر تھے۔ رحمۃ اللہ شاہ عالم، طبیب اور صوفی کی حیثیت سے بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ اُن کے فرزندِ رشید پیر شاہ سنسکرت، عربی، فارسی، رمل، جفر، طب وغیرہ علوم میں صاحبِ تصنیف تھے۔ سنسکرت میں تو بڑے بڑے پنڈت ان کے شاگرد تھے۔ پیر شاہ کے بیٹے رحیم شاہ طب و تصوف میں اپنے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۲)

(ترجمہ) "سلمیٰ کے متعلق پوچھ رہا ہوں، کوئی ہے خبر دینے والا، جو یہ بتا سکے کہ اب اس کا قیام کہاں ہے؟" یہ شعر شیخ شبلیؒ کے سامنے پڑھا گیا، تو انہوں نے چیخ ماری اور فرمایا: لا واللہ ما فی الدارین عنہ مخبر۔ نہیں، خدا کی قسم، دو جہان میں کوئی نہیں، جو اس کی خبر دے سکے۔

[۱] میں نے دنیا کی تمام مصیبتیں دیکھی ہیں۔ یاروں کی جدائی سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔

اسلاف کا نمونہ تھے۔ جود وسخا میں ان کی بہت شہرت تھی۔ ان کے جانشین ملک شاہ محمد صاحب نہایت بے نفس صوفی اور طبیب تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے دو صالح فرزند عطا فرمائے حکیم شہاب الدین مرحوم بانی "بلاغ" اور ان کے برادر صغیر حکیم ڈاکٹر طالب علی مرحوم وٹرنری انسپکٹر۔ ۴ جون ۱۹۳۱ء کو حضرت شہاب الملت نے رحلت فرمائی۔ اُس زمانے کے بلاغ میں راقم الحروف نے اُن کے مختصر حالات سپردِ قلم کیے۔ آج تقریباً ۹½ سال بعد اس تلخ فریضہ کو انجام دینے کے لیے زندہ ہوں کہ حکیم طالب علی رح کو جو کل تک ہماری محفلوں کی رونق تھے "مرحوم" لکھوں۔ اور ان کے حالات سے اپنے ناظرین کو روشناس کراؤں۔

آپ ستمبر ۱۸۷۶ء کو موضع جگدیو کلاں ضلع امرت سر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد امرت سر آ کر اسلامیہ ہائی سکول میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ۱۸۹۶ء میں لاہور وٹرنری کالج میں داخل ہوئے۔ اس کی تکمیل کے بعد ۱۸۹۸ء میں بمقام لودھراں بطور انچارج سول وٹرنری ہسپتال متعین ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں آپ کا تبادلہ لاہور چیف سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر سول وٹرنری ہسپتالات پنجاب ہوا۔ ۱۹۰۸ء میں انسپکٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۰۹ء میں راولپنڈی بطور پرنسپل اسسٹنٹ دفتر صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر تعینات کیے گئے۔ دورانِ ملازمت میں بطور فیلڈ انسپکٹر لائل پور، جالندھر، گجرات، امرت سر وغیرہ مقامات میں رہے اور ۱۹۳۲ء میں ریٹائر ہو کر لاہور، کراچی اور امرت سر میں سکونت پذیر رہے۔ آخر جنوری ۱۹۴۰ء میں بہاول پور میں صادق وٹرنری ہسپتال کے انچارج مقرر ہوئے اور وہیں آٹھ دن بیمار رہ کر ۱۰½ بجے صبح ۷ دسمبر ۱۹۴۰ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ سال وفات فقرۂ ذیل ہے:

"گرامی قدر حکیم طالب علی بجنت رفت" (۱۹۴۰ء)

آپ کے پس ماندوں میں ۴ بیٹے، ۳ بیٹیاں اور آپ کی محترم سوگوار بیوہ ہیں۔ دو چھوٹے لڑکوں کے سوا سب مرحلۂ حیات میں اپنے پاؤں سے چلنے کے قابل اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادوں عزیزی محمد اسلم اور فضل الحق کی سعادت مندی سے توقع ہے کہ وہ اپنے نابالغ بھائیوں اور ان کی دردمند والدہ کے دل سے حکیم صاحب مرحوم کی جدائی کا دکھ فراموش کرنے میں امکانی سعی

سے کام لیں گے۔

اخلاق ان کے اخلاق سے متعلق کیا کہا جائے، اس پہلو پر نظر ڈالیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرتا پا اخلاق ہی تھے یعنی، اخلاقِ حمیدہ و شمائلِ پسندیدہ کے سوا ان میں کچھ پایا ہی نہیں جاتا تھا بہت سے لوگ ہیں، جو دُور سے دیکھنے پر انسان معلوم ہوتے ہیں، لیکن قریب جاکر اور معاملہ کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو، تو ان میں انسانیت کی بُو بھی نہیں ہوتی، یعنی:

این کہ می بینی خلافِ آدم اند
نیستند آدم غلافِ آدم اند

لیکن، حکیم صاحب مرحوم قریب تر ہو کر دیکھنے سے خوب تر دکھائی دیتے تھے۔ ان کے ہلکے پھلکے فضائل کی دل کشیاں نمایاں تر ہوتی جاتی تھیں۔ وہ دوستوں کے بوجھ اٹھاتے اور خود کسی پر بار نہیں بنتے تھے۔ محتاج مدد کو جتائے بغیر پردے ہی پردے میں اس کی اعانت کیے جاتے تھے۔ جب ملتے تھے، پورے تپاک سے اخلاص سے، بشاش اور ملائم، مشتاقانہ دل کے ساتھ، عموماً آئندہ ملنے کا وعدہ لے کر چھوڑتے تھے۔ لباس وغذا وغیرہ میں بہ غایت نفاست پسند تھے۔

علم و مذہب دینیات میں ان کا مطالعہ بہت وسیع اور عمیق تھا۔ اُردو، فارسی اور انگریزی پر عبور تھا ان زبانوں میں ہر نئی کتاب جو دینی اور سیاسی امور سے متعلق ہوتی، بڑے شوق سے مہیا فرماتے۔ بہت سے کچھ عرصہ پہلے میری کتاب ترجمہ "مقدمۂ زندگانی محمدؐ" دیکھ کر مجھ سے اصل کتاب مصنفہ جناب محمد حسین صاحب ہیکل مصری منگوائی اور تھوڑے دنوں میں ساری کتاب دیکھ کر ایک کاغذ پر اپنی مختصر اور جامع رائے بھی لکھ بھیجی، جو بالکل مجھ سے متفق تھی۔ میرے ان کے اسلوب فکر میں بہت مناسبت تھی۔ بہت کم اختلاف کو راہ ہوتی تھی۔ البتہ سیاسیات میں وہ لیگ پسند تھے۔ مجھ سے اس معاملے میں تحریری گفت وگو کرنا چاہتے تھے میں نے مختصراً اپنی رائے ظاہر کر کے اس بحث کو چلانے سے گریز کیا۔ میں لیگ کے غیر فانی جمود کا ہمیشہ سے شاکی رہا ہوں اور اس کو لاشوں کی ایک بھیڑ سمجھتا ہوں۔ کانگرس کی فعالیت اور قربانی کا معترف ہوں، اس کے ساتھ ہی کانگرس کی اکثریت کی مسلم کشی سے بھی غافل نہیں۔ اس کا ذمہ دار بھی ایک حد تک مسلم اکابر ہی کو سمجھتا ہوں۔ اگر وہ اسلام کو سمجھ لیں اور ان کے اقوال و اعمال سے اسلام مترشح ہو، تو کانگرس کے خدا اُن کے پاؤں پر سجدہ کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں، لیکن میں اپنے لیگ پسند دوستوں سے کبھی اس موضوع پر مباحثہ نہیں کرتا۔

———— حکیم طالب علی دینیات میں بہ تدریج قرآن تک پہنچے۔ وہ ایک پیر پرست خاندان کے فرد تھے۔ دوران مطالعہ وارتقا میں اُن کے سامنے بہت سی مذہبی تحریکیں، نیچریت، چکڑالویت، احمدیت، وغیرہ آئیں، لیکن وہ کسی پر قانع نہ ہوئے حضرت خواجہ احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو بڑی حد تک اتفاق تھا، لیکن کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے "جس طرح ہم دوسرے لوگوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور خوش اعتقادی کے حجاب میں محجوب تصور کرتے ہیں، کہیں ہم بھی اسی مرض میں مبتلا ہوں" میں کہتا "اگر ہم محض مقلدانہ ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں، تو اپنے محترم بزرگوں، خواجہ مرحوم وغیرہ سے اختلاف و بحث کیوں کریں؟ میں خود اُن کے سمجھے ہوئے کئی مسائل (معجزاتِ موسوی، تختِ بلقیس وغیرہ) میں اُن سے متفق نہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جس طرح قدما کی کورانہ تقلید سے بچایا ہے، اسی طرح عہدِ حاضر کے بزرگوں کی ذہنی غلامی سے بھی نجات دی ہے۔ ہم حتی الامکان ہر صحیح بات، جو قرآن و عقل سے مطابق معلوم ہو، خواہ وہ کسی فرقہ سے منسوب ہو، اُس کو قبول کرتے ہیں" حکیم مرحوم میری اس قسم کی باتوں سے مطمئن ہوجاتے۔ وہ اپنے مخالف کی تحریر و تقریر کو پوری توجہ سے دیکھتے اور اپنے عقائد کی چھان بین کرتے رہتے تھے۔ مجھ سے مختلف عنوانوں پر نظم و نثر لکھنے کی فرمائش کرتے چنانچہ میرے بعض مضامین اُن ہی کی اشارت و راہ نمائی کا نتیجہ ہیں۔ خود بھی کبھی کبھی لکھتے تھے، لیکن اپنا نام کم ہی ظاہر کرتے تھے۔ کبھی "مُسلم" کے نام سے کبھی کسی اور نام سے۔ روایتی علما سے خط و کتابت کے ذریعے تحقیقِ مسائل کرتے رہتے تھے۔ اس طرح وہ روایتی مذہب کے عجز کے متعلق پوری طرح مطمئن ہوچکے تھے ———— میرے مضامین پر صحیح تنقید فرمایا کرتے اور بروقت غلطی سے متنبہ کیا کرتے تھے۔ خدا بھلا کرے علامہ حافظ اسلم صاحب جیراج پوری کا، میں اس باب میں ان کی ہدایتوں اور مشوروں کا بھی بہت ممنون ہوں۔

طب کی مختلف شاخوں بالخصوص یونانی اور ہیڈرو پیتھک سے بہت دل چسپی رکھتے تھے۔ ہر نئی طبی تحقیق کی ٹوہ میں رہتے تھے۔ نبض کے بہت ماہر تھے۔ تشخیص میں کافی مہارت تھی۔

مکاتبت | دوستوں سے خط و کتابت کا سلسلہ عموماً جاری رکھتے تھے۔ خطوں میں غالب کا انداز ہوتا تھا۔ سادگی، بے تکلفی اور محاضرت، ذوقِ شعری بھی خاصا تھا۔ میں نے ایک خط میں یہ رباعی لکھی:

ساربان[۱] ناقہ راں بہ جانبِ نجد　　　کز در و بام او بہ خیزد وجد
اینما یرکع القمر والشمس　　　اینما یسجد العلا والمجد[۲]

۱؎ حاشیہ ملاحظہ ہو بر صفحہ ۱۷۔

جواب میں جو خط لکھا تھا، اس کی ابتدائی سطور یہ تھیں:

"نجد کے در و بام تو وجد میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں، لیکن مجھے تو ضرور اس شعر نے وجد میں لا دیا۔ کئی دن تک اس شعر سے اور آپ کے خط سے لطف حاصل کیا"

آخری سطر یہ تھی:

"خط آپ جلدی لکھ دیں، میری طرح تساہل نہ کریں"[۵]

میں نے سچ مچ تساہل نہ کیا، اسی دن جواب لکھ دیا۔ جواب لکھتے وقت مجھ پر غیر معمولی رقت طاری ہو گئی۔ میں نے خط میں اس کا بھی ذکر کر دیا اور لکھا کہ اگر آپ کو خط لکھتے وقت میری یہی حالت ہوا کرے گی، تو آئندہ خط کس طرح لکھ سکوں گا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ میرا آخری خط ہے۔ اس کے جلدی ہی بعد پہلے بیماری اور پھر رحلت کی خبر سننا پڑی۔ آپ کے نیک بخت صاحب زادہ عزیزی محمد اسلم کے خط سے معلوم ہوا کہ میرا خط بر وقت پہنچا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"آپ کا آخری خط جس میں آپ نے دو ہے بہاول پوری زبان میں لکھے تھے، ان کو ملا۔ اس کو آپ نے ایک بار نہیں، دو بار نہیں، بلکہ ہزار بار ہی پڑھا ہوگا۔ آپ کا خط دیکھ کر فرماتے تھے کہ اچھا ہوا آخری ملاقات اس خط کے ذریعہ سے ہی ہو گئی"

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد! (ہاشمی)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۵)

ساربان ناقہ کو نجد کی طرف لے چل۔ "وہ نجد جس کے در و بام سے وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے، وہ نجد جہاں سورج اور چاند رکوع کرتے ہیں، وہ نجد جہاں بزرگیاں اور بلندیاں سجدہ کرتی ہیں۔

[۵] یہ آپ کا آخری خط ثابت ہوا۔

بیان

مال

(۲)

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر - بی اے)

جو کچھ نباتات اور حیوانات کے طبقات سے ہم حاصل کرتے ہیں، وہ ان کے فطری خواص ہیں، کچھ ہمارے پیدا کردہ نہیں۔ یہ طبقات جو کچھ ہمیں دیتے ہیں، باتباع فطرت دیتے ہیں۔ جو کچھ ہم باتباع ہوائے نفس اخذ کرتے ہیں، وہ "نشہ" ہے۔ ایک ننھی سی جان شہد کی مکھی ہے، ہمیں وہ کچھ دیتی ہے جس میں شفا ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ انسان کچھ عقل و فکر سے کام لیتا اور بہتر سے بہتر شے اخذ کرتا، لیکن وہ ایسی شے اخذ کرتا ہے، جو عقل کا قلع و قمع کر دے۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل خداداد سے کام لیتے ہیں، یہ سبق عبرت بھی ہے کہ مشاہدہ انھیں قانون "قدر"[۱] کی طرف رہنمائی کرتا ہے، یہ علم کیمیا کا موضوع ہے۔ ہر ایک شے مرکب ہے خاص خاص اشیاء سے اور خاص خاص مقدار یا تناسب میں۔

ادنیٰ زندگی کا مقدم تقاضا لعب و لہو ہے اور انسانی محنت اور جانوں کا اکثر حصہ ان ہی اسباب کی فراہمی میں صرف ہوتا ہے، جن سے لعب و لہو اخذ ہو سکتے ہیں۔ علم الاقتصاد میں سامان تعیش (Luxuries) خاص موضوع ہے۔ ہوائے نفس کا غلبہ جب عقل پر ہو، جو بمنزلہ خادم ہے، تو انسان اپنے "معدہ و دل و دماغ" کی ضروریات کی تسکین سامان تعیش ہی میں پاتا ہے۔

تمام کائنات ملکوت السموات والارض اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور ہمیں اس کی رحمت سے ملا ہے اور کسی مقصد کے لیے ملا ہے، لیکن اس مال الٰہی کی قدر و قیمت خواص الاشیاء علم سے وابستہ ہے، مثلاً برق کتنی مفید شے ہے، لیکن جب تک اس کے خواص کا علم نہ تھا اور جب تک یہ معلوم نہ ہوا کہ کس طرح اسے کام میں لایا جا سکتا ہے، یہ انقلاب جو عالم انسانی میں اس نے پیدا کیا ہے، ممکن نہ تھا۔ غور کرنا چاہیے

---

[۱] خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲۵/۲) | اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔

کہ برق ہمیں اُس وقت بھی فائدہ پہنچا رہی تھی، جب اُس کی موجودگی کا ہمیں علم نہ تھا اور علم ہوا، تو یہ شعور تھا کہ کیا فائدہ پہنچا رہی ہے اور جب فوائد کا علم ہوا، تو یہ معلوم نہ تھا کہ کس طرح پہنچا رہی ہے؟ قوانینِ فطرت آفرینش سے سرگرمِ عمل ہیں۔ تنی بات کا علم کچھ بہت مفید نہیں۔ یہ قوانینِ فطرۃ ہیں، ان کا علم ہو یا نہ ہو نافذ ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔ ہمارے اقرار یا انکار سے بالکل بے نیاز ہیں۔ ہم نہ ان کا کچھ بنا سکتے ہیں اور نہ بگاڑ سکتے ہیں، البتہ ان کا علم جب ہمارے عمل میں آئے، تو ترقی کا موجب ہے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ وُہ اشیاء جو مساوی الحجم پانی سے ہلکی ہوں، پانی کی سطح پر پھرتی رہیں گی۔ اس قانونِ فطرت کے عملی علم نے جہازوں کے ذریعہ بحر و بر کو ملا دیا۔ ان قوانین کے علم سے عملاً ہم کسی شے کے خواص کو دو شے کے ذریعے بے اثر کر سکتے ہیں یا ان میں نیا اثر پیدا کر سکتے ہیں۔ آگ کو پانی سے بجھا سکتے ہیں پانی میں حرارت آگ کے ذریعہ پیدا کر سکتے ہیں۔ صحیفۂ فطرت کے مطالعے سے علیٰ وجہ البصیرت ہما علم[1] وسیع ہو رہا ہے اور وُہ امور جو ناممکن سمجھے جاتے تھے، ممکنات کے دائرہ میں آ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی امر ناممکن نہیں، صرف علم کی کمی ہے[2]۔

یہ امر مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ہر ایک شے خود اپنا مقصد پورا کر رہی ہے اور دیگر اشیاء کے مقا کا ذریعہ بھی ہے۔ کائنات کی اشیاء میں سے کوئی شے مقصد بالذات نہیں، ہر ایک شے ذریعہ اور کسی اَور مقصد کا ہے۔ وسائل اور مقاصد کا ایک غیر متناہی[3] سلسلہ کائنات میں نظر آ رہا ہے۔ ننھے ننھے جانور جن کو "کورل" کہتے ہیں، جن کا شمار نہیں ہو سکتا، مل کر جزیرہ بنا دیتے ہیں۔ اس جزیرہ پر پھر طبقہ نباتات اور حیوانات کا ظہور ہوتا ہے، جو انسانی اغراض و ضروریات کے کام آتے ہیں غرض ہر ایک شے دوسری شے کے کام آتی ہے، اس لیے تمام کائنات انسان کے کام کی اشیا

---

[1] وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (۱۲/۱۰۵)
(ترجمہ) اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں، جن پر وہ گذر جاتے ہیں اور اُن پر توجہ نہیں کرتے۔

[2] قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۲۰/۱۱۴)
(ترجمہ) کہہ دے، اے پروردگار! مجھے اَور زیادہ علم عطا کر۔

[3] وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ○ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ○ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ○ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ○ (۵۳/۳۹-۴۲)
(ترجمہ) انسان کو وُہی ملتا ہے، جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اُس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔

بشرطیکہ اُسے ان کے خواص کا علم ہو، اس لیے انسانیت علمی عملی زندگی ہے۔ کائنات میں کوئی شے دوسری شے سے بے تعلق نہیں۔ تعلقات فطری ہیں اور خود انسان کائنات کا ایک جزو ہے اور کل سے اسی طرح وابستہ ہے جس طرح دیگر اشیاء۔

اس تشریح کے بعد کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ مال انسان کو بطور امانت عطا ہوا ہے اور یہ کہ اس کی حیثیت "عبد" سے بڑھ کر نہیں ہے، وہ اس میں تصرف مالکانہ کا حق نہیں رکھتا۔ اس میں تصرف وہ حسب منشاء مالک الملک اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے، جس کی ہدایت اُسے فطرۃً ہو چکی ہے۔ وہ اپنے نفس پر بصیر ہے، لیکن عہدِ فطرت کی یاد ان نفوسِ قدسیہ کے ذریعے ہی تازہ ہوتی رہتی ہے، جن کو انبیاء و رسل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحفِ آسمانی بھی اُسی کا "تذکرہ" ہے اور بس۔ یہ واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مال اللہ" کو کس طرح حاصل کرنا چاہیے اور کس طرح استعمال کرنا چاہیے؟ اس موضوع پر قرآنی ہدایات مفصل ہیں اور ان کا مطالعہ قرآن ہی میں کرنا چاہیے۔ چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ اشیاء (commodities) ابتداءً فی الخارج موجود ہیں اور ہماری پیدا کردہ نہیں۔ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ضروریات خواہ "معدہ سے پیدا ہوں یا دل و دماغ سے" ہماری پیدا کردہ نہیں اور اس لیے ان ضروریات اور اشیاء فی الخارج میں ایک فطری تعلق ہے اور اشیاء فی الخارج فطرۃً ہماری ضروریات کو خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو، تسکین دیتی ہیں اور ضروریات بے شمار اور ہر ایک ذہنی ارتقائی مرحلہ پر مختلف ہیں اور ان کا احساس کچھ تو فطرۃً ہوتا ہے اور اکثر ضروریات کا احساس ذہنی ارتقاء کے ساتھ ہوتا ہے۔

اشیاء کے خواص کا علم ابتداءً وحیاً ہوتا ہے اور کسی نہ کسی شخص کے قلب پر وحی ہوتا ہے۔ آج تک ہر ایک دریافت اور ایجاد واحد شخصیت کی مرہون ہے۔ یہ کبھی نہیں ہُوا کہ ایک ہی زمانہ میں کسی دریافت یا ایجاد کا القا تمام عالمِ انسانی کو ہُوا ہو، لیکن اس دریافت یا ایجاد کا فائدہ تمام عالمِ انسانی کو یکساں پہنچ رہا ہے، بشرطیکہ کوئی قوم یا شخص خود ہی اس کے فوائد سے بے اعتنائی نہ برتے۔ یقیناً اسی قوم پر دیر سویر عذابِ الٰہی[۵] نازل ہوتا ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی کو جھٹلا رہی ہے

---

۵ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا | جو لوگ مال میں جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے، بخل کرتے ہیں (باقی برصفحہ)

اور یہ کیا کم عذاب ہے کہ وہ قومیں جو دریافت اور ایجاد سے فائدہ اٹھا رہی ہیں، ترقی کر رہی ہیں اور یہ قوم درماندہ اور ان فوائد سے محروم ہے اور نسبتاً تنزل میں ہے۔ ایسی قوم ہمیشہ محکوم، مغلوب، اور مقہور اور مغضوب ہوگی اور یہ بھی قانونِ فطرت ہے کہ ایسی قومیں جو خود ترقی کا فائدہ اٹھا رہی ہیں، دیدہ و دانستہ باتباع ہوائے نفس دوسری قوموں کو ان فوائد سے روکتی ہیں، تو دیر سویر وہ بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوں گی اور ایسے انقلاب کی زد میں آئیں گی، جو انھیں مغضوب قوموں کی صف میں کھڑا کر دے گا۔ ایسے واقعات کا اعادہ تاریخ ہمیشہ کرتی رہی ہے اور ان سے چشم پوشی کرنا آیاتِ الٰہی کی تکذیب ہے۔ یہ طُرفہ بات ہے کہ جس شخص کے قلبِ سلیم میں کسی دریافت یا ایجاد کا القا ہوتا ہے، وہ تو دنیا جہان کو اس سے آگاہ کرتا ہے، لیکن جس قوم کے عمل میں آتی ہے۔ وہ بخل کرتی ہے اور ہر ایک ممکن رکاوٹ ڈالتی ہے کہ دوسری قومیں اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں محض آلۂ کار ہیں۔ درحقیقت وہ قوم جو آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتی اور کان رکھتے ہوئے نہیں سنتی، اسی عذاب کی سزاوار ہے، جو دوسری غالب قوموں کے ہاتھ سے انھیں پہنچ رہا ہے[۵]۔ جو قوم اس منشاءِ الٰہی کو نہیں سمجھتی، بلکہ سچ تو یہ ہے، اغماض سے کام لیتی ہے، وہ اس لائق نہیں کہ زندہ رہے اور اگر زندہ رہے، تو غلام بن کر رہے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۹)

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۳/۱۸۰)	وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں)، بلکہ ان کے لیے برا ہے۔ وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اور آسمانوں اور زمین کا وارث خدا ہی ہے اور جو عمل تم کرتے ہو، خدا کو معلوم ہے۔
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۶/۱۶۵)	(ترجمہ) اور وہ (خدا) ہی تو ہے، جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے، تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشا ہے، اس میں تمھاری آزمائش کرے۔ بے شک تمھارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک بخشنے والا مہربان بھی ہے۔
۵ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (۱۷/۵)	(ترجمہ)

قرآنِ عظیم کی ہدایت ہے کہ مال کا مصرف صرف ضروریاتِ انسانی ہیں، خواہ ذہنی ہوں یا خارجی، اس لیے مال وہاں صَرف کرنا چاہیے، جہاں اس کی ضرورت ہو، خواہ اپنے لیے یا غیر کے لیے۔ ایک شخص مال کماتا ہے، جو کچھ اس کی اپنی ضروریات کی تسکین[1] کے لیے بچ رہے، وہ دوسروں کی ضروریات پر صَرف کرنا چاہیے۔ قومیں زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت میں لگی ہوئی ہیں، جن سے وہ اپنی ضروریات مبادلہ سے پوری کرتی ہیں۔ ابتدا میں مبادلہ بلاواسطہ اشیاء کا تھا، لیکن انسانی ذہنی ترقی کے ساتھ مبادلۂ اشیاء عموماً بہ ذریعۂ زر ہوتا ہے۔ اس میں سہولت ہے۔ اس محنت سے جو زراعت وغیرہ پر صرف ہوتی ہے؛ زیادہ تر "معدہ" کی ضروریات کی تسکین ہوتی یا ذہنی تعیش کا سامان بھی بہم پہنچتا ہے۔ مال کثرت سے پیدا کیا جاتا ہے، اور مال پیدا کرنے والی قوم کی ضروریات سے بہت بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ حصہ مال جو پیدا کرنے والے کی ضروریات سے بڑھ کر ہوتا ہے "راس المال" کہلاتا ہے۔ قرآن نے ایک لفظ "عفو" میں اس کی جامع ومانع تعریف کی ہے اور ہدایت یہ فرمائی ہے کہ اسے نفقہ کیا جائے، اس لیے "عفو" کا اطلاق ہر ایک شے پر ہوتا ہے: جو نفقہ ہو سکے اور نفقہ رزق میں ہے، جس سے ان ضروریات کی تسکین ہوتی ہے، جو "معدے یا دماغ" سے پیدا ہوں۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں کہ اس کا اطلاق مال وجاہ وعلم وغیرہ پر ہوتا ہے" مما رزقنٰھم ینفقون" کا یہی مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ تعالٰی نے کسی کو فضیلت دے رکھی ہے، وہ دوسروں کے فائدے کے لیے صَرف کی جائے۔ خود لفظ "فضیلت[2]" ہی "عفو" کے ہم معنٰی ہے۔ عفو، راس المال ہے اور اس کی وجہ سے جو بڑائی حاصل ہوتی ہے، فضیلت ہے۔ منشاءِ فطرت یہ ہے کہ فضیلت خواہ

---

[1] وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ ٱلْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْـَٔايَٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ (۲۱۹/۲) — اور تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح خدا تمھارے لیے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے؛ تاکہ تم سوچو۔

[2] وَٱللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِى ٱلرِّزْقِ ۚ فَمَا ٱلَّذِينَ فُضِّلُوا۟ بِرَآدِّى رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَآءٌ ۚ أَفَبِنِعْمَةِ ٱللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ (۷۱/۱۶) — (ترجمہ) اور اللہ تعالٰی نے رزق (دولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے، وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے نہیں ہیں کہ سب اُس میں برابر ہو جائیں، تو کیا یہ لوگ نعمتِ الٰہی کے منکر ہیں؟

کسی کو عطا ہو۔ اس کا فائدہ یکساں تمام عالمِ انسانی کو پہنچے اور اس طرح مساوات قائم رکھے۔ فطرت میں اختلاف اس حد تک ہے کہ ایک ہی درخت کے دو پتے بھی باوجود مشابہت برابر نہیں ہوتے اور ان میں اختلاف صورت خواہ کتنا ہی خفیف ہو، ضرور ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور صنعت کاملہ پر شہادت ہے کہ باوجود اختلاف وفضیلت، مساوات مشاہدہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مساوات کی تصدیق فضیلت کے تصور پر موقوف ہے اور فضیلت اور مساوات لازم و ملزوم ہیں۔

ادنیٰ زندگی کی ضروریات ناگزیر ہیں، لیکن مقصد بالذات نہیں۔ مے اور قمار بازی میں سے اول الذکر بعض حالات میں نافع بھی ہے، لیکن سامانِ تعیش بندگانِ خدا کے حقوق تلف کر کے فراہم ہوتے ہیں۔ "اثم" کا ترجمہ عموماً گناہ کیا جاتا ہے، لیکن "اثم" سے مراد ایسا عمل ہے، جس سے حقوق العباد تلف ہوں۔ ام الخبائث خمر تو اس لحاظ سے ہر ایک شے سے بڑھ کر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ "سکر" جو اشیاء سے انسان اخذ کرتا ہے، خود اشیاء کی فطری خواص میں داخل ہے، ورنہ انسان "سکر" پیدا کر ہی نہ سکتا، لیکن کوئی شے بہ لحاظ خواص بہ تعلق انسان نہ تو خالص اچھی اور نہ خالص بری ہے۔ آگ جہاں ہمارے چولہے گرم رکھتی ہے، گھر کو بھی جلا کر خاک سیاہ کر سکتی ہے۔ اچھا اور برا اعتباری اصطلاحات ہیں اور استعمال سے ان کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ "جوا" انسانی اختراع ہے، اس کے منافع میں بھی کچھ شک نہیں، لیکن حقوق العباد اس سے بھی تلف ہوتے ہیں۔ اشیاء کا استعمال خواہ ان کا منافع اشیاء کے فطری خواص سے ماخوذ ہو یا خود انسانی اختراع سے اخذ کیا جائے، اسی حد تک جائز ہو سکتا ہے، جس حد تک حقوقِ انسانی محفوظ ہوں۔ قمار بازی کا تو قریب قریب زندگی کے ہر ایک شعبہ میں دخل ہو چکا ہے۔ تجارتی قمار بازی اس قدر عام ہے کہ خالص تجارت جو عالمِ انسانی کے فائدے اور اتحاد کی چیز ہے، عالمِ انسانی کے حقوق غصب کر رہی ہے اور قوموں میں تفریق ڈال رہی ہے اور حاکم ومحکوم اور ظالم ومظلوم جماعتیں پیدا کرتی ہے۔

ف ۱ خمر کچھ عرصہ کے لیے مصنوعی خوشی اور خرمی اور دلیری اور اطمینان پیدا تو کر سکتی ہے اور اس طرح غم نوش زندگی قابلِ برداشت بنا لیتا ہے، ورنہ غالباً خودکشی کر لے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مے نوشی جسم اور دل و دماغ پر وہ اثر ڈالتی ہے کہ اعضاء کو کم زور اور ضمیر کو مُردہ کر دیتی ہے اور اپنے نفس پر اعتماد نہیں رہتا۔ جرائم اور امراض کی کثرت اور ذلتِ نفس کا احساس مفقود ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے، ہوائے نفس یعنی ادنیٰ زندگی کی خواہشاتؔ[۱] تمام خرابیوں کی جڑ ہیں، اس لیے جب تک انسان "تقویٰ" سے کام نہ لے گا "فلاح" کا منہ نہ دیکھے گا، لیکن لوگ کہتے ہیں کہ جو سبق نیکی کا مذہب دیتا ہے، کچھ فرشتوں ہی کے مناسب ہے۔ انسان کی طینت ملائکہ سے مختلف ہے۔ اگر "عفو" یا رأس المال نفقہ کیا جائے، تو اس داد و دہش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ کاہل ہو جائیں گے اور غنی فقیر۔ یہ تمام نفسانی فریبؔ[۲] ہیں۔ انسان بلاشبہ فرشتہ نہیں، لیکن فرشتے اس کے خدام ہیں، اور وہ مخدوم۔ فرشتے ساجد ہیں اور وہ مسجود۔ انسان فرشتوں سے بالاتر ہستی ہے۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس کے وجود میں ادنیٰ انواع حیوانی کی طاقتیں بھی ہیں۔ جن کو عقل کے تحت وہ کام میں لاتا ہے اور بے ارتقاء میں مدد دیتی ہیں۔ اگر یہ طاقتیں انسانی وجود میں نہ ہوتیں، تو انسان مورد اعتراض نہ ہوتا کہ وہ خوں ریز اور مفسد ہے۔ انسان صرف خوں ریز اور مفسد ہی نہیں، اگر وہ چاہے، تو خوں ریزی اور فساد سے بچ بھی سکتا ہے۔ وہ امن پسند بھی ہے اور جب وہ اس طاقت کو جو خوں ریزی اور فساد میں استعمال ہوتی ہے۔ عقل کے تحت رکھتا ہے۔ تو امن بھی

---

[۱] زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (۳/۱۴)

(ترجمہ) لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں: عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہے (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔

[۲] یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ

(ترجمہ) اے ایمان والو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں، ان میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو؛ اور بُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ (اگر وہی چیزیں تمہیں دی جائیں، تو) بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کر لو اُن کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے نیاز (باقی بر صفحہ ۲۴)

قائم کر سکتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ طاقتیں نہایت مفید ہیں ۔ ان کا استعمال باتباع ہوائے
نفس مذموم ہے ۔ انسان اعلیٰ طاقتوں کا مالک بھی ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ان طاقتوں کو ہوائے
نفس کے تابع کر دے اور عذاب کے منہ آئے ۔ بہ ہر حال انسانیت کے شایاں تزکیہ نفس
عن الہویٰ ہے ۔ قرآن عظیم میں لفظ "زکوٰۃ" کا مفہوم یہی کچھ ہے کہ جس سے تزکیہ نفس ہو ،
لیکن اصل میں "عفو" اور "فضیلت" کی طرح اس لفظ میں بھی "زیادتی" کا مفہوم ہے ۔ قرآن حکیم
کا مطالبہ اسی مال میں ہے ، جو مال دار کی ضرورت سے زائد ہو ۔ یہ حق ان لوگوں کا ہے ، جن کو
اس کی ضرورت ہے ۔ غرض یہ ہے کہ مال ضروریات پر صرف ہو اور ان لوگوں کی ضروریات
بھی اسی سے تسکین پائیں ، جن کی محنت و مشقت سے مال حاصل ہوتا ہے ۔ فضیلت عام مشاہدہ
ہو رہی ہے اور فطرۃً ہر ایک شخص کسی نہ کسی امر میں فضیلت رکھتا ہے ، اس لیے ہر ایک شخص
فطرۃً جس امر کا اہل ہے ۔ وہ اس امر کو خوش اسلوبی سے کر سکتا ہے ۔ مال کمانا اور اس کی حفاظت
اور تقسیم مختلف امور ہیں ۔ کمائی میں کم و بیش ہر ایک شخص حصہ لیتا ہے اور یہ بھی مختلف قسم کی ہے ۔
فطری قابلیت اور فضیلت مختلف قسم کی ہے ۔ اس میں مساوات نہ تو قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہونی
چاہیے ، لیکن جو کچھ ان سے حاصل ہوتا ہے ، اس میں مساوات قائم ہو سکتی ہے اور ہونی بھی چاہیے ۔
مال کی حفاظت اور تقسیم سے مال کا کمانا نسبتاً سہل ہے ۔ مال کی حفاظت ان ہی لوگوں کے ذمے
ہونی چاہیے ، جو اس کے اہل ہیں ۔ نااہل مال تو کما سکتا ہے ، لیکن مال اڑاتے اسے دیر نہیں لگتی
اور قومی دولت میں تمام قوم کا حصہ ہے اور قوم کی ارتقا کے کام آئے ۔

الشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۞ (۲۶۷ ، ۲۶۶ : ۲)	اور قابلِ ستائش ہے (اور دیکھو!) شیطان (کا کہا نہ ماننا ، وہ) تمھیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور خدا تم سے اپنی رحمت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔

لہ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۞ (۲۵/۷۰) | اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے (یعنی) مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا ۔

ہے وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اکْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ (۴/۵) | اور بے وقوفوں کو اپنا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے مت دو ! (ہاں ، اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول باتیں کہتے رہو ۔

توفائدہ مند ہے، ورنہ قومی تنزل کا موجب بن جاتی ہے۔ مال کی تقسیم سب سے زیادہ مشکل کام ہے اور یہ کام ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے، جو "قوی امین" ہوں۔ موجودہ زمانہ میں اگرچہ عالم انسانی نے تقسیم کار کے فوائد معلوم کر لیے ہیں، لیکن ابھی تک جو شخص کماتا ہے، وُہی حفاظت اور تقسیم بھی کرتا ہے۔ حفاظت کا ایک ذریعہ "بنک" بھی ہے، لیکن قرآن، بنک کا، جس طرح وہ آج کل چل رہے ہیں، حامی نہیں۔ البتہ "بیت المال" حسب ہدایت قرآن ضرور قائم ہونا چاہیئے۔ حفاظتِ مال کا یہ مطلب نہیں کہ مال کسی جگہ جمع ہو کر مقفّل کر دیا جائے اور اس پر سخت پہرے لگا دیے جائیں۔ یہ کام تو ہر ایک مال دار کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ حفاظت کا مفہوم یہ ہے کہ مال بے جا صرف نہ ہو۔ اسراف، اور بے جا مصرف ایک ہی بات ہے، یعنی مال ضروریات پر صرف ہو، خواہ انفرادی ہوں یا قومی۔ مال دار عموماً ڈینگ مارا کرتے ہیں کہ ہم اپنی جسمانی اور ذہنی طاقت سے مال کماتے ہیں، کیوں نہ ہم اس کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور کیوں اُن لوگوں کو دیں، جو اپاہج، کاہل اور سست پیشہ ہیں۔ اوّل تو مال اللہ کا ہے اور اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے۔ دوسرے جسمانی طاقت سے جو کچھ کمائی ہو سکتی ہے۔ اس سے کوئی شخص اتنا مال دار نہیں بن سکتا، جتنا ذہنی طاقت سے۔ مال، جو مال دار کماتا ہے عموماً لوگوں کی گاڑھے کی کمائی ہوتی ہے، جس پر وہ ذہنی جوڑ توڑ سے قبضہ جما لیتا ہے۔ تیسرے یہ طاقتیں جن پر مال دار اِتراتا ہے اس کی ذاتی پیدا کردہ نہیں، وہ بھی عطاءِ رحمانی ہے۔

خود فطرت کا منشاء ہے کہ مال کا پورا پورا فائدہ نہ صرف اُس شخص کو ملے، جو کماتا ہے، بلکہ ہر شخص کو ملے، جو اس کا مستحق ہے۔ مال دار جو صرف اپنے ہی نفس پر مال صرف کرتا ہے، ہرگز ہرگز مال

۱۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (۹ - ۳۴)

(ترجمہ) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو اُس دن کے عذابِ الیم کی خوش خبری سُنا دو، جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا اور پھر اس سے اُن (بخیلوں) کی پیشانیاں، اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے، جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو!

کا پورا فائدہ نہیں اٹھاتا اور بالفرض اگر وہ بزعم خود اٹھا رہا ہے، تو جو قابلیت اور صلاحیت مال میں حسب منشا فطرت عام فائدہ پہنچانے کی ہے، اُسے نقصان پہنچا رہا ہے۔

بہ لحاظِ مال عالمِ انسانی میں تین طبقات پائے جاتے ہیں۔ایک غنی، دوسرے فقیر اور تیسرے متوسط طبقہ کے لوگ۔غنی عموماً محتاج[1] ہی ہوتا ہے "آناں کہ غنی تر اند محتاج تر اند" وہ ہر ایک شخص کی امداد کا محتاج[2] ہوتا ہے، اس کے لیے محنت سے کمائے تو کوئی اور، اُسے اٹھائے بٹھائے کھلائے پلائے تو کوئی اور، اُسے معدے کے متعلق اکثر شکایت رہتی ہے اور کوئی نہ کوئی بیماری ضرور لاحق رہتی ہے، جو کسی فقیر یا متوسط طبقہ کے آدمی کو ہو، تو پروا نہ کرے، مگر انتہائے احتیاج کے باوجود وہ مال دار ہے اور بندگانِ خدا اس کی پوجا کرتے ہیں، اس کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔اگر وہ مال دار نہ ہو، اور مال دار ہوتے ہوئے اتباع ہوائے نفس نہ کرے، تو اس کی بندگی کون کرے؟ دُنیوی مال کتنا گُم راہ کُن ہے کہ مال[3] دار خدا تک کو بھول جاتے ہیں، لیکن وہ بھی گُم راہ ہو جاتے ہیں، جو مال دار تو نہیں، لیکن مال اسی طریقہ پر کمانا چاہتے ہیں، جس کی مثال مال دار پیش کر رہے ہیں۔غرض ایک دنیا فریب نفس میں مبتلا ہے اور گُم راہ ہے:

نفس کافر کم تر از فرعون نیست
لیک او را عون و ایں را عون نیست

---

[1] یَا أَیُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۱۵ | (ترجمہ) لوگو! تم (سب) خدا کے محتاج ہو اور خدا بے پروا سزاوارِ حمد (وثنا) ہے!

[2] اقبال نے کیا خوب کہا ہے!

مانگنے والا گدا ہے، صدقہ مانگے یا خراج	کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطاں سب گدا!

[3] رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۸۸ | (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال و زر دے رکھا ہے۔ اے پروردگار! ان کا آل یہ ہے کہ تیرے رستے سے گُم راہ کر دیں۔ اے پروردگار! ان کے مال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ جب تک عذابِ الیم کا مزہ نہ چکھ لیں۔ ایمان لائیں۔

مال دو قسم کا ہے، جو مال داروں کے قبضہ میں ہوتا ہے: ایک وہ جو انسانی جسمانی ضروریات خورد و نوش و پوشش میں صرف ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو ان ضروریات کی تسکین کے بعد بچ رہتا ہے، جو عفو سے تعبیر ہوتا ہے۔ قرآن عظیم کی ہدایات تو یہ ہیں کہ اسے جہاں اور جس کو اس کی ضرورت ہو، صرف کیا جائے، خواہ یہ ضرورت معدہ سے پیدا ہو یا دماغ سے، لیکن بخیل مال دار تو اسے جمع کرتا ہے اور یہ انتہائی بخل ہے کہ وہ اپنے نفس سے بھی بخل کرتا ہے، اس سے کب توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں کی شکم پُری یا تن پروری کرے گا، خواہ دوسرے اس کے اقربین ہی کیوں نہ ہوں؟ لیکن بعض بخیل جو سمجھتے ہیں کہ "برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر" وہ لوگوں کی ضروریات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ خود اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کے نفوس کو فقر و فاقہ میں مبتلا رکھتے ہیں، لیکن دوسروں کی شکم پُری اور تن پروری ضرور کرتے ہیں۔ کتنا عظیم الشان ایثار ہے! وہ روپیہ قرض دیتے ہیں۔ قرآن عظیم تو یہ ہدایت فرماتا ہے کہ "قرضِ حسنہ"[1] دو اور وہ بھی اللہ کو دو۔ سبحان اللہ! اور تمھیں اسی دنیوی زندگی میں دُگنا سہ گُنا بلکہ بے حساب اجر ملے گا اور آخرت میں تو جو کچھ ملے گا، اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ مال دار روپیہ تو دیتا ہے، لیکن اس شرط پر کہ اصل روپیہ معہ سود بلکہ سود در سود ادا ہو جائے۔ شرح سود بادی النظر میں قلیل معلوم ہوتی ہے اور ناسمجھ مقروض تو اس کی پیچیدگی کو سمجھ ہی نہیں سکتا اور اگر سمجھ بھی ہو، تو ضرورت سے مجبور ہوتا ہے، جو زیادہ تر خیالی ہی ہوتی ہے۔ اس موضوع پر کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ قرآن حکیم کی ہدایات در بارۂ ربا بالکل

[1] مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَـقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲۴۵/۲)	(ترجمہ) کوئی ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اسے کئی حصّے زیادہ دے گا اور خدا ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اُسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔
مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَـنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ (۲۶۱/۲)	(ترجمہ) جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان (کے مال) کی مثال اُس دانے کی سی ہے، جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس (کے مال) کو چاہتا ہے، زیادہ کرتا ہے۔

[2] فیہ نظر (البیان)

صاف ہیں کہ قطعاً حرام ہے۔[1] لیکن بعض اہل الرائے کا یہ قیاس ہے کہ بنک کا سود یا وہ سود جو گورنمنٹ ادا کرتی ہے "ربا" میں داخل نہیں۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ اس قسم کے سود کا بوجھ بھی بالآخر اسی جماعت پر پڑتا ہے، جو مالدار نہیں۔

صدر اسلام میں جو بیت المال قائم کیا گیا تھا، وہ محض "عفو" کی ایک منظم صورت تقسیم کی تھی، یعنی، ایک ہی شخص کو جو مال کماتا ہے، اس تکلیف سے سبکدوش کیا گیا تھا، جو تقسیم مال میں اسے ہوتی۔ یہ کام "عاملین" کے سپرد کیا گیا کہ لوگوں سے "زکوٰۃ" کا مال لے کر بیت المال میں رکھتے اور پھر مستحقین میں تقسیم کرتے تھے، لیکن ایسا انتظام انتظامی حکومتیں ہی کر سکتی ہیں بیت المال سودی کاروبار نہیں کیا کرتا تھا۔ افسوس ہے کہ ہمارے فقہاء نے "ربا" ایک ہی

---

[1] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ (۳: ۱۳۰، ۱۳۱)

(ترجمہ) اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو، تاکہ نجات حاصل کرو اور دوزخ کی آگ سے بچو، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (۲۷۸-۲۸۰)

(ترجمہ) اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو، تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے، اُس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کروگے، تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) خدا اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر تم توبہ کر لوگے (اور سود چھوڑ دوگے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے، جس میں اوروں کا نقصان نہ تمہارا نقصان۔ قرض لینے والا تنگ دست ہو، تو اسے کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زر قرض) معاف ہی کردو، تو تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ تم سمجھو۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (۲۷۵)

(ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ (قبروں سے) اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے، جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو، یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے، جیسے سود لینا، حالانکہ تجارت کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

جنس کی اشیاء میں قیاس کیا اور اگر ایک جنس کی شے دوسری جنس کے عوض زیادہ مقدار و قیمت میں لی جائے، تو مباح خیال کیا۔ یہ قیاس اصولاً غلط ہے جس کا بیان قرآن حکیم میں ہے۔ "ربا" کیا ہے؟ اس زائد مال کے استعمال کا معاوضہ ہے، جو مالدار کسی حاجت مند کو خاص شرح سود پر دیتا ہے۔ اس کا اصل مال جسے رأس المال کہتے ہیں، محفوظ ہے اور مدت معینہ کے بعد اس مال کے ساتھ مقررہ شرح کے لحاظ سے اور زائد مال وہ شخص ادا کرتا ہے، جو اس مال کو استعمال میں لاتا ہے۔ مہذب لغت میں سود اور نفع اور ایسی اصطلاحات بہت ہیں، جن سے جواز کا مفہوم پیدا کیا جاتا ہے۔ ہمارے فقہاء بھی اسی غلط فہمی میں اُلجھے ہوئے ہیں، جس میں اکثر علمائے علم الاقتصاد مبتلا ہیں۔

مبادلہ اشیاء ہی تجارت ہے اور ابتداء میں جب کہ انسانی ذہن نے اتنی ترقی نہ کی تھی کہ سونے چاندی کے سکے ذرائع مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتے، لوگ اپنی ضروریات مبادلہ اشیاء ہی سے پوری کرتے تھے، لیکن روپے پیسے نے مبادلے میں سہولت پیدا کر دی ہے۔ اگر ایک شخص کے پاس چاولوں کی ایک بوری اپنی ضروریات سے زائد ہے اور اسے کپڑے کی ضرورت ہے، تو وہ ایسے شخص کی جستجو میں نکلتا، جس کے پاس کپڑا اس کی اپنی ضرورت سے زائد ہو، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ اس شخص کو چاولوں کی ضرورت نہ ہوتی، وہ جوتا طلب کرتا۔ اب دونوں یا زیادہ حاجت مند ایسے شخص کی تلاش میں نکلتے، جو جوتا مہیا کرتا۔ اب فرض کرو کہ اسے نہ کپڑے کی حاجت ہے اور نہ چاولوں کی، بلکہ کسی اور شے کا طلب گار ہے۔ تو اس صورت میں مبادلہ اشیاء میں بہت وقت اور محنت ضائع ہوتی اور اب بھی بعض وحشی اور نیم وحشی اقوام میں مبادلۂ اشیاء جاری ہے۔ تجارت دراصل یہی مبادلہ اشیاء ہے۔ روپیہ پیسہ محض ذریعۂ مبادلہ ہے۔ بلاشبہ سونے چاندی کی ذاتی قیمت یہی ہے اور وہ بھی دیگر اشیاء کی طرح مبادلہ کی ذیل میں آتی ہیں، لیکن یہ مقام اس بحث کا نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام میں سود خوار لوگ "ربا" کو تجارت ہی سمجھتے تھے۔ تجارت پر مفصل بحث سردست ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ عام اشیاء جو ہماری جسمانی ضروریات خورد و نوش و پوشش کے کام آتی ہیں، ہمیشہ مبادلہ ہوتی رہی ہیں اور وہ اشیاء جو زیورات میں استعمال ہوتی ہیں، ویسی ہی اشیاء ہیں، جیسی اشیاء خورد و نوش یا اشیاء جو تعمیرات کے کام آتی ہیں۔ مبادلے میں اشیاء کی قیمت اشیا کی مقدار کے مناسب ہوتی ہے، جو حسب ضرورت مقرر ہو سکتی ہے۔ مثلاً: ایک من گندم کی قیمت دو روپے

ہے اور ایک من چاول کی قیمت آٹھ روپے ہے، اس لیے ایک من گندم مقررہ شرح قیمت پر دس سیر چاول کے برابر ہے۔ اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو ایک من گندم اُدھار دیتا ہے اور فصل پر ایک من گندم کے ساتھ دس سیر گندم زائد وصول کرتا ہے اور یہ کم از کم شرح سود ساہوکاروں کی ہے اور اسی طرح ایک شخص دس سیر گندم کی جگہ ڈھائی سیر چاول زائد لیتا ہے، یا اس کی مقررہ قیمت نقد وصول کرتا ہے۔ تو اس سود سے جو ایک سو روپیہ پر ایک روپیہ یا آٹھ آنے یا کم و بیش ہو کس طرح ممیز ہو سکتا ہے؟ بہرحال یہ سود ہے، تجارتی منافع نہیں۔

اشیاء یا تو زمین کی پیداوار ہیں، یا وُہ جو کسب حلال سے حاصل ہوں، جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔ زمینی پیداوار میں تمام خام اشیاء داخل ہیں اور کسب کی ذیل میں وُہ اشیاء آتی ہیں، جو خام اشیاء سے بنتی ہیں۔ وُہ اشیاء جو کسب سے حاصل ہوں، ان کی قیمت خام پیداوار سے زیادہ ہوتی ہے۔ خام پیداوار سے وہ اشیاء مراد ہیں، جو فطری حالت میں دست یاب ہوں۔ ہوا بھی ایک شے ہے، لیکن یہ زمین کی پیداوار نہیں اور اللہ تعالےٰ کی عام نعمت ہے۔ اس کی کچھ قیمت نہیں۔ اگرچہ ضروریات زندگی میں سب سے مقدم ہے۔ دوسرے درجہ پر پانی ہے، یہ بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جب تک بارش کی صورت میں ہو، اس کی بھی کچھ قیمت نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تمام ضروریات زندگی خواہ زمین سے حاصل کی جائیں یا آسمان سے۔ سب اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں جب اُن پر کچھ قیمت صَرف ہو، تو مقررمحنت جس کے مدارج بہ تعلق استعمال مختلف ہیں، اس کی قیمت مختلف زمان و مکان میں مقررہ مگر مختلف ہوتی ہے۔ اب یہ سوال اعتراض کی صورت میں پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر ایک شے مبادلہ میں اصل قیمت پر فروخت ہو، تو "نفع" کہاں سے آئیگا۔ مثلاً: ایک من گندم قیمت میں دس سیر چاولوں کے برابر ہے۔ اگر ان کا مبادلہ ہو، تو ظاہر ہے کہ مبادلہ میں نفع نہیں، بعض ضروریاتِ کی تسکین ہے۔ یہ صحیح ہے کہ "منافع" ان معنوں میں جو مروّج ہے، مبادلہ میں جب کہ وہ مقررہ شرح قیمت پر ہو، کچھ بھی نہیں۔ یہ مال کی وُہ قسم ہے، جو ضروریاتِ جسمانی یعنی، خورد نوش و پوشش کو تسکین دیتی ہے۔

دوسری قسم مال کی وُہ ہے، جو "منافع" لیے ہوئے ہے۔ یہ وُہ مال ہے، جو ضروریات کی تسکین کے بغیر بچ رہتا ہے۔ اگر یہ صَرف نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ ضائع ہو جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کس طرح اور کہاں صَرف ہوتا ہے؟

اس میں کچھ نہیں کہ خود فطرت "کثرت" پیدا کرتی ہے، لیکن فطرت میں کثرت اور اختلاف" دونوں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ عالم انسانی میں دو شخص بھی خواہ ایک ہی والدین کی اولاد ہوں، ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ایک ہی درخت کے دو پتے بھی یکساں نہیں ہوتے۔ کثرت کا یہ عالم ہے کہ ڈارون لکھتا ہے کہ گندم کا ایک دانہ اگر اسکا حاصل ضائع نہ ہو، پچیس سال میں تمام روئے زمین کو گندم کا کھیت بنادے گا۔ اب اللہ تعالیٰ خالقِ ارض وسما کی صنعتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا مشاہدہ کرو کہ "قانونِ تدبر" کے تحت ہر ایک شئے کو مناسب اور مقررہ اندازے سے رزق مل رہا ہے۔ کل طبقات کو رب العالمین پرورش فرما رہا ہے۔ انسان کے سوا کوئی طبقہ نہ تو تجارت کرتا ہے اور نہ سود و زیاں سے واقف ہے، لیکن زندہ ہے اور منشاءِ فطرت کو پورا کر رہا ہے:

بیدل بہ حصولِ رزق آمادہ بسر　　سگ چاکر سگ نگشت و خر بندہ خر
از مخترعاتِ کارگاہِ امکاں　　این ننگِ شعور نیست جز صنعِ بشر

قرآن میں نفع کا مفہوم وہ نہیں ہے، جو عام لوگوں کے ذہن میں ہے۔ یہ لفظ "ضرر" کے مقابل استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ "خسارہ" کے مقابل استعمال نہیں ہوا۔ "نفع" ہر ایسی شئے میں ہوتا ہے، جو وقت پر کسی نہ کسی کام آئے۔ چنانچہ مال و اولاد میں بھی نفع ہے، ایمان اور کسبِ خیر میں نفع ہے، نصیحت میں نفع ہے، اگر اس پر عمل کیا جائے، عذر و معذرت بھی نافع ہے، صدق بھی نفع دیتا ہے، کسی موقع پر فرار سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ "واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض" یعنے نفع دینے والی شے کے لیے بقا ہے۔ لفظ "منافع" عموماً چارپایوں کے لیے اور ایک آیت میں لوہے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لفظ "نفع" عموماً ضرر کے اور ایک آیت جس میں خمر اور جوئے کا ذکر ہے "اثم" کے مقابل استعمال ہوا ہے۔ جس کا مفہوم حقوق العباد کا تلف کرنا ہے اس لیے "نفع" کا مفہوم کسی شے کا استعمال ایسے احسن طریقہ سے ہے، جس سے حقوق تلف نہ ہوں، جس سے کسی کو ضرر نہ پہنچے، بلکہ ایسا استعمال ہے، جس سے مستحقین کے حقوق محفوظ ہوں اور جو ارتقاء انسانی میں مدد دے۔ اس لیے یہ امر واضح ہے کہ مال ہو یا اولاد، اگر اس میں ان معنوں میں ضرر ہو، جس کی تشریح قرآن حکیم فرماتا ہے، تو نفع کیا دے گا، الٹا مضر ہے۔ ایمان کے مقابل کفر، صدق کی ضد کذب اور علیٰ ہذا القیاس نافع نہیں، بلکہ مضر ہیں۔ روزانہ مشاہدہ اور تجربہ واضح کر رہا ہے

له جھوٹ، دغا اور فریب سے عالمِ انسانی کو ضرر پہنچ رہا ہے لیکن پھر بھی لوگ باز نہیں آتے۔ کوئی ضعیف کو ضرر پہنچا رہا ہے، کئی لوگ جامہ پارسائی میں ضعیف الاعتقاد لوگوں کی محنت کی کمائی ہتھیا لیتے ہیں۔ ہر ایک کاروبار میں یہی کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع ہو اور اسی نسبت سے فریقِ ثانی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ جتنا چالاک اور عیار کوئی بدمعاش ہوگا، اُتنا ہی زیادہ عقل مند سمجھا جاتا ہے۔ یہ تجارت ہے جس کا بازار گرم ہے، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ "خسرالدنیا والاخرۃ" (مزید بحث لفظ "تجارت" کے تحت ملاحظہ ہو)

نفع محنت کا اجر ہے، جو جائز طریقے پر صَرف ہو، جس کی تشریح قرآن حکیم میں ہے، جسے لوگ نفع سمجھتے ہیں جس سے نفسانی اور شیطانی اغراض پوری ہوتی ہیں، وہ کسی نہ کسی صورت میں "ربا" ہی ہے اور قطعاً ممنوع ہے۔

قرآنی نظریہ درباره مال آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اگر ہم یہ حقیقت پیشِ نظر رکھیں کہ قرآن کا خطاب تمام عالمِ انسانی سے ہے اور قرآن نہ صرف تمام عالمِ انسانی کو خود متحد کرنا چاہتا ہے، بلکہ یہ امر اس کے مسلمات سے ہے کہ عالمِ انسانی فطرۃً متحد ہے اور اس اتحاد پر "قیام" درجہ بہ درجہ ذہنی ارتقاء کے ساتھ ہو رہا ہے اور لازماً ہوگا۔ اصطلاح "نظریہ" ہم اس لیے استعمال کر رہے ہیں کہ عملاً وہ مقام دور ہے، جہاں عالمِ انسانی کا قیام ہوگا۔ قرآن نہ صرف عالمِ انسانی کو اس منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے، بلکہ اس نظریہ یا نصب العین کے ساتھ اس جادۂ زندگی پر ممکن پسندیدہ اعمال کی ہدایت فرماتا ہے، جو انسان کو منزلِ مقصود کے قریب اور قریب تر لا رہے ہیں۔ ارتقاء طبقاً عن طبق ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ "ذی المعارج" ہے اور وہ ترقی یک لخت نہیں، بلکہ درجہ بہ درجہ دیتا رہا ہے اور دے رہا ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔

ہر ایک تحریک جس پر کم و بیش عمل ہوتا رہا اور ممکن العمل ہے، ہمیشہ مخالف تحریک کے دوش بدوش ظہور میں آتی رہی ہے، بلکہ ہر ایک ارتقائی تحریک خود مخالفت اس عملی زندگی کی ہے، جو عالمِ انسانی بسر کر چکا ہو،

- - - - چراغِ مصطفوی اگرچہ بذاتہٖ روشن ہے، لیکن شرارِ بولہبی بھی بے مصلحت نہیں۔ میرا ایمان تو یہ ہے کہ ہر ایک تحریک عالمِ انسانی کو بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی صورت میں ارتقاء میں مدد دے رہی ہے، اور جب وہ اپنا کام ختم کر لیتی ہے، تو ذہنی ارتقاء کے مناسب دوسری تحریک کا ظہور ہوتا ہے۔ غرض ایک حرکت ہے، جو اس مقصد کی طرف ہو رہی ہے، جو انسانی منزل ہے اور یہ وہ نصب العین ہے، جو اُمتِ مسلمہ کا صاف صاف اور میزان نظریوں اور عملی زندگی سے ہے، جو ازمنہ تاریک میں قوموں کی تھی اور جسے انقلابات اسی منزل کی طرف بجبر و قہر ڈھکیل رہے ہیں۔

قربانی

حضرت سیماب اکبرآبادی

اے مسلماں! اے رواج و رسم کے ڈھالے ہوئے — شہرت و کبر و ریا کی گود کے پالے ہوئے
اک مجسم نقشِ استعمار ہے تیرا وجود — ہے فریضے میں بھی تجھ کو حسرت نام و نمود
جاہ و دولت کی نمائش ہیں تری قربانیاں — ہیں دکھانے کی یہ ساری شعبدہ سامانیاں
رسم قربانی، جو پہلے اسوۂ ایثار تھی، — اب وہ ہے اعلان تیرے جذبۂ پندار کی
یاد آیا ہے! کہ قربانی تھی پہلے اک پیام — ترک تحریکاتِ نفسانی کا دل والوں کے نام
یاد آیا ہے! کہ قربانی تھی قربانی کا درس — رنگِ نو میں عظمت و معراجِ انسانی کا درس
رسم قربانی کے خوگر، قومیت کے غم گسار — خود بھی ہو جاتے تھے ناموسِ الٰہی پر نثار
گھر لٹا دیتے تھے، آ جاتے تھے جب ہیجان میں — سر کٹاتے تھے ذبیحوں کی طرح میدان میں
سال بھر تک تجھ کو کب ہوتی ہے توفیقِ نماز؟ — پھر ہے ناحق ایک دن کی یہ تری نذرِ نیاز
بے عمل، یہ مضحکہ بھی ہے تماشا ہی نہیں — تو حقیقت نفسِ قربانی کی سمجھا ہی نہیں
اپنی قربانی کا اس دنیا میں کچھ سامان کر! — خواہشوں کو نفس کی، پیشِ خدا قربان کر!

جاری و باقی ہے جب تک حرصِ نفسانی تری
ہو نہیں سکتی کبھی مقبول قربانی تری

ایک استفسار

خدا کہاں ہے؟

قرآن میں لکھا ہے "خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے" دوسری جگہ لکھا ہے "میں تمھاری شہ رگ سے قریب تر ہوں"

۱۔ اگر خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے، تو یہ نور کیا چیز ہے؟ کیا یہ وہ روشنی تو نہیں، جسے آج کل بجلی کی روشنی کہتے ہیں؟ یا اس کا جوہر (MAGNETISM) قوتِ مقناطیس ہے، جو ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے کائناتِ فطرت کا تمام نظام بندھا ہوا ہے یا کوئی اور ارفع و اعلیٰ روشنی ہے؟ نیز انسان کس طرح ظاہری یا باطنی آنکھوں سے اسے دیکھے؟ کیا آپ نے خود اسے دیکھا یا محسوس کیا ہے؟ اگر خود نہیں کیا، تو کسی زندہ انسان کا نام بتائیں، جس نے اس کا مشاہدہ کیا ہو؟

۲۔ (ا) اگر خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور خدا انسان کی شہ رگ سے قریب تر ہے، تو یہ آسمان، زمین، شہ رگ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ اُسی نور کے اجزا کی مختلف تناسب میں بدلی ہوئی مختلف شکلیں ہیں یا اُس نور سے الگ چیزیں ہیں؟

(ب) اگر انسان، شہ رگ، زمین، آسمان اُس نور سے الگ چیزیں ہیں، تو کہاں سے آگئیں؟ اور اس نور کا تصرف اور قبضہ کس طرح ان پر ہوگیا؟

(ج) اگر اس نور کے اجزا کی مختلف تناسب اور مختلف ماحول کی وجہ سے بدلی ہوئی مختلف شکلیں ہیں، تو لازماً زمین، آسمان، شہ رگ، شیطان، فرشتہ، انسان بھی اُسی کل کے جزو ہیں۔ اگر انسان اسی کل کا جزو ہے، تو انسان کا خدا کی نماز پڑھنا کیا معنی؟ (سعید محمد خان کراچی)

جواب جس طرح برتنوں میں کمہار کو اور الفاظ میں مصنف کو تلاش نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح مخلوقات میں خالق محصور نہیں۔ پھر مخلوقات بھی وہ، جو مخلوق المخلوق ہو، یعنی، یہ الفاظ جن میں میں اور آپ بات کر رہے ہیں، انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان سے حقیقتِ واجب الوجود تک رسائی قطعاً غیر ممکن، یہ تو اپنے مادی مدلول کی حقیقت بتانے میں بھی قطعاً قاصر ہیں۔ کیا "آگ" کے لفظ میں کوئی گرمی اور "برف" کے حروف میں کوئی ٹھنڈک پائی جاتی ہے؟ جس کو گڑ، شہد وغیرہ میٹھی چیزوں سے ذوقاً سابقہ نہیں پڑا،

اس کو آپ دنیا کی تمام زبانوں سے شیرینی، مٹھاس، حلاوت وغیرہ مترادفات اکٹھے کر کے سنا دیں، کیا اس کے تصور کے قریب بھی یہ بات پھٹک سکتی ہے کہ میٹھا کسے کہتے ہیں؟

نور، خدا، اللہ یہ سب الفاظ ہیں انسان کے بنائے ہوئے، یعنی مخلوق کے مخلوق۔ بارگاہ حقیقت تک ان کی رسائی معلوم:

منزہ ذاتش از چند و چہ و چون
تعالیٰ شانہٗ عمّا یقولون[1]:

جس طرح شیرینی، مٹھاس، آگ اور برف اشارات ہیں، جن سے وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے، جس کو ان الفاظ کے مدلولات[2] سے پہلے سے شناسائی ہے، اسی طرح مابعد الطبیعیات کا حال ہے، ارواح میں ذوق و استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اس کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، جس کے بہ نسبت مذاق کئی ذرائع ہیں۔ تمام اشخاص کو کسی ایک دلیل سے تسلی نہیں دی جا سکتی۔ کیا آپ طعام و لباس وغیرہ میں انسانی ذوق کا تفاوت عظیم نہیں دیکھتے؟

جس طرح سورج کو کسی بڑے سے بڑے لمپ کی مدد سے نہیں دیکھتے، بلکہ اس کی مدد سے سب اشیاء کو دیکھتے ہیں، اسی طرح دلائل و آیات سے حقیقت الوہیت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا، بلکہ دلائل و آیات خود اس کی ذات سے ثابت ہیں:

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں
بہ نور شمع جوید در بیاباں[3]:

قرآن مجید اور کائنات میں بے شمار شواہد ہیں۔ ہر شخص اپنے ذوق و استعداد کے مطابق ان سے مستفید ہوتا ہے۔ بعض محقق اس مقام سے ہو کر گذرتے ہیں، جس میں آپ

---

[1] اس کی ذات پر کتنا، کیسا اور کیا کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان جو کچھ لوگ کہتے ہیں، اس سے بلند ہے۔

[2] وہ چیزیں، جن کے لیے یہ الفاظ وضع کیے گئے ہیں۔

[3] عجیب نادان ہے، جو چمکتے ہوئے سورج کو دیے کی مدد سے بیابان میں تلاش کر رہا ہے۔

کھڑے ہیں۔ وہ تعجب کیا کرتے تھے کہ لوگ عقل وفہم کے ہوتے ہوئے ایک غیر ضروری اور خیالی خدا کو اس طرح تسلیم کر لیتے ہیں؟ پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اتنے عظیم الشان اور باقاعدہ نظام میں منسلک ہو کر ناظم کا انکار انھیں سب سے بڑی سفاہت، جہالت اور کوری معلوم ہوتا ہے۔ کتنی شاندار نظم ہے:

اگر یک ذرہ را برگیری از جا
خلل یابد ہمہ عالم سراپا[1]!

لیکن جن راہوں سے ایک شخص کو تسلی ہوتی ہے، ضروری نہیں کہ دوسرے اصحاب کو بھی اس سے تسکین حاصل ہو۔ تاہم ایسے تجربات کو بہت اختصار سے بیان کرنا ضروری ہے۔ سچے محقق کی تلاش میں دو چیزیں ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں: (۱) خلوص، (۲) استقلال۔ وہ آگاہ ہو جانے کے بعد کبھی ترکِ باطل اور قبولِ حق میں پس و پیش نہیں کرتا اور کسی منزل پر تھک کر نہیں بیٹھتا۔ مطالعہ، عمل (حسب توفیق) اور تلاشِ اہل اللہ سے اُسے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ اس کو ان تینوں چیزوں سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں، بفضلہ واحسانہ۔ قرآن مجید میں اس طریق رفتار کی شہادت ملتی ہے۔

ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین۔ اس کتاب میں اہل تقویٰ کے لیے ہدایت موجود ہے، یعنی، تقویٰ جس کو میں خلوص کے لفظ سے تعبیر کر چکا ہوں، اس راہ کی پہلی شرط ہے اور سُنیے: ان الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ ہم ان کو جو ہمارے متعلق بڑی کوشش کرتے ہیں، ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ میں اسی "جاھدوا" کو اوپر استقلال کہہ آیا ہوں۔

آپ قدرتی طور پر انسان، شہ رگ، زمین، آسمان، فرشتہ، شیطان وغیرہ اعیان و الفاظ میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اسی پر قانع نہ ہو جائیں:

کسے بر سرِ وحدت گشت واقف،
کہ او واقف نہ شد اندر مواقف[2]

---

[1] اگر ایک ذرے کو اس کی جگہ سے ہٹا دو، تو تمام نظامِ عالم میں خلل پیدا ہو جائے۔

[2] سرِ وحدت سے وُہی واقف ہو سکتا ہے، جو کسی مقام پر تھک کر نہ بیٹھ جائے۔

آپ کے ہر فقرہ پر میرے ذہن میں بہت سی باتیں مستحضر ہو جاتی ہیں، جن کو صفحۂ کاغذ پر اتارنا مشکل ہے۔ یاد رکھیں کہ جو چیز بھی آپ کے حواس و ذہن کی گرفت میں آجائے، وہ "غیر محدود خدا" نہیں ہو سکتی:

ذہن میں جو گھِر گیا، لاانتہا کیوں کر ہُوا؟ — جو سمجھ میں آگیا، پھر وہ خدا کیوں کر ہُوا؟

آپ مخلوق ہیں اور آپ کی ذہنی کائنات آپ کے قویٰ و حواس و افکار کی مخلوق، جس میں ہر لمحہ تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔ اس کو ازلی ابدی ذات سے کیا نسبت؟

در آلا فکر کردن شرطِ راہست — و لے در ذاتِ حق محضِ گناہست[۵۱]
صفاتش را بہ بیں امروز ایں جا — کہ تا ذاتش توانی دید فردا[۵۲]

لا تضربوا للّٰہ الامثال ان اللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ | اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو، کہ اللہ جانتا ہے اور یہ حقیقت تمھارے علم کی دسترس سے باہر ہے۔

اگر آپ کی تلاش میں خلوص و استقلال موجود ہے، تو اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے اسباب و ذرائع فراہم فرمائے گا، جن سے آپ اُس کی راہ پر چل کر شاہدِ مقصود سے ہم کنار ہو جائیں۔ آپ سامنے ہوتے تو اَور بھی کئی باتیں ہو سکتی تھیں۔ یہ جو کچھ مَیں نے لکھا، ہرگز کافی نہ ہوگا اور اس باب میں کوئی بات کافی نہیں ہو سکتی۔ —— "ستاروں سے آگے جہاں اَور بھی ہیں"

دنیا کا کوئی علم و فن بھی کسی ایک صحبت یا ایک خط کے ذریعے نہیں سکھایا جا سکتا، پھر ان تمام علوم و فنون کے حقیقی خالق و مالک کی معرفت کو اتنا آسان کیوں سمجھا جاتا ہے کہ بغیر رفتارِ عمل اور حقیقی ذرائع اختیار کرنے کے محض باتوں باتوں میں اس پر احاطہ کر لینے کی امید رکھی جاتی ہے:

برو تو خانۂ دل را فرو روب — مہیا کن مقام و جائے محبوب[۵۳]
اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

---

۵۱ قدرتوں میں غور کرنا شرطِ راہ ہے، لیکن ذاتِ حق میں غور کرنا محض گناہ۔

۵۲ آج اس کی صفات کو عالمِ مادی میں دیکھ! تاکہ تو اس کی ذات کل

۵۳ پہلے خانۂ دل کو صاف کرو، اس میں محبوب کے لیے جگہ تو بناؤ!

اللہ تعالیٰ آپ کو، مجھ کو، اور اپنے تمام چاہنے والوں کو رُوحانی اطمینان کی دولت سے بہرہ ور فرمائے۔۔۔۔۔ اگر ممکن ہو، تو خواجہ احمد الدین مرحوم کا مضمون "واجب الوجود" مطالعہ فرمائیں۔ اس کے اجزا "البیان" میں چھپ چکے ہیں۔

(مذکورہ سطور سے دو دن بعد یہ خیالات مزید فراہم ہوئے):

عزیز گرامی! آیہ لا تدرکہ الابصار پر غور کریں۔ آپ جس آنکھ سے خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ تو اس کی مخلوق کے بھی بمشکل ½ حصہ کو دیکھ سکتی ہے اور پھر جو کچھ دیکھتی ہے، اس پر وثوق نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا دیکھنا خطا سے پاک ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حواس دس ہیں۔ پانچ ظاہری، پانچ باطنی۔ ہر حس کے حدود متعیّن ہیں جن سے نکل کر وہ دوسری حس کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ آپ اپنی "باصرہ (آنکھ)" ہی کو لیجیے۔ یہ گلاب کی خوشبو کا ادراک ہرگز نہیں کرسکتی، حالاں کہ اس کے ادراک کی حس (شامہ) بالکل اس کی ہمسایہ ہے۔ اسی طرح یہ گانے کی لذت سے بالکل بے خبر ہے، پھر اس کی تربیت وعدم تربیت میں کوری و بینائی جتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ کتاب کے حروف کو آپ بھی دیکھتے ہیں اور ایک اَن پڑھ بھی دیکھتا ہے۔ کیا آپ کا اور اُس کا دیکھنا یکساں ہے؟ مریخ و عطارد، زہرہ و مشتری سامنے نظر آتے ہیں، لیکن ان میں جو کچھ ایک ماہرِ فلکیات کو دکھائی دیتا ہے، وہی ایک ہل چلانے والے دیہاتی کو دکھائی دے سکتا ہے؟ حالاں کہ بہت ممکن ہے کہ دیہاتی کی نگاہ ستارہ شناس سے بہت زیادہ تیز ہو۔

اس گذارش سے ثابت ہُوا کہ دوسری نو حسوں کا "شہود" بصارت کے لیے "غیب" ہے بلکہ تربیت یافتہ بصارت کا "شہود" بھی ناتربیت یافتہ بصارت کے لیے قطعًا "غیب" ہے ۔۔۔۔۔ اور یہ جو تھوڑا بہت اس کو نظر آرہا ہے، یہ بھی ارضی و سماوی مخلوق روشنیوں (مہر و ماہ اور شمع و چراغ وغیرہ) کی مدد سے، پھر ہر حس کی طرح اس کا ایک ظرف و حوصلہ مقرر ہے۔ اس سے باہر یہ قطعًا قدم نہیں رکھ سکتی، یعنی، ایک خاص عمر میں ایک خاص فاصلے تک جاسکتی ہے۔ ایک مخصوص مقدار سے چھوٹی چیز کو جو محسوس و موجود ہے، نہیں دیکھ سکتی۔ روشنی اور چمک کو مناسب فاصلے سے نزدیک یا دُور کردیں، تو اس کے بس کی بات نہیں رہتی۔ کیا سورج جو خدا کی ادنیٰ مخلوق ہے، بہ ایں فاصلہ (قریبًا ۹ کروڑ میل) آپ کی نظر اس پر ٹھیر سکتی ہے اور اگر اس کو ۴ کروڑ میل کے فاصلے پر

معلق کر دیا جائے، تو باقی قیامتوں کو چھوڑیے، باصرہ کے لیے کوئی پناہ کی جگہ ہے؟ پناہ بہ خدا!

پھر ایک بات اَور بھی ہے یہ عالم عالمِ اضداد ہے۔ ہمارا تمام عرفان وامتیاز اضداد کا نتیجہ ہے، یعنی، اگر سورج ہمیشہ ہمارے سر پر چمکتا رہے اور سایہ و ظلمت کا کوئی وجود نہ ہو، تو ہم ہرگز نہ سمجھ سکیں گے کہ روشنی کیا ہے اور اس کا باعث کیا ہے۔ یہ تو سورج کی غیبوبت اور ظلمتِ شب کا فیض ہے کہ ہم روشنی اور اس کے باعث (آفتاب عالم تاب) کو سمجھتے ہیں۔ اگر کبھی آفتاب حقیقت ایک لمحہ کے لیے بھی غائب ہو جائے اور پھر بہ فرضِ محال اس کے متعلق سوال و اعتراض کرنے والی ہستی موجود رہ سکے، تو اس کو حقیقت کا علم ہو سکتا ہے، لیکن وہ آفتابِ حقیقت ہی کیا، جو اپنی جگہ سے ٹلے، یا اس کا کوئی ضد ہو؛ جو اس کے عرفان کا موجب بنے:

ظہورِ جملہ اشیا را بہ ضد است ۔۔۔ ولے حق را نہ مانند و نہ ند است
چو نبود ذاتِ حق را ضد و ہمتا ۔۔۔ ندانم تا چہ گونہ دانی او را[1]

آپ نے اپنی باصرہ کی کچھ حقیقت سمجھ لی ہو گی۔ کیا آپ اس اَنٹی کو لے کر یوسف ؑ کی خریداری کو نکلے ہیں؟ ذرا اپنے جیب و دامن پر نظرِ ثانی فرمالیں!

اب مَیں کہتا ہوں، پورے ایمان اور کامل صحتِ یقین سے کہتا ہُوں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ آنکھ الگ ہے، وہ حس الگ ہے۔ جس طرح جاہل کی حسِ بصر کو ایک صحبت یا ایک مکالمہ سے عالم کی حسِ بصر میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ بڑی محنت و مشقت اور طویل وقت و زمانہ کی ضرورت ہے، اسی طرح محبوبِ حقیقی جلّ قدرہٗ و عزّ اسمہٗ کے جمالِ عالم آرا کو دیکھنے کے لیے بھی محنت درکار ہے اور سب سے بڑی محنت، کیوں کہ یہ مراد ہر مراد سے بڑی مراد ہے، ازلی و ابدی مراد ہے:

ناز پروردِ تنعم نہ برد راہ بہ دوست
عاشقی شیوۂ رندانِ جفاکش باشد[2]

---

[1] تمام اشیاء کا ظہور ضد سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے نہ مانند۔ جب اس کا کوئی ضد اور شریک ہی نہیں، تو مَیں نہیں سمجھتا کہ تُو اسے کس طرح دیکھے گا؟

[2] ناز و نعم سے پلا ہُوا وصالِ دوست کی سعادت نہیں حاصل کر سکتا۔ عاشقی رندانِ جفاکش کا شیوہ ہے۔

عزیزِمن! حبیبِ پاک اپنے مبارک نامے میں خود فرماتے ہیں:

یاایھاالانسان انک کادح الیٰ ربک کدحاً فملاقیہ۔	اے انسان! تو اپنے رب کی طرف محنت وکوشش کے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، پس تو اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔

اللہ کے بندوں نے بحث و استدلال میں نہیں، حکم کی فرماں برداری میں، مخلوق کی خدمت میں، دُکھوں اور ناکامیوں پر تحمّل کرنے میں، پچھلی رات کی مناجاتوں، دعاؤں اور صبحوں کی استغفاروں میں اپنے محبوب مالک کا دیدار کیا ہے۔ پیارے دوست! ہمارے فلسفیوں اور گریجویٹوں نے عشق ومحبت اور حسن وجمال کو سائنس کے آلات سے ناپنا چاہا ہے۔ یہ ظلم ہے، یعنی، وضع الشیٔ علی غیر محلہٖ۔ ہائے پیر رومیؒ:

پائے استدلالیاں چوبیں بوَد
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بوَد

عقل کے ابتدائی سہارے کا انکار نہیں۔ بقول سنائیؒ:

عقل رہبر ولیک تا درِ او
فضلِ او مر تُرا برد برِ او

علامہ اقبالؒ بھی کہ گئے ہیں:

عقل گو آستاں سے دُور نہیں اس کی تقدیر میں "حضور" نہیں،
علم میں بھی سُرور ہے لیکن، یہ وہ جنّت ہے جس میں حور نہیں

اِس وقت رات کا پچھلا پہر ہے اور مَیں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ خلتے پر میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے کسی محب ومحبوب بندے کی صحبت عنایت فرمائے۔ توفیق عمل بخشے اور حقیر راقم کو بھی! اور ہمارا خاتمہ بہ خیر کرے۔

(یکے از ارکانِ ادارۂ "البیان")

صبح ۶ بجے ۸ بلالہ

موت کا سبق

(معاد خطبۂ جمعہ ۲۷ ۱/۱۲ ۴۰)

آہ گل محمد

مَیں نے گذشتہ جمعہ حکیم طالب علی رہ کی غیر متوقع رحلت کی خبر آپ کے کانوں تک پہنچائی۔ اس وقت حاضرین میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آئندہ جمعہ تک ہم سے کون موت کی دعوت کو لبیک کہ چکا ہوگا اور شاید اب بھی آپ میں سے بعضوں نے اس کمی کو محسوس نہیں کیا۔ اسی طرح ہم پہ وقت آئے گا اور بہت سے لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہوگا کہ کون اس بھری محفل سے اُٹھ گیا۔ پچھلے جمعہ اسی پہلی صف میں، جو تمام صفوں سے آگے ہے، میاں گل محمد راجپوت بیٹھے تھے اور ہم سب کی طرح اپنی موت سے بے خبر مرگِ طالبؒ کی خبر سُن رہے تھے۔

مگر آج وہ ہم میں نہیں، یعنی، سوموار ۲۳ ۱/۱۲ ۴۰ کی دوپہر تک وہ صحیح وسالم تھے۔ دکان پر سے اٹھ کر لکڑیاں خریدنے جا رہے تھے کہ راہ میں پیام روانگی آگیا۔ موت مُہلت نہیں دیتی کہ راہی کو راہ ختم کر لینے دے، مسافر کو منزل پہ پہنچ لینے دے، جوان کو بوڑھا ہو لینے دے۔ اس کو نہ کسی موسم کی مناسبت وعدم مناسبت کی پروا، نہ کسی امیر و قوی کی امارت و قوت کا خوف۔ یہ ہر موسم میں آتی ہے، ہر حال میں آتی ہے ہر جگہ میں آتی ہے۔ ہر عمر میں آتی ہے اور اپنا کام کر کے چھوڑتی ہے ——— حاصل کلام، مرحوم کی لاش کو سڑک پر سے اٹھا کر گھر لے جایا گیا اور انتظار اعزہ کے بعد رات کے ۱/۲ ۹ بجے سپرد خاک کیا گیا۔

آپ حضرت خواجہ احمد الدینؒ کے محبّوں میں سے تھے۔ جب سے آپ کا پیغام توحید قرآن سُنا، روایت پرستی کو چھوڑ کر وحدت قرآن کے حلقہ میں منسلک ہو گئے تھے۔ اس بڑھاپے میں کم ہی کہیں آتے جاتے تھے، لیکن جمعہ میں ضرور حاضر ہو جاتے تھے۔ میرے والد محترم کے پرانے دوستوں سے تھے، یعنی میری آنکھوں نے پہلے پہل ان کو اس وقت دیکھا، جب دیکھنا سیکھا اور اُس وقت سے آج تک اُن کے اخلاق وشفقت کو یکساں مائل بہ کرم پایا۔ اللہ تعالےٰ انھیں اپنے صلحاء کی مجلس میں شامل کرے اور ان کی اولاد کو اپنی محبت وتقویٰ

کی دولت عنایت فرمائے ـــــــــ کیا یہ پے درپے موتیں ہمارے لیے اپنے اندر کوئی سبق نہیں رکھتیں ؟ ـــــــ عزیزانِ من ! وقت کی قدر کرو۔ یہ جو غیر معلوم مہلت ملی ہے، اس سے فائدہ اٹھاؤ! وقت ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔ سونا، چاندی، جواہرات اور دنیا کی تمام دولتیں دے کر گیا ہُوا وقت واپس نہیں لایا جا سکتا۔ لیکن وقت کو صَرف کر کے ہر چیز، ہر قیمتی چیز مہیا کی جا سکتی ہے۔ آج کہ دنیا ایک بحرانِ عظیم میں مبتلا ہے۔ قوموں کی قسمتیں بن اور بگڑ رہی ہیں۔ ہزاروں انسانی جانیں روزانہ بارگاہِ ربّ العٰلمین میں حاضر ہو ہو کر اپنے اعمال کا بدلہ پا رہی ہیں۔ مسلمان، غافل مسلمان کا وقت، عزیز وقت اب بھی لہو و لعب میں خراب و تباہ ہو رہا ہے۔ سنیما کا ٹکٹ خریدنے میں مسلمان کا بچہ سب سے آگے، کبوتر بازی، بٹیر بازی، چوپٹ بازی، شطرنج بازی، تاش بازی اور معلوم نہیں کیا کیا بازی ہے، جس میں مسلمان کے وقت کا خون ہو رہا ہے۔ یہی وُہ مسلمان ہے، جس کو خیرِ اُمّت کہا گیا تھا، جس کو دنیا بھر کی اصلاح کے لیے کھڑا کیا گیا تھا، جس ایک فعل بھی منشائے خداوندی کے خلاف نہ ہوتا تھا۔ جس کا قول تھا" جو دم غافل، سو دم کافر"! اور اب یہ حال ہے:

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے ۔۔۔ تباہ ان کی حالت بُری اُن کی گت ہے
کسی کو کبوتر اڑانے کی لت ہے ۔۔۔ کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے
چرس اور گانجے پہ شیدا ہے کوئی
مدک اور چانڈو کا رسیا ہے کوئی !

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ ؟ کیا مومنوں پر ابھی وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل ذکرِ الٰہی کے لیے گداز ہو جائیں ؟ قرآن تمھیں ان سب بازیوں سے روکتا ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ ھم عن اللغو معرضون، بلکہ اذا مروا باللغو مروا کراما۔ بےہودہ کام میں خود شریک ہونا تو درکنار، اُس کے پاس سے بھی آنکھیں بند کر کے گذر جانا، اس کو دیکھنا بھی پسند نہ کرنا۔ عزیزانِ من ! اپنے وقتوں کا احتساب کرو۔ اپنے اہل و عیال کی خدمت کے لیے وقت صَرف کر کے کمائی کرو۔ جو وقت حرفہ و تجارت وغیرہ سے بچے، اُس کو دین و خلق کی خدمت میں صَرف کرو۔ تعلیم حاصل کرو، تعلیم دو، مطالعہ و تلاوت کرو، عبادت

و یک سُوئی کے لیے بھی وقت نکالو۔ اگر تم مُسلم ہو، تو تمھارا کوئی وقت بے ہُودہ اور لغو کاموں میں صَرف نہیں ہونا چاہیے۔ وہاں ہر نعمت کے متعلق سوال ہوگا، یومئذٍ لتسئلن عن النعیم۔ اور وقت سب سے بڑی نعمت ہے، جس میں سب نعمتیں حاصل کی جاتی ہیں۔ آؤ! اس نعمت کی قدر کریں۔ اُس وقت سے پہلے کہ وقت کے دروازے ہم پر بند کر دیے جائیں اور تمام سعی و کوشش کے باوجود ایک لمحہ بھی ہم کو زائد نہ مل سکے:

آں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک — خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند
خیرے کُن اے فلان وغنیمت شمار عمر — زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

ہم عیب کو عیب سمجھ کر کرتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد ان "بازیوں" میں مبتلا ہو، جن میں ہم مبتلا ہیں۔ پھر کیا یہ فرعونیوں کا وتیرہ نہیں؟

جحدوا بہا واستیقنتہا انفسھم۔	وہ صداقتوں کو دل سے تسلیم کرنے کے بعد عملاً ان کا انکار کرتے تھے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ہم موروثی امراض کی طرح اپنی اولاد کو اپنے موروثی اخلاق سے بچا سکیں؟ مَیں دیکھتا ہوں، قرآن کو پڑھنے والے، قرآن کا ترجمہ جاننے والے، قرآنی مسائل پر بحث کرنے والے، سفید بالوں والے مسلمان اپنے وقت کی قدر نہیں کرتے۔ اپنے دن کا بیشتر حصّہ ان بازیوں میں صَرف کرتے ہیں۔ مَیں نہیں سمجھتا، انھوں نے خدا کو جواب دینے کے لیے کون سا مسودہ تیار کر رکھا ہے۔ اے سوارانِ جہاز! جہاز ڈوب رہا ہے اور تم تاش کھیل رہے ہو:

وائے گر از پسِ امروز بود فردا!

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

عرشی

"البیان" کا خاص نمبر

نیاز فتحپوری کے اعتراضات کی تردید

نیاز فتحپوری ایڈیٹر "نگار" نے اعلان کر دیا ہے کہ میں قرآن مجید کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کرتا۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں انھوں نے قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کے خلاف چند اعتراض بھی شائع کیے ہیں۔ ان اعتراضوں کے جواب میں ملک کے بعض ممتاز اسلامی رسائل میں نہایت معقول، مدلل اور تشفی بخش مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ان مضامین کو "البیان" کے ایک خاص نمبر کی صورت میں جمع کر کے تمام ملک میں ان کی اشاعت کا وسیع انتظام کریں، تاکہ اس فتنۂ الحاد کا پورا پورا سد باب ہو سکے اور بالخصوص مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے دل و دماغ کو ان ملحدانہ خیالات سے محفوظ رکھا جا سکے۔

"البیان" کے زیر ترتیب نمبر میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے مقالے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ چند اور نہایت مفید، موثر اور مدلل مضامین اور نظمیں بھی شامل اشاعت ہوں گی۔

یہ نمبر چوں کہ بہت زیادہ ضخیم ہوگا، اس لیے فروری کا پرچہ شائع نہیں ہو سکے گا۔ قارئین "البیان" اگر اپنے پرچوں کو محفوظ طور پر حاصل کرنا چاہیں، تو انھیں تین تین آنے کے ٹکٹ رجسٹری کے لیے دفتر میں بھیج دینے چاہییں۔

منیجر دفتر رسالہ "البیان" امرتسر

اقوالِ زرّیں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمودات

۱۔جب کوئی بندہ گناہ کرنے کے وقت اپنے دروازوں کو بند کرلیتا ہے اور مخلوق سے چھپ جاتا ہے اور خلوت میں خالق کی نافرمانی کرتا ہے، تو حق تعالےٰ فرماتا ہے "اے ابن آدم! تُو نے اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے زیادہ مجھ کو ہی کم تر سمجھا ہے کہ سب سے پردہ کرنا ضروری سمجھتا ہے اور مجھ سے مخلوق کے برابر بھی شرم نہیں کرتا۔

۲۔رضائے حق کے خواہش مند! مخلوق کی اذیتوں پر صبر اختیار کر!

۳۔اے عمل کرنے والے! اخلاص پیدا کر، ورنہ فضول مشقت اٹھا رہا ہے۔

۴۔امیروں کے ساتھ عزت اور دبدبے سے مل اور فقیروں سے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ۔

۵۔خالق کے ساتھ ادب کا دعویٰ غلط ہے، جب تک تو مخلوق کے ساتھ ادب کا خیال نہ رکھے۔

۶۔مومن جس قدر بُوڑھا ہوتا ہے، اُس کا ایمان طاقت ور ہوتا ہے۔

۷۔جو غصّہ کرے متکبر ہے۔ جو گالی دے، وہ کینہ ور ہے۔ جو بدلہ لینے کے درپے ہو، وہ درندہ ہے، لیکن جو ضبط کرجائے، وہ صابر اور کامل انسان اور محبّ خدا ہے۔

۸۔صبر اختیار کر، کیوں کہ دنیا تمام تر آفات و مصائب ہی کا مجموعہ ہے۔

(پیغامِ حق)

جواہرِ انتخاب

حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ جہانگیر

گیارھویں صدی کا آغاز تھا، سلطنتِ مغلیہ کا اقتدار اوج کمال پر پہنچا ہوا تھا، جہانگیر سریرآرائے
ست ہو کر دادِ حکمرانی دے رہا تھا۔ حکمران مسلمان تھا، پھر بھی اسلامیت مغلوب ہو رہی تھی اور دینِ
ن کی روشنی مضمحل ——— وہ جو راہ و رسمِ منزل سے نا آشنا تھے، طریقت اور سلوک کے امام بنے
بیٹھے تھے اور جو علمِ دین سے بے بہرہ تھے، ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کی مسند پر قابض اور متمکن تھے حکومت
، ان کا ربط و ضبط تھا۔ نورجہاں کی بدولت روافض کو تاج میں غیر معمولی دخل حاصل تھا اور اس
ح قلعۂ معلّٰی پر باطل کا تاریک ابر چھایا جا رہا تھا۔

ایسے ہی اوقات میں کہیں کہیں سے جمالِ حق کی شعاعیں بھی پھوٹ پڑتی ہیں۔ قانونِ قدرت
ی جگہ پر اٹل ہے۔ سرہند کا افق نکلنے والے سورج کے آثار سے عنابی ہو رہا تھا۔ دنیا والے اندھے
ہیں تھے، محسوس کر رہے تھے۔ مکر و فریب کے دلوں میں اضطراب تھا کہ ان کا پردہ چاک ہونے والا
ا۔ ریشہ بندیاں شروع ہو گئیں اور آفتابِ سرہند کو ماند کرنے کے لیے پیہم اور مسلسل کوششیں صرف
ہو گئیں۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی کے خلاف اتنا زبردست اور مکروہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ الامان والحفیظ۔
جہانگیر کو خاص طور سے متاثر کرنے کی کوشش کی گئی، شیخ کے مکتوبات ترمیم و تحریف کر کے جہانگیر
پہنچائے گئے اور شیخ کے بارے میں جس قدر بھی جہانگیر کو گمراہ و مشتعل کیا جا سکتا تھا، اس میں
یغ نہیں کیا گیا۔ شیخ کی دربار میں طلبی ہوئی۔ تشریف لے گئے۔ سوالات و جوابات ہوئے۔ رفعِ شکوک
بہات ہوئے اور مختصر یہ کہ بات آئی گئی ہو گئی۔

کس قدر خسران ہوا اہلِ فریب و دجل کو کہ مکمل سازشوں اور مسلسل کاوشوں کے بعد بھی وہ
پنے مطامع و مرغوبات کو نہ پا سکے، لیکن وہ چین سے کب بیٹھنے والے تھے؟ ہمہ تن مصروفِ سعی و عمل
ہے اور ایک دن جہانگیر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ "احمد سرہندی حکومت کا باغی، نہایت

خطرناک وسرکش انسان ہے۔ دربار میں سجدہ تعظیمی کا رواج شاہ اکبر کے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ علماء جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں، لیکن وہ عام رجحانات سے ہٹ کر اس فتویٰ کی مخالفت کرتا ہے، حتیٰ کہ اپنے مکتوبات میں اس کی حرمت پر فتویٰ بھی دے چکا ہے ـــــ جاہ پناہا! امتحان مقصود ہو، تو دربار میں اُسے بُلاکر امتحان فرمالیا جائے"!

اللہ اللہ کس قدر خطرناک سازش تھی، جو کامیاب ہو کر رہی اور بالآخر آگیا وہ "یوم الفصل" جو اس معرکۂ حق و باطل کے لیے مقدر تھا۔ جہانگیر شیخ مجدد کو بُلا کر اپنے لیے سجدہ کا طالب ہُوا ــــــ دشمنوں کے دل فرطِ انبساط سے اُچھل رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ کامیابی کی ساعتِ سعید جلد ہی نقاب برافگندہ ہونے والی ہے۔ کتنے ہی تھے، جو سمجھ رہے تھے کہ کمزور، طاقتور کے آگے جُھک جائے گا اور وہ پیشانی جو اللہ کے ماسوا کبھی کسی کے آگے نہیں جُھکی، آج وہ جہانگیری سلطنت قاہرہ کی چوکھٹ کو بوسہ دیے بغیر نہیں رہ سکے گی ـــــ لیکن سناٹے میں آگئے دیوانِ خاص کے درو دیوار، جب کہ فضا میں یہ جملے منتشر ہو رہے تھے:

"بجز خلاقِ جہاں کے کسی اَور کو سجدہ روا نہیں اور اے جہانگیر! کیا یہ ایک کھُلی ہوئی سفاہت نہیں کہ میں اپنے ہی جیسے ایک مجبور و بے بس انسان کے آگے جُھکوں"!

جہانگیر مُنہ تکتا رہ گیا ـــــ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حق کیشی و صداقت شعاری گوشت و پوست کے لوچ اور پوچ مجموعہ کو بھی پتھر کی چٹانوں کی طرح سخت و کرخت بنا سکتی ہے اور ہمت و جرأت بے باک کی وُہ دولت عطا کر دیتی ہے، جو ایک مُشتِ خاک کو ہولناک اقتدار کی قہرمانی حکمرانیوں سے بے نیاز بنا دیتی ہے۔

اس نے شیخ احمد سرہندی کا جواب سُنا۔ شاہی رُعب و سطوت کو خلاف توقع جو دھکا لگا، مبہوت ہو گیا۔ غیظ و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے۔ بادشاہوں کے احکام و فرامین کی تعمیل و اطاعت سے اس طرح سرکشی و سرتابی مرگ مفاجات کا پیغام سنایا ہی کرتی ہے، چنانچہ یہی ہُوا۔ جہانگیر نے بیک قلم سزائے موت کا حکم سنا دیا۔

لیکن پھر یکایک اس کی روح کو جھٹکا سا محسوس ہُوا۔ وہ ایک نامعلوم یا غیر محسوس طاقت کی گرفت میں اپنے کو پارہا تھا اور پھر کچھ سوچ کر اس نے سزائے موت کا حکم منسوخ کر کے، غیر متعین مدت تک کے لیے

سزائے قید کا حکم صادر کر دیا۔ گنجائش تھی کہ قیدِ بے میعاد کی تکالیف کے خیال سے عزیمت سے دستکش ہو کر رخصت پر قناعت کر لیتے اور اس طرح قید و بند کی الم ناک صعوبتوں سے اپنے آپ کو بچا لیا جاتا، مگر وہ چوں کہ اس معرکۂ احتساب و امتحان میں اسی لیے لائے گئے تھے اور ابتلا و آزمائش کی سخت گھڑیوں سے اسی واسطے ان کو دوچار کرایا گیا تھا کہ آئندہ نسلوں کے لیے اسوہ ہوں، اس لیے ممکن نہ تھا کہ پاؤں میں لغزش پیدا ہوتی۔ ان کے عزائم میں ضعف و اضمحلال رونما ہوتا۔ وہ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے، ان کے قدم پیچھے نہیں ہٹے کہ قدرت کچھ اسی انداز سے مظاہرہ کرنا چاہتی تھی۔ سازو سامان کی بے سرو سامانی کا اور بے سرو سامانی کی فتح و کامرانی کا۔

شیخ احمد سرہندی کو انہیں (ریاست گوالیار) کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ابراہیم ؑ کے اس روحانی فرزند نے مسکراتے ہوئے سنّتِ یوسفی کو لبیک کہا اور زندان کے در و دیوار نے صحن گلستان کی بے رونقی کا مذاق اڑایا۔ (الفرقان) ملخصاً

محفل میلاد النبیؐ

منشا اس محفل کا تو یہ ہے کہ آں حضرت ؐ کی سیرت بیان کی جائے اور مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے تزکیہ کے لیے ایسی مثالیں پیش کی جائیں، جو علاوہ باثر ہونے کے صحیح مشعلِ راہ ہوں، مگر حقیقت میں کیا ہوتا ہے؟ آں حضرت ؐ کی پیدائش سے لے کر آپؐ کی وفات تک کے حالات میں ایسی ایسی روایتیں پڑھی جاتی ہیں، جو علاوہ غیر مستند ہونے کے، جن اصول پر آں حضرت ؐ نے اسلام کی تبلیغ کی، اُن کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔ میرا مطلب ان معجزات یا خرقِ عادات سے ہے، جو آں حضرت ؐ کی طرف پیدائش بلکہ قبل پیدائش کے زمانے سے منسوب کی گئی ہیں۔ اس قسم کی روایتیں اُن کتابوں میں جو محفل میلاد میں عام طور سے پڑھی جاتی ہیں، بھری پڑی ہیں۔ ان روایتوں نے عام مسلمانوں میں ایک ایسی ذہنیت پیدا کر دی ہے کہ وہ آں حضرت ؐ کی ذات با صفات کے ساتھ خرقِ عادت کا ہونا لازمی سمجھنے لگے ہیں۔ یہ اصول بالکل تبلیغ اسلام کے خلاف ہے، جس کے ثبوت میں قرآن پاک کی آیات پیش کرتا ہوں:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا
مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ
تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا
كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ
نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا
كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ
هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

(کفار) کہتے ہیں، ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے،
یہاں تک تو زمین سے ہمارے لیے ایک چشمہ جاری
کردے، یا تیرے لیے کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اس
میں نہریں جاری ہوں، یا تو اپنے دعوے کے مطابق
آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرائے، یا خدا اور فرشتوں
کو گواہ بنا کر لائے، یا سونے کا ایک مکان ہو یا تو
آسمان کی طرف چڑھ جائے اور تیرے چڑھ جانے پر
بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ تو ہمارے
لیے کتاب اتار لائے، جسے ہم پڑھیں (اے پیغمبر!) تو
ان لوگوں سے کہہ دے کہ میرا رب پاک ہے، میں تو صرف
اس کا بھیجا ہوا ایک بشر ہوں۔

یہاں صرف ایک لفظ "بشر" پر کفار کے مطالبہ کا جواب دے دیا۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کی تبلیغ کا دارومدار ایسی چیز پر ہے، جس کو نہ صرف عرب، بلکہ سارا عالم قبول کرے۔ اس میں زمانہ کی قید نہ رہے۔ وہ چیز کیا ہے، یعنی عقل، جس کو بشر سے تعلق ہے۔

قرآن پاک کو لیجیے۔ اس میں عقلی دلائل ایسے ہیں، جو آج تک سائنس و فلسفہ سے رد نہیں ہو سکے، بلکہ جوں جوں سائنس کی ترقی ہوتی جاتی ہے، اللہ پاک کا کلام پایۂ ثبوت کو پہنچتا جاتا ہے۔ مثلاً لیجیے، دنیا کے اور جتنے مذاہب ہوئے ہیں، ان میں ایسی کوئی ہدایت نہیں ہے کہ نیچر کی جتنی طاقت ہے، انسان اس کو اپنے کام میں لائے، بلکہ برعکس اس کے ان مذاہب کے پیروؤں نے ان کی پرستش شروع کر دی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ صاف ہدایت فرماتا ہے کہ نیچر کی طاقتوں کو اپنے کام میں لاؤ۔ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (النحل)

کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اور نیز غیر مسلمانوں نے اس ہدایت پر عمل کیا اور اس کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ اور مثالیں لیجیے، طائف میں آں حضرتؐ پر اس قدر پتھر برسائے

گئے کہ آپؐ لہولہان ہو گئے۔ آپؐ کے ساتھیوں نے کہا، ان کے لیے بد دعا کیجیے۔ آپؐ نے یہ نہیں کیا، بلکہ فرمایا، ممکن ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ایمان دے۔ یہاں معجزہ کیا تھا؟ جذبہ انتقام جو فطرتی ہے، اُس کو اظہار کا مطلق موقع نہ دیا، جس سے ایک عمدہ مثال پیدا ہو گئی کہ ملت و مذہب کی بہبودی کے لیے اس جذبہ کو زیر کر لیا۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے کل دشمنوں کو معافی عطا کی، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے۔ یہاں بھی آپؐ نے جذبۂ انتقام سے کام نہیں لیا، بلکہ ایسی فراخ دلی دکھائی، جس سے کفارِ مکہ متاثر ہو گئے۔ کیا تاریخ میں کوئی ایسا بھی جنرل ہوا ہے، جو لڑائی میں فتح یابی کے بعد ایسی نرمی سے پیش آیا ہو؟ کیا یہ خرقِ عادت نہیں ہے؟ اور بشریت کے ارتقائی مدارج کا سب سے اعلیٰ نمونہ نہیں ہے؟ ایک اور مثال لیجیے، غارِ ثور میں جب آپؐ تنہا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے اور دشمن آپ کے درپے تھے، اُس وقت کے واقعہ پر ذرا غور کیجیے۔ دو ہستیاں ہیں، ایک کہتا ہے کہ ہم صرف دو آدمی ہیں اور دشمن ہمارے پیچھے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ گھبراؤ نہیں، ایک تیسرا یعنی، اللہ تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ ہے۔ یہاں کیا چیز تھی؟ آں حضرتؐ کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کی امداد پر اس قدر مضبوط اور اٹل تھا کہ وہ ساری دنیا کی مشکلات اور مصیبتوں سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے، جس کو عیسائی مورخوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ یہی چیز تھی، جس نے آپؐ کی تبلیغ کو کامیاب کیا اور کیا یہ معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا اس کو بشریت سے تعلق نہیں ہے؟

ایک اور مثال لیجیے۔ سبھوں کو معلوم ہے کہ آں حضرتؐ نے اپنی رسالت کی ابتدا کیسے کی اور تیئس سال کے اندر سارے عرب میں اسلام کو پھیلا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے اختیارات کو سمجھانے کے لیے "کُن فیکون" کہا ہے۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ اسلام کو بھی کن فیکون کے ذریعے پھیلاتا اور سارے عرب کے قلب کو اس کی طرف پھیر دیتا۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ یہ بشریت کے خلاف ہوتا۔ پھر بھی ایک اقل مدت میں محض بے سروسامانی کے باوجود اس نے اس کو ایسا مکمل کیا، جس کی مثال آج تک دنیا میں نہیں پیدا ہوئی۔ کیا یہ معجزہ نہیں تھا؟ عقل یہی ہے کہ انسان اپنے ارادہ میں اگر پوری طرح سے مستحکم ہو اور خدا پر بھروسہ کرے، تو ہر مشکل کو سَر کر سکتا ہے۔ یہ بہت بڑا سبق ہے، جس سے مسلمانوں کو اپنی زندگی میں فائدہ اٹھانا چاہیے۔ آں حضرتؐ کی سیرت میں ایسی مثالیں بہت ہیں، جن سے مسلمان مستفید ہو سکتے

ہیں، بشرطیکہ ان کو با اثر طریقہ سے سنایا جائے اور سمجھایا جائے۔ خانگی معاملات میں آپ کی زندگی کی مثالیں اگر پیش کی جائیں، تو اس سے مسلمان اپنے معاملات کو خوش گوار بنا سکتے ہیں۔ میرا مطلب اس مختصر مضمون سے یہ ہے کہ محفل میلاد میں بجائے اس کے کہ غیر مستند کہانیاں سنائی جائیں، آں حضرت صلعم کی سیرت اور اسلامی تاریخ سے مثالیں سنائی جائیں، جو سامعین کے بہترین جذبات کو بیدار کریں اور جن سے وہ اپنی عملی زندگی میں مستفید ہو سکیں۔ "جامعہ"

مردم شماری اور مسلمانوں کا فرض

کانگریسی حکومت کی اڑھائی سالہ طلق العنانی کے بعد یہ امر محتاج تشریح نہیں رہا کہ اگر برادران وطن کے پاس عنانِ حکومت ہو، تو وہ کس طرح مسلمانوں کو ہدفِ ستم بنانے میں کام یاب ہو سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی جن شکایات کے چرچے ہوئے اور ان کی فہرستیں مرتب پائیں، وہ صرف محسوس اور ظاہر واقعات پر مشتمل تھیں، لیکن وہ غیر محسوس اور دور رس اسکیمیں اور تحریکیں، جو نسلاً بعد نسلٍ مسلمان قوم کو آہستہ آہستہ پراگندہ کم زور اور اچھوت بنانے کے لیے ہندو دماغ نے اختراع کی تھیں، عوام کے علم سے باہر ہیں۔ بہر حال وہ ذہنیت، جو برادرانِ وطن کی ہر تحریک میں کارفرما ہے، ایسی بھری ہوئی ہے کہ اسے ہر بینا آنکھ دیکھ سکتی ہے بشرطیکہ اس پر خود فریبی یا مصلحت کوشی کی پٹی نہ بندھ رہی ہو۔

پچھلے دنوں مولوی فضل الحق صاحب وزیر اعظم بنگال نے جو مکتوب مفتوح چندر لیسوا کے حادثۂ قتل کے متعلق گاندھی جی کی خدمت میں تحریر فرمایا، اُس سے بھی واضح ہو چکا ہے کہ نہ صرف تعلیم گاہیں اور دوسرے حکومتی ادارے بلکہ عدالتیں بھی جو فرقہ وارانہ تعصب سے آزاد اور عدل و انصاف کی میزان کی محافظ سمجھی جاتی ہیں، کانگریسی عہدِ حکومت میں کس طرح ہندوؤں کے خفیہ منصوبوں کو بروئے کار لانے کا مؤثر ذریعہ بن کے رہ گئی تھیں۔

ہندوستان میں آج کل جمہوریت کا بہت چرچا ہے۔ ہر ہندو اس جذبے سے سرشار تنگ دل مسلم لیگی پر طعنہ زن ہے کہ وہ قومیت پرستی اور جمہوریت نوازی کی وسعتوں کو چھوڑ کر فرقہ واری کی تنگنائی کی طرف کیوں مائل ہے۔ ہم اسے ستم ظریفی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ہم کشادہ دلی و عالی ظرفی کا اپدیش

(وعظ) ہندوؤں سے مِلنے پر مجبور ہوں۔ وہ ہندو جنھوں نے آج تک از روئے مذہب، کروڑوں اچھوتوں کو انسانیت کے دائرے سے باہر رکھا ہُوا ہے، اس حد تک باہر کہ اگر وید کا کوئی منتر یا اشلوک اس کے گندے کان میں پڑ جائے، تو اس کان میں سیسہ بھر دیا جائے، تاکہ اُس کا پلید کان سماعت کے قابل نہ رہے۔ یہ ہیں وُہ مدعیانِ جمہوریت، جو آج اپنے بازو مسلمان کو اپنے اندر مدغم کرنے کے لیے پھیلا رہے ہیں اور انھیں دعوت دے رہے ہیں کہ وہ بھی اسی کشادگی سے بہرہ یاب ہوں، جس سے زمانۂ گذشتہ میں دوسری قومیں لذت اندوز ہوکر فنا ہو چکی ہیں۔ اگر آج گاندھی جی اچھوتوں کو اپنا رہے ہیں، تو اسی لیے کہ کسی طرح ہندوؤں کی اکثریت قائم رہے اور اس کی بنیادیں استوار، کیوں کہ موجودہ مغربی اندازِ جمہوریت "تعداد" کی کثرت کی بنا پر ہی حکومت کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اس لیے گاندھی جی نے اس چیز کو اپنا نصب العین حیات بنا لیا ہے کہ اچھوتوں کو ساتھ ملا کر ایک کثیر قوم کی شکل اختیار کر لی جائے اور ان کے محافظ و نگران بن کر ملک کی حکومت پر قابض اور دوسروں کے حقوق پر غاصب رہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہندوؤں نے جب اپنی اقلیت کو اکثریت میں بدلنے کے لیے مذہب جیسی چیز کو بھی بالائے طاق رکھ دیا، تو اس کے بعد وہ اپنی اکثریت کو برقرار رکھنے اور مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنے کے لیے ہر حربہ بلا تامل استعمال کریں گے۔ اس مقصد کے لیے سب سے اہم موقعہ مردم شماری کا ہوتا ہے اور اسی کی طرف مسلمانو کی توجہ مبذول کرانا ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک محض عددی اقلیت و اکثریت کوئی شے نہیں، لیکن جس آئینی دَور سے ہم گذر رہے ہیں، اس کے مقتضیات سے آنکھیں بند کر لینا بھی خودکشی کے مرادف ہے۔ اس دَور میں جمہوریت کا دار و مدار تعداد پر ہے۔ اگر مسلمان کُل آبادی کا ۲۵ فی صدی ہیں، تو اُن کے حقوق کا تعین بھی اسی نسبت سے ہوگا، اس لیے ہندو کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ مسلمانوں کی تعداد کو کم کر دکھایا جائے اور اس طرح ان کے حقوق کو اور بھی غصب کیا جائے۔ چنانچہ ان حالات کے پیشِ نظر ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے حقوق کی کماینبغی حفاظت کریں اور ہر اُس مذموم کوشش کو ناکام و نامراد بنائیں جس کے ذریعے ہندو، مسلمان کی تعداد کو کم دکھانے اور اس کے حقوق پر چھاپہ مارنے کی فکر میں ہے۔

مردم شماری کا انحصار قاطبۃً شمار کنندگان (ENUMERATORS) پر ہے۔ اگر شمار کنندگان

ملازمین حکومت ہوئے، تو بھی حکومت کے دوسرے شعبوں کی طرح ان کی اکثریت ہندوؤں کی ہوگی، لیکن یہ ملازم نہیں ہوتے، بلکہ اعزازی طور پر کام کرنے کے لیے پبلک سے انتخاب کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کی اکثریت بھی ہندوؤں کی ہوتی ہے اور حسبِ خاطر بہت کچھ کرنے کے مواقع بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اس آنے والے خطرے سے ہوشیار رہنا چاہیے اور حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ نیومریٹرس ہمیشہ دو ہوں۔ ایک ہندو اور ایک مسلمان اور فارم پر دونوں کے دستخط موجود ہوں۔ اس باب میں زیادہ احتیاط کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد بالعموم ناخواندہ ہے، اس لیے ان کے مذہب و ملت کے اندراج کا فیصلہ شمار کنندہ کی مرضی اور قلم پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایسے مسلمان ان کا شکار بنتے ہیں، جن کے عرفی نام ہندوانے ہوں۔ مثلاً: سنیچر میاں، بدھو میاں وغیرہ۔ اب سنیچر اور بدھو کا ذکر تو فارم میں آگیا، لیکن میاں غائب یعنی، بہ یک جنبشِ قلم وہ مسلمان سے ہندو بن گئے۔ غرضیکہ یہ چالیں بڑی تیزی اور مستعدی سے کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ جو احتیاطیں اس باب میں عام طور پر برتی جاسکتی ہیں، اجمالاً ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) نام — نام عرفی نہ لکھا جائے۔ اگر کسی شخص کا نام لعل محمد ہے، تو اُسے یہی نام لکھنا چاہیے، نہ صرف لالو، لالو کو ہندو کے خانے میں لے جانا کچھ دشوار نہیں ہوگا۔

(۲) مذہب — اس خانے میں اسلام یا مسلمان درج ہونا چاہیے کسی فرقہ کا ذکر نہیں ہونا چاہیے کہ اسلام میں فرقہ داری کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۳) ذات — مسلمانوں کو اول ذات کا خانہ بالکل خالی رکھنا چاہیے، لیکن اگر اُسے پُر کرنا ایسا ہی ضروری ہو، تو وہاں بھی مسلمان ہی لکھنا چاہیے۔ اس سے زائد کوئی اور چیز بہ شکل ذات، یعنی، سید، مغل، پٹھان، راجپوت، جلاہا، ترکھان وغیرہ نہ درج کی جائے۔ اسلام کسی ذات کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتا۔

(۴) زبان — اس خانے میں سوائے اُردو کے اور کچھ نہ لکھوایا جائے۔ آج کل جب کہ اُردو پر ہر جانب سے یورش ہو رہی ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے کلچر و تہذیب کی محافظ و حامل زبان اُردو کی پوری حفاظت کریں۔ اغیار اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہیں۔ یہ نہ ہو کہ ہماری غفلت

سے مردم شماری اس بات پر منتج ہو کہ ہندوستان کی عام فہم زبان ہندی ہے، نہ کہ اُردو۔

مندرجہ بالا احتیاطیں یوں تو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ضروری ہیں لیکن بنگال، سی پی، مدراس، یوپی وغیرہ صوبجات میں ان پر عمل پیرا ہونا اور بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ ان صوبوں کے مسلمان ظاہری شکل و شباہت اور تراش خراش میں ہندوؤں سے زیادہ متمیز نہیں اور وہ بہ آسانی برادرانِ وطن کے مقاصدِ شنیعہ میں غیر شعوری طور پر ممد و معاون بن سکتے ہیں۔

ہمارے خیال میں اگر یہ چھوٹی چھوٹی احتیاطیں عام مسلمانوں کے ذہن نشین کرادی جائیں، تو ہم کئی خطرات سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ نیز ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ مردم شماری میں پوری دلچسپی لے۔ اس میں تغافل مسلمانوں کے لیے سخت نقصان کا موجب بن سکتا ہے۔ ہندو ابھی آنے والی مردم شماری کے لیے بڑے زور سے تیاریاں کر رہے ہیں۔ ہندو لیگ اور آریہ لیگ کی بنیادیں ہی اس مقصد پر قائم کی گئی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم لیگ اس کام کو اپنا فریضہ سمجھ کر کلیتہً اپنے ذمہ لے لے اور دیگر مسلمان لیگ کے کارکنوں سے پورا پورا اتحادِ عمل کریں۔

"طلوع اسلام"

ضروری نوٹ

(۱) راقم کی علالت کے باعث زیرِ نظر پرچے میں تقریظات، حساب اور تفسیر بیانُ للنّاس کے اوراق شامل نہیں ہو سکے۔ آئندہ پرچہ چوں کہ خاص نمبر ہوگا، اس لیے تقریظات اور تفسیر کی گنجائش نہیں نکل سکے گی "احسن الحدیث" اور "موضوعات کبیر" کی اقساط بھی اس میں شائع نہیں ہوں گی۔ اپریل کا پرچہ اِن شاء اللہ العزیز تمام مسلسلات کا حامل ہوگا۔

(۲) حسبِ ذیل کتابیں اور رسالے ریویو کے لیے موصول ہوئے ہیں۔ ان سب پر اپریل کے پرچے میں ریویو شائع ہوں گے:

(۱) کاغذ کی ناؤ (۲) سلطان محمد قلی قطب شاہ (۳) سلک گوہریں (۴) نمودِ زندگی (۵) فنِ تقریر۔ (۶) مقدمہ تاریخ دکن (۷) نوائے حرم (۸) قرآن اور تلوار (۹) حوادثِ نو (۱۰) سہیل افسانہ نمبر (۱۱) دارالاسلام۔

(محمد اقبال سلمانی)

انتخابِ حالی

تکفیر اہلِ اسلام

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیبؔ گناہ — کافر کہا واعظ نے اُنھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت — لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں — سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقیں!
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال — تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں؟

افسوس! اہلِ دیں بھی مانندِ اہلِ دنیا — خودکام و خودنما ہیں خودبیں ہیں اور خودآرا
اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر — اسلام ہے فقیہو! ممنوں بہت تمہارا

دہری اور گور پرست

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا — ہوگا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر — اُس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا؟

واعظوں کی سخت کلامی

اک گبر نے پوچھے جو اصولِ اسلام
واعظ نے درشتی سے کیا اُس سے کلام
بولا کہ "حضور مقت دا ہوں جس کے
ایسی مِلّت اور ایسے مذہب کو سلام

عفوِ انتقام

موسیٰؑ نے یہ کی عرض کہ اے خدا!
مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا؟
ارشاد ہُوا بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا!

قربِ حق کی شرط

کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد!
تیرا قبلہ ہے جُدا، میرا جُدا اے زاہد!
قربِ حق کے لیے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد!

عرفانِ حق کا وسیلہ

حق نہ مُلّا نے کچھ دکھایا صاف
اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھُلی
بہرِ روشن نظر نہ آیا صاف
زاہدو! ہم تو تھے ہی آلودہ،
تم کو بھی ہم نے کچھ نہ پایا صاف

قربانی اور اسلام

(عرشی)

مَیں نے آج سے گیارہ سال قبل علمائے اسلام کی خدمت میں مطالبہ پیش کیا تھا کہ وہ براہ کرم مروجہ قربانی کے حق میں کوئی نصِ قرآنی یا برہانِ عقلی پیش فرمائیں۔ "مروجہ قربانی" کے لفظ کو میں نے تفصیلاً بیان کیا تھا کہ دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں ایک یا چند مسلمان بستے ہوں، بلا لحاظ اس کے کہ وہ قربانی کے تمام گوشت کو اپنے تصرف میں لائیں، یا ٹکڑے کر کے گڑھوں میں پھینک دیں، بشرطِ استطاعت ان پر بکرے، گائے یا اونٹ کی قربانی لازم سمجھی جاتی ہے۔

اس استفسار کے جواب کا انتظار کئی سال کرکے ۱۹۳۶ء میں مَیں نے قربانی سے متعلق اپنی تحقیق "تحقیقِ قربانی" کے نام سے ملک کے سامنے پیش کر دی۔ اس کے بعد بعض علمی حلقوں سے تائیدی آوازیں بلند ہوئیں۔ لیکن "طبقہ جامد" نے اپنے قدیم دستور کے مطابق طنز و طعن اور سب و شتم کے فرسودہ اسلحہ سے کام لیا۔ نہ میرے پیش کردہ ترجمہ و تشریحِ آیات کو غلط ثابت کر سکے، نہ اپنے اثباتِ مدعا کے لیے کوئی ایک آیتِ مجید یا عقلی دلیل دے سکے۔ اس صدیوں کی مجرب جماعت سے اس سے زیادہ توقع بھی کیا ہو سکتی تھی؟ آج اشاعت "تحقیقِ قربانی" سے تین سال بعد مَیں اپنے آپ کو جزم و یقین کے محکم تر مقام پر پاتا ہوں، الحمد للہ! اور کامل تشفی و اطمینان سے سمجھ چکا ہوں کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا عقلی و قرآنی محل مکہ مکرمہ ہے اور وہاں بھی باقاعدگی اور نظام کے ماتحت صرف حسبِ ضرورت ہونی چاہیے۔ یہ گھر گھر اور قریہ قریہ کا رواج دینِ فطرت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

ذیل کا مضمون "نیرنگِ خیال" کے عید الاضحیٰ نمبر کے لیے لکھا گیا ہے۔ اُدھر مدیرِ رسالہ کا اصرار و تقاضا، اِدھر میرے خیالات کی عوام سے علیحدگی:

ازاں کہ پیروی خلق گمرہی آرد
نمی رویم براہے کہ کارواں رفتہ است

بہر حال جو کچھ میری تحقیق تھی، میں نے اس کی فضا کا لحاظ کرتے ہوئے نرم الفاظ میں لکھ دی ... ... میں اسے اپنے دوستوں کی خدمت میں بھی بطورِ تجدیدِ یاد پیش کرتا ہوں اور ایک مرتبہ پھر اعلان کرتا ہوں کہ اگر آج بھی مروجہ قربانی کا کم از کم صرف ایک عقلی فائدہ اور اس کی تائید میں صرف ایک نصِ قرآنی مجھے بتا دی جائے، تو میں بتانے والے کا شکرگزار ہوں گا اور اپنی غلطی کا اعلان کرنا بہت بڑی سعادت سمجھوں گا، اِنْ شاء اللہ العزیز۔ (عرشی)

اسلام وہ پہلا اور آخری دین ہے، جس نے اپنی تعلیمات کی بنیاد "بصیرت" پر رکھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ۔ (یوسف، ۱۰۸)	اے لوگو! میں (محمدؐ) اور میرے پیرو تم کو "بصیرت" کی بنا پر دعوت دیتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس مفہوم کی سینکڑوں آیات ملتی ہیں، جو بصیرت، بیّنہ، تعقّل، تدبّر، تفکّر وغیرہ الفاظ میں اسی ایک حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں کہ اسلام ایک خالص عقلی دین ہے، جس کے ہر حکم میں انسان کے جسم و رُوح دونوں کی بقا و حیات کا پورا لحاظ رکھا گیا۔ اس کو معلوم ہے کہ جس طرح ایک بیج جس کا مغز اپنی صحیح حالت کو چھوڑ چکا ہو، نشو و نما کے قابل نہیں رہتا، ٹھیک اسی طرح اگر اس کا مغز ٹھیک ہے، لیکن چھلکا ضائع ہو چکا ہے، تو اس کو کوثر کا پانی اور جنت کی زمین بھی بارور نہیں کر سکتی۔ قبلِ قرآن کے تمام مذاہب کے پیرو اس سعادت سے محروم ہو چکے تھے۔ اگر نصاریٰ و ہنود کے بہت سے فرقے دُنیوی نعمتوں کو ملعون و متروک قرار دے چکے تھے، تو یہود و مجوس اور بعض بُت پرست قومیں بالکل دُنیوی لذائذ میں غرق ہو کر رُوحانیت سے یک سر بے بہرہ ہو چکی تھیں۔ قرآن مجید نے رُوح و جسم کی غیر فطری جنگ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے دین و دنیا میں ایک غیر فانی صلح کی بنیاد رکھ دی۔ چنانچہ ایک منصف محقق کو اسلام کا کوئی امر و نہی ایسا نہیں ملے گا، جس میں بیک وقت دین و دنیا دونوں کی فلاح مضمر نہ ہو!

عید اضحیٰ کا مرکزی نقطہ حج ہے۔ حج اسلامی عبادات کا ایک اہم رُکن ہے۔ دوسرے

مذاہب میں تیرتھ، یاترا وغیرہ ناموں سے مذہبی سفر کیے جاتے ہیں، لیکن ان سے کوئی مادی مقصود قطعاً پیش نظر نہیں ہوتا۔ باقی رہے روحانی فوائد، تو ان کا ثبوت اس عالم میں نہ کوئی طلب کر سکتا ہے اور نہ کوئی پیش کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے حج کی پہلی غرض ہی یہ بیان فرمائی ہے:

"یَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ" | "تاکہ لوگ اپنے منافع حاصل کریں" (اس کے ساتھ ہی دوسری غرض سن لیجیے) "وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ" (سورۂ حج) | "اور اللہ کے نام کا ذکر کریں" الخ

آیت کے پہلے حصے میں "انسانی منافع" کا ذکر ہے۔ اس ایک لفظ "منافع" میں تمام سیاسی، دینی، اقتصادی، علمی، معاشری وغیرہ فوائد سمیٹ لیے گئے ہیں۔ یہ لفظ ایک عظیم کانفرنس، ایک عالم گیر اجتماع کی دعوت دے رہا ہے۔ اس میں زندگی کے تمام شعبوں کی بقاء و حیات کا راز پنہاں ہے۔ یہ ہمیں بلند آواز سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ تمہارا یہ اجتماع بر بنائے رسم و توہمات نہیں ہونا چاہیے: جہاں تک ممکن ہو اس سے فائدے حاصل کرو!

حج کے شعائر میں ایک مشہور چیز قربانی ہے، یہ رسم نزول قرآن سے ہزاروں برس پہلے سے چلی آتی تھی، لیکن عقل و بصیرت سے اس کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ "قدیم انسان" دیوتاؤں کے سامنے قربانی کرتا تھا اور ان کو اپنی طرح تیل، شراب، گوشت، آٹے اور پھلوں کا مشتاق سمجھتا تھا۔ یہود کے ربی اور یونان کے فلسفی خدا کو پتھر کی صورت میں مجسم مانتے تھے اور اس مقدس پتھر پر خون، شراب اور دودھ چڑھاتے تھے، اجناس اس کے گرد رکھ دیتے تھے، قربانی کا ذبیحہ بھی اس کے پاس رکھ دیتے تھے۔ ولادتِ مسیح سے سات سو سال قبل کے یونان میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ مردے عالم مادی سے الگ ہو جاتے ہیں اور کثیف مادی غذائیں نہیں کھا سکتے۔ اس لیے قربانی کو آگ میں جلا دینا چاہیے تاکہ ہوا میں منتقل ہو کر لطافت حاصل کر کے تغذیہ اموات کے قابل ہو سکیں اور پانی کے دیوتاؤں کا نذرانہ سمندر میں ڈالتے تھے، زمین کے نیچے کے دیوتاؤں کا ہدیہ زیر زمین دبا دیتے تھے۔ قدیم آریہ، رومی اور یونانی، دیوتاؤں کی ناراضی دور کرنے کے لیے کھانے سے پہلے کھانے کی چیز کا کچھ حصہ آگ پر ڈال دیتے

...تا کہ اس کی سوختگی کی خوشبو سونگھ کر وہ سیر یا خوش ہو جائیں۔ نسل آدم کی قربانی آدم خوری ... تحد ہے۔ اکثر قومیں غیر یا دشمن قبائل کا گوشت کھانا مباح سمجھتی تھیں۔ انسانی قربانی نے ... کی پناہ میں تقدس حاصل کیا، خصوصاً ان مذاہب میں جن کے دیوتا گوشت خور مانے جاتے تھے۔

...باپ، دیوتاؤں کی آتشِ غضب سرد کرنے کے لیے بچوں کی قربانی دیتے تھے: مولخ "دیوتا کی ... کے بچوں کو نچاور کیا جاتے تھے اور عموماً نذرِ آتش کر دیتے تھے۔[۱]

...حج میں قربانی کا دستور بھی قدیم الایام سے چلا آتا تھا۔ بت پرست اقوام کے اختلاط سے عرب ... بھی ... سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ بتوں کے سامنے جانور ذبح کرتے تھے۔ ان کا خون ان پر لگاتے ... گویا یہ ان بتوں نے کھا لیا ہے۔ ان کے آگے باجے بجاتے اور ناچتے کودتے تھے۔ اُن کے گرد طواف ... تھے۔ ان پر بعض اوقات اولاد کی قربانی بھی کرتے تھے۔ ان کے ناموں پر جانور چھوڑتے تھے، ... ہندوستان میں ہندو بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے ہیں۔ ... ... اللہ کے نام کی چیزوں ... پر چڑھا دیتے تھے۔[۲]

قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ قدیم مذاہب کی معقول باتوں کو سالماً اپنا لیتا ہے اور ... صفائی سے حوالہ بھی دے دیتا ہے کہ یہ بات زبور میں ہے، یہ صحفِ ابراہیم میں ہے، یہ تورات ... ہے، علیٰ ہذا القیاس اور غیر معقول بات خواہ وہ کسی بڑے سے بڑے بزرگ و نبی کے نام سے ... کی گئی ہو، کامل دلیری سے اس کی تردید کر کے حقیقت کو واضح کر دیتا ہے اور جہاں حق و باطل ... ہو، وہاں باطل کو الگ کر کے حق کی تائید سے اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے۔

قربانی و ذبیحہ کا معاملہ اس تیسری قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس سے وابستہ شرک ... قطعی تردید کر دی اور منافع کا پہلو لے لیا، چنانچہ فرمایا:

...مَنَافِعُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ... اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (حج)	ان چارپایوں میں ایک وقت مقررہ تک تمہارے لیے (طرح طرح کے) فائدے ہیں، پھر اس خانہ قدیم (کعبہ) تک پہنچا کر ان کی قربانی کرنی ہے۔
...جَعَلْنٰهَا لَكُمْ ... شَعَآئِرِ اللّٰهِ	اور دیکھو قربانی کے یہ اونٹ (جنھیں دُور دُور سے حج کے موقع پر لایا جاتا ہے) تو ہم نے اسے ان چیزوں میں سے ٹھیرا دیا ہے، جو تمہارے لیے اللہ کی عبادت کی نشانیوں

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ [۲] مقدمہ تفسیر حقانی صفحہ ۲۹۲-۲۹۳۔

لکم فیھا خیر[1] | میں سے ہیں، اس میں تمھارے لیے بہتری کی بات ہے۔

پہلی آیت نے بتایا کہ قربانی کے جانوروں میں "منافع" ہیں۔ دوسری نے بتایا، ان میں تمھارے لیے بہتری (خیر) کی بات ہے۔ اب اس کے مصارف بھی سُن لو!

فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر | پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ (یعنی ضائع کرو)

اب رہا یہ سوال کہ ہماری قربانی و ذبیحہ کا خدا سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن ہی سے لو:

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔	یاد رکھو، اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے، نہ خون۔ اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے، وہ صرف تمھارا تقویٰ ہے (یعنی تمھارے دل کی نیکی)

اس سلسلے میں دیوتاؤں کا تو نام بھی نہ لینا چاہیے:

فاذکروا اسم اللہ علیھا | قربانی کے جانوروں پر اللہ کا نام لیا کرو۔

جہاں تک میری تحقیق ہے۔ اسلام واضح حقائق اور ٹھوس اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس کو ہند و یونان کے فلسفہ سے کوئی سروکار نہیں۔ اس میں سادگی ہے، صفائی ہے، پیچیدگی و اغلاق نہیں۔ اس کے ارشادات پر تاویل و تفلسف کے باریک اور تہ بہ تہ غلاف چڑھانا اس کے قدرتی حسن کو چھپانے کے مترادف ہے ـــــ ظاہر ہے کہ حج بہت بڑا اجتماع ہے۔ اس میں ہر طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ان کے لیے خورد و نوش وغیرہ سامانوں کی بھی ضرورت لازمی ہے۔ صاحب استطاعت زائرین کا فرض ہے کہ ان اخراجات کو اپنے ذمّے لیں۔ ان کی ادائی جانوروں اور دیگر رقوم و اجناس کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ قرآن نے اس جگہ ھدی و نسک کے بلیغ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ھدی کے معنی بہ قولِ امام رازی:

معنی الھدی ما یھدی الی بیت اللہ عزوجل تقربا الیہ بمنزلۃ الھدیۃ یھدیھا الانسان الی غیرہ تقربا الیہ۔	ہدی کے معنی ہیں وہ چیز جو اللہ عزوجل کے گھر پہنچائی جائے بہ غرضِ حصولِ قرب، اس تحفہ کے طور پر جس کو انسان کسی کی طرف بہ غرضِ تقرب بھیجتا ہے۔

ھدیا بالغ الکعبۃ (الآیہ) کے مقام پر یہی معنی (نیاز) شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اختیار کیے ہیں، جن کو ہم موجودہ زبان میں "چندہ" کے لفظ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں ـــــ اسی کے

[1] آیاتِ بالا کا ترجمہ "ترجمان القرآن" مولانا ابو الکلام آزاد سے لیا گیا ہے۔

قریب قریب "نسک" کا مفہوم امام صاحب نے بیان فرمایا ہے۔

سطور بالا کا نتیجہ یہ کہ

۱۔ یہ الاضحیٰ مسلمانان عالم کے سب سے بڑے اور مقدس اجتماع (حج) کی مسرت کا نام ہے۔

۲۔ اس اجتماع کی ضروریات کے لیے قربانی ضرور ہونی چاہیے۔

۳۔ یہ قربانی چونکہ حج کی ایک فرع ہے کسی صورت میں مادی و روحانی فوائد سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔

۴۔ اس قربانی کا حقیقی محل بیت اللہ شریف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اسلام کے عملی حقائق سے بے خبر ہو چکے ہیں۔ ہم نے اس کے تمام ارشادات کو رسم کی حیثیت سے اختیار کر کے ان کی روح سے چشم پوشی کر لی ہے لیکن ہماری اس روش سے نفس مذہب پر کوئی حرف نہیں آتا جو قوم جب بھی اس قانون سماوی پر عمل کرے گی، وہی فوائد و نتائج حاصل کرے گی، جو قرن اول کے مسلمانوں نے کیے۔

امت مسلمہ کا سالانہ اجلاس

امت مسلمہ امرتسر کا چوتھا سالانہ جلسہ آئندہ ایسٹر کی تعطیلات میں منعقد ہو رہا ہے۔ احباب امت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں کا آغاز کر دیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں۔ تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات سرانجام دیے جا سکیں، جو اصحاب اس غرض کے لیے روپیہ ارسال فرمائیں ان کو اس کی تصریح کر دینی چاہیے، تاکہ ان کی رقوم جلسہ فنڈ میں شامل کی جائیں۔ مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

آنریری جنرل سیکرٹری امت مسلمہ امرتسر

ادارۂ ادبیاتِ اردو کی نئی کتابیں

نمودِ زندگی | جناب سید علی منظور صاحب حیدرآبادی کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہے، جو نہایت سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں ۱۰۱ نظمیں، ۷۰ غزلیں اور ۵ رباعیات ہیں۔ سید علی منظور صاحب حیدرآباد کے پختہ مشق مشہور شاعروں میں سے ہیں۔ ان کی شاعری کے قدردان دُور دُور پھیلے ہوئے ہیں اور اردو کا کوئی مشہور و مستند رسالہ ایسا نہیں ہے، جس میں آئے دن ان کی غزلیں اور نظمیں نہ چھپتی ہوں اور یہ نظمیں ایک رسالہ سے دوسرے رسالے میں نقل کی جاتی ہیں۔ علی منظور عہدِ حاضر کے اُن چند کامیاب شاعروں میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے کلام میں زندگی کی صحیح ترجمانی کی اور اس میں کامیابی بھی حاصل کی۔ صفحات ۲۱۲۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

انوار | جناب علی اختر صاحب کی غزلوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ ہے، جو نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ علی اختر صاحب ہندوستان کے چوٹی کے شاعروں میں اپنا بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کا کلام ان کے دل کی آواز اور تجرباتِ زندگی کی سچی تصویر ہے۔ وہ نہ صرف ایک کہنہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں، بلکہ حیات اور شباب پر اُن کی نظر بہت وسیع ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شعر اُن کے دھڑکتے ہوئے دل کی آواز ہے۔ موجودہ زمانے میں سوائے جوش کے کوئی شاعر اُن کی ٹکر کا نہیں۔ ان کا کلام ہندوستان کے بلند پایہ معیاری رسالوں مثلاً نگار، ہمایوں، ادبی دنیا، اور شاہکار وغیرہ میں شائع ہو کر کافی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اس مجموعہ کی اشاعت سے اُردو شاعری میں ایک گراں بہا اضافہ ہُوا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

سلکِ گوہرین | یہ ایک چھوٹا سا منظوم ڈرامہ ہے، جس کو مولوی جلال الدین صاحب آشک بی اے ایل ایل بی، نائب صدر شاخ ادارۂ ادبیاتِ اردو پر　　نے تصنیف کیا ہے۔ ان کی پہلی کتاب "شیطان کا انتقام" ادبی حلقوں میں خاصی مقبولیت حاصل کر چکی ہے اور یقین ہے کہ یہ حسین و جمیل مختصر ڈراما بھی اہلِ ذوق سے ضرور خراجِ تحسین حاصل کریگا۔ باکمال شاعر نے اس کی تصنیف و ترتیب میں چند خاص ادبی نظریوں کو پیشِ نظر رکھا ہے، جن کی اہمیت اس ڈرامے کے مطالعہ کے بعد ہی واضح ہو سکتی ہے۔ نہایت دیدہ زیب شائع ہُوا ہے اور قیمت بہت ہی کم یعنی صرف چار آنے رکھی گئی ہے۔

ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر خیریت آباد، حیدرآباد دکن

آپ کے خاندان کا مستند ڈاکٹر

کیورین

بیماریاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک مستقل اور دوسرے فوری۔ فوری بیماریوں کا حملہ بعض اوقات چنگے بھلے آدمی کو آناً فاناً آگھیرتی ہیں، بالخصوص بال بچے والے گھروں میں عموماً کوئی نہ کوئی فوری بیماری پریشان کرتی ہی رہتی ہے۔ ایسے حالات میں اگر ہر تکلیف پر ڈاکٹروں یا حکیموں کی طرف رجوع کیا جائے، تو یہ ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بروقت ڈاکٹر میسر نہیں آسکتا۔ نہ یہ ممکن ہوتا ہے کہ گھروں میں خود بخود کسی بیماری کو سمجھ کر اس کے لیے کوئی دوا تجویز کی جاسکے۔ لہٰذا اس وقت بے وقت کی پریشانی سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ کے پاس کوئی ایسی دوا ہر وقت محفوظ رہے، جو ان چھوٹی موٹی تکلیفوں کے فوری سدباب کے کام آسکے اور وقتی طور پر آپ کی پریشانی دور کرسکے۔ کیورین اس مقصد کے لیے ایک بہترین دوا ہے۔ جسم کے اندرونی اور بیرونی دردوں کے لیے آپ بلا خطر اس کا استعمال کرسکتے ہیں، مثلاً دردِ سر، دردِ گوش، دردِ دانت، دردِ کمر یا جسم کے کسی بھی حصّے پر چوٹ وغیرہ آجانے سے درد اور تکلیف ہو، تو ذرا سی دوا انگلی پر لگا کر مل دیجیے، فی الفور آرام آجائے گا۔ بھِڑ، بچھو، کھٹمل یا دوسرے معمولی زہریلے جانوروں کے کاٹے ہوئے مقام پر یا ورم اور سوزش پر لگانے سے ایک منٹ میں درد جاتا رہے گا۔ اسی طرح نزلہ، زکام، کھانسی، پیٹ کے درد، متلی، قے، بدہضمی، نفخ شکم (یعنی پیٹ کے اپھارے) موسمی بخار، ہیضہ، اسہال غرضیکہ بیسیوں بیماریوں میں کیورین کی دو بوندیں بتاشے یا مصری پر ڈال کر دینے سے چند لمحوں کے اندر اندر تکلیف کا ازالہ ہو جائے گا۔ کیورین تمام چھوٹی موٹی فوری تکلیفوں اور پریشانیوں کے لیے درحقیقت ایک معجزہ ہے۔ ہر بال بچے والے گھر میں کیورین کی ایک شیشی ہر وقت موجود رہنی چاہیے۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ، علاوہ محصول ڈاک۔

پتہ: انڈین ٹریڈنگ کمپنی امرتسر

چند اہم کتابیں

تعلیماتِ قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں جملہ اصول و عقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۲۴۴ صفحات۔ قیمت فی نسخہ دو روپیہ، علاوہ محصول ڈاک

مطالعہ حدیث

(مدیر نگار کا تبصرہ) یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی، جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ بپا ہوا اور ان کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے۔ جس میں تدوینِ احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقاتِ نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍) علاوہ محصول ڈاک۔

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم کو دور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے۔ اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ ۱۲؍ کے ٹکٹ بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

منیجر دفتر امتِ مسلمہ امرتسر

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے

سالانہ تین روپے

مقدمۂ زندگانیٔ محمدؐ

عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

زندگانی محمدؐ علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پہلے ہی دن میں فروخت ہو گئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر ختم ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر امت مسلمہ امرتسر نے زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانی محمدؐ ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دلچسپ پایا (سر عبدالقادر)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانی محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے، جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیام نسواں)

لکھائی، چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ ۱۳ر ٹکٹوں کی صورت میں یا بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

نمبر ۳	مئی ۱۹۴۱ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ	جلد ۳

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے ماما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر سے چھپوا کر دفتر امتِ مسلمہ بیرون دروازہ گھیاں سے شائع کیا۔

شذرات

مورخہ ۱۲ و ۱۳ اپریل ۱۹۴۱ء کو ارضِ امّتِ مسلمہ میں چوتھا سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ مقامی ارکان کی سعی و ایثار کے باوجود رونق میں کمی رہی۔ اس کے متعدد اسباب تھے:

(۱) پیاروں کی موت نے میری دنیا اُجاڑ دی

یاروں نے جا کے دُور بسائی ہیں بستیاں

ہماری آنکھیں اُن بزرگوں کو ڈھونڈتی تھیں، جو جلسے کی روح رواں ہُوا کرتے تھے اور نہیں پاتی تھیں۔ ہم میں اور اُن میں مشیتِ ایزدی نے وجود و عدم کی دیوار حائل کر دی جس کو پھاندنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ موت امرِ طبعی ہے، جس سے کسی کو مفر نہیں، لیکن سب سے زیادہ حسرت و افسوس کا مقام یہ ہے کہ مرنے والے کے بعد اُس کے اخلاف میں اس کی جانشینی کا اہل مشکل سے ملتا ہے۔ اس وقت مسلمانانِ ہند کی پوری جمعیت اسی مصیبت کا شکار ہے۔ حضرت شیخ عطاء اللہ، حضرت پیر قمرالدین، حکیم طالب علی، خواجہ ضیاء اللہ اور سب سے آخر حضرت امیر میاں مولا بخش (رحمہم اللہ) کی دینی و جماعتی دلچسپیوں کو دیکھیے، کس قدر ذوق و انہماک تھا ان لوگوں کے بچپن، جوانیاں اور پیری اسی شوق میں گذر گئی، لیکن اب ہم میں کون ہے، جو ان کے خلوص و ہمت کی گرد کو بھی پہنچ سکے؟

(۲) ہم اس اجتماع کو ایسی تاریخوں میں منعقد کرنے کے لیے مجبور تھے، جب صوبے کے اطراف و جوانب خصوصاً لاہور میں بڑے بڑے شان دار جلسے ہوئے۔ مقررین اور سامعین کا ایسے عظیم الشان جلسوں کو چھوڑ کر ایک محدود اجتماع کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے بہت سے احباب محض اسی وجہ سے شاملِ جلسہ نہ ہو سکے۔

(۳) بعض دوست خود اور بعض کے قریبی عزیز عین وقت پر بیمار ہو گئے اور وہ شوق و رغبت کے باوجود ہماری درخواست کو قبول کرنے سے قاصر رہے۔

(۴) بعض بزرگوں نے امرت سر کی فرقہ وار مکدر فضا اور سیاسی اکھاڑہ بندی سے اجتناب و خوف کی بنا پر کنارہ کشی اختیار کی۔

الحاصل اس قسم کے کچھ اسباب تھے، جو راہِ کامیابی میں حائل ہو گئے۔ اس کے باوجود جو کچھ ہوا، اس کا اجمالی ذکر سن لیجیے:۔

پہلے دن کی کارروائی یہ ہے کہ حافظ محمد سردار صاحب کی تلاوتِ قرآن اور وعظ سے افتتاح جلسہ ہوا۔ آپ کے بعد جناب فیروزدین صاحب عارف نے اپنی سبق آموز نظم سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ پھر حکیم سکندر خضر صاحب نے ایک موثر اور دل نشین تقریر فرمائی۔ اس کے بعد چودھری غلام عباس خاں صاحب ایم اے لدھیانوی نے آیہ انا عرضنا الامانۃ کی نہایت معقول اور عالمانہ تفسیر بیان کی۔ اسی روز کے دوسرے اجلاس میں حکیم نور محمد صاحب منور، چودھری بشیر احمد صاحب بی اے اور مدیر "البیان" کی تقریریں ہوئیں۔

دوسرے روز کا اجلاس حکیم نور محمد صاحب منور کی تلاوتِ قرآن سے شروع ہوا۔ منشی عبدالحفیظ صاحب امرت سری نے حکومتِ الٰہیہ کے عنوان سے ایک تقریر پڑھ کر سنائی۔ جناب عطاء اللہ صاحب عزت اور جناب مرزا بیضا خاں صاحب مردی ایرانی نے نہایت مفید اور دلچسپ نظمیں پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد مدیر البیان نے ایک مختصر تقریر کی۔ دوسری نشست میں جناب منور اور شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے اپنے خیالات سے حاضرین کو مستفید کیا۔

ہمارا ارادہ ہے کہ اس اجلاس کی چیدہ چیدہ تقریریں "البیان" کی آئندہ اشاعتوں میں شائع کر دی جائیں، تاکہ ان کا فائدہ عام ہو سکے۔

مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۴۱ء کو امتِ مسلمہ کی جنرل کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں متعدد ریزولیوشن پاس ہوئے۔ سابق سیکرٹری جناب بابو محمد حسین صاحب بسلسلۂ ملازمت تبدیلی مقام کے باعث سکرٹری شپ سے مستعفی ہونے کے لیے مجبور تھے، اس لیے جدید انتخاب عمل میں لایا گیا۔ ان کی جگہ بابو ذوالفقار علی صاحب منتخب ہوئے۔ مجلس مقدم الذکر کی

مساعی کو بہ نظرِ استحسان دیکھتی ہے۔ آپ نے اپنے زمانہ کار میں پوری تن دہی سے دفتر کے متعلقہ امور میں دلچسپی لی۔ جزاہم اللہ۔

مشیتِ ایزدی میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ درسِ قرآن کے لیے بہت اپیلیں کی گئیں۔ تقریروں میں کہا گیا، لیکن مقدر تھا کہ یہ کام اپریل ۱۹۴۱ء میں شروع ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ـــــ ہم اس درس کے ہمیشہ سے خلاف ہیں، جیسا کہ عموماً مساجد میں ہوتا ہے۔ مولوی صاحب قرآن مجید لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک آیت تبرکاً پڑھ کر اِدھر اُدھر کی حکایتیں اور روایتیں سنا کر معیّن وقت پورا کر دیتے ہیں۔ سننے والے سالہا سال تک سنتے رہتے ہیں، لیکن نہیں جانتے کہ دین کیا ہے اور اس کی غایت کیا؟ ہمارا مقصد یہ ہے کہ سامعینِ درس میں خود اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ چراغ بن کر دوسرے چراغوں کو روشن کر سکیں۔ اس کے لیے صرف و نحو اور لفظی ترجمہ کی تدریس کا التزام کیا گیا ہے۔ ذہین نوجوانوں کو خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر استفادہ کریں۔ فی الحال درس کا وقت نمازِ فجر کے بعد جامع مسجد متصل دکان میاں مولا بخش مرحوم میں مقرر ہوا ہے۔ بیرونی احباب کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

سید منظور احسن صاحب بہاری کے ذوقِ قرآن سے قارئین کرام آشنا ہیں۔ آپ نے گزشتہ سال بھی دفتر امتِ مسلمہ کی معرفت مسلم لیگ کو قرآن حکیم کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ امسال آپ کی کوششوں سے مسٹر نعیم الحق صاحب ایم اے نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اس مفاد کی ایک تجویز پیش کرنے کا نوٹس دیا ہے کہ سارے ہندوستان کی پرائمری لیگوں کے اندر قرآن شریف کی تعلیم کے لیے مدرسے کھولے جائیں اور ہر مسلم لیگی پر زور دیا جائے کہ وہ تعلیم قرآن کا پابند رہے۔ اور اس کا عملی نمونہ بنے۔ ان الفاظ کی اشاعت کے ساتھ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس گذر چکا ہے ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ ریزولیوشن کہاں تک کامیاب

لہ اس نکتے کی تفصیل پھر کی جائے گی۔ منہ

ہُوا؟ البیان کی کسی آئندہ اشاعت میں ہم اس موضوع پر مفصل توجہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

سالانہ اجتماعات کو کامیاب اور مفید و موثر بنانے کے لیے تمام احباب کی اجتماعی اعانت کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم ذرائع و اسباب کے لحاظ سے بہت مفلس واقع ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود جو ذرائع و اسباب میسّر ہیں، اگر ان ہی کو سلیقہ و انہماک سے صَرف کیا جائے، تو بہت کچھ ہو سکتا ہے، یعنی ہم سب کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ ہمارے ہاتھ میں ایک انقلاب انگیز، روح افروز اور زندگی بخش پروگرام ہے۔ جس کا ایک ایک نکتہ اٹل ہے۔ یہ ایک پیغام ہے اقوامِ عالم کے نام، پھر جس کو یہ پہنچ جائے، اُس پر فرض ہو جاتا ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ اس کو نہ پہنچانا بھی اتنا ہی جرم ہے، جتنا اس کی بتائی ہوئی دوسری باتوں پر عمل نہ کرنا، جہاں ہم سال کے ۳۶۵ دن فانی خواہشات و حاجات کے لیے صَرف کر دیتے ہیں، وہاں صرف دو دن اس کے نشر و اعلا کی تجاویز پر غور کرنے کے لیے وقف کر دیں۔ دنیا کے فرزندوں کو اپنی طرف انبوہ در انبوہ کھینچنے کے لیے پتھر کے بُتوں اور مزاروں کی اینٹوں میں جو قوت ہے، آپ دیکھ رہے ہیں۔ ہر سال، ہر ماہ اور ہر ہفتہ اس ملک کے اطراف و جوانب میں کتنے شاندار اجتماع ان خانقاہوں اور استھانوں پر ہوتے رہتے ہیں، جو سوائے اس کے کہ انسانی روح کو جہل و توہم اور شرک و عصیان کے گڑھوں میں دھکیلتے رہیں، ملک و قوم کی کوئی ضرورت پوری نہیں کرتے۔ لیکن حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ اس عہد کے انسانوں کے لئے خصوصاً مسلمانوں کے لیے اور پھر ان مسلمانوں کے لیے، جو قرآن عزیز کو فلاح دارین کا ضامن کہتے ہیں، قرآن مجید میں بہ الفاظِ دیگر اس کے نازل فرمانے والے میں اتنی جاذبیت بھی نہیں رہی کہ اس کے لیے ادنےٰ سے ادنےٰ قربانی مال و وقت کر سکیں۔ یہ وہی قرآن ہے جس کی ایک ایک آیت کے سامنے جبّار سلاطین کی گردنیں جھک جاتی تھیں اور آج ہماری بے عملی کے باعث یہ لاہوتی گرز "بر مخنّث سلاح جنگ" بن کر رہ گیا ہے ضرورت ہے کہ ہم اپنے ذہین بچوں کو دنیا کی تعلیم کے ساتھ قرآن سے بھی آشنا کریں۔ اور ان کی رفتارِ طبیعت کو دیکھ کر ان کو علومِ حاضرہ کے ساتھ ساتھ علومِ عربیہ کی تکمیل کے لیے آمادہ کریں۔

وابستگانِ دفترِ امتِ مسلمہ کو اِس نکتہ سے سہل نہیں گزر جانا چاہیے۔ آپ کے بچے قرآن کے بچے ہیں، محمد رسول اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ کے بچے ہیں۔ انہیں ان کی راہ پر چلانا ہے۔ ان سے ہمارے مستقبل کی درخشانیاں وابستہ ہیں۔

آپ اپنے بچے کو تعلیم دلانے کے لئے دفتر سے ہر ممکن امداد طلب کر سکتے ہیں۔ ہمیں ایسے ذہین بچوں کی اشد ضرورت ہے، جو اپنے زمانے کی دنیا کو خدا کا بے لوث پیغام پہنچا سکیں، جو ہماری نااہلیتوں کی تلافی کر سکیں۔ ایک دفعہ اور گذارش ہے کہ اس شذرے سے آسان نہ گزر جائیں۔ صاحب اولاد احباب اس بارے میں دفتر سے خط و کتابت کریں اور ہمارے ارادے معلوم کریں ——— اس کے علاوہ جو دوست فی الحال تقریر کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر ہوں، انہیں لازماً سالانہ جلسہ میں حصہ لینا چاہیے۔ ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ اجتماع ایسے ایام میں ہو، جب عام اصحاب آسانی سے شامل ہو سکیں۔

ادارہ

حدیث ہوؑد

(۱)

خدا تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو قوم عاد کی طرف رسول بنا کر بھیجا، آپؑ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (اعراف - ۶۵)

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

(ہود - ۵۲-۵۰)

اے بھائیو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اس (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے؟

بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم (شرک کرکے خدا پر) محض بہتان باندھتے ہو۔ بھائیو! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟ اور بھائیو! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو، پھر اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور دیکھو، گناہگار بن کر روگردانی نہ کرو!

(۲)

قوم نے جواب دیا کہ تو احمق اور کاذب ہے۔ حضرت ہودؑ نے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ

بھائیو! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں، بلکہ میں رب العٰلمین کا پیغمبر ہوں۔ میں تمھیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ایک شخص کے ہاتھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نصیحت آئی، تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اور یاد تو کرو،

خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (اعراف)

جب اس نے تم کو قوم نوحؑ کے بعد سردار بنایا اور بدن کا پھیلاؤ بھی تم کو زیادہ دیا۔ پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو!

(۳)

قوم عاد نے اس تعلیم کو تسلیم کرنے سے کھلا انکار کیا اور کہا۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقوں سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ اگر تم سچے ہو، تو ہمیں کوئی نشانی دکھلاؤ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کسی معبود نے آسیب پہنچا کر تمہیں دیوانہ کر دیا ہے۔ حضرت ہودؑ نے فرمایا:

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

(اعراف ۷)

تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں، جن کی خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی، تو تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ

میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو، میں اُن سے بیزار ہوں (یعنی جن کی خدا کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں تدبیر کرنی چاہو، کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں خدا پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسہ رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔ اگر تم روگردانی کرو گے، تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ میرا

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ○ | پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔

(۴)

قوم جھٹلاتی ہے، مگر آپ اپنی تبلیغ جاری رکھتے ہیں:

اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ ○ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ○ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ○ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ○ اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ○ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ○ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ (الشعراء ۱۲۵-۱۳۴)

(اے لوگو!) کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ خدائے رب العٰلمین کے ذمے ہے۔ بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو، شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی کو پکڑتے ہو، تو ظالمانہ پکڑتے ہو، تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو، جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی، جن کو تم جانتے ہو۔ اس نے تمھیں چار پایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔ مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○

(ہودؑ نے کہا:) اللہ تعالٰی کے سوا کسی کو نہ پوجو! مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔

(۵)

قوم عاد نے کہا: تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ تم ہمیں جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو، اگر تم سچے ہو، تو ہم پر لے آؤ۔ آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاُبَلِّغُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰىکُمْ قَوْمًا

اس کا علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں، وہ تمھیں پہنچا رہا ہوں، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ

تَجْهَلُوْنَ۝ | تم لوگ نادانی (کی باتیں) کر رہے ہو!

پھر ایسا ہوا کہ خدا تعالےٰ نے اس نافرمان قوم پر بڑے زور کی سرد آندھی بھیجی، جو برابر سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ یہاں تک کہ ساری قوم تباہ ہوگئی۔ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقہ) اور (اے مخاطب اگر) تو (ان میں ہوتا، تو) دیکھتا کہ وہ لوگ اس آندھی میں اس طرح مرے پڑے تھے، جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔

حدیثِ صالحؑ

(۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا:

يٰقَوْمِ[له] اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ (ہود-۶۱)

اے بھائیو! خدا ہی کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا، تو اس سے مغفرت مانگو، اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار قریب بھی ہے اور دعا کا قبول کرنے والا بھی ہے۔

(۲)

...... اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝

تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ خدائے رب العٰلمین کے ذمے ہے۔ کیا جو چیزیں (تمہیں) یہاں (میسر) ہیں، اُن میں تم بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (یعنی) باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں اور فراغت سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو، تو

[له] یہ واقعہ قریباً ان ہی الفاظ میں سورۂ اعراف میں بھی بیان ہوا ہے۔ تکرار و طوالت کے باعث اُسے نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ (مرتب)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ (الشعراء ۱۵۰-۱۵۲)

خدا سے ڈرو اور میرے کہے پر چلو اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

(۳)

جب آپ نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ ۝ (النمل - ۴۵)

اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو!

تو آپ کی قوم دو فریقوں میں بٹ گئی، یعنی ایک فریق ایمان لے آیا اور دوسرے نے انکار کر دیا، اسی طرح یہ دونوں گروہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ جو فریق آپ کے پیغام کا منکر تھا، اس نے عذاب کا مطالبہ کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (النمل - ۴۶)

اے بھائیو! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو؟ (اور) خدا سے بخشش کیوں نہیں مانگتے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وہ کہنے لگے کہ تم اور تمھارے ساتھی ہمارے لیے شگون بد ہیں۔ آپ نے فرمایا:

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝

تمہاری بدشگونی خدا کی طرف سے ہے، بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے۔

لوگوں نے جواب دیا "صالح! اس سے پہلے ہم تم سے کئی طرح کی امیدیں رکھتے تھے (اب وہ امیدیں منقطع ہو گئیں) کیا تم ہمیں اُن چیزوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، اُس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔

(۴)

آپ نے جواب دیا:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ

اے بھائیو! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو، تو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں، تو اس کے سامنے

فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ (ہود - ۶۴،۶۳)

میری کون مدد کرے گا؟ تم تو کفر کی باتوں سے میرا نقصان کرتے ہو۔ بھائیو! یہ خدا کی اونٹنی تمھارے لیے ایک نشانی ہے، تو اس کو چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا، ورنہ تمھیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔

(۵)

انھوں نے جواب دیا، تم تو جادو زدہ ہو اور ہماری ہی طرح کے ایک انسان ہو، اگر تم سچے ہو، تو کوئی نشانی پیش کرو۔ آپ نے فرمایا:

هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (الشعراء ۱۵۶، ۱۵۵)

دیکھو، یہ اونٹنی ہے۔ (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمھاری باری، اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا، نہیں تو تم کو سخت عذاب آ پکڑے گا۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝ (الشمس ۱۳)

تو خدا کے پیغمبر (صالحؑ) نے ان سے کہا کہ خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے حذر کرو۔

مگر ان ظالموں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس پر حضرت صالحؑ نے فرمایا:

تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝ (ہود - ۶۵)

اپنے گھروں میں تین دن اور فائدے اٹھالو، یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔

تین روز گزرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے قوم ثمود کو زلزلے کے ذریعے تباہ کیا اور حضرت صالحؑ کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔

حدیث ابراہیمؑ

۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حجتِ توحید عطا ہوتی ہے، آپؐ مظاہرِ قدرت میں تدبّر کرتے ہیں، رات کی تاریکی میں آسمان پر ایک ستارہ دکھائی دیتا ہے، تو اُس کی درخشانی پر یُوں گویا ہوتے ہیں:

هٰذَا رَبِّيْ ۚ (الانعام ۷۶)	یہ میرا پروردگار ہے!

ستارہ غائب ہو جاتا ہے، نتیجہ روشن ہے کہ جس چیز کی چمک دمک اس طرح ماند پڑ جائے، اُسے تو خدا نہیں ماننا چاہیے۔ پس فرماتے ہیں:

لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ (الانعام - ۷۶)	مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں ہیں۔

پھر چاند کو دیکھتے ہیں، وہ ستارے سے بھی زیادہ خوب صورت اور روشن ہے، فرماتے ہیں:

هٰذَا رَبِّيْ ۝ (الانعام - ۷۷)	یہ میرا پروردگار ہے!

لیکن جب وہ بھی چُھپ جاتا ہے، تو قلبِ محقق کی کیا کیفیت ہوتی ہے:

لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ (الانعام - ۷۷)	اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا، تو میں اُن لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔

پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے، تو کہنے لگے:

هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ (الانعام - ۷۸)	یہ میرا پروردگار ہے! یہ سب سے بڑا ہے۔

۲

مگر جب سورج بھی غروب ہو گیا، تو آپؐ کا استدلال کامل ہو گیا کہ یہ ستارے، یہ چاند، یہ سورج اور اسی طرح کے تمام دوسرے مظاہرِ قدرت، جن کی پرستش میں لوگ مصروف ہیں، ہرگز اس لائق نہیں کہ انھیں معبود قرار دیا جائے۔ آخر آپؐ اپنی قوم میں یہ اعلان کر دیتے ہیں:

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝	لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو، مَیں اُن سے بیزار ہوں۔ مَیں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو

(الانعام - ۷۹ - ۷۸)

اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ○ (الزخرف - ۲۷)

پیدا کیا اور مَیں مشرکوں میں سے نہیں ہوں!

جن چیزوں کو تم پُوجتے ہو، مَیں اُن سے بیزار ہوں۔ ہاں، جس نے مجھے پیدا کیا، وُہی مجھے عنقریب سیدھا راستہ دکھائے گا۔

۳

خدا تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ میرے فرماں بردار بن جاؤ! آپ نے عرض کیا:

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (البقرہ - ۱۳۱)

مَیں رب العٰلمین کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں۔

۴

لوگوں نے آپ سے بحث و تکرار شروع کر دی، تو ارشاد فرمایا:

اَتُحَآجُّوْنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَیْفَ اَخَافُ مَا اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْآ اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

(الانعام ۸۲-۸۰)

تم مجھ سے خدا کے بارے میں بحث کرتے ہو؟ اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو، مَیں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں، جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں اُن چیزوں سے جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو، کیوں کر ڈروں، جب کہ تم اُس سے نہیں ڈرتے؟ کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اُس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا زیادہ مستحق ہے، اگر کچھ سمجھ رکھتے ہو، (تو بتاؤ)! جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک سے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا، اُن کے لیے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وُہی ہدایت پانے والے ہیں۔

۵

حضرت ابراہیمؑ کا باپ (آزر) بھی بُت پرست تھا، اُسے مخاطب کر کے کہتے ہیں:

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْٓ اَرٰىكَ

کیا تم بُتوں کو معبود بناتے ہو؟ مَیں دیکھتا ہوں

وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانعام ۷۴) | کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہے۔

يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ○ (مریم ۴۲-۴۵)

اے باپ! ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو، جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں۔ اے باپ! مجھے ایسا علم ملا ہے، جو آپ کو نہیں ملا، تو میرا اتباع کیجیے، میں آپ کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ اے باپ! شیطان کی پرستش نہ کیجیے، بے شک شیطان خدا کا نافرمان ہے۔ اے باپ! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو خدا کا عذاب آپکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

۶

آذر کو اپنے مبارک فرزند کی ان نصیحتوں پر طیش آگیا۔ اس نے کہا: اگر تو اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے گا، میں تجھے سنگ سار کردوں گا۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ ابراہیمؑ نے فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ (مریم - ۴۸ و ۴۷)

آپ پر سلامتی ہو! میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ خدا کے سوا پکارتے ہیں، ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔

لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ○ (الممتحنہ - ۴) | میں آپ کے لیے مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

۷

حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم سے ایک مؤثر تبلیغی خطاب فرماتے ہیں:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○ (الانبیا - ۵۲) | یہ مورتیں کیا ہیں، جن (کی پرستش) پر تم معتکف ہو؟

قوم نے جواب دیا: ہم نے تو اپنے آبا و اجداد کو ان ہی مورتوں کی پرستش کرتے دیکھا ہے (تم ہمیں یہ نرالی باتیں کیوں بتاتے ہو؟) حضرتؑ نے فرمایا:

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانبیاء - ۵۴)

تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے!

لوگوں نے پوچھا، سچ مچ تمہارا یہی اعتقاد ہے یا ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا:

بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (الانبیاء - ۵۶)

بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، جس نے اُن کو پیدا کیا ہے اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔

هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ ... اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ○ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○ (الشعراء - ۷۲-۸۲)

(اے لوگو!) جب تم ان (بتوں) کو پکارتے ہو، تو کیا وہ تمہاری آواز سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ... کیا تم دیکھتے نہیں کہ جن کو تم پوجتے رہتے ہو، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، وہ میرے دشمن ہیں، لیکن (خدائے) رب العٰلمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں، تو مجھے شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا!

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (الممتحنہ - ۴)

(قوم سے مخاطب ہو کر کہا:) ہم تم سے اور اُن (بتوں) سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔

... اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (العنکبوت - ۱۶)

(اے لوگو!) خدا کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو، تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ

(اے لوگو!) تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو، تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے

الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۙ (العنکبوت۔ ۲۵)

(کی دوستی) سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

..... مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۚ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۗ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (والصّٰفّٰت ۸۵-۸۷)

(اے لوگو!) تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیوں جھوٹ (بنا کر) اللہ کے سوا اور معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے؟

اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ (زخرف ۲۶ و ۲۷)

(اے میرے باپ اور اے میری قوم!) جن چیزوں کو تم پوجتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں، ہاں جس نے مجھے پیدا کیا، وہی مجھے سیدھا راستہ دکھلائے گا!

۸

بادشاہ وقت نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے توحید کے بارے میں جھگڑا کیا۔ حضرت ابراہیم اُس کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ (البقرہ۔ ۲۵۸)

میرا پروردگار وُہ ہے، جو جِلاتا اور مارتا ہے۔

بادشاہ نے کہا "یہ بات تو میرے اختیار میں بھی ہے۔ جسے چاہوں" زندہ رہنے دوں یا قتل و صلیب وغیرہ موت کے منہ سے نکال کر نئی زندگی عطا کردوں اور جسے چاہوں، موت کے گھاٹ اُتار دوں۔ بھلا اس میں تمہارے پروردگار کی کیا خصوصیت ٹھیری؟) آپ اُسے ایک اور دلیل سے قائل کرتے ہیں:

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ۝ (البقرہ۔ ۲۵۸)

اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم اسے مغرب سے نکال دو۔

بادشاہ یہ دلیل سُن کر بھونچکا سا رہ گیا۔ (فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ۔ البقرہ۔ ۲۵۸)

۹

آپ کی قوم کسی تیوہار وغیرہ کی تقریب پر جمع ہوا کرتی تھی (آپ کو بھی دعوت دی گئی) آپ نے فرمایا:

اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ (والصّٰفّٰت۔ ۸۹)

میں تو بیمار ہوں۔

پھر آپؑ نے کھلے طور پر اعلان کیا:

وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ○ (الانبیا - ۵۷)	او خدا کی قسم، جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے، تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔

پھر (جب وہ لوگ چلے گئے، تو) آپؑ ان کے بت خانے میں داخل ہو گئے اور مورتیوں کو مخاطب کرکے مذاق کے طور پر فرمایا:

اَلَا تَاْکُلُوْنَ ○ مَا لَکُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○	تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ تمھیں کیا ہوا ہے، تم بولتے نہیں؟

پھر آپؑ نے اُن بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا، البتہ سب سے بڑے بت کو باقی رہنے دیا، تاکہ جب وہ لوگ واپس آجائیں، تو اُس کی طرف رجوع کرکے "حقیقتِ حال دریافت کریں"۔ چنانچہ جب انھیں خبر ملی کہ بتوں کو توڑ دیا گیا ہے۔ تو وہ دوڑتے ہوئے واپس آئے اور پوچھا کہ کس ظالم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیمؑ پکڑے گئے۔ انھوں نے دریافت کیا: اے ابراہیم! کیا تم ہی نے ہمارے بتوں کو توڑا ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ○ (الانبیا - ۶۳)	بلکہ یہ اُن کے بڑے بت نے کیا (ہوگا)؛ اگر یہ بولتے ہیں، تو اُن سے دریافت کرو۔

انھوں نے اپنے دل میں غور کیا، تو ابراہیمؑ کی بات کو سچا پایا اور اپنی بے انصافی اُن پر صاف طور پر آشکارا ہو گئی۔ پھر شرمندہ ہو کر سر نیچا کر لیا۔ پھر کہنے لگے، ابراہیم! تم جانتے ہو کہ یہ مورتیاں بولا نہیں کرتیں۔ آپؑ نے فرمایا:

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ ○ اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانبیا - ۶۷)	پھر تم خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو، جو (نہ بول سکتی ہیں) نہ تمھیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تُف ہے تم پر اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، اُن پر۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

پجاریوں نے غصے میں آکر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دینے کی سزا تجویز کی، مگر ان کی یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اُن کے داؤ سے بچا لیا۔

۱۰

پھر آپ کو خدا تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا۔ آپ نے کہا:

اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ (العنکبوت۔ ۲۶)	مَیں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔
اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○ (والصّٰفّٰت۔ ۹۹)	مَیں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔

۱۱

ہجرت کرکے آپ ملک شام میں تشریف لے گئے۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○	اے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) صالحین میں سے (ہو)

خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ایک حلیم بیٹے کی خوش خبری دی۔

۱۲

جب آپ کا بیٹا دوڑنے پھرنے کے قابل ہوا، تو ایک روز آپ نے اس سے کہا:

یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (والصّٰفّٰت۔ ۱۰۲)	بیٹا! مَیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں، تو تم سوچو کہ تمھارا کیا خیال ہے؟

بیٹے[1] نے جواب دیا:

یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (والصّٰفّٰت۔ ۱۰۲)	اے باپ! جو آپ کو حکم ہوا ہے، وہی کیجیے۔ خدا نے چاہا، تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اور آپؑ کے بیٹے کو اس آزمائش سے بچا لیا اور حضرت ابراہیمؑ کو سلامتی کی بشارت دی اور اُن کا ذکرِ خیر آنے والی نسلوں میں باقی رکھا

---

[1] مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے کون سے بیٹے ذبیح تھے، اسمٰعیلؑ یا اسحٰقؑ؟ میرے نزدیک ان میں سے کوئی بھی ہوں، نفسِ واقعہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت اسمٰعیلؑ یا حضرت اسحٰقؑ کے اقوال چونکہ ضمنی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کو حدیث ابراہیمؑ ہی کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے، کوئی الگ عنوان مقرر نہیں کیا گیا۔ (مرتب)

۱۳

ریگ زار عرب میں آپؑ نے ایک عبادت گاہ کی بنیاد رکھی۔ اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ نے بھی تعمیر میں آپؑ کا ہاتھ بٹایا۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(البقرہ ۱۲۹-۱۲۷)

اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما! بےشک تو سُننے والا، جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور (اے پروردگار!) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرما۔ بےشک تُو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں، ان ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو، جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان کو پاک و صاف کیا کرے۔ بےشک تُو غالب اور صاحب حکمت ہے۔

۱۴

جس سرزمین کو آپؑ نے اپنا ٹھکانا بنایا، اس کے متعلق اور اپنی اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ سے یُوں دعا کی:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ)

اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں، اُن کے کھانے کو میوے عطا فرما!

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ

اے میرے پروردگار! اس شہر کو لوگوں کے لیے امن کی جگہ بنا دے، اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بُتوں کی پرستش کرنے لگیں، بچائے رکھ۔ اے پروردگار! انھوں نے (یعنی بُتوں نے) بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، سو جس

عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ (ابراہیم ۳۶-۳۸)

شخص نے میری اطاعت کی، وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی، تو تُو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے پروردگار! مَیں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں، تیرے عزت (و ادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں، پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے، تاکہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ اے پروردگار! جو باتیں ہم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، تو سب جانتا ہے اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں، نہ زمین میں نہ آسمان میں!

۱۵

خدا تعالیٰ نے فرمایا "اے ابراہیمؑ! مَیں تمھیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا"۔ آپؑ نے کہا:

وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (بقرہ)

(پروردگار!) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لیکن ظالم لوگوں کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے۔"

۱۶

بڑھاپے کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ مہمان حضرت ابراہیمؑ کے گھر آئے اور ان کو ایک صاحبِ علم بیٹے کی بشارت دی۔ آپؑ نے فرمایا:

اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ (الحجر ۵۴)

جب مجھے بڑھاپے نے آ پکڑا، تو تم خوش خبری دینے لگے۔ اب کاہے کی خوش خبری دیتے ہو؟

آپؑ کی بیوی نے بھی اس بات کو باور نہ کیا اور بولی، مَیں اور میرا خاوند دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اب ہمارے ہاں اولاد کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟ انھوں نے اسحٰقؑ اور اسحٰقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کی بشارت سنائی اور کہا کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

آپؑ نے فرمایا:

وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا

خدا کی رحمت سے (مَیں مایوس کیوں ہونے لگا؟ الخ)

الْقٰنِطُوْنَ ○ (الحجر۔ ۵۶) | مایوس ہونا تو گمراہوں کا کام ہے۔

پھر کہنے لگے:

فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ (الحجر۔ ۵۷) | تمھیں اور کیا کام ہے، اے بھیجے ہوئے صاحبو!

مہمانوں نے جواب دیا: "ہم ایک مجرم قوم کو عذاب دینے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔"

۱۶

ایک مرتبہ آپؑ نے یہ جاننا چاہا کہ خدا تعالیٰ مُردوں کو کیوں کر زندہ کرتا ہے؟ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (البقرہ۔ ۲۶۰) | اے پروردگار! مجھے بتا کہ تو مُردوں کو کیوں کر زندہ کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو باور نہیں کرتے؟ آپؑ نے جواب دیا:

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (البقرہ۔ ۲۶۰) | کیوں نہیں، لیکن غرض یہ ہے کہ میرا دل اطمینان حاصل کر لے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا، تم چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لو، پھر ان کو الگ الگ مختلف پہاڑوں پر رکھ دو، پھر جب اُن کو بُلاؤ گے، تو وہ دوڑتے ہوئے تمھارے پاس آ جائیں گے۔

۱۷

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپؑ اولاد کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کے لیے نماز کی توفیق اور مغفرت کی دعا مانگتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم۔ ۳۹۔ ۴۱)	خدا کا شکر ہے، جس نے مجھے بڑی عمر میں اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ بخشے۔ بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔ اے پروردگار! مجھ کو ایسی توفیق دے عطا کر کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق عنایت کر) اے پروردگار! میری دعا قبول کر۔ اے پروردگار! حساب (کتاب) کے دن مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو مغفرت کیجیو!

حضرت ابراہیمؑ کی ایک اور دعا:

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۙ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۙ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۙ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۙ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۙ (الشعراء - ۸۷)

اے اللہ! مجھے علم و دانش عطا کر اور صالحین میں شامل کر اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری کر اور مجھے نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر اور میرے باپ کو بخش کہ وہ گمراہوں میں سے تھا اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے، مجھے رسوا نہ کیجیو!

۱۸

حضرت ابراہیمؑ کی نظر میں قیامت کی حقیقت:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ؕ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ۙ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ؕ فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۙ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ؕ قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ۙ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۙ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۙ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ۙ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۙ

(قیامت کا دن ایسا دن ہے کہ) اُس روز نہ مال ہی کوئی فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں، جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا، (وہ بچ جائے گا) اور بہشت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی اور اُن سے کہا جائے گا، جن کو تم پوجتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ (یعنی جن کو) خدا کے سوا (پوجتے تھے) کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں؟ یا خود بدلا سکتے ہیں؟ تو وہ اور گمراہ (یعنی بُت اور بُت پرست) اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے اور شیطان کے لشکر سب کے سب (داخلِ جہنم) ہوں گے، وہاں وہ آپس میں جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ خدا کی قسم! ہم تو صریح گمراہی میں تھے، جب کہ تمھیں (خدائے) رب العلمین کے برابر ٹھیراتے تھے اور ہم کو ان گناہ گاروں ہی نے گمراہ کیا تھا، تو (آج) نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے اور نہ گرم جوش دوست،

(الشعرا-۱۰۲-۸۸)	کاش! ہمیں (دنیا میں) پھر جانا ہو، تو ہم ایمان والوں میں ہو جائیں۔

۱۹

اپنی اولاد کو وصیت فرماتے ہیں:

یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (البقرہ-۱۳۲)	اے بیٹو! خدا نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے، تو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

اسلام اور عیسائیت

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم اے پی ایچ ڈی)

پیغمبرؐ اسلام کی تشریف آوری کے وقت دنیا کے مختلف فرقے افراط و تفریط کا شکار ہو رہے تھے پیروان بدھ، احبار یہود اور علماء ہنود ترکِ دنیا کا پیغام دے رہے تھے اور روما الکبریٰ کے سیاست دان مادی ترقی ہی کو عروج و ارتقا کی آخری منزل سمجھتے تھے۔ اسلام نے ان ہر دو طریقہائے کار سے بیزاری کا اعلان کیا اور نبی اکرمؐ نے مینارِ الہام کی بلندیوں سے دنیا کو للکار کر کہا کہ

جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس | تم کو ایک معتدل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر توحید کی شہادت دو۔

امت وسطیٰ یعنی اعتدال پسند امت۔ اسلام دنیا و دین ہر دو کی جامع ہے۔ اسلام کی توحید کیا ہے؟ دین و دنیا کا اتحاد و اجتماع۔ نماز کیا ہے؟ دل اور جسم دونوں کا عمل۔ نماز میں دل روتا ہے اور جسم اٹھتا بیٹھتا ہے۔ حج کیا ہے؟ طواف، خضوع، تکبیر اور قربانی۔ طواف اس لیے کہ مسلم کا ایک قبلہ، ایک مقصد اور ایک نصب العین ہے۔ وہ اپنے طواف سے کہ رہا ہے کہ اس کی ساری زندگی ایک نصب العین، ایک مقصد کی تکمیل اور ایک آئین کے پردے میں کٹے گی:

با دو قبلہ در رہِ توحید نتواں رفت راست

یا رضائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

اسلام کے تمام ارکان میں روح اور جسم ہر دو کام کرتے ہیں۔ اس جسمانی و روحانی اتحاد، اس دینی و دنیوی صلح اور اس مادہ و روح کے باہمی تعاون کا دوسرا نام اسلام ہے۔

مجھے نہ تو اُن پیروانِ یورپ سے اتفاق ہے، جو دنیوی ترقی ہی کو انسانی کوششوں کی آخری منزل سمجھتے ہیں اور نہ اُن صوفیوں کا ہم خیال ہوں، جو الدنیا جیفۃ وطلابہا کلاب کا ورد کیا کرتے ہیں۔ انسان دنیا میں پیدا ہو کر خود آباد ہونے اور دنیا کو آباد کرنے آیا ہے۔ برباد ہونے اور اُجڑنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ اسلام کی سلطنت دل اور جسم، دین و دنیا ہر دو کی سلطنت ہے، صرف دل کی سلطنت نہیں۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ

وطنیتِ یورپ اور اسلام | یورپ کے بُت کدے میں آج سب سے بڑا بُت وطنیت ہے۔ جرمن جرمنی کی اور رومن اٹلی کی پرستش کرتا ہے۔ ایک جرمن کے ہاں انگلینڈ کا ایک باشندہ محض اس لیے قابلِ نفرت ہے کہ وہ ان کی نازی پارٹی کا ممبر نہیں۔ یہی حال یورپ کے دیگر وطن پرستوں کا ہے۔ اسلام ہر فرد کو آزادی دیتا ہے۔ وہ دولت مند ہو یا فقیر، جاہل ہو یا عالم، چینی ہو یا جاپانی، ہندو ہو یا عربی، الٰہی قوانین پر حسبِ طاقت عمل پیرا ہو کر روحانی و اخلاقی کمال حاصل کر سکتا ہے۔ یہاں وطن، ملک، رنگ، نسل، نسب اور قومیت کی کڑی بندشیں نہیں۔ اس کی ایک مثال قدرت میں ملتی ہے کہ سیب، انار، آلوچہ، خوبانی، آم وغیرہ باوجود اختلافِ رنگ و بُو و ذائقہ اپنی جگہ پر مکمل ہیں۔ اسی طرح ہر مُسلم خواہ کہیں ہو اور کیسے ہی حالات میں ہو، وہ قوانینِ الٰہیہ کی پیروی سے کمال حاصل کر سکتا ہے۔

اسلام اس وطنیت کا دشمن ہے۔ اسلام زُہد و رہبانیت نہیں سکھلاتا۔ نفس کُشی، فنائے شہوات، مہاتما گاندھی کی خاموشی اور اہنسا وغیرہ کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ ہر چیز میں اعتدال سکھاتا ہے۔ اسی اعتدال، اسی میزان، اسی عدل و مساوات کا نام اسلام ہے۔

نظریۂ عیسائیت | عیسائیت کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے آدمی گنہگار فطرت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ روح حضرت مسیحؑ کی نمائندہ ہے اور جسم شیطان کا غلام۔ بہ الفاظِ دیگر یہ مادی دنیا شیطان کی بازی گاہ ہے۔ ایک آدمی کو روح کی فلاح کے لیے اس جہان کو ترک کرنا پڑے گا۔ دوسری طرف اسلام اس دنیا کو رحمتِ الٰہی قرار دیتا ہے۔ وہ مسلمان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس عالم کے عجائبات پر غور کرے۔ وہ نور و ظلمت، باد و باراں، ارض و سما، الغرض کائنات کے ہر پہلو کو نہایت غور سے دیکھے کہ یہیں سے خدا ملے گا۔ میرے نقطۂ نگاہ سے قرآن دو ہیں۔ ایک تو یہ عربی کتاب اور دوسرا یہ صحیفۂ کائنات۔ خدا نے اس عربی کتاب کے احکام اور زمین و آسمان کے عجائبات ہر دو کے لیے آیات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وآیة لهم الارض المیتة احییناها و اخرجنا منها حبًا فمنه یاکلون.... وآیة	ترجمہ: لوگوں کے لیے مُردہ زمین میں آیت (نشانی) ہے ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس سے کھانے کے لیے غلے

لہ احسنت (مدیر)

وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون
وخلقنا لھم من مثلہ ما یرکبون ۔

ان کے لیے آیت (نشانی) ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ان کے لیے کشتی ایسی ہی سواریاں بنائیں۔

یہاں زمین، نباتات، جہازات اور حیوانات کو الٰہی آیات کہا گیا ہے ۔ یہ الفاظ دیگر اسلام کی نگاہ میں یہ زمین و آسمان انوارِ الٰہیہ کے مظاہر ہیں ۔ گرمیوں میں ساون کی اودی اودی گھٹائیں الٰہی رحمت کا پیام لاتی ہیں ۔ بہار کی رنگینیاں قلب و نگاہ دونوں کو رنگین بناتی ہیں ۔ یہ حسین پہاڑ، یہ وسیع سمندر، یہ سرسبز سطح زمین، یہ تخلیق و تقدیر کے حیرت انگیز اور ہیبت ناک مناظر کیا شیطانی آلات کی حیثیت رکھتے ہیں ؟ اس دنیا میں اس کی رنگینیوں، نیرنگیوں اور اداؤں میں، اس کے نظر فریب حسن و جمال میں کیا کہیں رحمت موجود نہیں ؟ میں تو اس تصور سے دہل جاتا ہوں لیکن عیسائیت ہمیں بتلاتی ہے کہ انسان گنہگار ذات کے ساتھ پیدا ہوا اور اس دنیا میں ہر سو گمراہ کن اور پھسلانے والے مناظر بچھے ہوئے ہیں ۔ ہر طرف شیطان کھیل رہے ہیں، اور ایک سچے عیسائی کے لیے ترکِ دنیا کے سوا کوئی اور راہِ نجات موجود نہیں ۔

اگرچہ اس نظریہ کو ناقابلِ عمل سمجھ کر عیسائی دنیا اس جہان کو سیاسی، قومی اور انفرادی تکمیل کے لیے استعمال کر رہی ہے لیکن ایک مجرم ضمیر کے ساتھ، گو بظاہر وہ آلاتِ مادی کے استعمال میں نہایت اطمینان سے مصروف ہے لیکن اس کی فطرت اس کی روح کو ڈنک لگا رہی ہے۔ کلیسا اسے ترکِ دنیا کا پیام دیتا ہے اور فطرتِ انسانی استعمالِ دنیا کی طرف بلاتی ہے۔ عیسائی عجیب کشمکش میں ہے ۔ نہ دنیا کو لے سکتا ہے نہ چھوڑ سکتا ہے ۔ مذہب اس کو اس کشمکش سے نجات نہیں دلا سکتا ۔

آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے آدمی کو فطرتاً گنہگار قرار دینا عدل و انصاف سے بعید ہے ۔

اسلام کی نگاہ میں یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے :

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا : "میری بادشاہت اس دنیا کے لیے نہیں ہے" گویا مسیحؑ نے دنیا کی منزلت کو بہت گھٹا دیا ۔ قرآن حکیم دین و دنیا ہر دو کو ساتھ ساتھ لے جانا چاہتا ہے ۔

اسلام کی مساعیٔ جہاں گیری کی وجہ نوعِ انسانی یا اقتصادی تنگ نظری نہ تھی، بلکہ نشر

علم و تقویٰ اور استیصالِ ظلم و شر مقصود تھا۔ اسلام اس کوشش میں ہر اُس طاقت کے خلاف نبرد آزما ہوا جس کا مقصد دنیا میں پرستاری شکم اور خود غرضی تھا۔

جس قوم کا مقصد دُنیوی ترقی ہو، اُس کا عروج دیر میں اور زوال جلدی ہوتا ہے۔ رومتہ الکبریٰ ایک ہزار سال میں بنی، لیکن ہنز اور گوتھز نے اُسے صرف ایک صدی میں مٹا ڈالا۔ گو بازنطینی شہنشاہیت کو سلطنت روما کا بقیہ خیال کیا جاتا ہے، لیکن یہ سلطنت اپنے مقاصد، تمدن اور نقطۂ نگاہ میں روما سے بہت مختلف تھی۔ اُدھر اسلام صرف ۲۰ سال کے قلیل عرصہ میں اُبھرا اور منگولوں کی قیامت صغریٰ کے بعد بھی مدت تک باقی رہا۔ اسلام کی موجودہ حالت مایوس کن نہیں، بلکہ میں تو ایک شاندار مستقبل کا خواب دیکھ رہا ہوں اور موجودہ واقعات میرے اس خواب کو بہت جلد حقیقت میں تبدیل کر دیں گے۔ اسلام کا عیسائی جنگوں، منگولی حملوں اور جنگِ عظیم کے دھماکے کے بعد بدستور زندہ رہنا بتلا رہا ہے کہ اسلامی سوسائٹی کی بنیاد اخلاق، عدل و انصاف اور روحانیت کی مستحکم چٹان پر رکھی گئی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر اسلام اتنے عرصے سے باقی ہے، تو یہ اس کی پائے داری و پختہ کاری کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ مدت مدید سے اہلِ چین کی تہذیب بھی زندہ ہے، جو کاہلی، سستی اور بے کاری کی وجہ سے رسوائے عالم ہو چکے ہیں۔

میں جواباً یہ کہوں گا کہ چین محض اس لیے باقی رہا کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ مشرق اقصیٰ کے ایک گوشہ میں واقع تھا، جہاں حریص اقوام کے قدم نہ پہنچ سکتے تھے۔ روس بے شک چین کا ہمسایہ رہا ہے، لیکن اس کا اپنا ملک اتنا وسیع ہے کہ اس کو دوسروں کا گلا دبانے کی ضرورت نہ تھی۔ روس کے سوا چین کے ہمسایہ میں کوئی اور طاقتور قوم آباد نہ تھی۔ اب کہ جاپان نے سنبھالا لیا ہے، تو چین کی طاقت، تہذیب، تمدن اور سلطنت کی صرف ایک سال کی قلیل مدت میں دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ اُدھر اسلام کو دیکھو کہ دنیا کے سرسبز ترین علاقوں پر ۱۳۰۰ سال سے قابض ہے۔ دجلہ و فرات کا دوآبہ ۷۰۰ سال تک ہمارا دارالخلافہ رہا۔ ایران و مصر پر ۱۳۰۰ سال سے ہمارا علم لہرا رہا ہے۔ یہیں روس مدتوں گھورتا رہا۔ صلاح الدین ایوبی پر سارے یورپ کی طاقتوں نے مل کر حملہ کیا۔ منگولوں کا طوفانِ حشر انگیز ہماری ہی سرزمین سے گذرا۔ ۱۹۱۲ سے لے کر ۱۹۲۴

تک سلطنت عثمانیہ کو یورپ سے مٹانے کے لیے موجودہ مہذب سلطنتوں نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا، لیکن اسلام زندہ رہا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اسلام کی بنیاد اخلاقِ فاضلہ، بہترین تمدن اور ایک ارفع تہذیب پر رکھی گئی تھی جب تک مسلمانوں میں وہ اخلاق باقی رہیں گے، وہ مٹ نہیں سکتے کہ سچائی ہمیشہ باقی رہتی ہے اور روح کی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔

رومتہ الکبریٰ کا انصاف مشہور ہے، مگر وہ صرف رومنوں کے لیے تھا۔ وہ لوگ اپنی قوم و ملت کی بہتری کی خاطر دوسرے ممالک پر زبردست اقتصادی و سیاسی مظالم توڑتے تھے۔ اسلام کی تاریخ کا دامن اس ناپاک دھبّے سے پاک ہے۔ اسلام جہاں رہا، اس ملک پر منصفانہ حکومت کرتا رہا اور جوں ہی کہ مسلمانوں کے قدم صراطِ مستقیم سے ڈگمگائے، تو ان کا وارث دیگر اقوام کو بنا دیا گیا:

وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم

مسلمان کی فطرت، خمیر اور گھٹی میں انصاف ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے اور صرف اللہ کی پُوجا کرتا ہے۔ جو لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے دوسروں کا پیٹ کاٹتے ہیں، وہ نہ خدا سے ڈرتے ہیں، نہ خدا کی پُوجا کرتے ہیں۔ وہ بھوک سے ڈرتے ہیں اور پیٹ کی اور حرص و ہوا کی پرستش کرتے ہیں:

ومن اظلم ممن اتخذ الٰہہ ھوٰہ

میرا محکم یقین ہے کہ ایک جھوٹا آدمی اللہ سے نہیں ڈرتا، ایک بددیانت، غماز یا مفسد ہوا و ہوس کا بندہ ہے۔ اُسے اللہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ایسے لوگ قرآن کی اصطلاح میں مشرک کہلاتے ہیں۔ ہاں تو مسلمان ہر ملک پر عدل و انصاف کے ساتھ حکم ران رہا۔ وجہ صرف ایک تھی کہ مسلمان کے دل پر الٰہی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ وہ بے انصافی کے خیال سے تھرّا اٹھتا تھا، اسی لیے مسلمان ۰۰۷ سال تک ہسپانیہ پر حکم ران رہا۔ اور زمین کے تقریباً ½ حصہ پر اب بھی فرماں روا ہے۔ اُدھر رومن قوم گریک مائتھالوجی، یعنی اصنام یونان میں سے چند منتخب بہرے، گونگے اور بدشکل بُتوں کی پرستش کر رہی تھی۔ ان ہی کو وہ اپنا

خدا سمجھتے تھے۔ ایسے خداؤں کا رعب کیا خاک ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہلِ روم نہ تو خدا سے ڈرتے تھے۔ نہ خدا کی عبادت کرتے تھے اور اس لیے وہ انصاف و مروّت سے تقویٰ و خشیۃ کا نتیجہ ہیں، کوسوں دُور تھے۔

موجودہ تہذیبِ مغرب قدیم روما کی یادگار ہے۔ گو اس میں چند اچھی تبدیلیاں کی گئیں، لیکن وہ اصلی و بنیادی شیطنت (یعنی، دیگر اقوامِ عالم کو اپنے پیٹ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانا) اب زیادہ ترقی کر چکی ہے۔ اس لیے ہمیں یہ پیش گوئی کرنے میں تامل نہیں کہ اس تہذیب کا زوال فوری اور ناگہانی ہوگا۔ بقول اقبال مرحوم:

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا!

اسلام سے کچھ عرصہ پہلے روما میں آزاد خیال علماء طبیعیات کی روح کو کچلنے کے لیے نہایت وحشیانہ مظالم توڑے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں ایک لاکھ ۴۰ ہزار سائنس دانوں کو نہایت خوفناک سزائیں دی گئیں بعض کو زندہ جلادیا گیا اور تقریباً ۴۰ ہزار زندہ کھال کھینچ لی گئی تھی۔ عیسائیت میں کائنات پر تفکر کرنا گناہِ عظیم ہے۔ یورپ کی موجودہ مادی ترقی اور آزادیٔ تفکر تعلیم کلیسا کا نتیجہ نہیں، بلکہ کلیسا کے خلاف بغاوت کا۔ رومۃ الکبریٰ کے ۵۰۰ سالہ مظالم کا لازمی نتیجہ دماغی بغاوت ہونا چاہیے تھا۔ موجودہ آزادیٔ خیال و عمل اُس بغاوت کا کامیاب مظاہرہ ہے۔

اسلام دنیا کو جنّت کہتا ہے۔ فرعون کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

کَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ

اور سلطنت کو مقامِ کریم یا مقامِ محمود کہا گیا۔ اُدھر کلیسا کی روایات کے مطابق انسان گناہ کا پُتلا اور شیطان کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے۔ جسے دنیا کی تمام نیرنگیاں، سیاہ کاری، تباہی اور جہنم کی طرف بُلا رہی ہیں، اور یہ زندگی بجائے ایک منزلِ آخرت ہونے کے ایک مصیبت و طوقِ لعنت ہے۔ موجودہ عیسائیت کائنات پر غور کر رہی ہے، لیکن تجارتی، ملکی اور سیاسی اغراض کے لیے اور پھر روحِ مذہب سے الگ ہو کر۔ مگر مسلمان کے لیے تفکّر فی الکائنات جزوِ مذہب ہے۔

سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسہم۔[۵۱]

رسول اللہؐ نے ایک دفعہ فرمایا:

[۵۲] لقد انزلت علی اللیل ایۃ ویل لمن قرأھا ولم یتدبر ویل لہ ثم ویل لہ ثم ویل لہ

ثم قرأ: ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون ۝

اسلام کیا ہے؟ ایک بہترین نظام ہے جس میں عدل ہے، انصاف ہے، مساوات ہے، آزادیٔ خیال ہے، تدبر فی الآفاق ہے، رواداری ہے، مروت ہے، احسان ہے، بنی نوع انسان سے گہری ہمدردی ہے، جس میں جوع الارض کا مرض نہیں۔ سیاسی و ملکی اغراض کے لیے غارتگری نہیں۔ اگر مسلم فوجیں کسی ملک پر بڑھ رہی ہیں تو ظالم کی دراز دستیوں کو روکنے کے لیے۔

اگر شارع عام پر زید موہن کو پیٹ رہا ہے، تو کیا ایک راہ گزر کا فرض نہیں کہ وہ موہن کو بچائے، اسی طرح مسلم کی جہانبانی ظالم فرماں رواؤں سے مظلوم رعایا کو نجات دلانے کے لیے تھی۔

عربی تہذیب | عربوں نے یونانی یعنی، فلاطونی اور ارسطوی تہذیب کو اسلامی رنگ دے کر زندہ کیا۔ یونانی و اسلامی تہذیب کے اتحاد سے ایک ایسی طاقت ور تہذیب پیدا ہوگئی، جس نے مشرق و مغرب میں آگ لگا دی۔ مغرب جاگ اُٹھا اور مسلمان دوسروں کو جگا کر خود سو گیا۔ مغرب میں ہر طرف مذہبی اصلاح کی صدا بلند ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اٹھارھویں صدی کے انقلاب فرانس نے یورپ سے مذہبی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ عیسائیت کا یہ دَورِ جدید احیاءِ ثانی، اسلامی تہذیب کے زیرِ اثر ہوا۔ موجودہ مغربی تہذیب کے بڑے بڑے

---

[۵۱] ہم جلد ہی ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ کائنات میں اور اُن کے نفسوں میں۔

[۵۲] مجھ پر رات کو ایک آیت نازل ہوئی، جس نے اُسے پڑھا اور غور نہ کیا، اس پر افسوس ہے، پھر افسوس ہے، پھر افسوس ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت قرأت فرمائی ”آسمان اور زمین کی بناوٹ، رات دن کے اختلاف، لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی بحر میں چلنے والی کشتی، مُردہ زمین کو زندہ کر دینے والی بارش، چارپایوں اور زمین و آسمان کے درمیان مسخر بادلوں اور ہوا کی روانی میں، اہلِ عقل کے لیے آیتیں (نشانیاں) ہیں“

اصول تنظیم، جہاد، اطاعت امیر، جانی و مالی قربانی اسلام سے لیے گئے۔ یورپ کا موجودہ عروج انہی اصول کی وجہ سے ہے، لیکن چوں کہ اس تہذیب کا نصب العین محض اقتصادی و سیاسی اقتدار ہے، اس لیے اس کا زوال جب کبھی ہوگا، فوری ہوگا۔ یورپ کا دماغ موجودہ سیاسی و مادی ترقی کی وجہ سے ماؤف ہو چکا ہے۔ مذہب کی کڑی بندشوں سے آزاد ہونے کا ایک بے پناہ جذبہ ہر سینے میں پایا جاتا ہے۔ یہ طوفانِ آزادی کلیسا کے بچے کھچے اثرات کو تنکے کی طرح بہا لے گیا۔ روس نے عبادت گاہوں کو بند کر دیا۔ ہر جگہ مذہب کے خلاف انجمنیں بن گئیں۔ سوسائٹی نے عیاشی، ناؤ نوش و تسکینِ ہوس کو قبولِ عام کا قبالہ دے دیا۔ اس طوفانِ لادینی میں جزر کے علامات ابھی تک دکھائی نہیں دیے۔ کلیسا خشک روحانیت کا قائل ہے اور دنیا سے نفرت کی تعلیم دیتا ہے۔ انسان کی فطرت اس نظام سے باغی ہوگئی اور یہ بغاوت بہت کام یاب رہی۔ کلیسا نے اپنے پیروں کو ناقابلِ علاج پاکر زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کا ارادہ کرلیا۔ عیسائیت کے سیاسی اغراض کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش شروع ہوگئی، لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔ اس وقت مغرب صرف ایک مذہب سے واقف ہے اور وہ ہے مادہ پرستی جس کی عبادت گاہیں کارخانے، ورکشاپ اور طیارہ خانے ہیں اور جن کے پادری اس وقت انجینیر، ملاح، فلم سٹار اور جرنیل ہیں۔

ہر مذہب ایک اخلاقی نظام پیدا کرتا ہے۔ چوں کہ یورپ مذہب سے ناآشنا ہو چکا ہے، اس لیے وہاں اخلاق کا کوئی نظام موجود نہیں۔ شوہر و زوجہ کے تعلقات از بس ناخوش گوار ہو چکے ہیں۔ باپ بیٹے کے تعلقات شفقت و محبت ختم ہو چکے۔ عدل و انصاف، اخوت اور عالم گیر ہمدردی کا نشان تک مٹ چکا ہے اور یورپ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ تباہی و ہلاکت کی طرف جا رہا ہے۔ بولشوزم مادہ پرستی کی انتہائی صورت ہے۔ گو یورپ بالشوزم کے خلاف برسرِ پیکار ہے لیکن دراصل ہر دو نظام ایک ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یورپ بحرِ مادہ پرستی کے وسط میں ہے اور بالشوزم دوسرے ساحل پر پہنچ چکا ہے۔

اسلام ترقی کی بنیاد ایک مستحکم اخلاقی نظام پر رکھتا ہے۔ وہ انسان کے باطن کو پہلے سنوارتا ہے۔ یورپ ظاہر کی سجاوٹ میں مصروف ہے، اس لیے اسلام کو یورپ میں پھیلانے کے لیے ابھی کچھ وقت درکار ہے۔ یہ تب ہی ہوگا کہ موجودہ اقوامِ مغرب ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش

ہو جائیں، ان کے دل جاگ اُٹھیں۔ وہ محسوس کریں کہ امن و فلاح کی راہ مادی عروج نہیں، بلکہ کہیں اور ہے۔ یہ ہو کر رہے گا۔ ملاحظہ ہو: ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون ○

ظھر ماضی ہے اذا[۵۱] زلزلت الارض کے ماضی کی طرح مستقبل کے متعلق ایک پیش گوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں سمندروں میں فساد و ہلاکت کی گنجائش نہ تھی۔ یہ بیڑے، کروسرز، تارپیڈوز وغیرہ کہاں تھے؟ یہ آیت صریحاً موجودہ زمانہ کی بحری لڑائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ لعلھم یرجعون صاف صاف بتلا رہا ہے کہ یہ اقوام ضرور سچائی کی طرف لوٹیں گی۔

اسلام کے خلاف عیسائیت کا جہاد | عیسائیت اسلام کے خلاف ہمیشہ برسرِ پیکار رہی۔ اوّل یونان و روما نے اور پھر موجودہ عیسائیت نے تمام اُن اقوام کو جو بحرِ روم کے مشرق و جنوب میں رہتی تھیں، غیر مہذب و وحشی کہا۔ مغربی اپنے آپ کو مشرقی سے ولادتاً و وراثتاً اچھا سمجھتا ہے۔ بدھ ازم اور ہندو دھرم کے متعلق مغرب کا رویّہ ہمیشہ ایک بے پروایانہ حقارت رہا۔ اس لیے کہ ان مذاہب کی طاقت سے مغرب کو کبھی خوف و ہراس پیدا نہیں ہوا، لیکن اسلام کے متعلق بڑے سے بڑے مستشرق کا قلم زہر بار ہوتا ہے۔ وہ قلم، قدم، تقریر الغرض ہر طرح سے استیصالِ اسلام کے درپے ہے۔ وہ اسلامی تہذیب پر ایک منصفانہ نگاہ ڈال ہی نہیں سکتا۔ وہ ایک تعصب بھرے دل اور حقارت بھری نگاہ سے اسلام و بانیٔ اسلام کا مطالعہ کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم مغربی لٹریچر میں اسلام کی ایک مسخ شدہ و محرف صورت دیکھتے ہیں۔ اٹلی، جرمنی، فرانس، انگلینڈ، ہالینڈ اور آسٹریا کے مصنفین نے اسلام کو خوب کوسا، بدنام کیا اور مذاق اُڑایا۔ اس کی ایک وجہ تو وہی وطنیت و امتیازِ رنگ و نسل ہے اور دوسری وجہ اسلام و عیسائیت کی باہمی چپقلشیں ہیں۔ سب سے پہلی چپقلش ہرقل قیصرِ روم اور حضرت عمرؓ کی افواج کے درمیان میدانِ شام میں ہوئی تھی، دوسری طارق اور اہلِ ہسپانیہ میں، تیسری سسلی پر، چوتھی صلاح الدین کی صلیبی لڑائیاں، پانچویں جنگ ہائے بلقان اور چھٹی جنگِ عظیم۔

قاعدہ یہ ہے کہ ایک بچے کو بچپن کے واقعات میں سے صرف سکول ماسٹر کی مار پیٹ ہی یاد رہتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں یورپ حیاتِ جدیدہ کے دورِ طفولیت میں سے گذر رہا تھا۔ یہی وجہ ہے

---

[۵۱] اذا مستقبل کے واسطے آتا ہے، اگرچہ ماضی پر داخل ہو۔ (مدیر)

موجودہ مہذب مغرب کو صلیبی جنگوں کا واقعہ نہیں بھولتا اور یہی وہ حادثۂ کبریٰ ہے جس نے نہ صرف یورپ کو جگا کر متحد کر دیا، بلکہ عیسائیت و اسلام میں ایک وسیع خلیج حائل کر دی۔ صلیبی لڑائیوں سے پہلے یورپ نارمنز، اٹالینز، ڈینز، اینگلوسیکسنز، جرمنز اور فرانسیسیوں میں بٹا ہوا تھا۔ صلیبی جنگوں نے ان حلقوں کو توڑ دیا اور تمام یورپ "نفرتِ اسلام" کے جرنیل کے ماتحت اسلام کے مقابلے کے لیے سربکف و متحد ہو کر میدان میں نکل آیا۔ کلیسا کا دستِ شفقت عیسائیت کے سر پر تھا۔ مقامِ حیرت ہے کہ وہی کلیسا جس نے عیسائیت کو ترکی کی شمشیرِ خوں آشام سے بچایا۔ آج بے یار و مددگار نہایت کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا گیا ہے۔

قسطنطنیہ یورپ کا دروازہ ہے۔ اس کا مسلمانوں کے قبضے میں آ جانا ایک ایسا سیاسی حادثہ تھا جس نے یورپ کے عناد کو کئی گنا بڑھا دیا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یورپ کا عنادِ اسلام کے خلاف کم ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یورپ اسلام کے قریب آ رہا ہے، بلکہ یہ کہ اسلام کی سیاسی طاقت مٹ رہی ہے۔ اس کا رُعب ختم ہو رہا ہے۔ یورپ ایک غیر مفرد دشمن سے بے پروا سا ہو رہا ہے۔ چند انگریزوں کے مسلمان ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یورپ میں اسلام دوستی آ رہی ہے، اس لیے کہ وہاں ہندوؤں، بدھوں اور کئی دیگر مذاہب کے مشن بھی کام کر رہے ہیں، جو اکا دُکا انگریز قابو کر لیتے ہیں۔ یہاں سوال عام نقطۂ نگاہ بدلنے کا ہے۔ جب تک یورپ کا نقطۂ نگاہ محض مادہ پرستی و عیاشی ہے، اُس وقت تک یہ کہنا کہ یورپ کو کسی مذہب سے محبت ہو رہی ہے، غلط ہے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ کئی قومیں انگریزوں کے مذہب "مادہ پرستی" میں شامل ہو رہی ہیں۔ جاپان نے یہ مذہب حال ہی میں قبول کیا ہے مجھے تو یہ شبہ ہو رہا ہے کہ اسلام کے نوجوان ہر ملک میں تہذیبِ مغربی (عیاشی ولادینی) کے دلدادہ ہو رہے ہیں۔ اگر حالات یہی رہے، تو ہم یورپ کو مسلمان بناتے بناتے اُن کے ہم رنگ زمین دام میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ ہمارے نام عبداللہ و عبدالرحمٰن ہوں گے لیکن روح مغربی ہو گی۔ ہم مذہب سے تسخر کریں گے اور دنیائے اخلاق سے جو مسلم کی محبوب ترین متاع ہے، کوسوں دُور جا پڑیں گے۔

آخر میں مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ ملتِ اسلام ایک اُمتِ وسطیٰ ہے، جس کے ہاں دین و دنیا ہر دو کے اجتماع کا نام اسلام ہے۔ یہاں کلیسا کی خشک روحانیت نہیں۔ موجودہ دُولِ مغرب کی مادہ پرستی نہیں۔ ہمارے نظامِ مجلسی و سیاسی کی بنیاد اخلاق و انصاف کی مستحکم چٹان پر رکھی

ہوئی ہے اور اس وقت ضرورت ہے کہ ہم اپنے ہندو بھائیوں سکھوں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے پیروؤں سے ایسا منصفانہ اور اعلیٰ سلوک کریں کہ وہ ہمارے اخلاق کے گرویدہ ہو جائیں۔ اپنے روزانہ معاملات میں راستی اور دیانت داری کو کبھی نہ چھوڑیں۔ ہمارے اخلاق اس قدر بلند ہونے چاہییں کہ ہمارے قول و عمل، ہمارے عہد و پیمان کا ہر طرف اعتماد قائم ہو جائے۔ ہماری امانت داری کی دھاک بیٹھ جائے۔ ہماری سچائی کی دنیا گرویدہ ہو جائے کہ اسی طرح ہماری بگڑی ہوئی سیاسی و مالی حالت درست ہو سکتی ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا قومی اخلاق بہت کمزور ہو چکا ہے۔ ہم جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں۔ بات بات پر جھوٹ بولتے ہیں۔ وعدوں کی پابندی نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے وقار کا جنازہ نکل چکا ہے اور ہمیں دنیا نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم جاگیں۔ کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کریں۔ باطن کو سنواریں۔ اخلاق کی عمارت پھر اپنائیں کہ اللہ کا اٹل وعدہ

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین[1]

ہمارا انتظار کر رہا ہے۔

---

[1] اگر تم مومن ہو، تو غالب رہو گے۔

تاثراتِ حیات

(جناب مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات)

۱۔ او میرے دل کی چینچل سرگرمی آ، کیوں کہ مَیں نے تیری تسکین کے لیے کامیابیوں کے پُل باندھ دیے ہیں۔

۲۔ او طبیعت! تو خود بخود کیوں بدمزہ ہوئی جاتی ہے، جب کہ تُو جانتی ہے کہ کامیابیاں کی یہی انتہا ہے اور اقبال کو بھی ایک دن اپنی رفتار سُست کرنا ہے۔

۳۔ مَیں اپنے دل کی بدگمانیوں اور اندیشوں کو زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ میرے دل کی تھاہ نہ پا سکیں گے: کیوں کہ مَیں اپنے جذبات کو دبانے والی زبردست خواہشوں کو ڈھونڈھتا ہوں، پر نہیں پاتا۔

۴۔ مَیں نے دل کی شگفتگی اور تازگی کے وسائل پر غور کیا۔ بڑی کامیابی، بڑی بدمزگی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں نے میرے دل کو بہت خوش کیا۔ مَیں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ بڑے کاموں میں ہمیشہ کامیابی مشکل، پس ایسی صورت میں راحت معدوم۔

۵۔ افراط، تفریط نے باری باری اپنا مُنہ دکھایا اور ہر بار مَیں نے سخت صدمہ اُٹھایا۔

۶۔ مَیں نے امن کے لیے اپنوں اور بیگانوں پر بھروسہ کیا، مگر امن احتیاط و رخبرداری میں تھا۔

۷۔ مَیں محبت کے ساتھ ساتھ چلا۔ مَیں نے دیکھا کہ میرا بوجھ ہلکا ہے۔

۸۔ امید نے خطروں میں میرا ہاتھ بٹایا۔

۹۔ سچائی! آجا! میرے دل میں تیرے لیے جگہ ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ جھوٹ پیارا معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ باتوں کو مزے دار اور رنگین بناتا ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ طبیعت اس کی طرف کھنچی چلی جاتی ہے۔ مَیں نے محسوس کیا کہ میرا دل اُس پر نا سوگی ہوگا۔ تاہم مَیں نے اُسے اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔

۱۰۔ مَیں نے انسانی فطرت پر غور کیا۔ مَیں نے اُسے سچائی سے گُندھا ہُوا پایا۔

۱۱۔ مَیں نے کاروباری دنیا میں سچائی کا ایک عجیب طلسم دیکھا، یعنی، جھوٹا بھی سچائی کو پسند کرتا ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ جھوٹا بھی "مَیں سچ کہتا ہوں" کی آڑ میں پناہ لیتا ہے۔

۱۲۔ مَیں صرف سچائی کی محبت سے بہشت میں ہوں۔

۱۳۔ مَیں نے تلاش سے علم اور علم سے یقین کا درجہ حاصل کیا۔

۱۴۔ موت میں بھی میرے لیے خوشی ہے۔ مَیں نے فرائض کو سرگرمی سے ادا کیا۔ میری اُمیدیں اور خواہشیں محدود تھیں اور مَیں ان میں کامیاب ہوں۔

۱۵۔ موت مرحوم کا خطاب دلاتی ہے۔ مَیں اس کی اس فضیلت کو دیکھ کر خوش ہُوا۔

۱۶۔ زندگی ظاہر کرتی ہے اور موت چھپا دیتی ہے۔ پس زندگی دن ہے اور موت رات۔ مَیں دن بھر کی کٹھن محنتوں سے تھک کر چُور ہو گیا ہوں۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔

۱۷۔ مَیں امن کی تلاش میں نکلا۔ مَیں نے اُسے مذہب میں پایا۔

۱۸۔ مَیں نے دل کی تسکین کو پانا چاہا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ احکامِ الٰہی پر چلنے سے فوراً آموجود ہوتی ہے۔

۱۹۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں صرف یہ کہنے سے کہ مَیں مسلمان ہُوں، کئی کروڑ آدمیوں کی ہمدردی و حمایت میں آگیا۔ مَیں مذہب کی اس ٹکسالی فضیلت کا قائل ہوں۔

۲۰۔ مَیں نے مذہب پر بہت کچھ غور کیا۔ سچا مذہب قانونِ فطرت کی صحیح تعبیر ہے۔ اس کی بنیاد دلائل و براہین کے ساتھ اعتقاد کی مضبوط چٹان پر رکھی گئی ہے۔ مذہب میں دلائل و براہین کو اعتقاد کے ساتھ وہی واسطہ ہے، جو عرض کو جوہر کے ساتھ۔

۲۱۔ مَیں نے بعض وقت مذہب میں اینچا کھینچی دیکھی۔ مَیں نے دیکھا کہ وہاں باطن میں خود غرضی اور تعصب نے ڈیرہ جمایا ہُوا ہے۔

۲۲۔ مَیں موت کے لیے ایسا ہی تیار تھا، جیسا کہ عدم سے وجود میں آنے کے وقت تھا۔ موت میری زندگی کے لئے ایسی ہی چیز ہے، جیسی کہ میری طفولیت کے لیے جوانی مجھے لڑکپن سے جوان ہو جانے کی کچھ بھی فکر نہیں۔

۲۳۔ اے انتقام! تو مجھے کیوں اندھا کرتا ہے۔ میں عفو کو کبھی ہاتھ سے نہیں دوں گا۔

۲۴۔ میں نے انتقام کا خیال دل سے نکال دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے تصور سے میرے دل کے زخم تازہ ہو گئے ہیں۔

۲۵۔ میں نے انتقام کو ایک مجسمہ شکل میں دیکھنا چاہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان ہے مسلح مارے زخموں کے نڈھال، جو اپنے ہتھیاروں کو پھرتی سے تیز کر رہا ہے۔ اس کے دل سے آہوں کے تیر نکل رہے ہیں، جو اندھیرے میں پرواز کر رہے ہیں۔ اسے قانون کی کچھ پروا نہیں۔ وہ گویا اسے ساقط کرنا چاہتا ہے۔ گئے گزرے واقعات اس کے سامنے ہیں اور انہیں دیکھ دیکھ کر اس کی طبیعت منتشر ہے۔ اس کا بشرہ ایک قسم کا خوف ظاہر کر رہا ہے اور وہ غصے سے تھرتھر کانپ رہا ہے۔ اس کے زخموں کے منہ کھلے ہیں اور ان سے لگاتار خون جاری ہے، جسے دیکھ کر وہ اپنے آپ میں نہیں۔ گو وہ خود بدی کا موجد نہیں، کیوں کہ وہ خطا کو مدنظر رکھ کر خطا کا مرتکب نہیں، مگر اس میں شک نہیں کہ وہ بدی کی حدسے تجاوز کرنے والا ہے۔ گو بعض صورتوں میں اس کے دل میں دغا ہے، مگر اصل میں اس کا حملہ فوری اور بے سوچے سمجھے ہے اور اکثر وہ للکار کر وار کرنا چاہتا ہے۔

۲۶۔ بدطینتی سے برائی کرنے والے کو کہو کہ وہ بچھو ہے اور بچھو سے اور کیا امید ہو سکتی ہے؟

۲۷۔ مصیبت میں بھی میرے لیے ایک دل چسپی ہے، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مصیبت کی کہانیاں زیادہ دل چسپ ہوتی ہیں۔

۲۸۔ مصیبت میں یادِ الٰہی ہے اور یادِ الٰہی میں حمایتِ الٰہی ہے اور حمایتِ الٰہی ہی میں بہت بڑی تسکین ہے۔

۲۹۔ میں نے اپنے آپ کو غور سے دیکھا۔ مجھے دل و جان باپ نے دیے اور جسم ماں نے۔ میں جب تک جسم میں جان ہے، ماں باپ کا ہوں۔

۳۰۔ میں اور میرا بھائی ایک ہی پرندے کے دو بازو ہیں۔ ہم ایک ساتھ اڑیں گے۔

۳۱۔ بھائی کی خبر گیری میرے لیے لازمی ہو گئی ہے۔ کیوں کہ پرندہ ایک بازو سے نہیں اڑ سکتا۔

۳۲۔ تمام ایمان دار لوگ میرے بھائی ہیں۔

۳۳۔ میں نے بیوی بچوں کے تعلق پر غور کیا، تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ جہاں ایک طرف قانون ہم دردی اور محبت کے سبق ہیں، دوسری طرف اصلاح و تہذیب کے معلّم ہیں۔

۳۴۔ میری نیک اور پاک دامن بیوی، گویا میری حیاتِ ابدی ہے۔

۳۵۔ بیوی بچوں ہی کی برکت ہے، جس نے تنہائی میں میرے غم کو غلط کیا۔

۳۶۔ میں اکیلا اور تن تنہا تھا۔ بیوی ہی کی برکت سے میں ایک دو تین چار وغیرہ ہو گیا۔

۳۷۔ میں متاہل پر خوش ہوں، کیوں کہ وہ نیچر کے ضوابط کا پابند ہے۔

۳۸۔ بیوی میری نسل کے قیام کا باعث ہے۔ میں اس کے وسیلے سے اپنے آپ کو ایک یا کئی جسموں میں منتقل کرنے کی قابلیت رکھتا ہوں۔

۳۹۔ بیوی نیچر کے ایک بڑے گناہ سے بچا سکتی ہے۔ میں اس کی دل سے قدر کرتا ہوں۔

۴۰۔ بیوی میرا ہی ایک دوسرا جسم ہے، کیوں کہ میں اور میری بیوی نے اتحادِ قلبی کا عہد کر لیا ہے۔

۴۱۔ میں نے نکاح کی فلاسفی پر غور کیا، تو وہ اتحادِ قلبی کا ایک مستقل عہد تھا۔

۴۲۔ میں نے صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کی، کیوں کہ میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک ہی دل تھا۔

۴۳۔ مجھ میں اور میری بیوی میں ایک ایسا راز سربستہ ہے، جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

۴۴۔ میں اپنی بیوی پر کیوں نہ فریفتہ ہوں، جب کہ اس نے اپنی زندگی کو مجھ پر نثار کر دیا ہے۔

۴۵۔ پاک دامن بیوی کی میرے پاس بہت بڑی شناخت ہے، وہ خاوند پر بھروسہ رکھتی ہے اور اسے عقل مند سمجھتی ہے۔

۴۶۔ بچے میری دل لگی کا سرمایہ ہیں۔

۴۷۔ میری تمام تکلیفیں مبتدل بہ راحت ہو جاتی ہیں، جب میں اپنے آپ کو بیوی بچوں میں دیکھتا ہوں۔

۴۸۔ بچے میرے ایک ولولہ خیز، مسرت انگیز، زبردست جذبے کا نتیجہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی خوشی کو ان کے ساتھ کر دیا ہے۔

۴۹۔ سچ پوچھو، تو بیوی بچوں کے مشغلے نے مجھے تمام قسم کے تفریحی مشاغل سے بے نیاز

کر دیا ہے۔

۵۰۔ میں اپنے لیے بے تکلف ہوں، پس بیوی بچوں کے لیے بھی بے تکلف ہوں۔

۵۱۔ میں اپنے نیک بچوں کو بہت ہی پیار کرتا ہوں، کیوں کہ وہ اپنی بدزبانی سے مجھے تکلیف نہیں دیں گے۔

۵۲۔ دنیا بھر کی کوئی خوشی میرے دل سے موت کی یاد کو فراموش نہیں کر سکتی۔ بیوی بچوں کو دیکھ کر میں موت کو بھی بھول جاتا ہوں۔

۵۳۔ میری بیوی نے اپنے مفاد کو میرے مفاد کے ساتھ متفق کر دیا ہے، اس لیے میں اسے ویسا ہی پیار کرتا ہوں، جیسا اپنے آپ کو۔

۵۴۔ میں نے اپنے ظاہر و باطن میں مصالحت پیدا کر دی ہے۔ جو کچھ میری زبان کہ رہی ہے یا میرا بشرہ ظاہر کر رہا ہے، ٹھیک وہی میرے دل کی کیفیت ہے۔

۵۵۔ دھوکے اور عیاری سے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ وہ روا روی میرے مطالب پر پہنچنے کے مزاحم ہیں۔

۵۶۔ حسد ایک ہرزہ گرد چنچل جذبہ ہے، جو ہمیشہ ہرزہ گرد اور کھوجی آدمیوں کی تلاش میں رہتا ہے، تاکہ ان کے ساتھ اپنا یارانہ گانٹھے۔

۵۷۔ حاسد جب دیکھتا ہے کہ اس کا اپنا فائدہ کچھ نہیں، تو وہ کوشش کرتا ہے کہ دوسروں کا نقصان ہو کر ہی مساوات ہو جائے۔

۵۸۔ میں نے حسد کو دل سے نکال دیا، کیوں کہ میں نے دیکھا کہ وہ دوسروں کی خوبیوں کو میری نظر سے چھپا رہا تھا۔

۵۹۔ حسد کی دوڑ دھوپ باقاعدہ اور منظم ہوتی ہے اور اس کے حملے پے در پے اور مسلسل ہوتے ہیں۔

۶۰۔ حاسد کے مزاج میں ہٹ زیادہ ہے اور اس کی طبیعت اَنْ تھک ہے۔ وہ اپنی نابکاری اور خباثت کو چھپانے کے لیے اپنے خیال میں معقول دلائل کا ذخیرہ رکھتا ہے۔

۶۱۔ حسد ایک بیماری ہے اور حسنِ اعتقاد اس کا علاج ہے۔

۶۲۔ حسد کی چوٹ کا یہ بھی ایک علاج ہے کہ اپنے عیش و آرام کی ہجو کی جائے اور ظاہری طور پر نمائشی تکالیف کا واویلا مچایا جائے۔

۶۳۔ مجھے حاسد کی حالت پر افسوس ہے، کیوں کہ وہ اپنی حالت پر رحم نہیں کھاتا۔

۶۴۔ میرا دل دنیا کی نعمتوں سے مستغنی ہو گیا ہے اور مجھے اس کی بہت بڑی قدر ہے، کیوں کہ میرا دل حسد کے خوف ناک مرض سے بال بال بچ گیا ہے۔

۶۵۔ مَیں نے ہمیشہ عیب جو آدمیوں کو حاسد پایا۔

۶۶۔ حاسد کو ہر وقت ہنر اِلتی رہتی ہے۔ کیوں کہ وہ دوسروں کی خوش حالی اور فارغ البالی دیکھ کر کڑھتا رہتا ہے۔

۶۷۔ شکوک اور اخلاص میرے سامنے پیش کیے گئے۔ مَیں نے اخلاص کو پسند کیا۔

۶۸۔ شکوک اور اوہام میری کم زوری علم کے نتائج تھے۔ مَیں نے نیچر کے مطالعہ اور غور و تدبر سے ان کو اپنے خیالات سے محو کر دیا۔

۶۹۔ میرے دوستو! جوق جوق میرے پاس آجاؤ، کیوں کہ مَیں نے تمھاری دشمنی کے باعث، یعنی، وہم کو اپنے دل سے نکال دیا ہے۔

۷۰۔ شکوک اور اوہام کی کارستانیوں اور کارناموں سے میرا جی اُکتا گیا ہے۔ بھائی بھائی، خاوند بیوی، نوکر چاکر، اپنے بیگانے، دوست دشمن اپنی اپنی شکایتوں کے دفتر کھول ڈالیں اور رُو در رُو فیصلہ کر کے دلوں کو صاف کریں۔

۷۱۔ مَیں نے جتنا زیادہ پوچھا، اُتنا ہی زیادہ سیکھا اور جتنا زیادہ سیکھا، اتنا ہی شکوک کے مقابلے میں زبردست ہوا۔

۷۲۔ مَیں نے تسکین کی جستجو کی۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ شکوک کے نیچے دل کے ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی۔ مَیں نے دیکھا کہ جوں ہی شکوک کا پردہ اٹھ گیا، تسکین نمودار ہو گئی۔

۷۳۔ اس فقرے میں کہ تندرستی ہزار نعمت ہے، سچائی کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مجھے صحت کی بڑی قدر ہے۔

۷۴۔ مَیں نے دیکھا کہ صحت ایک دم کے لیے مجھ سے جدا ہو گئی اور تمام دنیا سے میرا جی بیزار ہو گیا۔

۷۵۔ صحت نے مجھ سے کہا کہ اگر مجھے چاہتے ہو۔ تو بندۂ خدا! غم والم کو چھوڑو۔ تشویش کو دور کرو۔ حسد و بغض سے بھاگو۔ افراط و تفریط سے بچو۔ وقت بے وقت میں تمیز کرو۔ سادہ کھاؤ۔ سادہ پہنو۔ ستھرے رہو۔ کھیلو کودو دوڑو پھاندو۔

۷۶۔ میں نے دیکھا زمین زمانے کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں۔ میں نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور چپکے سے اس کے ساتھ ہو لیا، مگر میں ہمیشہ اس پہ غالب آنے کی تاک میں رہا۔

۷۷۔ میں نے چاہا کہ میں آپ اپنی تعریف کروں۔ دوسروں کی خوبیوں اور ہنروں کی پسندیدگی اور تعریف سے میں نے اس میں کامیابی حاصل کی۔

۷۸۔ میں نے دیکھا کہ بات چیت میں اپنا ذاتی تذکرہ کرنے والا ہی سبک اور نادم ہوتا ہے۔

۷۹۔ میں جن باتوں کو جانتا تھا اور جانتا تھا کہ لوگ انھیں جانتے ہیں، میں نے ان کو چھپایا؛ میں نے دیکھا کہ جن باتوں کو میں نہیں جانتا تھا، لوگ سمجھنے لگے کہ یہ جانتا ہے۔

۸۰۔ میں نے بات چیت کے جلسوں میں ہمیشہ اپنی باری کا انتظار کیا۔

۸۱۔ بات میں بات کرنے والے کو کہ دو کہ میں اس کے ساتھ متفق نہیں ہوں۔

۸۲۔ میں نے بری اور دل دکھانے والی بات پر سکوت کو اختیار کیا۔

۸۳۔ میں نے ہمیشہ یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ کہاں تک میری باتیں میرے افعال کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔

۸۴۔ سنجیدہ اور پاک خیالات سے بھری ہوئی باتوں کے لیے میرے نزدیک بڑا رتبہ ہے۔ میں نے ان کو دل میں سچائی کے ساتھ دوسری جگہ دی۔

۸۵۔ گندہ ذہن کا لفظ اس شخص پر ٹھیک صادق آتا ہے، جس کے منہ سے مکروہ فضول، بے مطلب، فحش اور خلافِ تہذیب باتیں نکلیں۔

۸۶۔ باتیں وہی اچھی ہیں، جو نیک خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔

۸۷۔ باتیں بھی سچ اور جھوٹ کا معیار ہیں۔ میں نے دیکھا کہ سچا آدمی بے لاگ لپیٹ باتیں کرتا جاتا ہے اور نہیں جھجکتا، مگر جھوٹا جھٹ پٹ رک جاتا ہے۔

۸۸۔ باتیں اظہارِ خیالات کا ذریعہ ہیں۔ فضول گو سے کہ دو کہ وہ اپنی زبان بند رکھے۔

۸۹۔ میں اقتدار کو نہیں چاہتا کیوں کہ وہ میری آزادی میں جو میرا اصلی اقتدار ہے، مخل ہے۔

۹۰۔ برائی میرے نزدیک ایک لعنت ہے اور میرے دل میں اس کے لیے کبھی قصد نہیں۔

۹۱۔ میں برائی کو ہی برا خیال نہیں کرتا، بلکہ میں نہیں چاہتا کہ اس کی نسبت کسی کو مجھ پر شبہ ہو۔

۹۲۔ رشوت میرے نزدیک ایک قومی پھٹکار ہے۔ میں نے دیکھا کہ یہ آدمی کو تباہی کا نشانہ بنا دیتی ہے۔

۹۳۔ میں آرام کو صرف نیک کاموں کے ذریعے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی ساری دوڑ دھوپ کی علت غائی نیکوکاری ہی کو خیال کرتا ہوں۔

۹۴۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اچھا نمونہ بنوں۔ میرا یہ وتیرہ نہیں کہ میں اس معاملہ میں دوسروں کی برائی کو نظیر ٹھہراؤں۔

۹۵۔ مجھے تند خوئی سے نفرت ہے اور نفرت سے رنجش۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ناحق کی ناراضامندی پیدا کر دیتی ہے۔

۹۶۔ تند خوئی اور سختی اپنی ہی جان کا وبال ہوتی ہیں۔

۹۷۔ میں نے بہت کم عہدہ داروں کو پایا، جو اعلیٰ مناصب پر پہنچ کر اپنی زندگی کے فرائض پر مستعد تھے اور وہ انوکھی دھن کا شکار نہیں ہوئے۔

۹۸۔ میں نے دیکھا کہ سست اور کاہل آدمی محنت اور مشقت سے بچنے کے لیے مصیبت، بربادی، تباہی اور ہلاکت کے ملتجی ہوتے ہیں۔ وہ مینھ سے اولے، سیلاب سے طوفان، امن سے غدر چاہتے ہیں۔

۹۹۔ میں نے روشنی کو دیکھا، وہ سچ مچ خدا کا نور ہے۔ میں اسے نیکی کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔ وہ گویا صداقت کا نمونہ ہے۔

۱۰۰۔ نیکی ایک نایاب اور انمول موتی ہے اور اس کی آب یہ ہے کہ اس کا موقعہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

۱۰۱۔ میں نے گناہ کی فلاسفی پر غور کیا، وہ گویا دل کی ایک مہلک بیماری ہے۔

۱۰۲۔ میں نے دیکھا کہ گناہ گاری اپنی گرم بازاری کے لیے پرہیزگاری کا لباس پہنے تھی۔

۱۰۳۔ جس طرح نیکی اور سچائی بہنیں بہنیں ہیں، گناہ اور جھوٹ بھائی بھائی ہیں۔ نیکی سچائی کے ساتھ ساتھ ہے اور گناہ جھوٹ کے ساتھ ساتھ۔ میں نے دیکھا کہ گناہ اور جھوٹ نیکی اور سچائی کا لباس پہنے ہوئے میری صحبت میں آگھسے۔ میں نے ان کی منافقانہ اور ٹیڑھی چالوں سے ان کو پہچان کر اپنے پاس سے نکال دیا۔

۱۰۴۔ نیکی ایک چشمہ ہے جس سے فوائد ابلتے ہیں۔ جب سے میں نے دیکھا کہ چشمے سے نکلے ہوئے ندی، نالے اور دریا چشمے میں واپس نہیں آتے، میں نے نیکی کے صلے کی امید کو دل سے نکال دیا۔

عورت اسلام اور نصرانیت کی نظر میں

(مولانا محمد عباس صاحب طالب صفوی)

قرنِ گزشتہ کے عظیم المرتبت ماہرِ جنسیات (SEXOLOGY) رچرڈ وان کرافٹ ایبنگ کی مایہ ناز تصنیف "سائیکو پیتھیا سیکسوالیس" (SYCHO PATHIA SEXUALIS) پیشِ نظر ہے اور میں حیران ہوں یورپ کی اسلام دشمنی سے، کہ اس غیر مذہبی کتاب میں بھی مذہبی مناظرہ موجود ہے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات سے یہ چھیڑ چھاڑ شروع ہو جاتی ہے اور آخر میں حقیقت سے بے خبر ہو کر ارشاد ہوتا ہے:

"اسلام میں صرف مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے اور یہ حق آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسلام عورت کو پبلک لائف اور جدوجہد سے علیحدہ رکھنا اور عورت کی ذہنی و جسمانی نشوونما کو کچلنا چاہتا ہے۔ مسلمان عورت شہوانی جذبات فرو کرنے کا آلہ اور بچے پیدا کرنے کی مشین ہے، جب کہ نصرانیت کے زریں اصول عورت کو بیوی، ہمدرد ساتھی اور ماں کا مرتبہ عطا کرتے ہیں۔ نصرانیت کی جنت اخلاقی اور روحانی ہے اور اسلام کی جنت حوروں کی وجہ سے جسمانی" (ص۳)

ہو سکتا ہے کہ میں قرآنِ حکیم اور احادیثِ صحیحہ کی مدد سے یہ امر ثابت کروں کہ عورت کو خلع کا حق حاصل ہے۔ طلاق ابغض مباحات ہے۔ عورت اور مرد کا رتبہ برابر ہے اور جنت کا مفہوم حقیقی، حور و قصور سے بھی بالاتر ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ دشمن کے منہ سے اعترافِ حقیقت کراؤں۔ یہی (RICHORD VON KRAFFT EBING) اسی کتاب کے اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:

"محمدؐ نے عورت کے درجے کو بلند کرنے کی کوشش کی یعنی، اس کو آلۂ تسکین اور لونڈی کے بجائے ایک بلند سماجی اور ازدواجی رشتہ عطا فرمایا" (سائیکو پیتھیا سیکسوالیس ص۳)

کتنا دلچسپ ہے یہ تضاد!

اب رہے نصرانیت کے دعاوی، تو ان کی حقیقت مجھ سے نہیں، بلکہ اس کتاب کے عیسائی شارح ڈاکٹر وکٹر رابنسن پروفیسر تاریخ سے سنیے! موصوف صفحہ ۴ کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں

"یہ ایک واقعہ ہے کہ انجیل میں (بجز انجیل متی جس میں طلاق کی ممانعت ہے) عورت کے حق میں کوئی کلمۂ خیر موجود نہیں ہے۔ جناب پطرس کے ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کے رتبے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ عورت مرد کی محکوم رہے گی اور اس سے ڈرے گی۔ سینٹ جیروم فرماتے ہیں کہ عورت شیطان کا دروازہ، برائی کی سڑک اور نیش عقرب ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں میکن (MACON) کی کونسل نے اس سوال پر سنجیدگی سے غور کیا کہ عورت کی روح کا وجود ہے یا نہیں؟ کلیسا کے ان خیالات کا ان اقوام پر جنہوں نے عیسائیت قبول کی، کافی اثر پڑا اور جرمنی کی ان اقوام میں جنہوں نے نصرانیت قبول کی، عورت کا درجہ گر گیا۔ اب رہی کثرت ازدواج۔ تو عہد نامہ عتیق (توریت) میں اس کی صاف اجازت ہے اور عہد نامہ جدید (انجیل) میں بھی صاف طور سے کثرت ازدواج کو منع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ متعدد عیسائی شاہزادے (مثلاً کلوتر اوّل، چارلس برٹ اوّل، پپن اوّل وغیرہ) کثرت ازدواج کے مرتکب ہوئے اور پادریوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔" (انتہٰی ملخصاً)

کیا ان ناقابلِ انکار حقائق کے باوجود یہ دعوےٰ کیا جا سکتا ہے کہ نصرانیت نے عورت کا درجہ بلند تر کیا اور کیا انتم لباس لھن وھن لباس لکم (تم ان کا لباس ہو، ہمسر ہو اور وہ تمہارا لباس ہیں) کی موجودگی میں اسلام پر یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ اس نے سماجی اعتبار سے عورت اور مرد کو ہمسر نہیں رکھا؟

تقریظات

سلطان محمد قلی قطب شاہ | مؤلفہ: ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، ایم اے، پی ایچ، ڈی (لنڈن)، سائز: ۲۲×۱۹، ضخامت: پانچ سو صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ اعلیٰ، قیمت: پانچ روپے ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن۔

سلطان محمد قلی شاہ، اردو زبان کا سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر، شہرِ حیدرآباد کا بانی اور قطب شاہی خاندان کا پانچواں حکمران تھا۔ زیرِ نظر کتاب اسی کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔

کتاب دس حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں، سلطان محمد قلی کے آباؤ اجداد، ولادت، تعلیم و تربیت، تخت نشینی، شعر و شاعری اور عیش و عشرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی اپنے زمانے کا ایک بہت رنگین مزاج اور عیش پرست حکمران تھا، اس کی زندگی کی یہ خصوصیت، اس کے ایک ایک شعر سے مترشح ہوتی ہے۔ لائق مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ محمد قلی حافظ شیرازی کے صوفیانہ کلام سے بغایت متاثر تھا۔ نیز اس نے پہلی مرتبہ اردو نظم میں دیوانِ حافظ کے ترجمے کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ اس سلسلے میں حافظ کی چار غزلوں کا ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم ایک غزل سے دو چار شعر محمد قلی کے ترجمے سمیت نقل کرتے ہیں:

بعزم توبہ سحر گفتم استخارہ کنم
بہار توبہ شکن می رسد چہ چارہ کنم
سخن درست بگویم نمی توانم دید
کہ می خورند حریفاں و من نظارہ کنم
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

منگیا ہو توبہ کے تئیں صبح استخارہ کروں
ہنگام توبہ توڑن آیا کیا میں چارہ کروں
درست بات کتا ہوں نہ جائے مجہ تے دیکھیا
شراب پیویں حریفان ومیں نظارہ کروں
شراب خانہ کا مسکیں ہوں دیکھ مستی میں
کہ لاڑا نبر پہ کریوں حکم تل سو تارہ کروں

۱؎ یعنی سکے ۵۲ تلے۔

مرا کہ نیست رہ و رسم لقمہ پرہیزی | جو منج میں نیں اہیں پرہیزگاری کے کاماں
چرا مذمت رند شراب خوارہ کنم | شراب خور کوں اہانت سوں اشارہ کروں

اوپر کے اشعار سے نہ صرف محمد قلی کا شاعرانہ کمال ظاہر ہوتا ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سترھویں صدی کے آغاز میں، دکن میں جس اردو کا رواج تھا، اس میں پنجابی زبان کے الفاظ بھی بہ کثرت پائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر ہم نے جن الفاظ کے اوپر خط کھینچ دیے ہیں، وہ اب بھی پنجاب کے دیہات میں بولے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی پایۂ یقین تک پہنچ جاتی ہے کہ اردو زبان کا آغاز پنجاب ہی سے ہوا اور سچی بات تو یہ ہے کہ موجودہ اردو، دراصل پنجابی ہی کی ترقی یافتہ صورت کا دوسرا نام ہے۔ زیر نظر کتاب میں محمد قلی کے کلام کا جو انتخاب دیا گیا ہے، اس میں پنجابی کے بے شمار الفاظ نظر آتے ہیں: مثلاً ہور (اور) مٹھی (میٹھی)، وت (دیکھے)، کج (کچھ)، رکھ (درخت)، چودے (ٹپکے) وغیرہ۔

شاعری پر بحث کرنے کے بعد محمد قلی کے رندی، بدمستی اور عیش و عشرت کے کارناموں پر کھلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی معشوقاؤں کے حلیے محمد قلی ہی کی نظموں سے اخذ کر کے جمع کر دیے گئے ہیں خصوصیت کے ساتھ بھاگ متی کے ساتھ سلطان کے عشق و معاشقہ کے حالات تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔

کتاب کے دوسرے حصے میں محمد قلی کے مذہب سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیدۃً شیعی تھا اور اہل سنت کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ اسی حصے میں حیدر آباد کی زیبائش و آرائش، محلوں، باغوں کی تعمیر کے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

تیسرے حصے میں محمد قلی کے عہد کے مذہبی تہواروں کا تذکرہ ہے۔ بادشاہ محرم، عید میلاد النبیؐ، عید میلاد علیؓ اور عید غدیر وغیرہ تہواروں میں بڑی دلچسپی لیا کرتا تھا اور بالعموم ہر تقریب پر مرثیہ یا نظم بھی لکھتا تھا۔

چوتھے حصے میں بعض قومی تہواروں اور دوسرے رسوم و رواج کی تفصیل دی گئی ہے۔ ان تہواروں میں نوروز، بسنت اور سالگرہ اور کھیل کود کے کرتب شامل ہیں۔

پانچویں حصے میں محمد قلی کی معرکہ آرائیوں کی تاریخ پیش کی گئی ہے۔ اس کے عہد میں جو

بغاوتیں یا لڑائیاں پیش آئیں، ان سب کے مستند حالات واضح کیے گئے ہیں اور سلطان کو ایک بہادر بادشاہ کے ساتھ ساتھ ایک صُلح جو انسان کی حیثیت میں پیش کیا گیا۔

مؤلف کو چاہیے تھا کہ وہ ان صفحات میں بادشاہ کی معرکہ آرائیوں اور اس کی حدود سلطنت کو جغرافی نقشوں کے ذریعے واضح کرتے تاکہ یہ حصہ ہر لحاظ سے مکمل ہو جاتا۔ کوئی تاریخ جغرافی معلومات سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔

چھٹے حصے میں سلطان کے تدبّر و سیاست، بیرونی تعلقات، ہندو رعایا کی سرپرستی، ایرانیوں اور اجنبیوں کی نگاہ داشت و قدر افزائی کے عنوانوں کے تحت، دکن کے سیاسی حالات پر سیر حاصل معلومات جمع کیے گئے ہیں۔

ساتویں حصے میں، بادشاہ کی تاہلی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے ہاں ایک لڑکی کے سوا کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اسی حصے میں اس کی بیماری اور موت کا مفصل تذکرہ ہے۔

آٹھویں حصے میں محمد قلی کے اُردو کلام کی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے اور پھر آخر میں اس کے سارے کلام کا ایک انتخاب بھی دے دیا گیا ہے۔ اس کے کلام میں غزلیں، رباعیاں، مرثیے، قصیدے اور نظمیں سب اصناف شامل ہیں۔ یہ انتخاب ۳۳ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا مطالعہ نہ صرف اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ وہ محمد قلی کے پُرگوئی اور کمال فن کا ایک بہترین نمونہ ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ آج سے تین سو سال پہلے کی اُردو کی حالت کا بھی اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نویں حصے میں محمد قلی کی فارسی شاعری کا انتخاب جمع کیا گیا ہے۔ اس انتخاب میں غزلیں بھی ہیں، فردیات بھی، مرثیے بھی اور ایک نوحہ بھی۔ فارسی کلام پر بھی بادشاہ کو ویسا ہی عبور حاصل تھا، جیسا اُردو پر۔

کتاب کے آخری حصے میں محمد قلی کی زندگی کے اہم واقعات کی تاریخیں مرتب کی گئی ہیں۔

کتاب انگریزی اصولِ تالیف پر، بڑی محنت اور قابلیت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر زور اس سے پہلے ایک نقاد کی حیثیت سے معروف تھے، اس کتاب کی تالیف نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک بہترین مورخ بھی ہیں۔

تعلیماتِ اقبال | مرتبہ: پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی بی اے ضخامت ۱۲۵ صفحے۔
بانگ درا سائز۔ لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ۔ قیمت: عہ۔ ملنے کا پتہ: دفتر اقبال اکیڈمی،
ظفر منزل، تاج پورہ، لاہور۔

کچھ عرصے سے اقبال اکیڈمی کی طرف سے اقبالیات سے متعلق اچھی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب علامہ اقبالؒ کی تعلیمات کی تشریح و تفسیر پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے علامہ مرحوم کے کلام اور ان کے فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اس لیے ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اس سلسلے میں ان خدمات کو وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

کتاب مولانا عبدالمجید سالک کے پیش لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس مضمون میں تعلیمات اقبال کی نشر و اشاعت کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ پھر مرتب نے اپنی طرف سے ایک مقدمہ لکھ کر پہلی فصل میں یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جو رہبانیت اور ترکِ دنیا کے علی الرغم انسانوں کو عملی زندگی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ دوسری فصل میں یہ بتایا ہے کہ کس طرح مسلمان قوم تیرھویں صدی عیسوی کے بعد غیر اسلامی تصوف میں پھنس کر اسلام کی صحیح روح سے ناآشنا ہو گئی۔ تیسری فصل میں مسلمانوں کے غیر اسلامی معتقدات اور ان کے اثرات سے تاریخی طور پر بحث کی گئی ہے۔ پھر غدر سے پہلے اور غدر کے بعد کے مسلمانوں کی ذہنی حالت کا موازنہ کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی سیاسی خستہ حالی نے ہندوؤں اور انگریزوں کو اس امر کی جرأت دلائی کہ وہ قرآن مجید اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ناپاک اور غلیظ لٹریچر کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ یہ بیرونی حملہ تھا۔ اندرونی طور پر مسلمانوں کو پراگندہ اور کمزور کرنے کے لیے قادیانی نبوّت کا فتنہ کھڑا کیا گیا۔ اسلام کے خلاف ہندوؤں، انگریزوں اور قادیانیوں کے متحدہ محاذ کا نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی کے آخر میں پیروانِ اسلام کی مذہبی اور سیاسی حالت نہایت زار و زبون ہو کر رہ گئی۔

جب حالات اس حد تک بگڑ گئے، تو مولانا محمد قاسمؒ نے مدرسۃ العلوم دیوبند کے ذریعے، سر سیدؒ نے علی گڑھ کالج کے ذریعے، حالیؒ اور اکبرؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے اور مولانا محمد علی کان پوری نے ندوۃ العلماء کے ذریعے اور مولانا محمد علی (آکسن) نے اپنے اخبار کامریڈ کے ذریعے اپنی اپنی بساط کے مطابق اصلاحِ حال کی کوشش کی۔

اور آخر کار خدا تعالیٰ نے اقبالؔ کو مبعوث کیا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مادیت، الحاد اور بے دینی کے زمانے میں قوم کو صراطِ مستقیم کی طرف بلانے اور انھیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے جو کام اقبالؒ نے کیا ہے، وہ گذشتہ تمام اصلاحی کوششوں سے کہیں زیادہ موثر اور پائے دار ثابت ہوا ہے۔

"تعلیماتِ اقبالؔ" میں اقبالؔ کے مرتبے اور مقام کی توضیح کر کے ان کے پیغام کی چار عنوانوں کے تحت تشریح کی گئی ہے: (۱) دعوتِ اسلام (۲) اصلاحِ عقائد (۳) تنبیہات (۴) ہدایات۔ دعوتِ اسلام کی ذیل میں توحیدِ الٰہی، رسالت، کتاب، حریت، اخوت اور مساوات کے مسائل پر اقبال کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ اصلاحِ عقائد کے تحت مسلمانوں کو قرآن مجید کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ پھر بتایا ہے کہ "عقل" انسانی زندگی کا مقصود و منتہا نہیں، بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے اسے ایک وسیلہ سمجھنا چاہیے، جو عشق کے بغیر بے کار محض ہے۔ اس کے بعد موت و حیات، فقر، اجتماعی زندگی، اعمالِ صالحہ، اجتہاد اور خودی کے فلسفے کو پیغامِ اقبالؒ کی روشنی میں حل کیا گیا ہے۔ اجتہاد کے متعلق مولف کے یہ الفاظ مطالعہ کے لائق ہیں:

> "علامہ اقبالؒ نے اپنی نظموں میں خصوصاً اپنے غیر فانی "مدراس لیکچرز" میں اس غلط خیال کی تردید فرمائی اور مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ اسلام چوں کہ خاتم الادیان ہے، اس لیے منطقی طور پر ضروری ہے کہ اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے اور اسلامی نظام کو صفتِ دوام اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ اسلامی قوانین کی توجیہ ہر زمانے میں حالات کے مطابق کی جائے اور بلاشبہ اگر یہ بات نہ ہو یعنی اگر ہر زمانہ کے مفکرین کو نئے مسائل کا نیا حل دریافت کرنے کی اجازت نہ ہو، تو ختمِ نبوت کا اصول برقرار نہیں رہ سکتا"

مگر عہدِ حاضر کے ملاؤں اور مولویوں کی جامد اور مقلدانہ ذہنیت کا کیا علاج کہ یہ لوگ اس زمانے میں بھی امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے اجتہادات اور امام بخاری اور امام مسلم (رحمہ اللہ اجمعین) کی تحقیق اور ان کی اندھی تقلید کو مدارِ نجات سمجھتے ہیں؟ حالاں کہ زمانہ اپنے خیالات و ضروریات کے لحاظ سے اس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے کہ اسلافِ کرام کے اصولِ فقہ میں ترمیم کے بغیر ہم اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

کتاب کے تیسرے باب میں "تنبیہات" کے زیرِ عنوان مسلمانوں کو وطنیت، جمہوریت، اشتراکیت، ملوکیت، سرمایہ داری اور تہذیبِ مغرب کی لعنتوں سے خبردار کیا گیا ہے۔

"جمہوریت" کے متعلق مؤلف نے علامہ اقبال کے حسب ذیل الفاظ روایت کیے ہیں:

"جمہوریت کے ساتھ امامت کا تصور بھی ضروری ہے۔ اہل فرنگ کا مسلک یہ ہے کہ جمہوریت کی پیروی کرو اور میرا مسلک یہ ہے کہ "مردِ کامل" کی پیروی کرو"!

آج علامہ مرحوم زندہ ہوتے۔ تو اپنے مسلک کی عملی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ اہل فرنگ بھی جرمنی، اٹلی اور روس وغیرہ کی طرح "جمہوریت" کے ساتھ ساتھ ایک "امام" کی پیروی کر رہے ہیں، یعنی فرنگی جمہوریت کے سارے اختیارات، ایک فردِ واحد (چرچل) کے ہاتھوں میں منتقل ہو چکے ہیں!

... م کے بغیر جمہوریت کیا ہے؟

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو!

کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید!

چوتھا اور پانچواں باب "اقبال" کی "ہدایات" اور مخاطبات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں چھوٹے چھوٹے ذیلی عنوانوں کے تحت مسلمانوں کی عملی زندگی کی راہ متعین کی گئی ہے۔

کتاب سلیقے سے مرتب کی گئی ہے۔ بہتر ہوتا: اگر اشعار کی تشریح میں زیادہ تفصیل سے کام لیا جاتا۔ افسوس کہ اس کی قیمت بہت زیادہ رکھی گئی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمات اقبال پر نہایت سستا لٹریچر شائع کیا جائے، تاکہ ہر پڑھا لکھا مسلمان مجددِ عصر کے پیغام سے کماحقہ مستفید ہو سکے۔

دارالاسلام | (ماہنامہ) مرتبہ: ادارہ "دارالاسلام" سائز: ۲۰×۲۲/۸ لکھائی، چھپائی، کاغذ متوسط۔

قیمت سالانہ: دو روپے۔ ملنے کا پتہ: ناظم دارالاسلام "مقام دارالاسلام" متصل پٹھان کوٹ (پنجاب)

پٹھان کوٹ کے قریب، "دارالاسلام" کے نام سے ایک اسلامی تعلیمی اور صنعتی نوآبادی گزشتہ تین چار سال سے قائم ہے۔ "دارالاسلام" اسی نوآبادی کا ماہوار رسالہ ہے۔

یہ رسالہ پچھلے دو سال سے جاری ہے۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء کا پرچہ ہمیں ریویو کے لیے موصول ہوا ہے۔ بطرقات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ رسالہ آمد و خرچ کے توازن کے لحاظ سے کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس واسطے کچھ عرصہ کے لیے اس کی اشاعت ملتوی کی جا رہی ہے۔

ہمیں اس التوا کا افسوس ہے، اس لیے کہ تمام ہندوستان میں دارالاسلام ہی ایک ایسا ادارہ

ہے، جو بیک وقت مسلمانوں کی دینی و صنعتی ترقی میں کوشاں ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہم کارکنانِ ادارہ کی خدمت میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کسی پرچے کو کامیاب یا مقبول بنانے کے لیے بس یہی کافی نہیں ہے کہ ہم اُسے کسی خاص تحریک کا، خواہ وہ کتنی ہی اہم یا مفید کیوں نہ ہو، آرگن ظاہر کریں، بلکہ کامیابی کا گُر یہ ہے کہ خود پرچے میں جذب و قبول کی قوت ہو۔ "دارالاسلام" دو برس سے شائع ہو رہا ہے، مگر اس کی ترتیب اور مضامین میں ہمیں کوئی شگفتگی یا سلیقہ نظر نہیں آیا ہے، یہاں تک کہ اس میں فہرست مضامین کا صفحہ بھی موجود نہیں ہوتا۔ مضامین کا نصف سے زیادہ حصہ منقول ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا غلط طریق کار ہے جو رسالے کے ناظرین کو اس کی مستقل سرپرستی پر قائم رکھنے کے لیے قطعاً اپیل نہیں کر سکتا۔

پھر رسالے کے آخر میں قرآن مجید کا ترجمہ چھپ رہا ہے، حالاں کہ ترجموں کی پہلے ہی سے کوئی کمی نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ترجمے میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ "دارالاسلام" میں التزام کے ساتھ شائع کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ایک ایک لفظ کے لغوی معنے الگ الگ کر کے لکھ دیے گئے ہیں، حالاں کہ یہ کوشش مولانا عبدالحق عباس کے "ترجمان القرآن" کی موجودگی میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

"معروضات" کے آخر میں اس امر پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے کہ "دارالاسلام" کو بار بار کی اپیلوں کے باوجود اب تک کوئی ایسا شخص میسر نہیں آیا جو ادارے کے لیے لوجہ اللہ اپنی خدمات پیش کر سکے۔ مگر ہمیں اس بات پر افسوس ہے کہ ادارے نے یہ "میۂ موہوم" قائم ہی کیوں کی؟ اعزازی کام کرنے والے اوّل تو ملتے ہی نہیں، لیکن اگر وہ میسر آ بھی جائیں، تو آپ اُن سے کبھی یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ کسی کام کو حسن وجوہ انجام دے سکیں گے۔ لاہور اور قادیان کے قادیانی مرکزوں سے تمام اسلامی اداروں کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ قادیانی سلسلے کے تمام دفاتر میں ہر کارکن کو باقاعدہ اور معقول تنخواہ ملتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں نہ صرف کام جاں فشانی سے ہوتا ہے، بلکہ نظم و انتظام میں بھی کبھی خلل واقع نہیں ہوا۔ برعکس اس کے اسلامی اداروں میں جہاں اعزازی کارکن کام کرتے ہیں، آئے دن دقتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

ہم "دارالاسلام" کے بانی خان صاحب چودھری نیاز علی خاں کی خدمت میں ادب و خلوص کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ وہ براہِ کرم "لوجہ اللہ" کے الفاظ کے ساتھ کوئی اعزازی کارکن طلب نہ کریں، بلکہ ادارے کے تمام شعبوں کے لیے تنخواہ دار ایڈیٹر، تنخواہ دار سیکرٹری، تنخواہ دار سپرنٹنڈنٹ اور تنخواہ دار کلرک ملازم رکھیں۔ انھیں معقول معاوضے دیں، ان سے اچھی طرح کام لیں، تاکہ جس صنعتی اور دینی مرکز کی انھوں نے بنیاد رکھی ہے، ان کی زندگی ہی میں

کام یابی کی طرف چل نکلے۔

سہیل (افسانہ نمبر) مرتبہ: جناب عارف سنسہاروی و جناب قیصر عثمانی۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۱۶۰ صفحے۔
قیمت ۱۰/۔ پتہ: مینیجر رسالہ سہیل، شمسی پریس، گیا۔

"سہیل" کو جاری ہوئے ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا، مگر ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پرچہ آہستہ آہستہ اردو کے اچھے ماہناموں کی صف میں آگیا ہے۔ ہم نے افسانہ نمبر کو شروع سے لےکر آخر تک پڑھا۔ قریباً تمام افسانے دل چسپ ہیں اور ان کے لکھنے والے بھی اردو کے اچھے کہنہ مشق ادیب ہیں۔ پروفیسر اختر اورینوی کا افسانہ "بیل گاڑی"، میرزا ادیب کا "پریس کا مینیجر"، ش مظفر پوری کا "بھیک" اور قیس شیخپوروی کا "دو بچے"، موجودہ ہندوستانی عوام کی بےکسی اور بےروزگاری پر اچھی روشنی ڈالتے ہیں۔ "الف لیلہ کی ایک رات" اور "ڈوٹ" جو بالترتیب مفتی گوہر شادانی اور جناب عارف سنسہاروی کی کاوش کا نتیجہ ہیں، موجودہ مغربی تہذیب کی خوفناک بدکاریوں کو حیرت انگیز طریقے سے ظاہر کرتے ہیں۔ مولوی نصیر الدین کا "محاسب"، جہاں ریاستی دفتروں کی بدنظمی پر ایک لطیف طنزیہ ہے، وہاں ایک فضول خرچ بیوی، ایک ڈرپوک خاوند اور ایک غفلت شعار محرر کے کردار کو بھی خوب صورتی کے ساتھ نمایاں کرتا ہے۔ ایم اسلم کا افسانہ "انجام"، ایک عورت کی رقیبانہ فطرت اور شاہد نیاز کا "شرابی" ایک شراب خوار کی مستقل عادت پر نفسیاتی طور پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خنجر لکھنوی کا افسانہ "شگوفہ" بھی اور پاکیزہ محبت کی بہت عمدہ تصویر ہے۔

معانے سب کے سب اچھے ہیں اور افسانہ نگاری کے متعلق ان میں کام کی چیزیں نظر آتی ہیں۔

نظموں میں لاثر رسیلے اور ہتیٰ بھکارن خصوصیت سے پڑھنے کی چیزیں ہیں۔ "ماہ صیام کا ساقی نامہ" متانت اور سنجیدگی سے گری ہوئی نظم ہے، جسے "سہیل" میں ہرگز شائع نہیں ہونا چاہیے تھا۔

پرچہ بعض مضمون نگاروں کی تصاویر سے مزین ہے۔

حساب آمد و خرچ امتِ مسلمہ امرتسر

(۶ جنوری سے ۲۸ فروری ۱۹۴۱ء تک)

آمد البیان

سید نور علی شاہ صاحب بنوں	ے
مولانا محمد عباس صاحب طالب صفوی شمس آباد	ے
شیخ فضل احمد صاحب پنشنر عثمان کھاٹر	ے
جناب صلاح الدین احمد صاحب	عہ
بابو عبد اللہ خاں صاحب	للعہ
صوبیدار حسین بخش صاحب ڈیرہ نواب	ے
خواجہ رحمت اللہ صاحب	ے
مرزا اکبر احمد بیگ صاحب اکبر چغتائی جبل پور	ے
چودھری سلطان علی صاحب بمبئی	ے
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	عہ
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن بی اے	عہ
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	عہ
منشی شہباز خاں صاحب گجرات	ے
مستری محمد عبد اللہ صاحب سیالکوٹ	ے
ف ، ا ، ر ، امرتسر	عہ
میاں جلال الدین صاحب	عہ
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ
بابا مستری تاج الدین صاحب	ے
میاں فیملی	عہ
سید اسد الزمان صاحب بنوں	ے
مولوی فتح محمد صاحب لودھراں	ے
خواجہ عبد الکریم صاحب نانگ	ے
چودھری خیر الدین صاحب	عہ
شیخ عبد الرحمن صاحب انصاری	عہ
بابو ذوالفقار علی صاحب	عہ
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ
میاں فیملی	عہ
مستری اسمٰعیل صاحب	عہ
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	عہ

میاں مہر بخش صاحب چغتائی	ے
شاکر محمد صاحب بھٹی کراچی	للعہ
بسترا	عہ
حکیم رحمت علی صاحب بٹالہ	عہ
سردار محمد یار خاں صاحب کراچی	ے
متفرق	عہ
	[illegible]

عمارت فنڈ (مسجد)

منشی سراج الدین احمد صاحب	للعہ
مہر محمد عمر صاحب	عہ
بابو محمد ظہور صاحب سکری	عہ
مہر اللہ دتہ صاحب	عہ
خلیفہ عبد اللہ صاحب	عہ
مہر محمد عمر صاحب	عہ
خواجہ عبد الکریم صاحب نانگ	عہ
متفرق	۸
	[illegible]
کتب خانہ	[illegible]
رکنیت	[illegible]

تبلیغ (جلسہ)

میاں مہر بخش صاحب چغتائی	عہ
میزان	[illegible]
سابقہ بقایا	[illegible]

اخراجات

البیان	[illegible]
عمارات	[illegible]
کتب خانہ	[illegible]
میزان	[illegible]
بقایا	[illegible]

"سیاست"

زیرِ ادارت

ڈاکٹر یوسف حسین خاں پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

یہ سیاسی اور اجتماعی علوم کا سہ ماہی رسالہ ہے، جو جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے۔
اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے پیچیدہ مسائل کو صاف اور سلیس زبان کے ذریعے اُردو داں طبقوں میں مقبول بنایا جائے اور جدید تمدن کے مختلف پہلوؤں پر دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں جو تحقیق ہوئی ہے، اُسے اُردو میں منتقل کیا جائے۔ یہ خاص علمی رسالہ ہے جس میں حیاتِ اجتماعی کے مختلف مسائل پر غیر جانب داری کے ساتھ بے لاگ تحقیق کے نتائج شائع ہوتے ہیں اور کسی خاص جماعت یا مسلک کے خیالات کی نشر و اشاعت سے احتراز کیا جاتا ہے۔ اس رسالے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عمرانی علوم کے دقیق اور حکیمانہ تصورات کو اُردو زبان میں کس طرح سلاست اور سہولت کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ رسالہ ہر اُس شخص کو پڑھنا چاہیے، جو ہندوستان اور باہر کی دنیا کی سیاسی اور اجتماعی تاریخوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے مضامین سے ہماری زبان کی ایک بڑی کمی پوری ہو گئی ہے۔
مضامین کے متعلق ڈاکٹر یوسف حسین خاں پروفیسر شعبۂ تاریخ و سیاست عثمانیہ حیدرآباد (دکن) سے خط و کتابت کی جائے اور انتظامی اور دیگر کے متعلق

مولوی سید عبدالوہاب صاحب و سید عبدالقادر صاحب اینڈ سنس

چار مینار۔ حیدرآباد (دکن) سے

دریافت کیجیے۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ۔ فی پرچہ ۱۲/ علاوہ محصول ڈاک۔

سب رس کتاب گھر کی کتابیں

فنِ تقریر | عہدِ حاضر میں تقریر کو بہت اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے، لیکن اُردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ ادارۂ ادبیاتِ اُردو نے یہ کتاب شائع کر کے اُردو بولنے والوں کی مفید خدمات انجام دی ہیں۔ اس میں جگہ جگہ تصویریں بھی شامل ہیں جن کی مدد سے تقریر کرتے وقت ٹھیک تصویر پر کھڑے ہونے اور شائستہ حرکات و سکنات کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ابتدا میں ڈاکٹر زورؔ صاحب کا ایک پُر مغز مقدمہ بھی شامل ہے جس میں مقرروں پر تبصرہ اور تقریر کی اہمیت کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ضخامت ۹۶ قیمت صرف آٹھ آنے۔

نمودِ زندگی | مولوی سید علی منصور صاحب حیدر آبادی کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہے، جو نہایت سلیقے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں ایک سو ایک نظمیں، سترہ غزلیں اور پانچ رُباعیاں شریک ہیں۔ علی منصور اُردو کے ایک پختہ مشق اور ترقی پسند شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کے قدر دان دُور دور پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ عہدِ حاضر کے اُن چند کامیاب شاعروں میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے کلام میں زندگی کی صحیح ترجمانی کی اور اس میں کامیابی بھی حاصل کی۔ اُردو شاعری کے دلدادہ عرصہ سے اس مجموعہ کے منتظر تھے۔ صفحات ۲۱۲ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

محمد قلی قطب شاہ | اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر، شہر حیدر آباد کے بانی اور سلسلۂ رفیعہ قطب شاہیہ کے پانچویں حکمران کے حالاتِ زندگی اور اُردو و فارسی کلام کے نمونے از جناب پروفیسر ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ۔۔۔ ۵۰۰ صفحات، ۱۹ عکسی تصویریں قیمت پانچ روپے۔

اس کتاب کا موضوع اور اس کے مصنف کا نام دونوں کے اظہار کے بعد اس کے متعلق مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

ملنے کا پتہ: **سب رس کتاب گھر رفعت منزل خیریت آباد حیدرآباد (دکن)۔**

(۱۳) قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝

کہہ: اگر اپنے ربوبیت کرنے والے کی نافرمانی کروں، تو مجھے بھی یومِ عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔ (ایسے سچے پیغمبر کی تو یہ حالت کہ عصیان کی صورت میں عذاب کا دھڑکا لگا ہوا ہے، مگر بدباطن لوگوں کے عملوں کی یہ کیفیت ہے کہ وہ جرائم کا ارتکاب کر کے ایسے صادق نبیؐ کو بارگاہِ مالک یوم الدین میں شفیع قرار دیتے ہیں۔ افسوس ہے اُن لوگوں پر کہ دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں اور ان کے عقاید صریحًا مشرکانہ ہیں۔ اُس دن ایمان داروں کے لیے رسوائی نہیں ہے۔ ہاں ایمان کے ساتھ حاضر ہونے کی شرط ہے۔ ان کی نجات مشروط بہ ایمان ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر نافرمانی کی حالت میں جاؤں، تو عذاب کا ڈر ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اصل چیز یعنی توحید کو بار بار بیان کر کے اتنا واضح کر دیا ہے کہ اب اس معاملے میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہ گئی، مگر اس سے فائدہ وہی شخص اُٹھا سکتا ہے، جو سچے دل سے نصیحت حاصل کرنے کو تیار ہو۔ لیکن باوجودیکہ توحید کا ہر لحاظ سے بیّن اور واضح بیان ہے پھر بھی بدباطن لوگ ایچ پیچ ڈال کر اصلیت کو اپنے زعم باطل میں گُم کر دینا چاہتے ہیں، مگر انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ پھونکوں سے چراغ بجھایا نہیں جا سکتا۔ اگرچہ ناقدردان اور مشرکین حسد کی آگ میں جلتے رہیں، ایسے لوگ یہاں بھی جلتے رہتے ہیں اور دوسرے عالم میں بھی آگ ہی کا اوڑھنا بچھونا پاتے ہیں۔ لوگو! وقت ہے کہ تائب ہو کر خالصتہً پروردگار کے ہو رہو۔ یاد رکھو! اس کے بغیر تمام سہارے تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہیں۔ مشرکانہ عقیدہ نتائج کے لحاظ سے بڑی تکلیف دہ عذاب کا موجب ہوگا۔ دیکھو! نبی علیہ السلام جیسے پیغمبر کو بھی حکم ہوتا ہے کہ):

(۱۴) قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ۝ کہہ دے: میں اللہ تعالےٰ (کامل مطلق) کی عبادت کرتا ہوں خالص کرتا ہُوا اُس کے واسطے بندگی (اور چاہیے کہ تم بھی دوسروں کو ساتھ ملائے بغیر اُسی معبودِ برحق کی بندگی کرو۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے کہ تکالیف سے بچ کر ایسی ایسی نعمتوں کو پاؤ گے، جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ آگے تمھیں اختیار حاصل

ہے۔ جو راہ تمہیں پسند ہے، اس پر گام زن ہو جاؤ؛ بر رسولاں بلاغ باشد و بس میرے لائے ہوئے دین میں ذرہ جبر نہیں ہے۔ صرف واضح دلائل دے کر نیک و بد کام کا انجام بتایا جاتا ہے۔ آئندہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ فرمانِ ایزدی کے ماتحت خوبی و صلاحیت کے کام کر کے ابدی نعمتیں حاصل کرو یا سرکشی کر کے لمبے زمانے تک طرح طرح کی تکالیف میں پھنسو اور بہت بڑا عرصہ دکھ دینے والے عذابوں میں گذارو۔ اگر تمہیں یہی منظور ہے، تو پھر بڑی خوشی سے آگ میں کود جاؤ، یعنی)

(۱۵) فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ پس اللہ (کامل مطلق) کے سوا جس کی عبادت تمہاری مرضی ہو، کرو (مگر یاد رکھو کہ دنیاوی فوائد کچھ اٹھا لو، مگر عقبیٰ میں اس مشرکانہ عقیدے کا بدلہ بڑی بری طرح ملے گا، مگر اس وقت پشیمانی اور افسوس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حقیقت کے لحاظ سے مشرکین دنیا میں بھی بے چین ہی رہتے ہیں۔ اطمینانِ قلب سوائے توحید پر گام زن ہونے اور ذکر الٰہی کرنے کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ غرض شرک کا اثر دنیا میں بھی موجود ہے اور عقبیٰ میں تو کھلا ہوا نظارہ سامنے آجائے گا۔ لوگو! گناہ پر دلیر ہو کر نقصان اٹھانے والے نہ بنو۔ شرک و معصیت کے باعث اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو غارت نہ کرو۔ مشرکین کا جو نقشہ ان الفاظ میں کھینچ کر دکھایا گیا ہے، اس کو سامنے رکھ کر نصیحت حاصل کرو) کہہ دے: بلاشبہ گھاٹا اٹھانے والے وہ لوگ ہیں، جنھوں نے قیامت کے روز نقصان پہنچایا اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل و عیال (اور دوستوں وغیرہ) کو۔ سُن رکھو، یہ بڑا واضح نقصان ہے (خود بھی پھنسے اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے۔ دیکھو ان کی کیا حالت ہو رہی ہے، ہر طرف سے ان پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۱۶) لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ ان (مجرمین) کے واسطے ان کے اوپر سے لحاف ہیں آگ کے اور ان کے نیچے سے (بھی آگ ہی کے) لحاف ہیں

(جس طرح کھولتا ہوا پانی کبھی نیچے کبھی اوپر ہوتا ہے، یہی صورت وہاں اشرار کے عذاب کی ہے۔ پس وُہ کام کرو، جن میں آرام اور دائمی راحت ملے، نہ کہ یہ جو کچھ اوپر بتایا گیا ہے۔ ایسے خوف ناک منظر سے تو دل کانپ جانے چاہییں اور رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہییں، نہ کہ اس عالی شان تعلیم پر پھبتیاں اُڑائی جائیں سُنو! کس محبّت سے تمہیں سرکشی اور نافرمانی سے باز رکھنے کا سبق دیا جاتا ہے، مگر تم ہو کہ اس آواز پر کان ہی نہیں دھرتے۔ فرمایا) اسی طرح اللہ اس (دردناک عذاب) سے اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے (نہ کہ کسی اور کے بندوں کو۔ لوگو! تمہارے یہ اعمال دیکھ کر خدا تعالےٰ تمھیں اپنے بندے ہی قرار دیتا ہے، پس تمھیں شرم آنا چاہیے کہ جب وہ تمھیں اپنے بندے ہونا پسند فرماتا ہے، تو کیا اس کو معبودِ حقیقی کہتے ہوئے تم جھجکتے ہو؟ اور اس کا حق دوسرے اپنے جیسوں کو دینا گوارا کرتے ہو؟ دیکھو اعلانِ خداوندی اور فرمانِ الٰہی کہ) اے میرے بندو! (میرے بندے ہو کر ڈرتے نہیں؟) پس مجھ (ہی) سے ڈرو۔ (اور صرف میری ہی پوجا کرو۔ میرے ہی احکام کو مانو مجھ ہی پر پورا بھروسہ رکھو۔ بُرائیوں سے بچتے رہو۔ غیر اللہ کی پرستش سے سخت نفرت کرو اور اچھے کام کر کے اعلےٰ درجے حاصل کرو۔ جیسا کہ فرمایا)

(۱۷) وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ اور وہ لوگ جو طاغوت سے بچتے ہیں (یہ کہ شیطانی جذبات، اصنام پرستی، کاہن و ساحر کے فریب، فرقہ بندی کی لعنت اور بے دلائل باتوں کی تقلید وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں، کیوں کہ بغیر دلائل کے کسی کی بات کو بے غلط ماننا ہی اس کی پوجا ہے جس سے قطعاً اجتناب لازم ہے، تو ایسے متقیوں کے واسطے بہت بڑے انعام کی بشارت ہے، جو لوگ اس سے اجتناب کرتے ہیں کہ ان کی (یعنی من دون اللہ معبودوں کی) پوجا کریں (وہ ہرگز ایسے بُرے افعال نہیں کرتے، بلکہ اللہ کامل مطلق سے اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں) اور اللہ سے رجوع کرتے ہیں، ان کے لیے خوش خبری ہے (یہ خوش خبری صرف ایک خدا کے ماننے سے ملتی ہے، نہ کہ اس کے شرکاء بنانے سے۔ پس آمنا باللہ وحدہٗ ہی ذریعۂ نجات ہے۔ یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے) پس میرے بندوں کو یہ

خوش خبری سنا دے (دیکھو بندگانِ [redacted] خاصہ کیا ہے ان کا رویہ مقلدانہ نہیں، بلکہ وہ مجتہدانہ روش رکھتے ہیں۔ ان میں استنباط کی طاقت ہوتی ہے۔ وہ نیک دماغ ہیں خدا کی عبادت کی ہوئی سمجھ سے کام لیتے ہیں، اپنی عقل کو معطل نہیں کر دیتے اور دوسروں کی باتوں آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کرتے، بلکہ غور و فکر کر کے بہتری کی طرف جاتے ہیں نامعقول کی کوئی پروا نہیں کرتے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مرعوب اور نادم نہیں ہوتے، ان میں تحقیق کی عادت راسخ ہو جاتی ہے۔ پس وہ کون ایسے لوگ ہیں؟)

(۱۸) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ وہ لوگ (ہیں) جو ہر قول کو سن لیتے ہیں (پھر ان میں موازنہ کر کے بہت اچھی بات کو ترجیح دے کر مان لیتے ہیں، یعنی) پھر اس کے احسن کی پیروی کرتے ہیں (حقیقتہً قرآن ہی احسن الحدیث ہے۔ اس پر چلنے والے اصل بندے ہیں نہ کہ معجونِ مرکب دین بنانے والے۔ انسان کو مخلص بننا چاہیے، نہ کہ مفسد۔ ارشاد ہوتا ہے) یہی وہ (سلیم الطبع) لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دماغوں والے (یعنی عقل مند، صاحبِ ہوش، باریک بین) ہیں (یہی لوگ اکیلے خدا پر توکل کرنے والے ہوتے، نہ کہ وہ جو خدا کے سوا دوسروں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ تو یقیناً جہنمی ہیں، ان کا کوئی مددگار وغیرہ نہیں ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے)

(۱۹) أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ

پھر کیا جس پر قول صادق آ گیا عذاب کا (کہ بموجب قانونِ الٰہی مجرم ہے، تو کون قانون شکن پھر میدانِ انصاف میں نکل کر اس کو چھڑائے گا۔ اور تو اور، اے رسولِ کریم!) پھر کیا تو اس کو چھڑائے گا، جو آگ میں ہے (ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا ہے، کیوں کہ انھیں اعمالِ بد کی پاداش میں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ بما کسبت ایدیھم کے یہی معنیٰ ہیں کہ جو کچھ انھوں نے کمایا ہوا تھا، وہی ان کو ملا، ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہوا، نہ خدا اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہے۔ یہ تو بدکار اور مشرک مجرموں

کا انجام بتایا، اب آگے مقابلۃً خوفِ خدا رکھنے والے اور اعمالِ بد سے بچنے والوں کا حال بتایا کیوں کہ اُس روز نیک و بد میں کھلی تمیز ہو جاتی ہے، نہ کہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا کہ بدکار تو یہ سزائیں بھگتیں گے،

(۲۰) لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝

لیکن جو متقی (خدا کی رضا میں اپنی خواہشات کو قربان کر دینے والے) ہیں (یعنی صرف) اپنے رب کا ڈر رکھنے والے، ان کے لیے بالاخانے ہیں، جن کے اوپر بالاخانے ہیں، جو کبھی بھی فنا ہونے والے نہیں ہیں۔ ان کے نیچے سے نہریں جاری ہیں (یہ نتائج اُن کے دنیا کے کاموں ہی سے نکلتے ہیں۔ اُنھیں جو وعدہ دیا جاتا تھا، اس کا عین ظہور ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا) یہ اللہ کا وعدہ ہے (تو پھر کیوں کر نہ پورا ہوتا، وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔ وعدۂ خداوندی اٹل ہے۔ وعدہ خلافی پروردگار کی شان کے خلاف ہے، جیسے ارشاد ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا (عقل مندوں کو چاہیے کہ ایسے آرام والی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، نہ کہ صرف دنیا ہی کے لیے مرٹیں اور عقبیٰ کو فراموش کر دیں اور فنا ہونے والی چیز کے لیے ہمیشہ کے آرام اور دائمی راحت کو قربان کریں، پس جو شئے نہ مٹنے والی اور ترقی پر ترقی دینے والی ہو، اُس کے لیے سب کچھ نثار کر کے اس کے حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ جاؤ اور صلاحیت والے اعمال پر گام زن ہو جاؤ، تاکہ کبھی نہ مٹنے والی خوشی میسر ہو۔ چند روزہ دنیا پر نہ مرمٹو۔ ہاں جائز فائدہ اس سے بھی اٹھاؤ، مگر سب کاموں میں آخرت کو پیشِ نظر رکھو۔ خداوند کریم دین کے طالبوں کو دین و دنیا دونوں عنایت فرما دیتے ہیں جیسے سلیمانؑ کے قصہ میں ہے کہ انھوں نے آخرت کی بہتری مانگی، ان کو دنیا بھی اچھی دی۔ جن لوگوں نے صرف دنیا ہی کے قلیل فائدے کو ملحوظ رکھا، ان کو دیکھنا چاہیے کہ اِس دنیا کی بساط کیا ہے؟

فرمایا:)

(۲۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي

الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۝ کیا نہیں دیکھا تو نے (اے منکر!) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُتارا آسمان (یعنی بلندی) سے پانی، پس جاری ہوئے اس (پانی) سے چشمے (نہریں اور دریا وغیرہ) زمین میں، پھر نکالتا ہے (وہ خدا) ساتھ اس (پانی) کے (اپنی حکمتِ بالغہ کے ساتھ) کھیتیاں رنگ رنگ کی، پھر وہ سُوکھ جاتی ہیں، پھ تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر اللہ اس کو ریزہ ریزہ بنا دیتا ہے (پس اے نادانو! اس بے بنیاد چیز پر فدا ہو کر آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہو! ایک فانی چیز پر اتنی گرویدگی! تو بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اصلی اور دائمی آرام کو نظرانداز کر کے مختصر اور عارضی چیز پر نثار ہو رہے ہو۔ اس ساری صورتِ حالات کو سامنے رکھو، تو عقل مندوں کے واسطے اس میں ایک نصیحت ہے (سرکش اور ضدی تو کیا مانیں گے، وہ تو پھبتیاں اڑائیں گے، مگر یاد رکھیں، نتیجہ نکلے پر سخت پچھتائیں گے اور نیکوکار اپنے انعاموں پر بے حد خوشی منائیں گے۔ پس لوگو! فرماں بردار بن جاؤ، اصل اسلام پر جیو اور اسی پر تمہارا خاتمہ بھی ہو۔ یہ بڑا سادہ دین ہے، پس خالص خدا کی بندگی کرو۔ رسُول کو بھی اللہ تعالےٰ نے مسلم ہی بننا سکھایا، زمین و آسمان کا یہی دین اسلام، یعنی فرماں برداری ہی ہے۔ یہ دین شروع سے چلا آیا ہے۔ نوحؑ و ابراہیمؑ سب کا دین صرف اسلام، یعنی، اکیلے خدا کی پوجا کرنا ہی تھا۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے، اس شخص کی جس کو معبودِ حقیقی کی فرماں برداری کی سعادت مندی حاصل ہو اور دارین کی بہتری ملے۔ دنیا میں اطمینانِ قلب اور آخرت میں ایسا آرام و راحت کہ جس کا اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۲۲) اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ کیا پھر جو شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اسلام کے واسطے کھول دے، سو وہ

پروردگار کی طرف سے نور پر ہوتا ہے (کیا اس جیسا ہے، جو اپنی بداعمالیوں کے باعث نور سے محروم کیا گیا ہو؟) پس خرابی ہے اُن کے لیے جن کے دل سخت ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد (یعنی ذکر) سے (اکیلے خدا کو کافی نہ جانا اور دوسروں کو اُس کے ساتھ ملایا۔ نتیجہ کیا نکلا کہ) یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے (ہوئے بے چین) ہیں (پس اکیلے قرآن مجید کی طرف آنے سے یہ تمام بے چینیاں اور اضطراب مٹ جاتے ہیں۔ یہ کتاب خالص توحید کو پیش کر رہی ہے اور یہ دلائل پیش کر رہی ہے۔ اس میں کوئی عجوبہ، کوئی انوکھی اور نئی بات نہیں۔ یہ اسی اسلام کو دکھلا رہی ہے، جو بہ حیثیت زمان و مکان قدیم سے ہے، یہ کتاب اُن پردوں کو ہٹا رہی ہے، جو من دون اللہ پرستوں نے اپنے اعتقادی زنگ میں پہلی آسمانی کتابوں پر ڈال رکھے ہیں۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں قیامتِ کبریٰ تک باطل کو راہ نہ ملے گی۔ یہ اکمل کتاب ہے۔ خدا کی حفاظت میں ہے۔ ہمیشہ کے لیے دستور العمل بننے کی اس میں پوری صلاحیت ہے۔ یہ بے نظیر صحیفہ ہے، اس کا ایک نقطہ بھی غیر وحی نہیں۔ یہ کتاب ساری کی ساری خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ بلند ہے شان اس کے نازل کرنے والے کی، اس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے، وہ اَن گنت خوبیوں کی حامل ہے۔ پھر اس کی موجودگی میں غیر الٰہی کتابوں کے پیچھے دوڑتے پھرنا پرلے درجے کی نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟ لوگو! غور سے سنو! اور فرمانِ الٰہی کی قدر کرو اور بسر و چشم قدر کرو! یاد رکھو! اس کے بھیجنے والا اکیلا ہی کافی ہے۔ تم اس کے اس اعلان پر کان دھرو کہ کیا حق تعالیٰ کافی نہیں؟ کیا یہ کتاب تمہاری ضروریاتِ دین کو پورا نہیں کرتی؟ کیا اس کی ساری کی ساری باتیں بہت ہی اچھی نہیں؟ اگر نہیں، تو پھر کونسی کتاب اس جیسی ہو سکتی ہے؟ دیکھو اس کتاب کی خوبی اس کے نازل کرنے والے کی زبان سے:)

(۲۳) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مِن هَادٍ ○ اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) نے اُتارا (نازل کی، جو باتوں میں سب سے) بہت اچھی بات کو (اللہ
سے اور کس کی بات اچھی ہو سکتی ہے؟ وہی اچھی باتوں کا اُتارنے والا ہے۔ کس شکل میں؟ اس حال میں
(ہوتی ہوئی ایک کتاب (نہ کہ صحاح ستہ یا اربعہ وغیرہ وغیرہ، صرف ایک ہی کتاب کیسی ہے جو دو
مذاہب سے) ملتی جلتی دُہرائی گئی باتیں (مختلف پیرایوں میں توحید کو اس قدر واضح اور مفصل طور
پر بیان فرمایا کہ آسان کر دیا، پھر ہے کوئی نصیحت لینے والا؟ باوجود اتنی سہل تر تعلیم کے لوگوں نے
انبیاء، ملائکہ وغیرہ وغیرہ کو خدائے واحد کے ساتھ ملا کر ایک شرکیہ عقیدہ بنا لیا، جو خدا کے نزدیک
نہایت ناپسندیدہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس پُر عظمت و جلال مضمون کا دلوں پر اثر لیتے، مگر نا قدری
کی انتہا ہے کہ ڈٹ کر مقابلہ پر اُتر آئے۔ یہ ہیں شریر لوگوں کے کارنامے، جو بار بار بیان کی ہوئی
تعلیم کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں! مگر سب ایک سے نہیں ہوتے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے
والے بھی دنیا میں موجود ہیں، وہ جب غور و فکر سے اس نورانی تعلیم پر نظر کرتے ہیں، تو لرزہ بر اندام
ہو جاتے ہیں اور خوفِ خدا کو دلوں میں جگہ دے کر معبودِ حقیقی کے فرماں بردار بننے کی سر توڑ کوشش
میں لگ جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اس (پُر ہیبت اور عالی شان تعلیم) سے جلد (ان
پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کے جو اپنی ربوبیت کرنے والے کا خوف رکھتے ہیں (یہ سب
نیک نیتی اور صاف دلی سے ذکرِ الٰہی سننے کا اثر ہے) پھر نرم ہوتی ہیں اُن کی جلدیں (اور وہ اطمینان
پاتے ہیں) اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف (مائل ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا حال ہے
سچی تعلیم کا اثر لے کر اس پر عامل ہو جاتے ہیں، نہ کہ ظالم و مشرک وغیرہ۔ ارشاد ہوتا ہے، یہ
تعلیم جو دی جاتی ہے) یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جس کو (اپنے قانون
کے مطابق) چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے (یہ سعادت سچے اور مخلص مومن کو حاصل ہوتی ہے
نہ کہ سخت دل لوگوں کو اور اشرار و مفسدین وغیرہ کو) اور جس کو اللہ تعالیٰ (کامل مطلق بموجب
قانون بے غلط کے) گمراہ کرے۔ پس اس کے لیے کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں ہے (ہدایت
صرف خدا ہی سے ملتی ہے۔ ادھر اُدھر کہیں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ انبیاء بھی اسی خدا سے
دعا مانگتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ وہ خود صراطِ مستقیم نہ تھے۔ پس اے لوگو! جہنم سے بچنے
کے لیے اس احسن الحدیث کے ساتھ تعلق پیدا کرو۔ یہ اکمل دین ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ

چند اہم کتابیں

تعلیماتِ قرآن
(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں چند اصول و عقائدِ اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ در اصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے۔ جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۹۶ صفحات قیمت فی نسخہ دو روپیہ، علاوہ محصول ڈاک

مطالعۂ حدیث
(مدیر نگار کا تبصرہ) یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب

بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اُس مضمون کی، جو نگار میں شائع ہوا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ میرے اور اُن کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے۔ جس میں تدوینِ احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقاتِ نماز، ایامِ صیام اور زکوٰۃ کے متعلق احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/) علاوہ محصول ڈاک۔

حضرت محمد رسول اللہ
آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم کو دور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہلِ مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے۔ اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ ۱/۔ کے ٹکٹ بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

منیجر دفتر امتِ مسلمہ امرت سر

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، (کہ قول الٰہی ہے) آیات قرآنی اور صحیفہ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لئے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانون وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر

یعنی:- منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (ستے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ)

منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

منگانے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۳ || اگست ۱۹۴۱ء مطابق رجب المرجب ۱۳۶۰ھ || نمبر ۶

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے رہنما آرٹ پریس سنتوکھسر امرتسر سے چھپوا کر دفتر امتِ مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

مذہب اور سیاست | پچھلے مہینے نظام حیدرآباد کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا، اس کے دو ایک جملے حسب ذیل ہیں:

"مذہب اور سیاست، دو جداگانہ چیزیں ہیں، جنھیں آپس میں ملایا نہیں جاسکتا، اس لیے کہ اُن کی نوعیت ہی ایک دوسرے سے جداگانہ ہے۔ میرے ذاتی مذہبی عقائد کچھ بھی ہوں، لیکن سیاست کے معاملے میں ایک اَور مذہب کا بھی پیرو ہوں اور وہ مذہب ہے" ہر ایک کے لیے سلامتی"!

یہ اعلان، اوّل اوّل، ہندو اخبارات کے ذریعے، ہماری نگاہوں سے گذرا، اس لیے اس کی صحت کی طرف سے دل مطمئن نہ ہوا، لیکن پھر یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ پنجاب کے تمام مُسلم روزناموں اور ہندوستان کے دوسرے اُردو اور انگریزی جرائد میں بھی من وعن یہی اعلان شائع ہوا۔ تعجب، افسوس کی صورت اختیار کر گیا اور آج کئی روز کے بعد، ہم بڑے درد کے ساتھ اپنے افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضور نظام، ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے فرماں روا ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ وہ دنیا بھر کے متموّل ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ حکومت اور پبلک، دونوں کے نزدیک اُن کی عزت وشوکت مسلّم ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ہمارے قابلِ احترام مسلمان بھائی ہیں۔ ملک بھر میں متعدد اسلامی اور علمی ادارے اُن کی مستقل مالی امداد کے مرہونِ احسان ہیں اور اُردو زبان کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات انھوں نے انجام دی ہیں، وہ ہر لحاظ سے بے نظیر و بے مثال ہیں، مگر ان سب باتوں کے باوجود، ہمیں یہ عرض کرنے میں کوئی تامّل نہیں کہ دین کے معاملے میں انھیں فقیہانہ پوزیشن حاصل نہیں، وہ اسلام کے مفتی نہیں ہیں کہ اس بارے میں ان کی رائے کی وقعت کو ہر حال میں تسلیم کیا جاسکے۔ انھوں نے دین وسیاست کو ایک دوسرے سے بے تعلق کر کے دانستہ یا نادانستہ ایک غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اُن کا اعلان بنیادی طور پر اسلام کی روح کے خلاف ہے، اس لیے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اُن کے اس غیر اسلامی نظریے کی حقیقت واشگاف کر دیں۔ ہمیں اس بات پر بے حد افسوس ہے کہ اسلامی پریس نے اس اعلان کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دی، حالاں کہ اگر یہی اعلان کسی ہندو یا انگریز کی طرف

یا کسی چھوٹے موٹے مسلمان کی طرف سے شائع ہوتا، تو ہمارے تمام اخبارات پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتے، مگر یہاں معاملہ دگرگوں ہے، اس لیے تمام اخبارات کی زبانیں گنگ ہیں اور تمام علماء کے لبوں پر گویا مہر لگ گئی ہے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، جناب ممدوح کے اصل اعلان کی طرف توجہ کیجیے، ارشاد ہوتا ہے :

"مذہب اور سیاست دو جداگانہ چیزیں ہیں، جنھیں آپس میں ملایا نہیں جا سکتا" اگر یہ الفاظ عیسائیت سے متعلق ہوتے، تو بلا شبہ یہ اتنے ہی صحیح اور سچے ہوتے، جتنے اس وقت اسلام کے بارے میں غیر متعلق قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا، جب یورپ میں پوپ کی حکومت تھی۔ اس نے صدہا سال تک یورپ کے حکمرانوں پر اپنے مذہبی تقدس و برتری کا سکہ چلایا۔ دین کی تقدیس اور اس کے تفوق کی آڑ میں فریب اور مکاری کی راہیں اختیار کیں۔ سلطنت اور سیاست کے نظام میں بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا کیں۔ وہ اپنی خود غرضی اور نفس پرستی کے جذبات سے مغلوب ہو کر، جس حکمران کو چاہتا، تخت حکومت سے الگ کر دیتا، جسے چاہتا قتل کرا دیتا، جسے چاہتا رشوت لے کر دوبارہ بحال کرا دیتا۔ وہ لوگوں کی مادی اور سیاسی ترقی کی راہ میں مقدس مسیح کا نام لے کر روڑے اٹکاتا اور عوام الناس کی جماعتی اور معاشری زندگی میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کرتا۔ یہاں تک کہ اہل یورپ کا ناطقہ بند ہو گیا، یہاں تک کہ لوگوں کے محکوم و مظلوم انسانوں کی فطرت نے عیسائیت کی بے رحمانہ سیاست کاری کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی۔ اسی زمانے میں پہلے پہل انجیل کا ترجمہ ہوا اور اس طرح لوگوں کو پہلی مرتبہ یہ جاننے کا موقعہ ملا کہ جس مذہب کا نام لے لے کر پوپ اُن پر ظلم و ستم کرتا رہا ہے، اس کے ٹھیک ٹھیک حدود کیا ہیں؟ انجیل کا تجزیہ ہو چکا، تو یہ حقیقت پوری طرح الم نشرح ہو گئی کہ پوپ اب تک جن اختیارات کا وارث چلا آ رہا تھا، مذہب کی رُو سے وہ ان کا قطعاً مستحق نہ تھا، لہٰذا فیصلہ ہوا کہ اُسے صرف "روحانیت" اور "تقدس" کی اجارہ داری ہی سونپی جائے۔ اسٹیٹ (State) یعنی حکومت و سلطنت میں اُسے دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ آج یہ حالت ہے کہ یورپ کے گرجاؤں (Church) پر اس کا برائے نام تسلط باقی رہ گیا ہے اور اسٹیٹ پر ہٹلر، مسولینی، سٹالن اور چرچل حکومت کر رہے ہیں۔ یورپ آج آگ اور خون کی ہولی کھیل رہا ہے۔ پوپ نہ صلح کی اپیل کر سکتا ہے، نہ جنگ کا حکم دے سکتا ہے اور نہ دوسرے سیاسی امور میں مداخلت کر سکتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ گرجاؤں میں دعائیں کرانے کا اختیار رکھتا ہے، سو ظاہر ہے کہ یہ بھی

کوئی اہم معاملہ نہیں ہے، گویا اب اُس کی حیثیت ہوتے نہ ہوتے کے برابر ہو کر رہ گئی ہے!

اگر جناب ممدوح یا اُن کا کوئی ہم خیال، عیسائیت کا یہ انجام دیکھ کر اسلام کے متعلق بھی یہی نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ یہاں بھی دین اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں، تو یقیناً اُس نے اسلام کی روح کو نہیں سمجھا۔ عیسائیت میں "سیاسیات" کا کوئی ضابطہ ہی سرے سے موجود نہیں، بلکہ یہ سارے کا سارا مذہب قصے کہانیوں پر مشتمل ہے یا تھوڑی بہت رہبانیت کی تعلیم اس میں پائی جاتی ہے۔ وہاں اگر اس میں کوئی سیاسی، اجتماعی یا معاشرتی اخلاق کی تعلیم بھی ہے، تو محض اتنی کہ "جو کوئی تمھارے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو"۔ پس ایسے حالات میں اہلِ یورپ مجبور ہیں کہ اس ناقابلِ عمل مذہب کو بالائے طاق رکھ کر اپنا ایک الگ سیاسی نظام قائم کریں، ورنہ اس تعلیم کے عملی امتحان کا موقعہ انھیں موجودہ جنگ میں پیش کرنا چاہیے تھا۔ جب ہٹلر نے پولینڈ پر حملہ کیا تھا، تو انھیں لازم تھا کہ ہالینڈ از خود اس کے حوالے کر دیا جاتا۔ ہالینڈ پر قبضہ ہوتا، تو ناروے اور پھر یکے بعد دیگرے بیلجیم، ڈنمارک، فرانس، بلقان اور کریٹ وغیرہ سب کے سب اس کے راستے پر ڈال دیے جاتے، مگر انجیل کی صاف و صریح تعلیم کے باوجود ایسا نہیں کیا گیا اور یہی انجیلی سیاست کی ڈگر سے سیاست کا نادرست ہونا بہت بڑی ناکامی ہے!

مگر اسلام پر یہ کتنا بڑا بہتان ہوگا کہ اگر اس کے متعلق بھی یہی کہا جائے کہ وہ تعلیم سیاست سے خالی ہے۔ اگر قرآن اور اسلام دو مترادف چیزیں ہیں اور قرآن سے باہر کوئی "اسلام" موجود نہیں، تو پھر ہمیں یہ شبہ ہے کہ ایسے اصحاب نے قرآن مجید کے بنیادی اور اساسی مسائل کو کبھی گہری نگاہ سے دیکھا ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مذہب اور سیاست دو جداگانہ چیزیں ہیں، جنھیں آپس میں ملایا نہیں جا سکتا۔ مگر قرآن کا ارشاد ہے کہ دین اور سیاست اس طرح یک جا ہیں کہ انھیں الگ کیا ہی نہیں جا سکتا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا (النور۔ ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا، جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور اُن کے دین کو جسے اُس نے اُن کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم و پائدار کرے گا اور خوف کے بعد اُن کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائیں گے۔

اس ارشاد پر غور کیجیے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ، یعنی، دین پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو زمین کی خلافت یعنی (State) کا مالک بنایا جائے گا اور زمین کی حکومت دینے کا مقصد یہ نہیں ہوگا کہ اسے حاصل کرنے کے بعد دین کو ناقابلِ التفات قرار دیئے اور اُسے اسٹیٹ سے الگ کردینے کے اعلانات شروع کردیے جائیں، بلکہ اس کا واحد مقصود یہ ہے کہ دین کی حفاظت کی جائے، اُسے مستحکم بنانے کی، اس کا سکہ چلانے کی، اس کے اوامر و نواہی کو نافذ کرنے کی کوشش کی جائے، رعایا کو امن و سلامتی کی زندگی عطا کی جائے، خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور توحید کے جھنڈے لہرائے جائیں۔

پھر قرآن مجید کے احکام (یعنی اوامر و نواہی) پر غور کیجیے۔ اسٹیٹ نہ ہوگی، تو ان بے شمار احکام کو نافذ کیوں کر کیا جائے گا؟ قرآن مجید کی بے شمار آیتوں میں جہاد کا حکم ہے۔ زمین کی حکومت کے قیام یا اس کے حصول کی غرض و غایت کے بغیر جہاد ایک امر بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے! بے شمار آیات میں نکاح و طلاق کے احکام ہیں، اسلامی اسٹیٹ کا فرض ہے کہ وہ عورتوں اور مردوں کے ازدواجی جھگڑوں کا قرآن مجید کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق تصفیہ کرے! قرآن میں وراثت کے قواعد ملتے ہیں، اگر مسلمانوں کے پاس اسٹیٹ نہ ہوگی، تو تقسیمِ وراثت کے جھگڑے کیوں کر طے ہوں گے؟ قرآن میں قرض و رہن کے احکام ہیں، قصاص و دیت کے احکام ہیں، قتل، زنا، لوٹ مار، ڈکیتی، چوری، شراب خواری اور قماربازی، خیانت اور فساد کے متعلق تعزیرات کا ایک مفصل ضابطہ ہے۔ اگر دین کو سیاست سے الگ کردیا جائے، تو ان بے شمار احکام پر کیوں کر عمل کیا جاسکے گا؟ کیا مذہب سے الگ بنائی ہوئی اسٹیٹ ان تمام جرائم کے متعلق ایک علیحدہ دستور العمل تجویز کرے گی؟ کیا اسلام کو سیاست سے الگ قرار دینا نعوذ باللہ اسلام کو ایک نامکمل مذہب ثابت کرنے کے مترادف نہیں ہوگا؟

اسلام کے انتظامی معاملات میں تو "سیاست" بہرحال ظاہر و باہر ہے، لیکن ایسے معاملات جنھیں "خالص روحانی" سمجھا جاتا ہے، اسلام نے اُن میں بھی سیاست کو سمو کر رکھ دیا ہے۔ نماز کو لیجیے، بظاہر یہ عابد و معبود کا باہمی علاقہ معلوم ہوتی ہے، لیکن اسے جماعت کے ساتھ مختص کرکے مسلمانوں میں ڈسپلن، یعنی، ضبط، اطاعتِ امیر اور سپاہیانہ زندگی پیدا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مسجدیں خالصۃً خدا کا گھر کہلاتی ہیں اور متجددین کے نزدیک "خدا کے گھر" کو انسانی سیاسیات سے کوئی تعلق بھی نہیں ہونا چاہیے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خدا کے گھروں سے، انھیں عبادت گاہوں سے اسمبلی

اور کونسل کا کام بھی لیا، یعنی مسجد ہی میں مسلمانوں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوتی تھی، وہیں جنگی مہمات کا فیصلہ ہوتا تھا، وہیں سے لشکر آراستہ کر کے باہر بھیجے جاتے تھے۔ وہیں عدالت کا کام ہوتا تھا، وہیں مال غنیمت تقسیم ہوتا تھا، وہیں فنڈ جمع ہوتے تھے اور وہیں بیت المال بھی قائم تھا۔ پھر ان ثبوتوں کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ دین سیاست سے ایک الگ چیز ہے، کتنی بڑی ناواقفیت کی علامت ہے!

اور بالخصوص یہ الفاظ تو قطعاً غلط فہمی پر مبنی ہیں کہ "میرے ذاتی مذہبی عقائد کچھ بھی ہوں لیکن نظام (سیاست) کے معاملے میں ایک اور مذہب کا بھی پیرو ہوں اور وہ مذہب ہے ہر ایک کے لیے سلامتی"

گویا آپ کے نزدیک "اسلام" ایک ایسا مذہب ہے، جس کی پیروی" ہر ایک کے لیے سلامتی" کی ضامن نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسلام غیر مسلموں پر جبر کی تعلیم دیتا ہے۔ اس میں کم زوروں کی حفاظت کا کوئی ضابطہ، مظلوموں کی دادرسی کا کوئی قانون، عوام الناس کے امن و سلامتی کا کوئی دستور ہی موجود نہیں، اس لیے انھیں مجبور ہونا پڑا کہ اسلام کے ساتھ ساتھ "کسی اور مذہب" کی پیروی بھی جاری رکھیں۔ ہم حیران ہیں کہ اسلام جیسے بے ریب و بے غلط دین کی موجودگی میں انھیں "ایک نئے مذہب" کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟ شاید اس لیے کہ ان کی ریاست میں مسلمان ہی نہیں، ہندو، سکھ، عیسائی، اچھوت وغیرہ بھی آباد ہیں، اس لیے ضرورت پڑی کہ ایک ایسا "مذہب" ایجاد کیا جائے جو ان کی غیر مسلم رعایا کی "سلامتی" کا موجب ہو، مگر جب ہم قرآن مجید میں یہ ارشاد دیکھتے ہیں، تو ہمیں ان کی دینی معلومات پر حیرت ہوتی ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ الخ | اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے، تو اسے پناہ دے۔

"اسلام" کے تو معنی ہی صلح و سلام کے ہیں! "مسلمان" کی تعریف ہی یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے لوگوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے! کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حکومت میں کفار و مشرکین موجود نہ تھے؟ اگر تھے، تو کیا ان کے جان و مال کی حفاظت نہیں کی گئی؟ اگر کی گئی اور یقیناً کی گئی، تو مہربانی کر کے ارشاد فرمایا جائے کہ حضورؐ نے اسلام کے رو سے ایسا کیا تھا، یا آپؐ کو بھی کوئی اور مذہب تلاش کرنا پڑا تھا؟ مسلمان تیرہ صدیوں سے آزاد سلطنتوں کے مالک رہتے ہیں، لیکن ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی مسلمان حکمران نے خود اپنا مذہب تو الگ رکھا ہو اور رعایا کے لیے الگ مذہب بنایا ہو! صحابہ کرام رضؓ نے عرب و عجم کے وسیع خطوں پر اسلامی حکومت کا سکہ

چلایا، لیکن تاریخ یہ کہیں ظاہر نہیں کرتی کہ انھوں نے یہودیوں، عیسائیوں اور زرتشتیوں پہ ایک "ملاور مذہب" کے ساتھ حکومت کی ہو؟

مگر عہدِ حاضر کی منطق ہی انوکھی ہے۔ ہندوؤں کی خوشامد اور چاپلوسی کے لیے اسلام تک کو ناقص قرار دیا جاتا ہے، حالاں کہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں کہ کسی ہندو والیِ ریاست نے اپنی مسلمان رعایا کی دل جوئی کے لیے اعلان کیا ہو کہ وہ ہندو ہوتے ہوئے بھی کسی دوسرے مذہب کا پیرو ہے!

اسلام میں اوّل تو دین وسیاست کا گٹھ بندھن ایسا ہے کہ ایک دوسرے سے الگ ہو ہی نہیں سکتا، لیکن اگر مُلاؤں کی تقلید میں چند "عقائد و رسوم" کو مذہب قرار دے دیا جائے اور قرآن مجید کے بہت بڑے حصّے کو سیاست سمجھ کر الگ کر دیا جائے، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ "دین" آخر کیا چیز ہے، جو ہمارے پاس بچ رہے گی؟ علاّمہ اقبال نے کیا خوب فرمایا تھا:

Islam is an ethical ideal plus a certain kind of polity

یعنی، اسلام ایک اخلاقی نصب العین بھی ہے اور ایک ضابطۂ سیاست و معاشرت بھی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس سیاست کے پاس "اخلاقی نصب العین" ہی نہ ہوگا، وہ نوعِ انسان کے لیے کس حد تک مفید ثابت ہوگی! اسلام اگر جہاد کا حکم دیتا ہے، تو اس کے ساتھ اخلاقی قیود بھی عائد کرتا ہے۔ مثلاً:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ہ	اور اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں اور (اپنی طرف سے) زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ حد سے باہر نکلنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اب اس حکم کے اخلاقی اور سیاسی پہلوؤں کا تجزیہ کرنا چاہیے۔ سیاستِ مطلق یہ ہے کہ "اپنے دشمنوں سے جنگ کرو"۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم بہت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر لڑائی کا اذنِ عام دے دیا جائے اور اس کے ساتھ کوئی قید نہ لگائی جائے، تو یہ چیز انسان کو ہلاکو، چنگیز اور ہٹلر تو بنا سکتی ہے، لیکن ایک مومن مجاہد کا رتبہ نہیں دلا سکتی۔ ہٹلر نے آج اپنی فوجوں کو قَاتِلُوْا کا حکم تو دے رکھا ہے، مگر اس حکم کے ساتھ کوئی اخلاقی ضابطہ، کوئی روحانی نصب العین تجویز نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ

ہے کہ جن ڈیڑھ درجن آزاد ممالک بالکل بے قصور و بے گناہ ہونے کے باوجود پا بہ زنجیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ لاکھوں انسان، جن میں بچے بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں، نوجوان مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، موت کی دھکتی ہوئی آگ میں دھکیل دیے گئے ہیں۔ صدہا زندہ اور آباد بستیوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا ہے اور زمین کے تختے پر آگ اور خون کے دریا بہا دیے گئے ہیں۔ اگر ہٹلر کے بجائے کوئی مسلمان جرنیل ہوتا (اور شرط صرف اتنی ہے کہ وہ نظام حیدر آباد کی طرح اسلام کے علاوہ ایک اور مذہب کا بھی پیرو نہ ہوتا) تو وہ قَاتِلُوْا کے حکم کے ساتھ چند اخلاقی شرطیں بھی عائد کر دیتا۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جنگ صرف فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ہو، یعنی، دین کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے لڑی جائے اور لڑی بھی کن لوگوں کے ساتھ جائے؟ ہر کس و ناکس کے ساتھ نہیں، بلکہ صرف اُن لوگوں کے ساتھ؛ جو خود اس کی ابتدا کریں، اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔ جنگ کی اجازت کے ساتھ ایک اور بڑی شرط یہ ہوتی کہ لَا تَعْتَدُوْا، تم زیادتی نہ کرو، یعنی، نہ تو لڑائی کی ابتدا ہی تمھاری طرف سے ہو اور نہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہی تم کسی طرح کی زیادتی کرنے پاؤ، اگر دشمن ہتھیار ڈال دے اور صلح کا طالب ہو، تو تمھارے لیے یہ قطعاً جائز نہیں کہ ایسے حالات میں بھی تم بے دریغ تلوار چلاتے رہو! پھر ان اخلاقی شرائط کے علاوہ ایک روحانی وعید بھی سنا دی گئی کہ "اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا" ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ایمان سے منور ہوں گے، وہ ان اخلاقی شرائط کی پابندی کے لیے کیوں کر مجبور نہ ہوں گے؟

پس یہ ایک نقطہ ہے "دین و سیاست" کی علیحدگی اور یک جائی کا، جس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ علامہ اقبال نے ان تمام حقائق کو صرف ایک شعر میں پیش کیا ہے

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

محمد اقبال سلمانی

امیرِ اُمتِ مُسلمہ میاں مولا بخش رحمہ اللہ

ایک عمر کا تعلق تھا اور اکثر امور و معاملات میں اتحاد و توافق، اس لیے حضرت مرحوم کے ذکرِ مبارک کے ساتھ جہاں بہت سے مرحوم و موجود بزرگوں کا ذکر کرنا ناگزیر ہے، وہاں راقم کو اپنے متعلق بھی مجبوراً کچھ ہذیان سرائی کرنی پڑے گی۔

اس تمام داستان کی بنا قرآن مجید ہے۔ مجھے اِس کتاب مبارک کو عقلی طور پر سمجھنے کا شوق تھا اور یہ شوق کہیں سے کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ استاذ مرحوم حضرت حکیم ظفراللہ سے میں نے دوسرے اسباق کے ساتھ ساتھ پہلا پارہ پڑھنا شروع کیا، تو پہلے ہی دن شک و اعتراض کا دفتر کھول دیا۔ آپ نے دو ایک جواب دے کر فرمایا: "یہ طریق پڑھنے کا نہیں۔ پہلے سرسری ترجمہ پڑھ جاؤ، پھر تفسیری نکات میں غور کر لینا۔" چوں کہ میں اس سے پہلے بھی بعض علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر تسلی حاصل نہیں کر سکا تھا، اس لیے آپ کے ارشاد کو بادل ناخواستہ تسلیم کیا اور مرحوم پیر تاج دین امام مسجد کھلو کی وساطت سے مولانا عقیل بٹ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بہت صالح بزرگ، پرانی طرز کے عالم اور فدرتی مومن تھے، جن کو شک و اعتراض نے چھوا تک نہیں تھا۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے انداز پر لفظی ترجمہ (جتنا میں چاہتا) پڑھا دیتے تھے۔ جہاں میں اُن کے کسی فقرے سے مطلب اخذ نہ کر سکتا اور وضاحت کے لیے درخواست کرتا، تو عموماً انھیں الفاظ کی تکرار فرما دیتے اور میں یہ سمجھ کر خاموش ہو جاتا کہ اس سے آگے ان کے بس کی بات نہیں۔ میں نے تخمیناً دو ماہ کے قلیل عرصے میں قرآن مجید کا تقریباً ۳/۴ حصہ نظر سے گذار لیا۔ اس سے آگے تراجم کی مدد سے خود ہی دیکھ لیا۔ اب میرے سامنے جہل اور اعتراضات و شکوک کا ایک پہاڑ تھا جس کو پھاند کر میں قرآن مجید کے مفہوم تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھا۔ ایسی ہی مشکلات اکثر تحقیق پسند اصحاب کو پیش آتی ہیں، تو وہ علماء کی بارگاہ سے تسلی نہ پا کر ہمیشہ کے لیے سبیل لادینی پر جا پڑتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔

لہ یہ ایک محاورہ بن گیا ہے، ورنہ امام غزالی، امام ابن تیمیہ، حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ رحمہم اللہ کون سے [illegible] تھے، جنھوں نے ذہن تحقیق و تدقیق کو ہم پایۂ آسمان کر دیا؟ (منہ)

حضرت طغرائی مرحوم کے مطب میں خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے۔ میں حکیم صاحب اور بعض دوسرے اصحاب سے اُن کے تکلمات سُنا کرتا تھا اور ان کی نکتہ رس طبیعت کو اپنی طلب و تشنگی سے بہت مناسب پاتا تھا۔ حکیم صاحب سے مشورہ کر کے طے پایا کہ قرآن مجید مفسراً اور مفصلاً آپ سے پڑھا جائے۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ روزانہ کچھ وقت حکیم سلطان احمد مرحوم کی دکان پر بیٹھتے ہیں۔ میں نے وہاں پہنچ کر اپنا شوق ظاہر کیا۔ آپ نے عدیم الفرصتی کی کرانکار کر دیا۔ یہ آپ کی عادت تھی، عموماً وعدہ اور ذمہ داری سے بہت بچا کرتے تھے اور جب وعدہ کر لیتے، تو پھر لازماً پورا کر ہی دیتے۔

یہاں مجھے معلوم ہوا کہ آپ میاں مولا بخش کی دکان سے ملحقہ مسجد میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں۔ میاں صاحب اپنی تجارتی اور دینی خدمتوں کے سبب شہر بھر میں مشہور تھے۔ میں انھیں بچپن سے جانتا تھا۔ جمعے کے دن مسجد میں گیا، خطبہ سُنا۔ آیات کا قدرتی ربط اور تشریح کی معقولیت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ عموماً حل مشکلات و جواب اعتراضات دوران تقریر میں خود بخود سامنے آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے جاں بلب پیاسے کو چشمہ کوثر مل گیا۔ میں نے مسجد سے فارغ ہوتے ہی، اپنی بے وقعتی اور میاں صاحب کی عظمت و جلالت کے خیال سے، ڈرتے ڈرتے ان سے تدریس کے لیے سفارش چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں ہفتے میں دو مرتبہ رات[51] کو علمی مجلس ہوتی ہے، تم بھی آ جایا کرو اور اپنے شکوک پیش کیا کرو۔۔۔۔۔۔ میں قدرتی طور پر سالوں، مہینوں وغیرہ کے حسابوں سے کورا واقع ہوا ہوں۔ میری اسی کم زوری نے مجھے مدرسے سے بھگایا تھا۔ اس لیے مجھے ان واقعات کے سنین یاد نہیں۔ سرسری یاد ہے کہ یہ جنگ عظیم کا دَور تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے "الہلال" اور پھر "البلاغ" کے چرچے تھے۔ میں نے باقاعدہ حاضر مجلس ہونا شروع کر دیا۔ یہ مجلس حضرت میاں صاحب کے علمی اور دینی شوق کا مظہر اتم تھی۔ آپ حاضرین مجلس سے بلا لحاظ کہتر و مہتر نہایت اخلاص و تکریم کا برتاؤ کرتے۔ اس مبارک مجلس کے خاص ارکان، جو مجھے یاد رہ گئے ہیں، حسب ذیل تھے:

(۱) حضرت خواجہ صاحب مرحوم (۲) حضرت میاں صاحب مرحوم (۳) حضرت خواجہ غلام محمد صاحب محقق نفعنا اللہ بطول بقائہ۔ ان کے علاوہ ہر مجلس میں دو چار اور صاحب بھی ہوتے، جن کی حیثیت عموماً سامع کی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی حکیم طغرائی مرحوم، بابا کالو سائیں مرحوم اور خلیفہ نور محمد صاحب بھی اپنی شمولیت

---

[51] غالباً ہفتہ اور منگل۔

سے محفل کو زینت بخشتے۔ باہر سے آنے والے بزرگوں میں مخدومی خواجہ عباد اللہ صاحب اختر ابقاھم اللہ تعالیٰ اس مجلس سے خاص شغف رکھتے تھے۔ احمد بابا مخدومیؒ، مولوی عصمت اللہ مرحوم لاہوری احمدی اور بہت سے مختلف مذہب وعقیدہ کے اصحاب کی صحبت بھی یہیں میسر آتی تھی۔ ابتداءً اکثر مسائل میرے فہم سے بلند ہوتے تھے اور میں خموشی سے سُنا کرتا تھا۔ مجھے اظہارِ اعتراض کے لیے کہا بھی جاتا، تو میں اپنے آپ میں جرأت نہ پاکر چپ رہتا۔ وجود و شہود، جبر و اختیار، فلکیات، روحانیات، طبقات الارض، خوارق و معجزات، تاریخ قدیم صحف انبیاء وغیرہ بے شمار مسائل پر عمیق و دقیق بحثیں ہوتیں، جن میں مجھ ایسے نوشوق کو اعتراض کرنا تو درکنار، سمجھنا بھی مشکل ہوتا تھا، تاہم مجھے لذت حاصل ہوتی تھی اور روز بروز میرے حجاب دُور ہوتے گئے۔

حضرت میاں صاحب نے کسی علمی زبان یا فن کی تحصیل تو نہیں فرمائی تھی، لیکن اہلِ علم کی مسلسل ہم نشینی اور فطری ذہانت کا فیض تھا کہ بحث و تمحیص میں عموماً برابر کا حصہ لیتے تھے۔ باقاعدہ صرف و نحو نہیں جانتے تھے، لیکن قرآن مجید با ترجمہ و تشریح پڑھا دیتے تھے۔ احادیث کا بہت سا حصہ بھی بذریعۂ تراجم نظر سے گذر چکا تھا۔ زبانی زبانی صرفی و نحوی مسائل بھی پوچھتے رہتے تھے۔ کسی عمدہ دینی کتاب کی تعریف سُنتے، تو عام اس سے کہ وہ اُردو ہو یا عربی، کم قیمت ہو یا بیش قیمت، اس کو مہیا کر لیتے۔ اُردو ہوتی، تو اس کا خود مطالعہ فرماتے، مشکل مقامات حضرت خواجہ صاحبؒ سے حل کرلیتے۔ فارسی، عربی یا انگریزی ہوتی، تو خواجہ صاحبؒ اور دیگر اہلِ علم دوستوں سے استفادہ کرتے۔ بہت چھوٹی عمر میں پنجاب کے خورشید ہدایت حضرت مولانا غلام علی قصوری رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی تعلیم پائی تھی۔ اسی صحبت مبارکہ میں حضرت خواجہؒ سے متعارف ہوئے تھے۔ مولانا مرحوم کا ذکر عموماً شوق و عقیدت سے کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے: مولانا کے اخلاق و جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ ہم جمعہ (چھٹی) کا دن بھی آپ ہی کے پاس گذارتے تھے۔ ولنعم ما قیل:

درسِ ادیب اگر بود زمزمۂ محبتے!
جمعہ بمکتب آورد طفلِ گریز پائے را

نیز فرماتے تھے: ہم کبھی کبھی آئینہ لے کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے رُوئے مبارک کے سامنے کر دیتے تھے،

۱؎ الحمد للہ کہ اس عاجز کو بھی ایسے ہی اساتذہ نصیب ہوئے، جن سے دُوری شاق ہوتی تھی، اعنی حکیم طغرائی، حکیم زاہد علی اکبر آبادی، خواجہ احمد الدین رحمہم اللہ۔ (منہ)

تو آپ فرماتے: "فتبارک اللہ احسن الخالقین"

فراخیٔ مشرب کا یہ عالم تھا کہ ہر مذہب و عقیدہ کے علماء و عوام سے دوستانہ روابط تھے۔ دوسرے کی بات خوشی سے سنتے، اپنے عقیدے کو خوبی سے ظاہر کردیتے۔ تلاشِ حق سے کبھی تھک کر نہ بیٹھے اور نہ کبھی سیر ہوئے۔ آریوں، سادھوؤں، عیسائیوں، پیروں، فقیروں غرض ہر قسم کے لوگوں سے ملتے، ان کا مافی الضمیر دریافت کرتے، ان پر مناسب تنقید کرتے جس کی جتنی بات صحیح سمجھتے، قبول کرتے۔ بچّے کی بات بھی صحیح ہوتی، تو اس کو تسلیم کرنے میں عار نہ سمجھتے۔ غلطی سے آگاہ ہوتے ہی فوراً رجوع کرتے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے: "مَیں نے ایک شخص سے ایک روپیہ لینا تھا۔ وہ ہمیشہ لیت و لعل کرتا۔ مَیں نے ایک دفعہ مطالبہ کیا اور سمجھایا کہ اتنی دیر ہوگئی، تم کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس پر وہ شخص تلخی سے پیش آیا اور بُرا بھلا کہنے لگا —— مجھے رنج تو آیا، مگر مَیں نے ضبط کیا۔ اسی دن یا دوسرے دن ایک ڈنڈا مہیا کیا اور ارادہ کیا کہ اگر اب کے مطالبے کا اُس نے تلخ جواب دیا، تو اس ڈنڈے سے اس کی خبر لوں گا۔ ابھی یہ نوبت نہ آئی تھی کہ تفسیر ترجمہ میں امام ابنِ تیمیہؒ کا واقعہ سُنا کہ راہ چلتے میں ایک شخص کو آپ کا دھکا لگ گیا۔ اُس نے بھرے بازار میں گالیوں کا دفتر کھول دیا۔ آپ خاموش کھڑے سنتے رہے۔ جب اس کا غصہ فرو ہوا، پھیڑ سے نکلے۔ تو اس کو کچھ رقم نقد پیش کی۔ اس نے وجہ پوچھی، تو فرمایا "تم کو میری وجہ سے بہت تکلیف ہوئی اور مجھے تمہاری بدولت اپنے نفس کے امتحان کا موقع ملا۔ یہ اس کا حقیر معاوضہ ہے۔" ساتھ ہی ہدایت کردی کہ "کسی اَور شخص کو گالیاں نہ دینا کہ لوگ قدردان نہیں ہوتے" —— اِس واقعہ کو سُن کر "ڈنڈا آزمائی" کا ارادہ تَرک کردیا ——

ایسا ہی ایک واقعہ وفات سے چند ماہ پہلے کا ہے۔ دکان پر بیٹھے تھے۔ ایک گاہک حساب میں دھوکا دے کر ایک روپیہ لے اُڑا۔ آپ نے بعد میں غور کیا اور حساب لگایا، تو فریب پر مطلع ہو گئے۔ سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ چاہا کہ ابھی جا کر اس مکّار کو ذلیل کیا جائے۔ ابھی یہ ارادہ عمل میں نہ آسکا تھا کہ حضرت جنیدؒ اور ابن ساباط کا واقعہ یاد آگیا کہ اس نے اُنھیں کے گھر میں چوری کی۔ آپؒ نے اپنے آپ کو اُس پر ظاہر نہ کرتے ہوئے چوری میں اُس کی مدد کی اور مسروقہ مال اٹھا کر اس کے ٹھکانے تک پہنچا دیا اور رخصت کے وقت کہا "اِس گھر کا دروازہ ہر رات اسی طرح کھلا رہتا ہے۔ پھر بھی کبھی ضرورت ہو، تو بے تکلف تشریف لے آنا، یہی خادم (جنید) اِس گھر کا

مالک کہلاتا ہے" ابن ساباط جو نیکی و ہمدردی کے مفہوم سے قطعاً ناآشنا تھا، رحم و ایثار کا ایسا نادر الوجود نمونہ دیکھ کر غرقِ حیرت رہ گیا۔ آپؒ کوئی جوابی لفظ (شکریہ و شرمندگی وغیرہ) سُنے بغیر واپس ہو چکے تھے۔ ابن ساباط بغداد میں داخل ہوا اور صاحب خانہ کا نام دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ آپ مشہور ولی اللہ جنیدؒ ہیں۔ آپؒ کی مجلس میں شامل ہوا، معتقدین بیٹھے تھے۔ حقائق و معارف میں کلام جاری تھا۔ خاموش بیٹھا سُنتا رہا۔ جب سب رخصت ہو گئے، تو اپنی جگہ سے اُٹھا اور آنکھوں سے شرم و ندامت کا دریا بہاتا ہوا حضرت سید الطائفہؒ کے پاؤں میں گر پڑا۔ آپ نے اٹھایا، گلے سے لگایا اور حلقۂ احباب میں داخل کر لیا:

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
سگ را ولی کنند و مگس را ہما کنند

اس قصے کے یاد آتے ہی میاں صاحبؒ کا جوشِ انتقام، عفو و رحم میں بدل گیا۔ خیال کیا کہ کیا خبر شخص مذکور نے کس مجبوری و حاجت مندی کی حالت میں ایسا دھوکا کیا، اللہ اس کو معاف کرے اور ہم پر بھی رحم فرمائے ——— اس قسم کے بکثرت واقعات آپ کی زندگی میں نظر آتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم کو عمل کے لیے حاصل کرتے تھے۔

آپ کی طبیعت میں موسوی جلال بھی تھا، لیکن حضرت کلیم علیہ السّلام کی پیروی میں صرف وقتی و ہنگامی۔ کئی دفعہ رنج و غضب کے بعد موردِ غضب شخص سے (خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو) انتہائی صفائی و خلوص سے معافی مانگ لیتے تھے۔ ایک دفعہ "بلاغ" کی آمد و خرچ کا حساب حکیم شہاب الدین مرحوم سے لیا جا رہا تھا۔ وہ اپنے وقت میں "بلاغ" کے واحد مالک تھے، اس لیے باقاعدہ حساب نہ رکھتے تھے۔ امدادی رقوم میں میاں صاحب کی رقم سب سے زیادہ ہوتی تھی (اٹھارہ روپے ماہانہ)۔ آپؒ نے حساب طلب کیا۔ حکیم صاحب تسلی بخش جواب نہ دے سکے، آپؒ برس پڑے۔ میں حکیم صاحب کا طرف دار تھا۔ ساتھ ہی مجھ کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ حکیم صاحب نہایت بُردبار اور ایسے وقتی جوش سے غیر متاثر رہتے تھے۔ اُنھوں نے کچھ خیال نہ کیا، لیکن میرے سر پر نوجوانی کا بھوت سوار تھا۔ میں نے میاں صاحبؒ سے تعلق منقطع کر لیا۔ مسجد میں جاتا اور نماز پڑھ کر لوٹ آتا۔ نماز جمعہ کے بعد آپ کی دکان پر جو مجلس[1] سہ پہر یا شام تک ہوتی تھی، اس میں شریک نہ

---

[1] یہ مجلس ہفتہ اور منگل کی شبینہ مجلسوں کے علاوہ تھی۔

ہوتا۔ میاں صاحب عمر میں کبیر، مَیں ان کی اولاد کے برابر صغیر۔ وہ شہر بھر میں معززو باتوقیر، مَیں گم نام وحقیر۔ وہ رئیس و امیر، مَیں غریب و فقیر۔

"تواضع زگردن فرازاں نکوست" کے حقیقی مصداق حضرت میاں مولا بخش رح نے غالباً تیسرے جمعہ کی نماز کے بعد مسجد ہی میں میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا "تم کچھ ناراض ہو؟" مَیں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ میرا ہاتھ تھامے ہوئے مجھے دکان پر لے گئے۔ غصہ رفع دفع ہوگیا۔ اس کے بعد پھر بھی ایک آدھ دفعہ ایسا کا موقع آیا، تو تعلقات بہت استوار ہو چکے تھے۔ مَیں ان کا طبیعت شناس ہو چکا تھا، مَیں نے ایسا ہی خوشی سے برداشت کیا، جیسے کوئی شخص اپنے باپ کی ناراضی کو سعادت مندی سے برداشت کرتا ہے۔ بفضلہ وتوفیقہ تعالےٰ۔

اوپر جمعے کی مجلس کا ذکر آیا ہے، تو اس سے اجمالاً گذر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ مجھے اس مجلس سے بہت فائدے حاصل ہوئے۔ گویا یہ مجلس میرے لیے مکتب قرآن تھا۔ مَیں قرآن مجید کے عام تراجم وتفاسیر اور عام اہل اسلام کے عقائد کو دیکھتا تھا، تو معلوم ہوتا تھا کہ بہ ظاہر عام قصہ کہانی کی کتابوں میں اور اس کتاب میں (معاذ اللہ) کوئی فرق نہیں۔ وہی جن پری کی داستانیں، ہواؤں میں اُڑتے ہوئے تخت، انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے، پھونک مار دینے سے مُردوں کا زندہ ہو جانا، سونٹا چھونے سے دریا کا پھٹ جانا، بغیر باپ کے بچہ جننا، زندہ انسانوں کا آسمان پر چڑھ کر وہاں صدیوں تک موجود رہنا، لوہے کا انسانی ہاتھ میں آتے ہی پگھل کر موم ہو جانا، قیمہ کیے ہوئے پرندوں کا پھر سے آمادۂ پرواز ہو جانا؛

گر مُرغ کباب است کہ با بال و پر آید!

سَو سال کے مرے ہوئے آدمی کا پھر سے اُٹھ کھڑے ہونا، آگ کا گلستان بن جانا، پتھر سے زندہ اونٹنی کا نکل آنا، آسمان سے لگے لگائے خوان اُترنا، فرشتوں کا آدم زاد کے گھروں میں چلتے پھرتے نظر آنا، چیونٹیوں کی سیاسی دُور بینی، ایک پرندے (ہدہد) کی عالمانہ تقریر اور منصب سفارت، الغرض کہاں تک گنواؤں اور اس پر دو بیتی منتوبات کا اضافہ کروں[1]، تو؛

ہمالہ سے بڑھ کر بنے اِک ہمالہ ہمالہ سے ہو جس کا رتبہ دوبالا

---

[1] مَیں تصرفاتِ الٰہی کا معجزہ پسند لوگوں سے زیادہ قائل ہوں۔ اس کی تشریح کے لیے ایک مستقل فرصت کی ضرورت ہے۔ اسی چیز نے مجھے کو چڑ توحید کا غبار بنایا، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ (منہ)

اور پھر لطف یہ کہ اس "سب کچھ" کو بلا چون وچرا تسلیم کرنے والے وُہ لوگ ہیں، جو اہلِ علم، اہلِ فقہ، اہلِ حقیقت، اہلِ عرفان اور نہ معلوم کیا کیا "اہل" کہلاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی ان کے کروڑوں معتقد ——— اور تعجب پر تعجب یہ کہ یہی لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام دنیا کے مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جو عقل وفطرت کی کسوٹی پر پورا اُتر سکتا ہے :

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

الحاصل میرا دماغ اس قسم کے شکوک کی جولاں گاہ بن چکا تھا، جن کے ازالے کے لیے کوئی علمی بارگاہ اور کوئی عرفانی خانقاہ مجھے نظر نہ آتی تھی۔ ہر گوشہ میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر خراس میں جوتنے والے لاٹھی لیے کھڑے تھے۔ مَیں بلاخوف لومۃ لائم بکا کر کہتا ہُوں کہ مَیں اس

دین کا منکر تھا، کافر تھا، ملحد تھا اور

ایک منٹ کے لیے بھی آنکھیں بند کر کے اس گڑھے میں گرنے کے لیے تیار نہ تھا ——— بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، لیکن مجھے تو شخصی حالات میں بھی اسی محبوبِ کائنات کے جمالِ جہاں آرا سے گوشۂ نقاب سرکانا مقصود ہے :

من و تو گرفنا شدیم چہ باک

غرض اندر میاں سلامت اوست

اگر میاں صاحب کا تعلق قرآن مجید سے نہ ہوتا، تو ان سے متعلق یہ طور یقیناً معرضِ تحریر میں نہ آتیں، مقصودِ سخن یہ ہے کہ قرآن مجید نے مجھے اس مجلس میں شامل کیا۔ مَیں ہفتہ بھر قرآن مجید کی تلاوت کرتا اور حل طلب مقامات پر نشان لگاتا۔ جمعے کے دن وہ تمام شک و اضطراب اس مجلس میں انڈیل دیتا۔ خواجہ مرحوم ایک ایک بات کو بار بار تشریح کر کے الفاظِ قرآنی ہی سے حل کر کے دکھاتے۔ ایک ہی بات پر جب تک سمجھ میں نہ آجائے۔ بار بار اعتراض وسوال کی کھُلی اجازت تھی۔ اِس مجلس کے دوسرے ارکان عبداللہ پہلوان، مہر خیرالدین پہلوان، حکیم شہاب الدین، حکیم طالب علی، خواجہ رحمت اللہ، خلیفہ نور احمد، خلیفہ ظہور احمد، حکیم سلطان احمد، مولوی غلام رسول، حضرت خواجہ محقق صاحبان اور بعض حنفی، اہلِ حدیث اصحاب بھی ان صحبتوں میں حصہ لیتے۔ جب تک خواجہ مرحوم بیٹھے رہتے، محفل گرم رہتی۔ ایک ایک سوال کے ضمن میں کئی کئی مشکلات ازخود حل ہو جاتیں۔ بہت سے معلومات سامنے

آجاتے، مثلاً خواجہ مرحوم فلکیات پر گفت گو کرتے، تو ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی خود شاہین فلک کی سیر کرکے چلے آرہے ہیں۔ زمین سے اُن کے فاصلوں کی پیمائش، ان کے باہمی بُعد، سال بھر میں اُن کے مشارق و مغارب کی تبدیلیاں، ان کی تحقیق و دریافت کے زمانے، ان کے حجم و اوزان، شمس و قمر وغیرہ کے تاریخی انقلابات اور زمین و فضا پر اُن کے اثرات، دُم دار ستاروں کی تاریخ ظہور، روشنیوں کے رنگ، کی تحقیق، علم ہیئت کی موجودہ ترقیات کی آیاتِ قرآن سے تطبیق وغیرہ پر اتنی جامع تقریر ہوتی کہ آپ اس علم کے عالم خصوصی (ایکسپرٹ) معلوم ہوتے تھے۔ ایسے ہی قرآن سے متعلق ہر علم پر بڑی بصیرانہ تحقیق بیان فرماتے۔ آپ کی تفسیر میں ان تفصیلات کا دھندلا سا عکس نظر آتا ہے۔ میاں صاحب، خواجہ مرحوم کے اسی متبحر علمی اور عمیق ذہانت پر عاشق تھے۔ آپ برسوں خواجہ کے پیچھے لگے رہے کہ "اس عمر تحقیق و کاوش کو سپردِ قلم کردیا جائے۔ خواجہ صاحب ہمیشہ انکار کردیتے۔ میاں صاحب نے حضرت محقق اور بعض دیگر دوستوں کے ذریعے بھی خواجہ صاحب کو کہلوایا کہ آپ مدرسی سے مستعفی ہو جائیں اور آپ کے خانگی مصارف اپنی طرف سے ادا کرنے کے لیے بہت زور لگایا، مگر آپ ہرگز آمادہ نہ ہوئے۔ ایسے ہی ایک دفعہ جناب علی احمد صاحب داشمن نے آپ کو مالی امداد کی دعوت دی، تو آپ نے انکار کردیا۔ ان دنوں "بلاغ" نکل رہا تھا۔ آپ نے لکھوادیا کہ "بلاغ" کی امداد کریں۔ آپ تو اپنی اولاد کی امداد لینے کے لیے بھی بمشکل تیار ہوتے تھے —— آخر حکیم شہاب الدین مرحوم کا زمانہ آیا اور آپ نے "بلاغ" نکالا، تو خواجہ مرحوم کو مجبوراً آمادۂ تحریر ہونا پڑا۔ اس تحریک کے آغاز میں سب سے قوی ہاتھ میاں صاحبؒ ہی کا تھا۔ آپ کے بعد اور بہت سے دوست شامل ہوتے گئے۔ الٹھوپنی دفتر

میاں صاحبؒ فرماتے تھے: ایک دفعہ مجھے خیال آیا۔ اب روپیہ کافی ہے اور لڑکے کام کو سنبھالنے کے لائق ہوگئے ہیں۔ بقیہ زندگی آرام سے گذارنی چاہیے۔ یہ سوچ کر کام سے الگ ہوگئے۔ بڑا صاحب زادہ میاں الہ بخش مرحوم بہت ہوشیار تھا۔ اس نے سن لائٹ کے مقابل کندن سوپ کا آغاز کردیا۔ اس کے لیے بہت وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈا کیا۔ بڑے بڑے شہروں میں دکانیں کھلوائیں۔ بمبئی میں ایک آل انڈیا دکان کا افتتاح کیا۔ ادھر ہمسایہ قوم کی تجارتی کمپنیوں نے متعصبانہ مقابلہ شروع کردیا۔ اس دنگل میں میاں صاحبؒ کو پھر کودنا پڑا۔

کچھ داخلی اور کچھ خارجی اسباب کی بناء پر کاروبار فیل ہوگیا۔ بڑا صاحب زادہ میاں اللہ بخش اسی اثناء میں راہی اجل ہوا۔ اس کے بعد دوسرے صاحب زادہ میاں محمود مرحوم نے کام کو کسی حد تک سنبھال لیا، مگر وہ بھی بیمار ہوگیا۔ آخر کئی سال بیمار رہ کر وہ بھی عازم آخرت ہوگیا۔ اس کی موت کے ساتھ آپ پر بہت بوجھ پڑ گیا۔ آپ فرماتے تھے: "اولاد اور مال دو بُت تھے جن پر میں نے بھروسہ کیا۔ آخر ان دونوں کے نفع سے مجھے اس طرح محروم کیا گیا":

بغیر اللہ کردم تکیہ یک بار
دو صد بار از مقامِ خود فتادم

اب دو چھوٹے صاحب زادے داؤد و یعقوب توفیق سلمہا اللہ وبدہما آپ کے جانشین ہیں۔[1] یعقوب صاحب کو تجارت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ پوتے ابھی چھوٹے ہیں۔ ایک پوتا میاں ایوب بڑا ہے۔ مرحوم کی خواہش تھی کہ موصوف تجارت کے کاروبار کو سنبھالے۔ وما ہو علی اللہ بعزیز۔

آپ نے ان بے اندازہ صدمات کو بتوفیقِ الٰہی جس صبر و ضبط سے برداشت کیا، اس کی نظیر کم نظر آتی ہے۔

اخیر عمر میں آپ کی توجہ انبیاء و اولیاء کے تذکروں، اور ذکر و عبادت کی طرف بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ شب خیزی کا التزام رکھتے تھے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کی کیفیت سے سرشار رہتے تھے۔ کسی آیت مجید کے متعلق کوئی نیا نکتہ سن پاتے، تو کئی کئی دن تک اس سے لذت اندوز رہتے۔ راقم کے پاس دن کا زیادہ حصہ گذارتے تھے۔ محبوب حقیقی جل ذکرہ اور ان کے چاہنے والوں کی باتوں کے سوا دوسرے مضامین میں کم دلچسپی لیتے تھے۔

میرے اور ان کے توافقِ مزاج کے کئی اسباب تھے جن جملہ ان کے ایک یہ کہ ان کو پنجابی ادبیات سے بہت رغبت تھی۔ خصوصاً داستانِ "ہیر رانجھا" مصنفہ سید وارث شاہ رح کے تو وہ ریسرچ اسکالر (عالم محقق) تھے۔ بڑے بڑے "ہیر فہم" لوگ حلِ مشکلات کے لیے آپ کے پاس آتے تھے۔ اس قصہ سے مصنف کے ایماء کے مطابق روحانی معانی مراد لیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے "ایک دفعہ مصرع ذیل نظر کے سامنے آگیا":

ہٹ[2] فقر دے مال اک بھا وکدے انکھیں والیاں لئے نابینیاں دے

---

[1] ہم تہ دل سے دعا کرتے ہیں کہ میاں داؤد اور میاں ایوب اپنے بزرگ رح کے صحیح جانشین ثابت ہوں۔
[2] دکان فقر پر بینا اور نابینا کو یکساں سودا ملتا ہے۔

میں نے اسی دن سے اس کو اپنے کاروبار تجارت پر منطبق کر لیا۔ کوئی گاہک ہو، لیے گا نہ، بچہ ہو یا بڑا، سب کو ایک نرخ اور پورے تول سے سودا دیا جاتا کسی کی رعایت ملحوظ نہ ہوتی ——— اسی طرح ہاشم جگدیوی، علی حیدر اور سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہم کے کلام سے بہت لذت اندوز ہوتے۔ ایک مرتبہ موخرالذکر کا بیت ذیل سنا:

ہر مرشد[1] ایسا لوڑیے جیہڑا دو جگ خوشی دکھاوے ہُو
پہلاں غم ٹکڑے دا میٹے، وت رب دا راہ دکھاوے ہُو
اس تانبے ورگی دہی نوں چاندی کرد کھلاوے ہُو
جس مرشد اتھے کجھ نہ کیتا، باہو او ہنوں وگدی ندی رُڑھاوے ہُو

کئی دن تک اس کو زبان پر رکھا۔ بار بار پڑھتے اور اہل ذوق احباب کو سناتے۔ مکرمی خواجہ عباد اللہ صاحب اختر کی امرتسر تشریف آوری ہم لوگوں کے لیے عید کا حکم رکھتی تھی۔ ادھر خواجہ صاحب کی آمد کی اطلاع ہوئی، اُدھر ہم دو چار دیوانے اکٹھے ہو گئے۔ بس دن کا بیشتر حصہ اسی حال و قال میں گذر جاتا۔ خواجہ صاحب کی صحبت سے طبیعت کم ہی سیر ہوتی تھی، مگر بقول غالب:

سایہ و چشمہ بہ صحرا دم عیشے دارد
اگر اندیشۂ منزل نبود رہزن ما

دُنیوی ضرورتیں ان روحانی صحبتوں کو ختم کر دیتیں۔ خواجہ صاحب متعدد علوم و فنون میں مہارت رکھنے کے ساتھ صاحب دل اور اہل ذوق بھی واقع ہوئے ہیں۔ ہماری یہ پیاس آپ کی صحبت کے سوا اور کہیں نہ بجھتی تھی اور اب اس کاروان رفتہ کا متبرک بقیہ ہمارے پاس آپ اور حضرت محقق ہیں۔ نفعنا اللہ بطول حیاتھما۔

میاں صاحب پہلے اہل حدیث تھے، پھر جناب مرزا صاحب قادیانی اور ان کے بعد یا ساتھ ساتھ مولانا عبداللہ چکڑالوی مرحوم کا آوازہ بلند ہوا۔ آپ نے ان دونوں بزرگوں کی صحبتوں اور کتابوں سے استفادہ کیا۔ حضرت خواجہ احمدالدین ایسے محقق کی رفاقت اس سفر میں ہم راہ حال تھی۔ غیر جانب دارانہ

[1] مرشد ایسا چاہیے، جس سے دونوں جہان کی خوشی حاصل ہو۔ پہلے فکر معاش سے بے نیاز کرے، پھر خدا کی راہ دکھلائے۔ اس مس تن کو چاندی کر دکھائے۔ جس اندھے مرشد نے کچھ نہ کیا، اے باہو اسے دریا برد کر دینا چاہیے۔

تحقیق نے دونوں جماعتوں (احمدی و اہل القرآن) کے محاسن و معائب واضح کر دیے۔ احمدیت کے لیے تو قرآن مجید میں کوئی جگہ نہ تھی، کیوں کہ جب اسلامی دنیا قرآن حکیم کے حقیقی مرتبہ سے آگاہ ہوگی۔ اس کو یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مسیح و مہدی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ وہ آسمان سے نازل ہوتا دکھائی دے یا کسی غار سے خروج فرمائے، لہذا یہ نزول و خروج کا عقیدہ ف صفحۂ علم و دیانت سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔ فرقۂ اہلِ قرآن کی ایک اصولی بات کو آپ نے قابلِ تسلیم پایا کہ قرآن سے باہر وحی محفوظ و مفترض الطاعۃ کا وجود کہیں نہیں۔ لیکن ان لوگوں کی بے شمار تفسیری تاویلوں سے اتفاق نہ کر سکے اور قرآن کی ہمت عام اور اپنی وسیع المشربی کے پیشِ نظر اس فرقہ کے دائرۂ تنگ کو دوسرے محدود فرقوں کی طرح حقیقتِ اسلام سے دور پایا اور خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول کے مطابق اچھی بات ہر فرقہ کی قبول کر لی اور ضد و تعصب اور فرقہ پرستی کے اعمال و عقائد سے اجتناب کیا۔

انکسار کا یہ عالم تھا کہ اپنے لیے کوئی منصب و عہدہ کبھی پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ بعض احباب نے رکنیتِ بلدیہ کے لیے مجبور کیا۔ آپ رضامند نہ ہوئے۔ اُمتِ مسلمہ کی امارت کے لیے آپ سے بہتر شخص موجود نہیں تھا لیکن آپ ہرگز امیر بننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ مدتوں التجائیں کی گئیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ خواجہ ضیاء اللہ مرحوم نے ہاتھ بھی جوڑے اور شاید پاؤں کو بھی چھوا، مگر آپ نہ مانے۔ خواجہ احمد الدین مرحوم کی زندگی میں خود خواجہ صاحب نے بھی اصرار کیا، تو آپ نے انکار کر دیا۔ آخر کئی سال کے بعد بعض سخت مشکلات کو حل کرنے کے لیے دوستوں نے آپ پر بہت دباؤ ڈالا اور بتایا کہ اگر آپ نے یہ بار نہ اٹھایا، تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ اس وقت آپ کو مجبور ہونا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو امیر نہیں سمجھتے تھے۔ نہ کوئی آمرانہ اقدام فرماتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے ہاں کوئی بچہ سخت بیمار پڑا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر حکیم تو ناکام رہے ہیں، آپ فلاں پیر صاحب سے دم کرائیں، ضرور فائدہ ہوگا۔ اس میں بہت مبالغہ کیا گیا یہاں تک کہ مستورات

ف ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کی بنا ظنی روایات پر ہے اور ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً اور کوئی مدعی ان روایتوں کے مطابق بھی پورا نہیں اُترتا۔ جا بجا ان کو اپنے مطلب کے موافق کرنے میں ایسا تکلف کیا جاتا ہے کہ بقول مولانا اسلم جیراجپوری "عقل ہنستی ہے اور علم روتا ہے" (منہ)

خانہ نے بھی اس امر میں بہت الحاح کیا۔ میاں صاحب نے صاف جواب دیا کہ "میں خدا کی بھیجی ہوئی موت کو پیر صاحب کی بخشی ہوئی زندگی پر ترجیح دوں گا"

سخاوت کے متعلق بھی چند باتیں سن لیجیے۔ مرفہ الحال زمانے میں بہت سے مستحقوں کے ماہانے مقرر کر رکھے تھے۔ اس کے علاوہ مذہبی و سیاسی امور میں بھی حصہ لیتے رہتے تھے۔ ایک دن میرے سامنے ڈاکٹر کچلو کانگرس کے لیے چندہ لینے آئے۔ مرحوم نے بغیر اصرار و تکلف کے یک صد روپیہ کا نوٹ عطا فرمایا۔ مذہبی معاملات میں تو آپ مسلسل امداد کرتے رہتے تھے۔ "بلاغ" و "البیان" سے پہلے اخبار "اہلحدیث" کی کافی مدد فرماتے تھے۔ پھر خواجہ مرحوم کے مصنفات تنہا اپنے صرف سے چھپوایا کرتے تھے اور عموماً مفت تقسیم کراتے۔ قیام مجلس (اُمتِ مسلمہ) کے بعد مالی کمزوری کی حالت میں بھی اخیر دم تک مدد فرماتے رہے۔ اخفا کا یہ حال تھا، میرے سوا کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ فلاں رقم کا معطی کون ہے، یہاں تک کہ اپنے بیٹوں سے بھی پوری احتیاط سے مخفی رکھتے تھے۔ چنانچہ بلاغ کے صفحاتِ حساب میں وہ رقمیں جن پر "سراً" لکھا ہوتا تھا، اُن میں سے کئی آپ کا عطیہ ہوتی تھیں۔

باوجود شدید اختلافِ خیال کے تعلقاتِ دوستی میں فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ مدیر اہلحدیث جناب مولانا ثناء اللہ سے ادارۂ اُمتِ مسلمہ کے مسلسل اختلافات عالم آشکار ہیں، لیکن اس کی وجہ سے باہمی تعلق میں کبھی کمی نہیں ہوئی۔ میں اس میں مولانا موصوف کی فراخ دلی کو بھی شامل و قابلِ ستائش سمجھتا ہوں۔ اسی طرح جناب میر ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے بھی حضرت مرحوم کو انس و مودت تھی۔ مرنے والوں کی یکے بعد دیگرے روانگی تنبیہ کر رہی ہے کہ ہمیں بھی اپنا وقت دور نہیں سمجھنا چاہیے:

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں

مجھے اعتراف ہے کہ دنیوی امور تو درکنار، دینی خدمت کے لباس میں بھی مجھ سے بے شمار گناہ اور کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔ میں نے کئی غلط باتوں کو صحیح اور بہت سی صحیح باتوں کو غلط سمجھا ہو گا۔ میری زبان و قلم سے اپنے خیالات (غلط یا صحیح) کی حمایت میں کئی ہم عصروں کے دلوں کو تکلیف پہنچی ہو گی، اس لیے میں اپنے دوستوں سے عرض کروں گا کہ وہ میرے خیالات کو اپنی ذمہ داری کو

قرآن مجید کے مطابق پائیں، تو قبول کریں، ورنہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیں اور ہو سکے، تو مجھے بھی میری غلطیوں پر متنبہ کریں اور جن صاحبوں کے دلوں کو میرے الفاظ سے کبھی صدمہ پہنچا ہو، میں اُن سے خلوص دل سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اگر وہ اس اجمالی معافی کو کافی نہ سمجھیں، تو مجھے اپنی خواہش سے آگاہ کریں۔ میں ان مشتہرہ الفاظ کے ذریعے اعلان کرتا ہوں کہ میں ہر ممکن طریق سے ان کی رضا حاصل کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ عذاب آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی تکلیف اور ذلت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ والعذاب الآخرۃ اکبر :

زدامِ ودانۂ صیاد مرغ سے نالد

خبر نداشت کہ بر سیخ سے زند طباخ (نظیری)

مسطورہ بالا حالات محض نسیان آلود حافظے کی بناء پر، جس ترتیب سے یاد آئے، سپردِ قلم کر دیے گئے ہیں۔ اظہارِ تاثرات سے مقصود اپنے نفس کے لیے تذکیر اور عبرت لاولی الالباب ہے، نہ کہ تاریخی واقعات کی تنقیح و تحقیق۔

عرشی

چند نایاب اسلامی کتب اور اُن کی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

تقریظات

سرگذشت ادارۂ ادبیاتِ اُردو | مرتبہ: جناب خواجہ حمید الدین شاہد۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶۔ ضخامت ۳۰۴ صفحات۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت ۱۲/ار۔ ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر۔ رفعت منزل۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

ادارۂ ادبیات اُردو، حیدرآباد دکن پچھلے چند سال سے زبان اُردو کی جو گراں قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے "البیان" کے صفحات میں کئی بار ان کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ یہ کتاب ادارہ کی خدمات کی مفصل تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ادارے کا کام سات شعبوں (یعنی، زبان، تنقید، تالیف و ترجمہ، تاریخ دکن، شعرأ و مصنفینِ دکن، سائنس اور علوم نسوانی، تعلیم اطفال، امتحانات وغیرہ) پر مشتمل ہے۔ ہر شعبہ اپنے اپنے علوم کے ماہرین کی نگرانی میں اُردو ادب کی بیش قرار خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

ہماری رائے میں اس کتاب کی وسیع اشاعت کا انتظام ہونا چاہیے۔ ادارہ کے مالی حالات اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ سرگذشت چند ہزار کی تعداد میں مفت بھی تقسیم ہوجائے، تو کیا حرج ہے؟

فنِ تقریر | مرتبہ: ادارۂ ادبیات اُردو۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶۔ حجم ۹۶ صفحے۔ کاغذ معمولی۔ کتابت و طباعت متوسط۔ قیمت ۱۲/ار۔ ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد (دکن)

فنِ تقریر، شاعری کی طرح ایک فطری ملکہ ہے، جو قدرت کی طرف سے خاص خاص انسانوں کو ودیعت ہوتا ہے۔ مگر عہدِ حاضر کی سائنٹیفک ترقیوں نے کیا فطری اور کیا اکتسابی، انسان کی تمام قابلیتوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ "فنِ تقریر" بھی اسی سلسلے کی ایک مفید کڑی ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ مقررین کو فنِ تقریر کے جدید اسلوبوں سے آگاہ کیا جائے۔ شروع میں ڈاکٹر محی الدین صاحب زور کا ایک مفید دیباچہ ہے۔ اس کے بعد مختلف ممالک میں فنِ تقریر کی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالی گئی ہے۔ پھر پہلے باب میں مقرر بننے کے لیے جن ذاتی اوصاف کی ضرورت ہے، اُن کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں تقریر کے لوازمات، تیسرے میں اسلوب بیان، چوتھے میں تقریر کرنے کے مختلف طریقے، پانچویں میں مقرر کی حرکات کے عام اصول اور چھٹے میں ساری کتاب کا خلاصہ دے دیا گیا ہے۔ کتاب میں فن مذکور سے متعلق چند خاکے بھی شامل ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ وہ احباب جنھیں فن تقریر سے شغف حاصل ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے اپنے معلومات میں اضافہ کریں گے۔

عید قربان کا پیغام | سائز ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۸ صفحے۔ قیمت ۰ر۔ ملنے کا پتہ: مرکز اشاعت ۱۰ میکلوڈ روڈ، آسٹریلین بلڈنگ۔ لاہور۔

ادارۂ اصلاح و تبلیغ لاہور کا تعارف "البیان" کی کسی گذشتہ اشاعت میں کرایا جا چکا ہے۔ "عید قربان کا پیغام" ناظم ادارہ کا ایک خطبہ ہے، جو آپ نے گذشتہ بقرعید سے پہلے جمعے میں پڑھا تھا۔ اس مختصر ٹریکٹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حیات مختصر مگر دل نشین انداز میں واضح کیا گیا ہے اور عہد حاضر کے مسلمانوں کو حضورؐ کی پیروی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

قرآن اور تلوار | (نظم) مصنفہ خان اصغر حسین خاں صاحب نظیر لدھیانوی۔ قیمت ایک آنہ۔ ملنے کا پتہ: مزمل حسین خاں اینڈ برادرز۔ لدھیانہ (پنجاب)

یہ آٹھ صفحے کا منظوم ٹریکٹ "البیان" کے قرآن نمبر میں نقل ہو چکا ہے۔ "قرآن اور تلوار" کی نظم کے بعد ایک صفحے کی غزل بھی نظیر لدھیانوی ہی کے قلم سے شامل ہے۔

الفرقان | (شاہ ولی اللہ نمبر) مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی۔ سائز ۲۰×۲۶/۸۔ ضخامت ۴۳۲ صفحے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ۔ قیمت: عہ/ ۔ ملنے کا پتہ: دفتر "الفرقان" بریلی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ تمام دنیا میں پہلے بزرگ تھے، جنھوں نے قرآن مجید کا پہلی مرتبہ ترجمہ کیا۔ الفرقان کا زیر نظر خاص نمبر حضرت موصوفؒ کی زندگی کے بے مثل اور زریں کارناموں کی مفصل تاریخ پر مشتمل ہے۔ لکھنے والوں میں مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبد الماجد دریا بادی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے فاضل اصحاب کے مضامین خصوصیت سے بصیرت افروز ہیں۔ ہم اپنے ناظرین سے الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

رسالہ "سہیل" گیا، کا درخشندہ و تاباں

خاص نمبر ۱۹۴۱ء

جو

عنقریب اپنی نمایاں خصوصیات کے ساتھ قارئینِ کرام کے ہاتھوں میں ہوگا

جس میں

ملک کے مشاہیر اہلِ قلم حضرات کے بلند پایہ مقالے، دل چسپ معیاری افسانے، اعلیٰ نفسیاتی ڈرامے، وجد آور سرمدی نظمیں، پُرکیف غزلیں اور دل چسپ مزاحیہ مضامین شریک رہیں گے۔

اگر آپ اس جلیل القدر خاص نمبر کو مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو آج ہی سال بھر کے لیے سہیل کی خریداری قبول کریجیے۔

مشتہرین حضرات!

اگر آپ کی تجارت سرد پڑ چکی ہے اور اسے آنِ واحد میں فروغ دینا چاہتے ہیں، تو ایسے زریں موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور خاص نمبر میں اشتہار دے کر فائدہ اٹھائیں، کیوں کر سہیل تقریباً ملک کے ہر گوشہ میں ہزاروں آدمیوں کی نظر سے گذرتا ہے۔

چندہ سالانہ سے　　چندہ ششماہی عہ ۱۲　　فی پرچہ چار آنے

منیجر رسالہ "سہیل" گیا

حدیث کے دو رُخ اور قرآن

(جناب مولانا تمنا عمادی مجیبی، پھلواروی)

ماہ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے البیان میں بعنوان بالا میرا ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس کے تقریباً صرف پہلے رُخ پر محترم "مدیر البیان" نے متعدد حواشی میں تنقیدیں فرما کر مجھے ممنون فرمایا ہے۔ ان کے متعلق کچھ عرض کرتا ہے۔ وہو ہذا:

قلتُ: (قال تعالیٰ) لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ: تاکہ قرآن کو پوری طرح تمہارے دل نشین کر دیں۔

قلتم: لِنُثَبِّتَهٗ فِیْ فُؤَادِكَ نہیں ہے۔

اقول: تثبیتِ[1] قلب، تذبذبِ قلب کا الٹا ہے۔ تذبذب کا مٹا دینا ہی تثبیت[1] ہے۔ یعنی کسی بات کے متعلق دل مذبذب نہ رہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ بات دل نشین ہو گئی۔

قلتُ: رسول صلعم پر قرآن نازل فرمایا گیا اور پھر قرآن کا علم بھی رسول کو عطا ہوا۔

قلتم: یعنی، قرآن اور قرآن کا علم دو الگ الگ چیزیں ہیں اور وہ بھی بہ لحاظِ منزل یعنی[2] ؟ کیا وہ علم قرآن کے اندر نہیں؟

اقول: قرآن اور قرآن کا علم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہندوستان میں لاکھوں حافظِ قرآن ہیں،

---

[1] الثبات ضد الزوال ... یثبت اللہ الذین آمنوا ای یقویہم ..... یقال ثبتہ ای قویتہ (راغب) تثبیت بہ فؤادک "قال معنی تثبیت الفؤاد تسکین القلب ههنا لیس بشک ولکن کلما کان البرهان والدلالة اکثر علی القلب کان القلب اسکن و اثبت (لسان العرب) لنثبت بہ فؤادک تا استوار سازیم آں دل ترا (شاہ ولی اللہ) تا ثابت رکھیں ہم اس سے دل تیرا (شاہ عبدالقادر) انہ اذا شاهد جبریل حالاً بعد حال یقوی قلبہ بمشاهدتہ فکان اقوی علی اداء ما حمل وعلی الصبر علی عوارض النبوۃ وعلی احتمال اذیتہ فو مسد علی الجهاد (رازی) ان سب بزرگوں کا مقصود ایک ہی ہے۔ اگر آپ بھی یہی فرماتے ہیں، تو چشم ما روشن۔ (مدیر)

[2] حیرت اندر حیرت اندر حیرت است۔ کیا اس تشبیہ کا کوئی جز اپنے اندر اہل زبان عرب بالخصوص افصح العرب آں حضرت صلعم سے مناسبت رکھتا ہے؟ ـــــ ولو انزلنا ہ قرآناً اعجمیاً لقالوا لولا فصلت آیاتہ ءاعجمی وعربی (اکرام...)

جن میں تقریباً نوّے فی صدی کو قرآن تو بر زبان یاد ہے، مگر علمِ قرآن اُن کو بالکل حاصل نہیں یا بہت کم حاصل ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا۔ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝[51] باقی رہی "بہ لحاظ نزول" کی شرط، تو یہ شرط کس نے لگائی! میں نے "قرآن کے لیے "نازل فرمایا گیا" اور "علمِ قرآن" کے لیے "عطا ہوا" کا لفظ اسی فرق کو ظاہر کر دینے کے لیے لکھا ہے کہ دونوں ایک چیز نہیں۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ میں کوثر کا رسول صلعم پر نازل کیا جانا نہیں ارشاد ہوا ہے[52] اور

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۹ | قرآن کو غیر عربی زبان میں اتارتے، تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں، اوپری زبان اور عرب کا آدمی؟ اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ زبان کے لیے قرآن مجید کی عربیت ہی اس کی تفصیل کی ضامن ہے اور سنیے! اولم یکن لھم اٰیۃً ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل ولو نزلناہ علی بعض الاعجمین فقراٴہ علیھم ما کانوا بہ مؤمنین۔ کیا یہ ان لوگوں کے لیے نشان نہیں کہ علمائے بنی اسرائیل بھی قرآن کو سمجھتے ہیں اور اگر ہم اس کو کسی غیر زبان والے پر اتارتے اور وہ ان کو پڑھ کر سناتا، تو یہ لوگ ہرگز باور نہ کرتے [19/15]۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف الفاظِ قرآن کو سن کر علمائے بنی اسرائیل اس کے مقصود تک پہنچ جاتے تھے اور اس کو اپنے صحیفوں کے مطابق پاتے تھے، جیسا کہ اس کے اوپر ہے: وَاِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ، یعنی یہ قرآن، اگلے لوگوں کے صحیفوں میں موجود ہے۔ اگر آپ کے ارشاد کے مطابق قرآن اور قرآنی علم دو الگ الگ چیزیں ہیں، تو لازم تھا کہ رسول اللہ صلعم کے سوا کوئی شخص بالخصوص کوئی عربی دان غیر مسلم نہ سمجھ سکتا، حالاں کہ متعدد آیات سے ثابت ہے کہ مشرکین کفر تک سمجھتے تھے اور دانستہ انکار کرتے تھے، ورنہ سزا و عذاب کے کوئی معنی ہی نہیں اور یہ جو ارشاد ہے "فاتوا بسورۃ من مثلہ" اس کتاب کے مثل لے آؤ۔ جو لوگ اس کو سمجھتے ہی نہ تھے، ان کو ایسا خطاب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا کوئی شخص نہ سمجھی ہوئی کتاب کی مثل لا سکتا ہے؟ اور سنیے! یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون۔ اس آیت میں کن لوگوں کا علم و عقل ہے، جو قرآن مجید کو سمجھ رہا ہے؟ (مدیر)

[51] الرحمٰن، علم القرآن کا مطلب یہ ہے کہ "رحمٰن نے قرآن سکھایا" (شاہ عبد القادرؒ) آپ اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ "رحمٰن نے قرآن اتارا، پھر اس کے بعد یا اس کے ساتھ الگ طور پر اس کا علم عطا فرمایا" ممکن ہے، کوئی اور شخص اس آیت سے یہی سمجھے۔ کم از کم میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ (مدیر)

[52] آپ نے انزال و اعطاء میں تفریق فرمائی ہے، یعنی قرآن نازل ہوا اور علمِ قرآن عطا ہوا۔ میں اس فرق کو بھی نہیں سمجھ سکا اور نہ پرانے لغت نویس سمجھے۔ سنیے! انزال اللہ تعالیٰ نعمہ و نقمہ علی الخلق اعطاؤھم ایاھا (راغب) یعنی، نازل کرنا اور عطا کرنا ایک ہی چیز ہے۔ ــــــ انما انزلہ بعلم اللہ میری یا کاتب کی لغزش ہے۔

یہ استفسار کہ کیا وہ علم قرآن کے اندر نہیں؟ عجیب استفسار ہے! قرآن کے معانی یقیناً قرآن کے الفاظ و عبارات ہی میں ہیں، مگر کیا ہر حافظِ قرآن اُن کو سمجھ لیتا ہے؟ یا ہر عربی داں برابر سمجھ لیتا ہے، چاہے غبی ہو یا ذہین؟ اِنَّمَا اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِ اللّٰهِ مجھ کو قرآن پاک میں نہیں مل سکا۔ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ہود ۱۴) اور اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (نساء ۱۶۶) میں ہے۔ بہرحال یہ نہ سمجھ سکا کہ اس ٹکڑے کا میرے مضمون سے کیا تعلق ہے؟[1]

قلت: تعلیم و تبلیغ لفظاً، معنًی، لغۃً اور محاورۃً ہر حیثیت سے دو چیزیں ہیں۔

قلتم: علمائے لغت کے نزدیک بلاغ و تبلیغ ایک ہی چیز ہے، کمافی لسان العرب و مفردات راغب وغیرہ۔

اقول: مَیں نے "تعلیم" و "تبلیغ" میں فرق بتایا ہے "بلاغ" و "تبلیغ" میں نہیں۔

قلتم: اس کا مطلب یہ ہے، الانتھاء الیٰ اقصی المقصد والمنتھیٰ۔

اقول: کس کا مطلب[2]؟

قلتم: خود قرآن میں ہے: قل لھم[3] قولاً بلیغا ؁ اور فللّٰہ الحجۃ البالغہ ؁ اور حکمۃ بالغۃ فما تغنِ النذر ؁ یہاں اَنفُسُ (؟)[4] حجت اور حکمت سے بلیغ و بالغہ کی تخصیص کیا معنی رکھتی ہے؟

اقول: مَیں قائل ہوگیا اور یہ تسلیم کر لیا کہ ان آیتوں سے "تعلیم" و "تبلیغ" کا ایک ہونا لغۃً و محاورۃً اور لفظاً و معنًی ہر حیثیت سے ثابت ہوگیا اس طریقۂ استدلال سے دنیا کا ہر دعویٰ ثابت کر دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ میری طرح ہر مخاطب تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائے۔

قلتم: یہ بھی یاد رہے کہ تمام لغت نویسوں نے "بلاغ" کے معنی "کفایت" بھی لکھے ہیں۔

---

[1] "انزل بعلم اللہ" اور "انزلہ بعلمہ" صحیح ہے "اس ٹکڑے" سے میری مراد یہ ہے کہ قرآن اور علم قرآن کا نزول الگ الگ نہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ انزلہ بعلمہ کا ترجمہ لکھتے ہیں: یہ (قرآن) نازل کیا اپنے علم کے ساتھ" پھر حاشیہ پر لکھتے ہیں: "اس کلام میں اللہ نے اپنا خاص علم اتارا" آپ عطائے نزول میں فرق کرتے ہیں۔ امام راغبؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور خود قرآن نے اس میں کوئی فرق نہیں کیا اور قرآن اور علم قرآن کو الگ الگ نہیں سمجھا۔ (مدیر)

[2] بلاغ و تبلیغ کا۔ (مدیر)

[3] درمیان سے "فی انفسھم" آپ سے سہو ہوگیا ہے۔ [4] یہ استفہام کیوں؟ (مدیر)

اقول: اگر ایسا[۵۱] ہے، تو رسول صلعم کے بلاغ و تبلیغ و تعلیم ہی کو بہر گونہ کافی و وافی سمجھنا چاہیے۔

قلتم: بے شک معلم کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کتاب کی، لیکن اس کو یہاں تک کھینچیے کہ کتاب (قرآن) بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے اور متکلم جلّ ذکرہ قاصر البیان ثابت ہو الخ

اقول: کتاب اللہ کو بازیچۂ اطفال بنانے سے روکنے ہی کے لیے اس کو "الیٰ اقصی المقصد والمنتہیٰ" کھینچنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہر طفل مکتب کے سر میں مفسر اعظم بننے کا سودا نہ پیدا ہو۔ کیا تعجب ہے کہ معلم الکتاب[۵۲] کی تعلیم پیش کرنا تو کتاب کو بازیچۂ اطفال بنانا قرار دیا جائے اور تختۂ جہل مرکب کے شاروں کے ہاتھ میں کتاب اللہ کو چھوڑ دینا، کتاب کو بازیچۂ اطفال بنانا نہ ہو مولانا المکرم! آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت ہر وہ شخص جس نے کچھ اردو، کچھ انگریزی ترجمے قرآن پاک کے دیکھ لیے بس وہ اپنے کو مفسر اعظم ہی سمجھتا ہے، چاہے وہ ایک جملہ بھی صحیح طور سے عربی زبان میں نہ لکھ سکتا ہو، نہ بول سکتا ہو۔ پھر اتباع نفس و ہویٰ جس قدر عام ہے آپ سے پوشیدہ نہیں۔ فانظر، ماذا ترٰی؟ انسانی کتابیں طب، صرف و نحو، جغرافیہ، ہیأت وغیرہ کی بھی بے معلم[۵۳] کے اگر کام دے سکتی ہیں؟

---

۵۱ حضرت مولانا المکرم! آپ تبلیغ کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ "وہ (رسول) اُس کے بندوں تک محض اس کی کتاب پہنچا دے اور بس، بندے سمجھیں یا نہ سمجھیں، غلط سمجھیں یا صحیح سمجھیں" (البیان ج ۲ عدد ۱ ص ۲۱) میں عرض کرتا ہوں، تبلیغ نام ہے "الانتھاء الی الاقصی المقصد" کا، بات کو روح کی گہرائی میں پہنچا دینے کا "فی انفسہم قولاً بلیغاً" دلیل و برہان اور دانش و حکمت کی معراج کا "حجۃ البالغہ۔ حکمۃ البالغہ" اب میں پوچھتا ہوں کہ قرآن تو تبلیغ کو اتنا مبرہن و محکم کر کے نفوس انسانی کے عمق میں اتارنے کا مدعی ہو اور آپ فرمائیں کہ "پہنچا دے اور بس" اب کس کو صحیح سمجھا جائے اور کیا ایسی جامع تبلیغ سے تعلیم کوئی الگ چیز ہو سکتی ہے؟ باقی رہ گئی یہ بات کہ "رسول صلعم کے بلاغ و تبلیغ و تعلیم ہی کو بہر گونہ کافی و وافی سمجھنا چاہیے" بجا فرمایا، ہم قیامت تک کے لیے حضور کے بلاغ و تبلیغ و تعلیم کو من حیث الوحی کافی و وافی سمجھتے ہیں اور عقلی تعلیموں اور تبلیغوں کو زمانی، مکانی، قابل تغیر و تبدیل اور محل سہو و خطا جانتے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی شخص نبی کی حیثیت سے مبلغ بن کر نہیں آئے گا۔

۵۲ اگر رسول اللہ صلعم نے قرآن مجید کی کوئی کامل، قطعی اور حتمی تفسیر قوم کو عنایت فرمائی ہوا ور وہ صفحۂ ارض پر قرآن مجید کی طرح محفوظ و موجود ہو، تو آج ہی جدل و اختلاف کی گرمیاں ٹھنڈی ہو جانی چاہییں، بلکہ پیدا ہی نہ ہوتیں۔

۵۳ میں نے اپنی گذارش میں معلم کی ضرورت کو تسلیم کر لیا ہے۔ آپ اس کا حوالہ بھی دے چکے ہیں۔ پھر اس زحمت و تکلف سے فائدہ؟ بات تو یہ ہے کہ معلم کی تشریح کو مصنف کے ارشاد کا ہم رتبہ نہ سمجھا جائے۔ یہ ہے بازیچۂ اطفال۔

تو پھر اتنے مدارس اور اسکول و کالج کا صَرف حکومت نے کیوں اپنے سر لیا ہے۔ بس فقط کتابیں تصنیف کر کر کے عام طور سے شائع کردی جاتیں۔ اس کے علاوہ ان کتابوں سے افراد کے ایسے اغراض ذاتی و شہوات نفسانی وابستہ نہیں، جو باہم مشترک ہوں اور محلِ تخاصم بن سکیں۔ قانونِ حکومت کو دیکھیے، ایک ہی دفعہ کی عبارت سے مدّعی کا وکیل کچھ مطلب نکالتا ہے اور مدعلیہ کا وکیل کچھ۔ کیوں کہ اس وقت دونوں کی ذاتی غرض اس دفعہ کی عبارت کو اپنے اپنے مقصد کی طرف کھینچتی ہے۔ اسی طرح آج فرقہ پرست و ہوا پرست دونوں طبقے قرآن کے ساتھ کر رہے ہیں۔

قلتم: متکلمِ قرآن جل شانہٗ کی قوتِ بیانیہ کے متعلق اتنی بدگمانیاں کیوں؟

اقول: یہ ان مفسرین سے پوچھیے، جو اس دَور قرآن فہمی میں بھی دس دس جلدوں میں قرآن کی تفسیریں لکھ لکھ کر شائع کیے جاتے ہیں[۱] اور اس کے الفاظ و عبارات کے معانی دوسروں کو سمجھانے کے درپے ہیں۔

مگر میں پوچھتا ہوں کہ منزّلِ الکتاب جل شانہٗ کے بھیجے ہوئے مُعَلّمِ الکتاب صلعم کی تعلیم کتاب[۲] سے اتنی وحشت کیوں[۳] ہو؟ معلم الکتاب صلعم کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنا تو متکلم جل شانہٗ کی قوتِ بیانیہ کے متعلق بدگمانی ٹھیرے اور مجھ جیسوں کی قیاس آرائیاں خاص متکلم جل شانہٗ کی قوتِ بیانیہ کے مظاہر بن جائیں! باوجودیکہ کہ یہ بیانات باہم اس قدر مختلف ہوں کہ ایک دوسرے کی ضد۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

قلت: (قال اللہ تعالیٰ، وانزلنا الیك الکتٰب لتبین للناس ما نزل الیھم الآیۃ

قلتم: "لتبین" کی خصوصیت بھی خود ساختہ ہے۔

اقول: اللہ تعالیٰ کی خود ساختہ ہے، میری نہیں۔

قلتم: کما قال فی اھل الکتاب لتبیننّہٗ للناس ولا تکتمونہ۔

---

[۱] واضح ہو کہ ہم کسی تفسیر کو قرآن کے ساتھ غیر فانی نہیں سمجھتے۔ یہ سب بلتی رہیں گی اور قرآن اپنی جگہ اٹل رہے گا۔ (مدیر)

[۲] میں پوچھتا ہوں، وہ تعلیم الکتاب ہے کہاں؟ (مدیر)

[۳] وحشت تو اس ذخیرہ تضاد و تناقض سے ہے، جس نے وحدتِ ملی کی دھجیاں اڑا دیں:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی (اقبال)

اقول: بے شک اہل کتاب کو بھی یہی حکم تھا کہ کتاب اللہ کی تبیین کرو۔ اس کی عبارت بھی پڑھ کر سناؤ۔ اس کے صحیح معانی و مطالب بھی بتاؤ۔ نہ اس کے الفاظ و عبارات کو چھپاؤ، نہ معانی و مفاہیم کو۔

قلتم: اور قرآن خود بیان ہے۔ ھٰذا بیان للناس۔

اقول: جبھی تو اس کی تبیین رسول صلعم کے ذمے کی گئی۔ تبیین تو کسی بیان ہی کی ہوگی۔

قلتم: یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کو اپنے ذمے لیا ہے۔ علینا بیانہ۔

اقول: "بیان" اپنے ذمے لیا اور "تبیین"[1] رسول صلعم کے ذمے کی۔ اس سے پہلے ہی ان علینا جمعہ و قرآنہ بھی ہے، اس لیے رسول اللہ صلعم نے قرآن کی آیتوں کو جمع بھی نہ کیا ہوگا اور نہ بطور خود کبھی پڑھا ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے پڑھا ہوگا اور اس کی آواز کانوں میں پڑی ہوگی، تو فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کے مطابق اسی آواز کے پیچھے پیچھے آپ کی زبان مبارک سے بھی وہی الفاظ ادا کرتے جاتے ہوں گے کس قدر وضاحت کے ساتھ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ الآیۃ بتا رہی ہے کہ ان تمام جگہوں میں "مِنْكَ" کا لفظ مستتر ہے اور ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ میں بھی مِنْكَ کا مفہوم موجود ہے اور پھر روایتوں کی بناء پر "لا تحرك" سے بیانہ" تک کو آپ مَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ سے بے تعلق قرار دے کر بیچ میں ایک جملہ معترضہ بلکہ کئی جملے کیوں قرار دے رہے ہیں؟ کہاں "قرآن" کا یہاں ذکر ہے کہ خواہ مخواہ "قرآن" کی طرف یہ ضمیریں پھیری جا رہی ہیں؟ کیا "قرآن" اپنے معنی مصدری ہی بمعنی قرأت دو جگہ آگیا ہے؟ اس سے قرآنہ اور بیانہ وغیرہما ضمیریں قرآن (کتاب اللہ) کی طرف پھر جائیں گی؟[2]

---

[1] "قد بینا لکم الآیات" کو بھی دیکھ لیں، پھر "آیات بینات" پر بھی نظر رکھیں۔ خود بیان کا معنی ہے: الکشف عن الشیء بمعنی مایشرح بہ المجمل و المبہم من الکلام بیاناً (راغب، امیر)

[2] ثم ان علینا بیانہ وغیرہ آیات سے مقصود ہے "ان اصح الطریق فی ذلك ان یفسر القرآن بالقرآن" (ابن کثیر) آپ کو یہاں مرجع ضمیر کی تلاش ہے، مناسب ہے کہ قرآن مجید ہی سے استمداد کریں۔ طٰہٰ میں ہے: ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیك وحیہ وقل رب زدنی علما (قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر، اس سے پہلے کہ تیری طرف اس کی وحی انجام تک پہنچائی جائے اور کہہ اے پروردگار مجھے علم میں زیادہ کر) اس آیت کو مفسرین نے آپ کی پیش کردہ آیت کے لیے تقیید تسلیم کیا ہے (تفسیر کبیر، موضح القرآن وغیرہ) اسی طرح اذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کی تشریح بھی قرآن ہی میں دیکھیے: "الاعلیٰ" میں ہے "سنقرئك فلا تنسیٰ" ترجمہ شاہ ولی اللہؒ کی زبان سے سنیے: "قرآن تعلیم خواہیم کرد ترا (باقی صفحہ ۱۵ پر)

قلتم: پہلی آیت میں لتبیّن سے پہلے الذکر اور دوسری میں الکتٰب ہے، یعنی ذکر یا کتاب کی مدد سے تبیین کرو۔

اقول: تو میں نے یہ کب کہا کہ ذکر و کتاب سے بے تعلق ہو کر تبیین کا حکم ہے۔ کتاب اللہ کی تبیین تو کتاب اللہ ہی سے ہوگی اور کتاب اللہ ہی کی مدد سے ہوگی۔ کون سی تعلیم یا تبیین نبوی ہے، جو کتاب اللہ سے بے تعلق ہو، اسی لیے تو تمام اہل حق نے روایات کا یہی معیار رکھا ہے کہ فاعرضوہ علٰی کتاب اللہ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردّوہ[۱] یعنی رسول اللہ صلعم نے خود بتا دیا ہے کہ جو قول میری طرف منسوب کیا جائے، اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ جو کتاب اللہ کے موافق ہو، اس کو قبول کرو۔ جو کتاب اللہ کے خلاف ہو، اس کو رد کر دو۔ معلم کتاب تو جو کچھ فرمائے گا، کتاب ہی سے فرمائے گا اور لائے گا کہاں سے؟[۲]

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۱۴۱ | نیس فراموش نخواہی کردن گمراں چہ خدا خواستہ است" اگر آپ قرآن سے باہر ہی بیان قرآن ڈھونڈھنے پر مُصر ہیں، تو آیہ انا نحن فیسم کے متعلق شاہ صاحب کا حاشیہ فتح الرحمن دیکھیے: "ہر آئنہ وعدہ لازم است برما جمع کردن در مصاحف وحفظ و قرأت آں عصر بعد عصر و ایضاح وتفسیر معانی آں، خدا تعالیٰ بر دست شیخین رضی اللہ عنہما جمع آں کرد، و در ہر زمانے قاریاں را توفیق داد کہ حافظ شوند و بتجوید خوانند و در ہر زمانے مفسراں را توفیق داد کہ در تفسیر آں سعی نمائند" آپ نے سمجھ لیا، شاہ صاحب نے "مِنّا" کی تخصیص نہیں رکھی، نہ اس کے لیے کسی خاص وقت کو متعین کیا ہے۔ اس لحاظ سے ہم سب سے پہلے قاری، سب سے پہلے حافظ، سب سے پہلے جامع اور مفسر آں حضرت صلعم کو تسلیم کریں گے اور قرآن مجید کے جتنے حصے کی تفسیر آپ سے دستیاب ہو سکے، اس کو تمام تفسیروں سے زیادہ قابل احترام سمجھیں گے اور بہ حسب حالات اس سے استفادہ کرنا اپنی سعادت سمجھیں گے، لیکن اس کو قرآن مجید کی طرح فرمودۂ جبرئیل (بالمعنٰی ہی سہی)؟ کر حضور صلعم کی بشری دانش و تدبر کے تفوق سے منکر ہونا برداشت نہیں کر سکتے: فافہم، اس نکتے پر ہم اور آپ متفق ہیں، الحمد للہ کما قلتم: "جب عام انسانی فہم و عقل کو ہم معانی قرآن سمجھنے میں اپنا معین و مشیر بناتے ہیں، تو پھر ایسی روایات جن کی صحت کا کم سے کم امکان یا ظن غالب ہو کیوں نہ اُن سے بھی مدد لی جائے" (البیان ج ۲ عدد ۱ صفحہ ۵) شکریہ، ذرا میاں مٹھو! اصلح فساد۔

[۱] کاش ایسا ہوتا! اور یہ جو قرآن سے ہزار گُنا زیادہ دین مسلمانوں کی پشت پر لاد دیا گیا ہے، قرآن سے موافق ہے؟ (مدیر)

[۲] کاش ایسا ہوتا! آپ خود تسلیم فرماتے ہیں: "روایات کے ذخائر میں ہزاروں باتیں تعالُل کے خلاف ہیں" البیان ج ۲ عدد ۱ صفحہ ۳۹ "کم از کم تابعین اُن منافقین (واضعین حدیث) کے دھوکے میں اگر آگئے ہوں، تو کیا عجب ہے" (صفحہ ۳۰) کتنی مردود روایتیں مقبول ہو ہو کر پھر درج کتب حدیث ہو گئیں" (صفحہ ۳۱) ہاں یہ تو بتائیں، ہماری مروجہ نماز کی رکعتیں، ترتیب اذکار، تعداد اوقات وغیرہ کس آیت سے مستنبط ہے؟ (مدیر)

قلتم: یعنی ذکر یا کتاب سے تبیین کرو، اُن اختلافات سے متعلق جو نزول کتاب سے پہلے اہل کتاب وغیرہ میں رائج ہو چکے تھے۔[1]

اقول: اور اگر نئے اختلافات خود مسلمانوں میں پیدا ہو جائیں، تو پھر اس ذکر اور اس کتاب سے ان اختلافات کو دُور نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی کو حق ہے کہ اس کتاب سے موجودہ اختلافات کو دُور کرے۔ کیوں کہ یہ تو صرف[2] اہل کتاب کے، وہ بھی پُرانے اختلافات کے لیے نازل ہوئی تھی، کیا یہی مطلب ہے؟

قلتم: بقول جناب، قرآن مبین اور آں حضرتؐ کی تعلیم و تبیینِ کتاب، اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ کوئی ہدایت خواہ انسان ان دونوں سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اقول: بے شک میرے نزدیک اس لحاظ سے دونوں یکساں ہیں جس طرح اقرار بتوحیدِ الٰہی اور اقرار برسالتِ انبیاء و مرسلین، اس لحاظ سے یکساں ضروری ہے کہ کوئی ہدایت خواہ انسان ان میں سے صرف ایک پر اکتفا کر کے راہِ نجات نہیں[3] پا سکتا۔

قلتم: کیا آپ کی طرح آں حضرتؐ نے اس ضرورت کا احساس فرمایا تھا اور اُمّت کو یکساں حفاظت کے ساتھ یہ دونوں چیزیں پہنچا دی تھیں؟

اقول: بے شک! رسول اللہ صلعم نے اس کا پوری طرح احساس فرمایا تھا اور اُمّت کو کتاب اللہ اور اپنی سنّت یکساں طور سے بہ حفاظتِ[4] تمام پہنچا دی تھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس ضرورت کی بناء پر کتاب اللہ اسی کے ہاتھ اپنے بندوں تک پہنچائی، جس کو معلمِ کتاب بھی بنا دیا اور اُمّت کو اطاعتِ رسولؐ کا اسی طرح حکم دیا جس طرح اپنی اطاعت کا حکم دیا اور کہہ دیا کہ وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ[5] (نساء ۸۰)، "سُنّت" روش اور طریقہ کو کہتے ہیں، ہوٹی[6] موٹی کتابوں کو نہیں۔

---

[1] آیت سے او پَر ارسلنا من قبلك" "اهل الذکر" "بالبینات والزُبر" وغیرہ سے مَیں یہی سمجھا ہوں بعض مفسرین نے بھی "اہلِ ذکر" سے یہود و نصاریٰ مراد لیے ہیں۔ [2] "صرف" کی قید آپ نے لگائی۔ (مدیر)

[3] یعنی مقصود اور ذریعہ یکساں ہیں، حالاں کہ ذرائع میں تعدد جائز ہے اور مقصود میں تعدد محال و شرک۔ (مدیر)

[4] عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ٭ کاین جا ہمیشہ باد بہ دست است دام را

[5] اس سے تو معلوم ہوا دو اطاعتیں نہیں، بلکہ ایک ہی ہے۔ (مدیر)

[6] آج ہمارے سامنے صحابہ تو نہیں، یہی موٹی موٹی کتابیں ہیں، جن کی بنا پر صدیوں سے سر پھٹول جاری ہے۔ (مدیر)

آپ کی روش، آپ کا طریقہ صحابہ رضؓ کو محفوظ تھا جس طرح آپ نمازیں پڑھتے تھے، ہر صحابی تا عمر اُسی طرح پڑھتا رہا۔ وقس علیٰ ہذا۔ اور لا تکتبوا عنی سوا القرآن اور اس قسم کی سب حدیثیں میرے پیشِ نظر رہتی ہیں۔ میں ان کو خوب سمجھتا ہوں اور کبھی نہیں بھولتا۔ میں اس وقت اس حدیث پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ یہ حدیثیں آپ کے موافق نہیں ہیں، بلکہ مخالف ہیں[1]۔

قلتم: کیا اقامتِ صلوٰۃ زمانہ نزولِ قرآن کی ایجاد ہے؟ یا انبیائے سابقین بھی اس راز سے واقف تھے؟ قرآن سے جواب دیں۔

اقول: انبیائے سابقین تو وہ سب کچھ جانتے تھے جس کا تعلق دین سے ہو سکتا ہے۔ پھر قرآن کے نزول[2] ہی کی کیا ضرورت تھی۔ صرف انبیائے سابقین کے جان لینے سے سارے اہلِ عرب تو جان نہیں گئے۔ قرآن سے جواب سنیے فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ (ان انبیائے سابقین) کے بعد ایسے ایسے ناخلف[3] لوگ آئے، جنھوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور خواہشاتِ نفس کے تابع ہو گئے (سورہ مریم)

---

[1] جس طرح کوئی کہے "لا الٰہ الا اللہ" اہلِ توحید کے موافق نہیں۔ سبحان اللہ! (مدیر)

[2] تاکہ تمام تعلیماتِ سابقہ کی تصدیق و حفاظت ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتٰب و مھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔ اور تجھ پہ اتاری ہم نے کتاب تحقیق سچا کرتی ہے اگلی کتابوں کو اور سب پہ شامل۔ (ترجمہ شاہ عبد القادرؒ) مھیمنا علیہ پر شاہ ولی اللہؒ کا نوٹ بھی سن لیجیے یعنی، تحریف را از غیر تحریف جدا می سازد (فتح الرحمٰن) قرآن مجید انسانی آمیزش کو کلام الٰہی سے الگ کرتا ہے۔

[3] میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مراد اُن لوگوں کی اکثریت ہے، کُلیت نہیں۔ جیسا کہ فرمایا: لیسوا سواء من اھل الکتٰب امۃ قائمۃ یتلون اٰیات اللہ اٰناء الیل و ھم یسجدون یومنون باللہ والیوم الاٰخر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصٰلحین و ما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ۔ اس سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: ۱۔ زمانہ نزولِ قرآن میں اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، جو اپنے قیام و سجود (نماز) میں راتوں کو آیات اللہ کی تلاوت کرتے تھے۔ ۲۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے۔ ۳۔ وعظ و تبلیغ میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ۴۔ کارِ خیر میں درنگ نہیں کرتے تھے۔ ۵۔ لہٰذا وہ "صالح" تھے اور اُن کے ان کارہائے خیر (نماز و تبلیغ وغیرہ) کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ (مدیر)

کس طرح ضائع کیا؟ اس کو بھی قرآن ہی سے سُن لیجیے: مَاکَانَ صَلوٰتُھُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً وَّتَصْدِیَۃً ان کی نماز بیت اللہ کے سامنے سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے سوا کچھ باقی نہیں رہی تھی (انفال ع۴)۔ نمازیں تو کچھ یہود بھی پڑھتے تھے اور بعض نصاریٰ اور بعض صابئین بھی اور یہ سب نمازیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں اور وہ اختلاف بھی صرف آمین بالجہر و رفع یدین و تحریمہ کے فرق تک نہ تھا، تو پھر آں حضرت صلعم کو اقیموا الصلوٰۃ کا جو حکم ہوا، تو ان میں سے کس نماز کے متعلق؟ مکاء و تصدیہ والی نماز یا یہود جیسی یا نصاریٰ جیسی یا صابئین جیسی؟ الصلوٰۃ پر الف لام اگر جنس کا ہے، تو اس میں مکاء و تصدیہ والی نماز بھی داخل ہو جائے گی، اس لیے یقیناً عہد مقصود ہو، تو وہ صلوٰۃ معہودہ کون سی تھی؟ یقیناً جن کے متعلق اضاعوا الصلوٰۃ فرمایا گیا ہے، ان کی نماز مقصود نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلعم نے ان فرقہائے مختلفہ کی نمازوں میں سے صابئین کی نماز کو اپنی پیغمبرانہ فراست سے یا القائے ربانی کی رو سے اختیار فرمایا، اسی لیے ابوطالب نے شروع شروع جو آں حضرت صلعم کو نماز پڑھتے دیکھا، تو کہا کہ یعبد عبادۃ الصابئین، یعنی، یہ صابئین کی طرح عبادت کر رہے ہیں اور اسی لیے ابتدائے اسلام میں اہل مکہ نے آپؐ کو اور مسلمانوں کو صابی کہنا شروع کیا تھا۔ غرض آپؐ نے جس طرح نماز ادا کی اور جس رکن نماز میں جو کلماتِ عبادت اپنی زبان مبارک سے ادا کیے۔ یقیناً اسی کی تعلیم صحابہؓ کو فرمائی اور سارے صحابہؓ اسی طرح نماز پڑھتے رہے جس طرح آں حضرتؐ نے نماز پڑھی[۵۱] اور یقیناً سارے مسلمانوں کو اسی طرح نماز پڑھنی چاہیے، جس طرح آں حضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ نے پڑھی تھی۔ بطور خود اختراع و ایجاد کا کسی کو کوئی حق نہیں، کیوں کہ ہمیں حکم ہے کہ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ اللہ کو یاد کرو اس طرح، جس طرح کہ تم کو بتایا، جسے تم جانتے ہی نہ تھے[۵۲] (بقرہ ع۳۱ پ۲) اور معلم ہمیں رسولؐ کے سوا

---

[۵۱] مروجہ التحیات اور درود شریف آں حضرت صلعم کی نماز میں داخل تھا؟ نیز مروجہ صلوٰۃ کے تمام اجزا آپ کے دعویٰ (حسبنا کتاب اللہ) کے لحاظ سے قرآن سے مستنبط کرنے چاہئیں۔

[۵۲] کما علمکم (فی القرآن) لم تکونوا تعلمون (قبل القرآن) (تفسیر عباسی) جیسے اس نے تمھیں سکھایا، جو تم نہیں جانتے تھے، یعنی (قوموا للہ قانتین) کے حکم میں یا گزشتہ تعلیمات کے شکریہ میں" (بیان للناس) فافعلوا الصلوٰۃ کما علمکم بقولہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین"۔ ۔ ۔ "اما قولہ کما علمکم فبیان انعامہ علیہما بالتعلیم والتعریف وان ذٰلک من نعمہ تعالیٰ ولولا ھدایتہ لم نصل الی ذٰلک" (تفسیر کبیر) مطلب یہ کہ علمکم کو ڈھونڈھنے کے لیے ہم کو قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معلم نظر نہیں آتا، اور آپ فرماتے ہیں "معلم ہمیں رسولؐ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ملا" اگر آپ اصل معلم اللہ کو مانیں اور آں حضرتؐ یا دیگر انبیاء کو ذریعہ کہیں، تو ہم سب مراتب ہزاروں ذریعے ماننے کو تیار ہیں، یہاں تک کہ آپ کو بھی، لیکن ذریعے کا لفظ نہ بھولیں۔ (مدیر)

کوئی دوسرا نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسولؐ ہی کے ذریعے تعلیم دی اور یقیناً یہ طریقہ نماز ہمیں ہرگز آپؐ کی تعلیم سے پہلے معلوم نہ تھا، نہ کسی طرح معلوم ہو سکتا تھا۔ اس لیے آج بھی ہمیں نماز کے لیے اسی طریقے کو دریافت کرنا چاہیے، جو طریقہ رسولؐ کی تعلیم سے ثابت ہے۔ اس وقت جو بعض جزئی باتوں میں اُمت اختلاف رکھتی ہے مثلاً آمین و رفع یدین و تحریمہ وغیرہ، تو یہ اختلافات کچھ تو منافقین کے پیدا کیے ہوئے ہیں، جن کو راویانِ حدیث[1] نے محسوس نہ کیا اور سب کو اپنے دفاتر میں بھر لیا اور کچھ غیر فقیہ فقہا کی سفیہانہ فقاہت کے نتائج ہیں، جو فرقہ پرستوں کے ہاتھوں افرادِ اُمت میں تقسیم پا گئے۔ اس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں۔ "کتاب الصلوٰۃ" کے نام سے ایک رسالہ زیرِ تصنیف ہے، جس کے دو یا تین حصے ہوں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر اس میں کافی روشنی ڈالی جائے گی۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

قلتم: کون ظالم کسی مولانا کی تشریح قرآن کو قرآن کے ساتھ مثلہ معہ بالکل صحیح سمجھتا ہے؟

اقول: "قرآن کے ساتھ" پھر "مثلہ معہ" پھر "بالکل صحیح" یہ تین شرطیں کسی خاص احتیاط کے ماتحت تو نہیں ہیں؟ "مثلہ معہ" ماننے والے بھی مجلدات روایات کو "قرآن کے ساتھ" "مثلہ معہ" اور "بالکل صحیح" نہیں مانتے۔ وہ ان روایات کو اسماء الرجال سے جانچتے پرکھتے رہتے ہیں۔ ان کے قوی و ضعیف، بلکہ بعض کے موضوع و کاذب ہونے تک کے قائل ہیں، اس لیے آپ میں اور ان میں کوئی فرق تو نہیں معلوم ہوتا۔ آپ قرآن کے ساتھ مثلہ معہ بالکل صحیح تو نہیں مانتے، مگر معلّم الکتاب والحکمۃ صلعم کی تعلیم و تبیین کتاب سے تو بہتر، ورنہ کم سے کم برابر تو غالباً سمجھتے ہیں، کیوں کہ اس سے انکار نہیں فرمایا۔[2]

قلتم: لیکن قرآن کے سوا کوئی اَور علم وحی معصوم کا مرتبہ نہیں رکھتا۔

اقول: یہی تو میرا بھی عقیدہ ہے اور مَیں نے بھی تو اس مضمون میں یہی عرض کیا ہے۔ پھر نکتہ چینی کیسی؟ اور یہ حاشیہ کیسا؟[3]

---

[1] صدقتم جزاکم اللہ۔ (مدیر)

[2] اس امر میں عاجز راقم کا اعتقاد سُن لیجیے: جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام افرادِ اُمت بلکہ تمام نفوسِ انسانی پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح آپ کی فکر و فہم و تبصیر کو بواسطہ وحی و تقرب الٰہی کی برکت سے عقولِ بشری پر فوقیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ایسے امور میں حسنِ ظن سے کام لینا انسب ہے۔ (مدیر)

[3] اس گستاخی کی وجہ ظاہر ہی ہے، جو آپ کے ارشادات سے متبادر ہے ع تو بازے کردن و ہم رنگ مستاں زیستن۔ (مدیر)

قلتم: جہاد میں کمزوری دکھانے والے اور آپؐ پر غل کا گمان کرنے والے اور وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا وغیرہ ذٰلک من الآیات کے مرتکب بھی مدینۃ النبیؐ میں موجود تھے۔

اقول: یہ بالکل صحیح ہے، مگر مہاجرین و انصار میں کا ایک فرد بھی ان امور کا مرتکب نہ تھا[5]۔ قبائل انصار کے دو قبیلے ایک بار جہاد میں کمزوری دکھایا ہی چاہتے تھے کہ توفیق الٰہی نے فوراً مدد کی اور سنبھل گئے۔ اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (یاد کرو) جب کہ دو گروہوں نے کمزوری دکھانے کا ارادہ کیا تھا اللہ ان کا مددگار تھا (آل عمران ۱۲ ع ۱۳) مہاجرین و انصار بھی معصوم نہ تھے۔ بہ تقاضائے بشریت کسی گناہ کا ہو جانا اور بات ہے، مگر جان بوجھ کر رسولؐ پر اتہام لگانا یا سرکشی کرنا یہ ان سے کبھی نہ ہوا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کا محبوب بنا دیا تھا اور ایمان کو ان کے دلوں میں مزین کر دیا تھا اور کفر و فسوق و عصیان سے ان کو متنفر بنا دیا تھا (حجرات) کچھ منافقین کے حالات سے تو اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلعم کو مطلع فرما دیا تھا۔ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ

---

[5] اس نکتے کی تشریح کا رصواب نہیں معلوم ہوتی، ورنہ تاریخ و روایت کی کتابوں سے کیا کچھ نہیں نکل سکتا، خود قرآن مجید کے انداز بیان میں بہت کچھ ملفوف ہے۔ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار میں "من" کی تبعیض کیا کہتی ہے؟ اس کے آگے والذین اتبعوھم باحسان میں "اتباع بالاحسان" کی خصوصیت میں کیا نکتہ ہے؟ خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً کون لوگ تھے؟ لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم میں مہاجرین و انصار ہی کا ایک فریق تھا، جس کے زیغ قلوب کی شہادت دی گئی ہے۔ اگر یہ سب کچھ بلا ارادہ ہی صادر ہو رہا تھا، تو ملامت کا کون سا محل ہے اور "تاب" کی کیا ضرورت ہے؟ اور الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ۔۱۱ کس گروہ سے تعلق رکھتے تھے؟

اذا راوا تجارۃ پر شاہ صاحبؒ کا حاشیہ دیکھیے: "ایں آیت عتاب است با صحاب و اشارہ است بآں قصہ کہ کاروانے از شام آمد در اثناء خطبہ ایشاں آں را دیدہ متفرق شدند و در خدمت آں حضرت صلعم نماندند، مگر دوازدہ شخص کہ حضرت ابوبکر و عمر ازاں جملہ بودند"

کیا اس وقت تک مہاجرین و انصار کی کل تعداد ۱۲ تک پہنچی تھی اور باقی حاضرین مسجد تمام تر غیر مہاجر و غیر انصار تھے؟ (مدیر)

مِنْ اَخْبَارِکُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خبروں سے ہمیں مطلع کر دیا ہے (توبہ ۹۴ آغاز) اور بعض ایسے تھے۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ یعنی اور جو تمہارے گرد اعراب ہیں، ان میں سے بھی بعض منافق ہیں اور بعض اہلِ مدینہ بھی جو نفاق پر مُصر ہیں، تم انھیں نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں (توبہ ۱۰۱) ان کے متعلق یہیں پر ارشاد ہے کہ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ۔ یعنی ہم عن قریب (دنیا ہی میں) انھیں دو دو بار مبتلائے عذاب کریں گے۔ پھر ان کو لوٹا دیں گے ایک دردناک عذاب (دوزخ) کی طرف (یعنی، مرنے کے بعد یا قیامت کے بعد) اس لیے وہ بچے کہاں کہ ان سے راویانِ حدیث روایتیں کرتے؟ راویانِ حدیث میں جو منافقین ہیں، وہ سب کے سب عجمی ہیں اور ان کی کثیر جماعت تابعین میں رلی ہوئی ہے اور کچھ تبع تابعین میں۔ ان کے بعد ان کے قریب خوردہ سیدھے سادے مسلمان ہیں، عربی ہوں یا عجمی۔ البتہ ہر زمانے میں ان کے بعض خاص شاگردان رشید رہے، جو اپنا کام چپکے چپکے کرتے رہے ہیں۔ میں تاریخ جمع قرآن میں ان کا حال کچھ لکھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالےٰ۔

قلتم: اور ایسے لوگوں کے ماتھے پر کوئی نشان نہ تھا کہ اُن سے روایت قبول نہ کی جاتی۔

اقول: ان کے ماتھوں پر نشان تھا: فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ[۱] (محمد ۳۰) اور رفتہ رفتہ ان میں سے کتنے مرکھپ چکے تھے، کتنے ایمان صادق لے آئے اور منافق

---

[۱] پوری آیت مع سیاق یوں ہے: وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ۔ ترجمہ سید المترجمین کی زبان سے سنیے! "واگر می خواستیم می نمودیم ایشاں را بتو پس می شناختی بہ قیافہ ایشاں والبتہ بشناسی ایشاں را در اسلوب سخن وخدای داند عمل شمارا والبتہ امتحان کنیم شمارا تا بشناسیم مجاہدان را از شما وصابراں را وبیازمائیم احوال شمارا۔ (فتح الرحمن) صرف نشان زدہ الفاظ کی طرف آپ کو متوجہ کر کے عرض کرتا ہوں کہ کیا اس سے آپ کا مقصود پورا ہوتا ہے؟ اگر میں اپنی طرف سے اس کی تشریح میں پڑوں، تو کئی اور مباحث میں اُلجھنے کا اندیشہ ہے۔ نیز میری طرف سے زیادہ وضاحت کرنا اپنے ذی علم مخاطب کی شان میں سوء ادبی کے مترادف ہے، صرف ایک مزید آیت ایسی بہت سی آیات سے پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ یعنی عیاذت باللہ انی احبک وانا بعدک۔ اس میں بھی نشان زدہ لفظ دیکھیں، کیا کہہ رہے ہیں۔

نہ رہے، کیوں کہ وجہِ نفاق باقی نہ رہی، جب فتح مکہ ہو چکی اور تمام مسلمانوں کا غلبۂ عام ہو چکا، اور جن کے بارے میں لا تعلمهم نحن نعلمهم فرمایا گیا، وہ بھی مر چکے اور مغلوب ہو چکے، جیسا کہ قبل گذرا۔ اس لیے آں حضور صلعم کے بعد صحابہ میں منافقین کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی اہلِ روایات مہاجرین و انصار کی روایات اور دوسرے صحابہ کی روایتوں کو کبھی برابر نہیں سمجھتے۔ روایتوں میں بھی شرائع کی روایتوں میں اجلۂ صحابہ اور فقہائے صحابہ ہی کی روایتوں کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ مغازی و وقائع میں البتہ زیادہ احتیاط نہیں کرتے، مگر ان روایات کاذبہ کی وجہ سے بعض صحابہ کے دامن کو ملوث سمجھنے کی خواہ مخواہ کیوں کد ہے؟ جب کہ تابعین میں ہزاروں عجمی منافقین یا ان کے تلامذہ صف بستہ نظر آرہے ہیں، کیوں کہ ایسی روایتیں جو محلِ نظر ہیں، وہ تو عموماً عامۂ صحابہ سے ہیں بھی نہیں، وہ تو زیادہ تر اجلۂ صحابہ یا خاص خلفائے راشدینؓ ہی سے ہیں، جو ان پر افترا کی گئی ہیں۔[1]

قلتُ: مگر یہی روایت صحابہؓ کے لیے ظنی نہ تھی۔

قلتم: اگر ظنی نہ تھیں، تو جناب عمرؓ و علیؓ وغیرہما راویوں سے قسمیں کیوں اٹھواتے تھے؟ گواہ کیوں طلب کرتے تھے؟ الخ

اقول: جس روایت کو جو صحابی خود رسولؐ کی زبان سے سُن لیتا تھا، وہ اس صحابی کے لیے ظنی نہ تھی، جس نے رسولؐ سے خود نہیں سُنا، بلکہ اب اس صحابی کی زبان سے سُن رہا ہے، چاہے وہ خود کوئی صحابی، بلکہ ابوبکرؓ و عمرؓ یا عثمانؓ و علیؓ ہی کیوں نہ ہو۔ اس بالواسطہ سننے والے کے لیے وہ روایت ظنی ہو گئی۔ میرے کہنے کا یہی مطلب تھا اور ہے،[2] نہ یہ کہ ہر روایت ہر صحابی کے لیے قطعی ہے۔ جس روایت کو عمرؓ و علیؓ نے خود رسول صلعم سے نہیں سُنا تھا اور کسی دوسرے صحابی نے ان کے سامنے بیان کیا، تو وہ قسم اُٹھواتے تھے اور گواہ طلب کرتے تھے، کیوں کہ ان کا یہ تعجب بہت صحیح تھا کہ ہم لوگ دن رات رسولؐ کے ساتھ رہتے

---

[1] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وضاعین نے بڑے بڑے ناموں کی آڑ لی ہے۔ (مدیر)

[2] اگر آپ کا یہ مطلب ہے، تو میں اپنی غلط فہمی کا اعتراف کرتا ہوں، لیکن ظنیت سے بچنے کا احسن و انسب طریق وہی ہے، جو اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب سے متعلق اختیار کیا، یعنی، ہر ہر آیت نزول کے ساتھ ہی قلم بند ہوتی رہی۔ آپ کو معلوم ہے ایک ہی شخص ایک واقعہ کو بہ تفاوتِ زمان متعدد مرتبہ بیان کرے گا، تو ہر دفعہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہوتی رہے گی۔ ظاہر ہے حدیث کے ساتھ ایسی احتیاط نہیں برتی گئی۔ (مدیر)

والے، مگر یہ روایت رسولؐ سے کبھی نہیں سنی۔ یہ شخص کہ رہا ہے کہ مجھ سے رسولؐ نے ایسا فرمایا، اس لیے بے شک حلف اُٹھوانے کا مقام اور گواہ طلب کرنے کا موقع تھا۔

قلت: ہر روایت بشرطیکہ خلاف قرآن پاک نہ ہو، قطعی لذاتہا ہو سکتی ہے۔

قلتم: اس کا فیصلہ کون کرے؟

اقول: ہر صاحب عقل سلیم اگر ایمان و دیانت رکھتا ہے، تو بخوبی اس کا فیصلہ کرسکتا ہے، بشرطیکہ قرآن پاک پر کافی نگاہ رکھتا ہو۔ ادب عربی و لغات و محاورات عرب سے واقف ہو، لیکن فرقہ پرست، اشخاص پرست اور ہوا پرست کو البتہ اس کی توفیق نہیں ہو سکتی اور اگر وہ ایسا کریں گے، تو اس روایت کو قرآن کے تو مطابق نہ کریں گے، بلکہ روایت اور قرآن دونوں ہی کو اپنے منشا کے مطابق کرنے لگیں گے اور جو ان کے منشا کے مطابق نہ اتر سکے گا، اس کو رد کر دیں گے۔ روایت اگر ہوگی، تو موضوع کہ دیں گے۔ قرآن اگر ہو گا، تو منسوخ بتا دیں گے، ورنہ کوئی اور تاویل ڈھونڈھ لیں گے۔

یہ ممکن ہے کہ ایک صاحب عقل سلیم و صاحب ایمان و دیانت واقف زبان عرب کے فیصلہ کو ساری دنیا تسلیم نہ کرلے، کیوں کہ دوسرے طبقے یقیناً اختلاف کرتے رہیں گے، تو آخری فیصلے کا دن تو آخر یوم الفصل رکھا ہی گیا ہے۔ فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون[۵۱]۔

قلتم: اور کیا پھر وحی بن جائے گی؟

اقول: وحی تو نہیں بنے گی، مگر میری اور آپ کی اور ہم جیسوں کی ذاتی قیاس آرائیوں پر مقدم ہی رہے گی[۵۲]۔

قلتم: بس یہی راہ ہے، جس سے شیعوں کی وحی خفی الگ ہوگئی اور سنیوں کی الگ۔ وھلم جرا۔

اقول: یہ راہ تو وحی خفی کے سدباب کی ہے، البتہ اگر اس راہ کو چھوڑ دیا گیا، تو پھر میرا قرآن الگ، آپ کا قرآن الگ اور فرداً فرداً ہر شخص کا ایک نیا قرآن ہوگا۔

---

۵۱ میں آپ کے ارشاد پر سر جھکاتا ہوں، بلکہ تھوڑا سا اضافہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس قاعدہ کو "روایت" سے چلا کر تمام علما و صوفیہ متقدمین و متاخرین کی تصانیف پر حاوی کر دیجیے، یعنی جس کی جو بات قرآن حکیم اور عقل سلیم کے خلاف نہ ہو، اس سے استفادہ کیا جائے۔ جزاکم اللہ۔ (مدیر)

۵۲ سر تسلیم خم ہے۔ (مدیر)

قلتُ: جو روایت بھی قرآنِ پاک کے مطابق نہ ہو، بلکہ مخالف ہو، وہ قرآن پاک کے مقابل یقیناً ٹھکرا دینے ہی کے قابل ہے۔

قلتم: یہ حال ہے اُس چیز کا جس سے کوئی ہدایت خواہ انسان مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اقول: اس حاشیہ پر قربان![a] کیا جو روایت مخالف قرآن ہو، اس سے کوئی ہدایت خواہ انسان مستغنی نہیں ہو سکتا؟ یہی میں نے لکھا تھا،

قلتم: یہاں آپ صوت (آواز) کو کھینچ کر کہاں سے کہاں لے گئے۔

اقول: وہیں تک جہاں تک اس کا مفہوم جا سکتا ہے۔ عبارۃ النص سے اقتضاء النص کی اہمیت عموماً و اصولاً زیادہ ہوتی ہے، کیوں کہ مقصود مقتضائے نص ہی ہوتا ہے۔ کیا لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (والدین کے لیے اُف نہ کہو اور انھیں جھڑکو۔ بنی اسرائیل ۲۳) سے والدین کے مارنے پیٹنے کی ممانعت نہیں نکلے گی؟ کیوں کہ "اف" اور "نھر" کو طول نہیں کھینچا جا سکتا؟[b]

قلتم: اگر یہی مطلب ہے کہ آپ سے اختلاف نہ کیا جائے، تو شاورھم فی الامر کی تعمیل کیوں کر ہوگی؟

اقول: جب مشورہ لیا جائے گا، تو ہر شخص سے اس کی رائے پوچھی جائے گی اور وہ حسب حکم اپنی رائے اپنی دیانت سے دے گا، مگر جب آں حضرت نے کوئی فیصلہ کر دیا یا حکم دے دیا، تو پھر اس کے خلاف آواز بلند کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ خود کسی کے سامنے کوئی بات کہنا، یا عرض کرنا اور بات ہے۔ اس کو آواز

---

[a] البیان ج ۲ ص ۲۳ میں لکھا تھا: "ہم روایات سے بالکل مستغنی نہیں ہو سکتے" یہاں آپ نے روایات ہی کے ایک حصہ کو ٹھکرانے کے قابل فرمایا۔ اس پر میں نے یہ حاشیہ لکھا کہ جس چیز سے کوئی ہدایت خواہ انسان مستغنی نہیں ہو سکتا، اس میں اتنا تضاد نہیں ہونا چاہیے۔

[b] اگر قرآن مجید سے رفع صوت، غض صوت، جہر القول، ندا من وراء حجرات وغیرہ واضح الفاظ و قرائن "آواز" کے صریح مفہوم سے آگے کچھ اور مقصد رکھتے ہیں، تو میں اس کے سوا اور کیا عرض کر سکتا ہوں کہ دو ایک بزرگوں کی شہادت پیش کر کے خاموش ہو جاؤں:

"این سورہ برائے تعلیم ادب فرود آورد کہ از حضرت در امر و نہی پیش دستی نہ کنند و بہ آں حضرت بہ آواز بلند خطاب نہ کنند" (فتح الرحمٰن شاہ ولی اللہ)

"آداب سکھائے رسول کے اور آپس کے، ایک ادب یہ کہ مجلس میں شور نہ کرو کہ حضرت کی بات سننی نہ پڑے۔ دوسری یہ کہ خطاب کرو ادب سے۔ گھک کر نہ بولو" (موضح القرآن شاہ عبدالقادر)

بلند کرنا محاورۃً نہیں کہتے۔ اس کے پیٹھ پیچھے یا اس کے مقابل یا اس کے خلاف اپنی رائے عام لوگوں سے کہنا، تاکہ لوگ اس کی بات نہ مانیں، بلکہ ہماری بات مانیں۔ یہ محاورۃً رفع الصوت اور آواز بلند کرنا کہا جائے گا اور کسی کی آواز کو اپنے شور وغل سے دبا دینا کہ دوسرے سُننے نہ پائیں، یہ لغۃً رفع الصوت علی الصوت ہوا[٥١]۔

قلتم: یہ عجیب معیار غالباً تنہا آپ کا مجوزہ ہے۔

اقول: بالفرض چوں کہ تنہا میرا مجوزہ ہے صرف اس لیے عجیب بھی ہے اور قابلِ اعتراض بھی؟ آخر اس معیار میں خرابی کیا ہے؟ یہ معیار خود رسول اللہ صلعم کا بتایا ہوا ہے اور اسی حدیث سے ماخوذ ہے فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردّوہ اور سارے محدثین اس معیار کو تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ اس پر سب کے سب ہر جگہ عمل پیرا نہیں ہو سکے۔

---

٥١ آپ نے میری پیش کردہ آیتوں پر قطعاً توجہ نہیں کی۔ نیز شاورھم اور لا ترفعوا اصواتکم کو ملا کر جو نتیجہ آپ اخذ فرما رہے ہیں، وہ انتفائی اطاعت سے متعلق ہے، جو آنحضرتؐ کے بعد آپ کے نائبین کے حق میں بھی اسی طرح جاری رہے گا، یعنی اگر حضرت ابوبکرؓ کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ صادر فرما دیں، تو اس کے خلاف بھی آواز بلند کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

٥٢ میں بھی دیکھ رہا ہوں اور آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہر فرقہ کی احادیث کے مجموعے الگ الگ ہیں، جن کو وہ مستند سمجھتے ہیں، ان کی مسلمہ کوئی حدیث عقل و تجربہ اور قرآن کریم کے خلاف ہو، تو عقل کو طلاق دے دیں گے، تجربے کی تضحیک کریں گے اور آیتِ قرآنی کو منسوخ ٹھیرائیں گے یا تاویل کے نشتر سے آپریشن کرکے اپنے مطلب کے موافق کرلیں گے۔ حدیث کا وصیۃ للوارث، حدیث کذبات ابراہیم علیہ السلام، حدیث سحرِ رسول اللہ وغیرہ کا ایک ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے، جس کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے تضاد کی نسبت ہے اور ان ہفوات کا منکر، منکرِ اسلام، منکرِ رسول وغیرہ القاب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ اخیر میں میں اس مبارک سطر کی تکرار کرتا ہوں، جو آپ کے قلم سے نکل کر ہمارے لیے ایک متحدہ لائحہ عمل بناتی ہے:

"جب عام انسانی فہم و عقل کو ہم معانیِ قرآن کے سمجھنے میں اپنا معین و مشیر بناتے ہیں، تو پھر ایسی روایات، جن کی صحت کا کم سے کم امکان یا ظن غالب ہو، کیوں نہ اُن سے بھی مدد لی جائے؟"

اس وقت دین کی بڑی خدمت یہ ہوگی کہ بڑے بڑے فرقوں کے محقق علماء اپنی متحدہ کوشش سے ایسی معقول اور مطابقِ قرآن روایات کا ایک مجموعہ تیار کرکے طلبائے قرآن کو عنایت فرمائیں۔ بڑے بڑے اختلافی دفتروں اور طوماروں کو تاریخی تحفوں کے طور پر بڑے بڑے کتب خانوں کی زینت کے لیے رہنے دیں:

یہ صندوقِ کُتب اب مجھ سے یارب اُٹھ نہیں سکتا ‏ ‏ ‏ یہ مذہب ہے تو مجھ سے بارِ مذہب اُٹھ نہیں سکتا

(اکبر الٰہ آبادی)

قلتم: یہ "دین لذاتہا" اور "دین لغیرہا" محتاج سند ہے۔

اقول: بے شک یہ اصطلاح خود میں نے مقرر کی ہے۔ وَلَا مُنَاقَشَةَ فِی الْاِصْطِلَاحِ۔ مگر اس کا ماخذ قرآن پاک ہے۔ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (نساء ۱۱۴) امر بالصدقہ، امر بالمعروف، و اصلاح بین الناس کار خیر ضرور ہیں، مگر کار دین جبھی ہوں گے کہ ابتغاءً لمرضاۃ اللہ کیے جائیں۔ اس لیے بعض کار خیر ایسے ابتغاءً لمرضاۃ غیر اللہ بھی جائز ہیں، مگر جزائے آخرت ان پر نہیں مل سکتی۔ ہاں جب ابتغاء لمرضاۃ اللہ کیے جائیں گے، تو جزائے آخرت بھی ملے گی۔ ایسے کام دین لغیرہا ہیں اور جو کام ابتغاءً لمرضاۃ اللہ ہی کرنا ہو گا، اگر ابتغاءً لمرضاۃ غیر اللہ کیا، تو مشرک ٹھیر گئے۔ ایسے کام دین لذاتہا ہیں، اس لیے وہ کام جزائے آخرت ہی کی امید پر کیے جاتے ہیں۔ مفصل بحث میرے رسالہ "بدعت" میں ہے، جو صاف ہو رہا ہے۔ عجب کیا ہے کہ عن قریب چھپ جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ۔ والسلام خیر الختام۔

تمنا عمادی غفرلہٗ

نوٹ | اس نقطۂ اتصال فریقین کا اقتضاء یہ ہے کہ فریقین جو دو دو مرتبہ اپنے خیالات واضح کر چکے ہیں۔ اب اس بحث کو ختم کر دیں اور اسی نہج سے مل کر کتاب و سنت سے استفادہ کیا جائے اور صاحبانِ افراط و تفریط کو اس نقطۂ اعتدال کی طرف دعوت دی جائے۔ یہی نکتہ آج سے ۱۸ برس پہلے خواجہ احمد الدین مرحوم نے اپنے پُرزور الفاظ میں اس طرح ادا کیا تھا: "آپ کی معقول باتوں سے فائدہ نہ اٹھانا ظلم صریح ہے، جب قرآن مجید احسن و اہدیٰ بات کی پیروی کی تاکید فرماتا ہے۔ کیا اپنے نبی ہی کی عقل سے مستفید و مستفیض نہ ہونا صحیح کفران نہیں؟ حدیث بہ حیثیت معقول و احسن و اہدیٰ ہونے کے ہماری بھی (مطاع) ہے، نہ کہ بہ حیثیت وحی کے" (برہان القرآن ص۲۷) افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے مرحوم کی نیت سلیم کا لحاظ نہ کر کے فراق کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ جس کی ذمہ داری عند اللہ ان ہی پر عائد ہوتی ہے۔

سلیمانی

مقصودِ اقبال

میرے اشعار میں پھنس کر نہ رہ جا
اگر تو سالکِ راہِ یقیں ہے
تری نظروں میں ہیں میری تصانیف
مری نظروں میں قرآنِ مبیں ہے
گذر جا تو میری بزمِ سخن سے
رہِ قرآں میں گامِ اوّلیں ہے
جو تو اس طرح قرآں تک پہنچ جائے
تو حاصل دولتِ دُنیا و دیں ہے
محیطِ کائناتِ دل ہے قرآں
نظر کی آخری منزل ہے قرآں

حساب آمد وخرچ اُمتِ مُسلمہ امرتسر

(بابت ماہ اپریل و مئی ۱۹۴۱ء)

آمد البیان

حاجی محمد اسحاق صاحب	لعہ
مکتبہ جامعہ دہلی	[illegible]
اے ایل ضیاء صاحب شولاپور	ہر
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	عا
منشی نور محمد صاحب منور کمالیہ	ہے
خواجہ سخاء اللہ صاحب ایم اے	[illegible]
بابو تاج الدین صاحب لاہور	ہے
میاں محمد احمد علی صاحب کپورتھلہ	للعہ
حاجی محمد اسحٰق صاحب	تے
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	عہ
بابو محمد حسین صاحب	عا
میاں علی احمد خاں صاحب شمن بی اے	عہ
ایم ایس نظامانی صاحب کراچی	للعہ
انصار حسین صاحب ڈسکہ	ہے
خواجہ عبدالکریم صاحب نائک کلکتہ	ہے
منشی قمرالدین صاحب قمر	عا
حاجی محمد اسحٰق صاحب	ہے
میاں علی احمد خاں صاحب شمن بی اے	[illegible]
بابو محمد ظہور صاحب سکری	عہ
مسٹر نور محمد صاحب نئی دہلی	ہے
مکتبہ ناصریہ بھوپال	ہے
منشی کریم بخش صاحب سکھانی کراچی	ہے
مسٹر بشیر احمد سگنیلر گمبٹ (سندھ)	ہے
ہیڈ مسٹرس صاحبہ رہام پور	عہ
سید شاہ محمد شاہ اے شاد نقرچینی	ہے
سردار محمد نصراللہ خاں صاحب تیتولی	ہے
شاکر محمد صاحب بھٹی کراچی	للعہ
مولوی گل حق داد صاحب بنوں	ہے
مولوی شیر محمد صاحب میراں شاہ	ہے
ایم ایس مسلم صاحب کراچی	ہے
سی اے حق صاحب راولپنڈی	ہے

مستری محمد اسمٰعیل صاحب	عہ
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	عا
متفرق	[illegible]
	[illegible]
عمارت فنڈ	[illegible]
کتب خانہ	[illegible]
ہکنیت	عہ
لائبریری	[illegible]

تبلیغ فنڈ (جلسہ)

مستری حسین بخش صاحب	عہ
سراج الدین صاحب	عہ
خواجہ خدا بخش صاحب	عہ
برکت علی صاحب	عہ
میاں جلال الدین صاحب	عا
معرفت مستری تاج الدین صاحب	عہ
یعقوب توفیق بی اے	عا
چودھری شہاب الدین صاحب	ہے
بابا عبداللہ صاحب	عا
مستری اسمٰعیل صاحب	عہ
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	[illegible]
ظہور الدین صاحب	عہ
خواجہ انعام اللہ صاحب	عہ
خواجہ سخاء اللہ صاحب	[illegible]
حاجی محمد اسحٰق صاحب	عہ
بابو ذوالفقار علی صاحب	عہ
بابا الٰہی بخش صاحب	عا
بابو عبدالرحیم صاحب	عا
میاں محمد امین الدین صاحب	[illegible]
سراج الدین صاحب قریشی	عہ
عرشی صاحب	عا
مہر محمد صاحب	[illegible]
خواجہ محمد اسحٰق صاحب	عا

ڈاکٹر غلام حسن صاحب	عہ
خواجہ محمد شفیع صاحب	عہ
خواجہ محمد یعقوب محمد اسحٰق صاحبان	عہ
خواجہ نعمت اللہ صاحب	عہ
شیخ عبدالرحمٰن صاحب	عا
بابو فضل کریم صاحب	عہ
چودھری خیر الدین صاحب	[illegible]
ملک محمد صادق صاحب	عہ
عبدالرحیم صاحب چٹالی	عہ
مولوی محمد شریف صاحب نواب شاہ	ہے
خواجہ رحمت اللہ صاحب	عہ
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	عہ
اکرم خاں صاحب	عہ
بابو چراغ الدین صاحب ستھو	[illegible]
میاں جلال الدین صاحب	عا
بابو محمد حسین صاحب	عہ
مستری تاج الدین صاحب	عا
خواجہ نواب الدین صاحب	عہ
مستری محمد عبداللہ صاحب سیالکوٹ	عہ
خواجہ احسان اللہ صاحب	[illegible]
سید منظور حسن صاحب ڈسکہ	[illegible]
خواجہ عبدالکریم صاحب نائک کلکتہ	عہ
میزان	[illegible]

مصارف

البیان	[illegible]
عمارت (مسجد)	[illegible]
کتب خانہ	[illegible]
تبلیغ (جلسہ)	[illegible]
میزان	[illegible]
بقایا	[illegible]

ہے۔ غیر محفوظ اور وقتی کتابوں میں سے جو حصہ منکرینِ حق نے بُھلا دیا تھا، ان میں تحریف کی تھی، اسی کو درست کر کے آخری مرتبہ یاد دلایا گیا ہے، مگر آج بھی لوگ ہیں کہ شرارت سے باز نہیں آتے اور مخلوق کو خالق کے شریک بنا رہے ہیں اور پھر بھی اپنے کو مُسلم کہتے ہیں۔ مُسلم حقیقی وُہ ہے، جو فرقہ بندی سے بالاتر ہو اور تمام خدا پرستوں کے ساتھ ملا رہے۔ تنگ ظرف نہیں، بلکہ فراخ دلی سے ہر نیک شخص کا خیر مقدم کرتا ہے، جس کو یہ نُور عنایت ہُوا، وہی خدا کے نزدیک اچھا انسان ہے اب غور کرو کہ وہ صورت اچھی ہے، جو اسلامی نُور والے لوگوں کی بتائی گئی ہے) یا

(۲۴) اَفَمَنْ يَّتَّقِىْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○ (یہ جو بیان کی جاتی ہے کہ) کیا وُہ شخص جو اپنے مُنہ سے پیشی کے وقت بُرے عذاب کو ہٹاتا ہے (کیا وہ ایسا ہو سکتا ہے، جو چین سے ہو؟ یہ تکالیف اُن ناہنجاروں پر اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے ہوتی ہیں، نہ کہ اُن پر کوئی زیادتی کی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں) اور (اسی لیے) ظالموں سے کہا جاتا ہے کہ (اپنے اپنے وقت پر سخت عذاب کا ذائقہ) چکھو، جو تم کماتے رہے ہو (خداوند کریم کسی پر ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ پس جو کچھ دنیا میں بویا جاتا ہے آخرت میں وہی کاٹنا پڑتا ہے۔ دنیا میں بھی بہ حیثیتِ مجموعی صالحین کا غلبہ اور مفسدین کی شکست ہوتی رہی ہے۔ جب دنیا میں یہ کچھ ہو رہا ہے، تو عقبیٰ ہی کو اس کُلیہ سے کیوں مستثنیٰ قرار دیا جائے؟ اس بارے میں گذشتہ اقوام کے حالات کو سند میں پیش فرمایا ہے۔ اہلِ فکر کو ان واقعات سے بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے، مگر سرکش لوگ اپنی نافرمانیوں میں اَور بھی بڑھ جاتے ہیں اور شرارت اور تکذیبِ حق سے باز نہیں آتے اور اُن کا انجام بھی ایسا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ ہونا چاہیے۔ وقت کی قدر نہ کرنے والا ضرور ہی گرفت میں آجاتا ہے، مگر پھر بعد از وقت کیا کر سکتا ہے؟ ایسی قیمتی چیز کو کھو کر پھر کہاں سے حاصل کر سکتا ہے؟ بس ڈھیل ملنے پر اَور بھی مغرور ہونا انجامِ بد کا پیش خیمہ ہے۔ پھر اُسے وُہ کچھ دیکھنا پڑتا ہے، جس کا اُس کو وہم گمان بھی نہیں ہوتا۔ فرمایا:

(۲۵) كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

يَشْعُرُونَ ○ جھٹلایا (سچی تعلیم اور جزا و سزا کو) اُنھوں نے ، جو اُن (موجودہ اشرار و مکذّبین) سے پہلے تھے ۔ پھر (کیا وہ چھوڑ دیے گئے ؟ قطعاً نہیں ، بلکہ) آیا عذاب (اللہ کی طرف سے بہ سبب ان کے اعمالِ بد کے) ان کو ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا (انھوں نے اپنے بچاؤ کے بڑے بڑے بندوبست کیے ہوئے تھے ، تو کیا پھر وہ اپنے ساز و سامان کے بل بوتے پر گرفتِ الٰہی سے بچ گئے ؟ ہرگز نہیں ! عقل مند ان واقعات سے عبرت حاصل کریں ۔ کیا پھر ان ظالموں کو دنیا میں عذاب نازل کر کے قطعاً مٹا دیا گیا ؟ اگر ایسا ہوتا ، تو پھر تو ان کی خلاصی ہو گئی ہوتی ، مگر ایسا نہیں ہوا ، بلکہ عذابِ آخرت کے لیے وہ یہاں سے اٹھا لیے گئے ، تاکہ اس بڑے شفاخانے میں اُن کو تکلیف دِہ علاج سے ٹھیک کیا جائے ۔ ارشاد ہوتا ہے :)

(٢٦) فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْىَ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ پس اللہ نے ان (ظالموں اور مکذّبینِ حق) کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا ذائقہ چکھایا (تو کیا پھر اُنھیں آزادی مل گئی ؟ نہیں ہرگز نہیں ، بلکہ دوسرے عالم میں سخت شکنجے میں کس دیے گئے ۔ چنانچہ فرمایا :) اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے (وہاں پر لمبا زمانہ چیخنا چلّانا اور طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ اس کا علاج یا بچاؤ یہیں سے کرنا چاہیے ، مگر سرکش لوگ آنکھیں بند کر کے جہالت کی طغیانیوں میں بہے جا رہے ہیں) کاش یہ جانتے ہوتے (اور اتنی واضح دلیل پر ذرہ بھر غور کر لیتے ، اپنے انجام کو عالمِ تصور میں سامنے لا کر عبرت حاصل کرتے اور صلاحیت والے راستے پر گام زن ہو جاتے ۔ اس سے انھیں کامیابی ہوتی اور انعام پاتے ، مگر نالائقوں کو یہ سعادت کب مل سکتی ہے ؟ ہاں نیکی پر مستعد رہنے والا ضرور ان واقعات سے سبق لیتا ہے ۔ یہ تعلیم جبریہ نہیں ہے ، نہ اسلام میں جبر کو راہ ہے ۔ ہاں علمی اور عقلی ثبوت ضرور پیش کیے جاتے ہیں کہ غور و فکر سے کام لو ، گناہوں سے بچ جاؤ گے ۔ یہ امر تمہیں ہر طرح سے مثالیں اور دلائل دے کر ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ نیک اور بد ایک سا نہیں ہو سکتا ۔ اب بھی جو شخص ضد و عناد کی وجہ سے نہ سمجھے ، تو اُس کی مرضی ۔ قرآن مجید نے کوئی ضروری بات بھی نہیں چھوڑی ۔ فرمایا :)

(۲۷) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ اور بالتحقیق ہم نے انسانوں کے لیے اس قرآن میں ہر ایک مثال بیان کی، تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں۔ (نصیحت کے واسطے سب کچھ اس قرآن ہی میں بیان فرما دیا گیا ہے۔ اب اس کو کوئی مجمل یا ناکافی وغیرہ جانے اور دوسری کتب کا محتاج مانے، تو اس غلط عقیدہ کا وبال قائل کی جان پر ہے۔ ایسی صاف تعلیم میں سوائے بغض وحسد والے کے اور کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ اس کی زبان زندہ زبان ہے، دوسری زبانوں کی طرح مُردہ نہیں ہو گئی۔ یہ عربی زبان دنیا پر حاوی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہمیشہ یہ زندہ رہنے والے اور تبلیغی دین کی زبان ہے۔ فرمایا):

(۲۸) قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (واقعہ یہ ہے کہ یہ) قرآن عربی ہے، اس میں کوئی کجی نہیں ہے (ناقدردان لوگ اس کے ساتھ اور چیزوں کو ملا کر اسے کج کیا کریں، لیکن اکیلے قرآن مجید میں کجی تلاش کرنا نُور میں ظلمت ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔ اسے کجی سے مبرا کرنے کی غرض یہ ہے) کہ لوگ (ہر طرح کی مصیبتوں سے بچ کر دائمی آرام گاہ میں پہنچیں اور دُکھ درد سے) محفوظ رہیں (جہنم کے عذاب سے خلاصی پانے کا واحد ذریعہ یہی احسن الحدیث یعنی، قرآن کریم ہے اور بس۔ پہلے خدائے قدوس نے رنگا رنگ طریق پر بھلائی اور بُرائی کے حسن و قبح پر دلائل دیے۔ آگے شرک و توحید کا نقشہ مثال کے طور پر بتا کر نتیجہ پر توجہ دلائی کہ لوگو! کس کس کے غلام بنو گے؟ ایک کے یا بہت سے لوگوں کے، ایک شخص اگر ایک سے زیادہ آقاؤں کا فرماں بردار ہو اور دوسرا صرف اکیلے مالک کا خادم ہو، تو بتاؤ، ان میں سے کون اچھا رہا؟ اگر ایک عورت کے دو خاوند مل جائیں، تو ایسی مصیبت کا سامنا ہو کہ جس کا کوئی ٹھکانا نہیں اور اس سے زیادہ کا ذکر ہی نہ کرو۔ ایسے ہی اگر دو خدا مانے جائیں۔ پھر تو تمام نظام عالم ہی درہم برہم ہو جائے۔ لوگو! عقل جیسی نعمت سے کام نہ لینے میں بہت بڑی خرابی ہے۔ اس فاش غلطی کے سبب سے بڑے بڑے عذاب بھگتنے پڑتے ہیں۔ ہمیں غلطی سے بچانے کے لیے)

(۲۹) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

اللہ نے ایک مثال بیان کی ہے کہ ایک مرد ہے، کئی ایک اس میں حصہ دار ہیں، جو بدخو (یا آپس میں بھی ایک دوسرے کے نقیض اور ضدی وغیرہ بھی) ہیں (یعنی، ایک غلام ہے، اس میں کئی آدمیوں کا حصہ ہے۔ پھر وہ مالک بھی متحد الخیال نہیں ہیں، بلکہ مختلف الخیال ہیں۔ غور کرو کہ ایسے ماحول میں اس غلام کی کیا گت بنتی ہوگی، یہی کہ زندگی بے آرام ہوگی) اور ایک مرد ہے، جو سارے کا سارا (صرف) ایک مرد کے واسطے ہے (اس کا کوئی دوسرا مالک ہی نہیں) کیا یہ دونوں (غلام یا خدمت گار) مثال میں ایک جیسے ہیں (حالاں کہ انسانوں کی غلامی بدترین چیز ہے۔ مگر یہ نقشہ مثال کے رنگ میں بیان فرما کر آرام اور تکلیف کے فرق کو ذہن نشین کرانا چاہا ہے۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ معبودانِ باطل کے پجاری مطمئن ہیں یا وحدہٗ لاشریک لے پجاری اور صرف اُسی کے فرماں بردار؟ کیسی عالی شان مثال بیان فرمائی ہے۔ قرآن عالی شان کا بیان کیسا قابلِ تعریف اور سبق آموز اور واضح ہے۔ پس حقیقت تو صاف معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی اللہ تعالیٰ کامل مطلق پر پورا پورا بھروسہ کیا جائے اور اُسی کو اصلی حاجت روا مانا جائے۔ اکیلے خدا کے آسرے کے علاوہ تمام دوسرے آسرے بودے ہیں۔ کوئی چیز موجودات میں اپنی ذات کے اندر سچی تعریف کے لائق نہیں۔ پھر ہمارا کُلی اطمینان سوائے ذاتِ باری کی یاد کے اَور جگہ تلاش کرنا صرف باطل ہی نہیں، بلکہ پرلے درجے کی حماقت بھی ہے۔ غرض کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ہستی بھی قابلِ تعریف و توصیف نہیں۔ خود مالکِ حقیقی بھی یہی فرماتا ہے کہ) ساری (کی ساری) سچی تعریف اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) ہی کے لیے ہے، مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے (کہ سب سچی تعریف خدا ہی کے لائق ہے۔ اگر یہ جان لیں، تو وُہ لطف اٹھائیں کہ جس کا حد و حساب ہی نہیں، مگر جہالت کا بُرا ہو کہ راستی کے راستہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکا کر قدم قدم پر ٹھوکر لگاتی ہے۔ یہ جہالت اور ضد ہی کے کرشمے ہیں۔ محض اسی بنا پر شرک کی تعلیم دی جاتی ہے اور بڑے اینچ پیچ ڈال کر اس گندے اور پلید عقیدے کو صحیح قرار

Reg. No. L. 4443

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیسیوں تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ مروجہ تفاسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قولِ الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفہ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانونِ وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:۔ منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (سے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (علہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۳ || اکتوبر ۱۹۴۱ء مطابق رمضان ۱۳۶۰ھ || نمبر ۸

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس، امرتسر کے سرا امرتسر سے چھپوا کر دفتر امت مسلمہ امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

مطاع اور اصل مطاع

مولانا محمد جعفر صاحب خطیب جامع کپور تھلہ تحریر فرماتے ہیں :-

"دسمبر ۱۹۴۰ء کے "البیان" میں شذرات کے ماتحت "قانون خلع کا ایک فیصلہ" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا، جس میں دیوان ہربنس رائے تاثر سب جج سیالکوٹ کے ایک فیصلے کی تائید کی گئی ہے۔ محترم شذرات نگار یقیناً نیک نیت ہیں اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے، جذبۂ جوش اسلامی میں لکھا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو شخص نیک نیتی تو جوش اسلامی سے سرشار ہو کر کوئی رائے قائم کرے، وہ لامحالہ درست ہی ہو، اس لیے میری معروضات کو کسی کی نیت پر حملہ نہ تصور کرنا چاہیئے، بلکہ محض ایک رائے ہے۔ جسے میں درست ہی نہیں سمجھتا، بلکہ اس کے سوا ہر رائے کو غلط تصور کرتا ہوں۔

لائق سب جج نے ایک عورت (جسے مسلمان تصور کیا گیا ہے) کو اپنے شوہر سے (کہ وہ بھی مسلمان سمجھا گیا ہے) باہمی منافرت کی وجہ سے طلاق علیحدگی کا حق دیا ہے اور فاضل شذرات نگار نے اس کے فیصلے کو آیات و احادیث کے عین مطابق ثابت کیا ہے۔

جہاں تک مجھے علم ہے، شذرات نگار نے علمی و اعتقادی محسن و سرپرست حضرت خواجہ احمد دین صاحب رحمہ اللہ کی ساری زندگی اس ایک شئے کو ثابت کرنے میں گذری ہے کہ "مطاع" دو نہیں، صرف ایک ہے اور وہ اللہ ہے۔ صرف اتنی سی بات پر اگر غور کیا جائے، تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ پورے قرآن کا جو بنیادی اصول ہے، وہ صرف یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا کوئی حکم ماننا ہی اصل شرک ہے۔ حکم اور فیصلے کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ ان الحکم الا للہ اس پر گواہ ہیں۔ ان کے علاوہ بیسیوں آیات ہیں، بلکہ سارا قرآن اسی ایک نظریے پر مبنی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا خود آپ کا فیصلہ کرنے نہیں آئے گا۔ اس کا قانون ہی ہے جس کے مطابق کوئی انسان فیصلہ کرے گا۔

سوال یہ نہیں کہ ہربنس رائے کا فیصلہ قانون الٰہی کے مطابق ہے یا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ قانونِ الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے خدا کسے تجویز فرماتا ہے۔ آپ برطانوی باشندے ہو کر نازیوں سے اپنا فیصلہ "عین مطابق قانونِ برطانیہ" کرایا کریں، تو آپ کی برطانوی نگاہ میں کیا پوزیشن ہوگی؟ برطانیہ ممکن ہے اسے کسی وقت میں قبول بھی کرلے، لیکن خدا ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس شرک کو گوارا نہیں فرماتا کہ اس کی زمین (یعنی اس کی حکومت) میں وہ کسی ایسی عدالت یا ایسے

حاکم سے اپنا فیصلہ کرایا جائے۔ جسے اس نے اپنا نائب نہ بنایا ہو۔ فیصلہ وحکومت (خواہ قانونِ الٰہی کے مطابق ہی کیوں نہ ہو) خدا کی وفادار رعیت، یعنی مسلمانوں پر صرف اُسی کی تسلیم ہو سکتی ہے، جو خدا کا وائسرائے، نائب یا خلیفہ ہو۔ اگر وہ اس کا نائب نہیں، یعنی خود اس کا محکوم نہیں اور اس کی ملکیت وسلطنت (زمین) پر وہ اپنا یا کسی اور کا قانون اور حکم چلاتا ہے تو وہ خدا کا مسلم نہیں، اپنے نفس کا محکوم اور مشرک باللہ ہے اور باغی خدا کی حاکمیت کو تسلیم کر لینا خدا سے کھلی ہوئی بغاوت کے سوا اور کچھ نہیں۔ نائبِ خدا یا خلیفۂ خدا، رعیتِ الٰہی (گروہِ مسلمین) پر اپنا نہیں، بلکہ صرف خدا کا قانون چلاتا ہے اور اگر باغیِ خدا، خدائی قانون بھی ہم پر چلائے، تو وہ در اصل اپنا حکم چلا رہا ہے، نہ کہ خدا کا۔ پس اتباعِ نفس خواہ اپنا ہو یا کسی دوسرے کا سب کا سب مطلقاً شرک ہے۔ ولا تطع منھم آثما او کفورا۔ یہاں آپ ہر پنچ راے کا معاملہ لیے بیٹھے ہیں، اگر ہر پنچ راے کی جگہ عبداللہ ہو، جب بھی اس سے فیصلہ کرانا شرکِ محض ہے کیوں کہ وہ جس وقت کرسیِ طاغوت پر بیٹھا ہمارا فیصلہ کر رہا ہوتا ہے، اُس وقت (اور اس کے بعد بھی) خلیفۂ خدا نہیں ہوتا، بلکہ نائبِ طاغوت ہوتا ہے۔ یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ۔ وہ عورت اور مرد مسلمان ہی کب رہے، جو اپنا فیصلہ طواغیت سے یا ان کے قانونی اثر سے کرا رہے ہیں؟ یہاں تو قاطبۃً اس نظام ہی سے انکار ہے۔ وقد امروا ان یکفروا بہ۔

آج آپ ہر پنچ راے کے فیصلۂ طلاق کو صحیح اس لیے مان رہے ہیں کہ وہ مطابقِ قرآن ہے۔ اگر کل وہ آپ کا نکاح بھی بالکل مطابقِ قانونِ الٰہی پڑھا دے ——— وہی خطبۂ نکاح ہو اور ویسے ہی ایجاب وقبول ہوں ——— تو آپ اس انعقادِ نکاح کو درست تصور فرمائیں گے؟ ——— پھر نکاح کے بعد "عین مطابقِ قرآن" آپ کی امامت کرا کے نماز بھی پڑھا دے، تو آپ کی نماز ہو جائے گی نا؟

بات صرف اتنی ہے کہ ہمیں صرف "عین مطابقِ قانونِ الٰہی" کو نہیں دیکھنا ہے، بلکہ اس راستے کو بھی دیکھنا ہے، جس سے گزر کر یہ فیصلہ آتا ہے۔ اگر ایک نجس برتن میں آپ کو کوئی آبِ زمزم لا کر دے، تو کیا آپ پی لیں گے؟ چوری کا قرآن لا کر آپ کو دیا جائے، تو کیا آپ خرید لیں گے؟ آبِ زمزم ہزار مقدس ہو، لیکن جس برتن سے گذر کر ہمارے پاس آیا ہے، وہی نجس ہے، اس لیے وہ بھی عام نجس پانی کی طرح رد کر دیا جائے گا۔ قرآن ہزار قابلِ احترام سہی، لیکن جس ذریعے سے آیا ہے، وہی حرام ہے، اس لیے اس قرآن کو بھی عام حرام مالِ مسروقہ کی طرح لینے سے انکار کر دیا جائے گا۔ اسی طرح ہر پنچ راے کا فیصلہ ہزار "عین مطابقِ آیات وحدیث" سہی، لیکن جس قلم سے نکلا ہے، وہی سراپا طاغوت ہے، اس لیے وہ بھی آج طرح ناقابلِ قبول ہو گا، جس طرح عام غیر الٰہی فیصلے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس "تنازع زوجین" کا حل کیوں کر ہو؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ دونوں صرف خدا کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں، تو مطابق قانونِ الٰہی اپنا فیصلہ خود کریں، یا اس واقف کار سے کرائیں جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی قانون کو صحیح نہ جانتے ہوں اور نہ اپنا فیصلہ طاغوتی قوانین سے کراتے ہوں۔ اگر وہ فریق غیر اللہ کو اپنا حاکم تصور کرتے ہوں۔ تو ہمیں اُن سے کوئی مطلب ہی نہ ہونا چاہیے، جو دل چاہے کرتے پھریں۔ اگر ایک فریق مانتا ہے۔ دوسرا نہیں مانتا۔ تو وہ دوسرے کو سمجھائے اور قانونِ الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنے کی دعوت دے۔ اگر وہ سمجھانے سے بھی نہ مانے، تو مجرد اس انکار ہی سے نکاح ختم ہو جائے گا۔ فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما الخ۔ ان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول الخ۔ وہ کم بخت مسلمان ہی کب رہا اور اس کا نکاح ہی کب باقی رہا، جو قانونِ الٰہی کے مطابق فیصلے سے انکاری ہو؟

جواب | مولانا کی تحریر کا بنیادی تصور یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے سوا کسی دوسری ہستی کی اطاعت ناجائز ہے۔ آپ کا ارشاد ہے "حضرت خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ کی ساری زندگی اسی ایک شئے کو ثابت کرنے میں گذری ہے کہ مطاع[1] دو نہیں، صرف ایک ہے اور وہ اللہ ہے۔" ہمارے خیال میں مولانا نے خواجہ مرحوم کے خیالات و معتقدات پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ حضرت مرحوم خدا[2] کے علاوہ دوسرے مطاعوں کے بھی قائل تھے۔ البتہ اصل مطاع وہ صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ مطاع حقیقی وہی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی انسان کو اپنی دنیوی زندگی میں کئی مطاعوں کی اطاعت سے واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً پیغمبر، والدین، استاذ اور حاکم وغیرہ۔ اگر اولاد والدین کے حکم کو یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دے کہ خدا کے سوا کسی کی اطاعت نہیں کی جا سکتی (ان الحکم الا للہ) اگر شاگرد اپنے استاذ کی اطاعت سے منحرف ہو جائیں کہ مطاع صرف اللہ ہے۔ اگر ماتحت اپنے افسروں کے خلاف سرکشی پر آمادہ ہو جائیں کہ اللہ کے حکم کے سوا کسی کا حکم ماننا گناہ ہے، تو انسانی زندگی کا تمام نظم و نسق، آنِ واحد میں برباد ہو کر رہ جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عابدانہ اطاعت تو بے شک خدا ہی سے مختص ہے، لیکن انتظامی معاملات میں خدا کے علاوہ دوسری ہستیوں کی اطاعت بھی قطعاً ناگزیر ہے۔ پس مولانا کا یہ فرمانا

---

[1] "اصل مطاع" کہیے۔ (مدیر) [2] آپ کے ان ارشادات پر غور کیجیے: "یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ (قرآن مجید کے علاوہ) عقلی ذرائع والی اطاعت دین میں ضروری نہیں، نہیں، بلکہ دینی معاملات کا انحصار بہت کچھ عقلی ذرائع پر بھی ہے۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے مطابق مشوروں کی مخالفت اس کے طے ہونے کے بعد کرنا گناہ ہے اور اس کی متابعت ثواب اور نیکی ہے" (برہان القرآن صفحہ

بالکل صحیح نہیں کہ قرآن کا جو بنیادی اصول ہے، وہ صرف یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا حکم ماننا ہی شرک ہے۔ حالاں کہ اولوالامر کی اطاعت بھی خدا ہی کے حکم سے کرنی لازم ہے۔

مولانا کے مضمون میں دوسری بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ اسلام کی عالم گیر سچائیوں کو تحزب و تشیع کے تنگ دائرے میں محدود کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نوع انسان کے ساتھ خدا کے معاملے کو اسی پیمانے سے ناپتے ہیں، جس پیمانے پر دنیوی حکومتوں کا باہمی معاملہ ناپا جاتا ہے، حالاں کہ انسان کی تنگ ظرفی کو خدا کی وسیع و عظیم رحمتوں سے کوئی علاقہ ہی نہیں! وہ فرماتے ہیں:

"خدا ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس شرک کو گوارا نہیں فرماتا کہ اس کی زمین، یعنی، اس کی حکومت میں رہ کر کسی ایسی عدالت یا ایسے حاکم سے اپنا فیصلہ کرایا جائے، جسے اس نے اپنا نائب نہ بنایا ہو۔ فیصلہ و حکومت (خواہ قانونِ الٰہی کے مطابق ہی کیوں نہ ہو) خدا کی وفادار۔ بیعت، یعنی، مسلمانوں پر صرف اسی کی تسلیم ہو سکتی ہے، جو خدا کا وائسرائے، نائب یا خلیفہ ہو۔"

یہ بات کسی خیالی دنیا میں بیٹھ کر تو بڑی آسانی سے کہی جا سکتی ہے، مگر عملی دنیا میں اس سے زیادہ کٹھن مرحلہ بھی کوئی نہیں۔ ایک سادہ سوال یہ ہے کہ مسلمان محکوم ہو جائیں، تو ان کا طریق کار کیا ہو؟ خودکشی کریں، بغاوت کریں یا غیر حکومت میں رہتے ہوئے اپنے اندر حاکمانہ قابلیت پیدا کریں؟ مثال کے طور پر ہندی مسلمانوں کی حالت پر نظر کیجیے۔ یہ بیچارے اپنے فیصلے انگریزی عدالت سے نہ کرائیں، تو کیا کریں؟ یا تو انھیں آپ کسی ایسی دینی عدالت کی طرف راہنمائی کریں، جو ہندوستان میں رہ کر انگریزی حکومت کو تسلیم نہ کرتی ہو اور اپنے فیصلے بھی عین قرآن حکیم کے فیصلوں کے مطابق کرتی ہو، مثلاً چور کا ہاتھ کاٹ سکتی ہو، زانی اور زانیہ کو سو سو کوڑے کی سزا دے سکتی ہو، لیکن اگر کوئی ایسی عدالت موجود نہیں، جو انگریزی تسلط سے پاک ہو اور جو احکامِ شرعی کے مطابق ہمارے جھگڑوں کا فیصلہ کر سکے، تو مولانا ہی بتائیں کہ اُن کے ارشادات "سہل انگاری" پر مبنی نہیں، تو کیا ہیں؟

اصل یہ ہے کہ یہ نظریہ ہی نامکمل ہے کہ عدالت کا حق اُسی کو ہے، جو خدا کا نائب ہو۔ قوموں کی زندگی میں ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں، جب حکومت اُن کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ قرآن حکیم کی نگاہ سے اس قسم کے حالات اوجھل نہیں تھے اور اگر وہ کامل کتاب ہے، تو ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ صرف بادشاہت کی حالت ہی میں ہمارے لیے راہ نما نہیں، بلکہ محکومی کی حالت میں بھی ہماری مشکلات کا کوئی مداوا اُس کے پاس ضرور ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوۂ حیات ہمارے سامنے ہے۔ آپ سرزمین مصر میں مدتوں وزیرِ خزانہ کی

حیثیت سے بادشاہِ وقت کے ملازم رہے۔ یقیناً وہ بادشاہ مسلمان نہ تھا، لیکن بایں ہمہ آپ نے اس کی سلطنت میں نہ صرف ایک ذمہ دارانہ عہدہ قبول کیا، بلکہ اسی کے مقرر کیے ہوئے قوانین پر عمل پیرا بھی رہے۔ قرآن حکیم کھول کر دیکھیے۔ آپ کے بھائی جب غلّہ خریدنے کے لیے مصر گئے، اور آپ نے چاہا کہ بنیامین کو کسی طرح اپنے پاس ہی رکھ لیں، تو آپ نے اس کے شلیتے میں پیالہ رکھوا دیا۔ پھر آپ نے اُن پر چوری کا الزام لگایا اور دریافت کیا کہ اگر وہ پیالہ تم سے برآمد ہو گیا، تو تمھیں کیا سزا دی جائے؟ اُنھوں نے شریعت ابراہیمی کے مطابق چور کی سزا یہ بتلائی کہ جس کے شلیتے سے گلاس برآمد ہو، اُسے غلام بنا کر رکھ لیا جائے۔ حضرت یوسفؑ پہلے ہی شریعت ابراہیمی کی اس سزا سے واقف تھے اور دل سے چاہتے بھی یہی تھے کہ اُسی شریعت کی تعزیرات کے مطابق فیصلہ ہو جائے، تاکہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکیں۔ پس جب وہ گلاس بنیامین کے شلیتے سے برآمد ہوا، تو آپ نے اُسے اپنے پاس روک لیا اور دوسرے بھائیوں کو چھوڑ دیا۔ اس موقعہ پر قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ (یوسف: ۷۶)	"اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی، ورنہ بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت خدا کے سوا اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے!"

اس آیت سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ یہی کہ خود یوسف علیہ السلام بھی عزیز مصر کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کیا کرتے تھے اور اگر بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کے لیے یہ تدبیر نہ سوجھتی کہ اپنے بھائیوں کے مُنہ سے کہلوایا جائے کہ اُنھیں شریعت ابراہیمی کے مطابق سزا دی جائے، تو لامحالہ آپ مجبور تھے کہ انھیں دِینِ الْمَلِکِ کے مطابق ہی سزا دیتے۔

اس مقام پر جناب معترض کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ شاہ مصر مسلمان نہیں تھا، اُس کی سلطنت میں وہ قوانین رائج نہ تھے، جو دین ابراہیم میں مقرر تھے۔ پس اس صورت میں نہ تو وہ خدا کا "والسرائے، نائب یا خلیفہ" تھا اور نہ اُس کی اطاعت خدا کی اطاعت کہلا سکتی ہے۔ بایں ہمہ اگر یوسف علیہ السلام جیسا عظیم و جلیل پیغمبر بھی نہ صرف اس کے قوانین کی اطاعت کر سکتا ہے، بلکہ اُس کی حکومت کی مشینری کا ایک اہم پُرزہ بن کر بھی رہ سکتا ہے، تو کیا مولانا اس سوال کا جواب دیں گے کہ اُنھوں نے ایک غیر الٰہی حکومت کی اطاعت اور امداد کے ذریعے (نعوذ باللہ) شرک کا ارتکاب کیا تھا؟ کیا آپ کے مفروضات کی رُو سے، حضرت یوسف علیہ السلام نے مدت العمر ایک "طاغوتی حکومت" کی اطاعت قبول نہیں کی؟ پھر لطف یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام، ہم ہندوستانی مسلمانوں کی طرح غیر الٰہی حکومت کی اطاعت و تعاون کے لیے مجبور بھی نہ تھے۔ اُنھوں نے برضا و رغبت اُس "طاغوتی حکومت" کا عہدہ طلب کیا تھا:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ○	یوسفؑ نے کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور (مالی معاملات سے بھی) واقف ہوں!

اب غور فرمائیے، ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک برگزیدہ پیغمبر ایک ایسی حکومت کی کرسی کو زینت بخش رہا ہے، جو آپ کے قول کے مطابق "طاغوتی" کہلانی چاہیے اور جس کے متعلق ثابت کیا جا چکا ہے کہ (ابھی) اسلامی شریعت کے ساتھ کوئی واسطہ رکھتی تھی اور دوسری صورت یہ ہے کہ

"اگر باغیِ خدا، خدا کا قانون بھی ہم پر چلائے، تو وہ دراصل اپنا حکم چلا رہا ہے نہ کہ خدا کا۔ پس اتباعِ نفس خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا، سب کا سب مطلقاً شرک ہے"

یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی، یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر مولانا محمد جعفر یہ فیصلہ دے دیں کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے تو وہ صحیح، درست اور ناقابلِ انکار ٹھیرے اور اگر یہی فیصلہ رام ناتھ سے سرزد ہو، تو اس سے انکار کر دیا جائے! آپ کہیں، دو اور دو چار ہوتے ہیں، تو یہ ٹھیک ٹھیرے اور اگر یہی لفظ کسی مشرک کی زبان سے ادا ہوں، تو وہ غلط قرار دیے جائیں۔ مولانا! سچائی "مسلمانوں" کے نام کے ساتھ رجسٹرڈ تھوڑی ہی ہے کہ کوئی دوسری قوم اُسے استعمال ہی نہ کر سکے۔ آپ کو سچائی کے ساتھ مطلب ہے یا شخصوں اور ناموں سے؟ اگر سچائی مطلوب ہے، تو جہاں کہیں سے ملے، لے لیجیے۔ اگر شخصیت یا نام پرستی سے غرض ہے، تو یہ صریحاً عقل و دیانت کے خلاف ہے، جس سے اسلام جیسے وسیع المشرب دین کا کوئی واسطہ نہیں۔

رہ گیا ہربنس رائے کا فیصلۂ طلاق، تو ہم اُسے اس لیے درست مانتے ہیں کہ وہ قرآن مجید یا فطرۃ اللہ کے بالکل مطابق ہے۔ آپ اس لیے نہیں مانتے کہ وہ فیصلہ اگرچہ قرآن ہی کا فیصلہ ہے، مگر چوں کہ ہربنس رائے کے قلم سے نکلا ہے، اس لیے ناقابلِ قبول ہے۔ پھر آپ کا ارشاد ہے: "اگر کل وہ آپ کا نکاح بھی بالکل مطابق قانونِ الٰہی پڑھائے، وہی خطبۂ نکاح[1] ہو اور ویسے ہی ایجاب و قبول ہوں، تو آپ اس انعقادِ نکاح کو درست تصور فرمائیں گے؟"——

—— میں نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ اگر آں حضرت صلعم کا نکاح اسلامی شریعت سے قطعاً بے نیاز رہ کر ابو طالب پڑھا سکتے ہیں، اور حضورؐ بعثت کی زندگی میں بھی اسی نکاح کو قائم رکھ سکتے ہیں اور از سرِ نو اس کی تجدید نہیں فرماتے، تو مجھے یا آپ کو اس میں کیا عذر ہے کہ کوئی غیر مسلم[2] اپنے حاکمانہ اقتدار و اختیار سے خاص حالات میں اسلامی شریعت

---

[1] غالباً آپ نے قرآن مجید کا نقطۂ نگاہ نکاح سے متعلق بغور مطالعہ نہیں فرمایا۔ (مدیر)

[2] یہ مسلم و غیر مسلم کی مروجہ تعریف بھی زمانہ نزولِ قرآن کے بعد کی ایجاد ہے اور انہی وسعتوں کو تنگ کرنے کا ایک مُلّائی حیلہ (مدیر)

کے مطابق ہمارا نکاح پڑھا دے؟

آپ فرماتے ہیں کہ "تنازع زوجین" کا حل یہ ہے کہ اگر وہ دونوں خدا کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں، تو مطابق قانونِ الٰہی اپنا فیصلہ خود کریں گے ——— مولانا! شاید آپ نے اس دنیا کو فرشتوں کی آبادی سمجھ لیا ہے کہ میاں بیوی اپنے جھگڑوں کا خود فیصلہ کریں ——— یہ تو رسول اللہ صلعم کے زمانے میں بھی ممکن نہ تھا، چہ جائیکہ اس "طاغوتی" دور میں یہ توقع کی جائے! خیر القرون میں بھی زوجین کا تنازع بسا اوقات اس مقام تک پہنچ جاتا تھا کہ انھیں عدالت میں پیش ہونا پڑتا تھا۔ پھر آج یہ امید موہوم کیوں قائم کی جائے کہ مسلمان مرد اور عورتیں اپنے جھگڑے آپ فیصل کر لیا کریں گے؟

پھر ہمارے تنازعے محض نکاح و طلاق ہی پر بس ہو جائیں، تو ہندوستان بھر کے علماء کوشش کر کے شاید ان جھگڑوں کو انگریزی عدالتوں تک نہ پہنچنے دیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ اس کے علاوہ ہر طرح کے اور بھی بے شمار جھگڑے ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو آپس میں نہیں نپٹ سکتے۔ مہربانی کر کے ایک سوال کا جواب دیجیے:

آپ نے ایک شخص کو قرض دیا۔ وہ آپ کی تمام کوششوں کے باوجود روپیہ واپس نہیں کرتا۔ اب آپ کے پاس طاغوتی عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے؟ پھر اگر وہ روپیہ مل جائے، تو کیا آپ اس فیصلے کو تسلیم کر لیں گے یا محض اس لیے انکار کر دیں گے کہ وہ طاغوتی حکومت کا فیصلہ ہے اور اس پر عمل کرنا شرک[1]؟

اوپر کی سطور سے یہ قطعاً نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم طاغوتی یا غیر الٰہی حکومت کی اطاعت میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ خدائی حکومت کے مقابلے میں، ہر طرزِ حکومت، وہ امپیریلزم ہو یا نازی ازم، اشتراکیت ہو یا فسطائیت، سب بنی نوعِ انسان کے لیے لعنت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دنیا کا ہر وہ نظامِ حکومت جو زمین پر الٰہی انصاف قائم نہیں کرتا، مٹ جانے، بلکہ مٹا دیے جانے کے قابل ہے، لیکن اگر ہم اپنی بدقسمتی سے کسی غیر اسلامی نظامِ حکومت کا جوا اپنی گردنوں میں ڈال ہی چکے ہیں، تو یہ کیا فرض ہے کہ اس نظام میں اگر ہمیں سچائی یا انصاف کا کوئی عنصر نظر آئے، تو خواہ وہ مطابقِ قرآن ہی کیوں نہ ہو، اس سے انکار کر دیا جائے؟

محمد اقبال سلمانی

---

[1] قرونِ اولیٰ کے گنتی کے چند سالوں کے بعد سے اس وقت تک کی اسلامی کہلانے والی حکومتوں میں کتنی حکومتیں قانونِ الٰہی کے مطابق چل رہی ہیں؟ پھر کیا آپ ان سب پر "طاغوتی" ہونے کا فتویٰ لگانے کی جرأت کریں گے؟ اور ایسی حالت میں مسلمانوں کے بے شمار مقدمات و معاملات کا آپ نے کیا حل سوچا ہے؟ اور کیا قرونِ ماضیہ کی اسلامی و غیر اسلامی حکومتوں کے تحت بسنے والے تمام اولیاء و علماء آپ کے نزدیک طاغوت پرست تھے؟

بیان

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر، بی اے)

عبد "لا یقدر علی شئ" پ۱۴ | عبد وہ ہے، جسے کسی شے پر ذاتی قدرت نہ ہو۔

"عبد" کا اطلاق ہر ایک شے پر ہوتا ہے۔

"ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبدا" ۹۳ پ۱۶	آسمانوں اور زمین میں کوئی نہیں، جو رحمٰن کا بندہ ہو کر ظہور میں نہیں آتا۔

"عبد" ہر ایک شے فطرۃ ہے اور ہر ایک شے کی فطرت کا منشا ہی عبودیت ہے۔ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" انسان کیا کوئی شے دائرہ عبودیت سے باہر نہیں نکل سکتی اور کبھی نہیں نکل سکتی، جذبات عبودیت فطری ہیں۔ اگر انسان باتباع فطرت اللہ کا بندہ نہ ہوگا، تو شجر و حجر کی پوجا کرے گا، بندہ پرست ہوگا، باطل پرست ہوگا۔

کائنات میں ہر ایک شے فطرۃً طوعاً "عبد" ہے، لیکن انسان باتباع ہوائے نفس سرکشی اختیار کرتے ہیں اور نفس پرست اور شیطان پرست بن جاتے ہیں، عبودیت سے وہ کسی حالت میں باہر نہیں ہو سکتے۔ اگر عقل وفکر سے کام لیں، تو اللہ کی عبادت سے انھیں نہ صرف ہر ایک شے کی غلامی سے آزادی نصیب ہو، بلکہ وہ ہر ایک شے پر حکومت کر سکتے ہیں۔

قرآن چوں کہ جامع و مانع کتاب اصول و حکمت ہے، اس لیے اس میں واضح کیا گیا ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے، کیوں کہ یہ حق کسی اور کو نہیں پہنچتا۔

"الا لہ الخلق والامر۔ تبارک اللہ رب العلمین" پ۸	سن رکھو کہ اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور امر کرنا، اللہ بڑی برکت والا ہے، جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔

اللہ ہی خالق اور پروردگار ہر ایک شے کا ہے اور اس لیے وہی جانتا ہے کہ کس کس شے کو کس کس غرض اور مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہی ہر ایک شے کا پروردگار ہے۔ انسان نہ کسی شے کا خالق اور نہ پروردگار، اور نہ کسی کے مقصد زندگی سے واقف ہے۔ اس کو اپنی ہی ابتدا اور انتہا کا علم نہیں۔ اتنا تو جانتا ہے کہ بے اختیار

مذین وناچار نسیتن، اس کو کسی شے پر ذاتی اختیار نہیں ہے اور کسی شے میں ذاتی تصرف نہیں کر سکتا ہے، یہی کیفیت ہر ایک شے کی ہے، جو کائنات میں ہے۔ اس لیے کسی ایک میں "معبود" کی صفت نہیں پائی جاتی۔

"ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقو ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب" ۲۲/۷۳

وہ جن کو لوگ اللہ کے سوا بلاتے ہیں (دعائیں مانگتے ہیں) ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، خواہ وہ سب اس کام کو جمع ہو کر کریں اور اگر مکھی کچھ چھین لے اُن سے تو چھڑا نہ سکیں۔ طالب و مطلوب دونوں بودے ہیں۔

"الذی لہ ملک السموات والارض ولم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شئ فقدرہ تقدیرا۔ واتخذوا من دونہ الھۃ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون ولا یملکون لانفسھم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیوۃ ولا نشورا" ۲۵/۲-۳

اللہ ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا ملک اور وہ کسی کو بیٹا اپنا نہیں بناتا اور کوئی اس کی بادشاہت میں اُس کا شریک نہیں ہے اور اس نے ہر ایک شے پیدا کی ہے اور پھر ہر ایک شے کو صحیح اندازہ پر رکھا ہے اور اللہ کے سوا انھوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں، جو کسی شے کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ خود پیدا ہوئے ہیں اور اپنے حق میں کسی بُرے بھلے کے مالک نہیں اور موت و حیات اور نشور کے مالک نہیں۔

یہ واضح ہے کہ اللہ کے سوا کوئی شے کوئی صفت ایسی نہیں رکھتی، جو معبود کے لائق ہے، اس لیے جو کچھ بظاہر ہمیں اشیا سے عمل سے مغالطہ ہوتا ہے۔ اس میں تدبر کرنا چاہیے۔

"وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ" ۵۷/۷ | اور اُن میں ہم نے تم کو خلیفہ بنایا ہے، اس کو جائز طور پر خرچ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو "خلیفۃ فی الارض" بنایا ہے (ملاحظہ ہو لفظ "خلف") یہ زمین پر آخری پیدائش ہے۔

لفظ "فند" کے تحت واضح کیا گیا ہے کہ ہر ایک شے اللہ تعالیٰ کا مفت انعام ہے۔ کسی شے پر ہمارا مالکانہ قبضہ اور تصرف ذاتی نہیں، کیوں کہ ہر ایک شے کا خالق اور رازق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے کسی شے پر ہمیں حکومت کا حق بھی ذاتی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے۔ ہمیں جو کچھ حاصل ہے، اسی کی عنایت ہے۔ اس لیے ہم اس میں تصرف اس کے منشا کے مطابق کریں، تو شکر گزار بندے ہیں اور اگر خلاف کریں، تو ناشکر گزار، جس کو لسانِ مذہب میں کافر کہتے ہیں۔

"وھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا"۔ ہمیں فطرۃً معلوم ہے کہ صحیح استعمال ہر ایک شے کا کیا ہے، اس لیے اگر اس کا صحیح استعمال کیا، تو شکر ورنہ کفر ہے۔ فرض کرو کہ ایک بادشاہ اپنا نائب کسی مُلک میں، جہاں اُس کی حکومت ہے، بھیجتا ہے اور لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ جو کچھ وہ ہماری طرف سے احکام نافذ کر دے، تعمیل کرو۔

لوگ ایسا ہی کرتے ہیں اور اصل اطاعت بادشاہ اور اُس کے احکام کی ہے، نہ کہ اس نائب السلطنت کی۔ اگر بادشاہ اس کو کسی وجہ سے اس عہدہ سے علیحدہ کردے، تو کوئی شخص اس کی اطاعت نہیں کرے گا۔ اب فرض کرو کہ یہ نائب خود مختار بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ بہ حیثیتِ نائب السلطنت اس کے قبضہ میں وہ سب اسباب ہیں، جو حکومت کی ضروریات ہیں اور وہ ان کو اسی غرض کے لیے استعمال کررہا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگوں پر اس کی حکومت کا سکہ بیٹھ چکا ہے اور وہ اصل بادشاہ سے زیادہ اُس سے خائف ہیں، تو وہ اعلانِ خود مختاری کر دیتا ہے ادھر اصل بادشاہ اُسے باغی ٹھہراتا ہے اور دونوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر ایک شے پر اختیار دے رکھا ہے اور ہر ایک شے کو فطرۃً حکم دے دیا ہے کہ وہ انسان کی اطاعت کریں۔ انسان غلط فہمی سے یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے ذاتی اختیار اور طاقت سے حکومت کر رہا ہوں اور ہر ایک شے کو اپنے ذاتی مفاد کے لیئے کام میں لاتا ہے۔ یہ کفر ہے اور انسان بغاوت کا مجرم ہے، لیکن اگر وہ ہر ایک شے کا استعمال اس طرح کرتا ہے، جو فطرت کا منشا ہے، تو شکر گزار بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو اپنے فضل سے اور بھی بہت کچھ عطا فرماتا ہے اور ہر ایک کافر انسان کے اختیارات سلب کر لیتا ہے کہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اور تو اور خود انبیاءؑ اور رسل جو بشر ہی ہوتے ہیں اور بشری کمزوری سے پاک نہیں، اگر ایسی ناشکرگزاری کریں، تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" ﴿۸۸﴾	یہ اللہ کی ہدایت ہے اور اس پر راہ دے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور اگر وہ لوگ (انبیاء ورسل) شرک کرتے۔ تو البتہ جو کیا تھا سب ضائع ہو جاتا۔

خود رسولِ کریمؐ کی نسبت ارشاد ہے کہ اگر یہ ہمارے نام سے کچھ ایسی بات کہتا، جو ہماری طرف سے نہ ہوتی، تو قتل کیا جاتا۔ لیکن انبیاء اور رسل اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور امانت دار ہوتے ہیں، وہ کبھی لوگوں کو یہ نہیں کہتے کہ خدا کو چھوڑ کر ہمارے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ یہی کہیں گے کہ اللہ والے ہو جاؤ اور یہی کچھ تعلیم تمام کتب مقدسہ کی ہے۔ (۳/۷۹)

اگر ہم سمجھ لیں کہ "عبادت" کیا ہے، تو واضح ہو جائے گا کہ اللہ کے سوا کسی اَور کی بندگی سخت جہالت اور سخت کفر ہے۔ ہر ایک شے کسی نہ کسی کام میں لگی ہوئی ہے:

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند   میلِ آں را در دلش انداختند

یہ فطری تعلق کام سے ہر ایک شے کا ہے۔ اگر اس سے یہی کام صادر ہو رہا ہے جو اُس کی فطرت کا تقاضا و منشا ہے، تو یہ اس کی عبادت ہے اور ہر ایک شے طوعاً یہ کام کر رہی ہے اور اگر اسے اس کام سے روکا جائے تو وہ اس میں عذاب محسوس کرتی ہے۔ انسان کی عبادت بھی یہی ہے کہ وہ اُس مقصد کو پورا کرے، جو فطرت کا ہے۔ یہ مقصد کیا ہے؟ قرآن عظیم نے واضح کر دیا ہے اور اس کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک مفصل حالات بیان کیے ہیں (ملاحظہ ہو "الم") اس کو سمجھنا چاہیے کہ کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کی پیدائش کی غرض و غایت کیا ہے؟ اور اس کو کیا کام کرنا چاہیے کہ مقصد زندگی پورا ہو۔ اس موضوع پر مفصل بحث اس مقام پر نہیں ہو سکتی۔ فطرت کا منشا بہرحال پورا ہو رہا ہے اور ہو کر رہے گا۔ اگر انسان اس کے منشاء کے مطابق عمل کرے تو فائدہ میں رہے گا (ملاحظہ ہو لفظ "قتل")۔ یہ لطیف حقیقت ہے کہ ہر ایک شے کی زندگی اسی کام سے وابستہ ہے، جس کے لیے وہ پیدا ہوئی ہے اور اس کو آلات بھی اس کے مناسب ملے ہیں، جو شے اس کام سے رہ جاتی ہے، اس پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ ہر ایک شے خود بخود وہ کام کر رہی ہے، جو اُس کی فطرت کے مناسب ہے اور سطحی مشاہدہ سے یہ مغالطہ ضرور ہوتا ہے کہ نظام عالم کو قائم رکھنے والا خود عالم کے سوا اور کوئی نہیں، کیوں کہ یہ خود کام کر رہا ہے، لیکن تدبر سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا، اگر اس کا قیام کسی اور ذات سے نہ ہو اور وہ ذات "حی القیوم" ہے۔ اگر یہ عالم اپنے اختیار سے پیدا ہوتا اور زندہ رہتا، تو ہر ایک شے جس سے عالم بنا ہے، کم از کم اپنی آپ خالق اور پروردگار اور مالک ہوتی اور اپنی موت و حیات پر اس کا اختیار ہوتا، جیسا کہ "قدر" میں واضح کیا گیا ہے۔ اب اس تعلق میں فکر کرو، جو ہر ایک شے کو دوسری شے سے ہے۔ اس کا قیام ان اشیاء کی مرضی پر موقوف ہوتا۔ اہل ذکر و فکر پر واضح ہے کہ یہ سب امور ایسے ہیں، جو ہر ایک شے کے اختیار سے باہر ہیں، اس لیے ایسے وجود کا ہونا واجب ہے، جو اشیاء کے باہمی تعلقات کو قائم رکھے اور اس طرح رکھے، جیسے کہ لفظ "قدر" کے تحت واضح کیا گیا ہے اور یہ ذات ایک ہی ہو سکتی ہے:

"وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ○ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

اُسی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو اس کے نزدیک ہیں، وہ سرکشی نہیں کرتے اُس کی عبادت سے اور نہ اس عبادت میں کاہل اور سست ہیں، رات دن تسبیح کرتے ہیں (یا اس کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں) اور نہیں تھکتے، کیا انھوں نے ارضی خدا اور ٹھیرا رکھے ہیں، وہ اُٹھا کھڑا کریں گے۔ اگر اللہ کے سوا اور اللہ ہوتے، تو دونوں خراب ہوتے

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ ۝
پ۱۷

(اور ان کے فساد سے عالم میں فساد ہوتا اور تباہ ہو جاتا) سو اللہ ان باتوں سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی شریک کسی امر میں ہو۔ وہ صاحب عرش ہے اور اللہ سے کسی امر کے متعلق پوچھا نہیں جاتا اور مخلوق سے جو کچھ کریں پوچھا جائے گا۔

کیسی واضح آیات ہیں کہ عبادت الہٰی سے قرب الہٰی حاصل ہوتا ہے اور مقربانِ بارگاہ الہٰی کی زندگی ہی عبادت میں ہے اور عبادت طوعاً کرتے ہیں، اور اپنے فرائض میں کاہل اور سست نہیں ہیں اور نہ تھکتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ اُن کی فطرت میں یہ بات ہے اور وہ ذوق شوق سے اتباع فطرت کرتے ہیں۔ ویسے انسان کی فطرت میں بھی یہی بات ہے۔ لیکن ہوائے نفس بھی اس کے ساتھ ہے اور وہ دیدہ دانستہ گمراہ ہوتا ہے اور عذاب کے مُنہ آتا ہے۔ آیت "لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون" نے معبود اور عبد کی حقیقت واضح کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سوال سے ارفع واعلیٰ ہے، کوئی اُس سے پوچھ نہیں سکتا کہ ایسا کیوں اور کیوں نہ کیا۔ تمام کائنات میں کوئی شے ایسی نہیں، جو اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتی اور اپنے اعمال کی جواب دہ نہ ہو۔ ایک دفعہ ایک مسخرے دہری نے اپنے خدا پرست دوست کو باتوں باتوں میں کہا کہ افسوس جب کائنات کی پیدائش ہوئی میں موجود نہ تھا، ورنہ خدا کو مفید مشورہ دیتا۔ دوست نے کہا کہ خیر اب تو موجود ہو، اب مفید مشورہ دے سکتے ہو، ذرا میں بھی سنوں، وہ کیا ہے، دہری کا مُنہ بند ہوگیا یہ امر مشاہدہ اور تجربہ میں رونانہ آرہا ہے کہ اگر ہم باتباع ہوائے نفس کوئی بات ذرا بھی خلاف فطرت کرتے ہیں، تو فوراً مواخذہ ہوتا ہے اگر انسان اس حقیقت میں تدبّر کرے، تو کم از کم اُس کو اتنا تو معلوم ہو جائے گا کہ اسے کوئی اُور پُوچھنے والا ہے اور ایسا پوچھنے والا ہے، جو سزا بھی دیتا ہے اور اسی طرح اگر کوئی اتباع فطرت کرتا ہے، تو اس کا اجر بھی اُس کو ملتا رہتا ہے۔

اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جس طرح دیگر اشیاء کسی نہ کسی کام کے واسطے خلق ہوئی ہیں اور وُہی کام اُن سے صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کی کیفیت ہے، وہ بھی اسی خدمت کے لیے پیدا ہوا ہے، جو انسانیت کے مناسب ہے۔ ہر ایک شے کو اس فطری عبادت سے ذاتی فائدہ پہنچ رہا ہے اور دیگر اشیاء کو بھی ویسے ہی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ قرآن عظیم کی آیات بیّنات اور مشاہدہ سے تصدیق ہوتی ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، اس لیے انسان کو ان تمام اشیاء پر تصرف باتباع فطرت کرنا چاہیئے، یعنی ان کا استعمال جائز ہو۔ کسی شے کا استعمال غیر محل کرنا ظلم سے تعبیر ہوتا ہے، جو فطرۃً مکروہ ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ہر ایک شے کے حقایق سے آگاہ ہونا مقدم ہے اور اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ اس شے کے استعمال میں کیا کیا فوائد ہیں

اور کن حالات میں مضر ہیں۔ کیوں کہ ہمارے مشاہدہ میں آچکا ہے کہ بہ تعلق حالات ہر ایک شے میں دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، مثلاً آگ کس قدر مفید شے ہے، لیکن اس کا خاصہ جلانا ہے۔ ہم اس سے اپنے چولھے گرم کرتے ہیں، سرما کی شدت کم کرتے ہیں اور اس سے وہ وہ کام لیتے ہیں، جو تدبر اور تفکر کی راہ نمائی سے ہمیں معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا غفلت ہوئی، تو اس کا خاصہ ہمارے لیے سخت مضر ثابت ہوتا ہے اور جان و مال کا سخت نقصان ہوتا ہے۔ یا ہم دشمنی سے کسی کے گھر کو آگ لگا دیتے ہیں۔ آگ نے اپنا خاصہ ظاہر کیا اور ہمارے حکم کی تعمیل کی۔ کیوں کہ وہ اس کے لیے مسخر ہو چکی ہے، لیکن وہ ہمارے کہنے سے بجھ نہیں سکتی۔ اس کے لیے ہمیں پانی یا دیگر ذرائع سے کام لینا پڑتا ہے، جو اسی طرح اپنے خواص ظاہر کرتے ہیں۔

تمام علوم و فنون اور ہر ایک دریافت اور ایجاد اشیاء کے خواص کا اظہار ہے، جو اللہ تعالےٰ نے ان اشیاء میں فطرۃً رکھے ہیں۔ یہ کچھ انسان کے پیدا کیے ہوئے نہیں اور نہ انسان پیدا کر سکتا ہے۔ ان میں توڑ جوڑ وغیرہ سے جو نئی بات پیدا ہوئی ہے، وہ بھی انھی اشیاء میں پہلے سے موجود ہے، خواہ نئی بات اضداد سے کیوں نہ ہو مثلاً آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے اجتماعِ ضدین محال ہے۔ لیکن آگ حرارت ہے اور ہم پانی کو خاص درجہ تک حرارت پہنچا سکتے ہیں۔ اگر یہ تیز تر ہو، تو پانی بخارات بن کر اڑنا شروع ہوگا۔ اور پانی سے ہوائی صورت اختیار کرلے گا۔ خود پانی میں دو اجزا ہیں اور دونوں بالآگ ہیں یا آگ کے مُمِد ہیں اور پانی کی ضد ہیں۔ تمام علوم و فنون انسانی مشاہدہ اور تجربہ کا نتیجہ ہیں اور عالمِ انسانی کے لیے مفید ہیں۔ اگر ہم باتباع ہوائے نفس زہر عالمِ انسانی کی ہلاکت میں استعمال کریں، تو کر سکتے ہیں، لیکن ظلم ہوگا۔ قرآن میں جسے "تقویٰ" سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ ہوائے نفس سے باتباعِ فطرت بچنا ہے۔ ہر ایک چرندو پرند فطرۃً ان سے واقف ہے، جو اس کی زندگی کے دشمن ہیں اور اُن سے خائف رہتا ہے اور ان سے دُور دُور رہتا ہے۔ اسی طرح انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا دشمن جانی کون ہے۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ وہ "ہوائے نفس" ہے (مفصل بحث اسی لفظ کے تحت ملاحظہ ہو) اس سے پرہیز کرنا "تقویٰ" ہے۔ جو "علم" کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا" [۲۲/۱] | اللہ (کے عذاب) سے وہی لوگ اُس کے بندوں سے ڈرتے ہیں، جو عالم ہیں۔

اس لیے صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ وُہی ہے، جو متقی ہو، یعنی "عالم" ہو اور اس کا عمل اس کے علم کے مناسب ہو اور جو جاہل ہوائے نفس کا بندہ ہو اور عموماً دنیا میں ایسے ہی ہیں۔ وہ شیطان کے پوجاری کہلاتے ہیں۔

"یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ○ وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا | اے میرے بندو! میرے عذاب سے (جو تمھارے ظلم کا نتیجہ ہے) ڈرو اور وہ لوگ

الطَّاغُوتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝	جو شیطانوں سے بچے کہ اُن کو پوجنے لگو، اور (اگر غلطی کر بیٹھے تو) اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اُن کے لیے بشارت ہے۔ سو تُو میرے بندوں کو خوش خبری سُنادے، جو سُنتے ہیں بات، تو جو بہترین بات ہے اس پر عمل کرتے ہیں جن کو اللہ راہِ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے اور یہ لوگ عقل والے ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ تعمیرِ عالم کے لیے انسان سے بھی دیگر اشیاء کی طرح خدمت لے رہا ہے اور انسان اور دیگر اشیاء کو جذبات کے مناسب آلات دلائے ہیں۔ اگر وہ ان سے وُہی کام نہیں لیتا جس کے لیے وہ وضع ہوئے اور اُن کو بے کار رکھتا ہے یا اُن کو خلافِ منشاءِ فطرت بے جا استعمال کرتا ہے، تو یہ آلات رفتہ رفتہ کام کے لائق نہیں رہتے۔ قانونِ ارتقاء یہ ہے کہ ہر ایک شے کا جائز استعمال، یعنی حسبِ منشاء فطرت اس شے کو ترقی دیتا ہے اور اس کے خلاف نتیجہ برعکس ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ	جو آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتے ہوئے (تخمِ عمل بوتا ہے) اللہ تعالیٰ (اپنے فضل سے) اس کی کھیتی میں ترقی دیتا ہے اور جو دُنیا کی زندگی کی کھیتی کا خواہاں ہے، کچھ اس میں سے اس کو مل ہی رہتا ہے، لیکن آخرت میں اُسے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ کیا ان کے اور بھی شریک ہیں، جنہوں نے عالم گیر دین الفطرت میں کوئی اور شرع بنا رکھی ہے، جس کا وجود اللہ کے دین میں نہیں ہے۔

اس لیے ہر ایک شے کا فائدہ عبودیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے (پ۲۵) رؤف ہے (پ۲)، غفور اور رحیم ہے۔ وہ ہماری خطائیں معاف فرماتا ہے اور ہمیں ترقی کا ہر ایک موقعہ دیتا ہے اور ہر ایک سہولت دے رکھی ہے۔ ہماری طاقتِ برداشت سے زیادہ ہم سے خدمت کا مطالبہ نہیں فرماتا ہے۔

عبودیت میں "آزادی" کا راز مضمر ہے۔ عبادتِ الٰہی سے کوئی بندۂ خدا کسی مخلوق کا محکوم نہیں رہ سکتا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ وہ ہر ایک شے پر حکومت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ فی الارض بنایا ہے۔ اس کی فطرت کا منشاء ہے کہ کائنات پر حکومت کرے۔ یہ خود ہی محکوم بن جائے، تو اس کی وجہ سوائے شرک اور کفر کے اور کچھ نہیں۔ وہ جب مخلوقات کے آگے جھکتا ہے، تو انتہائی ذلت ہے اور انسانیت سے بعید تر ہے۔

عبادتِ الٰہی سے زندگی کا مقصدِ اعلیٰ حاصل ہوتا ہے اور کفر و شرک سے انسان جہنمی زندگی بسر کرتا ہے،

مگر اس کو شعور نہیں اور الٰہی سلطنت میں کافر و مشرک بغاوت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں اور یہ ایسا جرم ہے کہ وہ احکم الحاکمین اُس وقت تک نہیں بخشے گا، جب تک انسان توبہ نہ کرے۔ یہ کفر و شرک ایسا شیطانی فریب ہے کہ اکثر لوگ اور وہ بھی جو بزعم خود موحّد اور خدا پرست بنتے ہیں، اس میں گرفتار ہیں۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ٣٤/١٣	اور تھوڑے ہیں، جو شکر گذار بندے ہیں۔

ہر ایک شخص کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اللہ کی عبادت کر رہا ہے؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا بندہ، اللہ کے غیر کا بندہ ہو، خالق کا بندہ مخلوق کا بندہ ہو۔ جو جہنمی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ عبادتِ الٰہی نہیں، بلکہ مخلوق پرستی کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ٤٠/٦٠	جو لوگ ہماری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، جلدی ہی جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

کفر و شرک عبادتِ الٰہی کی مخالفت ہے۔ اس کا انجام مشاہدہ میں آچکا ہے کہ ہمیشہ بُرا ہے۔ عبادت الٰہی صراطِ مستقیم پر چلنا ہے (٣٦/٦١، ٤٣/٦١، ٣/٥١) جو دین اسلام سے تعبیر ہوتا ہے۔ "عبداللہ" کی صحیح تعریف یہ ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ	کہو کہ میری صلوٰۃ (معاملہ با خدا) اور نسک (معاملہ با خلقِ خدا) میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اُس کا کوئی شریک کسی امر میں نہیں۔

عبادت ہمارا ہر ایک قول و فعل ہے، جو لوجہ اللہ ہو، جس میں نفسانیت کا دخل ہو، وہ ادنیٰ زندگی کے فوائد کے لیے ہے اور اس کا اثر اسی دنیا تک محدود ہے۔ انسانی زندگی کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ تزکیہ نفس کے بعد صحیفۂ فطرت کے مطالعہ میں انہماک ہو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب سے سبق دے، وہ ازبر کیا جائے اور علم کے ساتھ مناسب عمل ہو۔ مزید بحث زیر لفظ "علم" و "عمل" ملاحظہ ہو۔

حرف الہمزہ (الف)

حدیث ۱ | "آخر الطب الکی": ابن الدیبع یمنی جو سخاوی کا شاگرد ہے، اپنی کتاب مختصر مقاصد" میں لکھتا ہے کہ یہ مقولہ ہے، کوئی حدیث نہیں اور عسقلانی نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ عرب کی ضرب المثل ہے کہ آخری علاج طب داغ دینا ہے"

حدیث ۲ | "الانبیاء قادۃ والفقہاء سادۃ ومجالستہم زیادۃ" انبیاء تو پیشوا اور فقیہ سردار اور ان کے ہم نشین ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یہ موضوع حدیث ہے، جیساکہ خلاصہ میں مذکور ہے۔

حدیث ۳ | آیۃ من کتاب اللہ خیر من محمد و آلہ" کتاب اللہ کی ایک آیت محمد اور آں حضرت کی آل سے بہتر ہے۔ عسقلانی کہتا ہے کہ میں اس حدیث سے واقف نہیں۔

حدیث ۴ | "ابو حنیفہ سراج امتی" ابو حنیفہ میری امت کے چراغ ہیں۔ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ موضوع ہے۔

حدیث ۵ | "ابی اللہ الا ان یصح کتابہ" اللہ کی کتاب پر یقین نہ کرنا اللہ کا انکار کرنا ہے۔ سخاوی کہتا ہے

ان موضوع احادیث سے ان لوگوں کی ذہنیت کا علم ہوتا ہے، جو انھیں وضع کرتے رہے۔ غلو فی الدین بہر حال مذموم ہے۔ واضع حدیث کو اتنا شعور نہیں کہ "قرآن" بھی ایک آیت ہے۔ وہ آیت کے فہم سے قاصر رہا ہے۔ رسول کریم انسان کامل ہیں اور اللہ کی آیت جامع ہیں۔ "الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان" جس قلب سلیم پر تمام قرآن نازل ہوا ہو، اس کی نسبت یہ کہنا کہ کتاب اللہ کی ایک آیت اس سے بہتر ہے، ایک بے معنی بات ہے۔ (اختر)

یہ حدیث تو بلاشبہ موضوع ہے اور کسی حنفی اہل عقیدت کی وضع کردہ ہے، لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اور دیگر ائمہ دین سراج ہی تھے۔ کاش اس امت میں ہر ایک زمانہ میں ایسے ہی چراغ روشن ہوں۔ (اختر)

سخاوی نے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے، لیکن مضمون حدیث سے انکار بمشکل ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ محدثین رواۃ کے سلسلہ کو تو دیکھتے ہیں اور حدیث خواہ کیسی ہی نامعقول ہو، اگر رواۃ کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا اور راوی معتبر ہیں، تو وہ صحیح، لیکن مضمون حدیث کی طرف ان کی توجہ کم ہے۔ ایک شخص کو قرآن کی صحت پر یقین نہیں، تو اللہ پر اس کا ایمان کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ وہ ایک ایسے اللہ پر یقین کرتا ہو، جو اس کا خود ساختہ ہو۔ ہم نہیں کہتے کہ یہ حدیث نبوی ہے۔ کسی کا قول ہی سہی، لیکن چوں کہ بحث احادیث کے متعلق ہے، اس لیے منقول ہے۔ (اختر)

کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔

حدیث ۶ | "الابدال من الاولیاء" ابدال اولیاء اللہ ہیں۔ یہ حدیث حضرت انس رض سے مختلف الفاظ میں کئی طریقوں سے مرفوعاً روایت ہوئی ہے اور سب ضعیف ہیں، جیسا کہ ابن الربیع نے ذکر کیا ہے اور ابن الصلاح کہتا ہے کہ قوی تر یہ بات ہے کہ یہ قول حضرت علی رض کا ہے کہ شام میں پہلے ابدال ہوں گے، پھر اوسیہ و نجیب و نقیب اس کو بعض مشائخ طریقت نے بیان کیا ہے۔ لیکن پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ میں (مولف) کہتا ہوں کہ زرکشی نے مسند احمد میں مرفوع حدیث عبادہ بن صامت بیان کی ہے کہ "الابدال فی ھذہ الامۃ ثلٰثون مثل ابراھیم خلیل الرحمٰن کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلاً" اس امت میں تیس ابدال ہیں، جو ابراہیم خلیل الرحمٰن کی مثل ہیں اگر ان میں سے ایک فوت ہوتا ہے، تو اس کا بدل اللہ دوسرا کر دیتا ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ اس کی تائید ی شہادت ابن مسعود کی حدیث سے ملتی ہے، جو حلیہ میں مذکور ہے۔ سیوطی کہتا ہے کہ اس کے شواہد بہت ہیں۔ جن کا مذکور اس نے "تعقبات" میں موضوعات و موضوع میں کیا ہے اور اس موضوع پر اس کی ایک مستقل تالیف بھی ہے۔

حدیث ۷ | "اتخذوا عند الفقراء ایادی فان لھم دولۃ یوم القیٰمۃ، فاذا کان یوم القیٰمۃ نادی مناد سیروا الی الفقراء فیعتذروا الیھم کما یعتذر احدکم الی اخیہ فی الدنیا" فقرا کی دست گیری کرو، کیوں کہ قیامت کے دن یہ دولت تمہارے کام آئے گی جب قیامت کا دن ہوگا۔ منادی کرنے والا ندا کرے گا کہ فقرا کی طرف چلو۔ وہ اسی طرح عذر کریں گے جس طرح دنیا میں بھائی بھائی کا عذر خواہ ہوتا ہے۔ عسقلانی کا ارشاد ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔ سخاوی نے اسی مضمون کی بہت سی حدیثیں بیان کرتے ہوئے کہا کہ سب باطل ہیں اور ذہبی اور ابن تیمیہ وغیرہما نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن میں (مولف) کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ المشائخ حافظ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے جس کو ابونعیم نے "حلیہ" میں ابوموسیٰ سے اس حدیث کا پہلا حصہ روایت کیا ہے کہ "اتخذوا عند الفقراء ایادی فان لھم دولۃ یوم القیٰمۃ"

لہ ابدال و غوث و قطب وغیرہم کا مذکور اکثر صوفیہ کے تذکروں میں پایا جاتا ہے۔ یہ حدیث تو نہیں ہو سکتی کیونکہ آں حضرت کے عہد مبارک میں شام میں اسلام شائع نہیں ہوا تھا۔ اور اگر حضرت خضر جیسے کوئی ہوں۔ تو اور بات ہے، مگر حضرت خضر تو ابدال سے نہیں۔ ابدال کا بدل ان کے مرنے پر قائم رہتا ہے، وہ طبعی عمر کے بعد فوت ہوتے رہتے ہیں۔ یہ قول حضرت علی رض کا بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ شامیوں سے ان کا جنگ تھا۔ میری رائے میں تو تمام مومنین ابدال ہیں۔ (آخر)

حدیث ۸ | "اتقوا البرد فانہ قتل اخاکم ابی الدرداء" (سردی سے پرہیز کرو، کیونکہ اس نے تمہارے بھائی ابی الدرداء کو مار ڈالا) سخاوی کی تحقیق یہ ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں، کیوں کہ ابی درداء آں حضرت کی وفات کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہے۔ "منوفی" نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ آں حضرت نے ممکن ہے کہ یہ حدیث بطور پیش گوئی ارشاد فرمائی ہو۔

حدیث ۹ | "اتقوا العاهات" (عاہات مویشیوں کا ایک مرض ہے، اس سے پرہیز کرو) سخاوی کہتا ہے، ان لفظوں میں میں اس حدیث کا واقف نہیں ہوں۔

حدیث ۱۰[1] | "اتقوا مواضع التهم" (تہمت کے موقعہ سے پرہیز کرو) دراصل یہ حضرت عمرؓ کا قول معناً ہے کہ "من سلك مسالك التهم اتهم" (جو تہمت کے راستوں پر چلتا ہے، وہ متہم ضرور ہوگا۔ خرائطی نے "مکارم الاخلاق" میں اس حدیث کو عمرؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ ان لفظوں میں "من اقام نفسه مقام التهم فلا يلومن من اساء الظن به" (جو شخص اپنے آپ کو تہمت کے مقام پر کھڑا کرتا ہے، وہ تہمت کی بدگمانی سے بچ نہیں سکتا۔

حدیث ۱۱[2] | "اتق شر من احسنت اليه" (اس شخص کے شر سے بچو جس نے تم پر احسان کیا ہے) سخاوی کہتا ہے کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ شبہ ہے کہ یہ سلف کا کلام ہو۔ "مجالس الدنیوی" میں علیؓ سے موقوفاً روایت ہے کہ "الكريم يلين اذا استعطف واللئيم يقسو اذا الطف" (سخی بوقت سخاوت نرم دل ہوتا ہے اور بخیل مہربانی کرتا ہے، تو سخت دل ہوتا ہے۔

حدیث ۱۲[3] | "احذروا صفر الوجوه فانه ان لم يكن من علة او سهر فانه من غل فى قلوبهم للمسلمين"

---

[1] حضرت عمرؓ کا قول ان الفاظ میں بھی روایت ہوا ہے: "من عرض نفسه للتهمة فلا يلومن من اساء به الظن" کسی نے اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے:

اے کہ ہستی بموقف تہمت   تانگردد عفاف تو معلوم
گر بہ دعات گمان بد   در تو نبود بہ نزد عقل ملوم

یعنی، جو شخص محل تہمت سے نہیں بچتا، تو لوگ قابلِ ملامت نہیں ہو سکتے، جو اس کے حق میں بدگمانی کرتے ہیں۔

[2] یہ بھی حضرت عمرؓ کے اقوال میں پایا جاتا ہے کہ "اتقوا شر من يبغضهم قلوبهم"۔ جن کو دل سے برا جانتے ہو، اُن کے ضرر سے بچتے رہو۔

[3] "از تجربہ ہائے ایں دبستان کہن   تا علم قیافہ شد دلیل تو و من
دیدیم منافق، حسود و غماز   کوچک سر و زرد رنگ و کوتہ گردن" (بیدلؒ)

(زرد و رُو اشخاص سے ڈرو، اگر کسی بیماری یا شب بیداری سے چہرہ پر زردی نہ ہو، تو یقیناً ایسے اشخاص کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے دغا بھرا ہے)۔ اسے دیلمی نے اپنی مسند میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ عسقلانی نے کہا ہے کہ میں اس کی اصل سے واقف نہیں ہوں، اگرچہ ابن القیم نے "طب نبوی" میں اسے ذکر کیا ہے لیکن بغیر کسی سند کے۔

حدیث ۱۳[1] | "اجتماع الخضر والیاس علیہما السلام فی الموسم کل عام" خضر و الیاسؑ ہر سال حج کے دنوں میں جمع ہوتے ہیں۔ حافظ عسقلانی کہتے ہیں کہ اس کے متعلق کوئی بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ میں (مولف) کہتا ہوں کہ شاید ان کی مراد اس کے عدم صحت کی ہے، کیوں کہ عقیلی اور دارقطنی نے "افراد" میں اور ابن عساکر نے ابن عباس سے اور انھوں نے نبی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا خضر اور الیاسؑ ہر سال حج کے دنوں میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے سر کے بال مونڈتا ہے اور یہ کلمات کہتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں: بسم اللہ ماشاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ماشاء اللہ ماکان من نعمتہ فمن اللہ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ" یہ حدیث سیوطی نے ذکر کی ہے۔

حدیث ۱۴ | (آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ) جمع ہوجاؤ اور (دعا کے لیے) ہاتھ اٹھاؤ، تو ہم سب جمع ہو گئے اور ہاتھ اٹھائے۔ پھر آں حضرتؐ نے فرمایا: اللّٰھم اغفر للمسلمین (تین بار فرمایا) کیلا یذھب القرآن واعز العلماء کیلا یذھب الدین" (بار خدا مسلمانوں کو بخش دے، ایسا نہ ہو کہ (ان سے) قرآن جاتا رہے اور علماء کو عزت دے، ایسا نہ ہو کہ دین جاتا رہے) یہ بھی موضوع ہے، جیسا کہ "لآلی" میں مذکور ہے۔

حدیث ۱۵ | "آں حضرتؐ کے والدین کا زندہ ہونا" اس بارہ میں بھی حدیث موضوع ہے، جیسا کہ ابن دحیہؒ نے کہا ہے اور اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

---

[1] غالباً سر منڈانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ "محلقین رؤسکم و مقصرین" (پ ۲۶) سے تائید ہوتی ہے اور جس کے بغیر بعض اہل الرائے کے نزدیک "حج" کی تکمیل ہی نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ خضر و الیاسؑ کو ایام حج ہی میں ملنے کا اتفاق ہوتا ہے معلوم نہیں کہ سال بھر وہ کس سے سر منڈاتے ہیں اور منڈواتے بھی ہیں کہ نہیں؟ ملا سیوطی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے بعد ایسے لوگ بھی ہوں گے، جو سرے سے "خضرؑ" کے قائل نہ ہوں گے اور حضرت الیاسؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر براہین قرآنی پیش کریں گے

حدیث ۱۷۱ "اختلاف اُمتی رحمۃ" (میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے) اکثر ائمہ نے خیال کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ لیکن "قرطبی" کے نزدیک یہ حدیث غریب ہے اور سیوطی نے کہا ہے کہ "نصر المقدسی" نے "حجت" میں اور بیہقی نے "رسالۃ الاشعریہ" میں بغیر سند کے روایت کیا ہے اور حلیمی اور قاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ غالباً بعض حافظوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہو گا، جو ہم تک نہیں پہنچیں۔ واللہ اعلم اور "زرکشی" نے کہا کہ نصر المقدسی نے "کتاب الحجۃ" میں اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور بیہقی نے "مدخل" میں اسے قاسم بن محمد کا قول کہا ہے اور عمر بن عبد العزیز سے روایت ہے کہ جن امور میں اختلاف نہ ہو، ان پر عمل کی اجازت ہے اور سیوطی نے کہا ہے کہ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اختلاف سے مراد اختلافِ احکام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اختلاف سے مراد اختلافِ حرف و صنائع ہے "مسندِ فردوس" میں "جوبیر" کے طریق پر "ضحاک" نے ابن عباس رض سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "اختلاف صحابی لکم رحمۃ" (صحابی کا اختلاف تمھارے لیے رحمت ہے) اور "ابن سعد" نے اپنے "طبقات" میں قاسم بن محمد سے ذکر کیا ہے کہ کہا: اختلاف اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے لیے رحمت ہے "میں (مولف) کہتا ہوں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس اُمت کے غیر کا اختلاف زحمت اور نقمت ہے جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے اور اختلاف اس حدیث پر مبنی کہ لا یجتمع امتی علی ضلالۃ[ف۱] (میری اُمت کا اجتماع گُم راہی پر نہ ہو گا) اسے ابن ابی عاصم نے "سنت" میں حدیث انس رض سے روایت کیا ہے، ترمذی نے حدیث ابن عمر سے یہ ایں الفاظ روایت کیا ہے کہ لا یجمع اللہ ھذہ الامۃ علی ضلالۃ ابدا" (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گُم راہی پر جمع نہیں کرے گا) اور حاکم کی "مستدرک" میں

[ف۱] بحر العلوم نے اس حدیث یا اس کے مضمون یا مفہوم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بہت پیچ و تاب کھایا ہے۔ حالاں کہ بات بالکل صاف ہے کہ جس طرح اُمت عیسےٰ کا تثلیث پر اتفاق ہے، اس طرح اُمتِ مسلمہ کا کسی ایسے عقیدہ پر جو کفر و شرک ہو کبھی اتفاق نہیں ہوا، مثلاً ایک فرقہ کہتا ہے کہ احادیث قرآن کی مثل ہیں، تو دوسری جماعت اس کی تردید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ جن و انس کی متفقہ کوشش بھی قرآن کی ایک سورت کی مثل نہیں بنا سکتی، احادیث کس طرح مثل قرآن ہو سکتی ہیں؟ اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ من وجہ وحی مثل ہے اور وحی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ دوسری جماعت کا جواب لاجواب ہے کہ آں حضرت پر جو وحی نازل ہوئی، سب قرآن کے اندر ہے باہر نہیں ہے، اس لیے وہ وحی الٰہی نہیں ہیں۔ اہل حدیث کہتے ہیں کہ یہ وحی خفی ہے اور تعریف یہ کرتے ہیں کہ مفہوم بلا الفاظ وحی ہوا۔ الفاظ آں حضرت کے ہیں اور قرآن باللفظ وحی ہوا۔ وحی کی جو کچھ وہ تعریف کرتے ہیں، قطعاً غلط ہے۔ کوئی خیال بلا حروف و صوت قلب انسانی میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور جس خیال کے الفاظ بشری ہیں وہ کلام بشر ہے۔

اختلاف دو قسم کا ہے۔ ایک مذموم، جو باتباع ظن وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا محمود، جو فطری ہے اور تحقیق اور ذہنی ارتقا میں مدد دیتا ہے۔ مذموم اختلاف شر انگیز ہے اور محمود سراسر رحمت۔ حدیث میں جمع سے مراد کثرت نہیں ہے، بلکہ اُمت کا کسی ایسے مسئلہ پر، جو ضلالت ہو، اتفاق ہے، جو کبھی نہیں ہوا، اس لیے درایتاً حدیث صحیح ہے۔

ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ لا یجمع اللہ ھذہ الامۃ علی ضلالۃ وید اللہ مع الجماعۃ "(اللہ اس اُمّت کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ (قوت) جماعت کے ساتھ ہے) اور احمدؒ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے کبیر میں ابی نصرۃ الغفاریؓ سے مرفوعاً حدیث میں روایت کی ہے جس میں یہ ہے کہ سألت ربی ان لا یجمع امتی علی ضلالۃ فاعطا..... "(میں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ میری اُمّت گمراہی پر متفق نہ ہو، تو اس نے قبول فرمائی) [1]

حدیث ۱۷ | "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" (ان عورتوں کو مہلت دو جس طرح اللہ نے ان کو مہلت دی ہے) یہ حدیث مشہور ہے۔ "ابن ہمامؒ" کہتے ہیں کہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں، محض اس کی شہرت کی وجہ سے اسے فضیلت حاصل ہے اور صحیح یہ ہے کہ "ابن مسعودؓ" پر موقوف ہے۔ [2]

حدیث ۱۸ | "اخفوا الختان واعلنوا النکاح" (منگنی مخفی رکھو اور نکاح کا اعلان کرو) "سخاوی" کہتے ہیں کہ اس کی سرے سے کوئی اصل نہیں۔ بلاشبہ ایسی احادیث بھی ہیں، جن سے منگنی کے اعلان کی بھی شہادت ملتی ہے۔ [3]

حدیث ۱۹ | "اذا اردت ان اخرب الدنیا بدأت بیتی فخربتہ ثم اخرب الدنیا" (جب میں دنیا کو خراب کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، تو اس کی ابتدا اپنے ہی گھر سے کرتا ہوں، تو وہ خراب ہوتا ہے، پھر دنیا خراب ہوتی ہے) "عراقی تخریج الاحیاء" میں کہتا ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

حدیث ۲۰ | "اذا اراد اللہ ان ینزل الی السماء الدنیا نزل عن عرشہ بذاتہ" (جب اللہ سماء الدنیا پر نازل

---

[1] کوئی حدیث سوائے دو تین کے باللفظ روایت نہیں ہوئی۔ رواۃ نے ایک ہی حدیث مختلف الفاظ میں روایت کی ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ اختلاف کثیر جو احادیث میں پایا جاتا ہے، ایسے کلام میں ہونا لازم ہے، جو "من عند غیر اللہ" ہو۔ اس کلام کا پایہ خواہ کیسا ہی بلند ہو، بہرحال کلامِ بشر ہے۔ احادیث کے ہم بھی منکر نہیں، لیکن "غلو فی الدین" نہیں کرتے۔ کلامِ الٰہی اللہ کے علم و ارادہ سے وحی ہوتا ہے اور کلامِ بشر میں بشر کے علم و ارادہ کا دخل ہوتا ہے۔ اگر اہلِ حدیث آں حضرتؐ کے علم و ارادہ کی مطلق نفی کر سکتے ہیں، تو ہم بھی جھک کر سلام کریں گے، پھر تو "انا بشر مثلکم" کے معنی ہی کچھ اور ہوں گے۔ (مدیر)

[2] یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے، لیکن بہت بلند پایہ ہے۔ "یسئلونک عن المحیض" اور سورۂ نساء کی آیات وغیرہم سے اس کی تفسیر ہوئی ہے۔ اہلِ حدیث تو یہ کہتے ہیں کہ احادیث قرآن کی تفسیر ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی حدیث پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتی، جب تک آیتِ قرآنی سے اس کی تصدیق نہ ہو۔ (مدیر)

[3] احادیث میں صرف اختلاف کثیر ہی نہیں، بلکہ تضاد بھی پایا جاتا ہے۔ جو حضرات قرآن حکیم میں ناسخ و منسوخ جائز سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں کہ احادیث میں بھی اسے جائز سمجھ کر اختلاف و تضاد کی مشکلات حل کر لیا کریں۔ لیکن بات یہ ہے کہ کلامِ بشر میں اختلاف و تضاد لازم و ملزوم ہے۔ احکام ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب ہونے چاہییں اور حالات بے شمار اور بدلتے ہیں، اس لیے احکام ہمیشہ بدلتے ہیں اور ان میں خارجی و ذہنی حالات کے مناسب ترمیم و تنسیخ بھی ہوتی رہتی ہے، اس لیے چوں کہ احادیث میں اختلاف وغیرہ پایا جاتا ہے، تو بات یہ ہے کہ مختلف حالاتِ خارجی کے مناسب مختلف احکام دیے گئے۔ احکام کو حالات مدنظر رکھ کر دیکھنا چاہیے، اس لیے ایسی احادیث جن میں اختلاف اور تضاد باہمی ہے، حالات کے کے مطابق اور موافق ہیں، اس لیے صحیح ہیں۔ (مدیر)

ہونے کا ارادہ کرتا ہے، تو اپنے عرش سے بذاتہٖ اُتر آتا ہے) کسی دجال نے یہ حدیث وضع کی ہے۔[1]

حدیث ۲۱ "اذا اکلتم فاتصلوا" (جب تم کھانا کھاؤ، تو کچھ باقی بھی چھوڑ دو) سخاوی نے اس کی ترجمانی تو کی ہے، لیکن کچھ بحث نہیں کی۔ "ابن الربیع" کہتا ہے اور جو کچھ صحیح بخاری میں ہے کہ آں حضرت دودھ پی کر (برتن میں) کچھ چھوڑ بھی دیتے تھے اور اسی طرح صحیح بخاری میں کاسہ لیسی کے بعد انگلیوں کا چاٹنا بھی ہے، جو اس کی تردید ہے۔ میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ یہ حدیث موافق ہے اس حدیث سے "لا خیر فی الطعام ولا شراب لیس لہ سؤر" (اس طعام اور اس شربت میں کچھ برکت نہیں، جس میں سے کھا پی کر کچھ بچ نہ رہے) اور حدیث سے بھی "اذا شربتم فاسئروا" (جب تم پیو تو اس میں سے کچھ چھوڑ بھی دو) اس کو عیاض اور ابن الاثیر ثانی نے "جمع" میں ذکر کیا ہے۔[2]

حدیث ۲۲ "اذا جئت یا معاذ ارض الحبیب یعنی من الیمن فھرول فان بھا الحور العین" (اے معاذ جب تو ارض حبیب کی طرف جانے لگے (جو یمن میں واقع ہے) تو جلدی کر کیوں کہ حور العین وہیں ہیں) سخاوی کہتا ہے کہ میں اس کو نہیں پہچانتا۔ "منوفی" کہتا ہے کہ اسے تو بلا تامل موضوع کہنا چاہیے۔

حدیث ۲۳ اذا جلس المتعلم بین یدی العالم فتح اللہ علیہ سبعین بابا من الرحمۃ ولا یقوم من عندہ الا کیوم ولدتہ امہ واعطاہ اللہ بکل حرف ثواب ستین شہیدا وکتب اللہ بکل حدیث عبادۃ سنۃ"

(جب طالب علم عالم کے سامنے بیٹھتا ہے، تو اللہ اُس پر اپنی رحمت کے ستر دروازے کھول دیتا ہے۔ وہ وہاں سے نہیں اُٹھتا، مگر وہ اس حالت میں ہوتا ہے، جیسا کہ اُس کی ماں نے اُس کو آج ہی جنا ہے اور ہر ایک حرف کا ثواب اس کو ساٹھ شہیدوں کا ملتا ہے اور اُسے ہر ایک حدیث کا ثواب ایک سال کی عبادت کے برابر اللہ عطا فرماتا ہے) "ذیل" میں اسے موضوع قرار دیا گیا ہے۔

حدیث ۲۴[3] "اذا احضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشاء" (جب نماز عشاء اور رات کا کھانا یک وقت آجائیں،

---

[1] ایسی لاکھوں حدیثیں ہیں، جو زنادقہ نے وضع کیں۔ چوں کہ ان کے بعض الفاظ قرآنی آیات سے لیے گئے ہیں، اس لیے عوام الناس بسہولت گمراہ ہو سکتے ہیں۔

[2] اس حدیث میں زیادہ پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی مختلف حالات کے تحت ایک وقتی حکم ہے۔ کچھ بچ رہے گا، تو کسی اور کے کام آئے گا اور جس کا گذارہ ہی مشکل ہوتا ہو، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ جو کچھ ملے، اس میں سے کچھ نہ چھوڑے۔ اس حدیث کا مفسر بھی قرآن ہی ہے "یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون" (۲۸/۹) کھانے سے بچانا فارغ البال لوگوں کا کام اور کام ایسی کرنا فقرا کا اور دوسروں کی ضروریات مقدم سمجھنا اہل تقویٰ کا۔ (مدیر)

[3] یہ نقلی بحث اچھی رہی۔ قرآن حکیم کی ۲۴ ویں تفسیر ملاحظہ ہو "فاذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب" (۹۴/۸) یہ حدیث بھی خاص حالات کے تحت آں حضرت کا ارشاد مبارک ہے۔ احادیث سب خاص خاص حالات خارجی و ذہنی کے مناسب ہی ارشادات نبویہ ہیں۔ ان کا حکم اصول کی طرح عام نہیں ہو سکتا۔

تو پہلے کھانا کھالو، عراقی کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ حدیث کی کتابوں میں اس کی کوئی اصل نہیں اور متفق علیہ اصل حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "اذا وضع العشاء واقیمت الصلوٰۃ فابدؤا بالعشاء" (جب رات کا کھانا تیار ہو اور نماز قائم ہو جائے تو پہلے کھانا کھالو)

حدیث ۲۵ [۱] "اذا ذکرہ الصالحون فحیھلا بعمر" (جب صالحین کا ذکر آجائے، تو عمرؓ کے لیے دعا کرو) عیاض نے الملل میں ابن مسعودؓ کا قول کہا ہے اور ایسا ہی قرطبی اور ابن الاثیر نے کہا ہے اور عراقی نے "ذخیرۃ" میں بابؓ ذات میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے بظاہر حدیث ہی معلوم ہوتی ہے اور شاید اس کی مراد یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

حدیث ۲۶ [۲] "اذا رایت القاری یلوذ بالسلطان فاعلم انہ لص واذا رایتہ یلوذ بالاغنیاء فاعلم انہ مرآء وایاک ان تخدع ویقال یرد مظلمۃ ویدفع مظلوما فان ھذہ خدعۃ ابلیس" (اگر تو کسی قاری کو بادشاہ کے زیر سایہ دیکھے، تو سمجھ لے کہ وہ چور ہے اور جب ایسے دولت مندوں کی سرپرستی میں دیکھے، تو سمجھ لے کہ وہ ریاکار ہے، ممکن ہے کہ تجھے دھوکا ہو کہ وہ مظلوم کی حمایت اور ظلم دُور کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے، تو یہ شیطانی وسوسہ ہے) اسے ثوریؒ کے قول سے اخذ کیا گیا ہے کہ کہا ایک شخص مجھے ملا جس سے کبیدہ خاطر تھا، اس نے میری خیر و عافیت پوچھی، تو میرا دل نرم ہو گیا۔ اسی پر قیاس کر لو کہ وہ شخص کتنا زیر بار احسان ایسے لوگوں کا ہوگا، جن کے ساتھ کھائے پیے اور انھی کی دعا میں ہے کہ بار خدا کسی فاجر کے پاس میرا آرام و نعمت نہ ہو اور کہا جاتا ہے کہ کیا ہی بُری بات ہے کہ عالم منگتا فقیر اور امیر کے دروازہ پر ہو اور یہ بھی مشہور قول ہے کہ بہت بُرا وہ فقیر ہے جو امیر کے دروازہ پر ہو اور بہت اچھا وہ امیر ہے جو فقیر کے دروازہ پر ہو

حدیث ۲۷ "اذا صدقت المحبۃ سقطت شروط الادب" (سچی محبت میں ادب و آداب کی شرائط ساقط ہو جاتی ہیں) ابن الربیع کہتا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ میں (مولف) کہتا ہے کہ یہ جنیدؒ کا کلام ہے، جیسا کہ رسالہ "قشیریہ" میں بلفظ سقطت شروط ادبہا سے مذکور ہے اور کہا گیا "سقط الادب"

---

[۱] اذان کا طریق حضرت عمرؓ کا تجویز کردہ ہے۔

[۲] سبحان اللہ! کلام الملوک ملوک الکلام "بئس الفقیر علیٰ باب الامیر و نعم الامیر علی باب الفقیر" جو دستِ سوال دراز کرتا ہے، وہ ایسا ذلیل ہے کہ اس کا شعور اس کو نہیں اور جو اس کی اجازت دیتا ہے، وہ اسلامی خودداری کا دشمن ہے اور فرعون کی طرح ملکِ خدا اور بندگانِ خدا میں علو کا خواہاں ہے۔ اگر سوال کی ذلت کا احساس ہو، تو انسان بھوکا مرنا گوارا کر سکتا ہے۔ حدیث کا تو پایہ بلند ہے صحابہؓ و اثر دین کے اقوال بھی سبق آموز ہیں۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ اذا رایتم القاری یحب الاغنیاء فھو صاحب الدنیاء اور یہ بھی قول ہے کہ اذا رایتموہ یلزم السلطان من غیر ضرورۃ فھو لصؓ۔

حدیثِ شعیبؑ

(۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین[۱] کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپؑ اپنی قوم سے یوں خطاب کرتے ہیں:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (الاعراف آیت ۸۵ تا ۸۷)

اے بھائیو! خدا ہی کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے، تو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحبِ ایمان ہو، تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے، اُسے تم ڈراتے اور راہِ خدا سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور اُس وقت کو یاد کرو جب کہ تم تھوڑے سے تھے تو خدا نے تمہاری تعداد کو زیادہ کیا اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی، تو صبر کیے رہو، یہاں تک کہ خدا ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ (ہود: ۸۴ - ۸۶)

بھائیو! خدا ہی کی عبادت کرو کہ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے، تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے، جو تم کو گھیر کر رہے گا اور بھائیو! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرتے پھرو۔ اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو، تو خدا کا دیا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں[۲]۔

---

[۱] نام ہے ایک شہر کا۔ [۲] اسی مطلب کی چند آیات سورۃ الشعراء میں بھی ملتی ہیں۔ (مرتب)

(۲)

شعیبؑ کی قوم نے آپؑ کی نصیحتوں سے کوئی اثر نہ لیا، بلکہ یہ دھمکی دی کہ اگر تم نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ بند نہ کیا، اور تم پھر سے ہمارے دین میں نہ آگئے، تو تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو بستی سے باہر نکال دیا جائے گا۔

آپؑ نے فرمایا:

اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِ
نْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۚ وَ
مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى
اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ
بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

(اعراف ۸۸-۸۹)

خواہ ہم تمھارے دین سے بیزار ہی ہوں (تو بھی؟) اگر ہم اس کے بعد
کہ خدا ہمیں نجات بخش چکا ہے، تمھارے دین میں لوٹ جائیں، تو بے شک
ہم نے خدا پر جھوٹ افترا باندھا، اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ
جائیں، ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے، وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے
پروردگار کا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا خدا ہی پر بھروسا ہے
اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے
اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۳)

مگر شعیبؑ کی قوم راہ راست پر نہ آئی، اس نے آپؑ کے پیغام کو پے در پے جھٹلایا اور کہا کہ کیا تمھاری نما
تمھیں یہی سکھلاتی ہے کہ ہم اپنے ان بتوں کی پرستش سے باز آجائیں، جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آتے ہی

آپؑ نے فرمایا:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ
رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا
اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۚ
اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا
تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝
وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ
مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ
قَوْمَ صٰلِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝

بھائیو! دیکھو، اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور ا
نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو (تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا
اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمھیں منع کروں خود اس کو کرنے لگو
میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے، تمھارے معاملات کی اصلاح چاہتا ہوں (ا
اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا خدا ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پ
بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور بھائیو! میری مخا
تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے کہ جیسی مصیبت نوحؑ کی قوم، یا ہودؑ کی قوم
صالحؑ کی قوم پر واقع ہوئی تھی، ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوطؑ

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي
رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝ (ہود : ۸۸ - ۹۰)

قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دُور نہیں اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور
اس کے آگے توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار رحم والا اور محبت والا ہے۔

(۴)

قوم نے جواب دیا: اے شعیبؑ! تمھاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو اور اگر تمھارے بھائی بند نہ ہوتے، تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے۔ آپؑ نے فرمایا:

يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ
وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي
بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا
عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ
مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ
وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝ (ہود : ۹۲، ۹۳)

بھائیو! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر خدا سے زیادہ ہے اور اس کو
تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ میرا پروردگار تو تمھارے سب اعمال پر احاطہ
کیے ہوئے ہے اور بھائیو! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ، میں (اپنی جگہ) کام کیے
جاتا ہوں، تم کو عن قریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر
آتا ہے اور جھوٹا کون ہے اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار
کرتا ہوں۔

(۵)

قوم نے جواب دیا: ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اگر تم سچے ہو، تو آسمان سے ہم پر عذاب لے آؤ۔ آپؑ نے فرمایا:

رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (الشعراء: ۱۸۸)

جو کام تم کرتے ہو، میرا پروردگار اُس سے خوب واقف ہے!

(۶)

جب آپؑ کو یقین ہو گیا کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے والا ہے، تو آپؑ نے فرمایا:

يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي
وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ
كَافِرِينَ ۝ (الاعراف - ۹۳)

بھائیو! میں نے تم پر اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے اور تمھاری
خیرخواہی کی، تو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم
کیوں کروں؟

ان لوگوں پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ انھیں زلزلے نے آپکڑا اور اُن کی بستی اس طرح نیست و نابود ہو گئی، گویا وہ اس میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔

حدیثِ موسیٰؑ وہارونؑ

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام آپس میں سگے بھائی تھے۔ خدا تعالیٰ نے دونوں کو منصبِ رسالت سے سرفراز فرمایا۔

فرعون مصر کا ایک ظالم و جابر بادشاہ تھا۔ وہ بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا[1] اور ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھایا کرتا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بیٹا پیدا ہو، اُسے قتل کر دیا جائے اور اگر بیٹی ہو تو اسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔ وہ اپنے ملک کے باشندوں کے مختلف گروہوں میں عداوت اور دشمنی ڈال کر حکومت کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ بھی بنی اسرائیل ہی میں پیدا ہوئے، مگر خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنی حکمت سے صاف بچا لیا۔[52]

(۱)

جب حضرت موسیٰؑ جوان ہوئے۔ تو ایک روز آپؑ نے دو شخص آپس میں لڑتے دیکھے۔ ایک موسیٰ کی قوم سے تھا اور دوسرا اُن کے دشمنوں میں سے۔ جو شخص آپ کی قوم میں سے تھا۔ اُس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں آپؑ سے مدد طلب کی، آپؑ نے اُسے مُکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اس پر کہنے لگے:

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○ (القصص۔ آیت ۱۵)۔	یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا بے شک وہ (انسان کا) دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔

پھر خدا تعالیٰ سے یوں دعا کی:

---

[1] سورۂ بقرہ میں ہے: وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ۭ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ۔ تورات اس حقیقت کو الفاظ ذیل بیان کرتی ہے:

"مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام، اور سب خدمت کھیت کی کروا کے اُن کی زندگی تلخ کی، ان کی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے، مشقت کی تھیں (خروج ۱: ۱۳ ۔ ۱۴)۔

ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دو اور جو بیٹی ہو، جیتی رہنے دو (خروج ۱: ۱۵ و ۲۲)

اور فرعون نے اپنے سب لوگوں سے تاکید کر کے کہا، اُن میں جو بیٹا پیدا ہو، تم اسے دریا میں ڈال دو (خروج ۱: ۵، ۲۲)

[52] تفصیل کے لئے سورۂ القصص کا مطالعہ کیجیے۔

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ... ....رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ۔ (القصص ۱۶، ۱۷)	اے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، تو مجھے بخش دے۔ (خدا نے انہیں بخش دیا تو بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا) اے پروردگار! تُو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے، میں (آئندہ) کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا!

دوسری مرتبہ پھر آپؑ نے اُسی شخص کو ایک دوسرے آدمی کے ساتھ لڑتے دیکھا، تو اُس نے پھر آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپؑ نے کہا:

اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (القصص ۱۸)	تُو تو صریح گم راہ ہے۔

اتنے میں ایک شخص نے آکر بتایا کہ شہر کے سردار آپؑ کو، رد والفکی صلاحیں کر رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپؑ یہاں سے نکل جائیں۔ آپؑ نے شہر سے نکلتے ہوئے یُوں دعا کی:

رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (القصص)	اے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔

(۲)

مدین کا قصد کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (القصص ۲۲)	اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ بتائے۔

جب مدین کے چشمے پر پہنچے، تو دیکھا کہ لوگ اپنے چارپایوں کو پانی پلا رہے ہیں اور اُن کے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں آپؑ نے اُن سے فرمایا:

مَا خَطْبُكُمَا ط (القصص ۲۳)	تمہارا کیا کام ہے؟

انہوں نے جواب دیا، جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو) نہ لے جائیں، ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد بڑی عُمر کے بوڑھے ہیں۔ آپؑ نے اُن کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص ۲۴)	پروردگار! میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔

تھوڑی دیر کے بعد ان عورتوں میں سے ایک عورت آپؑ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ آپؑ کو میرے

والد بلاتے ہیں کہ آپ نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا تھا، اس کی تم کو اُجرت دیں۔ جب وہ اُن کے پاس گئے اور اُن سے اپنا ماجرا بیان کیا، تو انہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو۔ پھر انہوں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی ایک بیٹی سے آپ کا بیاہ کردوں، بشرطیکہ آپ آٹھ برس تک میری خدمت کریں، اور اگر دس سال پورے کردیں، تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے۔ آپ نے فرمایا:

ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○ (القصص ۲۸)

مجھ میں آپ میں یہ (عہد پختہ ہوا) میں جونسی مدت چاہوں پوری کردوں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں، خدا اس کا گواہ ہے۔

(۳)

جب آپ نے مدت پوری کردی اور اپنے گھروالوں کو لے کر چلے، تو طور کی طرف آگ دکھلائی دی۔ آپ نے اپنے گھروالوں سے کہا:

امْكُثُوْٓا إِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ (القصص- ۲۹)

تم یہاں ٹھہرو، مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں وہاں سے (رستے کا) کچھ پتا لاؤں یا آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم تاپو۔

جب اُس کے پاس پہنچے، تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ موسیٰؑ! میں تو خدائے رب العلمین ہوں اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ سانپ ہے، تو پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا، خدا تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰؑ! آگے آؤ اور ڈرو مت، تم امن پانے والوں میں ہو۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو، تو بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئیگا۔ یہ دو دلیلیں تمھارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔ اُن کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف جاؤ (اُن کو راہ حق کی طرف بلاؤ) کہ وہ فاسق و فاجر لوگ ہیں۔ موسیٰؑ نے عرض کیا:

قَالَ رَبِّ إِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَّقْتُلُوْنِ ○ وَأَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ إِنِّيْٓ أَخَافُ أَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○ (القصص ۳۳، ۳۴)

اے پروردگار! اُن میں کا ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے سو مجھے خوف ہے کہ وہ (کہیں) مجھے مار نہ ڈالیں اور ہارون جو میرا بھائی ہے، اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری

[1] یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کر دیا؛

(۴)

مگر جب موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور اہل فرعون کے پاس نشانیاں لے کر آئے، تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اس نے بنا کھڑا کیا ہے اور یہ باتیں ہم نے اپنے باپ دادا سے تو کبھی سُنی نہیں۔

آپؑ نے فرمایا:

رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (القصص، ۳۷)۔	اور میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے، جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کے لیے عاقبت کا گھر (یعنی بہشت) ہے بے شک ظالم نجات نہیں پائیں گے:

فرعون نے اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا، بس اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں سمجھتا پھر ہامان سے کہا۔ میرے لیے اینٹوں کا ایک بلند محل بنوا دو تاکہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں، اور میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

(۴)

فرعون نے آپؑ کو یہ طعنہ بھی دیا: کیا بچپن میں ہم نے تمہاری پرورش نہیں کی اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر نہیں گذاری؟ پھر تم وہی ہو، جو ایک شخص کو قتل کر کے بھاگ نکلے تھے، تم ناشکر معلوم ہوتے ہو! آپؑ نے جواب دیا:

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ○ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ○ (الشعرا: ۲۰ تا ۲۲)۔	(ہاں) وہ حرکت جو مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں خطا کاروں میں تھا، تو جب مجھے تم سے ڈر لگا، تو تم میں سے بھاگ گیا۔ پھر خدا نے مجھے نبوت و علم بخشا اور مجھے پیغمبروں میں سے کیا اور کیا یہی احسان ہے، جو آپ مجھ پر رکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟

فرعون نے کہا تمہارا پروردگار کون ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۔ (طٰہٰ ۵۰)۔	ہمارا پروردگار وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی پھر راہ دکھائی۔

فرعون نے کہا' پہلی جماعتوں کا کیا حال ہوا؟ آپؑ نے فرمایا:

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ (طٰہٰ۔ ۵۲ تا ۵۴)

اُن کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ وہ وہی تو ہے جس نے تم لوگوں کے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمھارے لیے راستے جاری کیے اور آسمان سے پانی برسایا' پھر اُس سے انواع واقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں (کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چار پایوں کو بھی چراؤ۔ بے شک ان باتوں میں عقل والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

فرعون نے پوچھا: رب العالمین سے تمھاری کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۴)

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن دونوں میں ہے' سب کا پروردگار بشرطیکہ تمھیں یقین ہو۔

فرعون نے اپنے اہالی موالی سے کہا: کیا تم سنتے ہو؟ آپؑ نے فرمایا:

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (الشعراء) | تمھارا اور تمھارے پہلے باپ دادا کا مالک۔

فرعون نے کہا یہ پیغمبر جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے' باولا ہے۔ آپ نے فرمایا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الشعراء ۲۸)

مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے' سب کا مالک بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو!

فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا' تو میں تمھیں قید کردوں گا۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا:

اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الشعراء: ۳۰) | خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز لاؤں؟

فرعون نے کہا: اگر تم سچے ہو' تو لاؤ! پس آپؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی' تو صریح اژدہا بن گئی اور اپنا ہاتھ نکالا' تو اُسی وقت دیکھنے والوں کو سفید نظر آنے لگا۔ فرعون نے اپنے سرداروں سے کہا: یہ تو کامل فن جادوگر ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں اپنے ملک سے نکال دے' تو تمھاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اُسے اور اُس کے بھائی کے بارے میں کچھ توقف کیجیے اور

شہروں میں نقیب بھیج دیجیے کہ سب ماہر جادوگروں کو جمع کرکے آپ کے پاس لے آئیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک چیلنج تھا کہ ہم بھی تمھارے مقابل ایسا ہی جادو لائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس چیلنج کو منظور کر لیا، فرعون نے کہا: اس مقابلے کے لیے ایک وقت مقرر کرلو جس کی ہم خلاف ورزی نہ کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿ طٰہٰ ۵۹﴾	عید کا دن (ہمارا) تمھارا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ اس روز چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔

ایک مقرر دن پر تمام جادوگر جمع ہو گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم سب کو اکٹھے ہو جانا چاہیے، تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں، تو ہم اُن کے پیرو ہو جائیں۔ جب جادوگر آ گئے، تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ بھی عطا ہوگا؟ فرعون نے کہا: ہاں اور تم مقربوں میں بھی داخل کر لیے جاؤ گے۔ حضرت موسیٰ نے اُن کو مخاطب کرکے فرمایا:

وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ﴿ طٰہٰ ۶۱﴾۔	ہائے تمھاری کم بختی۔ خدا پر جھوٹ افترا نہ کرو کہ وہ تمھیں عذاب سے فنا کر دے گا اور جس نے افترا کیا، وہ نامراد رہا۔

پھر اُن سے کہا:

أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝	جو چیز ڈالنی چاہتے ہو، ڈالو

تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے: فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ضرور غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ ان چیزوں کو جو جادوگروں نے بنائی تھیں یکایک نگلنے لگی۔ تب جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے: ہم تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔ فرعون نے انھیں پھانسی کی سزا دینے کی دھمکی دی، مگر انہوں نے اس دھمکی کی کوئی پروا نہ کی۔

(۵)

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو وحی بھیجی کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، انھیں ساتھ لے کر رات کے وقت شہر سے نکل جاؤ کہ فرعونیوں کی طرف سے تمھارا تعاقب کیا جائے گا۔ فرعون نے اپنے

لشکروں کے ساتھ حضرت موسیٰؑ اور اُن کے حواریوں کا تعاقب کیا۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں، تو موسیٰؑ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑ لیے گئے۔ آپؑ نے فرمایا:

كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (الشعراء ۶۲) | ہرگز نہیں! میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ مجھے رستہ بتائے گا۔

پھر فرعون کے حق میں حضرت موسیٰ اور ہارون ؑ نے خدا تعالیٰ سے یوں دعا کی:

رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۞	اے ہمارے پروردگار! تو ہی نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال و دولت دے رکھا ہے تاکہ وہ تیری راہ سے بہکا دیں۔ اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو ملیا میٹ کر دے اور اُن کے دلوں کو سخت کر دے۔ وہ ایمان نہ لائیں، جب تک تکلیف کا عذاب نہ دیکھیں۔

خدا تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اپنی لاٹھی دریا پر ماری، تو دریا پھٹ گیا، اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہوگیا کہ گویا بڑا پہاڑ ہے۔ حضرت موسیٰ اور اُن کے ساتھی تو اس راستے سے بچ کر نکل گئے، مگر جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں اُترا، تو پانی کے ٹکڑے آپس میں مل گئے اور فرعون اور اس کے اتباع غرق ہوگئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے مال و متاع کا مالک بنا دیا۔

(۶)

خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے بُلایا، تاکہ اُن کو تورات عنایت کی جائے۔ آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو فرمایا:

اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۞ (الاعراف ۱۴۲)	میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو (اُن کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے راستے پر نہ چلنا!

خدا تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آنے میں) کیوں جلدی کی؟ آپ نے عرض کیا:

هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۞ (طٰہٰ ۸۴)۔	وہ (یعنی میری قوم کے لوگ) میرے پیچھے (آ رہے) ہیں اور اے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو۔

(۷)

طور کے قیام میں موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے یہ خواہش ظاہر کی:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ (اعراف ۱۴۲)	اے پروردگار! (اپنے تئیں) مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو (ایک نظر) دیکھوں۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر نمودار ہوا، تو (تجلّی انوارِ ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے، تو کہنے لگے:

سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (اعراف ۱۴۳)	تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور میں اوّل مومن ہوں۔

(۸)

خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی اور فرمایا کہ ان نصیحتوں کے ذریعے اپنی قوم کی اصلاح کرو۔ جب آپؑ اپنی قوم میں واپس لوٹے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کی قوم نے اپنے زیوروں کو گلا کر ایک بچھڑا بنا لیا ہے، جس کی وہ پرستش کرنے لگ گئے تھے۔ آپؑ نے اپنی قوم پر نہایت غصّے اور افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگے:

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّکُمْ ۔ (الاعراف ۱۵۰)۔	تم نے میرے بعد بہت ہی بد اطواری کی۔ کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم جلد چاہا؟

پھر آپ نے غصّے کی حالت میں تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی ہارونؑ کا سر پکڑ کر کھینچنے لگے کہ کیوں اُس نے قوم کو گمراہی کی طرف جانے دیا؟ ہارونؑ نے کہا:

ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الاعراف ۱۵۰)۔	اے میری ماں جائے! ان لوگوں نے مجھے کم زور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں، تو ایسا کام نہ کیجیے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے۔

یہ سُن کر حضرت موسیٰؑ نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ	اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں

رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الاعراف: ۱۵۱)

اپنی رحمت میں داخل کر، تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے!

پھر آپؑ اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ (طٰہٰ: ۸٦)

اے قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمہیں دراز معلوم ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو اور (اس لیے) تم نے مجھ سے جو وعدہ (کیا تھا) اُس کے خلاف کیا۔

انہوں نے جواب دیا: ہمیں سامری نے بہکا دیا تھا کہ یہ بچھڑا تمہارا اور موسیٰؑ کا معبود ہے، حالانکہ حضرت ہارونؑ نے انہیں یہ نصیحت بھی کی تھی کہ:

يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْا اَمْرِيْ (طٰہٰ: ۹۰)

لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا پروردگار تو خدا ہے، تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔

مگر انہوں نے یہ کہہ کر ہارونؑ کی نصیحت ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ جب تک موسیٰؑ علیہ السلام طور سے واپس آ کر ہمیں منع نہ کریں گے، ہم بچھڑے کی پرستش سے باز نہیں آئیں گے ـــــ پھر حضرت موسیٰؑ نے ہارونؑ سے فرمایا:

يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ (طٰہٰ: ۹۲، ۹۳)

ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا (یعنی) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا؟

ہارون نے جواب دیا:

يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ (طٰہٰ: ۹۴)

اے بھائی! میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے۔ میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے:

فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ (طٰہٰ: ۹۵)

سامری! تیرا کیا حال ہے؟

اُس نے جواب دیا: میں نے ایک ایسی چیز دیکھی، جو اوروں نے نہیں دیکھی، تو میں نے فرشتے کے نقش پا سے (مٹی کی) ایک مٹھی بھر لی۔ پھر اس کو بچھڑے کے قالب میں ڈال دیا[۵۱] اور میرے جی کو یہ کام بھلا معلوم ہوا۔ موسیٰ نے فرمایا:

فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۔ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔ (طٰہٰ: ۹۷، ۹۸)

جا! تجھے (دنیا کی) زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا رہے کہ مجھ کو ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لیے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا)، جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا، اُس کو دیکھ، ہم اُسے جلا دیں گے پھر اُس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے۔ تمھارا معبود خدا ہی ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

(۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ آدمیوں نے سرکشی اور نافرمانی[۵۲] کی راہ اختیار کی، خدا تعالیٰ نے آپؑ کو حکم دیا کہ انھیں ایک مقررہ وقت پر ایک جگہ جمع کیا جائے۔ آپؑ نے ستر آدمیوں کو منتخب کرکے ایک جگہ جمع کر دیا۔ پھر زلزلہ آیا اور وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ اُس موقع پر آپؑ نے کہا:

رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ (الاعراف: ۱۵۶)

اے پروردگار! اگر تو چاہتا تو اُن کو اور مجھ کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے، ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری آزمائش ہے۔ اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا ولی ہے، تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع کر چکے

---

[۵۱] تورات میں ہے کہ یہ بچھڑا حضرت ہارونؑ نے بنایا تھا (خروج ۳۱: ۳۲) مگر قرآن مجید نے صریح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ یہ سامری کا فعل تھا۔

[۵۲] تورات میں ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ کی سیادت سے انکار کر دیا تھا، (گنتی ۱۶: ۳۱)۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے عذاب کو توجس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں، مگر میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

(۱۰)

آہستہ آہستہ ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم نے سرکشی اور نافرمانی کی راہ اختیار کرلی۔ اس طرح کے حالات دیکھ آپ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (الصف: ۵)	بھائیو! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو، حالاں کہ تم جانتے ہو کہ میں تمھارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔

(۱۱)

ایک مرتبہ[۵] حضرت موسیٰؑ نے دریا کے سفر کا قصد کیا اور اپنے خادم سے فرمایا:

لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ○ (الکہف: ۶۰)	جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں، ہٹنے کا نہیں، خواہ برسوں چلتا رہوں۔

جب اس مقام پر پہنچے، تو اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا۔ جب آگے چلے، تو آپؑ نے اپنے خادم سے کہا:

اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ (الکہف: ۶۲)	ہمارے لیے کھانا لاؤ، اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے۔

خادم نے عرض کیا، جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا، تو میں مچھلی وہیں بھول گیا اور اس (مچھلی) نے عجیب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنالیا۔ آپ نے فرمایا:

ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ (الکہف ۶۴)	یہی تو (وہ مقام) ہے، جسے ہم تلاش کرتے تھے۔

چنانچہ آپ واپس اسی جگہ لوٹے۔ وہاں آپ کی ملاقات، خدا تعالیٰ کے ایک ایسے بندے سے ہوئی جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔ موسیٰؑ نے اُن سے کہا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ (الکہف: ۶۶)	جو علم آپ کو (خدا کی طرف سے) سکھلایا گیا ہے، اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ (بھلائی کی باتیں) سکھائیں، تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔

---

[۵] بعض محققین کے نزدیک یہ واقعہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے، جب حضرت موسیٰؑ مدین کی طرف گئے تھے۔

انہوں نے کہا: تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکو گے اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں، اُس پر صبر کر بھی کیوں کرسکتے ہو؟ موسیٰؑ نے کہا:

سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرًا (الکہف: ۶۹)

خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیے گا اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔

انہوں نے کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو، تو شرط یہ ہے کہ مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا، جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں، تو دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے، تو اُس بزرگ نے کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ موسیٰؑ نے کہا:

أَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ أَهۡلَهَا لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـًٔا إِمۡرًا (الکہف: ۷۱)

کیا آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی۔

انہوں نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے۔ موسیٰؑ نے جواب دیا:

لَا تُؤَاخِذۡنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِي مِنۡ أَمۡرِي عُسۡرًا (الکہف: ۷۳)

جو بھول مجھ سے ہوئی، اُس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔

جب آگے گئے، تو راستے میں ایک لڑکا ملا، جسے آپؑ کے ساتھی نے مار ڈالا۔ موسیٰ بول اُٹھے:

أَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَكِيَّةَۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ لَّقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـًٔا نُّكۡرًا (الکہف: ۷۴)

آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بُری بات کی!

انہوں نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا:

إِن سَأَلۡتُكَ عَن شَيۡءِۭ بَعۡدَهَا فَلَا تُصَٰحِبۡنِيۖ قَدۡ بَلَغۡتَ مِن لَّدُنِّي عُذۡرًا

اگر اس کے بعد پھر کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں)، تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے۔

اس کے بعد پھر دونوں آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور اُن سے کھانا طلب کیا انہوں نے اُن کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی، جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی، آپؑ کے ساتھی نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا:

لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ أَجۡرًا (الکہف: ۷۷)

اگر آپ چاہتے، تو اُن سے (اس کا) معاوضہ لے لیتے۔

موسیٰؑ کے ساتھی نے جواب دیا "اب مجھ میں اور تم میں علیحدگی، مگر جن باتوں پر تم صبر نہ کرسکے، میں تمھیں اُن کا بھید بتائے دیتا ہوں کہ وُہ جو کشتی تھی، غریب لوگوں کی تھی، جو دریا میں محنت کرکے یعنی کشتیاں چلاکر گزارہ کرتے تھے اور اُن کے سامنے کی طرف ایک بادشاہ تھا، جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اُسے عیب دار کردوں، تاکہ وُہ اُسے غصب نہ کرسکے اور وُہ جو لڑکا تھا، اُس کے ماں باپ دونوں مؤمن تھے، ہمیں اندیشہ ہوا کہ وُہ بڑا ہوکر اپنی بدکرداری کے باعث انہیں کفر و عصیان میں مبتلا نہ کردے، تو ہم نے چاہا کہ اُن کا پروردگار اُس کی جگہ انہیں ایک اور بچہ عطا فرمائے، جو پاک طینتی اور محبت میں اُس سے بہتر ہو اور وُہ جو دیوار تھی، سو وُہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں رہتے تھے اور اُن کے نیچے اُن کا خزانہ مدفون تھا اور اُن کا باپ ایک صالح آدمی تھا کہ جب وُہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور پھر اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمھارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔

(۱۲)

موسیٰؑ کی قوم نے ایک مرتبہ آپ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ انھیں پوجنے کے لیے ایک بُت بنادیا جائے۔ آپؑ نے فرمایا:

إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ..... أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝

(الاعراف ۱۳۹، ۱۴۰)

تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں پھنسے ہوئے ہیں وُہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں، سب بے ہودہ ہیں ..... بھلا میں خدا کے سوا تمھارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں، حالانکہ اُس نے تمھیں تمام اہلِ عالم پر فضیلت بخشی!

(۱۳)

ایک مرتبہ آپؑ نے بنی اسرائیل کو یہ کہہ کر جہاد کی دعوت دی:

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلٰٓى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِينَ ۝

(المائدہ)

اے قوم! تم ارضِ مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے، چل داخل ہو اور (مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا، ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے

مگر انہوں نے اس حکم کی تعمیل سے صاف انکار کردیا اور کہا تم اور تمھارا خدا جاکر لڑتے پھرو۔ آپ نے خدا تعالےٰ سے دعا کی:

رَبِّ إِنِّي لَآ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ۝

پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی ڈال دے!

خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کو اُن کے فسق و فجور کی سزا دی۔

تقریظات

کتابیں

ایضاحِ سخن | از مولانا تمنا عمادی مجیبی پھلواروی، سائز ۲۰×۳۰/۱۶، کاغذ، لکھائی، چھپائی بہت معمولی۔
ضخامت ۱۴۴ صفحے، قیمت دو روپے، ملنے کا پتہ: دارالادب، پھلواری شریف (پٹنہ)

جناب احمد علی شوق سندیلوی، اردو ادب میں اپنا ایک عجیب کارنامہ رکھتے ہیں آپ نے اپنی ۱۶ غزلیں ہندوستان کے قریباً ۴۰ نامور شعراء کے پاس، اصلاح کے لیے بھیجیں، پھر وہ غزلیں ان اساتذہ کی اصلاحوں سمیت "اصلاحِ سخن" کے نام سے شائع کردیں۔ یہ کتاب ادیبوں اور شاعروں کے حلقے میں دیر تک دل چسپی کا باعث بنی رہی، مثلاً ایک صاحب کسی شعر کو ہر قسم کی فنی غلطیوں سے پاک سمجھتے ہیں، دوسرے صاحب اسی شعر میں اصلاح دیتے ہیں۔ کوئی کچھ عیب نکالتا ہے اور کوئی کچھ۔ غرض کہ اس طرح مختلف اساتذہ کی اصلاحوں سے ایک عجیب معجونِ مرکب تیار ہو جاتا ہے۔

"اصلاحِ سخن" پر مختلف اخبارات و رسائل میں بہت دل چسپ تبصرے ہوئے، ان میں مولوی عبدالحق کا ریویو خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے، مگر ان تمام تبصروں میں چوں کہ اصلاحوں کی فنی حیثیت سے بہت کم بحث کی گئی تھی، اس لیے مولانا تمنا عمادی نے "اصلاحِ سخن" پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا، مگر بعض وجوہ سے صرف ایک غزل کی اصلاحوں پر بحث کر کے اُن کا قلم رُک گیا اور عرصۂ دراز کے بعد اب اُنھوں نے اس کو "ایضاحِ سخن" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں ہر استاذ کی اصلاح پر خالص فنی اور علمی انداز سے تنقید کی گئی ہے۔ مولانا تمنا نے اس سلسلے میں جتنی محنت اور دماغ سوزی سے کام لیا ہے، اُس کا ہم اعتراف کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی تنقید میں سنجیدگی، متانت اور غیر جانب داری کا پورا التزام رکھا ہے۔

باوجودے کہ مؤلف اپنے علم و فضیلت کے لحاظ سے دینی اور ادبی حلقوں میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص خود اُن کی تنقیدوں پر بھی تنقید کرنا چاہے، تو یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے اور اس طرح یہ سلسلہ آگے بھی چل سکتا ہے۔

جو لوگ کتابوں کی قیمت، لکھائی، چھپائی اور کاغذ کو جانچ تول کر ادا کرنے کے عادی ہیں، اُن کے لیے

"ایضاح سخن" ایک مہنگی کتاب ثابت ہوگی۔

قرآن مجید (پارہ عم) | مرتبہ: شعبہ اشاعت قرآن ادارہ دارالاسلام، سائز ۲۰×۳۰/۸، لکھائی، چھپائی، کاغذ اوسط، ضخامت ۱۹۰ صفحے، قیمت آٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ: دارالاسلام، نزد پٹھان کوٹ (پنجاب)

زیر نظر رسالہ قرآن مجید کے تیسویں پارے کے ترجمے اور مختصر تشریح پر مشتمل ہے۔ مرتب نے ہر صفحے میں دو کالم بنائے ہیں۔ پہلے کالم میں آیات کا بامحاورہ ترجمہ لکھا گیا ہے اور دوسرے میں لغوی معنے لکھے گئے ہیں۔ پھر سلسلۂ ان کی مختصر تشریح بھی کی گئی ہے۔ مبتدیوں اور طالب علموں کے لیے مفید چیز ہے

جمہرۃ البلاغۃ | (عربی)، مؤلف: مولانا حمید الدین فراہیؒ۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت صاف ستھری قیمت درج نہیں۔ پتہ: دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ۔

عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید جہاں اپنی بے نظیر تعلیم کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے، وہاں فصاحت و بلاغت کی رو سے بھی اُسے معجزہ ماننا چاہیے۔ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اُنھوں نے فصاحت و بلاغت کے فن پر مستقل کتابیں تصنیف کیں، مگر اُن کی یہ کوشش عجمی بالخصوص یونانی فلسفۂ بلاغت کے اثرات سے معرا نہ تھی، مثلاً اُنھوں نے "تشبیہ و بدیع" کو بلاغت کا ایک بڑا جزو قرار دیا، حالاں کہ اہلِ عرب کے نزدیک اس چیز کو کوئی اہمیت ہی حاصل نہیں۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے بھی اپنے رسالے میں یہی ظاہر کیا ہے کہ عجمیوں کے اصولوں کو قرآنی بلاغت کا معیار نہیں تسلیم کیا جانا چاہیے۔ انھوں نے قدماء کے مقرر کردہ اصولوں کی تردید ہی نہیں کی، بلکہ اہل عرب کے ذہنی رجحان کو سامنے رکھ کر بلاغت کے معقول معنی بتائے ہیں اور ان ہی معنوں پر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو پرکھنے کی دعوت ہے۔

مولانا کی یہ کوشش لائق تحسین ہے۔ اہل علم کو اس کی قدر کرنا چاہیے۔

اقسام القرآن | مترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔ سائز ۲۰×۳۰/۸، لکھائی، چھپائی، کاغذ، صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۰۰ صفحات۔ قیمت ۸/ ملنے کا پتہ: دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ۔

زیر نظر کتاب مولانا حمید الدین فراہیؒ مرحوم نے عربی زبان میں لکھی تھی، جس کا اُردو ترجمہ اُن کے شاگرد رشید مولوی امین احسن صاحب اصلاحی نے صاف اور شستہ اُردو میں پیش کیا ہے۔

قرآن مجید میں قسموں کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے اور بڑے غور و فکر کا مستحق ہے۔ اس موضوع پر علمائے متقدمین نے بہت کچھ لکھا ہے، مگر مولانا فراہیؒ کی یہ خصوصیت لائق تحسین ہے کہ وہ اسلاف کی اندھی تقلید کے

قائل نہیں ہیں۔ "اقسام القرآن" میں اُنھوں نے امام رازیؒ کے اُن خیالات پر تنقید کی ہے، جو اُنھوں نے اپنی تفسیر میں قسموں کے بارے میں ظاہر کیے ہیں۔ پھر علامہ ابن قیم کے خیالات سے بحث کرکے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ قسم کی ضرورت، اس کی تاریخ، اس کے مختلف پہلو، قرآن مجید میں مختلف قسموں کی بلاغت وغیرہ پر اُنھوں نے نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ قرآن مجید کے طالب علموں کو اس رسالے کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

کاغذ کی ناؤ | از صاحب زادہ میر محمد علی خاں میکش۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط۔ سائز ۲۲×۱۸، ضخامت ۷۱ صفحے۔
قیمت ۸؍۔ ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدر آباد، دکن۔

"کاغذ کی ناؤ" مجموعہ ہے، چھے مختصر ڈراموں کا، جنھیں مصنف نے حیدر آباد کے ریڈیو سے براڈ کاسٹ کیا۔ یہ ڈرامے غریب اور مفلس لوگوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان کی زبان بے حد سادہ اور موثر ہے۔

مقدمہ تاریخ دکن | مصنفہ عبدالمجید صدیقی ایم اے۔ ایل ایل بی، استاذ تاریخ جامعہ عثمانیہ۔ بانگ دراسائز
لکھائی، چھپائی اور کاغذ اچھا، ضخامت ۱۴۴ صفحے۔ قیمت عہ، ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدر آباد (دکن)۔

مولف کے اپنے الفاظ میں، "اس چھوٹے سے رسالے میں اُن تمام شاہی خاندانوں کو شجروں کے ذریعے روشناس کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جنھوں نے قدیم، وسطی اور زمانہ حال میں سطح مرتفع دکن پر حکم رانی کی، تاکہ ایک نظر میں زمانۂ قدیم سے لے کر حال تک تاریخ دکن کا ایک سرسری خاکہ ذہن میں آجائے۔"

ہم نے زیر نظر رسالے کو ایک نظر دیکھا ہے۔ مولف کی کوشش بہت اہم ہے۔ یہ بہت اچھا ہُوا کہ ہر خاندان کا شجرہ پیش کرتے وقت اس کے حالات پر ایک مختصر تاریخی نوٹ بھی لکھ دیا گیا۔ اس سے یہ مقدمہ، بجائے خود، تاریخ دکن کا قائم مقام ہو گیا ہے اور اس میں کچھ نہ کچھ دل چسپی بھی پیدا ہو گئی ہے۔

رسالے

سب رس | (ریڈیو نمبر) سائز ۳۰×۲۰، لکھائی، چھپائی، کاغذ مناسب، ضخامت ۱۶۰ صفحے۔ قیمت: ایک روپیہ
پتہ: حیدر آباد، دکن۔

"سب رس" ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد، دکن کا ماہوار ادبی رسالہ ہے۔ جنوری ۱۹۴۰ء میں اس کا ریڈیو نمبر شائع ہُوا، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس پرچے میں ریڈیو کے متعلق بہت اچھے معلومات جمع کیے ہیں اور اُردو کے بہترین ادیبوں کے وہ مضامین میں شامل کیے گیے ہیں، جو مختلف موقعوں پر حیدر آباد کی نشر گاہ سے

براڈ کاسٹ ہوئے۔ ریڈیو سے متعلق چند تصویریں بھی اس نمبر میں پیش کی گئی ہیں۔

دارالاسلام | مرتبہ: عبدالحمید مرزا ایم اے، سائز ۲۰×۳۰/۱۶، ضخامت ۲۰ صفحے لکھائی، چھپائی، کاغذ متوسط۔
پتہ: دارالاسلام، متصل پٹھان کوٹ (پنجاب)

"دارالاسلام" کے متعلق ہم کسی گذشتہ اشاعت میں قدرے تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں اب چوں کہ یہ پرچہ عبدالحمید مرزا صاحب کے ہاتھوں میں آ گیا ہے، اس لیے ہمیں پھر ریویو کے لیے موصول ہوا ہے ہم نے اس پرچے کو غور سے دیکھا ہے۔ افسوس ہے کہ "دارالاسلام" کے متعلق ہماری توقعات اس سے پوری ہوتی نظر نہیں آتیں۔ اس میں کچھ تو مرتب نے اپنی ذات کا پروپاگنڈا شروع کر دیا ہے، کچھ "ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور" کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ شروع کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ انجمن حمایت اسلام اور "دارالاسلام" ٹرسٹ کی طرف بھی لوگوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے، حالاں کہ "دارالاسلام" جس ٹرسٹ کا آرگن ہے، اس کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کی صنعتی اور دینی تعلیم کو ہر حال میں مقدم رکھا جائے۔ اب یہ پرچہ دارالاسلام کی نمائندگی کرے گا، یا مرتب کی ذاتی اور مقامی دلچسپیوں کو پورا کرے گا؟

جہاں تک انجمن حمایت اسلام لاہور کا تعلق ہے، اس کے پاس، ایک ہفتہ وار پرچہ موجود ہے، اس لیے اس کی کارگذاریوں کا بوجھ "دارالاسلام" پر نہیں ڈالنا چاہیے۔ مرزا صاحب اپنے ادارۂ اصلاح و تبلیغ کا پروپاگنڈا کرنا چاہتے ہیں، تو وہ کسی الگ اخبار کا انتظام کریں، ورنہ اندیشہ ہے کہ دارالاسلام کی تحریک کو اس طرز عمل سے نقصان پہنچے گا۔ ایک ماہوار پرچہ تین مختلف اداروں کی ترجمانی کرے، یہ طریق کار اصولاً غلط ہے۔

دی مسلم ہیرلڈ | مرتبہ: سید محمد شاہ ایم اے، سالانہ چندہ ۶ روپے۔ پتہ: دی مسلم ہیرلڈ، لاہور۔

یہ انگریزی ہفتہ وار اخبار گزشتہ جولائی سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ ہمارے پاس تین پرچے آئے ہیں۔ یہ اخبار سلیقے سے مرتب کیا جاتا ہے۔ مسلم لیگ کا حامی ہے اور مسلمانوں کی دینی اور سیاسی ضروریات پر بہت خوبی سے رائے زنی کرتا ہے۔ امید ہے کہ انگریزی داں مسلمانوں میں یہ اپنی جگہ آپ پیدا کر لے گا۔ البتہ اس کی قیمت بہت غیر مناسب طور پر مقرر کی گئی ہے۔ فی پرچہ ایک آنہ اور سالانہ چندہ ۶ روپے۔ تین سوا تین روپے چندہ بہت کافی تھا۔

رسیدِ کتب

(۱) نصرت الاسلام (از میاں محمد فاضل)، (۲) صلوٰۃ القرآن (۳) یوم القرآن۔

معلوم نہیں کیوں؟

(عرشی)

سنسان ہے خاموش ہے اسرار کی دنیا
دل گوش بر آواز ہے معلوم نہیں کیوں؟
ہنگامۂ دل سوز ہے، باعث نہیں کھلتا
فریاد بلب ساز ہے معلوم نہیں کیوں؟
ہر گوشہ تجسّس کا مقفّل ہے اور اس پر
ذوقِ طلب راز ہے معلوم نہیں کیوں؟
تاروں کی بھری بزم میں، پھولوں کی سبھا میں
انسان کا اعزاز ہے معلوم نہیں کیوں؟
معلوم ہے پہنائے فضا لامتناہی
دل وقفِ تگ و تاز ہے معلوم نہیں کیوں؟

تسکین

دل کو تسکیں بغیر مذہب کے — غیر ممکن ہے غیر ممکن ہے
حرکت میں ہے دہر کی ہر شے — دلِ اہلِ نیاز ساکن ہے

ادبیاتِ اُردو میں ایک گراں قدر اضافہ

رسالہ "سہیل" گیا، کا

خاص نمبر ۱۹۴۱ء

تقریباً ڈھائی سو صفحات پر اگست میں شائع ہو گیا

اس عدیم المثال خاص نمبر میں ملک کے حسبِ ذیل مشاہیر اہلِ قلم کے بلند پایہ مقالے، جدید معیاری افسانے، اعلیٰ نفسیاتی ڈرامے، کیف آور نظمیں اور وجد آفرین غزلیں شریک ہیں:

سید وصی احمد بلگرامی، عطاء اللہ پالوی، سید محمود مورخ بی اے، جمیل احمد کندھاپوری، پروفیسر طاہر رضوی، حاجی نبی احمد بریلوی، حمید عظیم آبادی، سید رضا قاسم مختار، طفیل احمد سلطان پوری، وفا طباطبائی، قمر شبیر گھاٹوی، پروفیسر اختر اورینوی، پروفیسر محمد حسن، ڈاکٹر محمد نصیر الدین، بلونت سنگھ، مفتی گوہر شادانی، تمنائی، ش مظفر پوری، پروفیسر اختر قادری، ایم اسلم، پیارے لال شاکر میرٹھی، شکیلہ اختر، عارف سنبھاروی، جی آر قیس شیخوپوروی، شیدا کیوروی، آرزو لکھنوی، سیماب اکبرآبادی، شفق رضوی، جمیل مظہری، اثر لکھنوی، نوح ناروی، فراق گورکھپوری، عبد اللطیف تپش، ثاقب کان پوری، مبارک عظیم آبادی، سریر کابری، الطاف مشہدی، اعجاز صدیقی اکبرآبادی، سلام مچھلی شہری، قیصر عثمانی، ادیب مالیگانوی، ظفر زبیری، افقر موہانی، رضیہ رعنا وغیرہ۔

خاص نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے، لیکن اگر آپ اسے مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو آج ہی مبلغ تین روپیہ سالانہ چندہ ارسال فرما کر اسی نمبر سے سہیل کے مستقل خریدار بن جائیں۔

منیجر رسالہ "سہیل" گیا

براہین وحی

معاصرین کی نظر میں

(۱)

اس وقت ہمارے پیش نظر امت مسلمہ کا خاص نمبر "براہین وحی" ہے، جس میں قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ خاص نمبر دراصل نیاز فتحپوری کے ان ملحدانہ مضامین کے جواب میں تیار کیا گیا ہے، جو اس نے انکار الہامیت قرآن کے موضوع پر نگار کے ذریعے شائع کئے۔ چونکہ نیاز فتنۂ الحاد کو پھیلانے کی کوشش میں ابھی تک مصروف ہے، اس لئے "البیان" کے زیر نظر نمبر میں اس کے مضامین کا منہ توڑ جواب دے کر مسلمانان ہند کی صحیح خدمت کی گئی ہے۔

اس شمارہ میں علامہ اقبال کا ایک چھوٹا سا مضمون "کیفیت وحی" بھی درج ہے، جس میں علامہ مرحوم نے چند الفاظ میں ہی وحی کی اہمیت بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد ادریس، ڈاکٹر تاثیر، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سعید احمد عرشی صاحب اور مقبول احمد صاحب کے الٰہیات سے لبریز مقالے موجود ہیں، جن میں نیاز فتحپوری کے ملحدانہ مضامین کا کماحقہٗ جواب دیا گیا ہے۔

یہ خاص نمبر ہر مسلمان کے پاس ضرور ہونا چاہئے۔ اس کی قیمت عہ ہے، لیکن تین روپے سالانہ چندہ ادا کرنے سے یہ نمبر آپ مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ (احسان لاہور - ۱۹ رمئی ۱۹۴۱ء)۔

(۲)

نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ اپنے خیالات کے اکیلے ہیں۔ مذہبی خیال ظاہر کرنے میں وہ جھجکتے نہیں چاہے وہ قرآن، حدیث اور تمام مسلمانوں کے خلاف ہی ہو۔ چنانچہ انہوں نے قرآن مجید کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا کہ لفظی حیثیت سے کلام اللہ نہیں ہے" اس پر مختلف رسائل و اخبارات میں نیاز کو جواب دیا گیا۔ رسالہ "البیان" امرتسر نے ان تمام جوابات کو یکجا جمع کر کے براہین وحی کے نام سے شائع کیا ہے مطبوعہ مضامین کے علاوہ نئے مضامین نگاروں نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کتابت، طباعت، کاغذ اعلیٰ و عمدہ۔ یہ گلدستہ مضامین ایک خاصی کتاب بن گئی ہے۔ شائقین اس کے مطالعہ سے محظوظ ہونگے۔ قیمت عہ۔ (اہلحدیث)۔

دورِ حاضرہ کی عظیم الشان کتاب

معارف القرآن

یعنی

حقائق قرآنی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) جو اس اصول کے ماتحت مرتب کیا گیا ہے
کہ قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور تکمیلِ شرفِ انسانیت کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

اس کی ترتیب

کے متعلق یوں سمجھیے کہ دین (یعنی، انسانی فطرت کے لیے ضابطۂ زندگی) کے متعلق کوئی سوال آپ کے سامنے آئے، اس کے متعلق قرآن کریم کی تمام و کمال تعلیم ایک مربوط مضمون کی صورت میں آپ کے سامنے ہو۔ یہ مایۂ ناز کتاب

جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز

کے مدت العمر کے تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہے!

جلد اوّل

چھپ کر تیار ہے، جو بڑی تقطیع کے پورے چھ سَو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ کاغذ، کتابت، طباعت اور جلد اعلیٰ درجہ کی۔ قیمت مجلد ۶ روپے چار آنے، محصول ڈاک پندرہ آنے۔ بلا جلد پانچ روپے۔ محصول ڈاک پندرہ آنے۔

ملنے کا پتہ:

نئی دہلی: ناظم ادارہ طلوعِ اسلام، شمیم منزل، شیدی پورہ، نئی دہلی۔

لاہور: ملک رشید الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ پنجاب کواپریٹو یونین ۳۱۰، لوئر مال، نزد عدالتِ خفیفہ۔ لاہور

(لاہور سے کتاب دستی ملے گی۔)

دیا جاتا ہے اور انبیاء پرستی سکھائی جاتی ہے۔ واضح بات ہے کہ اگر انبیاء فی الحقیقۃ مُردے زندہ کرتے، تو صلیب تک کیوں پہنچتے؟ اور اگر چاند کے دو ٹکڑے کرتے، تو ہجرت کیوں کرنا پڑتی۔ فانی چیزوں کو خدائی اوصاف سے متصف سمجھنا اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنا، جو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں، فقط عجائب پسند طبائع ہی کا حصہ ہے۔ یہ عجیب لوگ ہیں کہ بندوں سے ایسی باتیں صادر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو اُن سے ہو بھی نہیں سکتیں۔ لوگو! وہ تو تمھاری طرح انسان ہیں، کھاتے پیتے، سوتے، جاگتے، پیدا ہوتے، مرتے وغیرہ ہیں۔ اُسی سے تعلق پیدا کرو، جو حی و قیوم ہے۔ اُسی کی بھیجی ہوئی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر سرخ رُو بن جاؤ۔ قریب ہی دربارِ الٰہی میں حاضر ہو گے۔ سب کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے، خواہ وہ بڑے سے بڑا رسول ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے فرمایا:)

(۳۰) اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (اے زندہ رسولؐ، تو میت ہے اور بالتحقیق یہ بھی میت ہیں (تم زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردے ہی ہو، موجودہ حالت میں بھی میت ہو، کیوں کہ تم ہیں ہر وقت تغیر ہو رہا ہے۔ متغیر چیز کو جزوِ قرآن بلکہ قاضی علی الکتاب یا منتہائے سوال و اصل مطاع حکیم مطلق وغیرہ جاننا اور اس پر ضد کرنا کہاں کی دیانت داری اور ایمان ہے۔ اے ناقدردان لوگو یہ نبی تو خوارق و خرافات کا انکار کرتا رہا اور تم نامعقول و غیر مقبول کے طالب ہو، پس)

(۳۱) ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝ پھر تم (مع رسولؐ کے) پیشی کے دن اپنی ربوبیت کرنے والے کے حضور جھگڑتے آؤ گے (اور تمھارا فیصلہ وہاں ٹھیک ٹھیک کیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق جزاء و سزا ملے گی۔ رسولِ مقبول تو خدا کے بندے (عبد) بنتے رہے اور تم انھیں "خود خدا" کہتے رہے۔ وہ خدائی صفات کو خدا کے لیے خاص کہتے رہے اور تم انھیں خدائی صفات میں حصہ دار بلکہ اصل مالک بناتے رہے، وہ خوارق کا انکار کرتے تھے اور تم ان کی طرف طرح طرح کی غیر معقول باتیں منسوب کرتے رہے۔ خدا تعالےٰ عزّ اسمہٗ کے سامنے رسولِ امین، تمھارے جھوٹ اور افترا سے بریّت کا اظہار کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اللہ تو پاک ہے، میں اس طرح کا دعویٰ کیوں کر کر سکتا تھا، جو میری شان کے

شایاں نہیں؟

رُسل و مبلغین حق اور ضدی اشرار میں خدا تعالیٰ کے حضور جھگڑا ہوتا ہے۔ اللہ والے بری قرار دیے جاتے ہیں اور خدا کے خلاف اور خدا کی بھیجی ہوئی تعلیم کے خلاف کذب و افترا گھڑنے والے اپنے کیے کا بدلہ پا لیتے ہیں اور جہنم کی آگ میں، جس سے تیز تر اور کوئی آگ نہیں، جلتے ہیں۔

چوتھا رکوع | اس سے پہلے قرآن مجید کی عظمت ثابت کی اور اس کتاب مجید کی خوبیاں بیان فرمائیں۔ دوسروں کے غلام و عابد بننے سے بدلائل منع فرمایا۔ اور یہ دکھایا کہ جبریہ ایمان ہمارے حضور نامنظور ہے۔ سوائے خدا کے کوئی بھی غیب دان نہیں۔ خوش عقیدہ لوگوں نے مسیحؑ کو کیا کچھ بنا لیا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے، جانور بنا کر روح پھونکتے اور وہ اڑنے لگ جاتے، مادر زاد اندھوں کو آنکھیں دیتے، کوڑھیوں کو اچھا کرتے، کسی نے جو کھانا کھایا ہوتا، وہ بتا دیتے اور جو ذخیرہ وہ رکھتے، اس کی خبر دے دیتے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان آیات کے یہی معنیٰ ہیں، جو یہ خوش عقیدت یا بالفاظِ دیگر مشرک لوگ کرتے ہیں، تو یقین جانیے کہ ایسا غیب دان اور اتنی قدرت رکھنے والا انسان صلیب تک ہرگز نہیں پہنچتا۔ ان آیاتِ بیّنات کے حقیقی معنیٰ اُس جگہ دیکھو، جہاں یہ واقعہ مذکور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اُن کو خواب غفلت سے جگایا اور علمی اور عقلی مثالیں دے کر اُن کی روحوں کی کثافت کو دُور کیا اور ترقی دی اور بلند کیا۔ آپ اُن کی گندی تجارت و معاشرت کی بُرائیاں بیان کر کے اُن کو صحیح راستہ پر آنے کی ترغیب و تحریص دلاتے تھے۔ مگر ضدی لوگ ایسی معقول تعلیم کو کب تسلیم کرتے ہیں؟ یہ لوگ تو مثال دیا کرتے ہیں کہ اجی! یہ بزرگ اگرچہ مخلوق ہوتے ہیں، مگر جس طرح لوہا آگ میں آگ کے رنگ کا ہو جاتا ہے، اسی طرح سے یہ بھی واصل باللہ بندے سے خدا بن جاتے ہیں۔ صد ہزار افسوس! یہ لوگ افتراء علی اللہ کر کے بہت بڑے ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں اور انتہائی بے باکی سے توحید کی جگہ شرک کو دیتے ہیں، پس اس پُرجلال اعلان خداوندی سے ذرہ بھر نہیں کانپتے، جیسے فرمایا:

(۳۲) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ○ اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے، جو خدا پر جھوٹ تراشے اور جھٹلائے راستی کو، جب اس کے پاس (یعنی اس کی سمجھ میں) آجائے (جب معقول

بات سمجھ میں آگئی، تو پھر نیک آدمی حکم الٰہی پر اپنے کلام کو قاضی و حکم ہرگز نہیں بناتا اور کبھی صورت میں بھی چار سے زیادہ عورتیں اکٹھی کرے گا، نہ اور ہی کسی طرح قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی کرے گا، نہ وہ حقیقت کو چھپائے گا، کیونکہ یہ ظلم ہے، نہ بلا وجہ احکام خداوندی میں سے خود کو مستثنیٰ کرے گا، مگر دوست نما دشمنوں نے رسول امین پر بڑے بڑے الزام تراشے ہوئے ہیں، جو نادان دوستوں کو تسلیم ہیں، نعوذ باللہ۔ کیا نبی کو خبر نہ تھی، باوجود قرآن مجید آجانے کے بھی کہ خدا کی مخالفت کرنے والے کا ٹھکانہ کہاں ہے، آپ کو ضرور خبر تھی اور ہمیشہ احکام خداوندی کے پابند رہے۔ ہاں بعض دفعہ بھولنے پر استغفار کیا اور ضد و شرارت سے کبھی بھی احکام الٰہی کا مقابلہ نہ کیا۔ یہی تو متقیوں کی شایانِ شان ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے ہوتے کہ اعلان میں یہ بات بھی ہے کہ) کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟ (نبی اور رسول، خدا تعالیٰ کے قوانین کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔ اگر کوئی نبی بھی قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کرے، تو وہ بھی مستوجب سزا ہے۔ نبی بھی متقیوں میں شامل ہیں اور ان کا متقی بننا ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:)

(۳۳) وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور (جس نے) خود بھی اس سچائی کی تصدیق کی، تو وہ لوگ جو ہیں، وہی متقی (یعنی پرہیزگار) ہیں (نبی، غیر نبی تمام پرہیزگار، ایک ہی انسانی صف میں ہیں، نہ کہ خدا کی صف میں یعنی نیک بندے نیک بندوں ہی کی صف میں رہیں گے۔ پھر متقی بننے کا فائدہ بتایا کہ)

(۳۴) لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ○ ان

(متقیوں) کے واسطے ہے، جو کچھ وہ چاہتے ہیں (جنت میں) ان کی ربوبیت کرنے والے کے پاس (ان نعمتوں کا، جو ان لوگوں کو آخرت میں ملیں گی، کون اندازہ کر سکتا ہے؟ ان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ دلوں میں مناسب خواہش بھی خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ کسی چیز کی سیری اور کسی چیز کی رغبت کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے۔ عطا و بخشش کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے ہاں بخل و رعایت سے کام نہیں لیا جاتا جیسا کہ فرمایا) تمام نیکو کاروں کی (نہ کہ بعض کی) یہی جزا ہے (نبی، غیر نبی نیکوکار سب مصلحین متقین اور

محسنین میں شامل ہیں۔ ان احسان کرنے والوں کو خدا کی طرف سے بہت اچھا اجر ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص نیک نیتی سے کسی کے ساتھ بہتری کرنے کا ارادہ کرے، مگر بعض حالات کی وجہ سے اس دوسرے شخص کو نقصان یا تکلیف پہنچے، تو خداوند کریم، جو دلوں کے بھید تک جانتا ہے، اس نیک نیت شخص کو اچھا ہی بدلہ دیتا ہے۔ یہ بہتر ثمرہ اس کی خالص نیت کی بنا پر ملتا ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنے کی کوشش کرے۔ بالفرض اس کے ذریعے کسی شخص کو برائی بھی پہنچے، تو بھی اللہ تعالیٰ احسن اجر ہی دے گا۔ ہاں جس کو برائی یا نقصان پہنچا ہے، اُسے اور کسی طرح بہتری عنایت فرمائے گا۔ کمزوریوں سے کوئی شخص بھی مبرا نہیں، ہاں نیت نیک ہونا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں جو برائی کسی شخص سے ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کو بسبب اُس کے نیک ارادوں کے قابلِ گرفت نہیں گردانے گا، بلکہ نیک نیتی کے باعث بہتر اجر عطا فرمائے گا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:)

(۳۵) لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ ان (محسنین) سے وہ برائیاں جو) نیک نیت رکھتے ہوئے بعض حالات کے تحت انھوں نے کیں، دُور کر دے (نیک کاموں کا، جو وہ کرتے رہے، ان کا بدلہ دے۔ غور طلب یہ چیز ہے کہ کیا یہاں اختیاری افعال کا ذکر ہو رہا ہے یا وحی کا؟ وحی میں تو برائی ہی نہیں۔ پس ضرور یہ کمزوریاں اختیاری کاموں میں ہیں اور کمزوریوں سے کوئی بشر بھی خالی نہیں ہے۔ یہ ہر شخص میں پائی جاتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی نظر دلوں کے ارادوں اور نیتوں پر ہے۔ اسی کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ اگر بُری نیت رکھتے ہوئے کسی سے کوئی نیک عمل ظاہر ہو گیا، تو یہ قابلِ تحسین اور لائق اجر نیکی نہیں ہے، کیوں کہ اس کی نیت تو یہ تھی ہی نہیں کہ کسی شخص کا بھلا کرے۔ اسی طرح بہتری کی نیت سے کسی کو برائی پہنچ جائے، تو قابلِ گرفت تو کیا، اجر احسن کی مستحق ہے۔ برائی بہرحال برائی ہے، لیکن نیت خیر کے سبب نیک بدلہ ملتا ہے۔ پس یہ جزا و سزا سوائے خدائے قدوس کے اور کون دیتا ہے: وہی تو عالم الغیب والشہادت ہے۔ پھر ایسے قادرِ مطلق خدا سے منہ موڑ کر کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ کیا ہم ہر حالت میں اُس کے پورے قبضہ میں نہیں ہیں؟ کیا ہمارا ملجا و ماوا صرف وہی اکیلا زبردست حیّ و قیوم نہیں ہے؟ دیکھو، کس شفقت سے فرمایا:

(۳۶) اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۭ وَ یُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ۭ
وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ ھَادٍ ۝ (۳۷) وَمَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ
مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ۝ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے واسطے
کافی نہیں؟ (اے اللہ! تو ضرور کافی ہے، اور ہر ایک کے لیے کافی ہے۔ تیرے بغیر تمام کفائتیں بودی اور ناقابل ہیں۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ وحی کسی کو سو: خدا کا کلام ہوتا ہے، اس میں وحی پانے والوں کا کوئی حصہ اپنا نہیں ہوتا۔ ہاں پیغمبروں کا کام پہنچا دینا ہوتا ہے۔ ان کا اس وحی کو بے کم و کاست پہنچانا فرض ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کریں، تو قابل سرزنش ہوتے ہیں۔ ابراہیمؑ ہوں یا کوئی اور، وہاں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی۔ ہاں رسالت کو کماحقہٗ پہنچانے والے کی ہر طرح مدد کی جاتی ہے اور پورے طور پر تشفی فرمائی جاتی ہے۔ پس ایسے امین شخص کو خوفِ الٰہی کے سوا اور کسی سے نہ ڈرنا چاہیے، کیوں کہ خدا خود ہی اس کی حفاظت کا کفیل ہے، جیسا کہ فرمایا) اور یہ (مشرک وغیرہ) تجھے ان لوگوں سے ڈراتے ہیں، جو اُس (خدائے کافی) کے غیر ہیں (کہ ان کے معبودانِ باطل اور مزعومہ شرکا، تجھے فلاں فلاں مصیبت میں گرفتار کر دیں گے، ہرگز نہیں، تو ان کی خام خیالی کی ذرا بھی پروا نہ کرتے ہوئے اپنا فرضِ منصبی پورا کرتا رہ، ہم تیرے نگران ہیں۔ بات یہ ہے کہ نیکی ہو یا بدی، یہ نتیجہ خیز ہیں اور اپنا اپنا پھل ضرور لاتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے، اور جسے خدا (اس کی بد اعمالیوں کے باعث، اپنے لاتبدیل قانون کی رو سے) گُمراہ کر دے، پس اسے کون ہدایت دینے والا ہے؟ اور جسے اللہ (کاملِ مطلق اُس کے نیک کاموں اور اپنے وعدۂ حق کے سبب) ہدایت عنایت فرمائے، پس اُسے کون گُمراہ کر سکتا ہے؟ (جب تعیین پختہ ہو، تو انسان بفضلِ ایزدی کسی کے بہکانے سے کبھی بہک نہیں سکتا، کیوں کہ کامل ایمان دل سے نکل ہی نہیں سکتا، خواہ کتنی ہی تکالیف و مصائب کا سامنا ہو، دیکھو، اب راہِ حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو مژدہ سنایا کہ اگر کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں کے باوجود تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئی، تو پھر) کیا اللہ تعالیٰ غالب (اپنے صالح بندوں کی طرف سے اُن کی تکالیف و مصائب کا پورا پورا) بدلہ لینے والا نہیں ہے؟ بلا شک وہ پورا انتقام لے گا۔ پس ایسے موقع پر ظالموں کے لیے افسوس ہے۔ جب ظلم کا پیمانہ

لبریز ہو جاتا ہے، تو خدا تعالیٰ کی گرفت آگے بڑھتی ہے۔ ان کو ڈھیل دینے میں رحمت الٰہی اپنا کام
کرتی رہتی ہے کہ بُرائیوں سے باز آکر اس سخت عذاب سے محفوظ رہیں، جس کے تصور سے زہرہ آب ہو جاتا
ہے۔ اب ناقابلِ انکار شواہدِ قدرت کو مشرکین کے سامنے پیش کر کے اُن سے جواب طلب کیا ہے کہ:

(۳۸) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ
اللّٰهُ ۚ قُلْ أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ
بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ أَوْ أَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ
رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ اور اگر تو ان

(مشرکین) سے (بھی) سوال کرے (یعنی، پوچھے کہ بھلا بتاؤ، تو یہ) زمین و آسمان کس نے بنائے؟ تو یہ کہیں گے کہ اللہ (کاملِ مطلق) نے (کیوں کہ یہ اشیاء تو مشرکین اور اُن کے بنائے ہوئے شریکوں سے پہلے کی بنی ہوئی ہیں، اس لیے ضرور کہیں گے کہ ان کو خدا ہی نے بنایا ہے اور پھر بات یہ ہے کہ نفع و ضرر اور رنج و فرحت کے سامان اور تکالیف و مصائب بھی زمین و آسمان ہی کے ذریعے پہنچتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو نفع یا ضرر پہنچانا چاہتا ہے، تو انھی اسباب کو حکم دیتا ہے۔ پھر یہ کس کی مجال ہے کہ اُس کے ارادے میں رُکاوٹ پیدا کر سکے یا اس کے حکم کو ٹالنے کی جرأت کر سکے؟ مشرکین اور اُن کے بنائے ہوئے معبود سب کے سب اُس کی مشیت کے سامنے بے بس ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ اے رسولؐ ان ظالموں، من دون اللہ پرستوں کو) کہو کہ بھلا دیکھو تو (یعنی، غور و فکر سے کام لو کہ) اگر اللہ تعالیٰ (کاملِ مطلق مقدم رضا کا مالک) میرے ساتھ (میرے نامناسب کاموں کی وجہ سے) ضرر (و تکالیف دینے) کا ارادہ کرے، تو جن کو تم اللہ کے سوائے پکارتے (اور حاجت روا اور مشکل کشا جانتے) ہو، کیا وہ اس تکلیف کو دُور کرنے والے ہیں؟ (ہرگز نہیں!) یا اگر وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے (اپنے کریمانہ وصف کے سبب، تو پھر) کیا یہ (تمھارے معبودانِ باطل) اس کی رحمت کو روک سکنے والے ہیں؟ (ہرگز نہیں، یہ تو اپنے نفع و ضرر اور حشر و نشر پر بھی ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے، چہ جائیکہ

کسی دوسرے کے کام آسکیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ متصرفِ حقیقی وہی ذاتِ احد ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام موجودات ہے۔ انسان زنجیر کے ڈھیلے پن کو دیکھ کر اپنا اختیار جان لیتا ہے اور اس پہ غور نہیں کرتا کہ زنجیر مالک کے ہاتھ میں ہے۔ زنجیر کا کھینچنا یا ڈھیلا کرنا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اُسی کی ذات میں اعتماد رکھنا چاہیے، وہی ایک خدائے قدوس ہے۔ ہاں معقول طریق پر اشیاء اور سامان سے کام لو، مگر ان کو لائقِ بھروسہ نہ جانو۔ مادے میں تمیز نہیں ہے، اس میں ترتیب و ربط وہی مالک و مختار پیدا کرتا ہے اور تمام اچھے و بُرے کاموں کے بدلے بھی وہی دیتا ہے۔ غرض وہی ذاتِ واحد ہر کام کا صحیح نتیجہ سامنے لے آتی ہے۔ پس یہ بات غور و فکر کی مستحق ہے کہ صحیح معنوں میں ہمارے اعتماد اور بھروسے کا اہل کون ہے؟ یہ کم زور و عاجز ہستیاں، یا وہ کاملِ مطلق جس کی مرضی و ارادہ کو کوئی بھی روک ٹوک نہیں ہے؟ اب لوگوں کو اختیار ہے کہ اپنے لیے جو راستہ چاہیں اختیار کریں۔ اُن کے سامنے دھکتی ہوئی آگ بھی ہے اور مہکتی ہوئی جنت بھی، مگر اے رسولؐ! تو کھلے بندوں) کہ اللہ میرے لیے کافی ہے (دوسری تمام کفائتیں بے اعتماد ہیں، بس حقیقت یہ ہے کہ) توکل کرنے والے اُسی (کاملِ مطلق خدا) پر توکل کرتے ہیں (پھر اگر اس معقول اور نتیجہ خیز تعلیم پر عمل نہیں کرتے، تو پھر اہلِ شرک کی مرضی، ورنہ رسولؐ اُن پر داروغہ تو ہے نہیں اور نہ ہی اس کا یہ منصب ہے کہ انھیں جبر کے ذریعے ایمان پر مجبور کرے، انھیں بُرائی کے انجام سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ پس اے رسولؐ! ان حق و صداقت کے دشمنوں کو)

(۳۹) قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

کہ دو، اے میری قوم! تم (اگر اپنے حق میں یہی مناسب سمجھتے ہو کہ شرک پر قائم رہنا ہی بہتر ہے، تو) اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ، (اور) مَیں (اپنے خدا کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق) عمل کرنے والا ہوں (اس بات کا فیصلہ کہ کون حق پر تھا، کسی لمبے زمانہ کے بعد جا کر نہیں ہوگا، بلکہ) تم عن قریب جان لوگے (یعنی، حق کا غلبہ اور باطل کی شکست بہت جلد تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ تمھارا جاہ و جلال، دکھلاوے کی عظمت اور جھوٹی شان و شوکت، جس پر تمھیں فخر و غرور ہے، پادر ہوا ہو کر رہ جائے گی۔ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی بہت جلد پوری ہوئی۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اسلام کا مکمل غلبہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ

جلوہ نما ہوتے دیکھا مسلمان جب تک توحید پر پوری طرح قائم رہے، خدا کی مدد اور اُس کا فضل اُن کے شامل حال رہا اور تمام نعمتیں ان کے ہاتھ آئیں۔ پھر جب انھوں نے بھی شخصیت پرستی اور قانون شکنی کی راہ اختیار کی، تو خدا کے اٹل قانون کے مطابق بالآخر وہ بھی ذلت و نکبت کی لپیٹ میں آگئے۔ بارگاہِ الٰہی میں کسی فرد و قوم کی خاص رعایت اور بے جا طرف داری نہیں کی جاتی۔ عدل، فاطرِ ہستی کا ازلی لا ابدی قانون ہے۔ اگر مسلمان کہلانے والے اپنے مشرکانہ طور طریقوں سے نکلنے کی کوشش نہ کریں گے، تو وہ اس سے بھی زیادہ زبوں حالی اور پشیمانی میں گرفتار ہوں گے۔ یہ تباہی اور بربادی قومی حیثیت رکھتی ہے، نہ کہ انفرادی۔ پس مشاہدہ ہو رہا ہے کہ دنیا میں کون سی قوم دوسری قوموں کی بہ نسبت ہلاکت کے زیادہ قریب ہے۔ یاد رکھو، قومیں بحیثیت قوم کمال یا زوال کو پہنچتی ہیں۔ اگر مسلمان قوم اب بھی بلا شرکت غیرے خدائے واحد کو ماننے پر آمادہ نہ ہوئی، تو تباہ سے تباہ تر ہوتی چلی جائے گی اور آخر کار حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے بے نیل و مرام مٹا دی جائے گی۔ پھر ایسا ہوگا کہ خدا کے دائمی قانون کے مطابق ان کے بجائے کوئی دوسری قوم پیدا کی جائے گی، جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری پوری نگاہداشت کرے گی۔ کیا مسلم قوم اس تباہی کی گھڑی کا انتظار کرنا چاہتی ہے یا اپنی اصلاح کرکے، رسوائی سے بچ کر، فائز المرام ہونا چاہتی ہے؟ اگر آج بھی مسلمان کہلانے والے اس قعرِ ذلت سے نہ نکلے، تو نتیجہ بہت جلد اُن کے سامنے آجائے گا، جیسا کہ دوسرے اباطیل پرستوں کو فرمایا تھا کہ جلد ہی دیکھ لوگے کہ)

(۴۰) مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَيَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ‏

کس پر عذاب آتا ہے، جو اُسے (دنیا میں) رسوا کرے گا (اور اسی پر بس نہیں ہے، بلکہ دوسرے عالم میں اُور بھی زیادہ درد و مصیبت کا سامنا ہے اور یقیناً وہ تمھاری کجیوں کو نکالنے والا علاج ہوگا، یہ دنیا کی رسوائی) اور اس پر سیدھا کرنے والا (عاقبت کا) عذاب (دنیا کی رسوائی کو آخرت کی گرفت کے ثبوت میں پیش فرمایا ہے سبحان اللہ! کیسی عام فہم مثالیں دے کر حق و باطل اور آرام و تکلیف کو واضح کیا گیا ہے، مگر ضدی اور شریر طبائع حق سے متنفر ہی رہیں۔ اچھا اگر دنیا میں اپنی اصلاح نہ کریں گی، تو جہنم کا شفاخانہ تو تکلیف دہ علاج کے واسطے ہر وقت کھلا ہی ہوا ہے۔ دینِ حق میں جبر کو کوئی راہ نہیں ہے۔ سوچ سمجھ کر بہتری کی طرف کو۔ قانونِ الٰہی پر چلنے والے ہی غلبہ پاتے ہیں، کیوں کہ حق ہمیشہ غالب رہتا چلا آیا ہے۔ یہ مشاہدہ کرتے ہوئے بھی اُز سے

Redg. No. L. 4445

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیشِ نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابلِ قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانونِ وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:۔ منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (ستے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

منگانے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار

سالانہ تین روپے

البیان

امت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۳ | نومبر ۱۹۴۱ء مطابق شوال ۱۳۶۰ھ ہجری | نمبر ۹

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس، سنتوکھسر امرتسر سے چھپوا کر دفتر امتِ مسلمہ امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

ایک علمی عطیہ | گجرات (پنجاب) سے جناب مفتی محمد الدین صاحب وکیل نے دفتر امت مسلمہ کو امداد کے طور پر کتابوں کا ایک پارسل ارسال فرمایا ہے۔ ہم نے ان کتابوں کو کتب خانے کے شاک میں محفوظ کرلیا ہے۔ معطی موصوف کے دلی شکریے کے بعد، ہم آپ سے اُن کی بھیجی ہوئی کتابوں کا تعارف کرانا چاہتے ہیں:

اوصاف رسول کریمؐ بروے قرآن حکیم | یہ کتاب سید عمر شاہ صاحب مرحوم کی تالیف ہے۔ نفس مضمون نام سے ظاہر ہے۔ اس قسم کی کتاب خواجہ احمد الدین مرحوم نے رسول حمید اور فرقان مجید کے عنوان سے شائع کی تھی، جو اب نایاب ہے۔ مگر زیر نظر کتاب اس سے ذرا زیادہ مفصل ہے۔ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات واوصاف، قرآن مجید سے اخذ کر کے مرتب کیے گئے ہیں۔ حضورؐ کے حالات زندگی کو ۴۴ مضمونوں پر تقسیم کیا گیا ہے اور ہر مضمون قرآن مجید کی محکم سندوں پر مشتمل ہے۔ مثال کے طور پر چند عنوان حسب ذیل ہیں:

(۱) رسول کریمؐ کا مولد و مسکن۔

(۲) آں حضرت صلعم کی دلیری و بہادری،

(۳) حضورؐ کی مہمان داری اور مسافر نوازی،

(۴) ہجرت اور جہاد و قتال،

(۵) عورتوں اور یتیموں کے حقوق کی حفاظت، وغیرہ

کتاب کی ضخامت ۴۰۰ صفحے ہے اور قیمت ۸ ر، آپ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔

قربانی | یہ مختصر کتاب، مفتی صاحب کی اپنی تالیف ہے۔ اس میں آپ نے قرآن مجید کی رُو سے یہ ثابت کیا ہے کہ مروجہ قربانی محض ایک رسمی چیز ہے، دین کے ساتھ اُسے کوئی تعلق نہیں۔ اصل چیز تقوی ہے، جو خدا کے ہاں مقبول ہے۔ جن اصحاب نے عرشی صاحب کی کتاب 'تحقیق قربانی' دیکھی ہے، انھیں اس کتاب کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ رعایتی قیمت ۲ ر

آیات بینات فی حقیقۃ الصلوٰۃ | یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب، مفتی صاحب نے بڑی محنت کے ساتھ لکھی ہے

اور خوب داد تحقیق دی ہے. صلوٰۃ کا وجوب، صلوٰۃ کی تعریف، صلوٰۃ کا مقصد، صلوٰۃ کے شرائط و ارکان، جماعت و امامت اور مساجد وغیرہ کے عنوان دے کر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، بہت اچھا لکھا ہے۔ البتہ جس مقام پر اُنھوں نے صلوٰۃ کی رکعتوں کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر وہ خود بھی لکھتے ہیں کہ "رکعت قرآن مجید کی کوئی اصطلاح نہیں" لیکن آگے چل کر وہ صلوٰۃ کے لیے دو رکعتیں مقرر کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز کی رکعتوں کی تعداد معین نہیں ہے اس لیے ہم اس مقام پر اُن کے خیال سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ اس اختلاف سے قطع نظر باقی ساری کتاب پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے۔ "البیان" کے پڑھنے والے، قرآنی نماز کے متعلق ہم سے کئی مرتبہ استفسار کرتے رہتے ہیں بعض اصحاب نے اس موضوع پر ہم سے کسی اچھی کتاب کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ اگرچہ تفسیر بیان للناس میں نماز کے موضوع پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن اس سے وہی حضرات فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو تفسیر خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں. خوشی کی بات ہے کہ جو اصحاب نماز کے بارے میں ایک الگ کتاب کا تقاضا کرتے رہے ہیں، حقیقۃ الصلوٰۃ ان کی ضرورت پوری کرے گی۔ اس کتاب کی قیمت ہر ہے اور لکھائی، چھپائی اور کاغذ اچھا ہے۔

ختمِ نبوّت | یہ رسالہ بھی مفتی محمد الدین صاحب کے قلم سے ہے۔ اس کے تمام دلائل بھی قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قرآن مجید کو ایک کامل و اکمل کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے لیے ختمِ نبوّت کا مسئلہ بے حد سادہ اور صاف مسئلہ ہے۔ روایات کو ماننے والے گروہوں میں اس موضوع پر مدت سے بحث و جدال جاری ہے اور آپس کی بحثا بحثی کا یہ سلسلہ، روایات پر ایمان رکھنے سے کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں "ختمِ نبوّت" ایسی کتاب ہوگی، اُسے مسیح و مہدی کے ظہور کا کوئی انتظار نہیں رہے گا. ملتِ اسلامیہ کو اس مسئلے نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآنی مباحث سے دل چسپی رکھنے والے حضرات زیرِ نظر رسالے کو خود بھی خریدیں اور اپنے احباب کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دیں قیمت رعایتی ۲/

تفسیر القرآن | یہ کتاب سر سید احمد خاں رح کے چند تفسیری مضامین پر مشتمل ہے، جو آپ کی مختلف تصنیفوں سے لے کر سلیقے کے ساتھ مرتب کر دیے گئے ہیں۔ کتاب میں ۱۹ مضمون ہیں اور سب کے سب قرآن مجید سے متعلق ضروری مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں، مثلاً نزول و ترتیبِ قرآن، ناسخ و منسوخ کی بحث، قرآن حکیم کی کاملیت، قرآن مجید پر سر ولیم اور دیگر عیسائی مورخوں کے الزامات اور ان کی تردید، نبوّت و خاتمیت، علاماتِ قیامت،

دابۃ الارض، اور نماز وغیرہ کے بارے میں، سرسید مرحوم کے خیالات آپ کو اس کتاب میں یک جا ملیں گے ضخامت ۲۶۴ صفحے، قیمت صرف ایک روپیہ۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین البیان، ان تمام کتابوں کو جلد از جلد منگوا کر محفوظ کر لیں گے۔ کاغذ کی گرانی کے اس دور میں ان کتابوں کی فروخت سے دفتر کو جتنا کچھ بھی فائدہ پہنچ جائے غنیمت ہے۔

مفت لٹریچر کی تقسیم | جناب میاں محمد احمد علی صاحب الیکٹریکل انجینئر کپورتھلہ نے جو "البیان" کے ایک قدیم معاون ہیں، ہمارے پاس چند دینی کتابوں کی ایک تعداد بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ ہم انہیں "البیان" کے پڑھنے والوں میں مفت تقسیم کر دیں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسیح و احمد (ضخامت ۴۸ صفحے) (۴) قیامت (ضخامت ۴۸ صفحے)

(۲) حیات و موت کا معمہ (ضخامت ۳۲ صفحے) (۵) تقلید و تحقیق (ضخامت ۱۰۴ صفحے)

(۳) فلسفہ روحانی (ضخامت ۴۸ صفحے) (۶) صراط مستقیم (ضخامت ۲۸۰ صفحے)

یہ کتابیں "بلاغ" کے قدیم و مرحوم معاون، ڈاکٹر صادق علی صاحب ریٹائرڈ سرجن میجر کی تصنیفات سے ہیں، ہم نے ان کو سرسری طور سے دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ معطی کی خواہش کے احترام میں انہیں معاونین "البیان" کے ہاتھوں میں پہنچا دیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ سارا لٹریچر قرآن مجید کی روشنی میں تحقیق و کاوش سے لکھا گیا ہے اور ہمارے ناظرین، اس کے مطالعے سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

اس سے پہلے بھی "البیان" کے نئے اور پرانے معاونوں کو "بلاغ" کے پرانے پرچوں کی صورت میں ایک رعایت پیش کی جا چکی ہے، یعنی جو صاحب اپنے سالانہ چندے کے ساتھ مزید ۱۲؍ محصول ڈاک کے لیے بھیج دیتے ہیں، انہیں، رسالہ "بلاغ" کے ۲۴ منتخب پرچے، جن کا حجم ۱۲۰۰ صفحے سے زائد ہے، مفت ارسال کر دیئے جاتے ہیں۔ آج ہم اس رعایت کے ساتھ ان کتابوں کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں۔ آیندہ سے جو اصحاب، "البیان" کے سالانہ چندے کے ساتھ مزید ۱۲؍، یعنی کل للعہ، منی آرڈر کے ذریعے ارسال فرمائیں گے، ان کے نام ایک برس کے لیے "البیان" جاری کرنے کے علاوہ، ۱۲۰۰ صفحے کے "بلاغ" کے پرانے پرچے اور ۷۰۰ صفحوں کی مذکورہ بالا کتابیں مفت بھیجی جائیں گی۔

ہم قارئین "البیان" سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف خود اس پیش کش سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس رعایت کی طرف متوجہ کریں گے۔ "البیان" کی اشاعت بڑھانے کے لیے یہ ایک اچھا موقعہ ہے، احباب کو اس طرف ضرور دھیان دینا چاہیے۔

مسجد اور درس قرآن | مسجد اُمّت مسلمہ کی تعمیر کا کام، حضرت میاں مولا بخشؒ کی رحلت کے باعث عارضی طور پر رک گیا تھا۔ اب یہ سلسلہ انشاء اللہ العزیز پھر شروع ہو چکا ہے۔ جتنے حصے پر چھت پاٹی جا چکی ہے، اس میں صرف لکڑی کا کام، یعنی الماریاں اور دروازے باقی رہ گئے تھے صحن کے فرش اور چار دیواری کی تعمیر کا کام بھی اسی کے ساتھ شروع کر دیا گیا ہے۔ خرچ کے لیے، کم سے کم ۵۰۰ روپیہ کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ ۲۰۰ روپیہ کی رقم، مہر محمد عمر صاحب نے عطا فرما دی ہے اور باقی رقم کا بھی، خدا نے چاہا، تو جلد ہی کوئی سر و سامان ہو جائے گا۔ پچھلے مہینے جناب محمد قاسم صاحب ہارڈویر مرچنٹ کوئٹہ سے ۲۵ روپے اور میاں علی احمد خاں صاحب واشمن کی طرف سے ۱۵ روپے کے دو عطیے موصول ہوئے، ہم نے یہ رقم، تعمیر مسجد کے حساب میں شامل کر دی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ "البیان" کے قارئین میں سے، اہل خیر حضرات، اس ضرورت کی طرف جلد از جلد متوجہ ہوں۔ یہ کسی شخص کا ذاتی کام نہیں، بلکہ یہ سب کا مشترکہ کام ہے، اس لیے باہمی تعاون سے پورا ہونا چاہیے۔

پچھلے تین ماہ سے، شہر کی مسجد میں درس قرآن باقاعدگی سے جاری ہے۔ صرف رمضان کے مہینے میں، ہم نے اس کو نئی مسجد میں منتقل کر لیا تھا، اب یہ سلسلہ اہل شہر کی سہولت کے پیش نظر پہلی جگہ پر ہی قائم رہے گا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ روپیہ خرچ کرنے کے بغیر، کوئی کام نہیں چل سکتا، ہمارے مالی وسائل چوں کہ بہت محدود ہیں، اس لیے دس روپے ماہوار کا تبلیغی خرچ کا بوجھ بھی مقامی احباب ہی برداشت کر رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر باہر کے احباب بھی ہمارا ہاتھ بٹانے کی کوشش کریں۔ اگر پانچ دس مزید احباب "تبلیغ قرآن" کے کھاتے میں کچھ نہ کچھ مالی امداد دینا شروع کر دیں، تو ہم اپنے تبلیغی وسائل کو مزید تقویت دے سکتے ہیں۔

دو کتابوں کے تازہ ایڈیشن | تفسیر بیانٌ للنّاس کی دوسری منزل، تقریباً دس بارہ برس کے بعد دفتر اُمّت مسلمہ نے اب دوبارہ شائع کی ہے۔ یہ جلد عرصہ سے نایاب ہو چکی تھی اور اس کے بغیر ہمارے بہت سے احباب کے پاس تفسیر کا سیٹ نامکمل چلا آتا تھا۔ پہلے ایڈیشن کی قیمت عہ

لہ قیمہ صیام

مقرر تھی، مگر تازہ ایڈیشن ایسے حالات میں شائع ہو رہا ہے، جب کہ کاغذ کی قیمت تگنی ہو گئی ہے، اس لیے مجبوراً ہمیں اس کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑا۔ یہ بات بہت سے دوستوں کو معلوم نہ ہوگی کہ ہم اپنی کتابوں کی قیمت مقرر کرتے وقت تجارتی نہیں بلکہ تبلیغی پہلو سامنے رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہی کتاب جس کی قیمت ڈیڑھ روپیہ مقرر کی گئی ہے، ۴۰۸ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ بہت عمدہ ہے، سرورق نہایت سادہ اور خوبصورت ہے جو احباب اس کتاب کو منگوائیں گے، وہ خود دیکھ لیں گے کہ اسی ضخامت اور طباعت کی کتاب انہیں کسی دوسرے کتب خانے سے اڑھائی روپے میں بھی نہیں مل سکے گی۔

دوسری کتاب جو اس وقت پریس میں ہے، "ملت ابراہیم" ہے۔ ۱۹۳۹ء میں اس کا پہلا ایڈیشن نکلا تھا۔ دو برس کے بعد ہم اس کو پھر شایع کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حیات اور دین ابراہیمی کی تفصیل و تشریح پر ایسی مختصر اور جامع کتاب، جو قرآن مجید کی آیات کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہو، آپ نے نہیں دیکھی ہوگی۔ آخر میں مؤلف ہی کے قلم سے ایک تتمہ بھی شامل ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیم و ہدایت کی رو سے، ہر لحاظ سے کامل و کافی کتاب ہے۔ احباب کو چاہیے کہ وہ اس کتاب کو سینکڑوں کی تعداد میں خرید کر عام مسلمانوں میں مفت تقسیم کریں۔ "ملت ابراہیم" کی اشاعت، دفتر امت مسلمہ کے مشن کی اشاعت ہے۔ قیمت ۲ر فی جلد، ۱۲ روپے فی سینکڑہ مقرر کی گئی ہے۔

"البیان" کے خاص نمبر "البیان" اپنی سہ سالہ زندگی میں، چار خاص نمبر پیش کر چکا ہے۔ اس کا آغاز اقبال نمبر سے ہوا، جو اپنے مخصوص اور نادر مضامین کے باعث اتنا مقبول ہوا تھا کہ دو چار ماہ کے اندر اندر فروخت ہو گیا۔

مئی ۱۹۴۱ء میں "البیان" کا ایک اور خاص نمبر "مقدمہ زندگانی محمدؐ" کے عنوان سے شایع ہوا، ملک کے سربرآوردہ اہل علم نے اسے خراج تحسین ادا کیا، چوٹی کے علمی اور دینی جرائد نے اس کے حق میں شاندار ریویو لکھے اور باوجودے کہ اس کی اشاعت کو ڈیڑھ برس گذر گیا ہے، اس کی مانگ اب تک جاری ہے، ہمیں اطمینان ہے کہ ہم اس کی مقبولیت کے پیش نظر، دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی خوشی حاصل کریں گے۔

اپریل ۱۹۴۱ء میں "البیان" کا قرآن نمبر شایع ہوا۔ دفتر اُمت مسلمہ کے ساتھ، ملک کے دوسرے دینی اداروں کا اختلاف ظاہر ہے، پھر بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ اس قسم کا کوئی پرچہ، کسی دوسرے ادارے کی طرف سے شائع ہوتا، تو بھی وہ اس سے زیادہ تعریف و ستائش حاصل نہ کرسکتا، جتنی کہ "البیان" کے اس نمبر نے حاصل کی ہے۔ معارف، صدق اور ندیم کے معزز مدیروں نے صرف ریویو ہی نہ لکھے، بلکہ اپنے اپنے ایڈیٹوریل صفحات میں بھی، قرآن مجید کی اس مبارک خدمت کا تذکرہ کیا۔ شاید اس سے پیشتر، ملک کے کسی اور دینی رسالے کو یہ عزت حاصل نہیں ہوئی۔ "معارف" لکھتا ہے، "یہ مجموعہ نہ صرف خرافات "نگار" کے جواب کی حیثیت سے بلکہ کلام اللہ اور وحی کے متعلق علمی حیثیت سے بھی مطالعہ کے لائق ہے۔ "صدق" رقم طراز ہے، "یہ نمبر اپنی ضخامت نیز نوعیت کے لحاظ سے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔" "ندیم" کی رائے ہے: "یہ نمبر جامع، وقیع، سنجیدہ اور بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ ہے۔" روزنامہ "احسان" نے اسے "مسلمانان ہند کی صحیح خدمت قرار" دیا ہے۔ "اہلحدیث" راوی ہے، "یہ گلدستہ مضامین ایک خاصی کتاب بن گئی ہے۔" "برہان" کا ارشاد ہے: "یہ واقعہ ہے کہ قرآن مجید کی حیثیت وحی سے متعلق اس قدر متنوع المباحث مضامین اُردو کی کسی ایک کتاب میں یک جا نہیں مل سکتے۔" "حمایت اسلام" کے الفاظ یہ ہیں: ہم اسے معاصر "البیان" کی اعلیٰ اسلامی اور پسندیدہ دینی خدمت سمجھتے ہیں۔" "شہباز" کا بیان ہے: یہ رسالہ ایسے تمام اصحاب کے مطالعہ کے لائق ہے، جو قرآن مجید کو علم و تحقیق کی رُو سے الہامی کتاب دیکھنا چاہتے ہیں۔" ان عام اسلامی جرائد کے علاوہ، قادیانی اور بہائی فرقوں کے ترجمان جرائد نے بھی، قرآن نمبر کی تعریف میں کسی بخل کو روا نہیں رکھا۔ ان تمام تبصروں کو سامنے رکھتے ہوئے، ہمیں یہ دعویٰ کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ ہندوستان کی دینی صحافت میں "البیان" کا مستقبل بہت روشن ہے اور خدمت دین کے سلسلے میں، ہماری بہت سی اُمیدیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔

"البیان" کا چوتھا خاص نمبر، وراثت نمبر ہے، یہ پرچہ گذشتہ جولائی میں شایع ہوا ہے اور اس کے بارے میں بھی ہم ملک کے علمی حلقوں سے اچھے تاثرات کا استقبال کر رہے ہیں۔ وراثت کے متعلق، مروجہ اصول فقہ میں، بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں اور بقول علامہ اسلم جیراجپوری اگر ملک میں کبھی قرآنی قوانین کا نفاذ ہوا، تو علم وراثت کے بارے میں اس قسم کی تحریروں کی یقیناً

جستجو ہوگی۔

خاص نمبروں کے متعلق اوپر کے اشارات لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ قارئین "البیان" کو اس امر کا اندازہ ہوجائے کہ "البیان" مقبولیت کی کس سطح پر پہنچ چکا ہے اور علمی اور دینی اداروں میں اسے کس وقعت واحترام کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ ہم اپنے احباب سے اس امر کے متمنی ہیں کہ وہ از رہ کرم "البیان" کی توسیع اشاعت کی طرف بھی خاص توجہ دیں۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں کہ آپ معمولی کوشش سے ایک ایک خریدار کا اضافہ کر سکیں۔ "البیان" نے اپنے سرپرستوں سے توسیع اشاعت کی بہت کم اپیل کی ہوگی، مگر آج کل سامان طباعت کی بڑھتی ہوئی گرانی نے مجبور کر دیا ہے کہ ہم آپ کو توسیع اشاعت میں تعاون کی تکلیف دیں۔ اُمید ہے، یہ گذارش ہمارے حلقہ احباب میں اُسی توجہ کے ساتھ قبول کی جائے گی، جس کی توجہ کی ہمیں خواہش ہے۔

"قرآن اور حیاتیات" | "قرآن اور حیاتیات" کا سلسلہ ماہ اگست ۱۹۴۰ء تک پہنچ کر محترم مضمون نگار کی مصروفیات کی وجہ سے رک گیا تھا۔ اس اثنا میں اہل علم ناظرین کی طرف سے بہت سے مشتاقانہ تقاضے موصول ہوتے رہے۔ ہم ممدوح کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ان تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس نمبر سے پھر یہ سلسلہ جاری کر دیا ہے اور توقع دلائی ہے کہ اب وہ اس کو ختم ہی کر کے رہیں گے انشاء اللہ

عطیۂ نکاح | محترم خواجہ عبدالکریم صاحب نیانگ نے اپنے فرزند ارجمند خواجہ محمد زکریا کی رسم نکاح کے موقع پر مسجد فنڈ میں مبلغ پانچ روپے کی عنایت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ازدواج جانبین کے لئے مبارک ومسعود کرے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو دنیوی خوشیوں میں دین کو یاد رکھتے ہیں۔

انتظام جدید | سابق منیجر صاحب کے مرض وغیرہ وجوہ سے "البیان" کی اشاعت میں عموماً تاخیر ہوجاتی رہی ہے آیندہ نمبر سے رسالہ نئے منیجر صاحب کی کوششوں سے باقاعدہ شائع ہوتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

مودۃ فی القربیٰ پر ایک نظر

(خطیب العصر حضرت مولانا شاہ محمد جعفر صاحب ندوی پھلواروی، خطیب جامع کپور تھلہ)

آیت مبارکہ "مودۃ فی القربیٰ" پر مضمون ذیل میں نہایت جامعیت، عمق اور تحقیق سے بحث کی گئی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو پوری طرح سے سمیٹ لیا ہے۔ امید ہے کہ تحقیق پسند ناظرین اس کے مطالعہ سے ٹھوس فائدہ حاصل کریں گے۔ (ایڈیٹر)

فہمِ قرآن کے لیے ضروری شرائط | فہم قرآن کے لیے ضروری ہے کہ

(۱) قرآن کو اپنے پیچھے نہ چلاؤ، بلکہ خود اس کے پیچھے چلنے کی کوشش کرو۔

(۲) طفلی کے سمجھے جائے معتقدات و نظریات کے اثبات ونفی سے بے نیاز رہو۔

(۳) تفاسیر سے ضرور مدد لو، مگر وحی صرف قرآن ہی کو سمجھو۔

(۴) کبھی یہ وہم بھی نہ لاؤ کہ کوئی طاقت قرآنی نظریہ کو بدل سکتی ہے۔

(۵) خالق کی بخشی ہوئی عقل کو ضرور کام میں لاؤ اور غور وفکر کرو۔

(۶) یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جس طرح صفحۂ کائنات پر قدرت کی بکھیری ہوئی نعمتیں اپنی ترتیب میں خود اپنے ہی نظام کی پابند ہیں، اسی طرح اوراقِ قرآن پر اس کی آیتیں اپنے نظم وترتیب میں انسانی ذوق کی تائید وتردید دونوں سے بے نیاز ہیں۔ پس اس کے نظام کو سمجھنے کے لیے تدبر کرو۔

(۷) ایک مضمون کی تمام آیتوں کو پیشِ نظر رکھو اور سب کو ملا کر نتیجہ اخذ کرو۔

(۸) جہاں اپنے مطلب کی تائید میں آیات تلاش کرو، وہاں اپنی تردید پر بھی نگاہ رہے۔

(۹) "روحِ مذہب" کو ہمیشہ سامنے رکھو اور سب سے بڑھ کر۔۔۔ ۔۔۔

(۱۰) تقاضا پر عمل اور فہمِ صحیح کے لیے دعا کرتے رہو۔ تلك عشرة كاملة۔

ان مذکورہ شرائط فہم قرآن میں سے ہر ایک کے لیے سندیں بھی لائی جاسکتی ہیں، لیکن ہم اس کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھتے کہ کسی اہلِ فہم کو غالباً ان کی ضرورت وصحت سے انکار نہ ہوگا ــــ اگر غور سے دیکھو، تو حدیثاً وقدیماً بہت لوگ انہیں پیشِ نظر نہ رکھنے کے سبب سے بعض آیاتِ قرآنی سے نتائج اخذ کرنے میں لغزش

سے دو چار ہوتے رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی یہ لغزش ان کی نیک نیتی میں مخل نہ ہو، لیکن خطا کا امکان جس طرح ہم سے ہے، اسی طرح اُن سے بھی ہے۔ اس وقت ہمیں مذکورہ اصولِ عشرہ میں کچھ مزید اضافہ کرنے یا ان میں سے ہر ایک کی تشریح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اس لیے ہم بعض مثالوں پر اکتفا کرنا کافی تصور کرتے ہیں۔

عدم فہم قرآن کی ایک مثال (آیت مودت فی القربیٰ) | سورۂ شوریٰ (جو مکی سورہ ہے) کے تیسرے رکوع میں چار آیتیں مدنی ہیں، جن کا نمبر ابتدائے سورہ سے ۲۳، ۲۴، ۲۵ اور ۲۷ ہے۔ بائیسویں آیت میں تمام ظالموں کا اور پھر اہلِ ایمان جنتیوں کا ذکر فرما کر آگے ۲۳ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ

ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ قُلْ لَّا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۗ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝

(ترجمہ) "یہ ہے وہ خوش خبری جو اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار و نیکوکار بندوں کو دیتا ہے (اے رسول)، تم بھی کہہ دو کہ میں تم سے (اس تبلیغ کا) کوئی معاوضہ بجز لحاظ قرابت کے اور کچھ نہیں چاہتا اور جو شخص ایک نیکی بھی کرے گا، ہم اس میں مزید خوبی پیدا کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی بخشندہ و قدردان ہے"

یہ ہے اس آیت کا بے کم و کاست ترجمہ، لیکن بعض لوگ آیت کے خط کشیدہ ٹکڑے کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ

"اے رسولؐ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ کا صرف یہ بدلہ چاہتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو اور بعض مفسرین کرام نے ان رشتہ داروں کے نام بھی گنوا دیئے اور بعض سبائی العقیدہ لوگوں نے اس سے یہ بھی نتیجہ اخذ کرلیا کہ ان چند مخصوص نفوس کرام سے تو غلو کے ساتھ محبت رکھو اور باقی تمام فدائیانِ رسولؐ سے بغض و عناد رکھنا بھی داخلِ عقیدہ کرلو۔

قربیٰ کے معنیٰ | دنیا کے ایک عربی لغت کو بھی اس سے اختلاف نہیں کہ "قربیٰ، مقربہ، قرابت" کے معنیٰ برادری و رشتہ کے ہیں نہ کہ اہلِ برادری و رشتہ دار کے۔ قرابت اَور چیز ہے اور قرابت دار اَور شے ہے۔ رشتہ دار کے لیے قربیٰ یا قرابت یا مقربہ (جو مصادر ہیں) کا وصفی صیغہ مشتق ہوتا ہے۔ جیسے قریب، جس کی جمع ہے اقرباء یا اقرب۔ جس کی جمع اقارب اور اقربون ہے مثلاً فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ، وغیرہ۔ یا ان مصادر کی طرف "ذو"[1] بمعنی والا کو مضاف کرتے ہیں، جیسے ذات ذا القربیٰ

---

[1] ذو: صاحب۔ ذا القربیٰ: صاحبِ قرابت یا قرابت والا۔ ذوی القربیٰ: قرابت والے، اولی القربیٰ۔ (البیان)

حقہ - یعنیٰ ذا مقربۃ اور جمع کے لیے ذووں یا اولوا کو مضاف کرتے ہیں۔ جیسے واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ - واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ وغیرہ۔ یہ اتنی معمولی بات ہے کہ کوئی مبتدی بھی اس سے بے خبر نہیں۔ سارے کلام عرب میں عموماً اور قرآن پاک میں خصوصاً کہیں بھی رشتہ دار کے لیے تنہا لفظ قربیٰ نہیں مستعمل ہوا۔ ان بدیہات کی زیادہ توضیح بھی تضیع اوقات ہے۔

قربیٰ سے کس کی قرابت مراد ہوتی ہے | اب رہا یہ کہ اس "قربیٰ" سے کس کی قرابت مراد ہے، تو اس کا فیصلہ بھی قرآن پاک ہی سے کرلو۔ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی قربیٰ یعنی "قرابت" اور اقرب یعنی "قرابت دار" کا ذکر آیا ہے، وہاں اُسے ضمائر وغیرہ کی طرف منسوب و مضاف کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی ہے اور یہ اس لیے کہ ہر جگہ قربیٰ (یعنی قرابت) سے مراد مخاطب مامور یا غائب مذکور ہی کی قرابت ہے، نہ کہ غیر کی۔ یہ بھی ایک نہایت روشن و بدیہی چیز ہے، تاہم نمونے کے لیے چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱- واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ (انعام ع ۱۹) یعنی، بات جس سے بھی کرو، انصاف کی کرو، خواہ وہ قرابت والا ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں قربیٰ سے مراد تمہاری قرابت ہے، کیوں کہ یہی مخاطب مامور ہے۔

۲- واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ الخ (بقرہ ع ۲۲) یعنی اور وہ خدا کی محبت میں قرابت والوں کو مال دیتا ہے۔ یہاں یہ مقصود نہیں کہ دوسرے کا مال چھین کر اسی کی یا دوسرے کی قرابت رکھنے والوں میں تقسیم کر دیتا ہے، بلکہ جس طرح مال، مُوتی (دینے والے) کا ہے۔ اسی طرح قرابت بھی اسی کی ملحوظ ہوگی، کیوں کہ وہی غائب مذکور ہے۔

۳- واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین والجار ذی القربیٰ والجار الجُنُب والصاحب بالجنب وابن السبیل وماملکت ایمانکم۔ ۔ ۔ (نساء ع ۶) یعنی، اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح پوجو کہ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں، قرابت والے پڑوسی اور بے رشتہ پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔

یہاں بھی والدین سے اپنے (یعنی مخاطب مامور کے) والدین، قرابت والوں سے اپنی قرابت والے، رشتہ دار و غیر رشتہ دار پڑوسی سے اپنے پڑوسی اور ہم مجلس سے اپنے ہی ہم مجلس مراد ہیں، نہ کہ غیر کے۔ بلکہ یتیم و مسکین و مسافر سے بھی اپنے ہی یتیم و مسکین مسافر مراد ہیں، کیوں کہ اپنی قرابت، پڑوس یا گاؤں

کے یتیم و مسکین و مسافر کو دوسرے کی قرابت، پڑوس اور گاؤں کے یتیم و مسکین و مسافر پر یقیناً ترجیح ہے۔ لیکن چوں کہ قرابت اور پڑوس کا حق الگ مذکور ہو چکا ہے اور ان میں محتاجوں ہی کے ساتھ سلوک نیک کیا جاتا ہے (نہ کہ اغنیاء کے ساتھ) اور محتاجوں میں یتیم، مسکین، مسافر سب داخل ہیں۔ اس لیے ان میں "اپنے" لگانے کی ضرورت نہیں۔

ان تمام تمثیلوں سے واضح ہو گیا ہوگا کسی جگہ بھی قربیٰ سے مراد رسول یا کسی دوسرے مخصوص شخص کی قرابت مراد ہی نہیں، بلکہ مخاطب مامور یا غائب مذکور (جیسا روئے سخن ہو) کی ہی قرابت مراد ہوتی ہے۔ رسول کی قرابت بھی مراد ہو سکتی ہے، مگر اس وقت جب خود رسول مخاطب مامور ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مثلاً:

فاٰتِ ذا القربیٰ حقہ الخ (رم ع ۴ بنی اسرائیل ۳) یعنی، اے رسولؐ تم بھی قرابت والے کو (یعنی اپنی قرابت والے کو) اس کا حق دو۔ یہاں بھی قرابت سے اپنی قرابت مراد ہے، مگر تخاطب رسولؐ سے ہے، اس لیے رسول ہی کی قرابت مراد ہوگی ــــــ الغرض روئے سخن کا قرینہ واآخر خود بتا دیتا ہے کہ مخاطب مامور یا غائب مذکور مراد ہے، اسی لیے لفظ قربیٰ کے بعد کہیں بھی "کمُ" "ھمُ" وغیرہ کی ضمیر لانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی متکلم کی قربیٰ اسی وقت مراد ہو سکتی ہے جب کہ وہ خود مذکور ہو یعنی، اپنا ذکر آپ کر رہا ہو اور اگر ایسا نہ ہو، تو ضروری ہے کہ ضمیر کے اتصال سے اس کی وضاحت ہو جائے۔ مثلاً "قُربایَ" یا "القربیٰ لِی" وغیرہ۔

<u>نتیجہ</u> | اب دیکھو کہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ میں تخاطب کس سے ہے۔ رسول صرف لفظ قُل کے مخاطب ہیں، یعنی آپ کہہ دیجیے لیکن جو کچھ کہا جا رہا ہے، اس کا تخاطب رسولؐ سے نہیں، صرف سامعین سے ہے، جیسا کہ لا اسئلکم میں ضمیر "کم" سے عیاں ہے۔ یہ تخاطب رسولؐ فرما رہا ہے اور مخاطب قوم ہے پس قربیٰ سے انہی سامعین قوم ہی کی قرابت مراد ہو سکتی ہے، نہ کہ خود رسولؐ کی ــــــ اب اس کا ترجمہ یوں ہوگا کہ ...... اے رسولؐ آپ فرما دیں کہ "میں تم سے بجز تمہاری اپنی قرابت میں (حقوق) مودت کے اور کسی اجر کا سائل نہیں۔

<u>مودت سے مراد حقوق مودت</u> | ترجمے میں مجھے لفظ "حقوق" کا اضافہ کرنا پڑا، اس لیے کہ تنہا محبت و مودت دین میں کوئی حقیقت نہیں تسلیم کی گئی ہے۔ جب خود رب العزت کی محبت محض کو کوئی وقعت نہیں دی گئی اور صاف صاف ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1] الخ کا اعلان فرمایا گیا، تو انسانی قرابت کی مودت

---

[1] یعنی محبت الٰہی کا ثبوت اتباع رسالت سے دو اور درجۂ محبوبیت حاصل کرو۔ (البیان)

کیا وقعت رکھ سکتی ہے، جب تک کہ عمل محبت اس کے ساتھ نہ ہو۔ اعلان رسالت اور تبلیغ دین سے پہلے تو رسولِ خدا سارے کفار میں محبوب تھے، لیکن کیا اس محبت سے ان کی مغفرت ہو جائے گی؟ محبت و عداوت کا فرق تو امتحان گاہِ عمل میں قدم رکھنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اگر صرف عمل بغیر محبت کے کچھ نہیں، تو صرف محبت بھی بغیر عمل کے کچھ نہیں۔ پس جس طرح خدا کی محبت کے معنیٰ حقوق محبت کی ادائیگی، یعنی اتباع رسولؐ کے ہیں، اسی طرح مودت فی القربیٰ کے معنیٰ حقوق مودّت فی القربیٰ کی ادائیگی کے ہیں۔ اس لیے اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے رسولؐ آپ فرما دیں کہ میں تم سے بجز تمہارے اپنے قرابتی حقوق مودّت کی ادائیگی کے اور کوئی اجر نہیں مانگتا۔

آیت مودّت کا مخاطب کون ہے

اب ایک بہت بڑا سوال یہ رہ جاتا ہے کہ تخاطب کس سے ہے؟ اور مخاطبین کی اپنی قرابت کا کس سے تعلق فرض کیا جائے؟ یہ آیت مدنی ہے۔ اگر کافروں کو اس کا مخاطب مانو (خواہ وہ مکی ہوں یا مدنی) تو قرابتی تعلق کے تین پہلو نکلتے ہیں۔ ذرا دیکھو کہ وہ درست ہیں یا نہیں۔

تخاطب کفار کے تین بے محل پہلو

۱۔ ایک معنیٰ تو یہ ہوتے ہیں کہ اے کافرو اپنی اس قرابت کا لحاظ و پاس یا حق ادا کرو، جو مجھ سے (یعنی رسولؐ اکرم سے) قائم ہے۔

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اے کافرو اپنی اس قرابت کا حق ادا کرو، جو ہجرت کر جانے والے یا دوسرے مدنی مسلمانوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

۳۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اے کافرو اپنی اس قرابت کا لحاظ کرو، جو دوسرے کافروں کے ساتھ یعنی، تمہارے آپس میں جڑا ہُوا ہے۔

مفسرین کرام عموماً پہلے معنیٰ کو اختیار کرتے ہیں، جس کی تفسیر یہ ہے کہ "اے کافرو میں تم سے کوئی اجر تبلیغ تو نہیں مانگتا، مگر تم جو میرے ساتھ غیروں بلکہ حیوانوں جیسا برتاؤ کرتے ہو۔ یہ قرابت دارانہ آئینِ محبت کے سراسر خلاف ہے۔ میں نے باوجود دینی اختلاف کے حقوقِ قرابت ادا کرنے میں کبھی کوئی کمی نہیں کی۔ تم سے اور کچھ نہیں ہو سکتا، تو کم از کم اپنی اس قرابت کا تو پاس کرو، جو میرے اور تمہارے درمیان قائم ہے۔ اس قرابت کا لحاظ دنیا عموماً اور عرب خصوصاً کرتے چلے آئے ہیں۔ تم شور و شغب اور مظالم و دشنام کو کام میں لانے کی بجائے اطمینان سے میری بات سنو اور سن کر غور کرو۔ اگر حق ہے، تو مان لو۔ غلط ہے، تو مجھے سمجھا دو اور نہ سمجھ میں آئے، تو دریافت کرو۔ بہرحال قرابتی حقوق کو برقرار رکھو۔

اس میں شک نہیں کہ قرابت کے اثر کو عرب بھی تسلیم کرتے تھے، جس کی ان کو ممکن ہے، غیرت دلائی

گئی ہو، تاکہ اگر معقولیت و صداقت سے کام نہ چل سکے، تو اسی ذریعہ سے تبلیغ کامیاب ہو جائے ـــــ بظاہر یہ معنی لگتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جب صدوق و غیور رسول اکرمؐ نے مکہ مکرمہ کی سخت ترین مظلومانہ زندگی میں جذباتِ قرابت سے اپیل نہ فرمائی، بلکہ ابوطالب سے بھی صاف صاف فرما دیا کہ "تو بھی مجھے چھوڑ دے۔ مجھے پروا نہیں" اور ان کی مروتِ قرابت سے بالآخر مایوس ہو کر ہجرتِ حبشہ و ہجرتِ مدینہ کا حکم دے دیا۔ تو مدینہ پہنچ کر، جو مکہ کی نسبت زیادہ پُرامن جگہ تھی اور یہاں جاں نثار بھی مکے سے زیادہ موجود تھے، کیوں کر غیرتِ نبویؐ ایسی اپیل کی ضرورت محسوس فرما سکتی تھی، جو اہلِ کفر کے نزدیک بالکل ناقابلِ التفات تھی؟ اجرِ تبلیغ کے متعلق انبیاءؑ و مرسلینؑ کی زبانی انکار و نفیِ کلی کی جتنی آیتیں مذکور ہیں بعین اتفاق سے وہ سب مکی ہیں (جن کا ذکر آگے آتا ہے) بلکہ خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی صاف و غیر مشتبہ اعلان عین مکے میں یوں ہوتا ہے کہ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا‏ (فرقان ع ۵) یعنی "اے رسولؐ آپ فرما دیں کہ میں تم سے تبلیغ کا مطلقاً کوئی عوض نہیں چاہتا، بجز اس کے جو اپنے پروردگار کی طرف راہ حاصل کرنا چاہے"

یعنی میرا اجرِ تبلیغ صرف یہی ہے کہ تم اس تبلیغ کو قبول کر لو ـــــ الغرض اہلِ مکہ سے یہ تخاطب بے ضرورت ہے اور کفارِ مدینہ سے بھی یہ تخاطبت بے محل ہے۔ کیوں کہ جو غیرت مند رسولؐ قریب ترین برادری کو سخت مظلومیت کے دوران میں تبلیغی کامیابی کا معاون نہ بنائے، وہ بہت بعید قرابت کو نسبتاً امن کی حالت میں کیا واسطہ بنائے گا؟

اب آیت کے دوسرے پہلو پر غور کرو ... یعنی "اے کافرو! اپنی اس قرابت کا پاس کرو، جو ہجرت کرنے والے یا دوسرے مدنی مسلمانوں سے وابستہ ہے ـــــ جذباتِ قرابت کو برانگیختہ کرنے والی یہ اپیل بھی مکی ہی زندگی میں مناسب ہو سکتی تھی، نہ کہ یثرب پہنچ کر۔ جیسا کہ ابھی مذکور ہوا۔ کافروں کو عام مسلمانوں سے جو کچھ عداوت تھی، وہ منکرِ رسالت ہی ہونے کی وجہ سے تھی، یعنی مسلمانوں سے ان کی دشمنی بواسطۂ رسولؐ ہی تھی اور یہ بنائے عداوت جو مکے میں تھی، وہی مدینے میں بھی تھی، بلکہ ہجرت کے بعد تو ان کی عداوت اور زیادہ ہو گئی تھی۔ اگر انہیں پاسِ قرابت کرنا ہوتا، تو وہیں مکے میں کرتے اور وہیں رسولؐ کی یہ اپیل بھی مناسب ہوتی۔ کفارِ مدینہ سے بھی یہ اپیل بے محل ہے۔ اس لیے کہ قرابتِ قومی کو، جو رسولؐ واسطہ نہ بنائے، اسے ضعیف سے مدد لینے کی کیا ضرورت ہے۔

اب تیسری تفسیر کو دیکھو، یعنی، ... ... اے کافرو تم اپنی اس قرابت کا خیال کرو، جو تم سے اور دوسرے کافروں سے جڑا ہوا ہے، یعنی، تمہارے آپس میں قائم ہے —— یہ بھی بے ربط اپیل ہے۔ دعوت پہلے ایمان کی دی جائے گی یا لحاظ قرابت کی۔ رسولؐ کو کافروں کے باہمی لحاظ قرابت کی تبلیغ سے کچھ واسطہ نہیں۔ تفصیل کی احتیاج نہیں۔

الغرض یہ تینوں پہلو بے محل ہیں۔ اگر کفار اپنی اس قرابت کا، جو رسول سے، یا عام مسلمانوں سے یا عام کافروں سے قائم ہے، پورا پورا لحاظ بھی کریں اور تمام حقوق ادا بھی کریں، جب بھی ہرگز یہ اجرِ تبلیغ نہیں بن سکتا، تا آں کہ وہ صاف صاف ایمان نہ لے آئیں۔ بہرحال کافروں کی طرف اس آیت کا رُخِ سخن تسلیم کرنے کے بعد کوئی مطلب صحیح نہیں نکلتا۔

مسلمانوں سے تخاطب کے تین معنیٰ | اس لیے تخاطب کا رُخ مسلمانوں کی جانب ماننا پڑتا ہے۔ اب اسی طرح اس کے بھی تینوں پہلوؤں کو دیکھو۔ ایک پہلو یہ ہے:

۱۔ اے مسلمانو! اپنی اس قرابت کا حق ادا کرو، جو مجھ سے قائم ہے —— لیکن یہ بے ربط ہے، اس لیے کہ اس صورت میں خطاب عام نہیں رہتا۔ صرف حضرت اکرمؐ کے اہلِ قرابت ہی اس کے مخاطب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ تمام مسلمانوں سے آپؐ کی قرابت نہیں، بلکہ حضور انورؐ کا خود اپنے مسلمان اہلِ قرابت سے یہ فرمانا بھی تحصیلِ حاصل ہے۔ اوّل تو آپؐ ان کی قرابتی مودّت کی ادائے حقوق کے محتاج نہ تھے۔ دوسرے جب وہ رسالت پر ایمان لاکر قرابت کا واسطہ دلائے بغیر ساری عزیز ترین متاع قربان کر رہے ہیں، تو اس واسطے کے دلانے کی ضرورت؟ جب مکی زندگی میں ان اہلِ قرابت مسلمانوں نے کوئی حق ادا کرنے میں کسر نہ رکھی۔ اور ہر امتحان میں ثابت قدم رہے، تو مدنی زندگی میں ان سے یہ فرمائش، وہ بھی اتنی اہمیت کے ساتھ، کیا معنیٰ؟

۲۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ اے مسلمانو! اپنی اس مودّت قرابت کا حق ادا کرتے رہو، جو تمہارے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان قائم ہے۔ یہ معنیٰ بالکل صحیح ہیں اور یہی اجرِ تبلیغ ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

۳۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ اے مسلمانو اپنی اس قرابت کا لحاظ رکھو، جو کافروں سے وابستہ ہے۔ یہ تاویل و تفسیر بھی ایک لحاظ سے صحیح ہے، جیسا کہ آگے مذکور ہوگا۔

تصویر کا دوسرا رُخ (قربیٰ سے اگر قرابتِ رسولؐ مراد ہو) | ہم ان دونوں پہلوؤں کو تھوڑی دیر کے لیے

یہیں تشنۂ تشریح چھوڑ کر تصویر کا ایک اور رُخ پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ اوپر کی تصریح سے یہ خوبی واضح ہو چکا ہے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ قربیٰ یعنی قرابت سے مخاطب، مامور یا غائب مذکور ہی کی قرابت مراد ہے۔ اسی لیے تمام پہلوؤں کو نمایاں کرنے کے لیے ہم نے "اپنی" کا لفظ اضافہ کیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ طرزِ بیان اور مامور یا مذکور کی ضمیر کا نہ لانا اور صرف قربیٰ پر اکتفا کرنا کلامِ عرب کے عین مطابق ہے ——

بہر حال ہم اصول اور قیاس اور قرائن کے خلاف بفرضِ محال یہاں قربیٰ سے میری (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی قرابت مان لیتے ہیں۔ اس کے بعد دیکھو، کیا کیا پہلو نکلتے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ

تخاطبِ کفار کے دو غلط پہلو | ا۔ اے کافرو! تم میری اس قرابت کا لحاظ کرو، جو تم سے قائم ہے —— لیکن یہ بے معنیٰ ہے، جیسا کہ نمبر ا میں گذر چکا۔

ب۔ دوسری شکل یہ ہے کہ اے کافرو! تم میری اس قرابت کا حق ادا کرو، جو بعض مسلمانوں سے (کیوں کہ سب مسلمانوں سے قرابتِ رسولؐ نہیں) جُڑا ہُوا ہے —— یہ بھی بے ربط ہے، کیوں کہ جو خود رسولؐ کا حقِ قرابت ادا نہ کرے، بلکہ عداوت پر تُلا ہو، وہ آپؐ کے قرابت داروں کا کیا لحاظ کرے گا۔ اس سے تو یہ سوال ہی بے جوڑ ہے اور وہ شخص اس شرط پر ایمان ہی کیوں لانے لگا۔ اسے سیدھے سیدھے اسلام کی دعوت نہ دی جائے گی، جو بے نتیجہ قرابت دارانِ رسولؐ کے حقوق کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت پیش آئے؟

تخاطبِ مسلمین کے دو بے محل پہلو | یہ دونوں شکلیں اس وقت پیدا ہوتی ہیں، جب کہ سوال کا رُخ کافروں کی طرف تسلیم کیا جائے۔ اب مسلمانوں کو اس کا مخاطب مانو، یہ دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ا۔ اے مسلمانو! تم میری اس قرابت کا خیال رکھو، جو کافروں سے قائم ہے —— ظاہر ہے کہ یہ بالکل ہی بے معنی اور خلافِ قرآن ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ابولہب و ابوجہل سے بھی مودّت رکھو۔ اس معنی کی لغویت کی مزید تفصیل تضییعِ قرطاس وقلم ہے۔

ب۔ اے مسلمانو تم میری اس قرابت کے حقوق ادا کرو، جو تم میں سے بعض کے ساتھ (کیوں کہ سارے مسلمان اہلِ قرابت نہیں) وابستہ ہے۔ در اصل اسی مفہوم نے لوگوں کو مغالطے میں ڈالا ہے، لیکن یہ پہلو بھی نہ صرف بے ضرورت، بلکہ تعلیمِ قرآنی کے خلاف ہے، بوجوہِ ذیل:

مغالطے کا ازالہ | ا۔ کسی نبی نے کبھی اپنی قوم کی کسی فرد سے اپنی تبلیغ کا کوئی اجر نہیں طلب کیا۔ اپنے قرابت داروں کے لیے تو الگ رہا، خود اپنے اجر کی بھی کلّی نفی اور قطعی انکار فرماتے رہے اور یہی اُن کی صداقت

اور رسالت من اللہ کی شناخت ہے، تاکہ کسی کو ادنیٰ سے ادنیٰ وہم کا یہ شائبہ بھی نہ ہو کہ یہ بجز تبلیغ کے اور کچھ بھی چاہتے ہیں یا اپنے کسی مطلب و غرض کی تکمیل کے لیے نبوت کو واسطہ بناتے ہیں۔ نفی اجر کے ساتھ ساتھ تمام مرسلین نے یہ بھی اعلان فرما دیا کہ "میرا اجر تو بس صرف اللہ کے ہاں ہے" ملاحظہ ہو:

۱۔ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں: فان تولیتم فما سألتکم من اجرٍ ان اجری الا علی اللہ (یونس ع ۸) ـــــ اگر تم اعتراض کرتے ہو، تو (میرا کچھ نقصان نہیں کیوں کہ) میں نے تم سے کوئی عوض مطلقاً نہیں مانگا ہے۔ میرا اجر تو بس صرف اللہ کے ذمے ہے۔

۲۔ دوسری جگہ حضرت نوحؑ یوں فرماتے ہیں: یٰقوم لا اسئلکم علیه مالاً ان اجری الا علی اللہ (ہود ع ۳) اے لوگو! میں تم سے اس تبلیغ کے بدلے میں (اور اجر تو الگ رہا) مال بھی نہیں مانگتا میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمے ہے۔

۳۔ پھر تیسری جگہ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں: وما اسئلکم علیه من اجرٍ ان اجری الا علی رب العلمین ○ (شعراء ع ۶) میں تم سے اس تبلیغ کا مطلقاً کوئی اجر نہیں طلب کرتا میرا اجر تو فقط رب العلمین کے ذمے ہے۔

۴۔ حضرت ہودؑ بھی اپنی قوم سے بعینہ یہی الفاظ فرماتے ہیں۔ (شعراء ع ۷)

۵۔ حضرت صالحؑ بھی بالکل یہی الفاظ دوہراتے ہیں۔ (شعراء ع ۸)

۶۔ حضرت لوطؑ بھی بعینہ انھی الفاظ کا اعادہ فرماتے ہیں۔ (شعراء ع ۹)

۷۔ حضرت شعیبؑ بھی بلا فرق یہی الفاظ ادا فرماتے ہیں۔ (شعراء ع ۱۰)

۸۔ حضرت شعیبؑ کا یہی نعرۂ حق دوسری جگہ یوں مذکور ہے: یٰقوم لا اسئلکم علیه اجراً ان اجری الا علی الذی فطرنی (ہود ع ۵) اے لوگو! میں تم سے کوئی معاوضۂ تبلیغ نہیں مانگتا میرا اجر تو میرے خالق کے ذمے ہے۔

۹۔ حضرت مسیحؑ کا ایک اُمتی حضرت مسیحؑ کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے: یٰقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجراً وھم مھتدون ○ (یٰس ع ۲) اے لوگو! مرسلین کا اتباع کرو، یعنی، اس مسیحؑ کا جو تم سے قطعاً کسی بدلہ و عوض کا طالب نہیں اور مرسلین تو ہدایت لے کر آتے ہیں (ہدایت کا عوض ہی کیا ہو سکتا ہے یا ہدایت کا اجر مانگا ہی کس نے ہے؟)

۱۰. بہتر ہے کہ اس دسویں نمبر کو خاتم المرسلینؐ کے اعلان پر ختم کیا جائے ـــــــ سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھارہ نبیوں کا (جن میں بعض مذکورہ بالا نمبروں میں بھی موجود ہیں) پے در پے ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ: اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ ۰ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا ان ھو الا ذکرٰی للعٰلمین ۰ (انعام ع ۱۰) اے حبیب! یہ ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے۔ تو بھی ان ہی کی پیروی کر۔ تو بھی (ان ہی کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اپنی پیاری زبان سے اس بحث کو ختم کر دے اور) کہہ دے کہ میں تم سے اس تبلیغ کا مطلقاً کوئی اجر نہیں طلب کرتا۔" یہ تو نصیحت ہے ساری دنیا کے لیے (یعنی نصیحت کو مان لینا اور عمل کرنا ہی نصیحت کا بہترین اجر ہے)

قبولِ دعوت ہی اجرِ تبلیغ ہے | واضح ہو کہ مذکورہ نو آیتیں سب کی سب مکّی ہیں اور آخری آیت جس میں خاتم المرسلینؐ کو نفیِ سوالِ اجر کا حکم دیا گیا ہے، مدنی ہے، لیکن یہ وہی انبیاء کی صدائے بازگشت ہے، جو محمدیؐ زبانِ وحی سے فضائے مکہ میں پہلے ہی یوں گونج چکی تھی (جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا) کہ: قل ما اسئلکم علیہ من اجرٍ الا من شاء ان یتخذ الٰی ربہ سبیلًا ۰ (فرقان ع ۵) اے رسولؐ تمام انبیاء کی طرح تو بھی ذرا اس آوازِ انبیاء میں گونج پیدا کر کے اجرِ تبلیغ کی اس گتھی کو سلجھا دے اور کہہ دے کہ میں تم سے مطلقاً کسی اجر کا طالب نہیں، بجز اس خوش قسمت کے جو اپنے رب کی طرف راستہ ملنے کی جستجو میں سرگرداں ہو، یعنی، اے سننے والو! تم مجھ سے مل جاؤ اور میری تبلیغ کو قبول کرو، تو اس سے بڑھ کر اور کیا اجر ہو سکتا ہے؟ پس جس طرح مکّے میں یہ کہا گیا کہ تم خود، یعنی، تمہاری قبولیت ہی اجرِ تبلیغ ہے۔ اسی طرح مدینے میں یوں فرمایا کہ میں طالبِ اجر نہیں، کیوں کہ تبلیغ تو نصیحت و خیر خواہی ہے جس کا اجر قبولِ نصیحت ہی ہے۔

بناوٹی نفیِ سوال کی نفی | ممکن تھا کہ مکّے میں یا آگے چل کر مدینے میں کسی کو یہ شائبہ وہم پیدا ہو تا کہ نعوذ باللہ ابھی تو بظاہر رسولؐ کی کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی لیکن شاید آئندہ اس مطلب کا اظہار ہو، لیکن عین قلبِ مکہ یہ بھی اعلان فرما دیا گیا: قل ما اسئلکم علیہ من اجرٍ وما انا من المتکلفین ۰ ان ھو الا ذکرٌ للعٰلمین ۰ (صٓ ع ۵) یعنی اے رسولؐ آپ ذرا اس وہم کو بھی دور فرما کر کہہ دیں کہ "میں تم سے فی الواقع مطلقاً کسی عوضِ تبلیغ کا خواہش مند نہیں اور یہ میں کچھ تکلّف و تصنّع اور بناوٹ سے نہیں کہتا (یعنی حقیقت کا اظہار ہے، کیوں کہ)

یہ تو سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے (اس کا تو کوئی اجر ہی نہیں بجز قبولیت کے)

اس مضمون کو حضورِ اکرمؐ کی زبانِ وحی سے مکے ہی میں اور زیادہ اس طرح صاف کر دیا گیا کہ قل ماسألتکم من اجر فھو لکم ط ان اجری الا علی اللہ ج وھو علیٰ کل شیٔ شھید (سبا ع ۶) یعنی اے رسولؐ آپ (اجرِ تبلیغ کی حقیقت آشکارا کرتے ہوئے) فرما دیں کہ میں تم سے جو اجر مانگتا ہوں، وہ تمہارے ہی لیے ہے (اور باقی رہا) میرا اجر، تو (وہ) بس اللہ ہی کے ذمے ہے اور اللہ ہر شے پر نگراں ہے ——— امت ابن سبا کو سورۂ سبا کی اس فیصلہ کن آیت پر ذرا غور کرنا چاہیے ——— رسولؐ اپنے اجر کو کلیۃً اللہ ہی کے سپرد فرما رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ خود رسولؐ کو دنیا میں یا دین میں یا دونوں میں جہاں چاہے اور جس قسم کا چاہے اجر دے، مگر بندوں سے یہ سوال نہیں ہوتا، بلکہ اپنا اجر عین اس چیز کو قرار دے رہا ہے، جو اُمت کا اجر ہے اور وہ چیز بجز قبولِ دعوت اور عمل بالاحکام کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ (اس کی پوری تفصیل آگے آتی ہے)

دوسرے طرقِ نفیِ سوال | اس سوالِ اجر کی کُلی نفی کی مزید تاکید کے لیے عجیب انداز اور بھی اختیار فرمائے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وما تسئلھم علیہ من اجر ط ان ھو الا ذکر للعٰلمین ○ (یوسف ع ۱۱) یعنی، اے رسولؐ (یعنی یہ لوگ کیوں انکارِ دعوت کرتے ہیں) تم ان سے کوئی معاوضۂ تبلیغ تو طلب نہیں کرتے (یہ قبول کر لیں، تو یہی اجر ہے۔ کیونکہ) یہ تو سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

پھر دو جگہ اور بھی اجر کے قطعی انکار کا پہلو یہ اختیار فرمایا جاتا ہے کہ ام تسئلھم اجراً فھم من مغرم مثقلون (طور ع ۲ و قلم ع ۲) اے نبیؐ کیا تم ان سے کوئی عوض طلب کرتے ہو جس کے قرض سے یہ دبے ہوئے ہیں (اور اسلام لانے سے پہلو تہی کرتے ہیں؟)

حضرت اکرمؐ نے کوئی سوالِ اجر نہیں فرمایا | ناظرین کرام! یہ کُل سولہ آیتیں سوالِ اجر کی نفیِ مطلق میں وارد ہوئی ہیں، جن میں تمام انبیاء، جن میں خواجۂ دو جہانؐ بھی ہیں، ہم آہنگ ہو کر اور یک زبان ہو کر تبلیغ و رسالت کے عوض ہر قسم کے سوالِ اجر کا کامل انکار کلی نفی اور قطعی تردید فرما رہے ہیں اور حسنِ اتفاق سے یہ تمام آیات مکی ہیں۔ صرف دسویں آیت مدنی ہے اور اس میں بھی اجرِ تبلیغ کی کامل نفی ہے اور حضورؐ کو اسی آیت میں فبھدٰھم اقتدہ (یعنی اقتدائے انبیاء کا بھی حکم ہے ——— پھر کیا یہ ظلم نہیں کہ سرورِ دو جہانؐ کی طرف کسی قسم کے اجر کی طلب و سوال

کو منسوب کیا جائے ؟ اور کیا یہ اہتمام منکرین کے لیے اس شبہے کی گنجائش پیدا کرنے کا سامان نہیں کہ جس اجر کی طرح طرح سے کلی زندگی میں نفی فرمائی جا رہی تھی ، وہ نعوذ باللہ مدینے میں آکر غلط ثابت ہوئی ؟ ـــــ انسان جو کچھ دنیاوی کاروبار کرتا ہے ، اپنے بال بچوں اور اپنے عزیز و اقارب ہی کے لیے کرتا ہے ۔ صرف اپنی ذات کے لیے کوئی بھی نہیں کرتا ۔ پس اگر خواجۂ دو عالم بھی اپنے رشتہ داروں کے چند مخصوص افراد کے لیے مودت و لحاظِ قرابت کو اتنی غیر معمولی اہمیت دے جائیں کہ وہی عین اجرِ تبلیغ قرار پائے ، تو اس سے بڑھ کر کسی اور اجر کا تصور ہی کیا ہو سکتا تھا ، جس کی بار بار اور طرح طرح سے کلی نفی اور کامل انکار کی ضرورت پیش آئی ؟ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ خواجۂ دو جہان اپنی مودت محض کو تو اجرِ تبلیغ نہ قرار دیں ، مگر اپنے رشتہ داروں کے لحاظِ قرابت کو عینِ اجرِ تبلیغ بتائیں ۔ اگر ایسی مودتِ اقرباء اجرِ تبلیغ بننے کی ذرا بھی صلاحیت رکھتی ، تو سب سے پہلے حضرت خلیل اللہ ؑ اسے اجر ٹھہراتے ۔ جن کی پشت مسلسل نبی ہوتی رہی ، یعنی جن کی مودت کو یقیناً غیر نبی کی محبت پر ترجیح حاصل ہے ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی صالح کی قرابت نہ مودت کی متقاضی ہے اور نہ مودت قرابت تبلیغ جیسی اعلیٰ و ارفع شے کا اجر بننے کے قابل ہو سکتی ہے (مودت ، یعنی ، وہ مودت جس کا حکم شرع دے) کی چیز صرف صلاحیت و اہلیت ہے اور اس دائرے میں انبیاء کے قرابت دار و غیر قرابت دار سب بلا امتیاز آ جاتے ہیں ۔ رشتہ داری کو اس میں کوئی دخل و امتیاز حاصل نہیں ۔

قرابتی تفرق عدل و غیرتِ نبویؐ کے خلاف ہے

(۲) دوسری وجہ اس تفسیر (یعنی یہ کہ اے مسلمانو ! تم میرے چند مخصوص ذوالقربیٰ کا خیال رکھو) کے غلط ہونے کی یہ بھی ہے کہ رب العٰلمین نے رسولؐ کو عادل بنا کر بھیجا ہے اور عدل کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ چند مخصوص افراد (وہ بھی اپنے رشتہ دار) کی تعمیر کا سامان (رسولِ عادل) کر جائیں اور باقی اُمت کو بے پناہ چھوڑ جائیں ۔ عدلِ نبویؐ کی غیرت یہ کیوں کر گوارا فرما سکتی ہے کہ غزوہ بدر کے بعد ایمان لانے والے عباسؓ بن عبدالمطلب کی مودت اور قرابتی حقوق کو تو عینِ اجرِ تبلیغ قرار دیں اور بلالؓ و خبیبؓ اور عثمانؓ و صہیبؓ کی مودت کا ذکر تک نہ فرمائیں ۔ حضرات حسنینؓ (جو نہ مہاجر ہیں نہ انصار ، نہ کسی غزوۂ نبویؐ میں شریک) کی محبت کو حاصلِ تبلیغ بتائیں اور تبلیغ کو اول اول کامیاب بنانے والے کلی مظلومین کی مودت کو خاطر میں بھی نہ لائیں ـــــ عیاذاً باللہ ـــــ اگر کوئی شے حقیقتہً اجرِ تبلیغ بن سکتی ہے ، تو

وہ مخاطبین کی جاں نثاریاں، قربانیاں اور فداکاریاں ہیں، نہ کہ فقط قرابت دارانِ رسولؐ کا لحاظِ قرابت۔

الغرض اس مذکورہ معنی کے بے محل ہونے کے اور بھی بہتیرے وجوہ ہیں۔ ان کا تذکرہ و تفصیل اس وقت مقصود نہیں۔ دکھانا صرف یہ تھا کہ اگر بفرضِ محال و خلافِ قیاس یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قربیٰ سے مراد رسولؐ کی قرابت ہے (حالاں کہ طرزِ کلامِ عرب میں اس سے مراد مخاطب ماموریٰ کی قرابت ہو سکتی ہے) جب بھی اس کے تمام پہلو بے محل، بے ضرورت اور خلافِ تعلیمِ قرآنی ہیں ———

اصل مرکزِ بحث کی طرف رجوع | اب آؤ اصل مرکز کی طرف ——— اوپر کی ابتدائی تصریح سے یہ پوری طرح واضح و مبرہن ہو چکا ہے کہ قربیٰ جہاں جہاں بھی مذکور ہوا ہے، وہاں اس سے مراد فقط اسی کی قرابت ہے، جس کو مخاطب کیا گیا ہو یا (اگر تخاطب نہ ہو، تو) جس کے بارے میں ذکر ہو رہا ہو ——— اسی لیے ترجمے میں لفظ اپنی کا اضافہ کر دیا گیا ہے، یعنی قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ اے رسولؐ آپ ان سے فرما دیں کہ "میں تم سے بجز تمھارے اپنے قرابتی حقوق مودت کی ادائیگی کے اور کوئی اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا" ترجمے ہی سے صحیح مفہوم کا خاکہ ذہن رسا میں آجاتا ہے۔ تاہم ہم نے تعلق قرابت مخاطبین کے لحاظ سے پیدا ہونے والے تمام پہلوؤں کو نمایاں کر دیا ہے۔ تاکہ یہ معلوم کرنے میں سہولت ہو سکے کہ کون سے معنیٰ درست اور کون سے بے ربط ہیں۔ یہ بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ ہر پہلو بے محل ہے، بجز دو کے۔ ان دو میں ایک معنیٰ بالکل صحیح اور مطابق نقل و عقل ہیں اور دوسری تفسیر بھی ایک حیثیت سے درست ہے۔ ہم سرِدست دوسری تفسیر پر الگ روشنی نہیں ڈالیں گے، بلکہ پہلے ہی معنیٰ کی تشریح کے ضمن میں اسے کہیں کہیں ذکر کر دیں گے۔ مقصود وہی تفسیر پیش کرنا ہے، جو ہر لحاظ سے صحیح ہو، تاکہ اس تفسیر بے معنیٰ کا بھی مقابلہ ہو سکے جس کی ہم ابھی مختصراً تردید کر چکے ہیں۔

دینی و قومی تنظیم اور قرآنی ہدایات | تعلیماتِ قرآنیہ پر ایک غائر نگاہ ڈالو، تو تمھیں تمام احکام میں ایک بہترین تنظیم نظر آئے گی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض سارا دین تقرب الی اللہ کے علاوہ ایک مکمل تنظیم بھی ہے اور تنظیم کی بہترین شکل یہ ہے کہ ہر نیکی کا آغاز اپنے گھر یعنی اپنے کنبے سے ہو۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ صرف اتنا سمجھ لو کہ چند افراد سے گھر، چند گھروں سے محلہ اور چند محلوں سے ایک بستی بنتی ہے الخ اگر ہر شخص اپنے گھرانے کو ٹھیک کرلے، تو پوری قوم خود بخود درست و منظم ہو جائے گی۔ مثلاً ہر صاحبِ استطاعت اپنی ہی برادری اور اپنے ہی محلے کے محتاجوں کی دست گیری کرے، تو کسی ایک محلّے کے محتاج کو دوسرے محلّے والوں پر بوجھ یا

ان کا دست نگر بننے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس تنظیمی شکل میں ایک بہت بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ اس میں دھوکا کھانے کا امکان بہت کم ہے۔ باہر سے آنے والے سائل کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ فی نفسہٖ مستحق ہے یا سوال کو پیشہ بنا کر دولتِ کثیرہ کا مالک ہو چکا ہے یا ہمارے پیسے سے۔ وہ جائز کام لے گا یا خمر و قمار میں اڑائے گا۔ لیکن اپنی برادری و محلّہ والوں کی حقیقت اور کیرکٹر سے ہم بہت حد تک واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے لینے والا اپنے کیرکٹر کی اصلاح کی طرف متوجہ رہتا ہے اور دینے والا بھی صحیح محل پر صرف کرنے کے امکانات بہ نسبت غیروں کے زیادہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہر خدمت و احسان کی ترغیب و حکم کے سلسلے میں والدین کو اور پھر ذوی القربیٰ کو مقدم رکھا ہے۔ حتیٰ کہ یتامیٰ، مساکین، مسافر قرض دار، غرض ہر مقصدِ خیر پر انہی کو ترجیح دی ہے۔ کیوں کہ تنظیم قومی کی بہترین شکل یہی ہے۔

اس کے علاوہ حقوقِ قرابت کے ہر چھوٹے بڑے پہلو کو قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ بال بچوں کی عمدہ تربیت، ازواج کے ساتھ عدل و دلداری، والدین کا ادب و اطاعت، بڑے بھائیوں کا لحاظ، چھوٹے بھائیوں پر شفقت۔ قرابت مند دوستوں کے ساتھ مروّت، ہر احسان و نیکی میں بعید پر قریب کو ترجیح اور جملہ اہلِ قرابت کے ساتھ پُرامن و امان معاشرت وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام حقوق، حقوقِ قرابت ہیں۔ جن کا حکم جا بہ جا دیا گیا ہے (تفصیل مقصود نہیں) اور ان سب سے بڑا حق اہلِ قرابت کو دین کی طرف مائل کرنا ہے۔ ان کی تبلیغ و اصلاح کے بہترین و موثر طریقے استعمال کرنا اور انھیں گم راہی و کج روی سے بچاتے رہنا قرابت کا سب سے بڑا حق ہے۔ قوا انفسکم واھلیکم نارًا (اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو آتشِ جہنم سے بچاؤ۔ تحریم ع ۱) اسی لیے فرمایا گیا ہے۔ کلکم راع وکل راع مسئول عن رعیتہ (تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر راعی سے اس کی رعیت یعنی جس کی نگاہ داشت اس کے سپرد ہے، کی بابت باز پرس ہوگی۔ حدیث اسی کی تائید کے لیے وارد ہوئی ہے اور خواجۂ دو جہاں ؐ کو ہماری تعلیم کے لیے یہی حکم ہوا کہ وانذر عشیرتک الاقربین (پہلے اپنے کنبے والوں کو سمجھاؤ)

پہلے اپنے گھر میں چراغ الغرض ہر نیکی، ہر نصح اور ہر بہی خواہی کی تبلیغ و توسیع کی بہترین شکل اور اعلیٰ و اسہل صورت یہی ہے کہ اس کا آغاز اپنے گھر اور اپنی قرابت سے کیا جائے۔ تنظیم بھی اسی کی طالب ہے اور حقوقِ قرابت بھی اسی کے خواہاں ——— دراصل یہی وہ تعلیم ہے جو معلم

الکتاب و الحکمہ رسول نبی ساری موجودہ و آئندہ اُمت کو یہ فرما کر دے رہا ہے کہ لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یعنی ہم تم سے یہی معاوضہ تبلیغ چاہتے ہیں کہ تم سب اپنی اپنی قرابتی مودت کا حق ادا کرو۔ نیک سلوک میں ان کا حق مقدم رکھو اور آتش دوزخ سے بچانے میں بھی پہلے ان کا خیال رکھو ـــــ یہ تعلیم جس طرح تمام اُمت کو دی گئی ہے، ویسی ہی خود اقربائے رسول کے لیے بھی اس پر عمل ضروری ہے۔ وہ بھی اپنے اقربا کے لیے وُہی کریں گے، جو ساری اُمت اپنے اپنے اقرباء کے لیے کرے گی۔

یہ تبلیغ و تعلیم اور اصلاح حال کی بے مثل تنظیمی شکل ہے، جو سرورِ دو جہان نے پیش فرمائی۔ اس پر عمل کرنے سے رسول کو کوئی اجر نہیں ملتا، بلکہ خود عمل کرنے والے کو ملتا ہے۔ ہمارے تمہارے اسی اجر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عین اپنا اجر قرار دیتے ہیں۔ جیسے بہت صاف طریق سے یوں فرمایا گیا کہ قل ما سألتکم من اجر فھو لکم (کہ دیجیے کہ میں جو کچھ اجر مانگتا ہوں، وہ تمھارے ہی لیے ہے یا تمھارا ہی ہے)۔ اب رہا خود رسول کا اجر، تو اسے بھی فھو لکم کے بعد ہی بتا دیا گیا کہ ان اجری الا علی اللہ (میرا اجر تو بس صرف خدا ہی کے ذمّے ہے) یعنی، تم میرا اجر ادا ہی نہیں کر سکتے۔ میرا اجر وُہی دے گا، خواہ یہاں دنیا میں دے یا آخرت میں یا دونوں میں دے اور جس نوعیت کا چاہے دے، مگر تم سے نہ سوال ہے، نہ تم اجر دے سکتے ہو۔[1]

اُمت کا اجر عین رسول کا اجر تبلیغ ہے | ایک مثال: تعجب نہ کرو کہ آقائے دو جہان نے اپنے غلاموں کے اجر کو عین اپنا اجر کیوں قرار دیا۔ آں حضرت اقدس کو اپنی ساری اُمت سے جو تعلّق اور وابستگی رہی ہے، اس کا تقاضا یہی تھا کہ اپنی اُمت کے معاملات کو اپنے ہی معاملات سے تعبیر فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منّا (حدیث) یعنی، جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے، وہ ہماری جماعت یا ہمارے طریقے سے خارج ہے۔ ذرا غور سے دیکھو۔ کون کہ سکتا ہے کہ اس سے صرف حضور انور کے چھوٹے اور حضور کے بڑے مراد ہیں۔ تعلیم اس کی ہے کہ اُمت کا ہر فرد اپنے چھوٹے پر رحم اور اپنے بڑے کا ادب کرے۔ مگر من لم یرحم صغیرہ اور من لم یوقر کبیرہ نہیں فرماتے، بلکہ ہر فردِ اُمت کے چھوٹے کو اپنا چھوٹا اور اس کے ہر بڑے کو اپنا بڑا قرار دے کر صغیرنا اور کبیرنا فرماتے ہیں۔ ـــــ دوستو!

---

[1] ایسی مبالغہ آمیز عقیدت قرآنی احتیاط کے منافی ہے۔ (البیان)

یہاں تو "نا" متکلم کی ضمیر ہوتے ہوئے بھی تم اس سے رسولؐ کے صغیر و کبیر کی تفسیر نہیں کر سکتے۔ پھر "فی القربیٰ" میں حذفِ ضمیر کے باوجود تمھیں قرابتِ رسولؐ کے معنیٰ پر کیوں بے معنیٰ اصرار ہے؟

تصدیق | کچھ فرمانِ رسولؐ ہی پر موقوف نہیں۔ قرآنِ کریم بھی اس کی تصدیق فرماتا ہے اور اس بالمومنین رؤف رحیم نبیٔ اُمّیؐ کی یک جان دو قالبانہ وابستگیٔ اُمّت کو ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے کہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم الخ "تمھارے پاس تو تمھیں میں سے ایک ایسا شفیق رسولؐ آیا ہے کہ جو مصیبتیں تم جھیلتے ہو، اس کی تکلیف اسے ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کا تو اُسے "ہوکا" ہے ـــــ ہماری مصیبتوں کا صحیح احساس کسے ہو سکتا ہے؟ اور ہماری بہی خواہی کی حرص کسے ہو سکتی ہے؟ ـــ اُسے اور فقط اُسے ـــ ہاں صرف اُسے جس کی ایک اُچٹتی ہوئی نگاہِ رحمت پر ماں باپ کی ساری عمر کی نوازشیں قربان ہیں۔ اُسے، جو ہماری مصیبتوں کو اپنی مصیبتیں سمجھتا ہے اور اُسے جو ہماری خوشی کا احساس خود ہم سے بھی زیادہ کرتا ہے اور اُسے، جو ہمارے اجر کو عین اپنا اجرِ تبلیغ فرماتا ہے۔ فداہ ابی و امی۔

رحمتِ عامۂ نبویؐ | اس فانی و پُر دغا دنیا میں ہر ماں کی یہ حالت ہے کہ خود بھوکی رہ کر اپنے بچے کو کچھ کھلائے، تو سمجھتی ہے کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ بچہ بیمار ہو، تو اس کی ادنیٰ سی کراہ اُسے تڑپا دیتی ہے اور خود مریض ہو، تو فرزند کی ایک مسکراہٹ اُس کی ساری کلفتوں کو دھو دیتی ہے ـــــ رحمتِ الٰہی کی قسم! محمدؐ کی دردمندی اور لطف و کرم سارے عالم کے لیے، ساری اُمّت کے لیے، سارے ایمان داروں کے لیے، ماں باپ سے کہیں بڑھ کر ہے ـــ وہ نالائقوں کے لیے قہار ہے، اگرچہ اپنا سگا چچا ابولہب ہو۔ اور صالح کے لیے رحمت کی آغوش ہے، خواہ وہ حبش کا بلالؓ ہی کیوں نہ ہو۔

دینی و نبوی محبت اور قرابتی مودّت کا ضروری فرق | اس کی پیمبرانہ رحمت ـــــ ہاں غور سے سنو! اس کی نبوی رافت ہر فردِ صالح کے لیے (علیٰ حسبِ صلاحیت) یکساں ہے۔ اقربا اور اغیار کا فرق اس دروازے میں قدم رکھنے سے بہت پہلے مٹ کر فنا ہو چکتا ہے۔ یہ امتیازات اسی سرحد کے پرے تک ہیں، جہاں غوغائے بشریت اور علائقِ دنیا کے اجتماع نے ایک الگ بستی بسا رکھی ہے۔ نبوّت و رسالت کی نگاہِ رحمت ہر اسود و احمر، ہر عربی و عجمی اور ہر آقا و غلام پر یکساں ہے۔ البتہ فطرت کی بشری اُلفت و محبت، جو اپنے اقربا سے ہوتی ہے، وہ ایک کافر کو مومن سے اور مومن کو

کافر سے بھی ہو سکتی ہے، لیکن اس کو نہ شریعت کے اس حکم سے کوئی واسطہ ہے اور نہ اس کے لیے کوئی شرعاً مکلّف ہے اور نہ وہ اجرِ تبلیغ بننے کی ادنیٰ سے ادنیٰ صلاحیت رکھتی ہے ـــــ حضرت نوحؑ کو یقیناً اپنے صلبی فرزندِ لعین سے محبت تھی۔ جب ہی آپ سے اس کے غرق ہونے کا منظر نہ دیکھا گیا اور پکار اُٹھے کہ یا ربّ ان ابنی من اھلی۔ آزر کی اُلفتِ پدری ہی نے جنابِ خلیل علیہ السّلام کو (تا حکم ممانعت) دعائے مغفرت پر مجبور کیا۔ اشرارِ بنی اسرائیل سارے کے سارے خالص اولادِ انبیاء تھے اور انبیاء بنی اسرائیل کو اُن سے محبت ہوگی، لیکن کسی شریعت نے نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ سے محبت کرنے والوں کے لیے ان کے قرابت داروں سے مودّت رکھنے کو شرط نہیں قرار دیا، کیوں کہ اگر ایسا کیا جاتا، تو کنعان و آزر و اشرارِ بنی اسرائیل کی مودّت بھی ضروری قرار پا جاتی۔ اقرباء کی محبت من حیث قرابت، بشری محبت ہے، دینی مودّت نہیں۔ بشری محبت کے لیے کوئی مکلّف نہیں، مگر دینی مودّت کے لیے مکلّف ہے (جس کا عمل سے اظہار ضروری ہے، زبانی نہیں) پس جس چیز کا انسان مکلّف نہیں، وہ اجرِ تبلیغ کیا بن سکتی ہے۔

دراصل ان دونوں محبتوں کے عدمِ تمیز نے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈال رکھا ہے۔ اگر نبی کو اپنے کسی قرابت دارِ صالح سے محبت ہو، تو اُمّت کے لیے وہ محبت ضروری ہے، جو علیٰ سبیل الصّلاحیت ہو اور جتنی مودّت کا تعلق نبی کو اس صالح سے علیٰ سبیل القرابت ہے، نہ اُمّت کو اُس سے تعلق ہے، نہ وہ اجرِ تبلیغ ہے۔ اُمّت کو اس سے تعلق صرف اتنا ہے کہ اپنے اقرباء سے محبت کے برتاؤ کا طریقہ سیکھے۔ بس رسولِ اکرمؐ کو "دینی اور نبوی محبت" اپنی ساری اُمّت سے (علیٰ حسب الصّلاحیت) تھی۔ اس عمومِ رحمت میں کسی قسم کی قرابت مندانہ تخصیص کرنا اور کسی کو اس سے خارج کرنے میں عدمِ قرابت کو دخیل ماننا اور نبوی و دینی محبت کو بشری اُلفت بتانا اور پھر بشری مودّت کو اجرِ تبلیغ قرار دے کر بے معنی تفاسیر کرنا دراصل تبلیغِ رسالت پر ایک اتہام ہے اور یہ ان تنگ نظروں کا کام ہے، جو پیغمبرانہ رحمتِ عامہ کو چند افراد میں محدود کرنے کے متمنّی ہیں۔ ان پُرخبط و بے ربط تفاسیر و ہفوات کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ چند مخصوص بزرگوں کی نام نہاد مودّت کو بنیاد قائم کر کے اس پر تمام فدائیانِ رسولؐ کے بغض و عناد کی نامراد عمارت کھڑی کی جا سکے اور انھیں ہدفِ ملامت بنانے کے لیے یہی "آیتِ مودّت فی القربیٰ" آڑ بن سکے۔ مگر غلط و بے بنیاد تفسیریں کب تک چل سکیں گی؟

قرآن کی تعلیمات اور طرقِ تفہیم پر غور کرو، تو صاف نظر آجائے گا کہ اس نے ابولہب، کنعان، آزر، اشرارِ بنی اسرائیل کے تذکرے ذم کے ساتھ اسی لیے کیے ہیں کہ کہیں انبیاء کی محبت سے اُن کے نالائق

قرابت داروں کی مودت پیدا ہو کر کفر تک پہنچانے والی نہ ہو جائے۔ فرعون جیسے محسن موسیٰؑ کے تذکرے اسی لیے سنائے کہ نبی کے حق میں محسن یا محب ہونا بھی نالائقوں کی الفت کا سبب نہیں ہو سکتا، چہ جائے کہ محض قرابت۔

ایمان وعمل کی رفعت اگر کوئی صالح ہو یا طالبِ اصلاح ہو، تو وہ صالحین سے خود ہی محبت کرے گا۔ رشتے ناطے کو تو اس میں دخل ہی نہیں۔ نبی اکرمؐ کے جو صالح قرابت دار ہیں، ان کی مودت کے لیے ان کی صلاحیت وصحبت کیا کم ہے، جو قرابت کو بھی اس مودت میں دخیل ماننے کی ضرورت ہو۔ ایمان وعمل کے ساتھ فیضِ صحبت رسولؐ خود وہ شرف ہے، جس کی تجلی بلکہ اس تجلی کا تصور بھی دخیلِ قرابت کو پہلے ہی جلا کر خاکستر کر چکتا ہے۔ اگر قرابت ہو، تو کوئی مزید شرف نہیں پیدا ہوتا اور اگر نہ ہو، تو کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ ایک شخص جو ایم اے پاس کر چکا ہو، اس کے متعلق یہ بیان کرنا کہ اس نے پہلی جماعت بھی پاس کی ہے، قطعاً کوئی فضل نہیں۔ اگر یہ کہا جائے، تو کوئی شرف نہیں اور نہ کہا جائے، تو کوئی نقص نہیں، کیوں کہ اعلیٰ ترین جماعت میں کام یاب ہو چکنے کے بعد ہر شخص قابلِ قدر ہے، خواہ اُس نے درجۂ اوّل میں پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔ اعلیٰ ترین جماعت میں کام یابی حاصل کرنے کے بعد یہ سوال اور یہ ذکر ہی فضول اور لاشئے ہو جاتا ہے۔ پس جو جاں نثارانِ رسولؐ سخت سے سخت اور اعلیٰ سے اعلیٰ امتحان میں کام یاب ہو چکے ہیں، وہ رشتے ناطے کے جھگڑوں کو بہت پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ چکے ہیں، جہاں پہنچ کر اُن کے لیے قرابت وعدم قرابت کا سوال وذکر مٹ کر فنا ہو چکا ہے۔ یہاں صرف مراتب صلاحیت کا (جو صرف ایمان وعمل ہی کا نتیجہ ہے) سوال رہ جاتا ہے اور بس ـــــــ

مگر اف رے سبائی پروپیگنڈا ـــــ اس لاشئے اور ناقابلِ ذکر مُردے میں فانی جان ڈالنے کے لیے (تاکہ افتراق بین المسلمین کا مقصد حاصل ہو سکے) کیا کیا نا کام حربے استعمال کیے گئے۔ کبھی آیۂ تطہیر کا مورد چند قرابت دارانِ رسولؐ کو بتا کر حقیقی مورد (ازواجِ مطہرات) کو خارج کرنے کی نامراد سعی کی اور کبھی اس کی تائید کے لیے "حدیثِ کساء" گھڑ لی۔ کہیں خلافتِ نبویؐ کے لیے صلاحیت کی بجائے قرابت کو ضروری قرار دیا اور کہیں اپنی جماعت کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے صالحین خلفاء کی تنقیصوں اور تبرا بازیوں کو عبادت بنا ڈالا۔ غرض قرآنی تعلیم اور اسلامی روح کی ہر ممکن مخالفت کی ـــــ لیکن قبائے سبائیت کی بکھری ہوئی بوسیدہ دھجیاں کبھی جامۂ قرآن کا پیوند نہیں بن سکتیں ـــــ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ (حٰم ع ۵)

غیر صالح کی مودّت اور اس کی غرض | حد تو یہ ہے کہ اس یہودیت نواز سبائی جماعت کے اس جرم کو بعض لوگ فقط قرابت داران رسولؐ کے زبانی ادعاء محبت کے پردے سے ڈھانکنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مجھ سے خود ایک صحیح الخیال دوست نے فرمایا کہ "ہاں یہ جماعت ہے تو بہت ہی واہیات، مگر یہ لوگ محبِ اقربائے رسولؐ ضرور ہیں"۔ میں نے عرض کیا کہ انبیاء کی محبت، اولیاء کی محبت سے زیادہ ضروری و اولیٰ ہے۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ یہود و نصاریٰ سے محبت و مودّت رکھیں، کیوں کہ اگرچہ یہ لوگ بہت واہیات ہیں، لیکن یہود حضرت عزیرؑ کے اور نصاریٰ حضرت مسیحؑ کے محب ضرور ہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایک نبیؐ آخر الزمان کے سوا باقی سارے پیغمبروں کے محب ہیں" ــــــ آپ نے دیکھا؟ یہ ہیں قرابت پرستی کے نتائج۔ جس میں غرض صرف یہ پنہاں ہے کہ جب صلاحیت کی وقعت مٹ جائے گی اور قرابت اس کی جگہ لے لے گی، تو صرف زبانی ادعائے مودّت کافی متصوّر ہوگی اور دنیائے محبت و ایمان میں ہماری کوتاہیٔ عمل، ترکِ عمل اور آزادیٔ عمل کوئی عیب نہ رہے گی۔

صاف معنیٰ اور واضح تمثیلیں | آیت مودّت فی القربیٰ کا یہ ترجمہ کرنے میں کہ "تم میرے اقرباء کی محبت کو اجرِ تبلیغ سمجھو" بس صرف یہی راز ہے، ورنہ معنیٰ صاف ہیں کہ تم اپنی اپنی قرابت کا حقِ مودّت ادا کرو۔ جس کا سب سے بڑا جزو ہدایت و اصلاح اور انذار و تبشیر[1] ہے اور اعانت و دستگیری ہے ــــــ مکّے میں صرف قبولِ تبلیغ کی دعوت تھی اور اسی قبول کو اجر قرار دیا گیا تھا۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا۔ (فرقان ع ۵) یعنی، میں تم سے بجز اس انسان کے، جو میری تبلیغ کے ذریعے خدا کا راستہ چاہے اور کوئی معاضۂ تبلیغ نہیں چاہتا ــــــ یہ روزمرّہ کی باتیں ہم تم بھی کرتے ہیں۔ کسی دوست کے پاس کوئی تحفہ لے جاؤ اور وہ اس کے دام ادا کرنے کے ارادے سے پوچھے کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ اور تم دام لینا نہ پسند کرتے ہو، تو یہی جواب دیتے ہو کہ اس کی قیمت ہے قبول کر لینا۔ اگر سن رسیدہ والدین کو خدا اولاد دے، تو اپنی آئندہ زندگی میں توقعِ نفع رکھے بغیر وہ دونوں مل کر تربیت و پرورش کا ہر ممکن سامان کرتے ہیں۔ اجر ملنے کے نہ وہ متوقع ہوتے ہیں نہ خواہش مند۔ وہ اس پرورش ہی کو اجر سمجھتے ہیں۔ ہمارا روحانی مربیؐ (جس پر ماں باپ قربان ہوں) اسی چیز کو فرماتا ہے: ما سألتکم من اجر فھو لکم (سبا۔ ع ۶) میں جو کچھ چاہتا ہوں، وہ تمھارے ہی لیے ہے۔

---

[1] ڈرانا، خوش خبری دینا۔

آیت کی اصلی رُوح | یہ مکی زندگی کا اعلان تھا، جو بہت حد تک صرف تبلیغی دَور تھا۔ پھر مدینہ پاک میں آکر ان لوگوں سے جو قبولِ دعوت کرکے مذکورہ دونوں آیتوں کے مصداق بن چکے تھے، یُوں فرما دیا کہ میں اب بھی کسی اجر کا طالب نہیں۔ نہ اپنے لیے نہ اپنے قرابت داروں کے لیے۔ اگر تمھیں یہ خیال ہو کہ ہم حضورؐ کا احسان ادا ہی نہیں کر سکتے، مگر حضورؐ کے اقرباء کے ساتھ کوئی سلوک کریں، تو سُن لو کہ میں اس کا بھی طالب نہیں۔ تم اپنے ہی اقرباء کے حقوقِ مودّت ادا کرو۔ یہی میرا اجر ہے اور یہ تم پر واجب بھی ہے۔ تمھاری قومی تنظیم بھی اسی میں مضمر ہے (مدینہ پاک میں آکر جس کا باقاعدہ آغاز کیا گیا)۔ —— اور انبیاء نے تو صرف اپنے ہی اجرِ تبلیغ کی نفی فرمائی تھی، لیکن خاتم المرسلینؐ نے اپنی اور اپنے ساتھ اپنے اقرباء کے لیے بھی اجرِ تبلیغ کی کامل نفی فرما کر اس وہم کو ہمیشہ کے لیے دُور کر دیا کہ نبی اپنی یا اپنے اقرباء کی تعمیر کے لیے تبلیغ دین کرتا ہے۔ سیدالمرسلینؐ کا کمال یہی تھا کہ اپنے صالح اقرباء کو قرابتی مودّت سے بے نیاز کرکے ایسا صالح بنا دیا ہے کہ ان کی صلاحیت خود اُن کو محبوب و مودود بنا دے اور اس محبوبیت کو قرابت جیسی کمزور بنیاد کی ہوا بھی نہ لگے —— الغرض دراصل آیت مودّت فی القربیٰ سبائی تفسیر کی تردید کے لیے نازل ہوئی ہے۔ ہاں اُمت کے حقوقِ قرابت کی طرف دینی و دنیوی حیثیت سے توجہ دلا دی ہے اور اسی تبلیغی کامیابی کو عین اپنا اجرِ تبلیغ قرار دے دیا ہے۔ فداہ ابی و امی —— اور اُمت اس سے جو کچھ منافع دارین حاصل کرے۔ اسی کو اپنا اجر بنایا ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

"مساوات"

ترجمہ و تلخیص

رُوح فلسفہ فیثا غورث

(از "رہبر نثرادِ نو" نگارش ح کاظم زادہ مطبوعہ برلن)

حکیم فیثا غورث کے شاگرد "لیزلس" نے خلاصہ فلسفہ فیثا غورث کو "اشعارِ زریں" کے عنوان سے جمع کیا ہے۔ "حیاروکلس" نے یونانی میں ان اشعار کی تفسیر کی ہے، اس کا ترجمہ متعدد یورپی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ترجمہ ذیل "فابر دو میوہ" رکن اکادمی فرانس کی شرح و ترجمۂ منثور سے لیا گیا ہے، شارح مذکور لکھتا ہے، قدما، ہر زیبا اور بے عیب چیز کو زر سے تشبیہ دیا کرتے تھے، جیسے کہ "عصر زریں" اچھے زمانے کو، "اشعار زریں" ایسے اشعار کو کہتے تھے جو پاکیزہ ترین عقاید پر مشتمل ہوں۔ ان اشعار کا مصنف "لیزلیس" ہے، لیکن یقین کیا گیا ہے کہ "لیزلیس" نے ان میں وہی خیالات نظم کئے ہیں جو اُس نے اپنے اُستاد فیثا غورث کی زبان سے سنے۔

فیثا غورث کی موت کے بعد اس کے دشمنوں نے اس کے بہت سے پیروؤں کو قتل کیا اور مدرسہ فیثا غورث کو آگ لگا دی۔ کئی اسی میں جل کر راکھ ہو گئے۔ بعض معبد "موز" میں بھوکے مر گئے۔ خوش قسمتی سے "لیزلیس" بچ گیا، اس نے یونان میں آ کر اپنے اُستاد کے فلسفہ کو سُوءِ تاویل سے بچانے کے لیے اس کی حکمت عملی کے عمدہ قواعد اور اخلاقی اصول کا دستور نامہ ترتیب دیا۔ یہ "اشعار زریں" اس غور کا نتیجہ اور زمانہ قدیم کے بزرگ حکیم کا بہترین ورثہ ہیں۔

"حیہ روکلس" ان اشعار کا شارح کہتا ہے کہ یہ کسی خاص شخص کے احساسات نہیں ہیں بلکہ فیثا غورث سے نسبت رکھنے والی تمام جماعتوں اور انجمنوں کے عقاید کا عطر مجموعہ ہیں۔ اس زمانے میں یہ قانون تھا کہ رات کو سوتے اور صبح کو اُٹھتے وقت ان اشعار کی تلاوت کی جاتی تھی۔ حکیم جالینوس کی کتاب "تشخیص و علاج امراضِ رُوحی" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود صبح و شام ان کی تکرار و حفظ میں اہتمام کرتا تھا۔

ترجمہ منثور اشعار زریں

تزکیۂ نفس (۱) نیک فرزند، محب بھائی، ملائم شوہر اور اچھا باپ بن!

(۲) اپنی دوستی کے لئے ایسے شخص کو انتخاب کر جو فضیلت کا دلدادہ ہو، اس کی شیریں نصیحتوں پر عمل کر، اس کی زندگی سے اپنی تربیت کر، معمولی خطا پر اس سے قطع تعلق نہ کر۔

(۳) تجھ کو اپنی دیوانہ خواہشوں کے مغلوب کرنے کی قدرت دی گئی ہے، پس ان کو مطیع رکھ۔

(۴) قناعت پسند، محنتی اور پاک دامن رہ اور غصے سے بچ۔

(۵) جلوت و خلوت ہر حال میں بدکاری سے پرہیز کر۔ بالخصوص اپنے احترام کی خود حفاظت کر۔

(۶) کسی وقت بھی غور و فکر سے پہلے بات نہ کر اور نہ کوئی کام شروع کر۔

(۷) صحیح عمل کرنے والا بن۔

(۸) یاد رکھ کہ ایک غالب طاقت انسان کو موت کے لئے مجبور کر دیتی ہے، دنیوی دولتیں اور افتخار جو آسانی سے حاصل ہوتے ہیں، آسانی ہی سے چھن جاتے ہیں۔

(۹) مقدر کے دکھوں کو برا نہ مان، ان کو برداشت کر اور بقدر امکان ان پر صابر و مطمئن رہنے کی کوشش کر۔ خدا عاقلوں کو ظالموں کے سپرد نہیں کرتا۔

(۱۰) حقیقت کی طرح خطا بھی امکانات و مؤیدات سے خالی نہیں۔ مرد فلسفی ہر چیز کی تائید یا تردید احتیاط سے کرتا ہے اور اگر خطا کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو مصروف کار رکھتا ہے اور منتظر رہتا ہے۔

(۱۱) سن اور میری باتوں کو اپنے دل میں اچھی طرح کندہ کر، اپنی آنکھ اور کان کو ظنیات سے بچا، دوسروں کی تقلید سے پرہیز کر، اپنی قوت سے غور کر، مشورے سے فائدہ اٹھا لیکن آزادانہ عمل کر۔

(۱۲) دیوانوں کو بغیر کسی وجہ اور مقصد کے حرکت کرنے کے لیے چھوڑ دے۔

(۱۳) تجھ کو آئینے میں مستقبل کا جلوہ دیکھنا چاہئے۔

(۱۴) جس بات کو تو نہیں جانتا اس کے جاننے کا ہرگز دعویٰ نہ کر۔

(۱۵) علم سیکھ! ہر چیز استقامت اور وقت سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱۶) اپنی صحت کا خیال رکھ، بدن کو اعتدال کے ساتھ غذا اور روح کو آرام پہنچا۔

(۱۷) اندازے سے زیادہ یا کم کام کرنے سے پرہیز کر، کیوں کہ افراط و تفریط ہوس سے خالی نہیں۔

(۱۸) اسراف اور بخل کے نتائج بھی اچھے نہیں۔

(۱۹) ہر امر میں میانہ روی کی بہترین صفت اختیار کر۔

تکمیل نفس | (۲۰) جب تو جاگے پورے حکموں سے غور کر اور دیکھ کہ کون کون کام ناتمام رہ گئے ہیں جن کی تکمیل لازمی ہے۔

(۲۱) نیند تیری پلکوں کو ہرگز بند نہ کرے جب تک تو اپنے آپ سے نہ پوچھ لے،
"کس کام کو مَیں بھول گیا ہوں اور کونسا کام بجالایا ہوں" جو کچھ تو نے کیا ہے، اگر وہ بڑا کام ہے تو آیندہ اس سے پرہیز کر اور اگر اچھا ہے تو اس کی عادت پیدا کر۔

(۲۲) میری نصیحتوں سے لذت گیر ہو، ان کی قدر کر اور ان سب کی پیروی کر، یہ تجھے خدا کے فضائل کی طرف رہنمائی کریں گی۔

(۲۳) مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ "تین[1] مقدسوں" نے جو عظیم اور پاک نشان، منبع طبیعت اور دیوتاؤں کی مانند ہیں، ہمارے دلوں میں کندہ کر دیا ہے کہ

(۲۴) ہر کام سے پہلے، ادائے فرض کے وقت تیری روح کو چاہئے، پوری دل گرمی سے خدا کے حضور مناجات کرے کیوں کہ اسی کی مدد ان کاموں کو انجام تک پہنچا سکتی ہے جو تُو نے شروع کئے ہیں۔

(۲۵) جونہی کہ تو خدا کی مدد سے صاحب معرفت ہُوا کوئی چیز تجھ کو فریب نہیں دے سکے گی تو تمام موجودات مختلفہ کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا اور سب کے آغاز و انجام کو پہچان لے گا۔

(۲۶) انشاءاللہ تو جان لے گا کہ طبیعت جو ہر چیز میں ایک ہی ہے، ہر مکان میں بھی وہی ہے، اس طرح تو اپنے اصلی حقوق سے آشنا ہو جائے گا اور تیرا دل بے ہُودہ خواہشوں سے غذا حاصل نہیں کرے گا۔

(۲۷) تُو دیکھے گا کہ جو دُکھ لوگوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں ان کے اپنے انتخاب کا پھل ہیں۔
اور یہ بدبخت ان نعمتوں کی تلاش میں حیراں و سرگرداں ہیں جن کا سرچشمہ ان کے اندر ہے۔

(۲۸) بہت کم لوگ ہیں جو خوش بختی کی راہ پہچانتے ہیں، ہوا و ہوس کا کھلونا بن کر بار بار متخالف موجوں کے تھپیڑے سہتے ہیں اور بے کنارہ سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں اور طوفان میں گھرے ہوئے اندھوں کی طرح نہ اس کی رَو میں بہ سکتے ہیں نہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ (۲۹) اے خدا! تو ان کی آنکھوں کو روشنی بخش کر نجات دے سکتا ہے۔ (۳۰) لیکن نہیں، یہ انسانوں کے اپنے اختیار میں ہے کہ خطا کو پرکھیں اور حقیقت کو دیکھیں کیوں کہ ان کی اصل خدائی اصل ہے (۳۱) نیچر ان کی خادم ہے۔

(۳۲) اے مرد عاقل و خوش قسمت! تو جس کو اس نیچر میں نفوذ کی قوت حاصل ہو چکی ہے، نجات کے ساحل پر سانس لے (۳۳) ہاں میرے ان حکموں پر عمل کر، اور ان چیزوں سے بچ جن سے تیری روح ڈرتی ہے، ان کو خوب پرکھ اور عقل کو اپنے بدن میں حکومت کرنے دے، یہاں تک کہ تو چمکتے ہوئے آسمان کی فضا میں پرواز کرے اور ہمیشہ زندہ رہنے والوں کی گود میں تو بھی ایک دیوتا بن جائے۔

---

[1] اس سے مراد ہو، قوت احساس، قوت ادراک اور قوت امر جو بہ ترتیب بدن، نفس، ناطقہ اور روح سے متعلق ہیں۔

مقصودِ اقبالؒ

کہا اقبالؔ سے اِک ہمنشیں نے — سخن تیرا شرابِ آتشیں ہے
کچھ اس انداز سے گرما دیے دِل — کہ اب تسکین ممکن ہی نہیں ہے
حرارت ہے ترے سوزِ نوا کی — کہ بجلی سی دلوں میں جاگزیں ہے
کلامِ شاعراں پروردۂ عصر — مگر تیرا سخن عصر آفریں ہے
اثر میں ہے یہ صُورِ محشر انگیز — کشش میں نغمۂ خلدِ بریں ہے
بدل ڈالا مذاق اس نے ہمارا — دِل اب طرزِ کہن پر نکتہ چیں ہے

تیرے اشعار پڑھ کر اب نظر میں
کسی کی شاعری جچتی نہیں ہے

یہ سُن کر حضرتِ اقبال بولے — فقط لطفِ سخن کافی نہیں ہے
زمینِ شعر ہی میں گُم نہ ہو جا — فلک وہ ڈھونڈ جس کی یہ زمیں ہے
مری فکرِ فلک پیما کی پرواز — ادب پروردۂ روح الامیں ہے
فروغِ عشق و سوزِ آرزو سے — سخن میرا تب و تاب آفریں ہے
مگر میرے سخن کی روشنی بھی — "چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے"
مرے اشعار میں پھنس کر نہ رہ جا — اگر تو سالکِ راہِ یقیں ہے
تری نظروں میں ہیں میری تصانیف — مری نظروں میں قرآنِ مُبیں ہے
گزر جانا مری بزمِ سخن سے — رہِ قرآں میں گامِ اولیں ہے
جو تُو اس طرح قرآں تک پہنچ جائے — تو حاصل دولتِ دُنیا و دیں ہے

محیطِ کائناتِ دل ہے قرآں
نظر کی آخری منزل ہے قرآں

اسد ملتانی

بیان

(خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر، بی اے)

قول | پہلے ہوش، قول منہ سے نکلے یعنی پیچھے، ارشاد الٰہی ہے کہ

والذین یؤمنون بما انزل الیک ما انزل من قبلک" ½	اور وہ لوگ جو متقی ہیں، یقین کرتے ہیں اس پر جو تجھ پر نازل ہوا اور اس پر جو تجھ سے پیشتر نازل ہو چکا ہے، کہ حق ہے۔

قرآن عظیم کتب سابقہ کی تصدیق فرماتا ہے، لیکن اسی حد تک جس حد تک "ما انزل اللہ" ہے۔

"ما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل الکتب لا ریب فیہ من رب العلمین" ½	یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور بنا سکے۔ جو کچھ ان کے ہاتھوں میں (کتب مقدسہ) ہے، اس کی تصدیق فرماتا ہے اور اس کتاب (فطرت) کی تفصیل ہے، جس میں شک و ریب نہیں کہ جہانوں کے پروردگار کی تصنیف ہے۔

اس لئے نکوں کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان تمام صحف انبیاء و رسل پر ایمان لائیں، جو آں حضرتؐ سے پیشتر نازل ہو چکے تھے اور قوموں کے ہاتھوں میں ہیں۔ یہ خیال کہ کتب سابقہ منسوخ ہو چکی ہیں، گمراہ کن ہے، کلام الٰہی کبھی منسوخ نہیں ہوتا۔ قرآن عظیم نے صحیفہ فطرت میعار صداقت قرار دیا ہے "لا ریب فیہ" اور یہی ایک واحد میعار صداقت ہے۔ اس پر کھرے کھوٹے کا امتیاز بخوبی ہوتا ہے۔ اگر کوئی میعار نہ ہو، تو ہر ایک شخص جھوٹ کو بھی سچ بنا سکتا ہے۔ کتب سابقہ میں اکثر باتیں ایسی بھی ہیں، جن کی قرآن تصدیق نہیں فرماتا اصل میں یہ وقتی احکام ہیں، جو ان ایام کے مناسب انبیاء و رسل نے اجتہاداً وضع کیے، جیسے مسلمانوں کے ہاں احادیث نبوی ہیں، جن کا اکثر حصہ وقتی اجتہاد ہے۔ اور یہ امر خاص توجہ کے لائق ہے کہ آں حضرتؐ کے ارشاد کے مطابق احادیث آں حضرتؐ اور زمانہ مابعد میں عرصہ تک قلم بند نہیں ہوئیں۔ آں حضرتؐ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ پہلی قوموں نے انبیاء و رسل کا اجتہادی کلام اصل کتاب الٰہی میں شامل کر لیا ہے، چنانچہ توریت و انجیل کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو سکتا ہے۔ ان کتابوں میں وہ واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں، جن کا تعلق کم و بیش اس کلام سے ہے، جو انبیاء و رسل سے منسوب ہیں، مثلاً حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کب

اور کن حالات میں پیدا ہوئے اور کہاں کہاں گئے اور کن کن سے بات چیت ہوئی اور کیا نتیجہ نکلا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص تاریخی واقعات لکھ رہا ہے اور ضمناً ان کا کلام بھی منقول ہے۔ یہ واقعات خواہ کیسے ہی صحیح ہوں، لیکن کلام الٰہی نہیں ہو سکتے۔ جو ان رسولوں پر نازل ہوا، قرآن بھی ان میں سے بعض واقعات کی تصدیق کرتا ہے۔ ان کی صحت پر بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس نہج سے ان کتابوں میں مذکور ہیں، کیا کلام الٰہی ہو سکتے ہیں؟ قرآن ان واقعات اور ان واقعات کی طرف، جو خود آں حضرت کی زندگی میں رونما ہوئے، اشارہ کرتا ہے اور ان سے غرض محض تذکر و عبرت و تدبر و تفکر کے لیے مصالحہ بہم پہنچانا ہے۔ توریت و انجیل میں ان واقعات کو خود حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ نے قلم بند نہیں کیا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ان واقعات کے متعلق احادیث روایت ہوتی چلی آتی تھیں، ان کو بھی اصل کتاب میں مناسب مقامات پر لکھا گیا۔ اہم سابقہ کی یہ ایک خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہر ایک روایت کو، جو کسی واقعہ کے متعلق ہو، راویوں کے نام کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث نبوی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، جو آں حضرتؐ کے صحابی تھے۔ ایک صدی بعد کسی شخص مثلاً امام بخاریؒ نے اسے قلم بند کیا۔ اس صدی میں جتنے راوی اس حدیث کو زبانی نقل کرتے رہے اور جن سے آخر امام بخاریؒ کو یہ حدیث ملی، اس کا نام صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ یہ صرف احادیث کی کیفیت نہیں، بلکہ تمام کتب تاریخ میں یہی اصل اصول مد نظر ہے، چنانچہ طبری اور ابن اثیر میں بھی کیفیت ہے۔ مورخین کسی واقعہ کو قلم بند کرتے ہوئے ان راویوں کا نام بھی لکھتے ہیں، جن سے یہ واقعہ مروی ہے اور پہلا راوی وہ ہونا چاہیے، جس کی چشم دید شہادت ہے۔ ان روایات کو زبانی بیان کرتے وقت تمام راویوں کا نام سلسلہ وار بیان کرنا تضیع اوقات ہے۔ اس لیے کسی حدیث کا حوالہ دیتے وقت اتنا کہنا کافی ہے کہ فلاں حدیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ یہی کیفیت انجیل کی ہے۔ اس میں روایات حسب روایت مقدس متی وغیرہ کسی زمانہ میں کسی بزرگ نے قلم بند کیں، چنانچہ "انجیل" حسب روایت مقدس لوقا" کے شروع میں لکھا ہے کہ

"اکثر اشخاص نے اس امر کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے کہ ان باتوں کو جن پر ہمارا ایمان ہے، مسلسل ترتیب دیں اور اس طرح دیں، جس طرح ان حضرات سے جو کلام کے عینی شاہد ہیں، ہم تک روایت ہوتی آئی ہیں۔ مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہوا کہ چوں کہ شروع سے مجھے اس کا فہم کامل حاصل ہے، ان کو تیرے لیے تھیوفیلس قلم بند کروں، تاکہ تجھے بھی ان باتوں پر یقین ہو، جن کی تعلیم تجھے مل چکی ہے" (لوقا باب ۱)

"اعمال الرسل" کا مؤلف بھی غالباً یہی شخص ہے، جس سے انجیل حسب روایات مقدس لوقا قلم بند کی، کیونکہ کتاب کے شروع میں اس رسالہ کا حوالہ دیا ہے، جس کو انجیل سے موضوع کیا گیا ہے۔ اعمال الرسل میں پولوس رسول کے کارناموں کا تذکرہ ہے۔

توریت کی کیفیت انجیل سے کچھ مختلف ہے۔ توریت کی داخلی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ احکام شریعت اور کلام اللہ جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا، قلم بند کیا جاتا اور ان کو روایات پر نہیں چھوڑا گیا، جیسا کہ قرآن کی کیفیت ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث ہم مناسب مقام پر کریں گے۔ اس مقام پر اتنا ہی واضح کرنا مقصود ہے کہ کلام اللہ اور کلام بشر ہیں خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو، امتیاز لازمی ہے، اس لیے ہمیں "ما انزل اللہ" پر ایمان لانا چاہیے، خواہ وہ کہیں ہو۔ یہ شان ایک مسلم کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے، اس لیے اس کا ایمان کلام اللہ ہے۔ اہل توریت انجیل کا اور اہل انجیل قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان کا ایمان اللہ پر نہیں ہے، اگر اللہ پر ہوتا، تو اس کے کلام پر ہوتا، خواہ وہ کہیں ہو اور کسی زبان میں ہو، ان کا ایمان تو اپنی اپنی قومیت اور شخصیت پر ہے اور ان سے باہر وہ کلام اللہ کو معدوم سمجھتے ہیں۔ "قالوا نؤمن بما انزل علینا ویکفرون بما وراءہ وھو الحق مصدقاً لما معھم" ؁

قرآن میں بالخصوص اس امر کا مذکور ہے کہ "وما انزل من قبلك" یعنی، جو تجھ سے پہلے نازل ہو چکا ہے لیکن "وما ینزل من بعدك" کا کہیں مذکور نہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ توریت و انجیل و دیگر صحف انبیاء و رسل پر ایمان لانا لازم ہے، لیکن قرآن خاتم الکتب ہے۔ اس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہ ہوگی۔ رسول کریم کے بعد مدعیان نبوت و رسالت انھی معنوں میں پیدا ہوتے رہے، جو لسان مذہب میں معروف ہے۔ ان کے متبعین "وبالآخرۃ ھم یوقنون" (اور آخرت کے ساتھ بھی یقین رکھتے ہیں) سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ آیت "وما انزل من قبلك" کے ساتھ واقع ہوئی ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو تجھ سے پہلے نازل ہوا اور جو تیرے بعد نازل ہوگا، متقی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا اس کے صحیح مفہوم سے بعید تر قیاس ہے۔ یہ قرآن عظیم کی بے نظیر بلاغت ہے کہ وہ کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کرتا، جس سے اس قسم کی قیاس آرائی کی گنجائش ہے۔ لفظ "قبل" ضد ہے "بعد" کی اور لفظ "آخر" ضد ہے "اولیٰ" کی۔ ان الفاظ کا استعمال واضح کرنے کے لیے ہم چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

قل فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل | کہو کہ (قرآن کے نزول سے، جو توریت و انجیل کی تصدیق کرتا ہے) پہلے تم اللہ

ان کنتم مومنین ولقد جآءکم موسیٰ بالبیّنٰت ثم اتخذ تم العجل من بعدہٖ" ۱/۱۱	کے نبیوں کو قتل کیوں کرتے رہے، جبکہ تمھیں ادعائے ایمان ہے اور موسیٰ تمھارے پاس آیات بیّنات لے کر آیا، تو تم نے اس کے پیچھے (عدم موجودگی میں) بچھڑا معبود بنالیا۔
"قالوا اوذینا من قبل ان یاتینا ومن بعد ما جئتنا" ۹/۷	(بنی اسرائیل نے موسیٰ کو) کہا کہ تیرے آنے سے پہلے بھی ہم تکلیف میں تھے اور اس کے بعد بھی کہ تو ہم میں آچکا۔
"او تقولوا انما اشرک اباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدھم" ۹/۱۲	کبھی کہو کہ شرک کے مرتکب تو ہوئے پہلے ہمارے باپ دادے اور ہم ہوئے، ان کے بعد ان کی اولاد۔
"ولله الامر من قبل ومن بعد" ۴/۳۰	اور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں کام پہلے اور پیچھے۔
"قد جآءکم یوسف من قبل۔۔۔۔ قلتم لن یبعث الله من بعدہٖ" ۳۴/۴۰	البتہ پہلے تمھارے پاس یوسف آچکا ہے۔ ۔ ۔ تم نے کہا کہ اس کے بعد اللہ کوئی مبعوث نہ فرمائے گا۔
"فاخذہ الله نکال الاٰخرۃ والاولیٰ" ۲۵/۷۹	تو اللہ نے (فرعون کو) پچھلی اور پہلی (بداعمالی کی) سزا میں ماخوذ کیا۔
"وان لنا للاٰخرۃ والاولیٰ" ۱۳/۹۲	اور ہمارے ہاتھ ہے پچھلے اور پہلے۔
"وللاٰخرۃ خیر لک من الاولیٰ" ۴/۹۳	تیرے لیے پچھلا پہلے سے بہتر ہے۔

ان آیات سے واضح ہوگا کہ قرآن لفظ "قبل" کا استعمال "بعد" اور "آخرۃ" کا استعمال "اولیٰ" کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ عجمی ذہنیت اور عجمی محاورہ ہے کہ آخرت کو ان معنوں میں سمجھا جاتا ہے، جو قرآن کی آیات سے بعید تر ہے۔

آیت "وما انزل من قبلک" کی تشریح دیگر آیات سے بھی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو ۵/۱۲ ۱/۱۴

یہ دعویٰ کہ قرآن میں آں حضرتؐ کے بعد کسی رسول یا نبی کی بعثت اور کلام اللہ کے نزول کی ایسی ہی پیشگوئی ہے، جیسا کہ توریت و انجیل میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد ایک رسول نبی کی آیات قرآن سے تو ثابت نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ عذر معقول ہے کہ چوں کہ آں حضرتؐ کے عہد میں ایسی کتاب اور ایسے رسول کی رسالت پر ایمان لانا، جو صدیوں بعد ہو، ان لوگوں کے لیے کچھ مفید نہ تھا، اس لیے قرآن میں اس کا کچھ مذکور نہیں۔ یہ کچھ بات وقیع ہے، لیکن اس کا جواب توریت اور انجیل موجود ہیں کہ ان لوگوں کا یہ یقین کرنا کہ موسیٰؑ کے بعد مثیل موسیٰؑ آئے گا اور عیسیٰؑ کا یہ بشارت دینا "روح حق" کا نزول میرے بعد ہوگا اور احمد مبعوث ہوگا، کیا مفید ہو سکتا ہے؟

چنانچہ قرآن میں بھی اہلِ کتاب کو بتایا گیا ہے کہ تم کتنی صدی سے "النبی" کا انتظار کر رہے تھے۔ اس یقین کے فائدہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مسیحؑ فرماتے ہیں کہ اب تم ان باتوں کی برداشت کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن جب احمد مبعوث ہوگا، تو تمھیں مفصل حالات اور آئندہ کی خبریں دے گا۔ ہم ضرور ایسے امر کا انتظار کرتے ہیں، جو ہمارے لیے مفید ہو اور جب کسی ایسے امر کا یقین ہی نہ ہو، تو انتظار کون کرے گا؟

اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ رسول اور نبی ہمیشہ آتے رہیں گے، یہ کس طرح ثابت ہوا کہ مدّعیان ضرور اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ یہ امر کہ وہ ملہم ہیں، اس دعویٰ کی دلیل نہیں، کیوں کہ الہام عام ہے اور ہر ایک شے کو الہام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے کلام فرماتا ہے، لیکن یہ الہام ہر ایک شے کے ذاتی فائدے کے لیے ہے، اگرچہ اس کا نفع اوروں کو بھی کم و بیش ملتا ہے۔ یہ بحث طویل ہے اور ہم نے لفظ "رسول" اور "نبی" کے تحت اس پر بحث کی ہے۔

قبل کا مفہوم ایسا امر ہے، جو کسی اور امر کے واقع ہونے سے پہلے واقع ہو چکا ہو:

"وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" ؎	اور اہلِ کتاب میں سے بعض البتہ مان لیں گے (کہ مسیح مصلوب و مقتول نہیں ہؤا) اپنی طبعی موت سے پہلے۔

اس آیت سے پیشتر اس امر کا مذکور ہے کہ یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ مسیحؑ صلیب پر فوت ہوگئے، محض ظنّی باتیں ہیں۔ ان کو اصل واقعہ کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔ یہ تو یقینی امر ہے کہ وہ مقتول نہیں ہوئے۔ جسے ایک یا دو چوروں کو آں حضرتؑ کے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا، مقتول ہوئے۔ رہا یہ امر کہ وہ اسی طرح زندہ تھے، جیسے ایک دو چور تھے، معقول ہے، لیکن چوروں کو تو اس لئے قتل کر دیا گیا کہ وہ بہ ظاہر زندہ تھے۔ مسیحؑ پر سکتہ طاری تھا۔ اور بہ ظاہر مُردہ تھے، اس لیے انھیں قتل نہ کیا گیا۔ یہ امر کہ آں حضرتؑ مقتول نہیں ہوئے۔ نصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے اور یہود بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ رہا یہ امر کہ آں حضرتؑ نے صلیب پر جان دی، مشتبہ ہے۔ جب واقعہ صلیب کے بعد آں حضرتؑ حواریوں سے ملے، تو اور ان میں چالیس دن رہے۔ تو واضح ہے کہ آں حضرتؑ جب صلیب سے اُتارے گئے، زندہ تھے اور زندہ رہے اور اپنی طبعی موت سے پہلے کبھی وصلیب پر جان دی اور نہ مقتول ہوئے۔

بعض مفسرین نے مسیحی عقیدہ کے زیرِ اثر بہت دُور از کار باتیں بنائی ہیں۔ انھوں نے پہلے ہی یہ قرار دے لیا ہے کہ مسیحؑ زندہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اس وقت اہلِ کتاب اگر سب کے سب نہیں، تو اکثر ایمان لے آئیں گے کہ فی الواقع مسیحؑ مصلوب و مقتول نہیں ہوئے۔

واقعہ صلیب انیس صدیوں سے پہلے کا ہے۔ یہ کیا دلیل ہے کہ مسیحؑ کی آمدِ ثانی تک انتظار کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ زندہ ہے۔ یہ واقعہ جیسے مشتبہ تھا، ویسے ہی مشتبہ ان نسلوں کے لیے رہا جو آمدِ ثانی سے پہلے گذر جائے گی۔ قرآن عظیم ایسی بے معنی باتیں نہیں بتلاتا۔ وہ علمی برہان پیش کرتا ہے کہ تم خود تسلیم کرتے ہو کہ ایسی مثال کوئی موجود نہیں کہ صلیب پر کوئی شخص چند گھنٹوں میں مر گیا ہو اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب صلیب پر مجرم نہیں مرتا تھا، تو اس کو ویسے قتل کر دیا جاتا اور یہ کہ مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد حواریوں سے ملے اور ان میں کم از کم چالیس روز رہے، تو ان کی وفات کی کون سی صورت تھی۔ قرآن کچھ اس سے بڑھ کر کچھ اور بیان کرتا ہے کہ آں حضرتؑ واقعہ صلیب کے بعد خاموش نہیں رہے اور اپنے منصبِ رسالت کو فراموش نہیں کیا۔ بلکہ ایک طائفہ بنی اسرائیل میں سے آں حضرتؑ پر ایمان لایا اور دوسرے طائفہ پر جو منکر رہا، غلبہ حاصل کیا (۲۸/۱۴)۔ اگر اس واقعہ کی تصدیق مسیحؑ کی آمدِ ثانی پر موقوف ہو، تو اہلِ کتاب میں سے نصاریٰ تو اب بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیحؑ زندہ ہے اور دوبارہ تشریف لائیں گے۔ آمدِ ثانی تو یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ آں حضرت مصلوب و مقتول نہیں ہوئے، جب تک کہ خود مسیحؑ یہ شہادت نہ دیں کہ میں واقع میں مصلوب و مقتول نہیں ہوا اور یہ شہادت تو آں حضرتؑ پہلے بھی دے چکے ہیں (مقدس یوحنا باب ۲۰۔ ۲۰/۲۱) اس آیت زیرِ بحث میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے جو معقول پسند ہیں، ضرور تسلیم کریں گے کہ مسیحؑ اپنی طبعی موت سے پہلے مصلوب و مقتول نہیں ہوا" یعنی اپنی طبعی موت سے ہی فوت ہوئے ہیں۔

قبلہ | اصطلاح میں قبلہ اُس جہت کو کہتے ہیں، جس سمت نماز میں نمازی کا رُخ ہو۔ رُخ بہرحال ایک نہ ایک طرف ضرور ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ کیوں نہ ایسی سمت ہو، جس سمت کی طرف کسی کا چہرہ ہو جائے۔ کیوں مشرق یا مغرب کی طرف لازماً ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"لیس البرّان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب" ۲/۱۷۷	اس میں تو کوئی خوبی نہیں کہ تم اپنا رُخ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف"

تمام سمتیں اللہ کی ہیں:

"و للہ المشرق والمغرب فاینما تولّوا فثم وجہ اللہ" ۲/۱۱۵	مشرق و مغرب تو اللہ ہی کا ہے، تم جس طرف بھی مُنہ کرو ادھر اللہ متوجہ ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ تمہاری تمام تر توجہ اللہ ہی کی طرف ہونی چاہیئے۔ اور اس قوم میں تمہارا رُخ خواہ کسی طرف ہو، ادھر اللہ ہی کو متوجہ پاؤ گے۔

"ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات این ما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا۔ ان اللہ علی کل شیٔ قدیر" ؁

اور ہر کوئی ایک نہ ایک سمت رُخ کرتا ہے، تم نیکیوں کا بڑھ کر استقبال کرو، تم جہاں کہیں بھی ہوگے، تمہاری جمعیت اللہ قائم کردے گا۔ اللہ ہر ایک شئے پر قادر ہے

کیسی عالی شان تعلیم ہے کہ ہر ایک فرقہ غلط فہمی سے یہ سمجھتا ہے کہ مشرق اور مغرب میں کچھ رکھا ہوا ہے۔ سورج کے طلوع و غروب ہونے کے مقامات ہیں، حالاں کہ یہ بھی غلط عقیدہ ہے۔ مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ تم نیکیوں کی طرف توجہ کرو اور نیکی میں سبقت لے جاؤ۔ ان نصوص کے ہوتے، جو قبلہ کے ضمن میں مذکور ہیں، یہ عقیدہ کہ جب تک مشرق و مغرب کی طرف قبلہ رُخ نماز نہ ہو، نماز ہی نہیں ہوتی، نہایت گمراہ کن اور باطل ہے اور ہرگز ہرگز قرآن کی تعلیم نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب تک تمام تر توجہ اللہ کی طرف نہ ہو، نماز ادا نہیں ہوتی۔ جو شخص بوقتِ صلوٰۃ قبلہ و کعبہ کو دیکھ رہا ہے، وہ انھی لوگوں کی طرح ہے، جو سمتوں کے پوجاری ہیں:

جلوہ بر من مفروش اے ملک الحاج کہ تو

خانہ می بینی و من خانہ خدا مے بینم

آیت پ۲ محولہ بالا میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اجتماعی زندگی پسندیدہ امر ہے اور "قبلہ" کا مقصود بھی یہی کچھ ہے کہ یک جہتی حاصل ہو۔ کسی جماعت میں یک جہتی مرکزی مقام کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، کیوں کہ وضع جہاں اسی طرح واقع ہوئی ہے، بلکہ کوئی نظام مرکزی مقام کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ سبق ہمیں صحیفہ فطرت سے مل رہا ہے۔ نظامِ شمسی پر نظر کرو، سورج اس کا مرکزی مقام ہے اور تمام سیارے اور ان کے چاند اسی سورج کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ اور خود یہ ہمارا سورج اپنے تمام سیاروں اور ان کے چاندوں کو لیے ہوئے ایک اور سورج کے گرد، جو ثریا میں چمک رہا ہے، چکر لگا رہا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے۔

ارضِ مصر میں بنی اسرائیل غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور جو کچھ غلامانہ ذہنیت کا خاصہ ہے، اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گھر میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور ایک دوسرے کا دشمن تھا۔ یہ لوگ صحیح معنی میں قوم بنیں، تو کیوں کر؟

"و اوحینا الی موسیٰ و اخیہ ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا و اجعلوا بیوتکم قبلۃ و اقیموا الصلوٰۃ" پ۱۱

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی (ہارون) کے دل میں ڈال دیا کہ وہ اپنی قوم کے گھروں کو شہر میں بنائیں اور اپنے گھروں کو قبلہ بنائیں اور نماز قائم رکھیں۔

بنی اسرائیل کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ اس تدبیر سے ان میں یک جہتی اجتماعی زندگی کے ساتھ پیدا ہو گئی۔ بنی اسرائیل بارہ قبائل تھے جب ارض موعود پر قابض ہو گئے، تو ایک عرصہ بعد اُن میں پھر پھوٹ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس وقت حضرت داؤدؑ ان پر حکمران تھے۔ انھیں بھی وہی "قبلہ" کی تدبیر سوجھی۔ "یروشلم" نہایت ہی پرانا شہر ہے جو شام میں ایک اونچی پہاڑی پر واقع تھا۔ اس جگہ قدیم زمانہ میں ایک معبد بھی تھا اور اسی وجہ سے اس کو "یروشلم" یعنی سلامتی کا شہر کہتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں اس جگہ ملک صدق حکمران تھا اور اس کے بعد حضرت موسیٰؑ سے ایک صدی پیشتر "عبد طلب" بادشاہ تھا۔ آثارِ قدیمہ نے ان حالات کا انکشاف کیا ہے۔ اسی جگہ حضرت داؤدؑ کا دارالحکومت تھا اور اسی پہاڑی پر بیت المقدس کا سنگِ بنیاد رکھا، لیکن اس کی تکمیل حضرت سلیمانؑ نے کی اور اسی لیے اسے سلیمانی ہیکل کہتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ یا حضرت سلیمانؑ نے "خدا کا گھر اور سلطنت کا مرکز" بنایا۔

"وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا لنعلم من يتبع الرسول فمن ينقلب علىٰ عقبيه" ۲/۱۴۳

اور یہ قبلہ جس پر تو تھا، ہم نے اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ ہم معلوم کر لیں کہ کون رسول (داؤدؑ یا سلیمانؑ) کا اتباع کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

یہ تدبیر کارگر ہوئی اور حضرت سلیمانؑ کا عہد نہایت شان و شوکت کے ساتھ گذر گیا، لیکن آپ کی وفات کے بعد بارہ قبائل نے بغاوت اختیار کی اور اپنا تعلق یروشلم سے منقطع کر لیا اور "سامریہ" میں اپنا دارالسلطنت قائم کیا اور یہاں اپنا علیحدہ قبلہ مقرر کیا۔ مسیحؑ کے زمانہ میں یہ دونوں معبد موجود تھے۔ ایک سامری عورت نے آں حضرتؑ سے دریافت کیا کہ جناب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ہیں، یہ تو بتاؤ کہ ہمارے آباؤ اجداد نے خدا کی پرستش اس پہاڑ پر کی اور (یہودی) کہتے ہو کہ یروشلم ہی وہ جگہ ہے، جہاں اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔" مسیحؑ نے جواب دیا کہ "اے عورت! میری بات کا یقین کر، وہ وقت آ رہا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر اور نہ یروشلم میں اپنے پروردگار کی عبادت کرو گے ۔۔۔ وہ وقت آ رہا ہے کہ اللہ کے سچے پرستار اس کی عبادت روح اور صداقت کے ساتھ کریں گے، کیوں کہ پروردگار ایسوں ہی کو پسند فرماتا ہے" (یوحنا باب ۴۔ ۲۴-۲۱) یہ ایک پیش گوئی تھی، جو من و عن پوری ہوئی اور اس کا علم عام اہل کتاب کو تھا۔ یروشلم کے ساتھ سامریہ بھی تباہ ہوا اور قبلہ وہی رہا، جو شروع سے مقرر ہو چکا تھا۔ اگر دیکھنا ہو کہ اللہ کے سچے پرستار کس طرح صلوٰۃ ادا کرتے ہیں، تو ان آیات کا مطالعہ کرو، جو اس بارہ میں قرآن میں آئی ہیں۔ مزید بحث لفظ "بیت" اور "مکہ" اور "بکہ" کے تحت ملاحظہ ہو۔

مسئلہ یہ کہ اکتسابی صفات، موروثی صفات میں کبھی تبدیل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک عرصہ تک بحث و تکرار کا بازار گرم رہا۔

جس وقت لامارک نے اکتسابی خصائص کی توریث کا نظریہ پیش کیا، اُس وقت تناسلی خلایا کسی حقیقت و ماہیت کا کوئی علم نہ تھا۔ ڈارون (Darwin) بھی اس نظریہ کا حامی تھا، مگر وہ اس دشواری سے بھی بے خبر نہ تھا کہ کس طرح اس نظریہ کو ایک حقیقت واقعہ ثابت کیا جائے؟ چنانچہ اُس نے اِس کی توضیح میں ایک عجیب و غریب نظریہ پیش کیا، جو بعد میں علمی انکشافات کی روشنی میں غلط ثابت ہُوا۔ اس نظریہ کو (Pangenesis) یعنی "اعضائی ذرّات" کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کا ماحصل یہ ہے کہ دورانِ زندگی میں جسم کے ہر ایک حصے سے ہر لحہ چھوٹے چھوٹے ذرّات (Gemmules) خارج ہوتے رہتے ہیں، جو خون کے ذریعے خصیوں (Testes) یا بیضہ دانوں (Ovaries) کے خلیوں میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ذرّات ان اعضاء کی مادی و معنوی خصوصیات کے نمایندہ ہوتے ہیں، جن سے وہ خارج ہوتے ہیں۔ جو ذرّات دماغ سے آتے ہیں، وہ دماغ کی کیفیات لاتے ہیں، جو معدے سے آتے ہیں، وہ اُسی کی کیفیات کے حامل ہوتے ہیں، جو آنکھ، ناک، کان سے آتے ہیں، وہ اِن ہی اعضاء کی خصوصیات سے متاثر ہو کر آتے ہیں۔ اس طرح زندگی کے ہر لمحہ میں جو جو تبدیلیاں ماحول کے اثرات کے باعث واقع ہوتی ہیں، ان ذرّات پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں اور یہ ان کے ذریعے تناسلی خلایا میں جمع ہوتی رہتی ہیں۔ آیندہ نسل کے جنینوں میں یہ ذرات جسم کی نشو و نما پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بتدریج ان ہی اعضاء کی طرف لوٹنا شروع کر دیتے ہیں جن سے وہ پہلی نسل کے افراد میں نکل کر آئے تھے یعنی دماغ کے ذرّات دماغ کی طرف رجوع کرتے ہیں، معدے کے معدے کی طرف، آنکھ، کان اور ناک کے، اِن ہی اعضاء کی طرف، اِس طرح وہ اپنے اپنے اعضاء میں وہی کیفیات پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں، جن کے وہ حامل تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے والدین سے اپنی جسمانی و معنوی خصوصیات کے اعتبار سے متماثل ہوتے ہیں۔

ڈارون کے اس خیالی و ذہنی نظریہ کی روشنی میں اکتسابی خصائص کی توریث تو واضح ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر والد یا والدہ کا بازو زخمی ہو جائے یا کٹ جائے تو ان ذرّات کے ذریعہ سے مولود کا بازو بھی ضرور متاثر ہو کر رہے گا۔ مگر مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔

سب سے پہلے آگسٹ وِزمَین (August Weismaun) نے اکتسابی صفات کی توریث کے خلاف آواز اٹھائی۔ اُس نے کہا کہ وہی خصائص ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو جاتے ہیں جو تناسلی خلیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ تناسلی خلیے ہی ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے ہیں جسمانی خلیوں کو اس معاملہ سے کوئی سروکار نہیں۔ وِزمَین کے اس نظریہ کو "مواد تناسلی کے تسلسل" (Continuity of Germplasm) کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

وِزمَین نے ۱۸۹۳ء میں اپنی مشہور تصنیف "مواد تناسلی" (The Germ Plasm) شائع کی جس میں اُس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کثیر الخلوی (Multicellular) حیوانات و نباتات میں جسمانی خلیے (Somatic cells) تناسلی خلیوں (Germinal cells) سے بالکل علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں اور یہ دونوں بنیادی طور پر ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ جنین کی ابتدا بارآور یا تلقیح یافتہ انڈے سے ہوتی ہے۔ یعنی سپرم جو نر کے اعضاء تناسلی سے آتا ہے، انڈے کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس امتزاج کے بعد انڈے کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ یہ نشوونما یوں ہوتی ہے کہ پہلے انڈا جو ایک خلیہ پر مشتمل ہوتا ہے، دو خلیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان دو خلیوں میں سے ہر ایک خلیہ پھر دو خلیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ عمل تقسیم برابر جاری رہتا ہے اور آخر کار لاتعداد خلیے بن جاتے ہیں۔ یہ خلیے اپنے آپ کو تہوں (Layers) میں آراستہ کر لیتے ہیں، پھر ان تہوں کے خلیوں کی مسلسل تقسیم سے بتدریج اعضاء کی تشکیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح جنین برابر نشوونما میں مصروف رہتا ہے۔ جب تمام اعضاء کی تکمیل ہو جاتی ہے تو جنین ایک دوسری حالت میں قدم رکھتا ہے جس حالت میں کہ اُسے جنین نہیں کہا جاتا بلکہ بچہ کہا جاتا ہے۔ یہ بچہ پرورش و تربیت کی وساطت سے اُس حالت پر پہنچتا ہے جسے ہم زمانۂ بلوغت کہتے ہیں۔

اس سارے سلسلۂ نشوونما کی ابتداء سپرم اور انڈے سے ہوتی ہے جن کا باہمی امتزاج لازمی ہے سپرم یعنی "تخم خلیے" خصیوں کے خلیوں سے ماخوذ ہوتے ہیں اور انڈے، بیضہ دانوں (Ovaries) کے خلیوں سے۔ ہر خلیہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے خلیہ مایہ (Cytoplasm) اور مرکزہ (Nucleus) پر مشتمل ہوتا ہے جن کے مجموعہ کو تخم مایہ (Protoplasm) کہا جاتا ہے۔ عام طور پر سپرم کی تشکیل یوں ہوتی ہے کہ خلیہ کا مرکزہ طویل شکل اختیار کر لیتا ہے جس سے اس کا سر بن جاتا

ہے اور خلیہ مایہ سے اس کی باریک و نازک دُم بن جاتی ہے۔ اس دُم کی وجہ سے سپرم اس قابل ہو جاتا ہے کہ آزادانہ حرکت کرے اور انڈے تک پہنچ سکے۔ انڈے کی شکل و صورت میں اس قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی، وہ مدور رہتا ہے مگر غذائی مادہ کی موجودگی کی وجہ سے بہ نسبت سپرم کے بہت زیادہ ضخیم ہوتا ہے۔ سپرم یعنی انڈے کے قریب پہنچتا ہے تو اپنا سر اُس کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ جُوں ہی اُس کا سر انڈے کے اندر پہنچ جاتا ہے، دُم کٹ جاتی ہے۔ اس لئے کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ دُم تو صرف اسی مقصد کے لئے تھی کہ سپرم کو انڈے تک پہنچنے میں مدد دے۔ اس کے بعد سپرم کا سر انڈے کے مرکزہ سے گھُل مل جاتا ہے۔ یعنی انڈے کا مرکزہ، سپرم کے مرکزہ سے ممتزج ہو جاتا ہے۔ اسی امتزاج کو عملِ تلقیح (Fertilisation) کہا جاتا ہے اور اس کے بعد انڈے کو بارآور کہا جاتا ہے۔ سپرم کا مرکزہ جو اُس کے سر کی صورت میں انڈے تک پہنچتا ہے۔ اپنے ساتھ وہ تمام موروثی صفات لاتا ہے جو اُس جسم کے اندر موجود تھے۔ جہاں سے وہ خارج ہوا ہے۔ بیضہ کا مرکزہ وہ تمام موروثی صفات رکھتا ہے جو اُس جسم کے اندر موجود تھے جس سے وہ ماخوذ ہے۔ اس طرح والد اور والدہ کے موروثی صفات اسی بارآور انڈے کے اندر یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔

خوردبینی مشاہدات (Microscopic observations) کی بنا پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرکزہ چند ایک اور مرکبات کے علاوہ ایسے چھوٹے چھوٹے ذرّات پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر مرکزہ کے اندر ایک جال (Network) سا بنا دیتے ہیں۔ یہ ذرّات بعض کیمیاوی رنگوں کا اثر جلد قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے انہیں لونی ذرّات (Chromatin Granules) کہا جاتا ہے۔

جب خلیہ پیچیدہ عملِ تقسیم (Indirect cell Division) کے لئے تیار ہوتا ہے تو یہ لونی ذرات کچھ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں کہ ایک نسبتاً موٹا سا دھاگا بن جاتا ہے جسے انگریزی اصطلاح میں (Spireme) کہا جاتا ہے۔ یعنی رنگ دار ریشہ۔ پھر یہ رنگ دار دھاگا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کٹ جاتا ہے جنہیں لونی جسمے (Chromosomes) کہا جاتا ہے۔ یہ لونی جسمے یعنی کروموسوم ہر نوع کے حیوان یا پودے میں ایک مخصوص تعداد کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور اسی تعداد پر ہر نوع کی خصوصیات کا دار و مدار ہے۔ ہر لونی جسمہ چھوٹے چھوٹے ذرات کو جن سے ہر لونی جسمہ متشکل ہوتا ہے (Determinants) یعنی "موروثی صفات کو متعین کرنے والے ذرّات" کہا جاتا ہے۔ یہ ذرّات اُن خصائص کے حامل ہوتے ہیں جو ان کے مورث یعنی والدہ

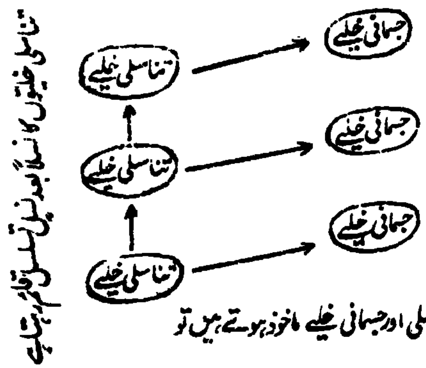
یا والد کے جسم کے اندر موجود تھے، یہی ذرّات آیندہ نسل کے افراد میں موروثی صفات پیدا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں صفاتی ذرّات یا تعینی ذرّات کہا جا سکتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جب عمل تلقیح کے وقت سپرم اور بیضہ کے مرکزوں کا امتزاج ہوتا ہے تو نر اور مادہ کے جسموں کے صفات جن کے حامل یہ صفاتی یا تعینی ذرّات ہوتے ہیں، آپس میں مل جاتے ہیں۔ اب بارآور انڈے کا مرکزہ نر اور مادہ کے جملہ صفات وخصائص کا حامل ہوتا ہے۔ یہ بارآور انڈا جو ایک خلیہ سے زیادہ نہیں ہوتا بہت سے خلیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اس تقسیم یعنی نشو ونما کی ابتدائی منزل ہی میں چند ایک خلیے جو اپنے مرکزوں میں تمام صفاتی ذرّات یا یوں کہیے کہ تمام موروثی صفات رکھتے ہیں دوسرے خلیوں سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی نشوی تبدیلیاں واقع نہیں ہوتیں برعکس اس کے دوسرے خلیوں میں یکے بعد دیگرے تبدیلیاں .. .. واقع ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اُن سے اعصاب، عضلات، عِظام (ہڈیاں) اور دیگر قسموں کے نسیجوں (Tissues) کی تشکیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جن سے جسم کے مختلف اعضاء بن جاتے ہیں۔ ان خلیوں کو جسمانی خلیے (Somatic cells) کہا جاتا ہے۔ اِن کے مرکزوں میں وہ تمام ذرّات نہیں ہوتے جو موروثی صفات کے حامل ہوتے ہیں بلکہ اُن کے اندر صرف وہی صفاتی یا تعینی ذرّات ہوتے ہیں جو ان کے مخصوص اعضاء سے متعلق ہوتے ہیں۔ یعنی وہ خلیے جو عضلات بناتے ہیں ان کے اندر صرف وہی موروثی صفات کے ذرّات ہوتے ہیں جو عضلات کی تشکیل کے ذمہ دار ہوتے ہیں، دوسرے نہیں۔ یہی صورت دیگر اعضاء کے خلیوں کی ہوتی ہے۔

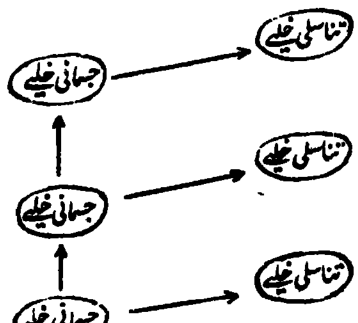
مگر وہ خلیے جو نشو ونما کی ابتدائی منزل ہی میں بے تعلق سے ہو جاتے ہیں ان تبدیلیوں کا شکار نہیں ہوتے، وہ جوں کے توں رہتے ہیں۔ ان خلیوں کو علمی اصطلاح میں تناسلی خلیے (Germ cells) کہا جاتا ہے۔ اِن کے مرکزوں کے اندر وہ تمام ذرّات ہوتے ہیں جو جملہ موروثی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ اِسی لئے وہ آیندہ نسل کے افراد کے ظہور کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان تناسلی خلیوں کی بعد میں بتدریج نشو ونما ہونا شروع ہو جاتی ہے اور ان سے بالآخر تناسلی اعضاء یعنے خصیوں اور بیضہ دانوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ جب مولود سِن بلوغت کو پہنچتا ہے تو وہ یہ تناسلی خلیے جو اُس نے اپنے والدین سے حاصل کئے ہیں آیندہ نسل میں منتقل کر دیتا ہے۔ آیندہ نسل کے مولودوں میں یہی سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تناسلی خلیے بالقوت

(Potentially) غیر فانی (Immortal) ہیں۔ مگر جن خلیوں پر قانون حیات و ممات کے اعتبار سے موت وارد ہوتی ہے وہ تناسلی خلیے نہیں بلکہ جسمانی خلیے ہوتے ہیں۔

وزیمن کے مشاہدات کی رو سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ تناسلی خلیے، جسمانی خلیوں سے ماخوذ نہیں ہوتے بلکہ وہ تناسلی خلیوں ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں اور ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ بار آور انڈے سے ایک طرف تو جسمانی خلیے بنتے ہیں اور دوسری طرف تناسلی خلیے، جسمانی خلیوں کی مزید نشوونما سے اعضاء جسم کی تشکیل ہوتی ہے اور تناسلی خلیے جو ابتداء ہی میں جسمانی خلیوں سے علیحدگی اختیار کرلیتے ہیں ان اعضاء کی حفاظت میں رہ کر زندگی کے اس مرحلہ تک پہنچ جاتے ہیں، جہاں وہ اس حیوان کے جسم سے خارج ہوکر آیندہ نسل کے ظہور کا باعث ہوں۔ گویا جسم یا جسمانی خلیوں کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ تناسلی خلیوں کی حفاظت و پرورش کریں اور انہیں اس منزل تک پہنچادیں جہاں وہ دوسری نسل میں منتقل ہوجائیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جسمانی خلیے اس قابلیت سے قطعاً عاری ہیں کہ وہ دوسری نسل میں منتقل ہوسکیں۔ صرف تناسلی خلیے ہی اس قابلیت سے سرفراز ہیں۔ وزیمن کا یہ نظریہ حسب ذیل نقشہ سے بالکل واضح ہوجاتا ہے۔



(اگر ہم تسلیم کریں کہ جسمانی خلیوں ہی سے تناسلی اور جسمانی خلیے ماخوذ ہوتے ہیں تو اس کی شکل یوں ہوگی):



(اس شکل سے صاف ظاہر ہے کہ مواد تناسلی کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔ اور موروثی صفات کا توارث منقطع ہو کر رہ جاتا ہے۔ جہاں تک اعلیٰ حیوانات کا تعلق ہے۔ انکشافات علیہ اس صورتِ حال کی قطعاً تغلیط کرتے ہیں)

وزیمن کے نظریہ کی رو سے کسی جاندار کے جسم میں جو تبدیلیاں دورانِ زندگی میں رونما ہوں گی وہ اُس کی آیندہ نسلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں، اس لئے کہ جسمانی خلیے آیندہ نسلوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ صرف وہی تبدیلیاں آیندہ نسلوں میں ظاہر ہوں گی جو تناسلی خلیوں پر مرتب ہوں۔ وزیمن نے تناسلی خلیوں کی آزادانہ حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ تناسلی خلیے ہی والدین کو مولود سے وابستہ کرتے ہیں اور اس طرح تناسلی خلیوں کا تسلسل ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ تناسلی خلیوں کا جسمانی خلیوں سے جن کی نگرانی میں وہ پرورش پلتے ہیں، کوئی تعلق نہیں۔

ظاہر ہے کہ وزیمن کا یہ نظریہ، اکتسابی خصائص کی توریث کے بالکل منافی ہے۔ اس کی روشنی میں یہ عقیدہ متزلزل ہو گیا کہ اکتسابی صفات، موروثی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں، وزیمن نے کہا کہ اُس کا نظریہ اس اعتبار سے بھی درست ہے کہ اگر ہم کسی ذی حیات کے جسم کا ایک عضو نسلاً بعد نسلٍ کاٹتے چلے جائیں تو کئی نسلوں تک یہ عمل جاری رکھنے کے بعد بھی دیکھا گیا ہے کہ اس کی تمام آیندہ نسلوں کے افراد میں یہ عضو اپنی اصلی حالت پر بدستور قائم رہتا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ اُس نے سفید چوہوں کا ایک جوڑا جو نر اور مادہ پر مشتمل تھا، لیا۔ اور ان دونوں کی دُمیں کاٹ دیں۔ اس جوڑے سے جو بچے پیدا ہوئے، اُن کی دُمیں بھی کاٹ دیں۔ اس طرح وہ متواتر آیندہ نسلوں کے افراد کی دُمیں کاٹتا چلا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ ہر آیندہ نسل کے چوہوں میں دُمیں برابر ظاہر ہوتی رہیں اور آخری نسل تک دم کی طوالت وضخامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر اکتسابی خصائص کا موروثی ہو جانا ممکن ہوتا تو چند ایک نسلوں کے بعد دُموں میں ضرور کم و بیش تبدیلی رونما ہو جاتی۔ اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی کہ یہودیوں اور مسلمانوں میں ختنہ کی رسم ہزاروں سالوں سے چلی آ رہی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بوقتِ پیدائش ان قوموں کے بچوں میں اس عضو کی ساخت بعینہٖ وہی ہوتی ہے جو ختنہ نہ کرنے والی قوموں کے بچوں میں ہوتی ہے۔ کئی صدیوں تک چین کے اعلیٰ طبقہ کے لوگ اپنی لڑکیوں کے پیروں کو دبا کر نہایت چھوٹا رکھنے کی کوشش کرتے رہے

مگر باوجود اس کے جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کے پاؤں کے حجم میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔

دنیا میں ایسی بہت سی قومیں آباد ہیں جو اپنے کانوں کے نچلے حصوں کو لکڑی کے ٹکڑوں سے کچھ اس طرح کھینچ کر رکھتے ہیں کہ وہ شانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ افریقہ میں ایسے حبشی آباد ہیں جو اپنے لبوں کو کھینچ کر اتنا لمبا کر دیتے ہیں کہ پرندوں کی چونچوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، ان قوموں میں یہ کوشش صدہا سال سے جاری ہے مگر دیکھا گیا ہے کہ اس اکتسابی تبدیلی نے موروثی حیثیت اختیار نہیں کی۔ وژمین اور اس کے حامیوں نے اس قسم کی اور بہت سی مثالیں پیش کیں اور کہا کہ اکتسابی صفات، موروثی حیثیت سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔

جدید لامارکیت
Neo-Lamarckism

وہ لوگ جو لامارک کے نظریہ کے قائل تھے ٹھٹھک کر رہ گئے، انہوں نے سوچا کہ اگر موثرات خارجیہ یعنی گردو پیش کے حالات کو نظر انداز کر دیا جائے تو کون سی ایسی پُرزور ترغیبی طاقت باقی رہ جاتی ہے جو حیوانات و نباتات کے ارتقاء کو جاری رکھ سکے۔ چنانچہ وزمین کے نظریہ پر غور و خوض ہونے لگا۔ اور تحقیقات و ترقیات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے یہ چیز سامنے آئی کہ اکثر نباتات میں دیکھا گیا ہے کہ اگر پودے کی ٹہنی، تنے یا پتے کو زمین میں دبا دیا جائے تو اُس سے پورا پودا دستیاب ہو جاتا ہے، تناسلی خلیے تو پھول میں ہوتے ہیں جن کے امتزاج کا نتیجہ بیج ہوتے ہیں، اگر پودے بیجوں ہی سے پیدا ہو سکتے تو وزمین کا نظریہ کہ تناسلی خلیے، جسمانی خلیوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اور تناسلی خلیے ہی آیندہ نسل میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، صحیح ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پتے یا ٹہنی کے اُگانے سے جو پودے پیدا ہوتے ہیں وہ پھول بھی لاتے ہیں اور بیج بھی پیدا ہوتے ہیں اور ان بیجوں کے بونے سے پودے بھی اُگ آتے ہیں۔ جو اپنے وقت پر پھر بیجوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان پودوں میں جسمانی خلیوں سے تناسلی خلیے بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر کیچوے کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے تو اُس حصہ میں جس میں تناسلی اعضا نہیں ہوتے۔ بتدریج بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور اُس میں تناسلی اعضاء بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب یہ تناسلی اعضاء کہاں سے آئے؟ یقیناً جسمانی خلیوں سے پیدا ہوئے۔

اس قسم کے انکشافات نے وِزمَین کے حامیوں کا زور توڑ دیا۔ اور علماء ارتقاء کے اندر ایک مصالحتی رویّہ پیدا ہوگیا۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ بے شک اعلیٰ کثیرالخلوی حیوانات میں تناسلی خلیے، جسمانی خلیوں سے نہیں بنتے، بلکہ یہ اسلاف سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے رہتے ہیں اور ان ہی تناسلی خلیوں سے آیندہ نسل میں تناسلی خلیے بھی ماخوذ ہوتے ہیں اور جسمانی خلیے بھی، یہ نہیں کہ تناسلی خلیہ سے سارا جسم بن جائے اور پھر جسم سے تناسلی اعضاء کی پیدائش ہو، جہاں تک اعلیٰ حیوانات کا تعلق ہے یہ ایک حقیقت واقع ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں مگر یہ جو "وِزمَین" نے تناسلی اور جسمانی خلایا کے مابین حد فارق کھینچ دی ہے وہ ایسی مضبوط اور جکڑ بند نہیں کہ تناسلی خلیے، جسمانی خلیوں سے بالکل متاثر ہی نہ ہوں۔ گو ایک حیوان کا جسم مختلف اعضاء سے بنا ہوا ہے مگر وہ وظائفِ حیات کی تکمیل کے اعتبار سے ایک مکمل و کُلّی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا ایک عضو دوسرے عضو پر ضرور اثر انداز ہوگا۔ اگر اُن غدود (Glands) میں جن کی رطوبتیں خون کی وساطت سے جسم کے مختلف حصوں میں پہنچتی ہیں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے تو دیکھا گیا ہے کہ وہ تبدیلی جسم کے کئی ایک اعضاء کے وظائف کو متغیر کر دیتی ہے۔ مثلاً اگر مینڈک کے جنین میں غدۂ درقیہ (Thyroid Gland) کو کاٹ دیا جائے تو جنین استحالہ (Metamosphosis) کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے اور جنینی حالت سے باہر نہیں نکلتا۔ اگر اس جنین کو غدۂ درقیہ بطور غذا کے کھلانا شروع کردیں تو وہ استحالہ میں مصروف ہو جاتا ہے اور جلد بالغ حالت تک پہنچ جاتا ہے۔

وِزمَین کے نظریہ کو ماہرینِ علم خلایا (Cytologists) کے ہاتھوں بھی صدمہ پہنچا، وِزمَین کے نزدیک صرف تناسلی خلیوں کے مرکزوں ہی میں وہ تمام تعینی ذرّات (Determinants) ہوتے ہیں جو موروثی صفات کے حامل ہوتے ہیں مگر جسمانی خلیوں کے مرکزوں میں صرف وہی تعینی ذرّات ہوتے ہیں جو اُن کے اپنے اپنے اعضاء کی خصوصیات سے متعلق ہوتے ہیں، مثلاً عضلات کے خلیوں کے مرکزوں میں صرف وہی صفاتی یا تعینی ذرّات ہوں گے جو عضلات کی نشو و نما اور ان کی خصوصیات کے ذمہ دار ہوں گے، مگر انکشافات حدیثہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جسم کے تمام خلیوں (خواہ وہ جسمانی خلیے ہوں یا تناسلی) کے مرکزے برابر ہوتے ہیں، یعنی اُن میں ان صفاتی ذرّات کے لحاظ سے کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ان کے مختلف وظائف محض تخم مایہ کی مختلف کیمیاوی کیفیات

رہنا اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ پس اے نبیؐ !)

(۴۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ بالتحقیق ہم (خدا) نے تم پر کتاب (یعنی قرآن ، لوگوں (کی ہدایت) کے لیے حق کے ساتھ اتاری ہے (حق پر چلنے والوں کا غلبہ سامنے نظر آرہا ہے۔ پس یہ اس کا زبردست ثبوت ہے۔ اب اپنا نفع و نقصان خود سمجھ لو ، جیسا کہ فرمایا) پس جو سیدھے راستہ پر آئے گا ، تو اپنی جان کے واسطے (بہتری کرے گا) اور جو گمراہ ہوتا ہے ، تو سوائے اس کے نہیں کہ اس کی جان پر گمراہی (کا نقصان) ہے (نبیؐ کا اس میں کیا دخل ہے؟ وہ تو صرف مبلغ ہیں۔ جو کوئی جیسا کچھ کرے گا ، اس کا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ اکیلے اکیلے کی قیامت ہے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ شفاعت و سفارش وغیرہ سب جہلاء کے ڈھکوسلے ہیں۔ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق ہی رنج و راحت پاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ، اے نبیؐ) اور تو ان (مجرموں اور کافروں) پر وکیل نہیں ہے۔

پانچواں رکوع (اب اگلے رکوع میں شفاعت کا ذکر آئے گا ، کیوں کہ وکیل سے شفاعت کا تعلق ہے۔ رسولؐ وکیل بنا کر نہیں بھیجے گئے ، بلکہ وہ مبلغ تھے۔ وکیل وہ ہے جس پر پورا بھروسہ کیا جائے اور اپنا کام اس کے سپرد کیا جائے۔ یہ دنیوی وکالت نہیں ، جس میں دھوکا ، فریب ، جھوٹ ، رشوت اور ظلم وغیرہ سب کچھ جائز سمجھا گیا ہے۔ پس آپؐ کو ایسا بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ آپ پر پورا پورا بھروسہ کر کے لوگ اپنے کام آپؐ کے سپرد کر دیں ، ہرگز نہیں۔ پس نعم الوکیل وہ باری تعالےٰ ہی ہے ، جس پر کامل بھروسہ رکھنا چاہیے۔ دوسرے لوگ تو جذبات وغیرہ کے ماتحت ہیں۔ متصرف حقیقی پورے اختیار والا ، صحیح نتیجہ نکالنے والا ، عالم الغیب والشہادہ صرف وُہی خدائے قدوس ہے۔ اسی نے کامل قرآن کو لوگوں کے واسطے حق کے ساتھ اُتارا۔ لوگوں میں رسولؐ بھی شامل ہے ، جو کوئی بھی اچھے یا بُرے اعمال کرتا ہے ، اس کا بدلہ حاصل کرتا ہے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ شفاعت ، مدد وغیرہ کا عقیدہ بالکل غلط ہے ——— شفاعت ساری کی ساری ایک اللہ کامل مطلق ہی کے واسطے ہے۔ رسولؐ کریم جب اس دنیا میں وکیل کامل ، یعنی ، بھروسہ کے لائق بنا کر

نہیں بھیجے گئے، تو دوسرے عالم میں وہ ہمارے شفیع کیوں کر ہوں گے۔ شفیع ظاہر و باطن کا پورا پورا جاننے والا، حقیقی مالک، قادرِ مطلق اور مختارِ کل خدا ہونا چاہیے، نہ کہ لاعلم، بے ملکیت، بے اختیار اور کم زور انسان۔ بنی آدم سب کم زور ہیں، دیکھو خدا تعالیٰ نے انسان کی بے مائگی کا نقشہ کیسے اعلیٰ طریق پر کھینچا ہے اور اپنی طاقت و حکم کو کس طرح واضح فرمایا ہے۔ اپنی پوری قوت کا اور مخلوق کا پورا عجز کیسے بے غلط رنگ میں پیش فرمایا۔ غرض یہ ہے کہ خدا کا انسانوں کو بلا لینا یا کچھ ڈھیل دینا کامل طور پر اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ نہیں اس کے احکام کے سامنے چون و چرا کرنے کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ خدا کی طرف سے جو کچھ بھی حکم ہوتا ہے، بلا حیل و حجت عمل ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان ہر لحاظ سے عاجز اور مجبور ہے۔ فرمایا:

(۴۲) اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ اللہ (کامل طور

جانوں کو) ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو (نفس) مرے نہیں، ان کو سوتے میں (قبض کرتا ہے)، پس جس نفس پر موت وارد کر دی، اس کو روک لیتا ہے (اور دوسرے عالم میں جواب دہی کے لیے لے جایا جاتا ہے) اور دوسرے کو (یعنی جس نفس پر حقیقی موت وارد نہیں ہوتی، اس کی روح کو) ایک وقت مقررہ تک (واپس) بھیج دیتا ہے (نفسوں یعنی سانس لینے والوں کی موت کی دو ہی قسمیں بیان کی گئی ہیں، حقیقی موت اور نیند۔ یہ آیت کلیت دکھلاتی ہے کہ توفی کا تیسرا طریقہ کوئی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ جس کو زیادہ عمر دیتا ہے، اسے کم زور کر دیتا ہے۔ انسان عاجز ہے، خدا ہی اصل محافظ ہے۔ پس ایسے واقعات پر گہری نگاہ ڈالنا چاہیے۔ اس میں عظیم الشان سبق ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا جہالت کا ثبوت دینے کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ برا ہے، جیسا کہ فرمایا:) تحقیق اس (واقعہ) میں البتہ نشانیاں ہیں (ظالموں اور جاہلوں اور غور و فکر سے محروم انسانوں کے لیے نہیں، بلکہ) غور (و فکر) کرنے والوں کے واسطے

ذہن کی غور و فکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارا مالک حقیقی جزا و سزا دینے کا پورا اختیار رکھنے والا ہے، واحد، قہار، غفار اور ستار ہے۔ اُس کے دربار میں کسی دوسرے کو ذرہ بھر مالکیت اور اختیار تو کجا، یارائے دم زدن نہیں ہے۔ مشرکین کا یہ خیال کہ وہاں اگر کوئی باز پرس ہوئی بھی، تو ہمارے شفعا ہمیں بچالیں گے، سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ ایسے کام دنیا کی ذلیل اور رشوت خوار عدالتوں ہی میں ہو سکتے ہیں۔ خداوند کریم کو نہ کسی کے رُوٹھ جانے کا خیال ہے، نہ خفا ہو جانے کا خوف۔ وہ غنی و حمید ہے اور مالکِ یوم الدین ہے۔ اس کے دربار میں کوئی نفس کسی نفس کے واسطے کسی طرح کا اختیار نہیں رکھتا۔ حکم سارے کا سارا صرف اُس اکیلے خدا ہی کے لیے ہے۔ پھر کسی عاجز اور بے بس انسان کی کیا حقیقت ہے کہ وہ خدائے احکم الحاکمین ایسے بے غلط زبردست غیب دان شہنشاہ کے سامنے کسی کی سفارش لے جائے۔ وہ تو اپنی جانوں پر بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہیں جانتے کہ خود اُن کے ساتھ اس عدالتِ حقیقی میں کیا برتاؤ ہوگا؟ توکّلِ الٰہی کے سوا تمام امیدیں اور بھروسے غلط اور محض بے بنیاد ہیں، جیسا کہ فرمایا:

(۴۳) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ کیا انہوں نے اللہ کے سوا (اور) شفیع پکڑے ہیں (وہ کون ہیں جو میرے سامنے کچھ کر سکیں۔ اے رسولؐ! انھیں ان کے مزعومہ شفعاء کی حقیقت سے آگاہ کر دو اور بتا دو کہ ایک عاجز دوسرے عاجز کے کام کیا آسکتا ہے؟ وہ اختیار سے محروم ہیں اور علم سے بے بہرہ۔ بایں ہمہ یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اُن کے گناہوں کی شفاعت کریں گے، کتنا اَنوکھا عقیدہ ہے، جو صرف مشرکین ہی کو زیب دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ) کہہ دے، خواہ وہ اگر کسی شے کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) عقل ہی رکھتے ہوں (شفاعت کے لیے اختیار آتی ہی کی ضرورت نہیں، عقل کی بھی ضرورت ہے۔ وہ بے چارے کیا جانتے ہیں کہ خدا اگر کسی شخص کو سزا کا مستوجب قرار دیتا ہے، تو اس کے علم و عقل نے یہی مناسب اور جائز سمجھا ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کسی شخص کے اعمال کیسے ہیں اور اُن اعمال کی رُو سے اُسے کتنی سزا ملنی چاہیے۔ دنیا کی عدالتیں ہر روز ہزاروں غلط فیصلے دیتی ہیں۔ نہ صرف اس لیے کہ وہ رشوتوں سے متاثر ہو

جاتی ہیں، بلکہ اس لیے بھی کہ انسانی جرائم کے بعض مخفی گوشے ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ بعض مرتبہ بے گناہ انسان تختۂ دار پر کھینچ جاتے ہیں اور اکثر اوقات نہایت ظالم اور خون خوار انسان صاف بچ کر نکل جاتے ہیں۔ مگر خدا کی عدالت ایسی عدالت نہیں ہو سکتی۔ وہ سفارشوں سے بے نیاز ہے، اس لیے کہ اُس کے سامنے انسان کا ہر اچھا اور بُرا عمل، اس کے محرکات اور اس کی داخلی اور خارجی ترغیبات پوری طرح آشکارا ہیں۔ پس وہ ہر حال میں انصاف ہی کرے گی اور شفاعت کا سارے کا سارا حق بھی اُسے ہی پہنچتا ہے) پس فرمایا:

(۴۴) قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ کہ اللہ (کامل مطلق) کے واسطے ہے شفاعت ساری کی ساری (خدا کے بغیر تمھارے لیے کوئی بھی ولی اور شفیع نہیں۔ انعام ۶۰۔ شفیع وہ ہو سکتا ہے، جو مالکیت اور اختیار رکھتا ہو اور یہ صفات سوائے ذاتِ باری کے اور کسی میں کہاں ہیں، جو کسی کی شفاعت کرے؟ فرمایا کہ:) اسی (اللہ) کے لیے (تمام) آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے (اور اسی اللہ کا کلی اختیار، دیکھو کہ جب وہ حکم فرماتا ہے، تو تم بلا چون وچرا اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے اسی مالک یوم الدین کے حضور حاضر ہو جاتے ہو۔ چنانچہ فرمایا:) پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاتے ہو (اس عالی شان تعلیم توحید کا اثر ضدی کفار و مشرکین کی طبائع پر کیا ہوا؟ یہ کہ وہ غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور دینِ حق کی اندھا دھند مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور ان کی صورتوں سے بیزاری ظاہر ہوئی۔ فرمایا:)

(۴۵) وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ اور جب (اُن کے سامنے) اللہ اکیلے کا ذکر آتا ہے، تو نفرت کرتے ہیں اُن لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (اللہ اکبر! جس کی نعمتیں حد و شمار میں بھی نہیں آسکتیں۔ اُس کی یاد سے نفرت کرتے ہیں) اور جب (اپنے جیسے مشرکین وغیرہ سے) ان لوگوں کا ذکر سنتے ہیں، جو اس

(خدائے واحد) کے غیر ہیں (فلاں دست گیر، فلاں شفیع المذنبین، فلاں غوث اعظم)۔۔۔۔۔۔
تو وہ خوش ہوتے ہیں (افسوس ہے ظالموں پر کہ کسی اپنی کھوپڑی کے مالک ہیں۔ پس اے نبیؐ!
یہ نالائق اگر اس نتیجہ خیز تعلیم سے نفرت کرتے ہیں، تو کرنے دو، آخر یہ جائیں گے کہاں؟ تو کامل
یقین کے ساتھ مالکِ حقیقی کی تعریف میں لگا رہ، وہی تمام تعریفوں اور خوبیوں کا مالک ہے، اس کے
حمد گانا ہی خوبی والی بات ہے۔ اسی نے خوبیوں والی کتاب نازل فرما کر بندوں پر بے پایاں احسان
کیا۔ اس سے تعلق پکڑنا نجات کا موجب ہے۔ وہ اکیلا ہی کافی سہارا ہے، دوسرے تمام سہارے
بودے اور بے کار ہیں۔ اس مالکِ حقیقی سے پرے ہٹنے میں بہت بڑی تباہی ہے۔ وہی باریک بین
خدا تمام کاموں کے صحیح نتائج نکال کر جزا و سزا دیتا ہے۔ کسی کو اس کے کام میں ذرہ بھر دخل نہیں ہے۔
وہی ہماری نیتوں سے پورا پورا آگاہ ہے۔ ایک ایک ذرے پر اس کی حکومت جاری و ساری ہے۔
اس کے بغیر کوئی بھی شفیع اور مددگار نہیں۔ اس سے منہ پھیر کر کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ اس
کے باغیوں کا ٹھکانا سوائے جہنم کے اور کہیں نہیں۔ اس کے فیصلے صحیح اور اس کا حکم اٹل ہے۔
پس اے رسولؐ! تمام لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اور)

(۴۶) قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

کہ دے اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اور غیب و ظاہر کے جاننے والے
(حکومت صرف تیری ہی ہے) اور (اکیلا) تو ہی اپنے بندوں کے درمیان (ان باتوں کا
جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں) فیصلہ کرتا ہے (تجھے کسی مددگار اور مشیر و وزیر کی قطعاً ضرورت
نہیں۔ پس چاہیے کہ انسان کفارہ و شفاعت کے بدترین عقیدے سے خالص توبہ کر کے
خالص مومن باللہ بن جائے۔ شفاعت وغیرہ کا ہونا تو کجا، تمام مزعومہ شفعاء وغیرہ کو سزا کے
بدلے میں دے دینا بھی اس روز بے کار محض ہے۔ تکالیف سے خلاصی پانے کے لیے اگر ماں باپ،
اولاد، رشتہ دار اور تمام چیزوں کو بھی فدیہ میں دیا جائے، تو بھی ظالموں سے عذاب نہ ٹلے گا۔
کسی کو اس کے حضور دم مارنے کی بھی مجال نہیں۔ پس، قبل از وقت اس لغتی خیال سے

تائب ہونا سُرخ رُوئی کا ذریعہ ہے۔ جلد از جلد بارگاہِ ایزدی میں رجوع کر کے سچے دل سے نادم
ہو کر مغفرت مانگو اور عقیدۂ توحید پر کار بند ہو کر صلاحیت والے کام کرو، تاکہ وہ ایزدِ متعال تمہیں
اپنی وسیع رحمتوں سے نہال کر دے۔ پس اللہ کے مُسلم اور خیر خواہِ خلق بن کر نجاتِ اُخروی حاصل
کرو، ورنہ یاد رکھو کہ وہ لوگ جو اطاعتِ حق کی راہ پر نہیں چلتے، اُن کا انجام بہت ہی بُرا ہے اور
ایسا بُرا ہے کہ اس ہیبت ناک عذاب کو تصوّر میں لانے سے بدن میں کپکپی آجاتی ہے اور پیشتر
اس کے کہ وہ ہَول ناک وقت تم پر آجائے، تم خدا کے حضور سچی توبہ کرو اور اُسی کے آگے جُھک جاؤ
کہ اسی میں نجات ہے۔ پھر پچھتائے کیا بنے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ دیکھو ظالموں کا انجام)

(۴۷) وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ اور اگر پاس ہوتا، جو کچھ زمین میں ہے اور اُس

کی مانند (اور زمین بھی معہ تمام انبیاء و رسل اور دوسرے نیکوکار صلحاء وغیرہ کے) ضرور ہے کہ
وہ فدیہ میں دیتے ساتھ اس کے عذاب کی سختی سے بچنے کے لیے پیشی کے وقت (پھر بھی نہ بچتے
کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو سزا دی جائے۔ ان کو بار بار قرآن مجید میں مثالیں
دے کر بتایا کہ مقدم مرضی صرف اکیلے خدا کی ہے۔ دُنیا زیادہ مرضیاں مقدم نہیں ہو سکتیں مگر
یہ اپنے مزعومہ شفعاء کے بَل بوتے پر اکڑے رہے۔ پھر حاضری کے موقعہ پر کیا ہُوا؟) ارشاد ہوتا ہے
اور ظاہر ہو گیا واسطے ان (ظالموں، مشرکوں، ناہنجاروں) کے (جو مر چکے) اللہ کی طرف سے، جو
گمان نہ رکھتے تھے کہ ایسا ہو گا (ان کا خیال تھا کہ اگر ہمیں گرفت بھی ہوئی تو ہمارے مددگار چھڑا
لیں گے۔ یہ سختیاں تو اُن کے گمان میں بھی نہ آسکتی تھیں۔ وہ شفیعوں کے گھمنڈ میں تھے، مگر
یہاں اس اپنے خیال کے خلاف نظر آیا اور کوئی شفیع ڈھونڈے سے بھی نہ پایا)

(۴۸) وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ

اور ظاہر ہو گئیں ان (مغرور، متکبرین، مشرکین) کے واسطے برائیاں، جو انھوں نے کمائی تھیں اور گھیر لیا اُن کو اس (عذاب) نے، جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے (خدا کو اکیلا اور کافی نہ جانتے تھے حالانکہ دنیا میں بھی اُس کی توحید کا پتا مشاہدۂ تکالیف کے وقت ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ پر کوئی دوسرا مددگار سوائے پروردگار کے یاد نہیں آتا، ہاں کوئی شخص کسی دوسرے کی یاد دلائے، تو ممکن ہے کہ غیر کی یاد آئے، ورنہ صرف خدائے واحد ہی کا نام زبان پر آتا ہے۔ جب یہ بات ہے، تو چاہیے کہ ہر حالت میں اسی معبود حقیقی کو سامنے رکھا جائے اور اسی کی یاد سے دل کو تسکین دی جائے اور اس کے بغیر کسی کو کسی حالت میں بھی مشکل کشائے حقیقی نہ سمجھا جائے، مگر ظالم و جاہل شریر و متکبر انسان اطمینان کے موقعہ پر سخت ناشکر گذار بن جاتا ہے، جیسا کہ فرمایا)

(۴۹) فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○

پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو ہمیں (یعنی خدائے واحد کو) پکارتا ہے (کیونکہ اس وقت اُس کو ہمارے سوا کوئی بھی دست گیر نظر نہیں آتا۔ تمام مزعومہ حاجت رواؤں کی یاد فراموش ہو جاتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سوائے خدا کے دافع البلیات دوسرا ہے بھی کون؟ مگر یہ احسان فراموش جلد ہی ان مہربانیوں کو بھلا دیتا ہے، بلکہ اپنی ہی ڈینگ مارتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:) پھر جب عطا کرتے ہیں ہم کوئی نعمت اس کو اپنی طرف سے تو (یہ ناقدردان انسان) کہتا ہے کہ سوائے اس کے نہیں کہ یہ نعمت دی گئی ہے میرے علم (و ہنر) کے مطابق (یعنی یہ نعمت میری ذاتی کوشش کا پھل ہے، جو مجھے دکھ سے نجات ہوئی ہے، تو کیا ایسوں کا یہ کہنا رائگاں جائے گا اور ان کو گرفت نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی) بلکہ یہ (نعمت) آزمائش ہے، مگر ان میں اکثر شعور نہیں رکھتے (اس کہنے پر غور و فکر سے فیصلہ دیں کہ ایسا کہنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ایسے کلمے قارون وغیرہ نے کہ کر کیا حاصل کیا، زمین میں مع تمام سامانوں کے دھسا دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۵۰) قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○

تحقیق یہی بات (کلمۂ شرک) کہی اُنھوں نے، جو ان (مشرکین متکبرین) سے پہلے تھے، پس نہ کام آئے اُن کے کوئی بھی کسب (و ہنر. ابتلاء و عذاب کے وقت، ان کے تمام علمی دعوے بے کار ثابت ہوئے. بات یہ ہے کہ متصرفِ حقیقی مہلت دیتا ہے اور نتیجہ کو ان کے کاموں کے مطابق کر دیتا ہے، تو لوگ اپنے آپ کو ہی اہل جان کر اپنے علم و ہنر پر نازاں ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں. اپنے آپ کو عالِم جاننا انسان کی پہلے درجے کی جہالت ہے. اکثر بڑے بڑے عالم پیران و پریشان دیکھے گئے ہیں. اس عجز پر ایسا گھمنڈ، یہی اصل نادانی ہے. ایسے نازیبا کلموں سے بچنا لازم ہے، ورنہ ضرور گرفت ہوتی ہے. جیسا کہ فرمایا کہ ان ناہنجاروں کا انجام ہوا یہ کہ)

(۵۱) فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۗ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ پس پہنچی بُرائی اُن کو اس چیز کی کہ کماتے تھے اور ان (موجودہ لوگوں) میں سے جو ظالم ہیں، اُن کو قریب ہی پہنچے گی بُرائی اس کی، جو کمایا انھوں نے (یہ سنت اللہ ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے (ہمارے کاموں میں کون رکاوٹ ڈال سکتا ہے. یہ اشرار زور لگا کر دیکھ لیں کہ کسی حالت میں بھی یہ کچھ نہیں کر سکتے. کسی کو تاب مقابلہ تو کجا، دم مارنے کا حوصلہ نہیں. ارشاد ہوتا ہے:) اور نہیں ہیں یہ لوگ (مجھ خدائے قہار کو) عاجز کرنے والے (تمام موجودات میری ملوک اور میرے قبضۂ قدرت میں ہے. یہ اشرار اپنی بے بسی کو دیکھیں اور میرے اختیار کا چشمِ بصیرت سے نظارہ کریں. کب تک کورانہ تقلید کے گڑھوں میں گریں گے. غور کریں کہ کون حقیقی رازق ہے؟ ہر شے میں کس کا تصرف ہے، فرمایا:)

(۵۲) اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ کیا نہیں جانا انھوں نے کہ اللہ تعالیٰ جس کے واسطے (مناسب دیکھ کر) چاہتا ہے، رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کو مناسب

اَلرَّحمٰنُ ۔ عَلَّمَ القُرآنَ ۔ خَلَقَ الاِنسَانَ ۔ عَلَّمَہُ البَیَانَ

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۳	دسمبر ۱۹۴۱ء مطابق ذیقعد ۱۳۶۰ھ	نمبر ۱۰

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر سے چھپوا کر دفتر اُمت مسلمہ امرتسر سے شائع کیا۔

اطلاعات

نظام دفتر | سابق مینیجر صاحب کی طویل علالت اور ذمہ دار ارکان کی ذاتی مشغولیتوں کے سبب دفتر کی طرف کم توجہی وغیرہ ایسے اسباب تھے جن سے گذشتہ ایام میں دفتر کے تمام شعبوں (طباعت البیان، وصولی چندہ، حفاظت کتب خانہ، تعمیل فرمائشات، خط وکتابت وغیرہ) کا انتظام سخت ابتر حالت میں رہا، مقامی اور بیرونی احباب کو بارہا تکلیف وشکایت کے موقعے پیش آئے، خاص کر البیان وبلاغ کی تاریخ اشاعت جو سالہا سے معین ومقرر چلی آتی تھی، ایک حرف فراموش بن گئی، اب کہ نئے مینیجر صاحب نے جو ہماری مجلس کے پرانے رکن، خیراندیش، جواں ہمت اور جواں سال بھی ہیں، ان تکلیف دہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس متبرک بوجھ کو اپنے کندھوں پر اُٹھالیا ہے، نظم ونسق کے مضمحل جسم میں پھر تازہ جان آرہی ہے؛ البیان اپنی تاریخ اشاعت سے قریب ہو رہا ہے۔ تعمیل فرمائشات، خط وکتابت، وصولی چندہ اور تکمیل عمارات (مسجد وغیرہ) کا کام پوری مستعدی اور تن دہی سے ہو رہا ہے۔ کاغذ کے ارزاں ہونے کا انتظار نہ ہوتا تو تمام ختم شدہ مطبوعات بھی پھر سے شائع کردیئے جاتے۔ تاہم چھوٹی چھوٹی ختم شدہ کتابیں شائع ہوتی رہیں گی —— اندریں حالات اُمید ہے کہ احباب کو آیندہ بہت کم شکایت کا موقع ملے گا —— اس کے ساتھ ساتھ البیان کی دینی وعلمی دلچسپیوں میں روز بروز نہمک واضافہ پیش نظر رہے گا۔

کام کی بات | جن اصحاب کا چندہ ختم ہوچکا ہے، ان کی خدمت میں اطلاعی چیٹیں ارسال کی جاتی ہیں۔ اگر وہ اس قدیم دینی تعلق کو قائم رکھنا پسند کرتے ہیں (۱) تو اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر فرمائیں (۲) یا ایک پوسٹ کارڈ بھیج کر وی پی کی اجازت دیں (۳)، اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے قطع تعلق ہی پسند ہو تو بھی شرع واخلاق کا لحاظ کرتے ہوئے ایک خط کے ذریعے دفتر کو مطلع فرمائیں۔ اس گرانی کے زمانے میں سابقہ تعلق کو برقرار رکھنا بھی دینی خدمت کا مترادف ہے۔

درس قرآن | خواجہ نعمت اللہ صاحب کے مکان واقع کٹڑہ حکیماں میں درس قرآن کا سلسلہ جاری کردیا گیا ہے، صبح ایک گھنٹہ تک تفسیر ومذاکرہ رہتا ہے۔ دُور ونزدیک سے طلبائے قرآن اور بعض دوسرے احباب بھی جمع ہوجاتے ہیں۔ ہر مسئلے پر الیسی فراخدلی، تہذیب اور آزادی سے گفتگو ہوتی ہے جس کی مثال عالم مجالس ودرس میں نہیں ملتی، شہر کے علم دوست حلقوں کو اس درس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

شذرات

ایک مراسلہ | شیخ محمد نصیب صاحب بیرسٹر ایٹ لاء (گورداسپور) اپنے ایک گرامی نامہ میں ادارہ اُمت مسلمہ کو ان الفاظ میں مخاطب فرماتے ہیں:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ "اُمت مسلمہ" کے نام سے جو جماعت امرتسر میں قائم ہے اور جن کی زیر تنظیم رسالہ "البیان" نکلتا ہے وہ اہل قرآن کی جماعت ہے جسے عرف عام میں چکڑالویوں کا فرقہ کہا جاتا ہے اور جن کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ عظمت حدیث رسول اللہؐ کے منکر ہیں اور احادیث کی حیثیت ان کی نگاہوں میں ایک تاریخی واقعہ سے زیادہ نہیں!

انکار کرنے کے لیے ایک حدیث ہی کیا چیز ہے ہر شے کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اور جب ایک آدمی انکار پر کمر باندھ لے تو ایک ذرہ اور ایک پہاڑ کا انکار برابر کی حیثیت رکھتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس بنا پر حدیث کی عظمت سے منحرف اور احادیث کی اہمیت سے منکر ہیں اور کہ حدیث کی عظمت و عزت آپ کی نگاہوں میں گھٹتے گھٹتے ایک تاریخی قصہ کی حیثیت میں تبدیل ہو گئی ہے!

میں مانتا ہوں کہ احادیث کے نام سے جو چیزیں کتابوں میں درج ہیں ان کے ایک حصہ کو رطب و یابس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن چشمۂ حدیث کو رطب و یابس کی گندگی سے صدف کرنے کی بجائے سرے سے حدیث کا انکار یہ کہاں کی دانائی ہے۔ اگر سر میں درد ہے تو سر کاٹ کر پھینک دینا کہاں کی ہوش مندی ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ ایسا دارو استعمال کیا جائے کہ سر بھی باقی رہ جائے اور درد بھی کافور ہو جائے!

اچھا اگر ہم کسی بنیاد پر صحیح حدیث کا انکار کر بیٹھیں تو اسوۂ رسول کہاں تلاش کریں گے، کون سا ایسا مقام کہا جا سکتا ہے جہاں سے ہمیں اسوۂ حسنہ دستیاب ہو سکے گا۔

کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ علماء کی ایک جماعت بیٹھ کر جو اس قسم کی حدیثیں ہیں جو بالکل موضوع ہیں اور ان کو بیان کر کے مولوی لوگ اسلام کو بدنام کر رہے ہیں، ان کو احادیث کی کتابوں سے خارج کر کے مستند حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے، جو موجودہ زمانہ کے مذاق کے مطابق طبع کرایا جائے۔ ایک انڈکس

نہایت مفصل تیار کیا جاوے۔ اس کے مختلف باب بنائے جاویں تاکہ پوری پوری حدیث کو ہر باب اور عنوان کی تحت میں ڈھونڈنا نہ پڑے۔ اس طرح حجم بھی کم ہو جائے گا۔

کچھ عرصہ ہوا کہ آپ نے "البیان" میں چند ایک موضوع حدیثیں طلوع اسلام سے لے کر شائع کی تھیں جن سے آپ کا مدعا یہ ظاہر کرنا تھا کہ ایسی ایسی موضوع احادیث بھی ہیں۔ آپ نے ایسا کر کے مخالفان اسلام کو گویا دعوت دی کہ وہ اسلام پر نکتہ چینی کریں اور اعتراض کریں۔ میں نے اپنے منصب پبلک پراسیکیوٹر لاہور کی حیثیت سے کئی مقدمات ایسے لوگوں پر کئے۔ اس سے مجھے تجربہ ہے اور علم ہے کہ جو اعتراض اسلام پر ہوتے ہیں وہ ہمارے بھائیوں کے اور بالخصوص "علماء سوء" کے بہم پہنچائے ہوئے ہوتے ہیں، جن بے چاروں کو پیٹ اس بات کے لیے مجبور کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی جماعت کو احادیث کی صحت کے لیے وقف کر دیں تو یہ کام ہمیشہ تاریخ میں آپ کی یادگار رہے گا۔ یوں بھی چھوٹی چھوٹی انجمنیں بنانے کا کیا فائدہ ہے۔ امید ہے کہ آپ میری صاف گوئی کو معاف فرمائیں گے"

(محمد نصیب بیرسٹر ایٹ لاء گورداسپور)

اگرچہ بار بار "البیان" میں اُمت مسلمہ کے مسلک کا اعلان کیا گیا ہے کہ اُمت مسلمہ نہ تو منکر حدیث ہے اور نہ ان معنوں میں "اہل قرآن" ہے جو بقول مخدومنا شیخ صاحب "عرف عام میں چکڑالویوں کا فرقہ کہا جاتا ہے جن کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ عظمت حدیث رسول کے منکر ہیں"۔ مگر اس ذہنیت کا کیا علاج کہ ہمیں ایک گمراہ کن "پروپاگنڈا" کے زیر اثر وہ کچھ سمجھا جاتا ہے جو ہم نہیں ہیں۔ البتہ ایک بات ایسی ہے جسے خود شیخ صاحب ممدوح بھی مانتے ہیں کہ "احادیث کے نام سے جو چیزیں کتابوں میں درج ہیں، ان کے ایک حصہ کو رطب ویابس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے"۔ رطب ویابس سے شیخ صاحب "موضوعات" مراد لیتے ہیں حالانکہ یہ قرآنی الفاظ ہیں اور ان کا مفہوم واضح ہے۔ یہ خوبی صرف "کتاب مبین[1]" کے لئے خاص ہے۔ ان الفاظ کو مذموم معنی میں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

محترم بیرسٹر صاحب کو یہ تو علم ہے کہ "ہر شے کا انکار کیا جا سکتا ہے"۔ لیکن معقولیت کے ساتھ انکار اور شے ہے اور محض انکار بوجہ تعصب وحسد اور چیز ہے، آپ خود بھی ان معنوں میں منکر حدیث ہیں کہ آپ جن کو "رطب ویابس" سے تعبیر کرتے ہیں، ان کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ حدیث کی کتابوں میں ان کے کوئی جگہ ہو، لیکن ذرا "اہل حدیث" سے پوچھیں کہ وہ اس بارہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ کا یہ خیال

---

[1] ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (۶:۵۹)

تو نہایت پاکیزہ ہے کہ "چشمہ حدیث کو رطب و یابس کی گندگی سے صاف کرنا چاہئے"۔ ـــ آپ نادانستہ ہمیں ملامت فرما رہے ہیں، آپ تو ہم سے بھی چند قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں اور جنہیں آپ "چکڑالوی" کہتے ہیں، وہ بھی اسی کے لگ بھگ بات کہتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اہل حدیث آں جناب کی نسبت کیا فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ آج تک ہم میں سے کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ "چشمۂ حدیث" کی نسبت ایسے پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتا۔ آں جناب کی یہ تجویز بھی مبارک ہے کہ "علماء کی ایک جماعت بیٹھ کر جو اس قسم کی حدیثیں موضوع ہیں اور ان کو بیان کر کے مولوی لوگ اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ ان کو احادیث کی کتابوں سے خارج کر کے مستند حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے"۔ اگرچہ ہزار سال کے بعد جب کہ احادیث کی "عظمت" بالعموم دلوں پر چھا چکی ہے جبکہ نوبت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کسی ایسی بھی حدیث کے خلاف آواز بلند کرنا فتویٰ کفر کی بے پناہ زد میں آتا ہے، یہ کام کٹھن ہے اور امت مسلمہ کے ارکان کو اپنی کمزوری اور بے بسی کا پورا پورا احساس ہے، لیکن آں جناب کی جرأت ایمانی سے توقع ہو سکتی ہے، آپ ہی کچھ کام کریں جو جناب کے نام نامی کو بقول آں جناب ہمیشہ تاریخ میں یادگار بنا دے گا۔ آپ ان حضرات کو دعوت دیں جن کو "علماء" سے تعبیر فرماتے ہیں، ہمیں ڈر ہے کہ جو تفرقہ اور فرقہ بندی مستند احادیث کی بنا پر ان حضرات نے پیدا کر رکھی ہے۔ انہیں آپ کی پسندیدہ تجویز کے مطابق ایک جگہ باہم بیٹھنے نہیں دے گی۔

اگرچہ اس کام کو سرانجام دینے کے لیے مشکلات تو بہت ہیں، لیکن ایک خاص مشکل جناب کی خاص توجہ کے لائق ہے، آپ کا ارشاد ہے کہ "مستند حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے"۔ غالباً جناب نے لفظ "مستند" کچھ سوچ سمجھ کر ہی لکھا ہوگا، اگر اس لفظ کا مفہوم جناب کے ذہن میں وہی کچھ ہے جو اہل حدیث کے نزدیک مسلم ہے تو ہم یہ مشورہ دیں گے کہ آپ اس دھندے میں نہ الجھیں، ہر ایک حدیث جو "صحاح" میں ہے۔ خواہ وہ اہل سنت کی ہو یا اہل تشیع کی روایتاً مستند ہے اور یہ مجموعہ تو موجود ہی ہے ہر حال کوئی بھی حدیث جو کسی نہ کسی فرقہ کے نزدیک "مستند" ہی ہے۔ اب آپ کا اور ہمارا کیا حق ہے کہ ان کو غیر مستند قرار دیں، اور اس حق کو کون تسلیم کرے گا۔

آپ نے "دردِ سر" کی مثال دی ہے، چکڑالویوں نے تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا کہ یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے" لیکن ان حالات میں آپ اور ہم کیا کریں، اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے

آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اگر ہم کسی بنا پر حدیث کا انکار کریں تو اسوۂ رسول کہاں تلاش کریں گے؟
انکار حدیث کا سوال تو اس اعلان کے بعد جو "بلاغ" اور "البیان" کے صفحات پر ہو چکا ہے، امّت مسلمہ کی نسبت ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ یہ سوال باقی رہتا ہے کہ "حدیث" کی دینی حیثیت کیا ہے؟ چکڑالوی چوں کہ سرے سے حدیث کے منکر ہیں، اس لیے وہ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ اہل حدیث کہتے ہیں کہ حدیث کی دینی حیثیت مثل قرآن ہے "مثلہ معہ"۔ امّت مسلمہ اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتی، اس لیے کہ اول تو قرآن کی ایک سورہ کی مثل تمام جہان کے جن وانس بھی مل کر نہیں بنا سکتے۔ اگر احادیث قرآن کی مثل ہوں تو کفار کا یہ کہنا کہ آں حضرتؐ قرآن کی آیات اپنے دل سے بناتے ہیں صحیح ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ - یعنی اللہ کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا قرآن غلط ٹھہرے گا۔ (نقل کفر کفر نباشد) اہل حدیث کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ انہوں نے حدیث کو وحی کا درجہ دیا، اور کلام اللہ کو وحی متلو اور احادیث کو وحی غیر متلو کہا۔ لیکن اس سے بھی ان کے دعویٰ کی تائید اس لیے نہیں ہوتی کہ آں حضرت کی عقل خداداد اور قوت فکریہ کی نفی لازم آتی ہے۔ یعنی آں حضرتؐ نے کبھی بشری عقل وفکر سے کام نہیں لیا اگر یہ صحیح ہو تو ارشاد الٰہی "قل انما انا بشر مثلکم" کا مفہوم وہ نہیں ہوگا جو آپ اور ہم سمجھتے ہیں، اگر اہل حدیث کا دعویٰ صحیح ہو تو آپ ہی انصاف فرمائیں کہ آں حضرت کا "اسوۂ حسنہ" عالم انسانی کے لیے کیسے ہو سکتا ہے؟ "اسوہ" تو نمونہ ہے اور بشر ہی بشر کے لیے نمونہ ہوگا، جب آں حضرتؐ کی بشریت کی نفی کی جائے اور واحد امتیازی انسانی خوبی عقل وفکر ہی ہے تو آں حضرت کس بات میں نمونہ ہوں گے؟

اہل حدیث غلو فی الدین کرتے ہوئے حدیث کو "وحی خفی" کا درجہ دیتے ہیں۔ "وحی خفی" ایک بے معنی اصطلاح ہے، بہرحال اس کی حیثیت آپ نے کسی قدر نا ملائم الفاظ میں واضح کر دی ہے کہ "رطب ویابس کی گندگی سے آلودہ ہے"؛ اور اگر حسب ارشاد آں جناب انسانی عقل وفکر اسے آلودگی سے پاک وصاف کرے تو اس وحی کی وقعت کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انہ لکتب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید"۔ جس وحی میں باطل کا دخل ہو، اس کی حیثیت کیا ہوگی؟ حدیث بلفظہ روایت نہیں ہوئی، آخری الفاظ ان

روایات کے ہیں جنہوں نے ان کو قریباً دو سو سال بعد قلم بند کیا۔ ایک بیرسٹر کو جو قانونی الفاظ کی اہمیت سے خوب واقف ہے یہ کہنا کہ حدیث ایسی ہی حجت شرعی ہے جیسا کہ قرآن، اس کے ذہن کا مضحکہ اڑانا ہے۔

یہ بات پہلے ہی آپ کے دل میں گھر کر چکی ہے کہ اُسوۂ حسنۂ رسول اللہ قرآن میں نہیں ملتا لیکن احادیث میں ملتا ہے، اگر آپ کو آپ کے لفظوں میں کوئی یہ کہے کہ آپ قرآن کے منکر ہیں تو آپ کے پاس کیا جواب ہے، لیکن اس پر بھی ہم یہی کہیں گے کہ اگر آپ کو اُسوہ قرآن میں نظر نہیں آتا تو شوق سے احادیث میں سے لیں، چشمِ ما روشن دلِ ماشاد

فرمایئے، آپ نے "اُسوۂ حسنہ" کی اصطلاح کہاں سے سیکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ تو ارشاد فرمائے کہ رسول اللہ میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور یہ نہ بتلائے کہ کن امور میں ہے اور کہاں سے تلاش کیا جائے تو قرآن کا یہ دعویٰ کہ اس کی آیات بینات ہیں اور اس میں ہر ایک شے کی تفصیل ہے اور یہ کامل ہدایت اور رحمت ہے، محض دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا۔ "افلا تعقلون"۔ ارشاد الٰہی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا (۲۱/۳۳)	بلاشبہ آں حضرت میں اُسوۂ حسنہ ہے، ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت سے امید وابستہ رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

یہ آیت سورہ احزاب میں واقعہ ہے۔ دشمن کی کثرت سے بعض لوگوں پر رعب چھا گیا، ایسے لوگوں کو کہا گیا ہے کہ اگر تم یہ یقین کرتے کہ اللہ ہی ہمارا حافظ و ناصر ہے، اس لیے میدان جنگ میں ثابت قدم رہتے اور دشمن کی کثرت سے مرعوب نہ ہوتے اور یہ بھی یقین کرتے کہ اس کا اجر ہمیں آخر کار اللہ دے گا۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرتے جو اطمینان قلب کا واحد چارہ کار ہے تو یہ ایسے امور میں جو بدرجہ اتم رسول اللہ کی ذات میں نمایاں ہیں اور تمہیں رسول اللہ کا اتباع کرنا چاہئے تھا کہ آں حضرت کی تمام امیدیں اللہ ہی سے وابستہ ہیں۔ آں حضرت کی حیات و ممات اور معاملات باخدا و باخلق محض للہ ہیں (۶/۱۶۲)۔ قرآنی آیات بینات تو ان تمام امور کو مفصل واضح کرتی ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ "کہاں سے تلاش کریں؟" اگر ان امور کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں مثلاً آمین بالجہر اور رفع یدین اور اسی قبیل کے مسائل جو اُمت مسلمہ میں تفرقہ اور فرقہ بندی کا موجب ہیں تو آپ اختیار

ہے جہاں سے یہ اُسوہ آپ کو ملتا ہے، لے لیں، لیکن ہمیں معذور ہی سمجھیں، ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔ اور غالباً آپ کو بھی کچھ تلخ تجربہ بحیثیت وکیل سرکار ہو ہی چکا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ (۶۰/۴) (اے مسلمانو) تمہارے لیے ابراہیمؑ اور اُن لوگوں میں جن کو اس کی معیت حاصل تھی، نیک نمونہ ہے کہ اپنی قوم کو کہا ہم تم سے اور ان سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو بری ہیں اور ہم تمہارے کافر (منکر) ہیں اور ہم میں اور تم میں عداوت اور بغض علانیہ ہمیشہ کے لیے ہے جب تک تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

فرمایئے، "اُسوہ ابراہیمی اور اصحاب ابراہیم آپ کہاں سے تلاش کریں گے؟ بائیبل کی ورق گردانی کریں گے، احادیث میں تلاش کریں گے۔ قرآن تو حضرت ابراہیمؑ کو صدیق کا خطاب عطا فرماتا ہے اور بائیبل اور احادیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے تین دفعہ جھوٹ بولا۔ ایسی احادیث کی "عظمت" کا کیا کہنا جسے برقرار رکھنے کے لیے اہل حدیث ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور قرآن عظیم کی عظمت کی پروا نہیں کرتے۔

آخر میں ہم اتنا گذارش کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرآن عظیم الروح الامین نے آں حضرتؐ کے قلب سلیم پر نازل فرمایا۔ کیا کوئی حدیث الٰہی آپ کو معلوم ہے جو وحیاً نازل ہوئی ہو؟ قرآن مجید کی آیات آں حضرت لوگوں میں بلفظہٖ من و عن بالوحی تلاوت فرماتے رہے، کیا احادیث بھی اسی طرح بالوحی تلاوت فرماتے تھے، احادیث میں مذکور ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے وحی کا نزول نہ ہوا اور کفار مضحکہ اڑانے لگے، اکثر احادیث "مثلہ معہ" ہیں تو کیا اس عرصہ آں بالکل خاموش رہے اور کسی سے بات چیت نہ کی۔ آں حضرتؐ کہہ سکتے تھے کہ جو کچھ میری حدیث ہے، وحی ہی ہے بلکہ اس کی عظمت وحی متلو سے بڑھ کر ہے کہ قرآن تو بالواسطہ نازل ہوتا ہے اور حدیث بلاواسطہ۔ قرآن بلفظہٖ محفوظ وحی ہے اور صحیح حدیث تواتر سے ثابت شدہ ہے کہ آں حضرتؐ نے منع فرما دیا تھا کہ "قرآن کے سوا اور کچھ جو مجھ سے منسوب ہو، قلم بند نہ کیا جائے۔" اور اس پر عمل آں حضرتؐ کے بعد۔ ۔۔ مدتوں رہا۔ فرمایئے اس حدیث کی حیثیت کیا ہے جس کو شروع سے ارادۃً غیر محفوظ چھوڑا گیا اور اس لیے کہ کہیں بائیبل کی طرح قرآن بقول آں جناب رطب و یابس کی گندگی سے آلودہ نہ ہو۔۔۔ یہود و نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ "اہل کتاب" فرماتا ہے۔ بائیبل کا لفظی عربی ترجمہ "کتاب" ہے۔ اُمت مسلمہ اہل قرآن ہے،

خود رسول کریمؐ اہل قرآن ہیں، اہل حدیث نہیں، صحابہ کرامؓ اہل قرآن ہیں، تابعین اہل قرآن ہیں۔ — اب اس ذہنیت کی بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ جو شخص اپنے آپ کو کتاب اللہ سے وابستہ کرتا ہے وہ تو ہُوا کافر، اور کس کے نزدیک، اس کے نزدیک جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں، ان ہی لوگوں کی نسبت قرآن پہلے ہی ارشاد فرما چکا ہے کہ "قال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القراٰن مھجورا" (۳۰:۲۵)، کہیں صحاح میں آپ نے قرآن کی جگہ "حدیثی" بھی پڑھا ہے؟ البتہ قرآن میں اتنا مذکور ہے کہ "تلک اٰیات اللہ نتلوھا علیک بالحق، فبای حدیث بعد اللہ واٰیتہ یومنون" (۶:۴۵)۔ اُمت مسلمہ اہل قرآن ہے، لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں کہ وہ منکر حدیث ہے، بلکہ بعض احادیث جن کو ضعیف وغیرہ کہہ کر اہل حدیث بھی انکار کرتے ہیں ہم اسے بھی درایتاً صحیح سمجھتے ہیں، انسانی کلام اچھے سے اچھا بھی موجود ہے، اور رسول کریمؐ کا بشری کلام تو سبحان اللہ بہت بلند پایہ کا ہے، مگر کلام اللہ وہ ہے جو اللہ کے علم وارادہ وقدرت سے آنحضرت کے قلب مبارک پر نازل ہُوا، اور احادیث وہ ہیں جو بالتبع وحی آں حضرت کے بشری عقل وفکر کے ساتھ اجتہادات ہیں، احادیث پر کیا موقوف ہے، ہم تو ائمہ دین مجتہدین کے اجتہادات کا بھی انکار نہیں کرتے جو شخص اللہ اور یوم آخر اور کتاب اللہ اور رسول کریمؐ پر ایمان رکھتا ہو ہم اسے کافر بھی نہیں کہتے ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

ختم نبوت | ریویو آف ریلیجنز (قادیان)، بابت ماہ جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۴۱ء میں ایک مضمون بالاقساط "ختم نبوت" پر جناب غلام رسول صاحب راجیکی کے نام نامی سے شائع ہُوا ہے، مدیر ماہنامہ مذکور نے فاضل مضمون نگار کا تعارف کراتے ہوئے یہ فقرہ بھی چست کیا ہے کہ "جناب خواجہ احمد الدین صاحب مرحوم امرتسر کی انجمن اُمت مسلمہ کے بانی تھے، اُن کا مسلک انکار حدیث تھا۔" مناسب ہے کہ ہم ادارہ مذکور کی غلط فہمی کا ازالہ کر دیں، خواجہ صاحبؒ نہ تو کسی انجمن کے بانی تھے اور نہ ان کا مسلک انکار حدیث تھا۔ اُمت مسلمہ ابراہیمی دعا "ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" کی قبولیت کے ساتھ ظہور میں آئی، اس کا احیاء رسول کریمؐ کے مبارک ہاتھوں سے ہُوا اور بفضل خدا اب تک زندہ وسلامت ہے خواجہؒ اسی اُمت کے فرد تھے نہ کہ بانی، غالباً یہ غلط فہمی قادیانی حضرات کو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے جیسا کہ اُن کا عقیدہ ہے، "احمدیت" کا بانی ایک خاص شخصیت عہد حاضر تسلیم کی ہے اور اسی پر وہ دوسروں کو قیاس کرتے ہیں، اُمت مسلمہ اللہ اور دین اللہ سے وابستہ ہے اور کسی شخصیت سے خواہ

وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو، وابستہ نہیں، خواجہ صاحبؒ تو مدعی نبوت و رسالت بھی نہ تھے، چوں کہ اس موضوع کا گہرا تعلق ختم نبوت سے ہے۔ اس لیے ہم اسے کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

إن هي إلا أسماء سميتموها أنتم وآباؤكم ما أنزل الله بها من سلطن ۖ إن يتبعون إلا الظن وما تهوى الأنفس ج ولقد جاءهم من ربهم الهدى۔

(۲۷/۵)

یہ محض ایک نام ہیں، جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیا ہے، اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ محض ظن کی اور اپنے نفسوں کی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں، حالاں کہ بلاشبہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ پہنچی ہے۔

اسماء امتیاز پیدا کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، مثلاً "یہودیت" ایک خاص قوم یہود کی امتیازی صفت قومیت ہے۔ یہ اسم یہود کو دیگر اقوام سے ممتاز کر رہا ہے، "مسیحیت" یہ اسم بھی ایک امتیازی مسلک کو ظاہر کرتا ہے، جو لوگ مسیحی کہلاتے ہیں وہ اپنے آپ کو ایک شخصیت مسیح نامی سے وابستہ کرتے ہیں۔ ہندوستان ایک ملک ہے، یہاں کے باشندوں کی اکثریت اپنے آپ کو ہندو کہتی ہے۔ غرض کوئی جماعت قومیت سے ... ... کوئی بشری شخصیت سے اور کوئی کسی ملک سے وابستہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ان ناموں کے باہر ان کی قومیت اور مذہب سب معدوم ہیں، مسیح سے باہر مسیحیت معدوم اور ہندوستان سے باہر ہندوازم ،او۔ علی ہذا القیاس۔ ارشاد الٰہی ہے کہ

وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل ۚ أفإن مات أو قتل انقلبتم على أعقابكم ۚ ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئًا ۗ وسيجزي الله الشاكرين۔ (۳/۱۴۴)

اور محمدؐ تو ایک رسول ہی ہے (جو دین الحق کے ساتھ مبعوث ہوا) اس سے پیشتر بہت رسول ہو چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ مر جائے (جو یقینی امر ہے) یا مارا جائے (جس کا امکان ہے) تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹا پھرا وہ اللہ (کے دین کا) تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور اللہ شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دے گا۔

اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ رسول کریمؐ "دین الحق" کے ساتھ ظاہر ہوئے (۹/۳۳ التوبہ) اور دین الحق "دین اللہ" ہے (۳/۸۳)، اور یہی دین الفطرت اسلام ہے۔

أفغير دين الله يبغون وله أسلم من في السموات والأرض ....

اب کیا دین اللہ کا غیر ڈھونڈتے ہیں اور اسی کے حکم بردار ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے ....

ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو فی الاخرة من الخسرين

اور جو کوئی غیر اسلام دین چاہے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ میں رہے گا۔

یہ دین الحق، دین اللہ، دین الفطرت ایسی ذات سے تمام کائنات کو جس میں عالم انسانی بھی
شامل ہے، وابستہ کرتاہے جو حی قیوم ہے اور خود رسول کریم اول المسلمین ہیں (۶/۱۶۳)، ارشاد الٰہی ہے کہ

يا اهل الكتب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم (۳/۶۴)

اے بائیبل والو ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ اللہ ہی کی عبادت کریں۔ اور کوئی شے اس کی شریک
نہ ٹھیرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک ایک کو رب نہ بنائیں، پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلم
ہیں، اے بائیبل والو، ابراہیمؑ کے بارہ میں کیا جھگڑتے ہو (تمہاری اپنی پیدائش تو) توریت اور انجیل (کے بعد کی
ہے) جو ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئیں، عقل سے کچھ کام لو۔ تم لوگ جس بات میں تم کو علم ہے جھگڑ چکے، اب کیوں جھگڑتے
ہو جس بات میں تم کو علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی (لیکن تمام
فرقہ بندیوں سے) ایک طرف مسلم تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔

دین الحق آں حضرت کی شخصیت سے وابستہ نہیں بلکہ یہ دین الفطرت ہر ایک شخصیت سے جو
اللہ کے سوا ہے، بے نیاز ہے، قوانین فطرت آفرینش سے سرگرم عمل ہیں کسی کے اقرار و انکار کا اثر
ان پر نہیں پڑتا جن کو اس کا علم ہے وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو جاہل منکر ہیں
وہ خسارہ میں رہتے ہیں اور مغضوب و مقہور ہیں، اللہ کے سوا کسی اور شخصیت سے اپنے آپ کو وابستہ
کرنا شرک ہے۔ جیساکہ بروئے نص قرآنی واضح ہے، محمدیت و احمدیت و بہائیت و مسیحیت وغیرہم کی
کوئی سند قرآن سے نہیں ملتی، یہ نام ہیں جو لوگوں نے گھڑ لیے ہیں اور عالم انسانی میں سخت تفرقہ کا موجب ہیں
مسیحؑ اور آں حضرتؐ کے حواری اپنے آپ کو مومنین اور اخوان کہتے تھے، مسیحیت پولوس کی اختراع
ہے جس کو حواریان مسیح "دجال"[1] کہتے تھے، رینان لکھتا ہے کہ اس وقت تک حواریوں اور عام یہودیوں
میں کچھ اختلاف نہ تھا، یہ فرعی اختلاف ان کی قومیت پر موثر نہ ہوا لیکن پولوس کو خوب سوجھی، اس نے
ایک ایسا نام تجویز کیا کہ جس نے ہمیشہ کے لیے اس کے متبعین اور یہود کو علیحدہ کر دیا اور ان میں نمایاں

---

[1] ۱۔ یوحنا ۲/۱۸، ۴/۳، ۲۔ یوحنا ۷ مکتوبات یوحنا سے واضح ہوتا ہے کہ حواری مسیحؑ کو بشری سمجھتے تھے لیکن پولوس نے
مسیحیت کے نام پر مسیحؑ کو الوہیت کا درجہ دیا، یہ دجالیت خوب شائع ہوئی اور مسیحؑ کی پوجا ہونے لگی۔

امتیاز روز بروز پیدا ہوتا گیا، حقیقت یہ ہے کہ پولس کی فطرت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ اگر وہ حواری بھی ہوتا تو مسیحؑ سے الگ اپنی ایک جماعت بنا لیتا ـــــ جن حضرات کی ذہنیت پولس جیسی ہے وہ ہمیشہ تفرقہ پردازی اور فرقہ بندی پسند کرتے ہیں، وہ بندگان خدا کو اپنا بندہ بنانا چاہتے ہیں، وہ غلو کے طالب ہوتے ہیں۔ ملک، خدا اور بندگان خدا میں فساد انہی لوگوں نے پیدا کر رکھا ہے، ورنہ خدا پرست بندگان خدا سے محبت کرے گا۔ بندہ پرست ہی مفسد ہوتا ہے اور بندہ پرست ہی ہمیشہ برسرپیکار نظر آئے گا، ان کے معبود ایک سے زیادہ ہیں۔ اگر ان سب کا ایک ہی معبود ہوتا تو یہ فساد جو ان کے خود ساختہ ناموں نے برپا کر رکھا ہے، رونما نہ ہوتا ـــــ امت مسلمہ اس سے بری ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی ہم نوا ہے کہ "لا احب الافلین" ـــــ "اشہد بانا مسلمون"

انکارِ حدیث | خواجہ صاحبؒ منکر حدیث نہ تھے، اکثر کہا کرتے کہ "دنیا میں بڑے بڑے لائق اور علامہ گذرے ہیں، گو بعض باتوں میں ان سے ہمارا اختلاف ہے لیکن ان کے اقوال ہم پسند کرتے ہیں اور بعض اوقات سنداً پیش کرتے ہیں تو کیا احادیث ہی ایسی ہیں جو لوگوں کو ڈستی ہیں"۔ ہاں ایک بات ضرور تھی کہ لوگ احادیث کو مثل قرآن دائمی حجت شرعی سمجھتے ہیں، خواجہ صاحبؒ کے نزدیک احادیث کی یہ حیثیت نہیں، وہ حدیث کے منکر تو نہ تھے لیکن اس عقیدہ کے منکر تھے جو حدیث کی نسبت لوگوں نے جما رکھا ہے۔ اس موضوع پر ان کا مباحثہ اہل حدیث سے رہا جو "برہان القرآن"[1] میں بلفظہٖ شائع ہو چکا ہے، اس کے مطالعہ سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکتا ہے جو پیدا کی جاتی ہے۔ امت مسلمہ، ہر ایک صاحب علم و فضل پر جو اس کے افراد ہیں بجا فخر کر سکتی ہے اور کرتی ہے، خواجہ صاحبؒ کا احترام ان کے اعلیٰ تقویٰ اور خدا پرستی کی وجہ سے امت مسلمہ خواہ کتنا کرے لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ ان کو بانیان مذہب فرقہ و تفرقہ کی صف میں لوگ کھڑا کریں اور پھر یہ پھبتی جمائیں کہ "ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند"۔ ہم یہ امتیاز پیدا کرنا پسند نہیں کرتے۔ "احمدیت" کے بانی کی نسبت کچھ کہنے سننے کا حق ہر ایک شخص کو ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے لیے خاص امتیازی حیثیت خود پیدا کر لی ہے، خواجہ صاحبؒ کے عقائد سے خواہ کسی کو اختلاف ہو، بحیثیت بانی امت مسلمہ اگر کچھ کہنا چاہتے ہو اور تمہارا منہ ہے کہ کہو تو اسے کہو جو فی الحقیقت بانی ہے۔ اسلام اور صرف اسلام ہی ایک نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول ہے۔ غیر اسلام ہر ایک نام مردود ہے اور اس پر نص قرآنی کی شہادت ثبت ہے۔ جو شخص قل یعبادی

---

[1] قیمت ۸ / (دفتر امت مسلمہ امرتسر)

کی تفسیر یہ کرے کہ متکلم رسول اور مخاطب رسول کے بندے ہیں۔ یہ عامیانہ باتیں ایسے شخص کے لیے تو زیبا نہیں جو دعویٰ نبوت کے ساتھ بندگانِ خدا کو یہ کہے کہ میرے بندے بن جاؤ، وہ تو یہی کہے گا کہ اللہ والے تم میری طرح ہو جاؤ۔۔۔۔ میں اول المسلمین ہوں، تم بھی مسلم بنو، وہ اپنے متبعین کو یہ نہیں کہے گا کہ میرے نام سے اپنے کو وابستہ کرو، موسائی یا عیسائی یا محمدی کہلاؤ اور نہ کبھی ایسا کہا گیا۔

ختم نبوت | بلاغ کے صفحات پر وہ تمام موافق و مخالف مضامین جو اس موضوع پر خواجہ صاحبؒ اور دیگر حضرات نے لکھے، جناب فاضل راجیکی نے وہی دلائل پیش کیے ہیں جن کا مفصل جواب دیا جا چکا ہے لیکن چوں کہ یہ تحریری مباحثہ فاضل ممدوح اور خواجہ صاحبؒ کے درمیان ہوا اور غالباً خواجہ صاحبؒ کی تحریر جناب فاضل ممدوح کے پاس ہوگی اور اپنی تحریر بھی۔ اگر آں جناب خود بلفظہٖ اسے شائع کرنے سے معذور ہیں تو ہم یہ کام اپنے ذمہ لیتے ہیں، جناب اپنے اور خواجہ صاحبؒ کے تحریری پرچے ادارہ کے حوالہ کر دیں، بلفظہٖ شائع ہو جائیں گے۔ سردست اجازت دیں کہ ہم ان امور تنقیح پر مختصر بحث کریں جو آپ نے قرار دی ہیں۔ ان تین میں سے پہلا امر یہ ہے کہ

۱۔ آں حضرتؐ کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہے؟

اگر اس کا جواب نفی میں ہو تو دیگر شقوں پر بحث تحصیل حاصل ہے۔ ہماری رائے میں لفظ "ممکن" کی جگہ "ممتنع" ہونا چاہیے، کیوں کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ایک شے کا امکان ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شے ضرور ظہور میں آچکی ہے لیکن ہم ارادۃً کمزور پہلو اختیار کرتے ہیں اگر امکان ہی ثابت ہو تو ہم فاضل ممدوح کا دعویٰ تسلیم کر لیں گے۔

ایامِ جاہلیت یا ازمنۂ تاریک | ہر ایک زمانہ کی کچھ خصوصیات جو تواریخ کے صفحات پر مفصل مذکور ہیں ہم صرف انبیاءؑ اور ملوک کا عام تذکرہ ان خصوصیات کے تحت کریں گے۔ قرون اولیٰ میں انبیاء اور

لہ "نبی" اصطلاح نہ صرف اہل کتاب کی ہے جس سے مراد اہل بائیبل ہیں بلکہ ہر ایک قوم میں اس کے ہم معنی الفاظ موجود ہیں، یونانی لفظ "پروفٹ" کا مفہوم بھی لغوی معنی نبی کے ہیں یعنی "پیش گو"۔ توریت اور سموئیل نبی کے زمانہ تک تو لفظ "رائی" اہل کتاب میں رائج تھا، چنانچہ ا۔سموئیل ۹:۹ میں مذکور ہے کہ پہلے وقتوں میں بنی اسرائیل میں سے کسی شخص کو خدا کے متعلق دریافت کرنا ہوتا تو کہتا آؤ رائی کے پاس چلیں، کیوں کہ جسے آپ نبی کہتے ہیں، "رائی" کہلاتا تھا۔ کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا تو تعبیر کے لیے رائی کے پاس جاتا۔ کوئی اہم کام شروع کرنے سے

سہ ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون اللہ ولٰکن کونوا ربانیین

ملوک دوش بدوش شخصی حکمران ہر ایک قوم میں نظر آتے ہیں، ان ایام میں قوموں اختلاط میں رابطہ نہ تھا جو اب مشاہدہ ہو رہا ہے، ہر ایک قوم کی معاشری وغیرہ زندگی اس کی اپنی ہی قومیت میں محدود تھی، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک قوم کے ملوک اور انبیاء اپنی ہی قوم کی بہبودی میں لگے ہوئے تھے، اگر کبھی ہمسایہ اقوام پر لشکر کشی کی اور فتح مند ہوئے تو ان کو لونڈی اور غلام بنایا اور شودر بنا کر چھوڑا، حضرت عیسیٰ تک کل انبیاء بنی اسرائیل قومی تھے، غیر اقوام سے ان کا کچھ تعلق نہ تھا، ہر ایک قوم ہمسایہ اقوام کو ملیچھ اور نجس اور ناپاک اور اپنے آپ کو پاک پوتر دیوتاؤں کی اولاد سمجھتے، دور جانے کی ضرورت نہیں، اسی ہندوستان میں رشی منی اور راجے انبیاء اور ملوک کی واضح مثال ہیں؛ انجیل میں حضرت یحییٰ (یوحنا) کی نسبت مذکور ہے کہ ہیرودیس آں حضرت کو قتل کرنے سے ڈرتا تھا کیوں کہ لوگ انہیں نبی یقین کرتے تھے (متی ۱۴؍۵)، اگر کسی راجہ کے دربار میں کوئی لنگوٹ بند جٹادھاری رشی آنکلتا تو راجہ تخت سے اتر کر اس کے پاؤں دھوتا اور ہاتھ باندھ کر پوچھتا کہ "مہاراج کیا اچھیا ہے" قرون اولیٰ کی تواریخ انبیاء اور ملوک کے کارنامے ہیں اور جمہور کا تذکرہ بمنزلہ صفر ہے اور قوموں کی ترقی انہی انبیاء اور ملوک کی شخصی حکومت سے وابستہ تھی، نبوت اور ملوکیت ازمنہ تاریک میں قوموں کے

پہلے رائی سے مشورہ کرتا، جیسا کہ ملوک بنی اسرائیل عموماً ہر ایک مہم میں کیا کرتے تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مرضی اس میں کیا ہے، مریم اخت ہارون نے اسی قبیل کی نبوت کا دعویٰ حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں کیا تھا، اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ "اگر تم میں سے کوئی نبی ہو تو میں رویا میں اس پر ظاہر ہوں گا اور خواب میں اس سے کلام کروں گا، لیکن میرا بندہ موسیٰؑ ایسا نہیں، میں اس سے بینات میں ہم کلام ہوتا ہوں نہ کہ مبہم اور تمثیلی کلام میں (گنتی ۱۲)، جب مسیحؑ نے دعویٰ نبوت کیا تو اسرائیلی مسخروں نے یہی پھبتی مریم صدیقہ پر جمائی تھی۔ مریم اخت ہارون کچھ دنوں کے لئے کیمپ سے خارج کی گئی تھی، اسرائیلی مسخروں نے بھی صدیقہ کو یہی دھمکی دی کہ قوم سے خارج کیے جاؤ گے۔ پولوس اپنے ایک مکتوب (۱۔ کا۔ منتھی ۱۲؍۲۸) میں لکھتا ہے کہ چرچ کے ارکان حسب ذیل ہیں اول رسل (حواریان) دوسرے انبیاء تیسرے معلمین اس کے بعد معجزات اور شفا بخشا وغیرہ وغیرہ۔ نبوت کی تشریح وہ دیگر مکتوبات میں بھی کرتا ہے۔ جسے ہم معبر یعنی خوابوں کی تعبیر بتانے والے اور صاحب کشف و کرامت اور اہل وجد و حال کہتے ہیں، وہ نبی ہی سے تعبیر ہوتا تھا لیکن ایسے عام نبیوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے مسیحؑ جیسے پیغمبر کو بڑا نبی بھی کہتے، لیکن رفتہ رفتہ اصطلاحی معنوں میں یہ لفظ ایسے اشخاص کی نسبت بولا جاتا جو ملوک یعنی دنیوی بادشاہوں کے مقابلہ میں روحانی مملکت کے بادشاہ تھے۔

لیے نعمت[1] الٰہی ہی تھی کہ اسی ملوکیت اور نبوت کے ذریعہ وہ ممتاز نظر آتی ہیں۔ یہ دنیوی اور دینی حکومتیں شخصی تھیں اور خاص خاص خاندانوں کا ورثہ تھیں۔ ہندوستان میں یہ شرف برہمن دیوتاؤں کو حاصل تھا اور ذریت ابراہیمؑ میں نبوت محدود تھی (۵۴/۴، ۲۶/۵۷) یہ وہ حضرات تھے جن کو الکتاب[2] اور الحکم اور نبوت عطا ہوئی، یہ خصوصیات ایام جاہلیت کی ہیں۔

نبوت اور ملوکیت کی مفصل تاریخ ہمارا موضوع نہیں ہے، توریت اور قرآن اور صحف انبیاء کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی جس کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن عظیم میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رسالت اور نبوت میں یہ فرق ہے کہ رسول کا کام تو محض "بلاغ[3]" ہوتا ہے، بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔ لیکن نبی صاحب اختیار و حکومت ہوتا ہے (۴/۳)، وہ اس بلاغ کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور صاحب حکم ہوتا ہے، رسول کریمؐ کو مدنی سورتوں میں ہی "نبی" سے مخاطب کیا گیا ہے، مکی سورتوں میں کہیں کہیں اشارۃً بطور پیش گوئی بھی کہا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے کہ

واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (۳/۸۱)

اللہ نے نبیوں سے اقرار لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت سے دیا ہے، پھر کوئی رسول اس کی جو کچھ تمہارے پاس ہے، تصدیق کرتا ہوا مبعوث ہو تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔

اس آیہ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نبیوں کو بھی حکم ہوا تھا کہ رسول پر ایمان لاؤ کیوں کہ ایمان تو "ما انزل اللہ" پر لانا تھا یعنی جو کچھ رسول پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اسے نافذ کرنے کے لیے رسول کی مدد بھی فرض ہے، نصرت بلا اختیار و حکومت ممکن نہیں، اکثر آیات میں اس کی صراحت موجود ہے کہ نبوت اور حکومت لازم ملزوم ہیں (۴/۵۴)، کتاب تو رسول پر نازل ہوتی ہے اور اس کتاب کے مطابق احکام[4] صادر کرنا نبیوں کا کام ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک رسول نبی ہو اور نہ یہ ضرور ہے کہ ہر ایک نبی رسول بھی ہو، لیکن بعض حضرات میں رسالت اور نبوت دونوں جمع تھے۔

---

[1] واذ قال موسیٰ لقومہ یقوم اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا و اٰتٰکم ما لم یؤت احدا من العلمین۔ [2] فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتب والحکمۃ واٰتینھم ملکا عظیما۔ [3] ان علی رسولنا البلغ المبین (۵/۹۲)، [4] ما کان لبشر ان یؤتیہ اللّٰہ الکتاب والحکم والنبوۃ (۳/۷۹)، انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا (۵/۴۴)۔

ایام جاہلیت کا خاتمہ رسول کریم کی بعثت پر ہوگیا اور شخصی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا، حکومت رفتہ رفتہ جمہور میں منتقل ہوگئی، ملوکیت جیسی کہ قرون اولیٰ میں تھی ناممکن ہوگئی، فراعنہ مصر سے وہ مطلق العنان فرماں رواکی طاقت نسلاً بعد نسل کم ہوتے ہوتے ایک نام رہ گیا ہے اور یہ امر واقعہ ہے جو بالبداہت ثابت شدہ ہے۔

قرون اولیٰ میں عام فہم انسانی بالغ نہ تھا۔ خاص خاص شخصیتوں کے واسطہ سے عالم انسانی کی سرپرستی ہوتی رہی لیکن جوں جوں ذہنی ارتقاء طبقاً عن طبق ہوتا گیا، شخصی حکومت کا اقتدار بھی کم ہوتا گیا، اگر ملوکیت کی تاریخ پر شروع سے نظر کی جائے تو واضح ہوگا کہ جن قوموں کا ذہنی ارتقاء دیگر اقوام سے اعلیٰ ہے انہیں ہی فضیلت حاصل رہی ہے۔ اب تو ملوکیت ایک نام ہی نام ہے، وہ ہندوستان کے نہ کلنک راجے اب کہاں ہیں جن کی پوجا ہوتی تھی، وہ آسمانی دیوتاؤں کی اولاد اب نظر نہیں آتی، وہ چندر بنسی اور سورج بنسی کہاں گئے۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار (۴۰:۱۶)

قرون اولیٰ میں انبیا پے در پے مبعوث ہوتے رہے اور غرض یہ تھی کہ کتاب اللہ اور دین اللہ کی حفاظت خاطر خواہ ہو۔ ان ایام میں یہی کچھ ممکن تھا، بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء (۵:۴۴) اب چونکہ فہم انسانی بالغ ہوچکا تھا، اس کی ضرورت نہ رہی، آں حضرتؐ کے بعد خلفاء ہوئے، آیہ استخلاف میں اس کی غرض واضح کی گئی ہے کہ "ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً (۲۴:۵۵) قرون اولیٰ میں انبیاء کا کام امر بالمعروف ونہی عن المنکر تھا، یہ کام ایک شخصیت سے ایک امت میں منتقل ہوگیا جو آں حضرت کے زیر نگرانی تیار ہوئی (۳:۱۱۰) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ (۳:۱۱۰)

چوں کہ فہم انسانی بالغ ہوچکا ہے اور ایام جاہلیت کا خاتمہ اس لیے ارشاد الٰہی ہے کہ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی"۔ دین میں کچھ (جبر) اکراہ نہیں اس لیے کہ ہدایت اور گمراہی میں نمایاں امتیاز ہوچکا ہے، اب ہر ایک شخص اپنے نفع ونقصان کو خوب سمجھتا ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو خوب محسوس کرتا ہے جس کا وہ خود جواب دہ ہے[1]۔ اب بندگان خدا کا بلا واسطہ خدا سے تعلق ہے، وہ

---

[1] قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ

سرپرستی جو بندگان خدا پر انبیاء اور ملوک کی تھی، ہمیشہ کے لیے اُٹھ گئی۔ اس لیے اب کسی شخص کا دعوے نبوت کرنا یا یہ دعویٰ اس کی ذات سے منسوب[1] کرنا عالم انسانی کو ازمنہ تاریک کی طرف دعوت رجعت دینا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ فاضل راجیکی کے تصور میں یہی کچھ ہے جیسا کہ ان کی دیگر امور تنقیح سے واضح ہوتا ہے۔

(۴) کیا حضرت میرزا غلام احمد قادیانی اس معیار پر پورے اترتے ہیں جو صداقت انبیاء کا قرآن کریم نے پیش کیا ہے؟

ہم واضح کر چکے ہیں کہ تمام انبیاء ایام جاہلیت یا ازمنہ تاریک میں گذرے ہیں، جب کہ فہم انسانی بالغ نہ تھا، اب ذہنی ارتقاء کا تقاضا کچھ اور ہے، اس لیے شخصی نبوت اور شخصی ملوکیت کی صداقت کو پرکھنے کی ضرورت نہیں۔

تفصیلی بحث اگر ضرورت ہوئی تو کسی اور صحبت میں کی جائے گی۔

محمد عباد اللہ اختر

---

[1] ابھی تک مسئلہ نبوت لاہوری اور قادیانی جماعتوں میں متنازعہ فیہ ہے اور ان لوگوں میں جو جناب میرزا صاحب کے اصحاب ہیں، اس لیے پہلے یہ امر تنقیح ہونا چاہئے کہ آیا میرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا؟ اور اگر کیا تو کن معنوں میں؟ اطاعت اللہ و رسول سے کسی شخص کا نبی ہونا ممکن ہے؟ اور آیا ایسی نبوت وہبی ہوگی یا کسبی؟ کیا ہر ایک شخص جو اطاعت اللہ و رسول کرتا ہے، ایسی نبوت کے انکار پر جو ویسی ہی اطاعت سے کسب کی جائے، کافر ہے؟

تقریظات

رسالہ سہیل کا خاص نمبر | مرتبہ جناب عارف صاحب سنبھاروی ۔ تقطیع متوسط ۔ ضخامت ۲۱۹ صفحے ۔ کتابت وطباعت عمدہ ۔ قیمت ایک روپیہ ۔ سالانہ چندہ تین روپے ۔ (پتہ) دفتر سہیل گیا ۔

معاصر سہیل کا یہ خاص نمبر تبویب و ترتیب جدید طرز پر کی گئی ہے ۔ حصۂ نثر ۹۵ صفحات پر چھپا ہوا ہے ۔ منظومات ۲۲ صفحات پر مشتمل ہیں ۔ ۸۴ صفحے افسانوں وغیرہ کے لیے مخصوص ہیں ۔ غزلیات کے پندرہ صفحے الگ ہیں ۔ مضمون لکھنے والوں میں ملک کے مشہور اہل قلم بھی ہیں اور نو آموز بھی ۔ بیشتر افسانے اور ڈرامے نہایت دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں ۔ شاعروں اور دوسرے مضمون نگاروں میں حاجی نبی احمد صاحب بریلوی، سید محمد احمد بلگرامی، شفیق رضوی، اعجاز صدیقی مدیر شاعر، پروفیسر اختر اورینوی، سیاب اکبرآبادی، اثر لکھنوی، نوح ناروی، احسن مارہروی، فراق گورکھپوری ۔ ثاقب کانپوری اور پروفیسر عبداللطیف تپش خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ علمی اور ادبی مضامین میں سے "موازنہ مومن و غالب"، "ادب اور زندگی"، "سیرت نگاری"، "آغا حشر اور اس کا آرٹ" قابل مطالعہ ہیں ۔ "دقیقی اور فردوسی" کے عنوان سے جناب پروفیسر طاہر رضوی کا ایک مقالہ ہے ۔ فاضل مقالہ نگار کا خیال ہے کہ "شاہنامہ" کے ابتدائی ایک ہزار اشعار جو دقیقی کی طرف منسوب ہیں، فردوسی ہی کے تخیل کا نتیجہ ہیں ۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ نہایت ہی کمزور اور آپچ ہیں ۔ صاحب موصوف کا مقالہ حقائق سے بالکل خالی معلوم ہوتا ہے ۔ انشاء اللہ کسی صحبت میں معاصر سہیل کے صفحات ہی کے ذریعہ اس مقالہ کا مفصل جواب دیا جائے گا ۔

رسالہ ہمدرد صحت (اشاعت خاص) | مرتبہ حکیم حافظ محمد سعید دہلوی ۔ ضخامت ۱۲۴ صفحات قیمت ۱۲ر ۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ ۔ (پتہ) مقام اشاعت ہمدرد منزل، لال کنواں، دہلی ۔

رسالہ ہمدرد صحت کا یہ خاص نمبر ہے ۔ قدرتی علاج کے بے شمار طریقے بتائے گئے ہیں ۔ مثلاً ہوا، پانی، غذا، آرام و سکون، ورزش، مالش، صفائی، سورج، روزہ، یوگ اور موسیقی وغیرہ کے ذریعہ سے کس طرح مختلف امراض کا استیصال کیا جاسکتا ہے ۔ قدرتی اصولوں کو لوگ بھولے ہوئے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ امراض میں آئے دن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ بہت کم طبیبوں نے قدرتی علاج کی طرف توجہ کی ہے۔ کارکنان ہمدرد صحت کو ہم اس اہم خدمت پر مبارک باد دیتے ہیں۔ اس رسالہ کا ایک ایک نسخہ ہر گھر میں موجود رہنا چاہیئے۔

بلقان | مؤلفہ حفیظ صدیقی، بی ایس سی (مدیر سب رس) قیمت ۳ر۔ (پتہ) سب رس کتاب گھر، خیرت آباد (حیدرآباد دکن)

ادارۂ ادبیات نے عام معلومات کے لیے چند ایک چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کی ہیں۔ "بلقان" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ریاست ہائے بلقان کے متعلق نہایت مفید معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ ترکی، یونان، البانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ اور رومانیہ کے باہمی تعلقات پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب قابل مطالعہ ہے۔ البتہ بلقان کے مستقبل سے متعلق، جس کا چہرہ ابھی تاریکی میں ملفوف ہے، ہمیں مؤلف سے اختلاف ہے۔

خطابیات یعنی فن تقریر حصہ دوم | صفحات ۱۱۲۔ مؤلفہ شیخ رحیم الدین کمال ظہیرآبادی۔ مغربی زبانوں میں تو اس قسم کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، مگر اُردو زبان میں اس موضوع پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب مبتدیوں کے لیے خاص طور پر مفید ثابت ہوگی، سلیس اور عام فہم زبان میں تقریر کے متعلق تمام ضروری باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ آخیر میں اُردو زبان کے بڑے بڑے مقررین مثلاً سر سید احمد خاں، نواب محسن الملک، ڈاکٹر نذیر احمد، مولوی عزیز مرزا، مولانا محمد علی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالکلام آزاد اور نواب بہادر یار جنگ کے مختصر حالات اور اُن کی تقاریر کی خصوصیات قلم بند کی گئی ہیں۔ مؤلف کی محنت و کاوش قابل داد ہے۔ فوقانی مدارس اور کالج کے طلباء سے ہم اس کتاب کے مطالعہ کی خاص طور پر سفارش کرتے ہیں۔

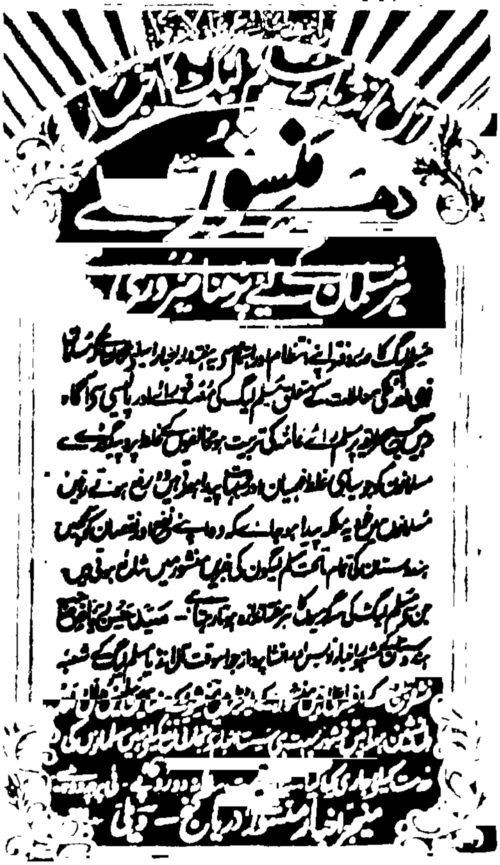
ادبی تاثرات | مرتبہ مرزا قدرت اللہ بیگ ایم اے۔ صفحات ۱۴۴۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ (پتہ) سب رس کتاب گھر۔ خیرت آباد، حیدرآباد دکن۔

یہ کتاب جناب ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ پروفیسر اُردو جامعہ حیدآباد کے چند مقدمات، تنقیدات اور تبصرات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر موصوف ادب اُردو میں ایک ماہر نقاد ہیں۔ اُردو زبان میں علم تنقید سے بہت کم لوگ آشنا ہیں۔ اگر دو چار ہیں بھی تو وہ کبھی اس میدان میں

آنے کی جرأت نہیں کرتے۔ بہرحال حضرت زورؔ کی یہ مختصر تنقیدات یقیناً قابل قدر ہیں۔ فن تنقید کا شوق رکھنے والوں کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

کتاب | (ماہوار رسالہ) ایڈیٹر: ایم طاہر صاحب۔ لکھائی چھپائی صاف ستھری۔ کاغذ معمولی۔ ششماہی چندہ: ایک روپیہ، ملنے کا پتہ: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔

زیرِ نظر رسالہ حال ہی میں لاہور سے جاری ہوا ہے۔ ہم نے اس کا پہلا پرچہ دیکھا ہے۔ رسالے کا مقصد جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اُردو دان طبقے میں، اُردو کی اچھی اچھی کتابوں پر تعارف کرانا ہے۔ یہ پرچہ ہر لائبریری، سکول اور اُردو ادارے میں پہنچنا چاہئے تاکہ اُردو ادب کی رفتار ترقی سے واقفیت حاصل رہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ کارکنان "کتاب" پرچے کو مزید دلچسپ اور مفید بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔



مفت لٹریچر کی تقسیم

جناب میاں محمد احمد علی صاحب الیکٹریکل انجینئر کپورتھلہ نے جو "البیان" کے ایک قدیم معاون ہیں، ہمارے پاس چند دینی کتابوں کی ایک تعداد بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ ہم انہیں "البیان" کے پڑھنے والوں میں مفت تقسیم کر دیں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مسیح و احمد (ضخامت ۸۴ صفحے)
(۲) حیات و ممات کا معمہ (ضخامت ۳۲ صفحے)
(۳) فلسفہ روحانی (ضخامت ۸۴ صفحے)
(۴) قیامت (ضخامت ۸۴ صفحے)
(۵) تقلید و تحقیق (ضخامت ۱۰۴ صفحے)
(۶) صراط مستقیم (ضخامت ۲۸۰ صفحے)

یہ کتابیں "بلاغ" کے قدیم و مرحوم معاون، ڈاکٹر صادق علی صاحب ریٹائرڈ سرجن میجر کی تصنیفات سے ہیں، ہم نے ان کو سرسری طور سے دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ معطی کی خواہش کے احترام میں انہیں معاونین "البیان" کے ہاتھوں پہنچا دیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ سارا لٹریچر، قرآن مجید کی روشنی میں تحقیق و کاوش سے لکھا گیا ہے اور ہمارے ناظرین اس کے مطالعے سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

اس سے پہلے بھی "البیان" کے نئے اور پرانے معاونوں کو "بلاغ" کے پرانے پرچوں کی صورت میں ایک رعایت پیش کی جا چکی ہے، یعنی جو صاحب اپنے سالانہ چندے کے ساتھ مزید عہ محصول ڈاک کے لیے بھیج دیتے ہیں، انہیں رسالہ بلاغ کے ۴۲ منتخب پرچے، جن کا حجم ۱۲۰۰ صفحے سے زائد ہے مفت ارسال کر دیئے جاتے ہیں۔ آج ہم اس رعایت کے ساتھ ان کتابوں کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں، آئندہ سے جو اصحاب، "البیان" کے سالانہ چندے کے ساتھ مزید عہ، یعنی کل للعہ، منی آرڈر کے ذریعے ارسال فرمائیں گے، ان کے نام ایک برس کے لیے "البیان" جاری کرنے کے علاوہ، ۱۲۰۰ صفحے کے "بلاغ" کے پرانے پرچے اور ۷۰۰ صفحوں کی مذکورہ بالا کتابیں مفت بھیجی جائیں گی۔

ہم قارئین "البیان" سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف خود اس پیش کش سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس رعایت کی طرف متوجہ کریں گے۔ "البیان" کی اشاعت بڑھانے کے لیے یہ ایک اچھا موقع ہے، احباب کو اس طرف ضرور دھیان دینا چاہیے۔

رباعیات حالی

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں ۔ بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی برائی ہی پہ ہے فخر وہاں ۔ خوبی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

سختی کا جواب

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے تسکین ۔ زہر اُگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے ۔ اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

توحید

جب مایوسی دلوں پر چھا جاتی ہے ۔ دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال ۔ لیکن انہیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

نقشِ موہوم

تا زیست وہ محوِ نقشِ موہوم رہے ۔ جو طالبِ دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے ۔ صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

ظلّی نبوّت

(خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر، بی اے)

اگرچہ اس موضوع پر جامع بحث "بلاغ" کے صفحات پر آچکی ہے اور ہم اس قصہ پارینہ کو از سرِ نو بیان کرنا نہیں چاہتے، لیکن بات سے بات پیدا ہو جاتی ہے، مگر ہم اس موضوع پر ایک اور ہی پہلو سے بحث کرنا چاہتے ہیں "بسلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے": قرآنی نص "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۳۳/۴۰)" اور حدیث شریف "لانبی بعدی" کا انکار تو کوئی مسلمان کر ہی نہیں سکتا، لیکن ہمارے زمانہ میں بعض مدعیان نبوت نے اس کی کچھ ایسی تاویل کی ہے جس سے ختم نبوت کا عقیدہ کہ آں حضرت کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا، ان مدعیان نبوت کے نزدیک صحیح نہیں چنانچہ مرزا حسین علی صاحب المعروف بہاء اللہ کی یہ رائے ہے کہ ہر ایک رسول کا دور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار سال ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ ع کے بعد مسلسل انبیاء و ملوک حفاظت دین کے لیے مبعوث ہوتے رہے لیکن رسول کریمؐ کے بعد انبیاء تو نہ ہوئے، خلفاء ہوئے اور خلافت ملوکیت کے ہم معنی ہے، یہی مفہوم "خاتم النّبیین" اور "لانبی بعدی" کا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد دورِ رسالت میں کوئی نبی نہ ہوگا، اسی سے آں حضرتؐ کی شان کا اندازہ ہو سکتا ہے جو پہلے رسولوں سے اعلیٰ و ارفع ہے، عام فہم الفاظ میں جناب بہاء اللہ صاحب انسانی ذہنی ارتقاء اور عام قانون فطرت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جب مقصد حاصل ہو جائے تو ذرائع جو اس مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں منقطع ہو جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ ع کے بعد ذہنی ارتقاء بلاشبہ اس حد تک نہ ہوا تھا کہ نبوت اور ملوکیت سے دین بے نیاز ہو جاتا اور دونوں روحانی اور مادی حکومتیں تھیں جو دوش بدوش اپنا کام کرتی رہیں، آیۂ استخلاف سے بھی نبوت اور ملوکیت کی غرض و غایت یہی کچھ معلوم ہوتی ہے، یعنی اس لیے کہ

لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (۲۴/۵۵)	وہ دین جو اُن کے لیے پسند کیا گیا ہے، جما دیگا اور کہ اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

دینی حکومت تو ختم ہوگئی اور "قد تبین الرشد من الغی" ہدایت اور گمراہی میں نمایاں امتیاز ہوگیا، اس لیے انبیاء کی سرپرستی اُٹھ گئی؛ جیسا کہ قرآن کی اکثر آیات سے واضح ہوتا ہے، ہر ایک شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جواب دہ آپ ہی ہے، اب جبکہ ذہنی ارتقاء اور بھی چند مرحلے طے کرچکا ہے دعویٰ نبوت ازمنہ تاریک کی طرف رجعت نہیں تو اور کیا ہے۔ معقول بات تو یہ ہے کہ اب خلافت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ تمکنت دین مسلم ہے اور امن کا دور دورہ ہے، میرزا بہاءاللہ صاحب کی دلیل خود ان کے دعویٰ نبوت کی تردید کرتی ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنے پیش رو مرزا ایرانی سے کچھ مختلف مفہوم پیدا کیا ہے، ان کی دلیل اپنے دعویٰ نبوت پر یہ ہے کہ "خاتم" کے معنیٰ "مہر" ہے اور آیہ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ آں حضرتؐ کے بعد اگر کوئی دعویٰ نبوت کرے تو اس پر مہر تصدیق و توثیق محمدی ہونی چاہیے، ورنہ دعویٰ غلط ہوگا، اس توجیہ کے بعد مرزا صاحب قادیانی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اسی حیثیت پر قناعت کرتے جو انبیاء بنی اسرائیل کی تھی جس پر مہر موسوی ثبت تھی، یعنی وہ سب شریعت موسوی کے تابع تھے، مرزا صاحب کو حدیث "لانبی بعدی" سے بھی انکار نہ تھا لیکن اس کی تاویل یہ کی گئی کہ اس سے مراد مستقل صاحب شریعت نبی ہے، اس لیے تمثیلی اور بروزی اور ظلی نبوت کی اصطلاح بروئے کار آئی، خود مرزا صاحب کے متبعین ختم نبوت پر مختلف الرائے ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہوریہ تو سرے سے دعویٰ نبوت کی منکر ہے اور کہتی ہے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کبھی نہیں کیا، لیکن جماعت احمدیہ قادیانیہ دعویٰ نبوت تسلیم کرتی ہے۔ اگر مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تو اس تاویل کی ضرورت ہی کیا تھی جو دنیاء اسلام کے پختہ عقیدہ کے صریحاً خلاف ہے، اس لئے جماعت لاہوریہ کو اپنے معتقدات پر مزید غور کرنا چاہئے، یہی ظلی نبوت ہے جس پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ ہم اصل موضوع پر بحث کریں مرزا صاحب کے استدلال کو بھی ایک نظر دیکھ لینا چاہیے مرزا صاحب کسی ایسی نبوت کے مدعی نہیں جو "وہبی" ہے، ان کے نزدیک ظلی نبوت "کسبی" ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولٓئک معؓ الذین انعم اللہ | اور جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو ایسے

[illegible]

علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین (۴۹)	لوگوں کو ان کی معیت حاصل ہوگی، جن کو اللہ نے نبیوں اور صدیقوں اور صالحین میں سے نوازا۔

استدلال یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے ہر ایک شخص جس طرح صدیق و شہید و صالح ہو سکتا ہے، نبی بھی ہو سکتا ہے، مرزا صاحب کا یہ دعویٰ بھی تھا یا ان سے منسوب کیا جاتا ہے کہ جو شخص مرزا صاحب پر ایمان نہیں لایا، کافر ہے۔ ہمارے مرحوم دوست خواجہ احمد الدینؒ نے پتہ کی بات کہی کہ ایک شخص اللہ اور رسول کی اطاعت سے نبی کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے لیکن مسلمان نہیں رہ سکتا، ایک شخص جو اللہ اور رسول پر ایمان لاتا ہے، ارکان اسلام کا پابند ہے (جن میں سے ایک مرزا صاحب کے حصہ میں نہیں آیا) تو وہ مرزا صاحب کی اپنی دلیل کی رو سے کس طرح کافر ہوگا؟ یہ دلیل قیاس مع الفارق ہے۔

اگر مسیحی علماء کے عقیدہ سے استدلال کیا جائے کہ حضرت یحییٰؑ حضرت الیاسؑ کی روح اور قوت میں حسب پیش گوئی ملاکی نبی (۴/۵) مبعوث ہوئے جس کی بشارت حضرت زکریاؑ کو ملی، (لوقا ۱/۱۷) اور جس کی تصدیق حضرت مسیحؑ نے بھی کی (متی ۱۱/۱۴)، تو ہمیں اصطلاح تمثل و بروز و ظل پر بحث کی ضرورت نہیں، لیکن جو غلط فہمی جماعت احمدیہ قادیانیہ نے پیدا کی ہے اور جس میں وہ بے طرح الجھے ہوئے ہیں، قابل توجہ ضرور ہے۔

اگر مرزا صاحب کی نبوت کا بھی یہی رنگ ہے جس رنگ میں انبیاء بنی اسرائیل مبعوث ہوئے تو لازم ہے کہ توراۃ میں بھی کوئی آیت "خاتم النبیین" کے ہم معنی ہو، کیونکہ حضرت مسیحؑ تک تمام انبیاء اللہ اور رسول موسیٰؑ کے مطیع اور توریت کا اتباع کرنے والے تھے اور ان کی نبوت پر موسوی مُہر تصدیق ثبت تھی، اور اگر ایسی کوئی آیت نہیں اور یقیناً نہیں تو مرزا صاحب کی تاویل اور استدلال اور دعویٰ نبوت صحیح نہیں، ان ہی معنوں میں حضرت نوحؑ بھی خاتم النبیین ہیں کیوں کہ وان من شیعتہ

(بقیہ حاشیہ) ہوگا کہ ہر ایک صابر اور محسن اللہ بن جاتا ہے۔ نبوت رسالت کے تحت ہے، چوں کہ انبیاء انعم اللہ علیہم ہیں اس لیے ان کا ذکر بھی صدیقین وغیرہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ معیت باحق اور رفاقت انبیاء وغیرہ اور شے ہے اور فی نفسہ نبی یا صدیق یا شہید یا صالح ہونا اور چیز ہے۔ "اے برادر بے نہایت درگہیست؟" اطاعت اس جادہ پر پہلا قدم ہے منزل تو بہت دور ہے۔

لا براہیم (۲۵۲) حضرت ابراہیمؑ بھی حضرت نوحؑ کا اتباع کرتے تھے اور بروئے نصوص قرآن حضور رسول کریمؐ اتباع ملت ابراہیمؑ کرتے تھے بلکہ اوروں کو بھی یہی ہدایت فرماتے" فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفا" پس ملت ابراہیم کا اتباع کرو (۳۹۵) اگر مرزا صاحب کا استدلال صحیح ہو تو آں حضرت کی حیثیت بھی ایک ظلی نبی کی رہ جاتی ہے اور آفتاب اور سایہ میں جو فرق ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔" سایہ چه با شخص کند ہمسری"؛ لیکن تلک الرسل فضلنا بعضهم على بعض کے بھی کچھ معنی ہیں۔

مماثلت | توریت میں تو صاف صاف الفاظ میں آئندہ انبیاء کی بعثت کا مذکور ہے اور رسول کریم کی نسبت تو خاص معرکہ آرا پیش گوئی ہے (استثنا ۱۸ ۱۵) قرآن کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء و رسل ایک دوسرے کے مثل ہیں، خود آں حضرت کچھ انوکھے رسول نہ تھے (۹ ۴۶) لیکن بعض امور میں مماثلت بھی خاص ہے چنانچہ توریت کی پیش گوئی سے واضح ہوتا ہے کہ توریت کا موعود موسیٰ کی مثل ہوگا۔ یہ مماثلت "عہد برکت" میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے باندھا تھا کہ یہ زمین جہاں آں حضرت ہجرت کر کے آئے تھے آپ کی ذریت کو ہمیشہ کے لیے عطا ہوگی، یہ عہد نزول توریت کے بعد بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا۔ توریت میں بنی اسرائیل کو پیش از وقت متنبہ کیا گیا تھا کہ تم بوجہ شرارت اور سرکشی ارض معہود سے جس سے عہد برکت وابستہ ہے، بے دخل کئے جاؤ گے، تمہارا واحد چارہ کار وہ نبی ہوگا جو موسیٰؑ کی مثل ہوگا، اگر اس کی طرف رجوع کرو گے تو پھر ارض مقدس پر قابض ہو جاؤ گے یہی کچھ تورات کی پیش گوئی کا ماحصل ہے، اس لیے آں حضرتؐ کو خاص مماثلت حضرت موسیٰؑ سے ہے کہ نزول قرآن کے بعد ذریت ابراہیمؑ یعنی بنی اسمٰعیلؑ اور بنی قطورہ ارض معہود پر قابض ہو گئے۔ بحیثیت رسول و نبی تو ہر ایک رسول اور نبی سے مماثلت ہے۔

تمثل | لیکن اصطلاح میں تمثل کا مفہوم روح کا اپنی صفات سے صورت انسانی میں متصور ہونا ہے، روح کی صفات حیات و علم و ارادہ و قدرت وغیرہم میں جو اس میں بالقوہ موجود ہیں، جب روح کا تمثل ہوتا ہے، تو وہ صورت بشر میں ہوتا ہے جس میں یہ صفات ظاہر ہوتی ہیں، اس لیے روح کا اطلاق صرف انسان پر ہوتا ہے، ملائکہ پر نہیں ہوتا۔ ملائکہ قوتیں ہیں جو روح کے تابع ہیں۔ روح مخدوم و مسجود ہے اور ملائکہ خدام اور ساجدین ہیں، انسان ایک صورت ہے جب تک اس میں نفخ روح نہ ہو وہ "بشراً سویا" نہ ہوگا۔ محض خیالی یا وہمی صورت انسان "بشراً سویا" جیتا جاگتا انسان نہ ہوگا،

روح حقیقت ہے جو انسانی صورت میں رونما ہوتی ہے اور ابتدا میں "کلمہ" ہے اور بحیثیت کلمہ تمام کائنات کی اشیاء میں کچھ امتیاز نہیں، ارتقائی درجہ پر یہی کلمہ رُوح ہے جس کا تمثل انسان ہے بحیثیت روح ہر ایک انسان ایک دوسرے کا مثل ہے لیکن جب نفس انسانی کا تزکیہ بدرجہ کمال ہو جس کی تشریح سورۂ نور میں کی گئی ہے تو یہی روح، "روح القدس" سے تعبیر ہوتا ہے اور ہر ایک حجاب نفسانی وقلبی وحسی نور عقلی نور ہو جاتا ہے اور جس کسی کو روح القدس سے مدد ملے اُسے عالم انسانی میں خاص امتیاز درجات میں حاصل ہوتا ہے، جب "روح القدس" حق امانت کا حقہ ادا کرتا ہے جو انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہے تو یہ "الروح الامین" ہے جو آج تک ایک ہی ہے اور یہ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ہے۔

ظِلّی نبوت "الروح الامین" کی مثال ملاحظہ ہو۔ ہر ایک زمانہ میں مسلمانوں کا عام عقیدہ رہا ہے کہ آں حضرت کا سایہ نہ تھا، لیکن عام لوگوں کو اس کی حقیقت کا علم نہ تھا اور نہ ہے اس لیے "رد افسانہ زدند" یہی وجہ ہے کہ اہل روایت میں سے اکثر نے انکار کر دیا کہ اس روایت کی کوئی سند ہی نہیں مگر اہل نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں۔ وہ ہمیشہ آیات قرآنی سے اس روایت کو صحیح ثابت کرتے رہے ہیں چنانچہ علامہ محمود شبستری صاحب گلشن راز (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو کچھ نبوت اور ولایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے، اس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"نبوت را ظہور از آدم آمد کمالش در وجود خاتم آمد"

قانون ارتقاء یہ ہے کہ ہر ایک شے ادنیٰ درجہ سے ترقی کرتی ہوئی کمال کی طرف عروج کرتی ہے، اسی طرح "نبوت" بھی آدم سے شروع ہو کر بتدریج اپنے کمال کی طرف عروج کرتی گئی، یہاں تک کہ اس کا کمال خاتم النبیینؐ کے وجود میں ظاہر ہوا، اور اس سے بڑھ کر ارتقاء نبوت متصور نہیں ہو سکتا۔

چو نور آفتاب از شب جدا شد ز صبح او طلوع واستوا شد

جب آفتاب ظلمت شب کے پردہ سے نمودار ہوتا ہے تو درجہ بدرجہ سمت الراس کی طرف عروج کرتا ہے، ابتدا میں پو پھٹتی ہے اور پھر جوں جوں سورج بلند ہوتا جاتا ہے، اس کی روشنی دُور اور دُور تر پھیلتی جاتی ہے۔ شروع میں تو کہتے ہیں کہ سورج چڑھا اور پھر بلند ہوتا ہوا اپنی شان میں ظاہر ہوتا ہے، یہاں تک کہ سمت الراس پر آجاتا ہے اور اس مقام پر وہ اپنی پوری شان وشوکت میں

ظہور کرتا ہے۔

دگر بارہ ز دورِ چرخ دوّار   زوال و عصر و مغرب شد پدیدار

اسبابِ عروج پر پہنچ کر جب سورج ڈھلنے لگتا ہے تو پہلا وقت زوال پھر عصر پھر مغرب درجہ بدرجہ ڈھلتے ڈھلتے غروب ہو جاتا ہے۔

بود نورِ نبی خورشید اعظم   کہ از موسیٰ پدید و گہ ز آدم

سورج کا روزانہ دَورہ بیان کرنے کے بعد یہ واضح کیا گیا ہے کہ نورِ نبوت خورشید اعظم ہے یعنی سورج کی مثال ہے۔

وجعل الشمس سراجا (۲۹/۹) | اور سورج کو چمکتا چراغ بنایا۔

یاایها النبی انا ارسلنک شاهداً ومبشراً ونذیرًا۔ وداعیاً الی الله باذنه وسراجاً منیرًا (۲۲/۳)	اے نبی! ہم نے تجھے شاہد اور مبشر مومنین کے لیے بھیجا ہے اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا اس کے اذن سے اور چراغ درخشاں۔

یہ آفتابِ نبوت حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین سب کے وجود میں روشن تھا۔

اگر تاریخ عالم را بخوانی   مراتب را یکایک باز دانی

اگر حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین تک کل انبیاء کے حالات پر نظر کرو تو واضح ہو جائیگا کہ طلوع آفتابِ نبوت صبح اور بوقت طلوع اور درجہ بدرجہ تا سمت الراس کس کس درجہ اور دقیقہ تک آیا اور گذرا اور نسبتاً مرتبہ محمدیہ بھی واضح ہوگا اور ہر ایک نبی کا مرتبہ اسی نسبت سے ظاہر ہو جائے گا۔

"ز خور ہر دم ظہور سایہ شد   کہ آں معراج دیں را پایہ شد"

صبح کے وقت جبکہ پو پھٹتی ہے، سایہ تمام روئے زمین پر پھیلا ہوتا ہے، آفتاب طلوع ہوتا ہے تو نزدیک ترا شیاء روشن ہو جاتی ہیں اور باقی دنیا جو دُور اور دُور تر ہوں اندھیرے میں ہوتی ہیں جوں جوں سورج بلند اور بلند تر ہوتا جاتا ہے، سایہ کم اور کم تر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نصف النہار پر آکر ٹھہر جاتا ہے، اسی نسبت سے عالم و عالمیاں ظلمت سے نکل کر نور میں داخل ہوتے جاتے ہیں اور مہر نیم روز کا جلوہ اپنی پوری شان میں ہوتا ہے اور تمام عالم روشن ہو جاتا ہے،

یہی آیہ "یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض" (پ ۹)
کی تفسیر ہے۔ حضرت آدم چند گنتی کے آدمیوں کے لیے جو اُن کی اپنی اولاد تھی اور حضرت موسیٰؑ تمام قوم کے
لیے اور رسول کریم کافۃ الناس کے لیے آفتاب ہدایت ہیں، ہر ایک نبی کا مرتبہ اسی نسبت سے جس
نسبت سے دین میں ارتقاء ہُوا، قیاس ہو سکتا ہے۔

زمان خواجۂ ما استوا بود   کہ از ہر ظل ظلمت مصطفیٰ بود

"سورۂ والنجم" کی تلاوت کرو، تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ سورت معراج کا بیان ہے، ان آیات
میں تدبر کرو، "فاستوی، وھو بالافق الاعلیٰ، ثم دنا فتدلیٰ، فکان قاب قوسین او ادنیٰ" نصف
النہار پر دونوں قوسین ملتی ہیں، اسی نقطہ پر شمس نبوت اپنی پوری آب و تاب میں جلوہ افروز ہوتا ہے اور
ظلمت کا سایہ کافور ہو جاتا ہے، پہلی قوس میں ظل ہے اور اس سے انبیاء بروزی اور ظلی نبی ہوئے لیکن
جب آفتاب سمت الراس پر آگیا تو ظل بھی کافور ہو گئی، محمد مصطفیٰ کی شان نبوت ہی یہی ہے کہ آں حضرت
کی بعثت پر کوئی ظلی نبی بھی نہ ہوگا۔

بخط استوا بر قامت راست   ندارد سایہ پیش و پس چپ و راست

خط استوا مفروضہ ہے جو کرہ ارض کے عین وسط سے گذرتا ہے اور نیز دایرہ فلک میں ہے کسی
شے کا سایہ اسی نسبت سے کم و بیش ہوگا جس نسبت سے آفتاب کا میلان خط استوا سے کسی جانب
شمالاً یا جنوباً یا شرقاً یا غرباً ہوگا۔ لیکن خط استوا پر جو شخص سیدھا کھڑا ہو اُس کا سایہ نہ ہوگا، خط استوا
پر دن رات مساوی ہوتے ہیں اور ہمیشہ موسم بہار رہتا ہے۔

چو کرد او بر صراط حق اقامت   بامر "فاستقم" میداشت قامت

"صراط حق" صراط مستقیم ہے۔ "ان ربی علیٰ صراط مستقیم" (پ ۱۲/۵) اور کامل معتدل راستہ ہے،
اس کی تشریح ایک اور مقام پر اس طرح کی ہے۔

عدالت چوں شعار ذات او شد   ندارد ظلم از او خلقش نکو شد

(ہر ایک شے فطرۃً نیک ہے کیونکہ اعتدال پر پیدا کی گئی ہے اور عدالت شعار ذات ہے جو خالق ہے)

ہمہ اخلاق نیکو درمیان است   کہ از افراط و تفریطش کران است

(اس لیے ہر ایک شے فطرۃً نیک ہے کہ تمام نیک اخلاق افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال پر ہیں)

میانہ چوں صراط المستقیم است   زہر دو جانبش قعر جحیم است

(خیر الامور اوسطہا: اعتدال ہی وہ صراط مستقیم ہے جو پل صراط سے تعبیر ہوتی ہے جس کے دونوں جانب قعر جہنم ہے یعنی افراط و تفریط)

بہ باریکی و تیزی بود شمشیر را   نہ روئے گشتن و بودن برو دیر

(یہی راستہ بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے۔ انسان رہبان ہوسکتا ہے، جان پر کھیل جاتا ہے لیکن اعتدال قائم رکھنا اور اس پر استقلال سے قائم رہنا کارے دارد)

ارشاد الٰہی ہے کہ "استقم کما امرت" (۱۲/۱۰، ۲۵/۴) آں حضرت کی اقامت اخلاق و اوصاف و اعمال میں کامل معتدل ہے۔ "تعدیل ہر امر کمال عرفاست" اسی وجہ سے امت مسلمہ "امت وسطیٰ" ہے۔

"ہست راہ او صراط المستقیم   گفتہ حق اورا علیٰ خلق عظیم"

"بنورش سایہ کو دارد سیاہی   زہے نور خدا ظل الٰہی"

آفتاب نبوت اپنی کمال شان میں آں حضرت کے وجود میں جلوہ افروز ہوا۔ اس لیے آں حضرت کی نبوت میں ظل کا شائبہ تک نہیں، آں حضرت "شاهداً و مبشراً و داعياً الى الله باذنه و سراجاً منيراً" ہیں۔ ظل الٰہی نور خدا ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

ورا قبلہ میان غرب شرق است   ازیں او درمیان نور غرق است

آفتاب تو الآن کما کان جیسا ہے ویسا ہی ہے اس میں کمی بیشی نہیں لیکن بہ تعلق استعداد و قابلیت و اقتضاء حالات ہر ایک نبی کو اس نور سے وہی کچھ ملا جو ان کے مراتب سے واضح ہوتا ہے، ذہنی ارتقاء کی کیفیت ملاحظہ ہو کہ حضرت موسیٰ ع نے سبق توحید تشبیہی رنگ میں دیا، فہم انسانی بالغ نہ تھا اس لیے تشبیہ سے سمجھانا پڑا یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل بار بار بت پرستی کی طرف مائل ہوتے رہے حضرت عیسیٰ ع نے تنزیہہ کی طرف متوجہ کیا، مسیحی آپ کو آپ کی والدہ کو بھی خدا سمجھنے لگے۔ غرض یہ افراط و تفریط ہے، یا تو صورتوں میں محجوب ہوگئے یا وحدت میں غرق۔ لیکن قرآن کی تعلیم جامع و مانع ہے، "لیس کمثله شی وهو السمیع البصیر" (۲۵/۴) میں تشبیہ و تنزیہہ دونوں جمع ہیں، لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب (۲/۶) اشارات میں قبلہ موسوی شرق اور قبلہ عیسوی غرب ہے لیکن قبلہ محمدی "لا شرقیه ولا غربیه" بلکہ "درمیان نور غرق است" قد نریٰ تقلب وجهک

فی اسماء فلنولینک قبلۃ ترضھا (۲۱) آں حضرت کی توجہ اس افق الاعلیٰ پر تھی جو تمام سمتوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

بدست او چو شیطاں شد مسلماں　　　　بزیر پائی او شد سایہ پنہاں

اشارہ حدیث شریف "اسلم شیطانی علی یدی" کی طرف ہے۔ شیطان لفظ شطن سے ماخوذ ہے جس کے معنی بُعد اور دوری کے ہیں، نفس امارہ بالسوء ہر ایک شخص کے رگ و ریشہ میں ہے، آں حضرت کا نفس نفیس انحراف و بعد و افراط و تفریط سے پاک تھا، اور اسی استقامت علی صراط المستقیم کی وجہ سے سایہ جو انحراف و بعد کے سبب ہوتا ہے۔ آں حضرت کے زیر قدم روپوش ہو گیا۔ بلکہ تصریح آیہ نور، نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔

دوپہر کو سایہ بھی بیٹھے ہے چھپ کر زیر پا

ایک اور بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

چوں فناش از فقر پیرایہ شود　　　　او محمد وار بے سایہ شود!
فقر فخری را فنا پیرایہ شد　　　　چوں زبان شمع او بے سایہ شد
شمع چوں گردد زبانہ پا و سر　　　　سایہ را نبود بگرد او گذر!
شمع چوں در خور شود کلی فنا　　　　نے اثر بینی زشمع و نے ضیا

آفتاب نبوت تو اپنے مقام محمود پر قائم ہے۔ اس لیے آں حضرت خاتم النبیینؐ ہیں جو شخص اب بھی ظلی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ "ازمنہ تاریک" کی طرف رجعت کر رہا ہے۔ آفتاب فی اسماء ہے اور سایہ خاک پر "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔ بلاشبہ مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے لیکن صراط مستقیم کی طرف جس کو ہدایت ہو چکی اس کی شان کا کیا کہنا۔ کذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (۲/۱)۔ اُمت محمدیہ خیر الامم ہے۔ علامہ محمود شبستریؒ نے ظلی و بروزی نبوت کو ازمنہ تاریک کے لیے خاص واضح کیا ہے، اُمت محمدیہ کے لیے اس کے مقابل "ولایت" ہے، اللہ تعالیٰ کے اسما حسنیٰ میں سے ایک نام "ولی" ہے، نبی نہیں، اور اس اسم کا ظہور ہمیشہ رہے گا۔ نبوت اور ولایت دونوں وہبی ہیں لیکن درجات کسبی ہیں، اور یہ صدیقیت و شہادت و صالحیت ہیں اور یہی درجات ہیں جو انبیاء کو حاصل تھے، لیکن اصحاب رسول اللہ عام صدیق و شہید ہیں (۲/۱۹) اور اس درجہ پر انبیاء بھی خال خال نظر آتے ہیں۔

میرزا عبدالقادر بیدلؒ (۱۱۳۳ھ) نے بھی یہی کچھ اپنے خاص انداز میں لکھا ہے، اقتباس حسب ذیل ہے:

زبانم قابل حمد خدا شد　　　که بانام محمدؐ آشنا شد
دل از تفسیر ایں اسم است آگاہ　　　ز رمز معنی الحمد للہ

توریت و انجیل، صحف انبیاء کا مطالعہ کرو، قرآن کریم کو خاص امتیاز اسی حمد کی وجہ سے حاصل ہے، حمد بہ لحاظ شکر نعمت تو تمام کتابوں میں کم و بیش پائی جاتی ہے۔ لیکن حمد جو اللہ تعالیٰ کا وصف ذاتی ہے وہ قرآن کی آیات میں ہے تمام انبیاء و رسل سے آں حضرت کی مماثلت مسلم ہے لیکن بلحاظ حمد آں حضرت بے مثل ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے۔ لوائے حمد آں حضرت کے ہاتھ میں ہے اور اسی امتیازی وصف کی وجہ سے آنحضرت کا نام انجیل و صحف انبیاء میں محمد و احمد و محمود ہے اور یہی وجہ ہے کہ مقام محمود آں حضرت کے لیے خاص ہے کوئی محمد و احمد ہو تو اس مقام تک رسائی ہو اور یہ بھی ختم نبوت اور معراج دین پر قطعی دلیل ہے۔ الحمد للہ نے توحید بلا شائبہ شرک واضح کردی۔

زمعراجش شوم گر مدحت اندیش　　　برونم می برد اندیشہ از خویش
کمالش تامتی در جلوہ آراست　　　خروش از عالم معراج برخاست
زبس ذاتش محیط بیکراں بود　　　چو چرخش سایہ آنسوی جہاں بود
صفاتش بود عین ذات چوں حق　　　چہ نسبت سایہ را باذات مطلق
طلسم پیکر بے سایہ او!　　　گواہ ذات وحدت پایہ او!

میں نے بھی کسی وقت ایک غزل نعتیہ مولانا جامی کی زمین میں لکھی تھی، دو شعر بغرض تفنن طبع ملاحظہ ہوں

ماہ من در جلوہ چوں بے حجاب آید بروں　　　بہر نظارہ ز مغرب آفتاب آید بروں
ظل او نور است و خود نور علیٰ نور است او　　　می سزد از سایہ اش گر آفتاب آید بروں

لہ امیر خسروؒ فرماتے ہیں:

برہنہ گردان قیامت بدوش　　　گشتہ مندیل کرش حلہ پوش
سایہ خویش آنکہ نکردیش نشر　　　داشتہ از پے خورشید حشر
تا چہ بسوزیم درآں آفتاب　　　خود فگنی سایہ براہل عذاب　　　(دیم لاظل الاظلہ)

اسلامی کھیتی

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ام اے، پی - ایچ - ڈی)

قرآن حکیم میں آں حضرت صلعم کی تیار کردہ قوم کی جا بجا تعریف کی گئی ہے - ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ - وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا - سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ - ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ - كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ الخ

محمد اللہ کے رسول ہیں - آپ کے ساتھی کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم ہیں - ہر وقت رکوع و سجود میں جھکے اللہ سے فضل و رحمت مانگتے رہتے ہیں جبیں پر آثارِ سجود عیاں ہیں - ان کے حالات توراۃ و انجیل میں بھی مذکور ہیں یہ قوم اس کھیتی کی طرح ہے جس نے ایک پہلی ڈنڈی نکالی - جو مضبوط ہو کر موٹی ہو گئی - یہاں تک کہ اپنے بل پر سیدھی کھڑی ہو گئی اس کھیتی کو دیکھ کر کسان خوش ہوا - اور کفار جل مرے -

یہ اسلامی کھیتی کس طرح پھلی پھولی اور اس کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلیں، جدولِ ذیل میں ملاحظہ ہو

نمبر	سلسلۂ سلاطین	تعدادِ ملوک	پایۂ تخت	سالِ ابتدا	سالِ اختتام	عرصۂ حکومت
۱	خلفائے راشدہ	۴	مدینہ	۱۱ھ	۴۰ھ	۳۰ سال
۲	اُمیہ	۱۴	دمشق	۴۱ھ	۱۳۲ھ	۹۱ ”
۳	عباسیہ	۳۷	بغداد	۱۳۲ھ	۶۵۶ھ	۵۲۴ ”
۴	اُمیہ (سپین)	۱۹	قرطبہ	۱۳۸ھ	۴۲۲ھ	۲۸۴ ”
۵	الحمودیہ ”	۹	مالقہ	۴۰۷ھ	۴۳۹ھ	۳۲ ”
۶	” ”	۲	الجزیرہ	۴۳۱ھ	۴۵۰ھ	۱۹ ”
۷	العبادیہ ”	۳	اشبیلیہ	۴۱۴ھ	۴۸۴ھ	۷۰ ”
۸	الزیدیہ ”	۵	غرناطہ	۴۰۳ھ	۴۸۳ھ	۸۰ ”
۹	الجہوریہ ”	۳	قرطبہ	۴۲۲ھ	۴۶۱ھ	۳۹ ”

۱۰	ذوالنونیہ (سپین)	۳	طیطلہ	سنہ ۴۲۷ھ	سنہ ۴۷۸ھ	۲۱ سال
۱۱	العامریہ 〃	۷	ولنشیہ	سنہ ۴۱۲ھ	سنہ ۴۷۸ھ	۶۶ 〃
۱۲	التوجیبیہ 〃	۹	سرقوسہ	سنہ ۴۱۰ھ	سنہ ۵۳۶ھ	۱۲۶ 〃
۱۳	ملوک دانیہ 〃	۲	دانیہ	سنہ ۴۰۸ھ	سنہ ۴۶۸ھ	۶۰ 〃
۱۴	ملوک الادارسہ 〃	۲۱	غرناطہ	سنہ ۶۲۹ھ	سنہ ۸۹۷ھ	۱۹۸ 〃
۱۵	الادارسہ (افریقہ)	۱۰	مراکش	سنہ ۱۷۲ھ	سنہ ۳۷۵ھ	۲۰۳ 〃
۱۶	الاغالبہ 〃	۱۱	ٹیونس	سنہ ۱۸۴ھ	سنہ ۲۹۶ھ	۱۱۲ 〃
۱۷	زیدیہ 〃	۸	〃	سنہ ۳۶۲ھ	سنہ ۵۴۳ھ	۱۸۱ 〃
۱۸	بنوحماد 〃	۵	جزائرالغرب	سنہ ۳۹۸ھ	سنہ ۵۴۸ھ	۱۵۰ 〃
۱۹	مرابطون 〃	۶	مراکش	سنہ ۴۴۸ھ	سنہ ۵۴۱ھ	۹۳ 〃
۲۰	الموحدون 〃	۱۳	شمالی افریقہ	سنہ ۵۲۴ھ	سنہ ۶۶۸ھ	۱۴۴ 〃
۲۱	بنوزیان 〃	۲۲	جزائرالغرب	سنہ ۶۳۳ھ	سنہ ۷۹۶ھ	۱۶۳ 〃
۲۲	بنومرین 〃	۱۰	مراکش	سنہ ۵۹۱ھ	سنہ ۹۷۵ھ	۳۸۴ 〃
۲۳	الشرفا 〃	۳۵	〃	سنہ ۹۵۱ھ	جاری ہے	
۲۴	الطولونیہ 〃	۲۸	مصر	سنہ ۲۵۴ھ	سنہ ۲۹۲ھ	۳۸ 〃
۲۵	اخشیدیہ 〃	۵	〃	سنہ ۳۲۳ھ	سنہ ۳۵۸ھ	۳۵ 〃
۲۶	فاطمیہ 〃	۵	قاہرہ	سنہ ۲۹۷ھ	سنہ ۵۶۸ھ	۲۷۱ 〃
۲۷	ایوبیہ 〃	۱۴	〃	سنہ ۵۶۴ھ	سنہ ۶۴۸ھ	۸۴ 〃
۲۸	ممالیک البحریہ 〃	۹	〃	سنہ ۶۴۸ھ	سنہ ۷۹۲ھ	۱۴۴ 〃
۲۹	بنوحفص 〃	۲۷	ٹیونس	سنہ ۶۲۵ھ	سنہ ۹۴۱ھ	۳۱۶ 〃
۳۰	ممالیک الشراکہ	۲۳	قاہرہ	سنہ ۷۸۴ھ	سنہ ۹۲۲ھ	۱۳۸ 〃
۳۱	خدیویہ	۸	〃	سنہ ۱۲۲۰ھ	جاری ہے	
۳۲	زیادیہ	۹	زبید (یمن)	سنہ ۲۰۴ھ	سنہ ۴۰۹ھ	۲۰۵ 〃

۳۳	یعفوریہ	۹	صنعاء (یمن)	سنہ ۲۴۷ھ	سنہ ۳۴۵ھ	۹۸ سال
۳۴	نجاحیہ	۸	زبید "	سنہ ۴۱۲ھ	سنہ ۵۵۳ھ	۱۴۳ "
۳۵	صلیحیہ	۳	صنعاء "	سنہ ۴۲۹ھ	سنہ ۴۹۵ھ	۶۶ "
۳۶	ہمدانیہ	۸	" "	سنہ ۴۹۲ھ	سنہ ۵۶۹ھ	۷۷ "
۳۷	مہدیہ	۳	زبید "	سنہ ۵۵۴ھ	سنہ ۵۶۹ھ	۱۵ "
۳۸	زریعیہ	۸	عدن	سنہ ۴۷۶ھ	سنہ ۵۶۹ھ	۹۳ "
۳۹	رسولیہ	۱۷	یمن	سنہ ۶۲۶ھ	سنہ ۸۵۸ھ	۲۳۲ "
۴۰	طاہریہ	۴	"	سنہ ۸۵۰ھ	سنہ ۹۲۳ھ	۷۳ "
۴۱	الائمۃ الرسیہ	۱۷	صعدہ (یمن)	سنہ ۲۸۰ھ	سنہ ۷۰۰ھ	۴۲۰ "
۴۲	ائمۂ صنعاء		صنعاء	سنہ ۱۰۰۰ھ	جاری ہے	
۴۳	حمدانیہ	۹	موصل	سنہ ۳۱۷ھ	سنہ ۳۹۴ھ	۷۷ "
۴۴	مرداسیہ	۷	حلب	سنہ ۴۱۴ھ	سنہ ۴۷۲ھ	۵۸ "
۴۵	عقیلیہ	۷	موصل	سنہ ۳۸۶ھ	سنہ ۴۸۹ھ	۱۰۳ "
۴۶	مروانیہ	۵	دیاربکر (شام)	سنہ ۳۸۰ھ	سنہ ۴۸۹ھ	۱۰۹ "
۴۷	زیدیہ	۸	الحلہ	سنہ ۴۰۳ھ	سنہ ۵۴۵ھ	۱۴۲ "
۴۸	دلفیہ	۵	کردستان	سنہ ۲۱۰ھ	سنہ ۲۸۵ھ	۷۵ "
۴۹	ساجیہ	۴	آذربائیجان	سنہ ۲۶۶ھ	سنہ ۳۱۸ھ	۵۲ "
۵۰	علویہ	۴	طبرستان	سنہ ۲۵۰ھ	سنہ ۳۱۶ھ	۶۶ "
۵۱	طاہریہ	۵	خراسان	سنہ ۲۰۵ھ	سنہ ۲۵۹ھ	۵۴ "
۵۲	صفاریہ	۳	فارس	سنہ ۲۵۴ھ	سنہ ۲۹۰ھ	۳۶ "
۵۳	سامانیہ	۱۰	ترکستان	سنہ ۲۶۱ھ	سنہ ۳۵۹ھ	۹۸ "
۵۴	خانات ایلاک	۲۴	"	سنہ ۳۲۰ھ	سنہ ۵۶۰ھ	۲۴۰ "
۵۵	زیاریہ	۶	جرجان	سنہ ۳۱۶ھ	سنہ ۴۳۴ھ	۱۱۸ "

۵۶	حسنویہ	۳	کردستان	سنہ ۳۴۸	سنہ ۴۰۶	۵۸ سال
۵۷	بنوعیہ	۲۰	عراق وغیرہ	سنہ ۳۲۰	سنہ ۴۴۵	۱۲۵ ″
۵۸	کاکوی	۲	کردستان	سنہ ۳۹۸	سنہ ۴۴۳	۴۵ ″
۵۹	سلاجقہ	۵۱	جنوبی ایشیا	سنہ ۴۲۹	سنہ ۷۰۰	۲۷۱ ″
۶۰	دانشمندیہ	۵	سیواس وغیرہ	سنہ ۴۹۰	سنہ ۵۶۰	۷۰ ″
۶۱	آتابکہ بوری	۶	دمشق	سنہ ۴۹۷	سنہ ۵۴۹	۵۲ ″
۶۲	″ زنگی	۲۰	شوریا	سنہ ۵۲۱	سنہ ۶۴۸	۱۲۷ ″
۶۳	″ بکتجینی	۳	اربلا	سنہ ۵۳۹	سنہ ۶۳۰	۹۱ ″
۶۴	″ ارتقیہ	۲۵	دیار بکر	سنہ ۴۹۵	سنہ ۷۱۲	۲۱۷ ″
۶۵	شاہان ارمینیہ	۸	ارمینیہ	سنہ ۴۹۳	سنہ ۶۰۴	۱۱۱ ″
۶۶	آتابکہ آذربائیجان	۵	آذربائیجان	سنہ ۵۳۱	سنہ ۶۲۲	۹۱ ″
۶۷	سلغریہ	۹	فارس	سنہ ۵۴۳	سنہ ۶۸۶	۱۴۳ ″
۶۸	ہزار سبیہ	۱۴	لورستان	سنہ ۵۴۳	سنہ ۷۴۰	۱۹۷ ″
۶۹	شاہان خوارزم	۸	خوارزم	سنہ ۴۷۰	سنہ ۶۲۸	۱۵۸ ″
۷۰	خانان قتلغیہ	۸	کرمان	سنہ ۶۱۹	سنہ ۷۰۳	۸۴ ″
۷۱	آلِ عثمان	۳۵	قسطنطنیہ	سنہ ۶۹۹	جاری ہے	″
۷۲	خانان مغول	۳۴	زنقاریہ وغیرہ	سنہ ۶۰۳	سنہ ۱۰۴۳	۴۴۰ ″
۷۳	مغول فارسی	۱۷	فارس	سنہ ۶۵۴	سنہ ۷۵۰	۹۶ ″
۷۴	خانان عشائر ذہبیہ	۴۰	قاراختیا	سنہ ۶۲۱	سنہ ۹۰۸	۲۸۷ ″
۷۵	خانانِ القرم	۴۶	القرم	سنہ ۶۲۳	سنہ ۱۱۹۷	۳۷۴ ″
۷۶	خانان چغتائی	۲۶	ترکستان	سنہ ۶۲۴	سنہ ۷۶۰	۱۳۶ ″
۷۷	جیلاسی	۶	عراق	سنہ ۷۳۶	سنہ ۸۱۴	۷۸ ″
۷۸	مظفری	۶	فارس	سنہ ۷۱۳	سنہ ۷۹۵	۸۲ ″

۷۹	سربداری	۱۲	خراسان	سنہ ۷۳۶	سنہ ۷۸۳	۴۶ سال
۸۰	کرتی	۸	ہرات	سنہ ۶۴۳	سنہ ۷۹۱	۱۴۸ "
۸۱	قراقیونلی	۵	آذربائیجان	سنہ ۷۸۰	سنہ ۸۷۴	۹۴ "
۸۲	آقاقیونلی	۱۲	"	سنہ ۷۸۰	سنہ ۹۰۸	۱۲۸ "
۸۳	شاہانِ ایران	۳۳	طہران	سنہ ۹۰۸	جاری ہے	
۸۴	تیموری	۱۱	ترکستان	سنہ ۷۷۱	سنہ ۹۰۶	۱۳۵ "
۸۵	شیبانی	۱۹	"	سنہ ۹۰۶	سنہ ۱۰۰۷	۱۰۱ "
۸۶	المنغی	۶	"	سنہ ۱۲۰۰	سنہ ۱۲۸۴	۸۴ "
۸۷	شاہانِ خیوا	۳۵	"	سنہ ۹۲۱	سنہ ۱۲۸۹	۶۸ "
۸۸	شاہانِ خوقند	۱۷	"	سنہ ۱۱۱۲	سنہ ۱۲۹۳	۱۸۱ "
۸۹	جانی	۱۱	استراخان	سنہ ۱۰۰۸	سنہ ۱۲۰۰	۱۹۲ "
۹۰	غزنوی	۲۲	افغانستان و پنجاب	سنہ ۳۵۱	سنہ ۵۸۲	۲۳۱ "
۹۱	غوری	۲۰	افغانستان و ہند	سنہ ۵۴۳	سنہ ۶۱۲	۶۹ "
۹۲	سلاطین دہلی	۳۸	دہلی	سنہ ۶۰۲	سنہ ۹۶۲	۳۶۰ "
۹۳	ملوک بنگال	۵۵	کلکتہ	سنہ ۵۹۹	سنہ ۹۸۴	۳۸۵ "
۹۴	" جون پور	۶	جون پور	سنہ ۷۹۶	سنہ ۹۰۵	۱۰۹ "
۹۵	" مالوہ	۷	مالوہ	سنہ ۸۰۴	سنہ ۹۳۷	۱۳۳ "
۹۶	" گجرات	۱۴	گجرات	سنہ ۷۹۹	سنہ ۹۸۰	۸۱ "
۹۷	" خاندیس	۱۲	خاندیس	سنہ ۸۰۱	سنہ ۱۰۰۸	۲۰۷ "
۹۸	" بہمنی	۱۸	دکن	سنہ ۷۴۸	سنہ ۹۳۳	۱۸۵ "
۹۹	" عمادیہ	۵	برار	سنہ ۸۹۰	سنہ ۹۸۰	۹۰ "
۱۰۰	" نظامیہ	۱۰	احمدنگر	سنہ ۸۹۶	سنہ ۱۰۰۴	۱۰۸ "
۱۰۱	" برید	۷	بیدر	سنہ ۸۹۷	سنہ ۱۰۱۸	۱۲۱ "

۱۰۲	ملوک عادلیہ	۸	بیجاپور	۸۹۵ھ	۱۰۹۷ھ	۲۰۲ سال
۱۰۳	" قطبیہ	۷	گولکنڈہ	۹۱۸ھ	۱۰۹۸ھ	۱۸۰ "
۱۰۴	" مغل	۲۶	دہلی	۹۳۲ھ	۱۲۷۵ھ	۳۴۳ "
۱۰۵	" افغانستان	۱۹	کابل	۱۱۸۰ھ	جاری ہے	
۱۰۶	سلطنتِ سعودیہ[له]	۱	مکہ	۱۳۴۳-۴۴ھ	جاری ہے	
۱۰۷	ملوکِ عراق[له]	۳	بغداد	۱۳۳۸-۳۹ھ	جاری ہے	

له سنین وغیرہ کی تواریخ قیاساً درج کردی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ اصلی تواریخ اور ان میں کچھ اختلاف ہو۔

براہین وحی

اخبار حمایت اسلام کا تبصرہ

(۳)

نیاز فتحپوری نے اپنے رسالہ نگار میں اس قسم کے مُزخرفات اور ہزلیات شائع کیے تھے کہ میں قرآن مجید کو کلام الٰہی نہیں مانتا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام خداوندی کو اپنی زبان میں بیان کیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ نیاز فتحپوری ان مخالفانہ گستاخیوں کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔"البیان" کے اس خاص نمبر میں نیاز کے ملحدانہ عقائد کی زبردست دلائل اور قاطع براہین سے تردید کی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے الہامات کو لفظوں کی صورت میں ہی انسان کے دل پر نازل کرتا ہے۔ ہم اسے معاصر موصوف کی اعلیٰ اسلامی اور پسندیدہ دینی خدمت سمجھتے ہیں جس میں علمائے کرام اور سربرآوردہ اہل قلم کے وہ تمام مضامین جمع کیے گئے ہیں جو نیاز کے ملحدانہ خیالات کی تردید میں لکھے گئے تھے۔ قیمت ایک روپیہ۔ (حمایت اسلام لاہور ۲۶ رجون ۱۹۴۱ء)

ملنے کا پتہ :- دفتر اُمت مسلمہ امرت سر

اختلاف ہوتا ہے' اس لیے ان کے مرکزوں کے وہی صفاتی ذرّات بر روئے کار آتے ہیں' جو اُن اعضاء سے متعلق ہوتے ہیں۔ جہاں تک مرکزوں کا تعلق ہے سب اعضاء کے مرکزے یکساں ہوتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ چوں کہ عضلات کے خلیوں کے نخزمایہ کی کیمیاوی کیفیات' اعصاب کے خلیوں کے نخزمایہ کی کیمیاوی کیفیات سے مختلف ہوتی ہیں' اس لیے عضلات کے خلیوں کے مرکزوں میں نخزمایہ کی اختلافی ترکیب کی وجہ سے وہی صفاتی ذرّات بر روئے کار آتے ہیں' جو عضلات کی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں یہی حالت اعصاب میں پیدا ہوتی ہے اور دوسرے نسیجوں (Tissues) میں۔

ڈریش (Driesch) نے ۱۸۹۱ء میں بار آور انڈے کے اُس حصہ کو علیحدہ کر دیا جس سے بعد میں صرف جسمانی خلیوں کی تشکیل ہونا تھی۔ اس حصہ کو نشو ونما کا موقع دیا گیا اور دیکھا گیا کہ اس سے جو جنین بنا اُس میں تناسلی خلیے یعنی تناسلی اعضاء بھی پیدا ہو گئے۔ اس قسم کے تجربات اور انکشافات سے وِزمَن کے نظریہ کی وہ اہمیت نہ رہی جو پہلے تھی اور اکتسابی خصائص کے توارث کا مسئلہ ازسرِ نو غور و فکر کا موضوع بن گیا۔ لامارک کے حامیوں نے کہا کہ ماحول کے تاثرات کو کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا: کیوں کہ یہی وہ تاثرات ہیں جو قانونِ نشو و ارتقاء کی ایک بہت بڑی اساس و بنیاد ہیں۔ پچھلے سالوں کے تجربات سے اکثر علماءِ حیاتیات اس حقیقت کی طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں کہ بڑی یا چھوٹی عضوی تبدیلیاں جو ماحول کے تغیر و تبدل سے پیدا ہوتی ہیں اور کئی نسلوں تک برابر جاری رہتی ہیں' بالآخر موروثی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ لامارک کے اس نظریہ کے احیاء کو جدید لامارکیت کہا جاتا ہے۔

ہیسلپ ہیریسن (Heslop Harrison) نے جو ڈربن یونیورسٹی کا پروفیسر ہے' ایک سیاہ رنگ کے پروانہ (Moth) پر تجربات کیے۔ اُس نے دیکھا کہ یہ سیاہ رنگ کا پروانہ اُن اضلاع میں پایا جاتا ہے جہاں کارخانوں کی وجہ سے فضا میں دھواں اکثر موجود رہتا ہے۔ چوں کہ دھوئیں میں مینگنیز (Manganese) کے مرکبات ہوتے ہیں' اس لیے اس کیڑے کی خوراک میں مینگنیز کی موجودگی اس سیاہ رنگ کا موجب ہے۔ اُس نے ایک پیلے رنگ کے پروانہ کو جو اسی نوع سے تعلق رکھتا تھا' لیا اور اُسے مینگنیز پر پرورش کرنا شروع کر دیا۔ چند نسلوں کے بعد اس پیلے رنگ کے پروانے سے سیاہ رنگ کے پروانے پیدا ہونا شروع ہو گئے اور یہ سیاہ رنگ اُن کی نسل میں یہاں تک راسخ ہو گیا کہ اس ماحول سے باہر لے جانے کے بعد بھی اُن کا رنگ تبدیل نہ ہُوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ گھر کی مکھیوں میں بعض چھوٹی ہوتی ہیں اور بعض

بڑی۔ ان چھوٹی کمیوں سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ابھی کم عمر ہیں اور بلوغت تک نہیں پہنچیں، اس لیے کہ جوں ہی کمی اڑنا شروع ہوتی ہے اس کی مزید نشوونما ختم ہو جاتی ہے۔ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب کمی کے جنین کو مطلوبہ مقدار کی غذا نہیں ملتی تو اس کی جسامت چھوٹی رہ جاتی ہے اور یہ حالت آخری دم تک قائم رہتی ہے۔ ریشم کے کیڑوں میں دیکھا گیا ہے کہ اگر انہیں پوری غذا دستیاب نہ ہو تو ان کی جسامت چھوٹی رہ جاتی ہے اور اس تبدیلیٔ جسم کا اثر کم سے کم تین نسلوں تک برابر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

امریکہ کے اصلی باشندوں (جو آبنائے ہڈسن کے گرد و نواح میں آباد ہیں) کے پاس چھوٹے چھوٹے قد کے کتے ہوتے ہیں۔ ان کتوں کا قد اس لیے پست ہو گیا ہے کہ انہیں غذا پورے طور پر نہیں ملتی۔ چوں کہ یہ صورت حال کئی نسلوں تک برابر جاری رہی اس لیے قد و قامت کا چھوٹا ہونا ان کے اندر ایک مستقل جسمانی تبدیلی بن گئی ہے۔ اسی نوع کے کتے جو سفید فام امریکنوں کے پاس ہیں، فراوانیٔ غذا کے باعث بہت قدآور ہوتے ہیں۔ مالٹا اور سیپرس کے جزیروں میں پست قامت ہاتھی پائے جاتے ہیں جن کا قد تین اور سات فٹ کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ ہاتھی ان ہاتھیوں کی یادگار ہیں جو افریقہ میں آباد تھے اور اس زمانہ میں آسانی کے ساتھ یورپ اور افریقہ میں آجا سکتے تھے جب کہ یہ جزائر ان دونوں براعظموں کے درمیان خشکی کا ایک پل بنائے ہوئے تھے۔ بعد میں یہاں سمندر پھیل گیا اور یہ جزائر ان دونوں براعظموں سے کٹ گئے۔ جو ہاتھی یہاں موجود تھے، وہ یہیں کے یہیں رہ گئے۔ یہاں ماحول کی نامساعدت سے تنازع للبقاء نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور قلت غذا کی وجہ سے ان کے قد بتدریج چھوٹے ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ موجودہ طوالت تک پہنچ گئے۔ یہ ہاتھی ان جزائر سے مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ ماحول کی ناسازگاری اور تنازع للبقاء کی پریشانیاں ہیں۔

کیمرر (Kammerer) نے جو وائنا کا ایک مشہور عالم حیاتیات ہے سالامنڈروں (Salamanders) کی دو انواع پر تجربات کیے۔ ان میں سے ایک میدانی سالامنڈر ہے جس کے انڈوں سے بہ یک وقت بہ تعداد کثیر جنین پیدا ہوتے ہیں۔ ان جنینوں میں اصداغ (Gills) ہوتے ہیں اور قریباً چھ مہینے پانی میں رہتے ہیں جہاں ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس سالامنڈر کا رنگ سیاہ ہوتا ہے جس پر پیلے رنگ کے دھبے ہوتے ہیں۔ دوسرا سالامنڈر پہاڑوں پر رہتا ہے۔ اس کا رنگ بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اس سے بہ یک وقت دو جنین پیدا ہوتے ہیں جو خشکی پر رہتے ہیں۔ کیمرر نے کوہستانی

سالامنڈر کو ایسے ماحول میں رکھا جو گرم اور مرطوب تھا۔ اس تجربے سے دیکھا گیا کہ اس سالامنڈر کے جنینوں کی تعداد بتدریج بڑھتی چلی گئی جو بجائے خشکی پر رہنے کے پانی میں رہنے لگے اور ان کے اندر اصداغ (گلپھڑے) بھی پیدا ہو گئے جو آبی ماحول کے لیے ضروری ہیں۔ اس کے برعکس میدانی سالامنڈر کو جب پہاڑ پر رکھا گیا تو اس کے جنینوں کی تعداد بتدریج گھٹتی چلی گئی اور بجائے پانی میں رہنے کے ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوتی چلی گئی کہ خشکی پر رہیں۔ اس طرح ان کے اصداغ بھی آہستہ آہستہ گھٹنا شروع ہو گئے۔ ان تجربات اور مشاہدات سے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح بیرونی حالات ذی حیات اجسام کے وظائف حیات کو متاثر کرتے ہیں جن کی وساطت سے جسم میں تبدیلیاں رونما ہو کر صنفی اعضاء میں کم و بیش تبدیلیوں کا باعث ہوتے ہیں۔ جدید لامارکیت کے حامیوں کا عقیدہ ہے کہ صنفی یا تناسلی اعضاء کے خلیے ماحول کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے، بلاشبہ تناسلی خلیے ہی ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ جسمانی خلیوں کی تبدیلیوں سے تناسلی خلیے متاثر نہ ہوں۔ جسمانی خلیوں کے ذمے تناسلی خلیوں کی پرورش ہے، اگر جسمانی خلیوں میں کوئی تبدیلی رونما ہو گی تو تناسلی خلیوں کی پرورش میں بھی ضرور کم و بیش تبدیلی ہو گی اور وہ اس سے ضرور متاثر ہوں گے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات (مثلاً آلو غا جھونرے میں) ماحول جسم میں تو کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا، مگر اس کا براہ راست اثر تناسلی خلیوں میں تبدیلی کا باعث ہو جاتا ہے اور یہ تبدیلی آیندہ نسلوں میں برابر ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ بعض اوقات گرد و پیش کے تغیرات کی وجہ سے جسمانی تبدیلی کچھ ایسی نوعیت کی ہوتی ہے کہ وہ معاً تناسلی خلیوں کو بھی متاثر کر لیتی ہے۔ اور اس طرح موروثی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

اکتسابی صفات کے توارث کے سلسلہ میں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اگر جسم کے کسی عضو کو صدمہ پہنچے یا کٹ جائے تو اس کا اثر آیندہ نسل پر نہیں پڑتا۔ اگر یہ عضو کئی ایک نسلوں تک متواتر کاٹ بھی دیا جائے تو بھی یہ جسم کی مجموعی ہیئت و ساخت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اگر جسم کی اس قسم کی تبدیلی وراثتۃً منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی تو حیوانات و نباتات کی نسلوں کی نسلیں تباہ و برباد ہو کر رہ جاتیں۔ یہ قدرت کی ایک بہت بڑی نوازش ہے کہ اس نے اجسام حیتہ کو اس قسم کی تباہ کن تبدیلیوں سے مامون و مصئون کر رکھا ہے۔

بفن (Buffon) نے جو علماء حیاتیات میں نمایاں شخصیت رکھتا ہے، سب سے پہلے ایک ایسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی جس کی توجیہ ہم لامارک کے نظریات کی روشنی میں آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ جب انسان نے پہلے پہل زمین پر چلنا شروع کیا تو پاؤں کے تلووں کی کھال رگڑ کی وجہ سے موٹی ہو گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ہم ہاکی کی چھڑی کا متواتر استعمال کرتے ہیں تو ہاتھ کی ہتھیلی کی کھال جہاں وہ زیادہ رگڑ کھاتی ہے، موٹی ہو جاتی ہے۔ .. ..

.. .. چوں کہ یہ عمل ہزاروں نسلوں تک برابر جاری رہا، اس لئے اس اکتسابی خصوصیت (یعنی پاؤں کے تلوے کی کھال کا موٹا ہونا) نے بالآخر موروثی حیثیت اختیار کر لی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی جنین کے پاؤں کے تلوے کی کھال پیدائش سے پہلے موٹا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جب وہ پیدا ہوتا ہے تو یہ کافی موٹی ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے پاؤں کے تلووں کی یہ تبدیلی ایک اکتسابی خصوصیت تھی مگر اب یہ موروثی خصوصیت بن گئی ہے اور ایک نسل سے دوسری نسل میں برابر منتقل ہوتی ہے۔

اُن پودوں کے پتے جو سمندر کے ساحل پر اُگتے ہیں، نرم، رس دار اور دبیز ہوتے ہیں، اسی طرح باغوں کے بعض پودوں مثلاً جیرینیم (Geranium) کو اگر ہم متواتر دو چار نسلوں تک ایسے پانی سے سیراب کرتے رہیں جن میں کیمیاوی نمکوں (Chemical Salts) کی کثرت ہو تو اُن کے پتے موٹے اور رس دار ہو جاتے ہیں، مگر یہ تبدیلی موروثی صورت اختیار نہیں کرتی، اس لیے کہ جوں ہی ہم نمکیات سے بھرا ہوا پانی دینا بند کر دیتے ہیں، پتے اپنی اصلی حالت پر عود کر آتے ہیں، مگر ساحلی پودوں میں یہ خصوصیت موروثی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اگر ہم ان پودوں کو ساحلِ سمندر سے میلوں دُور لے جائیں تو بھی ان کے پتوں کی وہی صورت رہتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ ساحلی پودوں میں پتوں کی یہ خصوصیت پہلے اکتسابی تھی یعنی پانی کی کیمیاوی کیفیت کی وجہ سے تھی مگر کئی ایک نسلوں کے بعد اس ماحول کے بدستور قائم رہنے سے یہ تبدیلی، ایک موروثی صفت بن گئی۔

پروفیسر مارک بالڈون (Prof: Mark Baldwin) کا خیال جو اُس نے اکتسابی صفات کی توریث کے سلسلہ میں پیش کیا ہے، نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ گو اکتسابی تبدیلیاں جو افراد کی زندگی میں رونما ہوتی ہیں، آیندہ نسل میں منتقل نہیں ہو سکتیں مگر یہ ہو سکتا ہے کہ حیوانات یا نباتات کے ایک گروہ میں موثرات خارجیہ کے تقاضا سے ایک طرف تو ایک اکتسابی تبدیلی پیدا ہو رہی ہو اور

دوسری طرف ان افراد کے اندر ایسا ناگہانی تغیر جسے تحول فجائی یا انقلاب نوعی (Mutation) کہا جاتا ہے، واقع ہو جائے جو اسی قسم کی عضوی تبدیلی پیدا کرنے کا مقتضی ہو، تو اس صورت میں ان دونوں کے اشتراک وتعاون سے ان افراد کی یہ جسمانی تبدیلی موروثی حیثیت اختیار کرے گی۔ اس طرح ان افراد کے اندر اپنے ماحول سے ایک مستقل مطابقت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔[۵]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پروفیسر بالڈون کے نزدیک اکتسابی تبدیلی اس وقت تک موروثی حیثیت اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اسے تحول فجائی کی اعانت حاصل نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکتسابی تبدیلی ایک موروثی صفت بننے کے لیے اپنی ہی قسم کے انقلاب نوعی کی محتاج ہے۔ فرض کیجیے کہ ماحول کے تغیر کی وجہ سے خواہ وہ آب و ہوا کے متغیر ہو جانے یا گردو پیش کے حیوانات ونباتات میں تبدیلی رونما ہو جانے سے ہو، ایک پودا یا حیوان نئی طرز زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی مجبوری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس پودے یا حیوان کے جسم میں ایک تبدیلی ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ تبدیلی آیندہ نسلوں میں برابر اُبھرتی چلی جاتی ہے تاکہ وہ ماحول کے مقتضیات سے زیادہ سے زیادہ خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برا ہو سکیں۔ مثلاً ایک بھیڑ گرم ملک سے نکال کر کسی سرد خطہ میں لاکر رکھی جائے تو ماحول کے تقاضا سے اس کے جسم پر طویل اُون پیدا ہونا شروع ہو جائے گی۔ اگر تحولِ فجائی اسی سمت میں واقع ہو جائے یعنی تناسلی خلایا میں ایسا ناگہانی تغیر رونما ہو جائے جو اُون کی طوالت کا مقتضی ہو، تو اس بھیڑ کی آیندہ نسلوں کے افراد میں اپنے ماحول سے ایک پائدار اور مستقل مطابقت پیدا ہو جائے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قدرت انہیں بقاء و حیات کے لیے منتخب کر لیگی۔ ہو سکتا ہے کہ ان بھیڑوں میں اسی نوعیت کے تحول فجائی کا سلسلہ برابر جاری رہے اور اُن کی روز افزوں طوالت کے باعث ان کی اپنے ماحول سے مطابقت کی صورت زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی چلی جائے۔ پروفیسر مارک بالڈون کے نقطہ نظر سے نباتات وحیوانات اپنی اکتسابی تبدیلیوں کے دوران میں منتظر

---

[۵] بعد میں یہ بیان کیا جائے گا کہ تحولِ فجائی یا انقلاب نوعی وہ تغیر ہوتا ہے جو تناسلی خلایا میں اچانک واقع ہوتا ہے اور جسم کی ساخت میں ایک مستقل اور نوعی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ چوں کہ یہ تغیر تناسلی خلیوں میں واقع ہوتا ہے اس لیے اس سے پیدا شدہ جسمانی تبدیلی، آیندہ نسلوں میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ہوتے ہیں کہ تحول فجائی ہو کر یہ اکتسابی تبدیلیاں موروثی حیثیت اختیار کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اگر تحول فجائی وقوع پذیر ہوا اور وہ ان اکتسابی تبدیلیوں کے لیے مساعد و معاون ثابت ہوا تو یہ اکتسابی تبدیلیاں موروثی حیثیت سے سرفراز ہو جائیں گی ورنہ ان کے موروثی ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اُن حیوانات کے بارے میں جن کے جسم پر بال یا اون ہوتی ہے اصل بات کیا ہے۔ جلد یعنی جسم کی کھال کا موٹا یا پتلا ہونا آب ہوا کے درجۂ حرارت پر منحصر ہے۔ اگر حیوانات کو گرم آب و ہوا میں رکھا جائے تو اُن کی جلد کا بالائی حصہ (Epidermis) موٹا ہو جائیگا بالوں کی لمبائی اور جسم کے زیرین حصہ کی موٹائی میں نمایاں کمی واقع ہو جائے گی۔ سردی کا اس کے بالکل برعکس اثر ہوتا ہے، اس سے جلد کا بالائی حصہ پتلا ہو جاتا ہے، بال کثرت سے جسم پر پیدا ہو جاتے ہیں اور جلد کا زیرین حصہ (Dermis) موٹا ہو جاتا ہے۔ یہ تبدیلیاں جو گرمی و سردی سے واقع ہوتی ہیں، دَورانِ خون کے اُس نظم و انضباط پر منحصر ہیں جو حیوانات کے مختلف اعضاء کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ گرمی میں خون کی وہ نالیاں (Blood vessils) جو جلد کی اوپر کی سطح کے قریب ہوتی ہیں کھل جاتی ہیں تاکہ اُن سے جسم ٹھنڈا رہے اور گرمی زیادہ اثر نہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جلد کے بالائی حصہ میں زیادہ خون پہنچنا شروع ہو جاتا ہے، خون میں غذا ہوتی ہے، چوں کہ یہ غذا زیادہ تر جلد کے بالائی حصہ کو حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہے، اس لیے اس کی نشو و نما میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ موٹا ہو جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ بالوں کے نچلے سرے جلد کے زیرین حصہ میں ہوتے ہیں۔ جب خون کا زیادہ حصہ جلد کے بالائی حصہ کی طرف آجاتا ہے تو بالوں کو غذا جو خون کی وساطت سے ملنا تھی کم ملتی ہے۔ لازمی طور پر بال کم اُگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ سردی میں خون کی وہ نالیاں جو جلد کے بالائی حصہ میں ہوتی ہیں بہت تنگ ہو جاتی ہیں، خون کا زیادہ بہاؤ جلد کے زیرین حصہ کی طرف ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ حصہ خون سے زیادہ غذا حاصل کر کے موٹا ہو جاتا ہے اور بالائی حصہ پتلا ہو کر رہ جاتا ہے۔ چوں کہ بالوں کے نچلے سرے جلد کے زیرین حصہ میں ہوتے ہیں، اس لیے انہیں خون سے زیادہ غذا ملنا شروع ہو جاتی ہے اور وہ نہ صرف کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی طوالت میں بھی نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرد ممالک کے رہنے والوں کے جسموں پر بال کثرت سے ہوتے ہیں۔

پروفیسر مارک بالڈون کہتا ہے کہ سرد ممالک کے رہنے والے حیوانات کے جسموں پر بالوں کی کثرت یا گرم ملک کے حیوانات کے جسموں پر اُن کی قلت، ایک ایسی اکتسابی تبدیلی ہے جو مستقل حیثیت نہیں رکھتی بلکہ محض ایک عارضی تبدیلی ہے جو اس وقت تک قائم رہے گی جب تک وہ ماحول قائم ہے جو اس کے پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اگر وہ ماحول نہ رہے تو یہ اکتسابی تبدیلی بھی مفقود ہو جائے گی، ہاں، اگر اس اکتسابی تبدیلی کے ظہور کے دوران میں تحول فجائی واقع ہو جائے جو اس اکتسابی تبدیلی کا ممد و معاون ہو تو یہ اکتسابی تبدیلی، موروثی تبدیلی بن جائے گی۔ اس صورت میں اگر وہ ماحول نہ بھی رہے جب بھی یہ تبدیلی برقرار رہے گی اور آیندہ نسلوں کے افراد میں برابر ظاہر ہوتی رہے گی۔ مثال کے طور پر آہوئے مشکیں (Musk ox) کو لیجیے، آپ اسے کسی ماحول میں لے جائیے۔ اس کے جسم کے بالوں میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اس لیے کہ اس کے بالوں کا طویل اور گھنا ہونا جو پہلے اکتسابی صفت تھی، اب تحول فجائی کی اعانت سے موروثی صفت بن گئی ہے۔ یہی حال بھینس کا ہے جو گرم ممالک کا حیوان ہے۔ اس کے جسم پر بہت کم بال ہوتے ہیں اور یہ بالوں کی قلت اس کی موروثی صفت ہے جو موثرات خارجیہ سے بے نیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھینس سرد ممالک میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ پروفیسر مارک بالڈون اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر کسی نوع کے حیوانات میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ماحول کے مطابق اپنے اندر اکتسابی تبدیلیاں آسانی کے ساتھ پیدا کر سکتے ہیں تو وہ ایک مختلف ماحول کو اس انتظار میں برداشت کرنے کے قابل ہوتے ہیں کہ حسب ضرورت تحول فجائی وقوع پذیر ہو اور وہ اپنے ماحول سے مستقل مطابقت پیدا کر لیں، اس طرح نہ صرف ان حیوانات کے پھیلاؤ کا حلقہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے بلکہ ان کا ارتقاء بھی جاری رہتا ہے یعنی ان کے مختلف انواع میں تبدیل ہونے کے امکانات بھی پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے، اس پر غور کیجیے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اگر اکتسابی صفات کے توارث کا مسئلہ حل ہو جائے تو آسانی کے ساتھ اس حقیقت کی توضیح کی جا سکتی ہے کہ کس طرح نباتات و حیوانات بتدریج اپنے گرد و پیش سے مطابقت پیدا کر لیتے ہیں مگر اس بارے میں ابھی علماء حیات اختلاف آراء رکھتے ہیں، بعض علماء کا خیال ہے کہ اکتسابی صفات کے توارث کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں اس نظریہ کے حامی چند ایک غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے

بعض ٹھوس حقائق ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

اس نظریہ سے اختلاف رکھنے والے علماء کہتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل نہیں کہ یوں ہی سر ہلا کر دانشمندانہ انداز میں کہہ دیا جائے کہ اگر اکتسابی صفات کا موروثی ہونا ناممکن ہے تو پھر نشوو ارتقاء کے توضیح کے لیے کون سا امکان باقی رہ جاتا ہے؟ ہمیں حقائق کی جستجو کرنی چاہئے خواہ اس میں ارتقاء حیات کی توضیح و تشریح میں بہت بڑی دشواریاں ہی پیش کیوں نہ آئیں، اگر یہ نظریہ، ارتقاء حیات کی توضیح سے قاصر ہے تو ہمیں دوسرے حقائق پر نظر ڈالنی چاہیے۔ کیا وہ تدریجی تغیرات ——— (Continuous Variations) جو تناسلی خلیوں میں مسلسل پیدا ہوتے رہتے ہیں، ارتقاء حیات کے لیے کافی مواد نہیں ہیں؟ (یہ علماء جو لامارک کے نظریہ ارتقاء پر معترض ہیں، ڈارون کے نظریات کے حامی ہیں)

ان علماء کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سطحی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے ماحول سے حیوانات و نباتات کی مطابقت، استعمال و عدم استعمالِ اعضاء کا نتیجہ ہے اور لامارک کا یہ طریق استدلال تو اس کے حامیوں کی ایک عادت سی بن کر رہ گیا ہے۔ مثلاً ویل کی پچھلی ٹانگوں کا مفقود ہونا عدم استعمال کی وجہ ہے۔ زرافہ کی گردن کا طویل ہونا کثرتِ استعمال کے باعث ہے اور گھوڑے کے سموں کا سخت اور مضبوط ہونا اس لیے ہے کہ ایک زمانہ میں وہ دلدلی میدان چھوڑ کر ٹھوس اور سخت زمین پر آباد ہو گئے اور وہاں انہیں ضروریات زندگی کے ہاتھوں اِدھر اُدھر تیزی کے ساتھ بھاگنا پڑا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اکتسابی خصائص کا توارث ایک ایسا بدیہی عمل ہے کہ اس کے لیے زیادہ استدلال کی ضرورت نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے سوال کا جواب نہیں، یہ آسانی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حیوانات و نباتات کے وہ مخصوص خدوخال جو ماحول سے مطابقت رکھتے ہیں اکتسابی تغیرات کی توریث کا نتیجہ ہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ واقعی یہ عضوی خصوصیتیں پہلے اکتسابی تبدیلیوں کی صورت میں نمودار ہوئیں اور کیا اب بھی ایسا ہو رہا ہے؟ یہ کہنا آسان ہے کہ حبشی کا سیاہ رنگ خط استواء کے سورج کی حدت کا نتیجہ ہے اور اب یہ سیاہ رنگ اس کی وراثت میں داخل ہو گیا ہے، مگر یہ کہنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ جن عضوی صفات کو ہم اکتسابی تبدیلیوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ کہیں اُن تغیرات کا نتیجہ تو نہیں جو تناسلی خلیوں

فاعلِ مختار خدا) کے پاس ہیں (تمام موجودات پر پورا حکم اور اختیار اس کا ہے تمام سامان اس کے حکم کے پیچھے چلتے ہیں وہ فوق الفطرت ہے اس کے قوانین نہیں بدلتے ہاں اس کے حکم واشارہ سے اعیان کائنات تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ہے اس کے قبضہ کا ثبوت جتنی واضح بات ہے ظاہر ہے مگر اشرار ایسی صریح اور صاف تعلیم میں بھی پیچ ڈالنا چاہتے ہیں اور حقیقت کو مبہم کر کے دکھاتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ خالق، لائق توکل، صاحب طاقت یہ تینوں کام خدا ذوالجلال کے شایاں ہیں اور توحید ثابت شدہ چیز ہے۔ ہاں ضد و شرارت، بغض و عناد اور کفر و جہالت سے کوئی نالائق دو اور دو کو پانچ کہدے تو اس کا وبال اس کی گردن پر۔ ایسے واضح برہان سے منہ موڑنا سود مند نہیں ہوا کرتا۔ جیسے فرمایا) اور جو لوگ آیات الٰہی (واضح برہان، پختہ و بے غلط دلائل اور ثابت شدہ توحید) کی ناقدری کرتے ہیں یہی ہیں جو خسارہ والے ہیں۔ (صاف بات ہے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے والے پورے کارساز، لائق توکل اور کامل متصرف خدا کو چھوڑنا اور ایسی صریح سند کے بعد چھوڑنا کتنی بڑی جہالت ہے اور پھر بھی یہ مشرکین و کافرین گھاٹے والے نہ ہوں تو کیا ہوں۔ توحید پر ایسے دلائل اور پھر ان کا انکار تو کوئی دشمن عقل ہی کر سکتا ہے۔ ایسے حالات کے ہوتے ہوئے اور ایسے شواہد کی موجودگی میں جہالت پر اڑے رہنا سخت نالائقی ہے۔ اے نبیؐ ایسے اشرار کو)

ساتواں رکوع | (۶۴) قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ

کہہ! اے جاہلو! کیا پھر تم اللہ تعالیٰ (کامل مطلق، خالق کل قابلِ توکل اور پورے قبضہ والے) کے غیر کی عبادت کا مجھے حکم دیتے ہو؟ (یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسے کامل مطلق، فاعل مختار متصرف حقیقی ذاتِ واحد کو چھوڑ کر عاجزوں درماندوں کی پوجا کروں لائق عبادت صرف ایک خدا ہی ہے، وہی مقدم مرضی والا ہے، اسی کے دستِ قدرت میں ہر مخلوق کی باگ ہے ڈھیلی کرے یا کھینچ لے وہ صاحبِ اختیار ہے۔ لوگ پیچ ڈال کر اس کے ساتھ دوسروں کو شامل کرتے ہیں اور بالغیر اصل مطاع یا بالاذن حکم مطلق وغیرہ بناتے ہیں اور ان کے فیصلوں کو خدائی فیصلہ کہتے ہیں اور مشرک یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اختیارات ان کو خدا ہی نے دے رکھے ہیں۔ نعوذ باللہ!

خدا اپنے حکم میں کبھی کسی کو شریک نہیں بناتا۔ یہ کفار و مشرکین کی بد دیانتی اور چالیں ہیں عبادتو
صرف خدا کی کرنا چاہئے ایسی عبادت جیسے غسال کے آگے میت۔ پس اس مقدم اختیار والے
کی حضور لیٹ جانا اور اسی کی ذات پر اعتماد کامل رکھنا اسی کو حاجت روا جاننا' یہ ہے توحید
خالص جس پر عامل ہو کر اخروی نجات حاصل ہوتی ہے' یاد رکھو' توحید میں تعدد کی گنجائش نہیں
خدائے واحد شرک سے سخت بیزار ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی میں کسی اور کو شریک بنائے۔
اور اسے اختیار دیدے کہ تیرا کہنا بھی میرے کہنے کے برابر ہے' تو وہ شخص اسی طرح یہ عطاشدہ
اختیار دوسرے کسی کو سونپ دے پھر وہ کسی اور کو یہ اختیار دیدے پھر تو یہ سلسلہ لاانتہا میں جاری
ہوجائیگا مختلف اور متعدد ارادے وہ فساد پیدا کریں گے کہ نظام کائنات بھی درہم برہم ہو کر رہ
جائیگا۔ کیسی واضح اور روشن بات ہے جس کو بد کرداروں نے گورکھ دھندا بنا رکھا ہے۔ اور
صراط مستقیم میں پیچیدگیاں ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ
مقدم ارادہ ایک اور صرف ایک ہی ہونا چاہیئے۔ جس سے نظام عالم کا نظم صحیح رہے ورنہ
بہت سے ارادے لازماً تباہی کا سبب ہونگے۔ ایک کی کچھ خواہش' دوسرے' تیسرے'
چوتھے وغیرہ کی کچھ اور خواہش' پس' بنائے فساد شروع ہوئی اور تصادم ہو کر ساری موجودات
ہلاکت کے گڑھے میں جاگری اور مختلف مرضیوں والے بھی نہ بچے' کیونکہ ایک کی خواہش
دوسرے کے خلاف تھی۔ پس ایسے تباہ کن شرکیہ عقیدہ سے بچنے کی خدائے واحد سے توفیق
مانگنا چاہیئے' ورنہ یہ وہ آگ ہے کہ جسمیں بڑے سے بڑے انسان کے نیک اعمال بھی جلکر
راکھ ہوجاتے ہیں۔ اور وہ بہت بڑے خسارہ پانے والوں سے ہوجاتا ہے۔ شرک سے
بچنے کی قرآن مجید میں بار بار بڑے زور دار لفظوں میں تاکید آئی ہے اور اس کے برے نتیجہ
سے خبردار کیا گیا ہے' جیسے کہ خود پیغمبر علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا:

(۶۵) وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ
لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ اور البتہ تحقیق وحی
کیا گیا ہے (قرآن مجید میں کئی جگہ) تیری طرف (نجی پر کیا منحصر ہے) تجھ سے اگلوں (رسولوں

نبیوں وغیرہم) کی طرف (یہ مضمون کہ) اگر تو نے شرک کیا ضرور تیرے عمل اکارت جائیں گے
اور تو گھاٹے والوں سے ہوگا (ہوا پرستی یا غیر اللہ پرستی وغیرہ سب شرک ہے وحی وعقل
سے فائدہ نہ اٹھانا یہ بھی شرک ہے۔ عاجزوں کی مدد کرنا اپنی ذات میں نیکی ہے۔ اگر نیک نیتی
سے کی جائے اور اگر ارادہ فاسد اور خود غرضی ہے تو یہ ہوا پرستی ہے اور اس کا مرتکب مجرم اور
بہت گھاٹا پانیوالا ہے اور بسبب اس مشرکانہ ہوا پرستی کے اعمال اکارت ہو جائیں گے،
ریاکار شخص اور کسی بزرگ انسان کی مرضی کو مقدم جان کر چاہ و مسجد بنانے والا یا اور کوئی
بظاہر اچھا کام کرنے والا بھی ہوا پرست مشرک ہے۔ نیک وہ ہے جو اکیلے خدا کی مرضی کو مقدم
جان کر نیک نیتی سے اچھے کام کرے۔ دو مقدم ارادے ماننے والے کے تمام عمل ضائع ہو جاتے
ہیں جو کام فی نفسہا اچھے نہیں وہ اس طرح ضائع ہوتے ہیں جیسے سخت میلا گندا کپڑا وغیرہ صاف
کرنے میں صابون ختم ہو جاتا ہے وہ پھر بھی صاف نہیں ہوتا اور شرک تو ایسا ظلم عظیم ہے کہ
اس کے مقابلہ کا کوئی گناہ نہیں، پھر یہ نیکیوں کو ہضم نہ کر جائے تو اور کیا ہو؟ ایک شخص خدا کا مقابلہ
کئے بغیر نیکیاں کرتا ہے اسے ضرور اس کا فائدہ ملیگا دنیا میں ملے یا آخرت میں کیونکہ بزرگ پرستی
یا ہوا پرستی سے اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے گناہوں میں تخفیف ہو یا اور کسی طرح
اس کے حق میں بہتری ہو۔ غرض فائدہ اسے ضرور ہوگا اور ضرور احسن عمل کا بدلہ پائیگا بار بار شرک
سے نفرت کرنے کی تاکید فرمائی اور توحید پہ گامزن رہنے پر زور دیا۔ اے نبیؐ شرک نہ کر)

(۶۶) بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ بلکہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت

(بلا شرکت غیرے) کر (عابد بننے کی قدر کر) اور شکر گذاروں سے بن (جھکنے والوں سے بن۔ جو
نہیں جھکتا وہ نافرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آگے سب چیزیں ساجد ہیں اور بہت سے انسان بھی،
اور کرہًا تو سارے ساجد ہیں کوئی بھی اس سے الگ نہیں۔ مگر ہاں انسان کو چاہیئے کہ طوعًا اس کا
فرمانبردار بنے۔ اگر نہ بنے گا، تو اس کا عذاب سرکشوں پر ثابت ہو چکا ہے، تو پھر جسے اللہ تعالیٰ
ذلیل کرے، اُسے کون ہے جو عزت دے (پ۱۷) انسان پر ہر حال میں شکر لازم ہے کبھی غور تو کرے
کہ باری تعالیٰ کی نعمتوں کا احاطہ کر سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ تو پھر اس خدا کے ساجھی بنانے میں

اتنا دلیر کیوں ہے۔ سب موجودات کے بنانے والے خالق کے مقابلہ میں ان مشرکین کے مزعومہ باطل
معبودوں نے بھی کچھ بنایا ہے قطعاً نہیں بلکہ وہ خود بنے ہوئے ہیں اور اپنے نفع و نقصان وغیرہ
تک کے بھی مالک نہیں ہیں۔ پھر یہ شامت اعمال کے مارے ہوئے پجاری کیوں ہلاکت کے گڑھے
میں گر رہے ہیں۔ ایسے مالک حقیقی سے منہ موڑنا کتنی بڑی ناشکر گذاری ہے۔ کیا اس سے بڑھکر
ناقدردانی کوئی اور ہوسکتی ہے۔ جیسے فرمایا)۔

(۶۷) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اور انہوں (یعنی ظالموں اور مشرکوں) نے اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) کی قدر نہ کی جیسی قدر کرنی چاہئے
تھی۔ (اشرف المخلوقات بنا کر تمام چیزوں کو انسان کے کام میں لگا دیا ہمیشہ کے آرام کا پختہ
وعدہ کیا، اور اُس کی قدر اور بدلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اسی کی عاجز مخلوق کو ملایا جا رہا ہے۔ اگرچہ
اسے بڑا بادشاہ مانا جاتا ہے مگر بلا شرکت غیرے نہیں بلکہ اوروں کی ہمراہی کے ساتھ، غور کرو
کہ واحد مالک و خالق موجودات کی ملکیت اور خالقیت میں کسی کا ذرہ بھر بھی حصہ ہے یا سب پر
بلا شرکت غیرے اسی کا کُلی اختیار ہے، کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں ہوسکتی دیکھو اس کی
طاقت، قبضہ اور اختیار فرمایا) اور زمین ساری اس (خدا تعالیٰ) کی مٹھی میں ہے (اور اس کا مشاہدہ
اگر یہاں نہیں تو دوسرے عالم یعنے) قیامت کے دن (ضرور ہوتا ہے) اور آسمان اس (خدا)
کے داہنے ہاتھ (یعنے پورے قبضہ) میں لپیٹے ہوئے ہیں (یہ زمین و آسمان ستارے وغیرہ ملے جلے
ہوتے ہیں باری تعالےٰ اُن کو گردش میں لاتے یعنے کاغذوں کے مُٹھے کی طرح پھیرتے ہیں پھر
سورج پیدا ہوتا ہے اور دوسرے ستارے جو بسبب چھوٹے ہونیکے جلدی ٹھنڈے ہو کر قابل آبادی
بنجاتے ہیں اور سورج چونکہ بڑا ہے وہ گرم رہتا ہے ایسے کارخانہ کو بنانے اور مناسب طریق پر
تھامنے والا صرف ایک ہی ہاتھ ہے جو کبھی تھکنے اور غلطی کرنے والا نہیں ہے۔ یہ اس فاعلِ
مختار کی کیسی نگہبانی ہے۔ کیا ان کاموں میں کسی اور کو شامل سمجھنا ناقابلِ معافی شرک نہیں
ہے۔ ہے اور ضرور ہے بس) پاک ہے وہ (خدا) اور بہت بلند (وراء الورا اونچے سے اونچا) ہے

دیکھتا ہے اسے) ماپ کر دیتا ہے۔ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ایمان رکھنے والوں کے لئے (وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمارا خدائے حکیم وخبیر کبھی غیر مناسب ارادہ نہیں کرتا، جو کچھ وہ کرتا ہے عین حق ہوتا ہے مومن مصائب میں گھبرا کر غیر اللہ کی طرف نہیں جھکتا۔ مومن باللہ ہونے کی شکل میں اللہ تعالیٰ اس کی سابقہ غلطیاں معاف فرما دیتا ہے۔ اسے گزشتہ گناہوں کی بخشش سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ آئندہ صلاحیت والے کام کرتا جائے اللہ اسکے پہلے جرائم پر گرفت نہیں کرے گا شرم کی بات ہے کہ ایسی مہربانیاں دیکھ کر بھی انسان تائب ہو کر مالک حقیقی کی طرف رجوع نہ کرے (ارشاد ہے)۔

چھٹا رکوع (۵۳) قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ کہہ اے میرے (یعنے خدا کے) بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آس نہ توڑو (آئندہ اپنی اپنی اصلاح میں کوشاں رہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) سارے کے سارے گناہ بخش دیتا ہے (کیونکہ) بے شک وہی بخشنے والا معاف کرنے والا ہے (دوسروں کے بھروسے چھوڑ کر مالک الملک کی طرف متوجہ ہو جاؤ اسی کے حقیقی اور سچے مسلم بن جاؤ اور بہت جلد اپنی اصلاح کر لو وہ گرفت کا وہ دن آگیا تو پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔ جیسے کہ فرمایا)

(۵۴) وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ اور رجوع کرو اپنے پروردگار کی طرف اور اس کے مطیع ہو جاؤ پیشتر اس کے کہ آئے تم پر عذاب پھر نہ مدد کئے جاؤ تم۔ (کسی مددگار کی طرف سے، کیوں بندوں کو خدا بناتے ہو مالکِ حقیقی کی قدر کرو اس میں تمہارے ہی لئے بہتری ہے بس مسلم بننے میں دیر نہ کرو)

(۵۵) وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اور پیروی کرو بہت اچھی بات کی جو تمہاری طرف اتاری گئی (قرآن مجید کی شکل میں) تمہارے رب کی طرف سے پیشتر اس کے کہ

آجائے تم پر عذاب ناگہاں اور تمہیں شعور نہ ہو (پھر اس کے بعد کوئی عذر قابلِ سماعت نہ ہوگا۔ بس تمام باتوں کو واضح اور بیّن طور پر اس قرآن مجید میں بتا دیا ہے، پھر اتمام حجت کے بعد کوئی معذرت نہیں سُنی جائے گی۔ سُن لو کہ یہ مفصل اور مکمل کتاب کیوں اتاری گئی؟)

(۵۶) اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ۝ مبادا کوئی شخص کہے افسوس اس پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں تقصیر کی اور میں ہنسی کرنیوالوں میں شامل رہا۔ (خدائے واحد کے ساتھ دوسرے عاجز بندوں کو ملاتا رہا، توحید کی توہین اور شرک کی بڑائی کرتا رہا۔ کوئی ایسا عذر قابل پذیرائی نہیں ہے کیونکہ کتاب اُتار کر سب باتوں کو کھول کر بیان فرما دیا گیا ہے۔ اس میں خدا کی کبریائی اور دوسروں کا عجز واضح کیا گیا ہے، مگر اشرار نے دوسروں کی بڑائی اور خدا کی تقصیر کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے، پھر عذاب کے بعد یہ خرافات کیونکر سُنی جائے۔ نزول قرآن کی ایک یہ وجہ ہے کہ حقوق اللہ میں کمی نہ کی جائے کیسا عالی شان بیان ہے غرض کسی کی معذرت کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ اور)

(۵۷)۔ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ یا (دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص یہ) کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے (اپنی وحی سے) ہدایت دیتا تو میں پرہیزگاروں میں سے ہوتا (یہ حجت بھی پوری کر دی یعنی قرآن اکمل اتار کر یہ عذر بھی توڑ دیا۔ نیز تیسری وجہ نزول یہ ہے کہ)

(۵۸) اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ یا کوئی شخص، کہے جب عذاب کو دیکھے "اے کاش کہ میرے لئے (دنیا میں) مڑنا ہو (وہاں جا کر) پھر میں ہو جاؤں نیکی کرنے والوں میں سے۔ (یہاں یہ بھی بتا دیا کہ واپسی محال ہے ایک ہی موقع ہے جو کرنا ہو کر لو پھر یہ باتیں قابل سماعت نہ ہوں گی۔ کیا کچھ عذر معذرت کا موقع چھوڑا گیا ہے۔ تمام واہی شکوک کے جواب باصواب فرقان حمید میں نہیں

وہ بیٹھ ۲۴)

(۵۹)۔ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ کیوں نہیں (دیئے ضرور دئے) تحقیق آئیں تیرے پاس (اے کافر) میری
آیات (دلائل واضح) پس جھٹلایا تو نے (بسبب سرکشی غرور و تکبر کے) ان کو اور تکبر کیا تو نے اور
تھا تو (سخت ناقدر دان) کافروں سے (بس یہ قرآن مجید بذریعۂ رسولؐ نازل فرما کر سب چیزوں کا
کھلا کھلا حال واضح کر دیا جو بھی اس پر کاربند ہوگا کامیاب ہوگا اور اس سے منحرف ہونے والا
طرح طرح کے عذابوں میں پھنسے گا)۔

(۶۰) وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ
مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ اور پیشی کے دن
(ہر شخص دیکھتا ہے اور) تو (بھی) اُن لوگوں کو دیکھیگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں چہرے
اُن کے سیاہ ہیں، کیا متکبروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ (خدا پر افترا کرنے والے کا منہ کالا
ہوتا ہے کیا ایسی عالی شان تعلیم لانے والا مفتری ہو سکتا ہے؟ کیا یہ مفتریوں کے انجام سے
بے خبر ہے؟ ہرگز نہیں اسے یقین ہے کہ نیک و بد یکساں نہیں ہو سکتے۔ خداوند کریم معقول
حکم دیتا ہے پیغامبر اگر جھوٹ بولتے، تو شارع عام میں قتل کیا جائے اور کوئی اپنا مددگار نہ
پائے۔ پھر یہ کس طرح ایسی بات اللہ تعالیٰ پر لگائے جس کا اسے حکم نہیں ملا پس اے لوگو تعلیم حق
پر کاربند ہو جاؤ اور تعلق پیدا کرو خدائے حی و قیوم سے جس نے تمام نیک و بد کاموں کا بدلہ
دینا ہے۔ آخرت میں اشرار کی بہت بری گت بنتی ہے اور نیکو کاروں کو اعلیٰ انعاموں سے
نوازا جاتا ہے، متکبرین و مکذبین کا نقشہ دکھلا کر اب اچھے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ ان سے
کیا سلوک کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے)۔

(۶۱) وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اور نجات دیتا ہے اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو ان کے حسب مراد

نہیں پہونچتی ان کو (کوئی بھی) تکلیف اور نہ وہ لوگ غم کرتے ہیں (یہی ان کی خواہش اور مراد ہوتی ہے کہ ہم عذاب سے بچ کر آرام و آسائش پائیں تو پھر کیوں نہ بموجب وعدۂ خداوندی نہیں یہ نعمتیں ملتیں؟ یقیناً ملتی ہیں۔ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ توحید پر پورا پورا عمل پیرا ہو کر اور مخلوق سے خیر خواہی کر کے محسن بن جائے۔ توحید تو اتنی واضح چیز ہے جس کے دھونڈھنے کے لئے کسی لمبے سفر اور باریک بینی کی ضرورت نہیں ہاں قدرے بصیرت سے کام لیا جائے اور بالکل ہی آنکھیں بند نہ کر لی جائیں تو حقیقت کھل جاتی ہے کہ)۔

(۶۲) اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۝ اللہ تعالیٰ

(کامل مطلق ہی بلا شرکت غیرے) ہے بنانے والا ہر (پسندیدہ) شے کا (کوئی دوسرا کسی چیز کا حقیقی خالق نہیں ہے۔ صرف خالق اللہ ہی ہے) اور وہی (اللہ تعالیٰ ہی) ہے ہر چیز پر وکیل (زمین آسمان چاند سورج ستارے سیارے پہاڑ سمندر، ندی نالے، اشجار، روشنی، اندھیرا ہوائیں اور بھی بے شمار مخلوق، پھر ان میں نظم و ربط دیکر ایسا منظم کیا کہ غلطی کو کہیں راہ نہیں کیا صرف اتنی سی بات سے صاف نہیں نظر آجاتا کہ یہ ایک ہی ارادے کا کام ہے اور وہی رب العالمین خالق ہے۔ اس کی خالقیت کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے؟ پھر ہر چیز میں خواہ آسمان ہو یا زمین بر اعظم ہو یا جزیرہ، کوہ ہمالہ ہو یا ذرہ اور اس سے کم کچھ سب میں اس کارساز حقیقی کا تصرف ہر آن جاری و ساری ہے اور اسی وحدہ لاشریک کی حفاظت میں تمام موجودات پرورش پا رہی ہے۔ وکیل وہی ہے اور ہونا بھی وہی چاہیئے، وکیل وہ ہوتا ہے جس کے سپرد سب کچھ کیا جاتا ہے اور جو پورے بھروسہ کے لائق ہو، جس پر توکل کیا جائے، فانی چیزوں پر توکل یا بھروسہ کرنا انتہائی حماقت ہے۔ سوائے خدا کے کون صحیح اندازے لگا سکتا ہے؟ وہی ہر ایک چیز پر پورا پورا قابض ہے اس کے قبضہ سے باہر ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ)

(۶۳) لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ زمین و آسمان کی کنجیاں اسی (خالق و مالک

Redg. No. L. 4445

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہر ایک تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات و معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفہ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدماء میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ او محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چند خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانونِ وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر

یعنی:۔ منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری ([illegible]) منزل دوم ([illegible]) منزل سوم ([illegible])
منزل چہارم ([illegible]) منزل پنجم ([illegible]) منزل ششم ([illegible]) منزل ہفتم ([illegible])

ملنے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرت سر

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان

جنوری سنہ ۴۲ء

جلد ۶

1942

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۱۴ [redacted] جنوری ۱۹۴۲ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۶۰ھ | نمبر ۱

فہرست مضامین

(محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے ماما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر میں چھپا کر دفتر امتِ مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا)

اطلاعات

غلطی | غلطی کرنا بشریت، اس کا قبول کرنا ملکیت اور اپنے بے غلط ہونے پر اصرار کرنا نفس انسانی کی شیطنت ہے۔ جو شخص کوئی کام نہیں کرتا وہ کوئی غلطی نہیں کرتا، اگرچہ کام نہ کرنا سب سے بڑی غلطی ہے۔ جو شخص کچھ کریگا اس سے صحیح و غلط دونوں کا ظہور ہوگا ——— "ارضِ اُمت" اپنے آغازِ تعمیر کے وقت ارضِ زراعت تھی، جہاں ایک غیر معلوم مدت سے شہر کے گندے اور صاف بلے جلے پانی سے آبیاری کی جاتی تھی۔ سب سے پہلی عمارت دفتر اور اس کے متعلقات تھے۔ اس کے بعد قریب کی زمین فروخت ہوتی گئی اور مکان بنتے گئے۔ یہاں تک کہ تھوڑی سی مدت میں ایک چھوٹی سی بستی بن گئی۔ تعمیر کے بعد جلد ہی مکانوں پر دیمک نے حملہ شروع کردیا، ہمارے کتب خانے کے کمرے پر یہ حملہ اتنا جارحانہ، اتنا ظالمانہ اور اتنا غارت گرانہ تھا کہ اس کے تصور سے دل لرز جاتا ہے، بڑی بڑی محبوب و معشوق کتابوں کے حلیے بگڑ گئے، نہایت حسین و جمیل مجلدات مجروح ہو کر رہ گئیں، بے شمار صفحات ہلاکت کے گھاٹ اتر گئے ——— اب ہمیں معلوم ہوا کہ ہماری غلطی تھی، کوہ ہمالیہ سے بڑی غلطی۔ سیمنٹ اور تارکول کی لپائی مناسب تھی، یہ لپائی کرائی، نتیجہ کچھ نہ نکلا، اب سوچا کہ کمرہ ہوادار، روشنی دار اور حرارت دار ہونا چاہیے تھا۔ خیر بعد از ہزار رسوائی یہ تجویز طے پائی کہ پھر سے دیواروں کو بلند کرکے چھت کو اونچا کیا جائے، روشن دان رکھے جائیں، تارکول کا پہلے سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔ خدا کرے کہ یہ تجربہ ایک دوسری غلطی ہونے سے بچ جائے (اگر کوئی تجربہ کار دوست اس بارے میں جلدی ہی اپنے مشورہ کی اطلاع دینگے تو یہ شکریہ قبول کیا جائیگا) اس کے لیے ۷۰۰۰، ۶۰ روپے کے خرچ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کے کام سے سبک دوشی عطا فرمائی، جب تک زمین پر زندگی سانس لیتی ہے، نئے نئے کام نکلتے ہی رہیں گے۔ سر دست ہمارے سامنے یہ کام ہے جو پیش کیا گیا، کتابوں کے طلب گار دوست ہم سے نئی، ستھری اور سالم کتابوں کی امید کم رکھیں۔ جو کچھ ہم مہیا کرسکیں اس کو تبرک سمجھ کر قبول کریں اور ہماری غلطیوں سے درگزر فرمائیں۔

ابھی تمام احاطے کی پختہ فصیل اور زمین موقوفہ کے غیر تعمیر شدہ حصے کو باغ کی شکل میں تبدیل کرنا ہمارے پروگرام میں ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ایثار و قربانی کو قبول فرمائے جنہوں نے اس خالص دینی کام میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ اور آیندہ کے لیے اس سلسلہ خیر کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔

گرانی | کاغذ اور ضروریاتِ زندگی کی روز افزوں گرانی رسایل و اخبارات کے لیے پیام موت بن رہی ہے۔ ع

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارا آپکا یہ فیضکار روحانی رشتہ اور علمی ملاقات قائم رہے، تو "البیان" کی بنیادوں کو نئے خریدار بنا کر امدادی عطیات دے کر، اپنے ذمے کے بقایا ادا کرکے استوار کرنے کی سعی فرمائیں۔

جوابی خط | ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ آپ جب بھی دفتر سے کوئی بات دریافت کرنا چاہیں، جوابی کارڈ ارسال فرمایا کریں۔ (خط کتابت کرتے وقت اپنے چٹ نمبر کا ضرور حوالہ دیا کریں)

ہمارا کل | جو کام آپ کے کرنے کا ہے وہ آپ ہی کو کرنا پڑے گا اور جو خدمت ہمارے ذمے ہے، ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔ قارئین کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ مواد پیش کرنے کی خاطر رسالے کے خط کو خوش گوار حد تک باریک کردیا گیا ہے۔ آیندہ نمبر کے لیے مفید علمی و دینی مضامین کے چند عنوان ملاحظہ ہوں: "دو قرآن" نوشتہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم اے پی ایچ ڈی۔ عربی میں طنطاوی جوہری نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے، لیکن اردو کے لیے یہ ایک حد تک نئی چیز ہے۔ "اقبال کی پیش گوئیاں" مرتبہ ادارہ۔ اقبال پر بہت کچھ لکھا گیا، لیکن یہ موضوع قطعاً اچھوتا ہے۔ "قرآن اور حیاتیات" از پروفیسر شبیر احمد صاحب۔ اس کی اہمیت سے آپ واقف ہیں۔ "احسن الحدیث"۔ "حدیث سموئیلؑ"، "داؤدؑ و سلیمانؑ" ——— وغیرہ وغیرہ

شذرات

مودۃ فی القربیٰ اس موضوع پر مولانا شاہ محمد جعفر صاحب خطیب جامع مسجد کپورتھلہ کا مقالہ البیان (نومبر ۱۹۴۲ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ عالمانہ اور محققانہ تحریر زیادہ تر اُن ہی لوگوں کے افادہ کے لیے ہے جو عربی لغت اور محاورہ اور صرف و نحو سے واقف ہیں اور وہی اس تحقیق انیق کی داد دے سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں فاضل مقالہ نگار کے دلائل سے اتفاق نہیں۔ لیکن جس نتیجہ پر آپ طویل بحث کے بعد پہنچے ہیں، اس سے متفق ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آیہ کریمہ "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" کا مفہوم اتنا واضح ہے کہ اس کے لیے زیادہ تکلف کی ضرورت نہ تھی، عموماً غلط فہمی کا وجہ بظاہر یہ ہے کہ "الا" حرف استثنا "اجر" پر خیال کیا جاتا ہے حالاں کہ یہ "لا اسئلکم" پر ہے، یعنی اس آیت کا ترجمہ یوں نہیں کہ میں اتنا ہی اجر مانگتا ہوں کہ مودۃ فی القربیٰ برقرار رہے، بلکہ یہ ہے کہ میں اس (تبلیغ) پر اجر تو مانگتا ہی نہیں (جو تمہیں بوجہ معلوم ہو) اجر تو اللہ ہی دیگا ہاں یہ سوال ضرور کرتا ہوں کہ مودۃ فی القربیٰ کا پاس کرو۔

اجر تبلیغ اور مودۃ فی القربیٰ میں دُور کا واسطہ بھی نہیں، دونوں بالکل مختلف امور ہیں۔ اس آیہ مبارکہ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اسلام دین الفطرت ہے (لہ اسلم من فی السموٰت والارض) اور تمام عالم انسانی فطرۃً متحد ہے اور قرآن کریم تمام قوموں میں رابطہ اتحاد پیدا کرنا چاہتا ہے جو فرقہ بندیوں اور بغض و حسد اور سرکشی کی وجہ سے لوگوں نے توڑ رکھا ہے۔ دو شخصوں میں محض اختلاف رائے و عقیدہ کوئی معقول وجہ مخاصمت نہیں۔ "مودۃ فی القربیٰ" کا تقاضا ہے کہ وہ فطری تعلق جو قوموں اور قبیلوں اور خاندانوں میں ہے قائم رہے، قرآن عظیم ہرگز ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ بوجہ قبول اسلام مودۃ فی القربیٰ کا پاس نہ رہے، فرض کرو کہ کسی ہندو خاندان کا ایک فرد اسلام قبول کرتا ہے۔ اسے خود اپنے خویش و اقارب سے علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ اور اگر اس کے اقرباء اسے دھتکار دیتے ہیں تو یہی کہنا چاہیے کہ بھائیو، میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے "لکم دینکم ولی الدین"۔ تم مجھ سے اس لیے علیحدگی اختیار کرتے ہو کہ میں ایک اللہ اکیلا معبود یقین کرتا ہوں جو تمہارا اور سب کا خدا ہے، اگر اس پر بھی وہ شرارت سے باز نہ آئیں تو احکام مختلف ہیں، جو لڑتے ہیں، ان سے لڑو جو صلح کے خواہاں ہیں، ان سے صلح کرو۔

رسالت سے پیشتر آں حضرت کے تعلقات اپنی قوم سے نہایت خوشگوار تھے، ارشاد الٰہی (وانذر عشیرتک الاقربین ۲۶/۱۵) کے تحت آں حضرت نے پہلے اپنے ہی خاندان کے لوگوں میں تبلیغ شروع کی، پھر مکہ اور گردو نواح میں (ولتنذر ام القرٰی ومن حولھا ۶/۹۲) اور بعدازاں کافۃ الناس کو مخاطب کیا (یایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا) نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے بیگانے اور دوست دشمن اور انسان درندے بن گئے۔ آں حضرت اور آں حضرت کے متبعین کے ساتھ جو کچھ سلوک ان لوگوں نے کیا وہ تاریخی واقعات ہیں، اور اہل کفر وشرک سے یہی کچھ توقع ہو سکتی ہے۔

ہجرت کے بعد آں حضرت نے انتہائی کوشش کی کہ کفار اور مشرکین اور اہل کتاب ٹھنڈے دل سے قرآن سن لیں اور یہ کہ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو عداوت اور جنگ وجدل سے باز رہیں اور امن عامہ میں رخنہ انداز نہ ہوں اور "مودۃ فی القربٰی" تو اعلیٰ اخلاق کی حامل ہے۔ جب آں حضرت بارادہ عمرہ مدینہ سے نکلے تو کفار مکہ کو مرنے مارنے پر کمربستہ پایا۔ فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ہر وقت بر سرپیکار ہی نظر آتے ہیں، صلح حدیبیہ بھی مودۃ فی القربٰی کے پاکیزہ جذبات کا نتیجہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد عام معافی مودۃ فی القربٰی کی مقتضی تھی۔ حد ہے کہ دشمن برسرجنگ ہے اور اسے آذوقہ کی حاجت ہے تو غلہ بھیج دیا، اہل کتاب سے بھی مسلمانوں کو ایک طرح کی قرابت تھی، اہل فارس کے مقابلہ پر رومیوں نے شکست کھائی تو اسی مذہبی قرابت نے مسلمانوں کو افسردہ خاطر کر دیا۔ لیکن کفار خوش ہوئے، جب اہل کتاب کو مخاطب فرمایا تو وہ بھی جان کے دشمن ہو گئے۔

اسلام دین الفطرت ہے اور اس کے آغوش میں ہر ایک قوم کے آدمی آرہے ہیں، اس آیت کا خطاب ایسی ہی قوموں کو ہے، جن کے افراد اسلام قبول کر چکے ہیں کہ انہیں چاہیے کہ حق قرابت ملحوظ رکھیں۔ جب وہ فطری تعلق کو خیرباد کہہ چکے ہوں تو دیگر معاشری تعلقات میں نباہ کی کون سی صورت ہے۔

حضرت علاء ابن خارجہ رض سے یہ حدیث مروی ہے کہ آں حضرت نے فرمایا کہ "اپنے نسب کو اتنا یاد رکھو کہ اپنے عزیزوں سے صلہ رحم کر سکو، صلہ رحم مودت کی زیادتی کا موجب ہے"۔ بہر حال مسلمانوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ "مودۃ فی القربٰی" ملحوظ خاطر رکھیں۔

جناب شاہ صاحب اگر برا نہ مانیں تو مؤدبانہ گذارش ہے کہ مخالف مخاطب کو "امت ابن سبا" کہنا نہ صرف آپ کے اخلاق حسنہ سے بعید ہے بلکہ "مودۃ فی القربٰی" کے بھی منافی ہے۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا ، دل دشمنان ہم نکردند تنگ!
ترا کے میسر شود ایں مقام ، کہ با دوستانت خلاف است وجنگ

تدوین حدیث | "تدوین حدیث" عنوان ہے ایک مضمون کا جو جناب مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ نے لکھا اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو "علامۂ زماں ہیں بڑے فیلسوف ہیں" اپنے ماہنامہ "ترجمان القرآن" (جون، جولائی، اگست ۱۹۴۱ء) میں ان الفاظ کے ساتھ شائع فرمایا:

"مجھے امید ہے کہ جو لوگ کم علمی کی وجہ سے حدیث کے بارے میں بدگمانیاں رکھتے ہیں وہ اس مقالہ کو طالب علمانہ نظر سے مطالعہ کریں گے۔"

کم از کم مجھے تو اپنی "کم علمی" کا اعتراف ہے، "لیکن حدیث کے بارے میں بدگمانیاں" اگرچہ نامناسب فقرہ ہے، صحابہ کرامؓ سے لے کر ائمہ دین تک سب کو تھیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ "اسماء الرجال" کی تدوین کچھ ایسی ہی "بدگمانی" کی وجہ سے ہوئی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب صدر ممدوح کے پیش نظر بالعموم وہ مضامین ہیں جو خواجہ احمد الدینؒ نے اس موضوع پر لکھے اور بلاغ اور البیان میں شائع ہوتے رہے اور بالخصوص ہمارے دوست حافظ سید محمد اسلم جیراج پوری (جامعہ ملیہ دہلی) کا مضمون "علم حدیث" جو البیان (جنوری ۱۹۲۰ء) میں شائع ہو چکا ہے، علم حدیث اور تدوین حدیث کے مقابلہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایں جواب آں غزل ــــــ

"تدوین حدیث" ترجمان القرآن کے ۸۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، ہم اس پر تبصرہ یا تنقید نہیں کرتے اور نہ سردست اس کی ضرورت ہے، لیکن ایک بات جو اس میں نمایاں ہے، اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ہمارے مرحوم دوست خواجہؒ اور زندہ دوست (خدا عمر دراز کرے) کی سعی مشکور ہو رہی ہے، کسے توقع تھی کہ ایسے عالی مرتبہ حضرات جیسے کہ جناب صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ میں حدیث کے بارہ میں صاف صاف الفاظ میں یہ اعلان فرمائیں گے کہ اس کی "حقیقت یا تحریف" وہی کچھ ہے جو عام تواریخ کی ہے۔ لیکن "حدیث" کو خاص امتیازات عام تواریخ میں اس لیے حاصل ہیں کہ حدیث کے عینی شاہد واقعات و حالات عہد رسالت بکثرت ہیں اور ان کی صداقت و دیانت پر کچھ شبہ نہیں اور اس کا تعلق ایک خاص شخصیت رسول کریمؐ سے والہانہ تھا جس کے اقوال و احوال کو وہ بیان کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ امتیاز ہے کہ "حدیث" عہد رسالت ہی میں ان کے شاہدوں نے قلم بند کی ــــــ متقدمین کی نسبت کیا کہا جائے کہ "یہ صحیفہ صادقہ" جو آںحضرتؐ کے سامنے پڑھا گیا اور تصدیق ہوا اور ایسے ہی نادر صحف کا ذخیرہ ضائع کر دیا۔ بقول خواجہ احمد الدینؒ "اگر حدیثیں قرآن مجید کے ساتھ قرآن پاک کی طرح بالاستقلال ماننے جانے کے لائق ہوتیں تو رسولؐ خدا اور صحابہؓ تمام ضرورتوں سے اس ضرورت کو مقدم سمجھتے اس وقت کتابت حدیث کا کام بہ سہولت تمام صرف دو چار آدمیوں کے سپرد کر دینے سے لاکھوں بخاریوں سے

بڑھ کر یقینی طور پر ہو سکتا تھا۔" (البیان، مئی ۱۹۴۲ء، قرآن مجید و حدیث) جناب صدر ممدوح کے نزدیک یہ ناقابلِ التفات بات ہو تو ہو لیکن اس "بدگمانی" کا کیا علاج کہ اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ "صحاح" میں یہ جو غیر متناہی سلسلہ رواۃ کا مذکور ہے اس کی ضرورت اُن نادر صحف کے ہوتے جو بمصدقہ رسول اللہ بھی تھے، کیا تھی؟ یہ ہمارے امام بخاریؒ وغیرہ عجیب دل و دماغ کے بزرگ واقع ہوئے تھے کہ ایک ایک حدیث بلکہ اس کے ایک ٹکڑا کے لیے دور دراز سفر کی صعوبت برداشت کرتے رہے — جناب صدر ممدوح نے اس کا جواب باصواب یہ دیا ہے کہ یہ سنت الاولین تھی، اولین مورخین حدیث یعنی صحابہ کرامؓ نے بھی یہی پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور "سیروا فی الارض" سے ان کی غرض یہی تھی کہ کہیں سے حدیث کا کوئی ٹکڑا ہاتھ لگے۔ اس "سنت الاولین" کا اثر مؤلفین "صحاح" پر بھی ہوا۔ "حضرت جابرؓ[1] بن عبداللہؓ کا گھر مدینہ میں تھا اور خاص طور پر حدیث کے مشہور سرمایہ داروں میں ان کا شمار ہے۔" لیکن ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کے سفر کے بعد عبداللہ بن انیسؓ اسلمی یا جہنی نے سا کھ رکھ لی ورنہ دیوالہ پٹ چکا تھا —— آٹھ لفظوں کی ایک حدیث کے ایک لفظ پر حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ کو کچھ شبہ ہوا، آں حضرت سے یہ حدیث ان کی موجودگی میں حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بھی سنی ہوئی تھی جو اس وقت مصر میں تھے۔ حضرت ابوایوب اونٹ پر سوار ہو کر وہاں پہنچے، لفظی صحت کے بعد فوراً لوٹے اونٹ کا کجاوا ابھی نہ کھولا۔ بے چارہ اونٹ زندہ رہا، مر گیا، اس کا تعلق حدیث سے نہیں، اس واقعہ کے راوی کی غرض تو صرف یہی ہے کہ صحابہ کا والہانہ شغف ظاہر کیا جائے۔ حدیث اور اس کے ٹکڑہ اور ایک لفظ کو چھوڑیے، جناب ممدوح نے حضرت ابوسعید خدریؓ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ صرف ایک "حرف" کے لیے ایسا ہی لمبا سفر اختیار کیا تھا۔ اب دیدہ تصور کے سامنے وہ منظر لائیے کہ کوفہ یا بغداد کی کسی جامع مسجد کے منبر پر کوئی واعظ اس سفر کی صعوبت بیان کرتا ہے جو عہد خلافت میں لوگوں کو پیش آتی تھی۔ مدینہ سے اونٹ پر سفر بے آب و گیاہ ریگستان مکہ و تنہا شخص کا طے کرنا اب بھی دشوار ہے، اس وقت تو دشوار تر ہو گا، یہ سب کس لیے، ایک حدیث کے لیے، ایک حدیث کے ایک ٹکڑا کے لیے، ایک حدیث کے ایک لفظ بلکہ ایک حرف

---

[1] حدیث مظالم کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ مصر میں حضرت شہاب انصاری کے پاس گئے۔ حدیث یہ ہے کہ جو شخص کسی مومن کی عیب پوشی کرے تو گویا اس نے ایک مُردہ کو زندہ کیا، حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث "ستر مسلما ستر اللہ یوم القیامۃ" کا مفہوم بھی یہی کچھ ہے اور دونوں کا سفر مصر بھی اسی ایک حدیث کے لیے تھا۔ حضرت ثابت بن مخلد سے یہی حدیث مروی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ ابوایوبؓ نے حضرت ثابت سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ حدیث تو مشہور ہے لیکن اسناد میں اختلاف ہے۔

کی صحت کے لیے تو جو کچھ اثر مجمع پر ہوتا ہوگا۔ اس کا اندازہ اب بھی "تدوین حدیث" کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے، ملا علی قاری نے "موضوعات کبیر" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ واعظین اپنی گرم بازاری کے لیے ایسے ایسے واقعات گھڑا کرتے تھے، اور جب تک حدیث کی اہمیت کا نقش دلوں پر نہ ہو' ان کی کون سنتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر ایک روایت کی صحت کا مدار دوسری روایت پر ہے جو خود ثبوت کی محتاج ہے تو یہ دلیل ایک ہی دایرہ میں چکر کاٹ رہی ہے۔

یہ امر کہ حدیث کو عام تواریخ سے کچھ امتیاز حاصل ہے کہ نہیں، اور یہ کہ حدیث تحریر ہو کر ملیامیٹ ہو گئی ہماری بحث سے خارج ہے اور سر دست اس کی ضرورت بھی نہیں، اہل حدیث اور اُمت مسلمہ میں یہ امر زیر بحث ہے کہ حدیث وحی اور کتاب اللہ کے ساتھ مستقل حیثیت رکھتی ہے "مثلہٗ معہٗ" اور دونوں کا تعلق لازم و ملزوم ہے۔ ایک کے تصور کے بغیر دوسرے کی تصدیق نہیں ہوتی، دوسرے لفظوں میں ایک دوسری کی محتاج اور نامکمل ہے اور دونوں مل کر تکمیل دین کرتی ہیں۔ جناب صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ نے اپنے مقالہ میں "وحی" کا سوال ہی نہیں اٹھایا اور حدیث کی "حقیقت یا تعریف" کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی حیثیت تاریخ ہی کی ہے اور یہ تاریخ عینی شاہدوں یعنی صحابہ کرامؓ نے لکھی یا روایت کی اور نہایت صحیح اور نہایت معتبر ہے، فرض کرو کہ ایک شخص دوسرے شخص کا کلام قلم بند کرتا ہے۔ اس کی حیثیت تو ایک محرر سے بڑھ کر نہیں۔ اس دوسرے شخص کا دعویٰ ہے یا یہ دعویٰ اس سے منسوب کیا جاتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے، اس لیے صاحب صدر کی طویل بحث میں اس کا بھی فیصلہ ہونا چاہیے تھا کہ کیا حدیث کی حقیقت وہی ہے جو اہل حدیث کہتے ہیں، جناب صدر نے بامعنی یا بے معنی خاموشی اختیار کی ہے تو اس لیے کہ "حدیث" کو "وحی" ثابت کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے، اس لیے کوئی اور راستہ اختیار کرو، بزعم خود یہ ثابت کرنے کے بعد "حدیث" کی صحت یقینی ہے، آں جناب اسی نتائج پر پہنچے ہیں کہ حدیث کو ایسا ہی استقلال حاصل ہے جیسا کتاب اللہ کو "مثلہٗ معہٗ" اور اس کے بغیر دین مکمل ہی نہیں ہوتا، اور اس لیے کہ جب تک حدیث وحی ثابت نہ ہو، یہ نتیجہ ہی قطعاً غلط ہے، اس سے کلام اللہ اور کلام بشر میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا اور کفار کا یہ کہنا کہ آں حضرت یہ قرآن اپنے دل سے بنایا کرتے ہیں صحیح ہوگا، چوں کہ "تدوین حدیث" کے مصنف نے "وحی" کا احتمال باقی رکھا ہے اور جس نتیجہ پر وہ پہنچے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ آں جناب حدیث کو ہم پایہ وحی سمجھتے ہیں، اس لیے ہم انہیں ایک قرآنی آیت کی طرف توجہ دلاتے ہیں:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ـ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (۲۱)	اگر (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو دونوں (زمین و آسمان) کا نظام بگڑ جاتا، اللہ تعالیٰ رب العرش ان بیہودہ باتوں سے پاک ہے، جو اس کی نسبت کہی جاتی ہیں، اللہ جو کچھ بھی کرے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں اور اُن سے پرسش ہوتی ہے۔

اگر حدیث کو کلام اللہ کی طرح استقلال حاصل ہو خواہ یہ ہم پایہ وحی یا کلام بشر ہو تو وہی ایک سے زیادہ خداؤں کا استقلال ہوگا اور کار دین و دنیا دونوں خراب ہو جائیں گے۔ اگر مسلمان اپنی حالت پر غور کریں تو واضح ہوگا کہ خراب ہو گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ سنت رسول اللہ کے شاہد تو صرف صحابہ کرام ہی ہو سکتے ہیں، آں حضرتؐ کی وفات کے بعد صرف حدیث جو سنت رسول اللہ کا نامکمل بیان ہے رہ گیا، اس لیے خواہ یہ سنت ہو یا اس کا بیان حدیث کسی کو وہ استقلال حاصل نہیں جو کتاب اللہ کو ہے، یہ فقرہ بندہ پرستوں کو ضرور کھٹکے گا، اس لیے ہم اس کی تشریح کیے دیتے ہیں اور اس مشہور عظیم الشان خطبہ حجۃ الوداع کے ضمن میں کرتے ہیں جن کو جناب صدر نے بھی اپنے مقالہ میں اپنے دعویٰ کی تائید میں نمایاں جگہ دی ہے۔ جناب صدر نے خطبہ تمام و کمال نقل نہیں کیا، جتنا کہ وہ صحاح میں ہے، چند فقرے جن سے ان کے خیال میں ان کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے نقل کئے ہیں، اس لیے ہم بھی ان ہی کو زیر بحث رکھتے ہیں۔ رسولؐ خدا نے اس مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا، کیا میں نے "پہنچا دیا" جواب اثبات میں ملا۔ پھر آں حضرتؐ نے انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور تین بار کہا، "اَللّٰھُمَّ ھَل بلغتُ" بارخدایا کیا میں نے پہنچا دیا"۔ کیا پہنچا دیا؟ اس کا جواب جناب صدر ممدوح خطبہ کے ایک فقرہ سے یہ دیتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد کتاب اللہ اور "سنتی" چھوڑتا ہوں دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک حوض (کوثر) پر میرے سامنے نہ آجائیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ اس کو سرسبز رکھے جو میرا مقالہ سُنے اور یاد رکھے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حاضر غائب کو پہنچا دے۔

لفظ "بلغ" (پہنچانا)، اس خطبہ کی جان ہے، اگر جناب صدر شعبہ دینیات کی نظر آیات قرآنی پر ہوتی اور حدیث میں اتنا انہاک نہ ہوتا کہ کتاب اللہ بالکل نظرانداز ہوتی تو خطبہ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ گو اس میں بھی یار لوگوں نے تصرف بے جا کیا ہے، ہم ذیل میں صرف دو آیات پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں اس خطبہ کا مفہوم آں جناب پر بھی واضح ہو جائے گا:

يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ[1] مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ (۵ : ۶۷)

اے رسول! جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تیری طرف نازل ہُوا پہنچا، اور اگر تُو نے یہ نہ کیا تو تُو نے کچھ نہ پہنچایا۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ (۶ : ۱۹)

اور یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی ہُوا کہ اس سے تم کو اور جس کو یہ پہنچے (عذاب سے) آگاہ کردوں۔

یہ ذمہ داری آں حضرتؐ پر منجانب اللہ عاید ہوئی کہ "ما انزل اللہ" کو بلفظہٖ بے کم وکاست بندگانِ خدا تک پہنچا دیں، اور "مَنْۢ بَلَغَ" کا تقاضا تھا کہ آں حضرتؐ یہ بھی کہتے کہ حاضر غائب کو پہنچا دے۔ "بلاغ" نام ہے قرآن عظیم کا نہ کہ کسی "سنت" یا اس کے بیان حدیث کا۔ اگر آں حضرتؐ کے ارشاد کا یہ مفہوم ہوتا جیسا کہ جناب صدر نے سمجھا ہے تو یہ ایک بے جوڑ بے معنی بات ہے، اس آخری مجمع میں جس میں تمام اصحاب بھی تھے، رسول اکرم کا اپنی سنت یا حدیث جس کو دیکھنے سننے والے فرداً فرداً یہی لوگ تھے، پہنچانا بے معنی بات نہیں تو اور کیا ہے۔ آں حضرت ان لوگوں سے وداع ہو رہے ہیں اور اس ذمہ داری کا احساس شدت سے ہے جو منجانب اللہ ان پر عائد تھی اس لیے بارگاہ الٰہی میں یہ شہادت پیش کرتے ہیں کہ میں ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا ہوں، لیکن مناسب الفاظ میں کہ بارِ خدایا اس مجمع کی شہادت تیرے حضور گذر چکی، کیا "ما انزل اللہ" سے کوئی بات مجھ سے رہ گئی جو میں نے نہ پہنچائی ہو، دانستہ یا نادانستہ، اس کا شاہد تو اللہ ہی ہو سکتا ہے اور شہادت موجود ہے کہ کوئی بات رہ نہیں گئی۔ کتاب اللہ تو ہر ایک صحابی کے ہاتھ میں تھی، بلکہ اکثر اصحاب کے سینے میں تھی، لیکن سنت کا شاہد ہر ایک

---

[1] حدیث خواہ صحابہؓ یا تابعینؒ نے مدون کی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خود آں حضرتؐ نے تدوین نہیں فرمائی، اس لیے "مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ" کی ذیل میں نہیں آ سکتی اور نہ "رِسٰلَتَهٗ" میں شامل ہے۔ "مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ" وحی ہے، اس لیے حدیث وحی نہیں ہو سکتی۔ یہ ذمہ داری جو منجانب اللہ آں حضرتؐ پر عاید ہوئی، اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ آں حضرتؐ "حدیث" کی تبلیغ کا بھی وہی کچھ سامان کرتے جو کتاب اللہ کے متعلق کیا گیا، یہ کام کاتبانِ وحی کے سپرد ہونا چاہیے تھا، ایک کم سن بچہ کا یہ کام نہ تھا، جس کی عمر آں حضرتؐ کی وفات کے وقت تیرہ سالہ تھی، اور لوگ ایک ایک حرف کے لیے مارے مارے نہ پھرتے، یہ "تذکرہ" تو "فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۔ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۔ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ" (۸۰ : ۱۳ تا ۱۶) ہونا چاہیے تھا۔ "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ"۔ اگر حدیث "مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ" ہوتی تو نہ ہجرت اور غزوات کا موجب ہوتی، نہ کفارِ مکہ سن کر سجدہ میں گر پڑتے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (۲ : ۴) کا تقاضا ہے کہ ایمان قرآن پر ہو، حدیث پر ایمان لانا اس میں شامل نہیں۔

شخص نہ تھا، آں حضرتؐ کا "مقالہ" ہر ایک شخص نے نہیں سنا، اس لیے کہ ہر ایک شخص اس مجمع میں کہہ سکتا تھا، اگر سنت اور مقالہ کی شہادت درکار ہوتی کہ میں نے تو فقط اتنی بات سنی یا دیکھی، باقی حالات اور واقعات کا مجھے علم نہیں اور آں حضرتؐ بھی جانتے تھے کہ یہی کیفیت ہے تو یہ کس قدر گمراہ کن جرأت ہے کہ آں حضرتؐ سے وہ بات منسوب کی جاتی ہے جو امر واقعہ نہیں۔ آں حضرتؐ جانتے ہوئے لوگوں کے منہ سے کہلواتے ہیں کہ انہیں آں حضرتؐ کی ہر ایک سنت او مقالہ مجموعی طور پر فرداً فرداً ہر ایک کو پہنچ گیا ہے۔ ایسا ہوتا تو وہ صدہا کوس کا دشوار گزار سفر کیوں کرتے اور ایک ایک لفظ بلکہ حرف کے لیے مارے مارے کیوں پھرتے، اور یہ دوڑ دھوپ تبع تابعین میں بھی پائی جاتی ہے، اور یہ سب کچھ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد۔ یہ حقیقت ہے جس کا انکار اہل حدیث بھی نہیں کر سکتے کہ اصحابؓ تو درکنار کفار کو بھی قرآن پہنچ چکا تھا اور قرآن عظیم کا زیادہ تر خطاب کفار اور اہل کتاب سے ہے، اور قرآن کا فہم ایسا آسان ہے کہ "امیین" تک اسے سمجھتے تھے[1]، یہ قرآن کا دائمی زندہ معجزہ ہے کہ وہ بلیغ کلام ہے اور اس کی رسائی ہر ایک فہم تک خواہ کتنا ہی بلند و پست ہو، ہر ایک زمانہ میں ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی، جیسا بلفظہٖ آں حضرتؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا ایسا ہی بلفظہٖ لوگوں تک پہنچ گیا، اگر تمام جہان کے اہل حدیث جمع ہو کر کوشش کریں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ احادیث بلفظہٖ ہم تک پہنچی ہیں تو نہیں کر سکتے۔ نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے جو وہ ہمیشہ کرتے ہیں، اتنی سی بات کہ آں حضرتؐ نے قیصر و کسریٰ و مقوقس کو مکتوبات ارسال فرمائے اور وقتاً فوقتاً فرامین صادر فرمائے اور مخالفین سے تحریری معاہدہ ہوتا رہا، کافی شہادت اس بات کی نہیں کہ آں حضرتؐ کا ہر ایک قول و فعل قلم بند ہوتا رہا اور جو کچھ بھی معرض تحریر میں آیا، نہ ہم پایہ وحی ہو سکتا ہے اور نہ "مثلہٗ معہٗ" ہے۔ انسانی کلام ہرگز ہرگز "بلاغ" نہیں ہو سکتا ؎

گر بر سر انصاف روی دشوار است یک حرف بہ فہم مردم گفتن!

یہ اعجازی خوبی صرف کلام اللہ میں ہے۔ جناب صدر فرماتے ہیں کہ ہر ایک حدیث "متواتر ہے"۔ یوں ہی سہی، اب اس ذخیرہ حدیث کو لو اور ان کی تعداد کو آں حضرتؐ کے عہد رسالت کے ۲۳ سالہ ایام پر تقسیم کر دو تو جس نتیجہ پر جناب صدر شعبہ دینیات پہنچیں اور ہر ایک شخص شوق سے سنے گا، اس کے بعد اگر آں جناب یہ ارشاد فرمائیں کہ آں حضرتؐ کے تمام اقوال و افعال کا مکمل بیان من و عن ہم تک پہنچ چکا ہے اور یہی وہ بات تھی

---

[1] ہمارے زمانہ کے بزرگان دین اس کے فہم سے قاصر ہیں کہ ان کی ادھر توجہ ہی نہیں اور اگر کچھ ہے تو وہ اس کا فہم حدیث سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ اس کے فہم کے لیے اہل کتاب اور کفار کو بھی حدیث کی ضرورت نہ تھی۔

جس کی شہادت ایک سہرے مجمع نے دی اور اس پر اللہ بھی شاہد ہے تو ہم بھی جھک کر سلام کریں گے۔ یہ امر کہ سنت ہو یا حدیث کسی کو وہ استقلال حاصل نہیں جو کتاب اللہ کو ہے، خود جناب صدر ممدوح کے منہ سے سنیں، فرماتے ہیں:

"خود رسول اللہ خدا کی طرف سے اس کے ذمہ دار تھے کہ فرمان الٰہی کی تعمیلی شکل اور اس کے تشریحی مطالب کو خود اپنی زندگی کے نمونوں سے مسلمانوں کو بتائیں" — (اس کے بغیر اس کا فہم ناممکن تھا؟)

اور اس دعویٰ کی تائید میں آیہ" فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ" (۹/۱۲۲)

کہاں "تفقہ[1] فی الدین" اور کہاں اصل "دین" کہاں دین کی "سمجھ" (سنت یا اس کا بیان، حدیث) اور کہاں کتاب اللہ، کہاں متن اور کہاں شرح حواشی تدبر و تفکر سے حاصل کی جائے۔ سبحان اللہ، بات یہ ہے کہ اس طرح زمین و آسمان کے قلابے ملانا کچھ ان ہی حضرات کو زیب دیتا ہے جن کے سر پر دستار فضیلت آثار ہو اور کرسی صدارت کی زیبائش ہوں ؎ این تقوی ام بس است کہ چوں واعظان شہر ناز و کرشمہ بر سر منبر نمی کنم

اس "تفقہ" کی کیفیت خود سنت رسول اللہ یا اس کے بیان "حدیث" میں ملاحظہ کیجئے، ارشاد الٰہی ہے: "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ" یعنی قوت میں سے جو کچھ بھی تم پہنچا سکو، اس کا مظاہرہ کرتے رہو

---

[1] تفقہ وہ فہم ہے جس سے خارجی امور ذہنی حالات کے مطابق ہوں، یعنی وہ شخص فقیہ ہے جو اپنے زمانہ کے خارجی و ذہنی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان اصول دین کے تحت جن کی جامع و مانع کتاب قرآن عظیم ہے، فقہ کی تدوین کرے جیسا کہ خود آں حضرت اور آں حضرتؐ کے بعد خلفاء و فقہا کرتے رہے، لیکن حالات غیر محدود اور ہمیشہ بدلتے ہیں اس لیے "تفقہ فی الدین" کا تقاضا ہے کہ وہ بات جو انسانی نفوس میں ہے، خارجی حالات کے مطابق بدلتی رہی، مگر وہ ذہنی جمود و بے حسی جو ہمارے نام نہاد بزرگوں نے مسلمانوں میں پیدا کر رکھی ہے اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ ترقی کے میدان میں قدم رکھیں ؎ "باستقبال ماضی می رود گامے کہ بردارم ÷ بشرحے مے نگارم حال امکانے کہ من دارم" سچ ہے "گر ابوحنیفہ در زمان ما بودے فقہ دیگری نوشت"۔ دو قوموں کا مقابلہ ہوتا ہے جن میں نسبت ایک اور دس کی ہے، وہ قوم جو دس گنا زیادہ ہے، پیٹھ دکھاتی ہے" بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ " (۸/۶۵)، ایک قوم عذاب کے منہ میں آئی ہوئی ہے، اس کا رشتہ اتحاد فرقہ بندی نے توڑ رکھا ہے اور وہ باہم دست و گریبان ہے۔ یہ سبق آموز درس عبرت خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ " (۶/۶۵)۔ ترجمان القرآن میں "لاؤڈ اسپیکر" پر ایک مضحکہ خیز بحث شائع ہوتی رہی، علامہ مودودی کو یاد ہی ہوگی۔

تاکہ دشمنانِ دین پر جو علانیہ برسرِ پیکار ہیں یا خفیہ گھات میں ہیں تمہارا رعب چھا جائے اور وہ فتنہ و فساد سے باز رہیں۔ آں حضرتؐ نے اس کی "تعمیلی شکل اور تشریحی مطالب" یہ واضح فرمائی کہ "قوۃ" تیروں میں ہے اور تاکیداً بار بار ارشاد فرمایا کہ "قوت" تیروں میں ہے۔ یہ تفقہ عہدِ رسالت کے خارجی حالات کے بالکل مناسب اور صحیح تھا لیکن اگر آج اس پر عمل کیا جائے تو بالکل نامناسب ہے اور ہلاکت یقینی امر ہے۔ "نہیں چلتی توپوں میں تلوار ان کی" اگر صاحبِ صدر کا یہ منشا ہے کہ آں حضرتؐ نے کتاب اللہ کی جو کچھ تعمیلی شکل پیش کی اور جو کچھ تشریحی مطالب واضح فرمائے، اس کے بعد کسی کا حق نہیں کہ خود بھی کچھ عقل و فکر سے کام لے خواہ آسمان سے اس پر "جس" کا کتنا ہی انبار آ پڑے تو ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں۔ اب قرآن عظیم کی شان دیکھو جو جامع و مانع کتاب اصولِ دین ہے جو فطری ہیں اور کبھی تبدیل و تحویل نہیں ہوتے کہ "ما استطعتم من قوۃ" ایسا بلیغ کلام ہے جو ہر ایک ذہن تک ہر ایک زمان و مکان میں رسا ہے۔ "ذوالقوۃ" تو اللہ ہی ہے اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (۲/۳)، عالمِ انسانی کی متحدہ قوت کسی زمانہ میں وہ بات پیدا نہیں کر سکتی جو اللہ تعالیٰ خالق السموات والارض کی قوت ہی کے لیے خاص ہے جس میں کسی ضعف کا شائبہ تک نہیں جو مخلوق میں ہے (۲۶/۱۴)، قوت کم و بیش اللہ ہی کا عطیہ ہے، اور کسی غرض کے لیے عطا ہوتی ہے، اس لیے اس کا جائز استعمال واجب ہے، قوت علم و عمل میں ہے جیسا کہ قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے۔ اس کے ذرائع بے شمار ہیں، ہر ایک زمانہ میں ذہنی ارتقاء کے مناسب انسان ان ذرائع پر قابض ہو کر اپنی قوت میں اضافہ کرتا رہتا ہے، لیکن یہ اسباب سب بیکار ہیں اگر قوت ایمانی نہ ہو کثرت نفوس میں قوت ہے، لیکن اکثر تھوڑے بہتوں پر غالب اس وجہ سے آتے ہیں کہ ان کی قوت ایمانی زبردست ہوتی ہے۔ آلاتِ حرب میں قوت ہے لیکن "در کفِ نامرد را خنجر نمی آید بکار"۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً (۲/۷) اور یہ کہ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳/۵) یہی قوت ایمانی ہے جو مصائب میں صبر و تحمل اور ثابت قدمی میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ اہلِ ایمان کے ساتھ اللہ ہے جو ہر ایک قوت کا مالک ہے، اس قوت ایمانی کا اظہار جس شان سے آں حضرتؐ نے کیا، اس کی تشریح قرآن ہی میں موجود ہے، نہ صرف یہی بلکہ اصحاب میں ایمانی جذبات کی کیفیت ملاحظہ کرنی ہو تو کتاب اللہ ہی میں دیکھو، قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو ان ایمان دار بادیہ نشینوں نے خاک میں ملا دیا۔ عصا ہر ایک شخص کے ہاتھ میں ہے اس سے بہت کام نکلتے ہیں، لیکن یدِ بیضا کے قبضہ میں اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہے، آج تیر "طیراً ابابیل" کی پرواز کو نہیں پہنچ سکتے۔

● اگر جناب صدر کا یہ خیال ہے کہ "بلاتعیلی شکل اور تشریحی مطالب" جو تعامل یا حدیث میں پائے جاتے ہیں، آں حضرتؐ کی وفات کے بعد کوئی شخص محض کتاب اللہ میں تدبر و تفکر سے صاحب ایمان و عمل نہیں ہو سکتا تو ہمیں شدید اختلاف ہے، اس طرح کلام اللہ کا فہم ایک خاص شخصیت تک محدود ہو جائے گا اور اس شخص کے تشریحی مطالب کے تابع ہو جائے گا، نہ کلام اللہ "بلاغ" ہوگا اور نہ سمجھنے کے لیے آسان جیسا کہ خود اس کا دعویٰ ہے۔ نہ اس کے مخاطب اہل کتاب ہو سکتے ہیں اور نہ کفار و مشرکین، کیوں کہ حدیث کے متعلق انہوں نے کبھی کچھ نہیں کہا، ورنہ حدیث میں اس کا مذکور ہوتا۔ اس لیے حدیث ان لوگوں تک نہیں پہنچی، وہ آج ناقابل برداشت باتیں حدیث کے متعلق کہتے ہیں تو اہل حدیث یہی جواب دیتے ہیں کہ اگر اعتراض کی جرأت ہے تو قرآن کی کسی آیت پر کرو تو ہم جواب دیں گے۔" ما انزل اللہ" یقیناً کفار تک پہنچ جاتا، حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ کچھ عرصہ کے لیے وحی کا نزول بند ہوگیا تو کفار نے کہا کہ اتنا عرصہ کوئی ایسی آیت نہیں سنی جو یہ پیغمبر اللہ سے منسوب کرتا ہے۔ اس کے خدا نے اسے چھوڑ رکھا ہے، اگر حدیث "مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ" میں شامل ہوتی تو آں حضرتؐ اسی کو پیش کر سکتے تھے۔ اگر آں حضرتؐ اس عرصہ بالکل چپ سادھے نہیں رہے اور لوگوں سے بات کرنا نہ چھوڑا تو حدیث کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آں حضرتؐ کے ذاتی تصرف علم و ارادہ کا نتیجہ تھی، اور یہ مسلم ہے کہ کلام اللہ کے نزول میں آں حضرتؐ کے ذاتی تصرف کا کچھ دخل نہ تھا اور اس کا نزول اللہ ہی کے علم و ارادہ سے ہوتا رہا۔

ناانصافی ہوگی اگر ہم اس دقّت نظر کی داد نہ دیں جس سے مقالہ زیر بحث لکھا گیا ہے، اور غلطی ہوگی اگر ہم کسی حد تک جناب صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کے ہم نوا نہ ہوں، آں جناب نے حدیث کو وحی کا درجہ بظاہر نہیں دیا۔ کتاب اللہ اس لحاظ سے ممتاز ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بشری اقوال و احوال کی نسبت اس کے بعد جو کچھ بھی وہ کہیں یا کہتے ہیں، ہمیں جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔

محمد عبادالله اختر

دین الملک

(جناب مولانا محمد جعفر صاحب پھلواروی)

بعض دفعہ قلم سے کوئی بات نکل جاتی ہے، تو یہ حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ بات عصبات چل نکلے گی اور یہ سلسلہ بحث کی صورت اختیار کرلے گا ۔۔۔ آج اس بات کو پورا ایک سال ہوتا ہے کہ پچھلے سال، دسمبر کے "البیان" میں، سیالکوٹ کے ایک سب جج دیوان ہرنبس رائے کے ایک فیصلہ خلع کے بارے میں چند سطریں سپرد قلم کی گئی تھیں۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ سب جج موصوف نے ایک مسلمان عورت کو اُس کے خاوند سے اِن الفاظ کے ساتھ نجات دلائی تھی کہ جب اُسے اپنے خاوند کے عادات و اطوار سے نفرت ہے اور وہ کسی صورت میں اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے تیار نہیں، تو اس کا آخری علاج یہی ہے کہ اسے علیحدگی کا حق دیا جائے۔ فیصلہ معقول تھا اور شریعت اسلام کے عین مطابق، لیکن ایک اسلامی اخبار نے اس کی مخالفت کی۔ دوسرے لفظوں میں یہ مخالفت قرآن مجید کے احکام کی مخالفت تھی، اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ معاصر موصوف کی غلط فہمی دور کردی جائے۔

"البیان" نے جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا، اس پر اخبار مذکور کے علاوہ "مدینہ بجنور" نے تنقیدیں شائع کیں۔ یہ تنقیدیں موضوع سے اس قدر دور جا پڑی تھیں کہ اُن کے جواب میں کچھ مزید لکھنا فضول سمجھا گیا، مگر کچھ عرصے کے بعد مولانا محمد جعفر صاحب پھلواروی نے بھی اپنے اعتراضات بھیجے، چوں کہ یہ اعتراضات، فروع کو چھوڑ کر ایک اصولی مسئلے سے متعلق تھے، اس لیے اکتوبر ۱۹۴۷ء کے پرچے میں انہیں نقل کرکے، ساتھ ہی جواب بھی شایع کردیا گیا۔

اب اس بحث سے دو شاخیں پھوٹ نکلی ہیں۔ ایک یہ کہ آیا حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت کی تھی؟ دوسری یہ کہ آیا کسی غیر مسلم حاکم کا فیصلہ قبول کیا جاسکتا ہے؟ مولانا نے بحث کے ان دونوں گوشوں پر بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات قلم بند کرکے ارسال فرمائے ہیں۔ افسوس ہے کہ "البیان" کے پاس اتنی گنجائش نہیں

کہ دونوں مضمون ایک ہی اشاعت میں پیش کرنے کے علاوہ، ساتھ ہی ساتھ ان پر اظہارِ خیال بھی کیا جا سکے، اس لیے فی الحال، ذیل میں ان کے مضمون "دین الملک" ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کی جا رہی ہے اور دوسرا مضمون کسی آیندہ اشاعت کے لیے روک لیا گیا ہے۔ (البیان)

"....... سیدنا یوسفؑ[1] نے خود بادشاہ وقت (عزیز مصر) کے قانون پر عمل کیا ہے جیسا کہ قرآن خود بتاتا ہے کہ ماکان لیاخذ اخاہ فی الدین الملک الا ان یشاء اللہ ط ـــ الا ان یشاء اللہ سے صاف ظاہر ہے کہ سیدنا یوسفؑ دین ملک (قانون شاہی) کی رُو سے اپنے بھائی بنیامین کو گرفتار نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ایسی صورت نکال دی کہ قانونِ ملک کے اندر رہتے ہوئے انہوں نے بھائی کو زیرِ حراست لے لیا۔ ایک نبی کے اُسوے کے پیشِ نظر کسی غیر الٰہی عدالت و قانون کے زیرِ اثر فصلِ خصومات کرانا، بشرطیکہ فیصلہ خلافِ قرآن نہ ہو، ضرور جائز ہونا چاہیے۔"

یہ ہے میرے ایک بزرگ علامہ کے نوازش نامے کا خلاصہ۔ کچھ علامۂ ممدوح ہی پر موقوف نہیں، بہت سے ذی فہم احباب نے یہ شبہ مختلف مواقع پر پیش کیا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس مسئلے کی مناسب تنقیح کر دی جائے۔ وباللہ التوفیق

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ سیدنا یوسفؑ نے کس قانون کی رُو سے بھائی کو حراست میں لیا تھا۔ قرآن کریم میں ہمیں جو واضح تصریح ملتی ہے وہ یہ ہے کہ جب سقایہ (شاہی پیالہ) غائب ہُوا تو منادی نے برادرانِ یوسف پر الزام سرقہ لگایا۔ انہوں نے اپنی برأت ظاہر کی، اس پر ملازمانِ شاہی بولے، فما جزآؤہٗ ان کنتم کٰذبین ؟ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس (چور) کی کیا سزا ؟ برادرانِ یوسف نے جواب دیا، جزآءہٗ من وجد فی رحلہ فھو جزآؤہٗ کذٰلک نجزی الظلمین۔" اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں نکلے وہی اپنی آپ سزا ہے یعنی وہ حوالے کر دیا جائے گا اور ہم لوگ تو ظالموں (چوروں) کو یہی سزا دیتے ہیں" ـــ آیت کے معنی میں کسی قسم کا اغلاق نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ شاہی قانون میں چور کو حوالے کر دینے کی سزا نہ تھی۔ ضرب یا جرمانہ یا اَور کوئی سزا ہوگی۔ بہرحال یہ سزا نہ تھی جو سیدنا یوسفؑ نے برتی۔ یہ سزا اس قانون یا دستور کے مطابق تھی جو

---

[1] یہ نوٹ کر لیجیے کہ مولانا محمد جعفر صاحب نے یہ مضمون کسی اَور بزرگ کے شبہات کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، لیکن اُن کے گذشتہ مضمون کی تردید میں "البیان" نے جو شذرہ لکھا تھا، یہی مضمون آپ نے اس کی تردید میں بھی شایع ہونے کے لیے بھیج دیا ہے۔ (مدیر)

آلِ یعقوب میں رائج تھا۔ پس دراصل حضرت یوسفؑ نے قانونِ شاہی کے خلاف کرکے اسے توڑا ہے نہ کہ اس پر عمل کیا ہے۔ عمل تو جب ہوتا کہ وہ بھائی کو گرفتار نہ کرتے اور کوئی دوسری سزا دیتے۔ آیت مبحوث عنہا میں تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ مصر میں چور کی سزا اور تھی کنعان میں اور۔ جناب یوسفؑ نے مصری قانون پر عمل کرنے کی بجائے کنعانی قانون پر عمل کیا۔ اور چوں کہ مقصود بھی یہی تھا اس لیے بھائیوں کی زبان سے اس کا اقرار کرا لیا۔

الا ان یشآء اللہ سے یہ سمجھا گیا ہے کہ اللہ نے چاہا کہ دین ملک کے اندر رہتے ہوئے دین ملک کے خلاف بھی کریں۔ حالاں کہ

الا ان یشآء اللہ کے یہ معنی ہی نہیں کہ "مگر اللہ نے چاہا"۔ بلکہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "مگر یہ کہ اللہ چاہے"۔ اور اس قسم کے استثناء کو وقوعی ماننا صحیح نہیں۔ یہ محض اتفاقی استثناء ہے نہ کہ وقوعی۔ قرآن کریم میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) سیدنا ابراہیمؑ فرماتے ہیں: ولا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشآء ربی۔ یعنی میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ میرا رب چاہے۔ کیا اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ معاذ اللہ ان کے دیوتاؤں سے ڈرے بھی تھے؟

(۲) سیدنا شعیبؑ فرماتے ہیں: وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشآء اللہ ربنا۔ یعنی ہمارے لیے تو ممکن ہی نہیں کہ ہم تمہاری ملّت میں پھر عود کر آئیں مگر یہ کہ ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت ہو۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شعیب یا ان کا کوئی پیرو پھر ملّتِ کفر میں پلٹ کر واپس ہوئے۔

(۳) ایک مثال صیغۂ ماضی کی بھی لیجئے۔ وما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا ما دامت السمٰوات والارض الا ما شاء ربک۔ یعنی سعید روحیں ہمیشہ ہمیشہ بہشت میں رہیں گی جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں الا ما شاء اللہ۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکال لینا درست ہوگا کہ کچھ لوگ فی الواقع جنت سے نکال بھی دیے جائیں گے؟

(یہاں ما دامت السمٰوات والارض کے لفظ سے خلود خلد میں متردد نہ ہونا چاہیے۔ وہ زمین و آسمان ہی بدلے ہوئے ہوں گے جو دائمی ہوں گے۔ یوم تبدل الارض الخ)

پس جس طرح الا ان یشآء الخ سے سیدنا ابراہیمؑ کا مصنوعی خداؤں سے خوفزدہ ہونا اور سیدنا شعیبؑ کا ملّتِ متروکہ میں عود کرنا یقیناً ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح آیت ما کان لیأخذ....... الا ان یشآء اللہ

سے سیدنا یوسفؑ کا دینِ ملک کا اطاعت کرنا بھی کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

اور فرض کیجیے اِلّا ان یشآء اللہ وقوعِ مشیت پر ہی دلالت کرتا ہے اور اس کے وہی معنی ہیں جو آپ نے سے ہیں یعنی "مگر یہ کہ اللہ نے چاہا کہ یوسفؑ ملک دین کی اطاعت کریں" تو اس سے مشیتِ الٰہی کی اطاعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ قانون شاہی کی۔ جب اللہ نے چاہا تو اس کا چاہنا ہی یوسفؑ کے لیے قانون ہو گیا۔ اطاعت الٰہی اور کس شے کا نام ہے۔ خدا جو حکم دے اسی پر عمل کرنے کا نام تو اطاعت قانونِ الٰہی اور "اسلام" ہے۔ ایک وقت میں وہ سجدہ لِآدم کا حکم دیتا ہے اور اُس وقت سجدہ کرنا ہی اطاعت الٰہی ہوتا ہے اور دوسرے وقت وہ ہر غیر اللہ کو ساجد و مسجود لہٗ بننے سے روک دیتا ہے اور اس وقت سجدے سے باز رہنا ہی اطاعت قانون الٰہی ہوتا ہے۔ اُس وقت سجدے سے انکار ہی ــــ ملائکہ کے لیے کیوں کہ وہی مامور تھے ــــ کفر تھا اور اب اس پر اصرار شرک ہے۔

الغرض حراستِ سارق اوّل تو قانون ملک تھا ہی نہیں بلکہ شریعتِ یعقوب یا غیر منہی عنہ دستورِ کنعان تھا اور ثانیاً اگر یہ قانون مصری تھا تو جب خدا خود اس پر عمل کرنے کی اجازت یا حکم دے تو وہ حکم الٰہی کی تعمیل ہے نہ کہ قانونِ ملک کی۔ جب خدا خود ہی فرما رہا ہے کہ کذٰلک کدنا لیوسف، یہ تدبیر ہم نے یوسف کے لیے پیدا کر دی، تو یوسف پر غیر اللٰہی قانون کی اطاعت کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ اگر نبی خود ہی غیر اللٰہی قوانین کی اطاعت کرے تو نبی کے آنے کا مقصد ہی سرے سے فوت ہو جاتا ہے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟ ــــ انبیاء تو آتے ہی ہیں صرف ایک غرض کے لیے یعنی ہر بندگی واطاعت کو توڑ کر صرف اللہ کی بندگی و اطاعت قائم کرنے کے لیے۔ پس اگر نبی ہی اپنی بعثت کی غرض اصلی کو فوت کر دے نعوذ باللہ تو اس کے آنے کی ضرورت کیا باقی رہ جاتی ہے؟

اور سچی بات تو یہ ہے کہ غریب "ابن یمین" چور ہی کب تھا جو اس پر چوروں کا قانون نافذ ہونے کا سوال پیدا ہو یہ تو محض حیلے تھے جو اللہ ہی نے بتائے تھے۔ جیسی بے اصل چوری ویسی بے اصل تعمیلِ قانون اور ویسی بے اصل اس پر تفریع۔

ہم تھوڑی دیر کے لیے فرض کیے لیتے ہیں، کسی خاص موقع پر سیدنا یوسفؑ نے قانونِ شاہی کی اطاعت کر لی ــــ حالاں کہ اطاعت نہیں کی بلکہ ایک عمدہ حیلے سے بہ اشارۂ الٰہی اسے توڑا ہے ــــ تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ جو بات قرآن نے محض بطور واقعہ بیان کی ہو، ہم اسے حکم یا اجازت بھی سمجھ لیں، دراں حالیکہ سارا قرآن اس کے خلاف احکام سے بھرا پڑا ہو؟ اگر محض واقعے کو حکم یا اجازت تصور کر لینا درست ہے تو کیا آپ اس کے لیے بھی تیار ہیں کہ آپ اپنے فرزند کے آگے سربسجود ہو جائیں یا اپنے بزرگوں سے اپنے آپ کو سجدہ کرایا کریں؟ نص

صاف موجود ہے کہ والدین اور بڑے بھائیوں نے یوسفؑ کو سجدہ کیا اور یوسفؑ نے کرنے دیا۔ ورفع ابویہ علی العرش وخروالہ سجدًا۔ لفظ صاف ہیں، تاویلاتِ سجود کی ضرورت نہیں، تعبیر خواب یوں ہی پوری ہوئی۔ ھذا تاویل رویای من قبل۔ پس اگر یعقوب و یوسف کی ساجدیت و مسجودیت سے ـــــ باوجود اس کے کہ انسان کو سجدہ کرنے کی صاف ممانعت قرآن میں موجود نہیں ـــــ آپ کے لیے ساجد و مسجود لہٗ بننے کی سند نہیں پیدا ہوتی، تو صرف ایک موقع پر اطاعت قانون ملک سے ـــــ وہاں حالیکہ سارا قرآن اس کے خلاف حکم دیتا ہے ـــــ غیر الٰہی قوانین کو تسلیم کرنے اور اس کی اطاعت کرنے کا جواز کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے؟

اس سلسلے میں ایک ضروری سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا عقل یہ مان سکتی ہے کہ سیدنا یوسفؑ کو قانون ملک پر عمل کرنے کی ضرورت پیش آئی ہوگی یا وہ اس پر مجبور ہوتے ہوں گے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ ہم اُس وقت کی یوسفی پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ تعبیر خوابِ ملک اور مکالمۂ یوسفؑ و ملک کے بعد خود ملک یوں کہتا ہے کہ انک الیوم لدینا مکین امین۔ اس کے بعد جناب یوسف کا مزید مطالبہ یہ ہوتا ہے، جو یقیناً پورا بھی ہُوا کہ اجعلنی علی خزائن الارض۔ قرآن کے مختصر لفظوں میں آپ مکین، امین اور متصرف خزانۂ شاہی ہو گئے۔ اس پوزیشن کی مکمل تشریح بائبل کی زبان سنئے:

"یہ بات (یعنی تعبیر خواب ملک) فرعون (یعنی ملک) اور اس کے سب خادموں کو پسند آئی ٥ سو فرعون نے اپنے خادموں سے کہا کہ کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے جس میں خدا کی روح ہے، مل سکتا ہے؟ ٥ اور فرعون نے یوسف سے کہا، چوں کہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ سمجھا دیا ہے اس لیے تیری مانند دانش ور اور عقل مند کوئی نہیں ٥ سو تو میرے گھر کا مختار ہوگا اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی۔ فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا ٥ اور فرعون نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم بناتا ہوں ٥ اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی اور اسے باریک کتان کے لباس میں آراستہ کروا کر سونے کا طوق اس کے گلے میں پہنایا ٥ اور اس نے اسے اپنے دوسرے رتھ میں سوار کرا کر اس کے آگے آگے یہ منادی کروا دی کہ گھٹنے ٹیکو اور اس نے اسے سارے ملک مصر کا حاکم بنا دیا ٥ اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا کہ میں فرعون ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اس سارے ملک مصر میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ہلانے نہ پائے گا ٥" (پیدائش ۴۱: ۳۷ تا ۴۴)

آپ نے ملاحظہ فرمایا حضرت یوسفؑ کی کیا پوزیشن ہے ؛ ملک اتنا متاثر اور معتقد ہو جاتا ہے کہ یوسفؑ کے اندر خدا کی روح ہونے کا قایل ہو جاتا ہے۔ اغلب ہے کہ وہ ایمان بھی لے آیا ہوگا، ورنہ دنیا میں کوئی ایسا احمق نہیں جو اپنی ساری حکومت یوں ہی کسی کو اٹھا کر دے دے۔ ملک مصر اپنے سارے گھر کا مختار ہی نہیں بلکہ سارے مصر کا اول میں ڈکٹیٹر مان لیتا ہے۔ سارے اہل مصر یوسف کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ سارے ملک پر تنہا یوسفؑ کا حکم چلتا ہے۔ ان ہی کا طوطی بولتا ہے، وہی آمر و مختار ہیں اور اُن ہی کا حکم و قانون چلتا ہے اور اس حد تک کہ کوئی ان کے حکم کے بغیر ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا۔ ملک کی حیثیت صرف ایک "بزرگ تر" سے زیادہ نہیں، جسے دوسرے لفظوں میں معزز و بے اختیار قیدی کہہ سکتے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں جب کہ پورے مصر کی فرماں روائی کی باگ یوسفؑ ہی کے ہاتھ میں ہو، آپ یقین کر سکتے ہیں کہ وہ قانونِ ملک بحیثیت قانون ملک کی اطاعت پر مجبور ہوئے ہوں گے؟ مجبور تو ملک تھا قانونِ یوسفی ماننے پر، نہ کہ یوسف قانون ملک تسلیم کرنے پر۔ ملک تو برائے نام تھا۔ دراصل عزیز مصر کی حیثیت میں خود یوسف تھے۔ چنانچہ بھائی کی حراست کے بعد ہی ابنائے یعقوب سیدنا یوسفؑ سے ان الفاظ میں تخاطب کرتے ہیں کہ یاایھا العزیز ان لہٗ ابا شیخا کبیرا۔ پھر کنعان سے واپس آکر بھی یوں ہی خطاب کرتے ہیں کہ ..... یاایھا العزیز مسنا واھلنا الضر۔ یوسفؑ کی یہ پوزیشن کیا بتا رہی ہے؟ یہ کہ اُس وقت یوسف کا ہر لفظ خود قانون تھا۔ وہ اگر بھائی کو گرفتار کرنا چاہتے تو کسی قانون کی موجودگی کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بغیر ہی صرف اپنے حکم سے بن یمین کو حراست میں لے سکتے تھے۔ لیکن اس مقصد کے لیے اللہ نے ایک بہترین پہلو سمجھا دیا۔ یعنی گرفتاری کا بوجھ اپنے کاندھوں پر نہ لیا بلکہ خود بھائیوں کی زبان سے یہ اقرار کروالیا کہ "ہمارا دستور تو یہ ہے کہ چور ہی قبضے میں لے لیا جاتا ہے"۔ قانونِ ملک پر عمل کرنے کا تو یہاں اشارہ تک نہیں۔ اگر ہے تو نہ کرنے کا ہے۔ بائبل میں بھی اس گرفتاری کے قانون کو قانونِ ملک نہیں بتایا گیا ہے بلکہ قرآن سے ملتا ہوا مضمون ہے۔ ملاحظہ ہوں برادران یوسفؑ کے الفاظ اور یوسفؑ کا جواب:

"سو تیرے خادموں میں جس کسی کے پاس وہ نکلے وہ مار دیا جائے اور ہم بھی اپنے خداوند کے غلام ہو جائیں گے ۰ اُس نے کہا کہ تمہارا ہی کہنا سہی، جس کے پاس وہ نکل آئے وہ میرا غلام ہوگا اور تم بے گناہ ٹھہرو گے ۰" (پیدایش ۴۴: ۹، ۱۰)

بہتر ہوگا کہ ایک نظر اس بیان پر بھی ڈال لی جائے جو سیدنا یوسف نے بحالت قید دیا ہے۔ اس سے یہ سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی کہ دینِ ملک کی اطاعت آپ کر سکتے تھے یا نہیں۔ دو قیدی اپنے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کرتے

ہیں۔ موقع غنیمت جان کر جناب یوسف یوں گویا ہوتے ہیں:

انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ وھم بالآخرۃ ھم کفرون۔ واتبعت ملۃ اٰبائی ابراھیم واسحٰق ویعقوب ط ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیءٍ ط ذلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔ یصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار۔ ما تعبدون من دونہٖ الا اسماء سمیتموھا انتم واٰباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطٰن ط ان الحکم الا للہ ط امر الا تعبدوا الا ایاہ ط ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

یعنی میں ان لوگوں کی ملت ہی ترک کر چکا ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے بھی یکسر منکر ہیں۔ میں تو اپنے آباء ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کی ملت کا پیرو ہوں۔ ہمارے لیے تو یہ جائز نہیں تھا کہ اللہ کا کوئی بھی شریک تسلیم کریں (خواہ قانون سازی میں ہو) یہ ہم پر اور تمام انسانوں پر خدا کا فضل ہے لیکن عموماً لوگ اس کے شکر گذار نہیں ہوتے۔ اے جیل کے ساتھیو! بہت سے ارباب بہتر ہیں یا صرف خدائے واحد و قہار؟ تم جن چیزوں کی بندگی و اطاعت کر رہے ہو وہ چند فرضی ناموں کے سوا اور کچھ نہیں جو تمہارے آباء و اجداد نے تجویز کر لیے ہیں، اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں نازل فرمائی ہے۔ حکومت اور فیصلہ کا حق تو بس صرف اللہ کو ہے۔ اسی کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی و اطاعت نہ کرو۔ یہی ہے "دین قیم" لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں۔

خدا کے اس نڈر اور بے لوث پیغمبر کی اس دلیرانہ تقریر کو ایک بار پھر پڑھا جائے۔ یہ خود دارانہ بیان، جس کا ایک ایک لفظ پیغمبرانہ مشن کی جان اور غیر اللٰہی حکومتوں کے لیے پیام موت ہے، کسی تخت حکومت پر متمکن ہو کر نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ قید و بند کی چہار دیواری اور جیل کی کوٹھڑی میں دیا جا رہا ہے ——— پھر جب فرعون بلواتا ہے تو کمال بے نیازی و خودداری سے جواب دیتے ہیں اور پیامبر سے کہتے ہیں کہ فارجع الی ربک فسئلہ ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن۔ لوٹ جا اپنے خود ساختہ رب کے پاس۔ پہلے ان عورتوں کے فریب کی تحقیق کرو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔

جو یوسف قید و بند کے اندر تمام آقاؤں کی آقائی اور سارے ارباب کی ربوبیت پر ضرب کاری لگا رہا ہو، محض اللہ کی حکومت اور اسی کے فیصلہ و قانون کے برحق ہونے کا اعلان کر رہا ہو، صرف خدا کی بندگی کا پیغام دے رہا ہو اور اسی نکتے کو اپنا اور سارے جہان کا اصلی دین بتا رہا ہو اس یوسف سے یہ توقع کہ سارے مصر کا عزیز، آمر، مختار اور کلّی ڈکٹیٹر بننے کے بعد ایک ٹھیٹھ قانون ملک (بہ حیثیت قانون ملک) کی اطاعت پر مجبور

ہٹا ہوگا، عجیب و غریب منطق ہے۔ وہی دین اللہ کا بھی علم بردار ہو اور وہی دین الملک کا بھی پاس دار ہو، یہ دو متضاد حقیقتیں کیوں کر جمع ہو سکتی ہیں؟

ایک اور پہلو بھی اس سلسلے میں ایسا ہے جو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یہ کہ اولاً حراست برادر قانون ملک کی رُو سے ہوئی ہی نہیں بلکہ قانون آلِ یعقوبؑ کے مطابق ہوئی۔ دوسرے اگر قانون ملک بھی یہی ہوتا کہ چور قبضے میں لے لیا جائے اور بغیر اس کے کہ ہدایت الٰہی اس کی تائید کرتی اسی پر سیدنا یوسفؑ کا عمل ہوتا، جب بھی اسے قانون ملک کی اطاعت نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ جب یوسفؑ خود حاکم مصر ہیں تو آپ جو بھی حکم دیں گے وہ آپ ہی کا حکم ہوگا۔ عام اس سے کہ وہ عین دین ملک ہو یا اس سے مشابہ ہو یا اس کے خلاف ہو۔ اب وہ حکم فرعون کا رہا ہی نہیں کیوں کہ یوسفؑ نے اسے اپنا لیا۔ اپنا لینے کے بعد اس پر عمل قانون ملک بحیثیت قانون ملک عمل نہیں رہا۔ بلکہ بہ حیثیت دین یوسفی اس پر عمل ہُوا۔ اپنا لینے کے بعد غیر غیر رہتا ہی نہیں، وہ عین اپنا ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت عموماً لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے حالاں کہ بات بالکل صاف ہے فرض کیجیے اس وقت جرمنی میں جو طاغوتی نظام حکومت قائم ہے وہ اسی طرح قائم رہے صرف ہٹلر بدل جائے تو باوجود اس کے سارا نظام حکومت اور اس مشینری کے تمام پرزے اسی طرح قائم رہیں لیکن فقط ہٹلر کی جگہ زید کے آجانے سے یہ کہنا درست ہوگا کہ جرمنی کی حکومت بدل گئی، حالاں کہ حکومت جن عناصر سے مرکب ہے وہ اسی طرح قائم ہیں، صرف چوٹی کا ایک شخص بدلا ہے۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ اسی جرمنی میں ہٹلر کی بجائے کوئی سچا مسلمان آجائے ——— یعنی جو اللہ کے سوا کسی کو رب، الٰہ، ملک اور قانون ساز نہ بنائے ——— تو وہ ساری جرمنی خدا کی حکومت ہو جائے گی۔ وہ مسلمان اولی الامر صرف آتنا کرے گا ——— اور کرنا پڑیگا اگر وہ مسلمان ہے ——— کہ رائج الوقت آئین و قوانین میں سے وہ تمام عناصر نکال دے گا جو حدود اللہ سے باہر ہوں یا قانون الٰہی کی روح کے خلاف ہوں۔ باقی قوانین اگر باقی رکھے جائیں گے تو باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے نہ ہوں گے، اب جرمن حکومت کی بجائے خدائی حکومت کے قوانین ہو جائیں گے۔ وہی قوانین جو پہلے طاغوتی تھے اب لاہوتی ہو جائیں گے، کیوں کہ انہیں اپنا لیا گیا۔ عورت جب تک غیر ہے اپنے تمام اجزاء کے ساتھ غیر اور حرام ہے لیکن جب بعقد صحیح اپنالی جائے تو اپنے تمام اجزاء سمیت اپنی اور حلال ہے۔ ہاں حدود اللہ کی نگہداشت پھر بھی ضروری ہوگی۔ چوری کا مال کلیتہً حرام ہے لیکن نادانستگی میں جب خرید لیا گیا تو وہیں جوں کا توں رکھا ہُوا مطلقاً حلال ہوگیا کیوں کہ اب اپنا لیا گیا۔ اسی طرح غیر اللّٰہی

حکومت کے تمام قوانین ـــــ معقول وغیر معقول، منصفانہ وغیر منصفانہ، مطابق قانونِ الٰہی ومخالف قانونِ الٰہی ـــــ سب کے سب اپنے تمام اجزاء سمیت سراپا طاغوتی اوران کی اطاعت یکساں حرام رہے گی، کیوں کہ اولاً اُن کی بنیاد طغیان یا انسانی حکومت پر ہے اورثانیاً حق کے ساتھ باطل اور باطل کے ساتھ حق ملا ہُوا ہے ـــــ مگر اسلامی یا خدائی حکومت ہوتے ہی ان کی بنیاد بدل جائے گی جو سارے نظام میں صرف وہی حصے باقی رہنے دے گی جو منشائے الٰہی کے مطابق ہوں، باقی تمام عناصر کو نکال پھینکے گی اور پھر وہ باقی ماندہ حصہ ـــــ جو پہلے بھی باقی تھا مگر ملبوس بالباطل ہونے کے سبب سے طاغوتی تھا ـــــ اب باطل عناصر سے پاک ہونے اور بنیاد بدل جانے کے سبب طاغوتی نہ رہے گا بلکہ عین لاہوتی بن جائے گا۔

بنیاد بدل جانے کا مفہوم پھر پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کیوں کہ یہی کفر و اسلام کے درمیان بنیادی سرحد امتیاز قائم کرتا ہے۔ غیر الٰہی نظام یہ ہے کہ اگر آپ نیچے سے اوپر کی طرف آئیں مثلاً کلکٹر، کمشنر، گورنر، وائسرائے پھر پارلیمنٹ یا وزیراعظم یا کنگ، تو یہاں آخری سرحد انسانی سرحد ہے جہاں آکر ملکیت (Sovereignty) ختم ہو جاتی ہے۔ یہ آخری مختار اپنے سے اوپر کسی کے آگے اپنے آپ کو جواب دہ نہیں جانتا اگر کچھ سمجھتا ہے تو فقط اپنے ہی جیسے یا اپنے سے بھی کم تر انسانوں کے آگے جواب دہ سمجھتا ہے۔ لیکن لاہوتی نظام میں بادشاہانہ اقتدار اور ریاست کنگ یا ڈکٹیٹر یا صدرِ جمہوریہ پر آکر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اللہ پر آکر رکتی ہے۔ اس سلسلۂ ریاست کا آخری بڑا انسان بھی آزاد اور غیر جواب دہ نہیں ہوتا نہ اس پر ملکیت (Sovereignty) آکر ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک خلیفہ یا نائب کی ہوتی ہے اور وہ ایک اقتدارِ اعلیٰ اور مالک الملک کے آگے جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے اختیار سے اور اپنے مشیروں کے مشورے سے مختلف قوانین بنا سکتا ہے لیکن حدود اللہ کو توڑ کر باہر جانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ مالک الملک کے منشاء کی روح کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ اسی کے کھینچے ہوئے دائرے کے اندر رہے گا۔ اپنی پالیسی وہی رکھنی ہوگی جو مالک الملک کی ہے۔ اس کی پالیسی کی روح کے مطابق جو قانون ہو وہ اسے باقی رکھ سکتا ہے خواہ وہ اب بنائے گئے ہوں یا غیر الٰہی نظام کے دوران میں اتفاقاً بن گئے ہوں (جیسے امریکن گورنمنٹ کی اور ہندوستان کے بعض صوبوں میں کانگریسی حکومت کی عارضی نشہ بندی)

غرض جب نظام حکومت بدل کر انسانی سے الٰہی ہو جائے اور پالیسی وہی ہو جائے جو مالک الملک کی ہے تو جو قانون اس پالیسی کے خلاف نہ ہو ـــــ خواہ وہ طاغوتی ہی دَور میں اتفاقاً کیوں نہ بن گیا ہو ـــــ

وہ باقی رکھا جاسکتا ہے اور اسے اپنا لینے کے بعد طاغوتی عین لاہوتی بن جائے گا۔ وہ گویا ایک مال غنیمت ہے جو جنگ سے پہلے ہمارے لیے حرام تھا اور فتح کے بعد حلال ہے کیوں کہ اپنا لیا گیا۔

اس نظریے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد دیکھئے کہ ایسی حالت پر پہنچنے کے بعد۔۔۔۔۔۔ جب کہ حکومت کے ایک ایک منبع پر اور رعایا کے ہاتھ پاؤں تک پر یوسف کا قبضہ ہو چکا ہو، ساری دنیا یوسف ہی کو عزیز مصر یقین کرتی ہو اور باہر سے آنے والے بھی اسے یا ایھا العزیز کہہ کر مخاطب کرتے ہوں اور ملک برائے نام ملک رہ گیا ہو، وہ خود یوسف کا مرید ہو کر ساری سلطنت یوسف کو نذرانے میں دے چکا ہو اور سارے مصر میں تنہا یوسف کا حکم چل رہا ہو۔ ۔۔۔۔ کیا آپ توقع کر سکتے ہیں کہ ان حالات میں مصر کا نظام حکومت طاغوتی رہا ہوگا؟ پھر وہ تمام قوانین ملک، جو مالک الملک کی پالیسی کے خلاف نہ ہوں بلکہ عین مشیت الٰہی کے مطابق ہوں، کیا یوسفؑ کے اپنائے ہوئے قوانین نہیں ہو گئے؟ چور کی گرفتاری کا قانون دین الملک میں ہوتا یا نہ ہوتا جب یوسفؑ نے کہہ دیا اور خود مالک الملک کی بتائی ہوئی پالیسی بھی یہی تھی (کذٰلک کدنا لیوسف یا بقول آپ کے الا ان یشآء اللہ) تو اب اسے اطاعت قانون الٰہی کی بجائے اطاعت دین ملک قرار دینا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنا بڑا سفسطہ یا مغالطہ ہے۔ اگر یہ قانون ملک ہوتا بھی تو اب یوسف اسے اپنا چکے تھے۔ اگر اپنی مرضی سے اپنا لیتے تو بھی قانون الٰہی ہو جاتا چہ جائیکہ مالک الملک کی مشیت، سجھائی ہوئی تدبیر اور پالیسی بھی یہی ہو۔ یہ واضح رہے کہ اپنانے کے معنی اطاعتہً اپنانے کے نہیں بلکہ قابض ہو کر اپنا لینے کے ہیں۔

اس بحث کے بعد یہ بات بھی خود بخود صاف ہو جاتی ہے کہ غیر اللّٰہی عدالت و قانون سے چارہ جوئی اُن معاملات میں جن کا فیصلہ خلافِ قرآن نہ کیا جائے، کس حد تک جائز ہے۔ عام طور پہ یہ سمجھا گیا ہے کہ غیر الٰہی قوانین سے استعانت حرام تو ہے لیکن ان ہی باتوں میں جن میں الٰہی قوانین سے بھی استعانت حرام ہے۔ باقی رہے وہ معاملات جن کی پیروی ہم خدائی قانون کے ذریعے سے کر سکتے ہیں، ان کی چارہ جوئی کے لیے غیر اللّٰہی قانون کا دروازہ بھی کھٹکھٹا لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی سود کی ڈگری لینے کے لیے، جھوٹی شہادت دینے کے لیے، کسی کا حق غصب کرنے کے لیے اور اسی طرح کے دوسرے حرام مقاصد کے لیے تو بے شک "تحاکم الی الطاغوت" ناجائز ہے لیکن طلاق نکاح، مہر، خلع، وراثت، مظلومیت وغیرہ کا فیصلہ اگر اسلامی قانون کے خلاف نہ ہو تو تحاکم الی الطاغوت کر سکتے ہیں۔

یہ ہے وہ فریب نفس جس میں اہل تقویٰ بھی گرفتار ہیں۔ گویا ناجائز امور میں تو نہیں لیکن جائز امور میں جب کو چاہو، بہ شوق اپنا حَکم، حاکم، الٰہ، رب اور ملک بنا سکتے ہو اور لاہوتی و طاغوتی ــــــ دونوں طرح

کی حکومتوں اور قوانین کی اطاعت ایک ساتھ کرسکتے ہو۔ حالاں کہ جائز اور ناجائز مقاصد کا اور مطابق قرآن و خلاف قرآن فیصلے کا تو سوال ہی بعد کا ہے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ آیا کسی غیراللہ کو جبکہ وہ نائب مالک الملک نہ ہو بلکہ نمایندۂ طاغوت ہو حاکم تسلیم کرنا جائز بھی ہے؟ کیا ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ خدا کا قانون رہتے ہوئے ہم اپنا فیصلہ اُس سے کرائیں جس کا خود قانونِ الٰہی سے کوئی تعلق نہ ہو؟ تحاکم اور فیصلہ طلبی ہی غیراللہ سے مطلقاً حرام ہے خواہ مطابق قانونِ الٰہی فیصلہ کرے یا خلافِ قانونِ الٰہی۔ فیصلے کو قابلِ تسلیم یا واجب الرّد سمجھنے کا سوال ہی ابھی نہیں۔ ابھی صرف یہ سوال ہے کہ فیصلہ دینے والا خود قابلِ تسلیم ہے یا نہیں۔ اگر وہ نائب اللہ ہے، تو اس کا فیصلہ بھی قابل تسلیم ورنہ نہ وہ خود ہی قابل تسلیم ہے نہ اس کا فیصلہ۔ جب وہ فیصلے دینے کا اہل ہی نہیں تو اس کے فیصلے کے متعلق مطابق قرآن اور خلافِ قرآن ہونے کی بحث ہی کب پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے کوئی کسی غیر عورت کے پاس بے تکلف جائے اور جب کوئی سوال کرے تو یوں جواب دے کہ "قرآن بحالتِ حیض عورتوں کے پاس جانے سے منع کرتا ہے ہم تو طُہر میں جاتے ہیں"۔ کیا اس کا یہ استدلال درست ہے؟ پھر ہمارے مہربانوں کا یہ استدلال کیوں کر صحیح ہو گیا کہ حرام مقاصد میں تو غیراللّٰہی قانون و حکم کی اطاعت درست نہیں لیکن اگر مقاصد خلافِ قرآن نہ ہوں تو جس غیراللہ اور جس دشمن خدا کو چاہو اپنا مطاع، آقا، الٰہ اور صاحبِ حکم بنالو۔ گویا اگر کوئی چوری کا مال دے تو ہرگز نہ لو لیکن اگر مصحف قرآن چُرا کر دے تو لے لینا چاہیے اور ناپاک برتن میں کوئی چیز نہ پینا چاہیے لیکن آبِ زمزم ڈال دیا جائے تو ناپاک برتن کو بھی منہ لگا سکتے ہو۔

یہ ناقابلِ فراموش حقیقت نہ بھولنا چاہیے کہ جس طرح ایک نائب اللہ ہر اُس قانون کو جو روحِ قرآن کے خلاف نہ ہو اپنا کر اسے عین قانون اسلامی بنا لیتا ہے اسی طرح ایک طاغوت بھی قرآنی قانون کو اپنا کر نجس کر لیتا ہے۔ قرآن ہزار قابل احترام سہی لیکن چوری ہو کر بطور ہدیہ پیش کیا جائے تو اسے عام مال مسروقہ کی طرح ردّ کر دیا جائے گا۔ آبِ زم زم ہزار متبرک سہی لیکن جب نجس کٹورے میں ڈال کر دیا جائے تو اسے عام ناپاک پانی کی طرح ترک کر دیا جائے گا۔ احکام قرآنی ہزار فرض سہی مگر جب اُن کو غیرالٰہی اقتدار مسلط کرنا چاہے تو اسے صرف اس لیے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے گا کہ انہیں نافذ کرتے وقت وہ طاغوت ہم پر قانونِ الٰہی کو نافذ نہیں کرتا بلکہ ہم پر اپنا حکم چلاتا ہے۔ اگر اُسے قانونِ الٰہی کا احترام مدنظر ہوتا تو وہ نمایندۂ طاغوت ہی کیوں بنتا اور غیرالٰہی نظام کو چلانے میں کل پُرزے کا کام کیوں کرتا۔ کسی قانونِ الٰہی کو تو وہ قبول

بھی اس لیے کرتا ہے کہ اس کے خیال میں اس سے اُس کے طاغوتی نظام میں کچھ مدد مل جانے کی امید ہوتی ہے۔

اس موقع پر ایک غلط فہمی دُور کر لینی چاہیے۔ فرض کیجیے کوئی طاغوتی حکومت نشہ بندی کا قانون پاس کرتی ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ الٰہی نظام کا موید مسلمان اس کی ضد میں شراب نوشی شروع کر دے۔ ترکِ نشہ تو اسے بہرحال کرنا پڑے گا اگر وہ مسلمان ہے۔ لیکن یہ ترک صرف اس لیے ہوگا کہ یہ قانونِ الٰہی ہے۔ اگر اس نیت سے ترک کیا کہ ایک غیر اللّٰہی حکومت نے اس کے ترک کا قانون بنا دیا ہے تو یہ ترک قطعاً اطاعتِ الٰہی نہیں ہوگا بلکہ محض اطاعتِ طاغوت ہوگا اور اس کا کوئی اجر آخرت میں مترتب نہ ہوگا۔ فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا۔

تعجب تو یہ ہے کہ ہمارے بزرگان کرام کی نگاہ میں ایک غیر مسلم جج کے قلم سے نکلا ہوا غیر اللّٰہی عدالت کا فیصلۂ طلاق، جو قرآن کے خلاف نہ ہو، بالکل قابلِ تسلیم ہے۔ لیکن اگر وہی غیر مسلم نکاح بھی پڑھا دے ——— وہی خطبۂ نکاح ہو اور ویسا ہی ایجاب و قبول ہو ——— تو معلوم نہیں کیوں اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ اور اگر وہی غیر مسلم حرفاً حرفاً اسی طرح نماز بھی پڑھا دے جس طرح ایک مسلمان امام پڑھاتا ہے تو معلوم نہیں اس کی امامت میں یہ اپنی نماز کو درست سمجھیں گے یا نہیں۔

غیر مسلم تو غیر مسلم ہے ایک نام کا مسلمان بھی غیر اللّٰہی اقتدار کی نمائندگی کرتا ہوا ہمارا حَکم نہیں بن سکتا کیونکہ وہ جس مشینری کا پُرزہ بنا ہوا ہے وہ مشینری ہی سرے سے اپنے کل اجزاء سمیت واجب الردّ ہے۔ ہمارا حَکم تو صرف وہی بن سکتا ہے جو غیر اللّٰہی دستور و آئین کا جُوا اپنی گردن سے اتار کر صرف الٰہی قانون کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال لے۔ جو خود اپنے فیصلے غیر اللّٰہی قانون سے کرائے وہ نہ ہمارا حاکم و اولی الامر بن سکتا ہے نہ کسی معاملے میں حَکم ہو سکتا ہے۔

آپ اپنی مجبوریاں جس قدر چاہیں پیش کریں لیکن نبوی مشن کو اور دامنِ یوسف کو آلودہ نہ فرمائیں۔ کسی کی ذاتی، قومی یا ملکی مجبوریوں سے جزئیات میں تو ردّ و بدل کی گنجائش نکل بھی سکتی ہے لیکن روحِ دین اور اصولِ قرآن کسی بڑی سے بڑی مجبوری سے بھی بدل نہیں سکتے۔ اگر غیر اللّٰہی دین میں کوئی رہنا پسند کرے تو شوق سے رہ سکتا ہے، لیکن اگر دینِ الٰہی میں آنا ہو تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ دین اللہ ایک بالکل علیحدہ گورنمنٹ کا نام ہے۔ دو حکومتوں کے قانون ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ بہرحال کسی ایک ہی کو پسند کرنا ہوگا۔ دین اللہ میں آنے کے معنی صرف اسے قبول کر لینا نہیں بلکہ اُسے قبول کرنے کے معنی ہی ہیں پہلے ہر دین سے بغاوت۔ اور اسی طرح غیر الٰہی دین کو قبول کرنے کے معنی ہیں دینِ الٰہی سے بغاوت۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ جس دین کو قبول کرے اور جس بغاوت کو ردّ کرے۔ مجبوریاں ہر طرح کی انگیز کی جا سکتی ہیں لیکن قرآن کا نسخ و مسخ گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

آخر ہم ان آیتوں کو کہاں لے جائیں اور کہاں کھپائیں جن میں اللہ کے سوا ہر اطاعت سے انکار کا حکم دیا گیا ہے؟ چند آیات ملاحظہ ہوں:

.... فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر...... الم تر الی الذین یزعمون انھم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ........ فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۵

یعنی پھر اگر تمہارا باہمی تنازع ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ (گویا اللہ اور رسول کو چھوڑ کر کسی سے بھی اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرانا اللہ و یوم آخر پر ایمان کے قطعاً منافی ہے کسی اور کے پاس اسی صورت میں جا سکتے ہیں جب وہ صرف اللہ اور رسول ہی کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور کسی اور کے قانون سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو) ...... کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے خیال میں قرآن اور کتب سماویہ پر ایمان لاتے ہیں اور پھر بھی یہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت سے کرائیں حالاں کہ انہیں تحاکم الی الطاغوت سے انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا........ تیرے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب کہ اپنے جھگڑوں میں اے رسول تجھے حکم نہ بنالیں اور پھر تیرے فیصلے سے اپنے دلوں میں ذرا بھی رنج نہ لیں بلکہ پوری طرح خوشی کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیں ـــــ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ... ... ھم الظلمون .... ھم الفسقون۔ اور جو احکام الٰہی کے مطابق فیصلہ نہ دے تو وہ لوگ کافر ہیں...... ظالم ہیں...... فاسق ہیں ـــــ ولا تطیعوا امر المسرفین یعنی متجاوز عن الحد کے حکم کی اطاعت ہی نہ کرو۔ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوٰہ وکان امرہ فرطا یعنی اس شخص کی اطاعت ہی نہ کرو جس کا دل ہم نے اس سبب سے غافل کر دیا ہے کہ اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کی باتیں حد سے گزر گئیں۔ ولا تطع منھم اثما او کفورا۔ یعنی ان میں سے کسی گناہ کار اور نافرمان کی اطاعت نہ کرو۔ فلا تطع الکفرین ...... نافرمان کی اطاعت نہ کر۔ ولا تطع الکفرین والمنافقین۔ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کر۔ فلا تطع المکذبین۔ جھٹلانے والے کی اطاعت نہ کر ـــــ غرض بے شمار آیتیں ہیں جن میں مطلقاً اطاعت کی سختی سے ممانعت کی گئی۔ حتیٰ کہ یہاں تک فرمایا گیا، وان اطعتموھم انکم لمشرکون اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو گے ـــــ ایسی تمام آیات کو دیکھ جائیے کسی جگہ بھی غیر اللہ کی اطاعت

کے یہ نہیں کہا گیا کہ الا فی معروف یعنی اگر وہ اچھی بات کا حکم دے تو اطاعت کر لو۔ طاغوت کبھی معروف کا حکم دے ہی نہیں سکتا۔ اگر کبھی وہ ایسا کرے بھی تو اس کی غرض صرف یہ ہوگی کہ چند قدم صراط مستقیم پر لے جا کر باطل راستے کی طرف رُخ موڑ دے۔ اسی مضمون کی ان آیات میں یوں بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو :

یا ایھا الذین اٰمنوا ان تطیعوا فریقا من الذین اوتوا الکتٰب یردوکم بعد ایمانکم کٰفرین ٥ یعنی اے مسلمانو! اگر تم نے اہل کتاب کے کسی گروہ کی اطاعت کی تو وہ تمہیں ایمان لائے پیچھے کافر بنا چھوڑیں گے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علیٰ اعقابکم فتنقلبوا خٰسرین ٥ یعنی مسلمانو اگر تم نے کافروں کی اطاعت کی تو وہ تمہیں اُلٹے کفر کی طرف واپس کر دیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے ــــ یہ فرق کہ معروف میں اطاعت اور معصیت میں عدم اطاعت کرو، پیدا ہی ہوتا ہے صرف اولی الامر منکم میں۔ اور جو منکم ہی نہ ہو، اس کے بارے میں نہ تو معروف و معصیت کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ وہاں تو صرف ایک فیصلہ کن بات ہے یعنی ہر قسم کی اطاعت سے مطلقاً انکار ــــ

یہ ساری بحث ہم نے یہ فرض کر کے کی ہے کہ آیت مبحوث عنہا (ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک الا ان یشآء اللہ) کے معنی یہ ہیں کہ "سیدنا یوسف قانون شاہی کے رو سے بھائی کو گرفتار نہیں کر سکتے تھے مگر یہ کہ خدا چاہے" حالاں کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ آیت کے سرے سے یہ معنی ہی نہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ...... یوسف کے لیے یہ جائز، درست، روا، زیبا، مناسب، حق یا ممکن ہی نہ تھا کہ وہ قانون شاہی کی رو سے بھائی کو زیر حراست کر لیتے ......" اس لیے کہ خود پیغمبر تھے، قانون الٰہی نافذ کر سکتے تھے اور اسی قانون کو چلانا ان پر فرض تھا۔ ان کا نبوی مشن یہی تھا اور وہ آئے اسی لئے تھے ــــ "کان" اور اس کے صیغے جب بصورت منفی آئیں اور اس کی خبر "اَن" یا "لام کے" سے ــــ جس کے بعد اَن ہی مقدر ہوتا ہے ــــ شروع ہو تو "کان" کے بعد "ینبغی" یا اس سے زیادہ مناسب وزوردار لفظ پوشیدہ ہوتا ہے یا خود "کان" کے معنی "ینبغی" کے ہوتے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں :

ما کان لنبی ان یکون لہٗ اسریٰ الخ یعنی کسی نبی کے لیے یہ درست ہی نہیں کہ اپنے لیے قیدی رکھ چھوڑے۔ ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین الخ یعنی نبی اور مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا یعنی تمہارے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کا درخت اُگا لو۔ ما کان اللہ لیظلمھم ...... لیضیع ایمانکم۔ اللہ کے لیے یہ

زیبا ہی نہیں کہ وہاں پر ظلم کرے ...... ان کے ایمان کو ضایع کرے۔ ما کان المومنون لینفروا کآفۃ - یعنی مسلمانوں کو یہ مناسب ہی نہیں کہ وہ سب کے سب چل کھڑے ہوں۔ فما یکون لک ان تتکبر، یعنی اسے ابلیس تجھے یہ حق ہی نہیں تو تکبر کرے۔ مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی یعنی میرے لئے یہ ممکن یا جائز ہی نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں ——— ان کے علاوہ دیکھ جائیے۔ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ الخ۔ ما کان لنا ان نشرک باللہ من شی الخ۔ وما کان اللہ ان یتخذ من ولد الخ۔ ما کان لنفس ان تموت الخ ما کان لنبي ان یغل الخ۔ ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب الخ۔ ما کان لمؤمن ان یقتل مومنا الخ ما کان اللہ لیعذبھم الخ۔ ما کان اللہ لیضل قوما الخ ما کان لنفس ان تومن الخ۔ وما کان ربک لیھلک القری الخ۔ وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الخ وما کان لنا ان ناتیکم بسلطان الخ وما کان اللہ لیعجزہ من شی الخ۔ ما کان لمومن ولا مومنۃ ان یکون لھم الخیرہ الخ۔ ما کان لکم ان توذوا رسول اللہ الخ۔ ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الخ۔ مایکون لنا ان نتکلم بھذا الخ مایکون لنا ان نعود فیھا الخ۔ لم یکن اللہ لیغفر لھم الخ ——— غرض سارے قرآن کا تفحص کر جائیے ہر جگہ ایسے "کان" کے بعد ینبغی، ینا سب، یحق، یجوز یا یمکن ہی مقدر ملے گا۔

اس کے بعد آیت ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک کے معنی کیجیے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ چوں کہ یوسف پیغمبر ہو چکے تھے اور ان کا مشن ہی غیر اللٰہی نظام کو توڑنا تھا، اس لیے یوسف کو یہ حق ہی نہ تھا، زیبا و مناسب ہی نہ تھا، جائز و درست ہی نہ تھا بلکہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ قانون شاہی کی رُو سے گرفتار کرتے دراں حالیکہ وہ خود عزیز مصر کی حیثیت میں تھے، اپنا قانون چلا سکتے تھے، چلا رہے تھے اور اسی غرض کے لیے آئے تھے۔ الا ان یشآء اللہ مگر یہ کہ خدا چاہے۔ (الا ان یشآء اللہ کی بحث اوپر گذر چکی ہے کہ یہ استثنائے وقوعی نہیں محض اتفاقی ہے، اس لیے اسے یہاں دُہرانے کی ضرورت نہیں)

الغرض اس نوعیت کی ساری آیتوں کو سامنے رکھ کر دیکھیے تو مفہوم بالکل برعکس نکلتا ہے اور آیت کے وہ معنی ہی نہیں جو سمجھے گئے ہیں۔ پس یہ آیت دراصل کلیتہً تردید ہے اس مفہوم کی جو اطاعت قانونِ غیر اللٰہی کے حق میں لوگ پیش کیا کرتے ہیں۔ فما کان لھم ان یتکلموا بمثل ھذا بعد ھذا۔

"دین الملک" پر ایک نظر

مولانا[1] نے اپنے مفروضات کے ماتحت جو کچھ لکھنا تھا، لکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے سوچ لیا ہے' وہی درست ہے، ناقابل تنقید ہے اور پتھر کی لکیر کی طرح ایک اٹل بات ہے، لیکن افسوس ہے کہ آپ نے اپنے افکار و خیالات کو صرف اپنی ہی نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے' یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ نقد و نظر کے ترازو میں ان ارشادات کا وزن کیا رہ جاتا ہے؟

مضمون کے آغاز میں آپ لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے "دراصل اپنے بھائی کو گرفتار کر کے قانون شاہی کو توڑا ہے نہ کہ اس پر عمل کیا ہے۔ عمل تو جب ہوتا کہ وہ بھائی کو گرفتار نہ کرتے کوئی اور سزا دیتے۔ جناب یوسف نے مصری قانون پر عمل کرنے کے بجائے کنعانی قانون پر عمل کیا اور چوں کہ مقصود بھی یہی تھا اس لیے بھائیوں کی زبان سے اس کا اقرار کرا لیا" ــــ یہاں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کس کے دعوے کی تردید کر رہے ہیں۔ کوئی بھی شخص یا کم از کم "البیان" اس امر کا ہرگز مدعی نہیں ہے کہ حضرت یوسف ع نے اپنے بھائیوں کو گرفتار کر کے شاہ مصر کے قانون پر عمل کیا تھا۔ جب دعوٰی ہی ثابت نہیں' تو اپنی طرف سے خود ہی ایک مفروضہ قائم کر کے، خود ہی اس کی تردید کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ خود غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور یا دوسروں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں، لیکن فرض کر لیجیے کہ آپ نے خود اپنے ذہن سے ایک دعوٰی تراش کر، اُس کی تردید کرنا چاہی ہے، تو بھی اس دلیل میں کوئی وزن نہیں۔ حضرت یوسفؑ کے طرز عمل کو قانون شکنی کا نام نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ ان کی طرف سے قانون شکنی کا کوئی اعلان نہیں ہے۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ اُن میں قانون شکنی کی سرے سے کوئی جرأت ہی نہیں پائی جاتی[2]۔ اپنے بھائی کے تھیلے میں، خفیہ طور پر پیالہ رکھ دینا اور اُسے ایک خاص (کید) چال کے ذریعے گرفتار کرنا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ شاہِ مصر کے قوانین کی پابندی پر مجبور تھے۔ وہ مجبور نہ ہوتے اور انہیں اپنی من مانی کاروائیوں کی کھلی اجازت ہوتی، تو ایک بے گناہ شخص کو چوری کا الزام لگا کر بدنام کرنے اور پھر اُسے اپنے پاس روک لینے کے لیے انہیں یہ حربہ ہی اختیار نہ کرنا پڑتا!

---

[1] یعنی مولانا محمد جعفر صاحب پھلواروی نے، جن کا مضمون "دین الملک" صفحات ماسبق میں نقل کیا گیا ہے۔

[2] سب سے پہلے اپنے متعلق قید کے قطعاً غلط فیصلے کو تسلیم کر کے آپؑ نے قانون ملک کے سامنے سر جھکایا۔ ایسے ہی قانون کا احترام سقراط نے بھی کیا تھا۔ (البیان)

اور قرآن مجید کے نازل ہونے کے چودہ سو سال بعد، اس حیرت انگیز انکشاف وتحقیق کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے کہ حضرت یوسفؑ کا مقصود یہی تھا کہ وہ مصری قانون کی خلاف ورزی کریں۔ کیا چوری چھپے ایک شخص کے غلے میں پیالہ چھپانے سے اُسے ایک مخفی تدبیر کے ذریعے گرفتار کرنے سے، یہ مقصود پورا ہوجاتا ہے؟ جب عام رعایا کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت یوسفؑ قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں؟ بادشاہ اور اس کے وزراء کو یہ آگاہی نہیں ہوتی کہ ایک شخص اُن کے قانون کو توڑ رہا ہے، خود حضرت یوسفؑ کی زبان سے یہ اعلان نہیں ہوتا کہ میں قانون شکنی کر رہا ہوں، قرآن مجید اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ حضرت یوسفؑ کا مقصود احکام سلطنت کی خلاف ورزی تھی۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس منطق کی رُو سے ایک ایسا نتیجہ نکالنے پر اصرار کرتے ہیں، جو واقعات و حالات کی کسوٹی سے کسی طرح بھی صحیح ثابت نہیں ہوسکتا۔ جب قرآن مجید کی نصِ صریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصود ایک اور صرف ایک تھا، یعنی، قانون کی نظروں سے بچ کر، کسی خفیہ تدبیر سے اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لینا، پس اس طرح اگر آپ کے زعم کے مطابق، انہوں نے کوئی "قانون شکنی" کی بھی ہے، تو قانون شکنی کی غرض سے نہیں، اس مقصد سے نہیں کہ اُن کے ذریعے شاہِ مصر کا قانون ٹوٹ جائے، بلکہ اس خالص ذاتی اور نجی غرض سے کہ کسی طرح اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیا جائے۔ یقیناً اور سو فی صدی یقیناً، وہ مصری قانون کو کھلے طور پر توڑنے سے ڈرتے تھے، اگر ڈرتے نہ ہوتے، تو جو چال انہوں نے چلی تھی، اس کی ضرورت ہی نہیں پڑسکتی تھی!

پس یہ دلیل قطعاً درست نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصود مصری قانون کو توڑنا تھا، نہ ہی انہوں نے حقیقتہً اس قانون کو توڑا، بلکہ اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر ایک ذاتی ضرورت کے لیے استثنا پیدا کیا۔ ایک استثنائی معاملے کو مقصد قرار دینا خلافِ تحقیق ہے!

اس سے آگے چل کر آپ الّا ان یشآء اللہ کے معنیٰ کی بحث میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ یہ ایک اتفاقی استثناء ہے نہ کہ وقوعی، پھر آپ نے قرآن مجید کی چند آیات پیش کر کے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان آیات کا جو مفہوم آپ نے پیش کیا ہے، وہ درست ہے اور کسی زیرِ بحث آیت کے کوئی خاص معنی ثابت کرنے کے لیے تفسیر کا یہ اصول بھی ہے کہ دوسری آیتوں سے سند حاصل کی جائے، لیکن تنہا اسی طریقے پر تکیہ لگانا بھی قطعاً جائز نہیں ہے۔ تفسیر کا مقدم طریق، سیاق و سباق کی تعبیر سمجھا گیا ہے۔ جب تک سیاق و سباق کا معاملہ طے نہ ہوجائے، دوسری آیتوں کی طرف رجوع کرنا، نہ صرف فنِ تفسیر میں بلکہ

اصولی بحث میں بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیا آپ نے آیۂ زیر بحث سے اگلی اور پچھلی آیتوں پر بھی غور کر لیا ہے؟ تعجب ہے کہ آپ ایک بنیادی اصول کو چھوڑ کر ایک ثانوی جزو بحث کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اپنے استدلال کا سارا زور صرف اسی بات پر صرف کر ڈالتے ہیں کہ الا ان یشاء اللہ کا مطلب فلاں آیت میں ایسا ہے اور فلاں آیت میں یوں ہے، لہٰذا حضرت یوسفؑ کے معاملے میں بھی اس کا مفہوم وہی ہونا چاہیے، جو آپ نے اپنے ذہن میں تراش کر رکھا ہے!

آیۂ "دین الملک" اور اس سے پہلی آیتوں پر غور کیجیے۔ حضرت یوسفؑ کا سارا طرزِ عمل، اُن کی ایک مستقل عادت پر روشنی ڈالتا ہے، یعنی وہ مصری قوانین کا احترام کیا کرتے تھے۔ وہ ایک بہت بڑی پوزیشن کے مالک تھے، یعنی، سلطنتِ مصر کے وزیر خزانہ، یہ بلند دنیوی مرتبہ بھی اُن میں اتنی جرأت نہیں پیدا کر سکتا کہ ایک بالکل معمولی معاملے میں یعنی ایک پیالے کی چوری کی سزا دیتے وقت بھی، ملک کی سزا دیتے وقت بھی، ملک کے قانون کو نظر انداز کر سکیں۔ وہ یہ چال چلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے ہی بھائیوں کی زبان سے اس بات کا اقرار لے لیں کہ اگر چوری ثابت ہو جائے تو انہیں ان کی اپنی شریعت کے مطابق سزا دی جائے۔ یہ چال کیوں اختیار کی گئی؟ اس لیے کہ حضرت یوسفؑ اس امر کے مجاز نہ تھے کہ مصر کی مقررہ تعزیرات کے خلاف خود ہی ایک سزا تجویز کر کے، اس کو نافذ بھی کر سکیں۔ پس جو شخص اتنی معمولی سی بات کے لیے بھی کسی حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کی کھلی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، اس کے متعلق یہ یقین کرنا مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے نظامِ حکومت کا پابند اور وفادار ہے اور یہی ایک دلیل یہ ثابت کرنے کے لیے بھی کافی ہے کہ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہ کا استثناء اتفاقی نہیں بلکہ وقوعی ہے۔

پھر آپ فرض کر لیتے ہیں کہ اگر اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہ وقوعِ مشیت پر ہی دلالت کرتا ہے اور اس کے وہی معنیٰ ہیں جو آپ لے رہے ہیں یعنی "مگر اللہ نے چاہا کہ یوسفؑ دینِ ملک کی اطاعت کریں" تو اس سے مشیتِ الٰہی کی اطاعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ قانونِ شاہی کی! ——— یہ معنیٰ نہ جانے کس سے منسوب کیے جا رہے ہیں؟ ایک عجیب و غریب مطلب خود ہی قائم کر لینا، اور اس کی بنیادوں پر دلایل کا بوجھ لادنا، موضوع سے کتنی ہٹی ہوئی بات ہے! کتنے صاف الفاظ ہیں اور کتنا سادہ مطلب، یعنی:

..... مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط	بادشاہ کے قانون کے مطابق، وہ مشیتِ خدا کے سوا اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے!

آپ نے یا اُس شخص نے جس سے آپ اپنا پیش کردہ ترجمہ منسوب کرسکتے ہیں، مفہوم کو کس حد تک بگاڑ کر رکھ دیا ہے؛ پھر اس ترجمے پر آپ اعتراض کرتے ہیں، اپنے دلایل کی عمارت تعمیر کرتے ہیں اور بات اپنے دائرے سے نکل کر دُور دُور تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ آیت کے الفاظ میں خدا تعالیٰ اپنی جس مشیت کا اظہار کرتا ہے وہ دین الملک کی اطاعت یا عدم اطاعت کی طرف راجع نہیں، بلکہ اس کا براہِ راست تعلق مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاہُ کے ساتھ ہے مطلب یہ کہ دین الملک کی موجودگی میں حضرت یوسفؑ اپنے بھائی کو گرفتار ہی نہیں کرسکتے تھے۔ مَا کَانَ لِیَاْخُذَ کے الفاظ یہ ظاہر نہیں کرتے کہ انہیں بادشاہ کے قوانین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی اطاعت کے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ صرف بنیامین کے معاملے میں ان کی ایک مخفی تدبیر کے باعث استثناء پیدا ہوگیا تھا!

زیرِ نظر مفروضے پر ایک اور دل چسپ بات پیدا کردی گئی ہے، یعنی "اگر خدا کی مشیت یہی تھی کہ یوسفؑ اپنے مَلِک کی اطاعت کریں، تو اس سے مشیت الٰہی کی اطاعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ قانون شاہی کی، جب اللہ نے چاہا تو اس کا چاہنا ہی یوسفؑ کے لیے قانون ہوگیا، اطاعتِ الٰہی اور کس چیز کا نام ہے"؟ —— بہت خوب!

حضرت یوسفؑ کے لیے، یعنی، ایک جلیل القدر پیغمبر کے لیے، تو خدا کی مشیت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک غیر مسلم بادشاہ کی اطاعت کریں، لیکن ہمارے اور آپ کے لیے یہ مشیت کیوں قائم نہیں رہتی؟ اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوسکتی، تو ہم بدبختوں نے ایسا کیا جُرم کیا ہے کہ ہم کسی غیر مسلم حاکم کے قوانین کی برضا و رغبت نہ سہی، بجبر و اکراہ بھی اطاعت نہیں کرسکتے؟ آخر وہ خدا کس اصول کا خدا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے حق میں اُس کی مشیت کچھ اَور ہوتی ہے اور ہمارے حق میں کچھ اَور؟ ملائکہ کے سجدۂ لِآدم کے متعلق آپ کا یہ ارشاد بھی کیا انوکھے استدلال پر مبنی ہے کہ ایک وقت میں یہ سجدہ اطاعتِ الٰہی میں شامل تھا اور اب مشرک قرار پاگیا ہے۔ کوئی دلیل دیجیے کہ اب یہ سجدہ فی الحقیقت روک دیا گیا ہے! آپ بالکل غلط سمجھے ہیں۔ ملائکہ اب بھی انسان کے ساجد ہی ہیں اور ہمیشہ ساجد ہی رہیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے اور ہمیشہ اٹل ہی رہے گا! خلقنٰکم ثم صورنٰکم ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم۔ تم سب کو بناکر اور صورتیں عطا کرنے کے بعد ملائکہ کو آدم کا ساجد بنایا۔

آگے چل کر "العزض حراستِ سارق" کے الفاظ سے آپ کا استدلال ایک اور پینترا بدلتا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ حراستِ سارق کا قانون، اوّل تو قانونِ مَلِک تھا ہی نہیں" حیران کن ہی نہیں پریشان کن بھی ہے اسمجھ میں نہیں

آتا، اس بارے میں ہم آپ کے مخاطب ہی کس طرح قرار دیے جا سکتے ہیں؟ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ حواست سارق کا قانون، شاہ مصر کا قانون تھا۔ پھر آپ خواہ مخواہ تردید کی لاٹھی سے اسے کیوں ہانکتے جا رہے ہیں؟ اور گُن انگ کی نالیوسعت کے یہ معنی کہ یہ تدبیر ہم ہی نے یوسفؑ کے لیے پیدا کر دی" اتنے غلط، بے محل اور بے قرین و قیاس معنے ہیں کہ کوئی صحیح فکر و تدبر انہیں ایک لمحے کے لیے بھی گوارا کرنے کو تیار نہیں۔ آپ نے لغت ہی کی گردن پر کُند چھری نہیں چلائی، قرآن مجید کے انداز متانت اور اسلوب بیان تک کو نظر انداز کر دیا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی تدبیر، یقیناً خدا کی تدبیر نہیں کہلا سکتی اور اگر وہ وہی خدا ہے جو سب پیغمبروں کا خدا اور اسلام جیسے عظیم المرتبت دین کا خدا ہے، تو یقین کیجیے، وہ ایک لمحے کے لیے بھی کسی شخص کے لیے ایسی تدبیر پیدا نہیں کر سکتا، جیسی تدبیر حضرت یوسفؑ نے استعمال کی۔ یہ کیوں کر تسلیم کر لیا جائے کہ خدائے برحق اپنے ایک پیغمبر کو اس قسم کی چالیں سکھائے کہ کسی شخص پر چوری کا الزام رکھنے کے لیے اس کے غلّے میں پیالہ رکھ دیا جائے، پھر اس شخص کی تلاشی لے کر اسے گرفتار کر لیا جائے۔ یہ چال، یہ مخفی تدبیر کوئی انسان ہی اپنے ذہن سے نکال سکتا ہے، خدا اس قسم کے الزاموں سے قطعاً بری ہے کہ لوگوں پر چوری کے الزام لگانے کے ڈھنگ تیار کر کے انہیں الہام کی صورت میں نازل کرے۔

پھر اس واقعہ کے پس پشت، کوئی عظیم الشان مقصد ہوتا، کسی قوم کی اصلاح منظور ہوتی، کسی وسیع بدنظمی یا عالم گیر شر و فساد کو نیست و نابود کر کے اس کے بجائے الٰہی حکومت کا قیام مدنظر ہوتا تو بھی دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی جاتی کہ خدا نے ایک شخص کو خواہ مخواہ کا چور بنا کر، کم از کم ایک عظیم الشان مہم تو سر انجام دے لی۔ بلا سے ایک آدمی بدنام ہوا، دنیا کی بگڑی ہوئی حالت تو سنور گئی۔ پروا نہیں ایک شخص گرفتار ہو گیا، اس کے بدلے خدا کی حکومت تو قائم ہو گئی۔ مضائقہ نہیں: ایک پیغمبر نے کسی آدمی پر غلط الزام لگایا، کسی بہت بڑے فتنے کا استیصال تو ہو گیا، لیکن جب بنیامین کو گرفتار کر لینے سے دین یا انسانیت کے کسی گوشے میں ادنیٰ تغیر بھی واقع نہیں ہوتا، تو اس صورت میں آپ کا دل یہ رائے قائم کر لے تو کر لے، کہ اس مخفی تدبیر کا پیدا کرنے والا خدا ہی تھا، ہم اتنی جرأت کہاں سے لائیں کہ خدا کو اس کا ذمہ دار قرار دے سکیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق کار تو سرے سے حضرت یوسفؑ کے شایان شان نہیں تھا، چہ جائیکہ اسے خدا کی طرف منسوب کرنے کا خیال تک بھی دل میں لایا جائے۔

مولانا! آپ غور نہیں کرتے کہ حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لینا خدا کے نزدیک آخر کیا اہمیت رکھتا ہے؟ یہ ان کی ذاتی دلچسپی تھی، ذاتی خواہش اور محبت کا معاملہ تھا، ایک خون تھا، ایک باپ

کے دو بیٹے تھے، برادرانہ محبت کا ایک ولولہ تھا، اُن کے اپنے نفس و قلب کی ایک ترغیب تھی، جسے انہوں نے بہ ہر صورت پورا کرنے کی کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے۔ خدا کو اُن کی ذاتی دل چسپیوں کے مطابق خفیہ تدبیریں سوچنے اور نازل کرنے کی ضرورت بھی کیا ہو سکتی ہے؟

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ خلش پیدا ہو چکی ہوگی کہ آخر کذٰلک کِدْنا لیوسف کا مطلب کیا ہے؟ اس کے لیے زیادہ شش و پنج میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید کو ابتداء سے کھول لیجیے اور ورق پر ورق اُلٹتے جائیے۔ تمام انسانوں کے اچھے اور بُرے اعمال کی دو ہی نسبتیں نظر آئیں گی۔ پہلی نسبت براہ راست انسان کے ساتھ اس لیے کہ کسی اچھے یا بُرے فعل کا فاعل حقیقی وہی ہے اور دوسری بالواسطہ خدا کے ساتھ، اس لیے کہ انسان کی نیکی اور بدی کی قوتوں کو پیدا کرنے والا وُہی ہے، مگر ان قوتوں کا خالق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اُس نے انسانی اعمال کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی ہے، بلکہ ان سے مقصود صرف انسان کے عمل و کردار کی آزمائش ہے۔ نیکی اور بدی کی تمیز انسان کی فطرت میں ودیعت کرنے کے بعد اُس کی بساط کے مطابق چند اختیارات دے کر اُسے اس اعلان کے ساتھ کھلا چھوڑ دیا گیا ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط (ھود۔ ۷)	(تمہاری تخلیق سے) مقصد یہ ہے کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے؟

قرآن مجید میں مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ کا جملہ، بار بار دیکھنے میں آتا ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا ہی انسانوں کو گُمراہ کرتا ہے؟ اگر فی الحقیقت خدا پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے، تو جبریہ کا یہ خیال کہ انسان مجبور محض ہے، جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے، خدا ہی کے ایماء سے ہوتا ہے، بلاحیل و حجت درست ماننا پڑے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نیکی اور بدی کی ترغیب و ترہیب اور جزا و سزا یا عذاب و ثواب کا انذار و تبشیر ایک چیستان، ایک عقدہ لاینحل قرار پا جائے گا۔

ان باتوں کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ جیسے جیّد اور فقیہ و خطیب، عالم کو خدانخواستہ قرآن مجید کے مبادیات سے نابلد سمجھا جا رہا ہے، بلکہ مقصود صرف اتنا ہے کہ آپ کے سامنے بحث و نظر کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی جا سکے، تاکہ تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر آپ اپنے خیالات پر غور کر سکیں۔

پس جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ ممتحن نے فلاں طالب علم کو فیل کر دیا ہے، حالاں کہ وہ طالب علم خود ہی فیل ہوتا ہے اور جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فلاں شخص و قوم کو گُمراہ کر دیا ہے، حالاں کہ ان کی گُمراہی

ن کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح یہ بھی کہا جائے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ایک مخفی تدبیر[1] کی تھی، حالاں کہ تدبیر اُن کی اپنی ہی تھی ——— آپ نے "تدبیر کرنا" کے بجائے "تدبیر پیدا کرنا" کے لفظوں سے دانستہ یا نادانستہ یہ غلط فہمی پھیلانی چاہی ہے کہ گویا وہ تدبیر یوسف علیہ السلام کے بجائے خدا نے "پیدا" کی تھی، مگر اوپر جو مثالیں پیش کی جا چکی ہیں، اُن کی روشنی میں یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ تدبیر کے محرک یوسف علیہ السلام ہی تھے۔ خدا کو اس کے ساتھ اتنا ہی تعلق تھا، جتنا کسی گم راہ شخص کی گم راہی کے ساتھ یا جتنا کسی ممتحن کو ایک طالب علم کی ناکامی کے ساتھ! پھر آپ کا یہ ارشاد کہ "یہ تو محض حیلے تھے، جو اللہ ہی نے بتلائے تھے" خدائے پاک کی شان کے خلاف نہ سمجھا جائے، تو کیا سمجھا جائے؟

بے شک آپ کا یہ دعویٰ درست ہے کہ کوئی نبی غیر الٰہی قانون کی اطاعت نہیں کر سکتا، مگر آپ نے "غیر الٰہی قانون" کے معنی پر بھی کبھی غور کیا؟ کوئی قانون، خواہ وہ انسان ہی کا بنایا ہوا قانون کیوں نہ ہو، اس وقت تک غیر الٰہی نہیں کہلائے گا، جب تک اس کے بنانے والے کی نیت میں فتور شامل نہ ہو کہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کر کے اپنے قانون کا سکہ رائج کرے گا۔ دُنیا میں بے شمار قومیں پیدا ہوئیں اور انھوں نے اپنے اپنے حالات و ضروریات کے مطابق، ملک میں امن و انتظام کی خاطر سیاسی اور تمدنی قوانین بھی وضع کیے۔ کسی بھی پیغمبر کے دماغ سے یہ بے جا توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک قوم کے اُس نظامِ حیات میں خواہ مخواہ دخل دے گا، جو پہلے ہی سے قیامِ امن کے مقاصد میں کام یاب چلا آ رہا ہے۔

پھر آپ یہ فرماتے ہیں کہ محض کسی واقعے کو حکم یا اجازت تصور کر لینا ضروری نہیں۔ مولانا! جو واقعات ہماری عملی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور جو واقعات اب پیدا ہو سکتے ہیں، اُن کو قرآن مجید میں بیان کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم ان سے نتائج کا استنباط کر کے اپنی روزانہ زندگی کو بہتر اور کامیاب بنائیں۔ آپ نے آیہ خروا لہ سجداً کی جو روایتی تفسیر سمجھی ہے، وہ سرے سے غلط ہے۔ اس پر تفسیر کبیر کی مترجمہ ذیل عبارت

---

[1] قولہ تعالیٰ لا یہدی کید الخائنین یعنی اللہ تعالیٰ خائنوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے لوگوں کی چال کو کامیاب ہونے کا موقع دے دیتا ہے جن کا مقصد خیانت نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی چال تھی جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو چلنے کا موقع دے کر اپنی طرف منسوب کیا ہے ورنہ اس کی ذمہ داری یوسفؑ ہی کے اختیار و ارادہ پر پڑتی ہے اور اگلی آیت نرفع درجات من نشاء وفوق کل ذی علم علیم بتا دیتی ہے کہ یوسفؑ سے کوئی بلند درجہ اور فائق العلم ہوتا تو الا ان یشاء اللہ کے تحت کوئی مستحسن طریق اختیار کر سکتا تھا۔ (البیان)

لیے :

"یعقوب علیہ السلام یوسف کے باپ تھے اور باپ کا حق بڑا ہے۔ کما قال وقضٰی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا۔ اس آیہ شریفہ میں (۱) اللہ کی عبادت خالصہ اور ماں باپ پر احسان کرنے کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے (۲) اور نیز وہ بوڑھے تھے اور جوان پر بوڑھے کی تعظیم واجب ہے (۳) اور وہ اکابر انبیاء سے تھے اور یوسف بھی اگرچہ نبی تھے لیکن یعقوب کا حال ان سے فائق تھا۔ یہ اور اس قسم کے کئی اسباب ہیں جن کا اقتضاء ہے کہ یوسف حضرت یعقوب کی خدمت میں مبالغہ کریں۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ یوسف نے والدین کا سجدہ اپنے لیے روا رکھا ہو۔

عطاء کی روایت میں ابن عباس کا قول منقول ہے کہ خروا لہٗ سجداً اے لاجلہ وجلہ اللہ سجد اللہ تعالیٰ۔ یعنی یوسف کو پالینے کے شکریہ میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا، حاصل کلام یہ کہ یہ سجدۂ شکر تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا گیا تھا اور اس تاویل کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ

ورفع ابویہ علی العرش و	اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ گر پڑے
خروا لہٗ سجداً	اس کے سجدہ میں۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ اس تخت کے اوپر چڑھ گئے تھے۔ اس کے بعد ساجد ہوئے۔ اگر یہ سجدہ یوسفؑ کو ہوتا تو تخت پر چڑھنے سے پہلے ہوتا، تاکہ داخل تواضع ہوسکتا۔ اگر آپ کہیں کہ یہ تفسیر ھذا تاویل رؤیای من قبل کے خلاف ہیں جس کا مطلب ہے کہ میں نے گیارہ ستارے اور چاند سورج اپنے لیے ساجد دیکھے" ہم کہتے ہیں کہ یہ تفسیر بالکل مطابق اور اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے سورج اور چاند اور تاروں کو دیکھا کہ میری بلندی منصب اور طلب مصلحت کے لیے اللہ کے حضور سجدہ گزار ہیں ——— اور یوسف کی عقل اور دین داری کس طرح برداشت کرسکتی تھی کہ اپنے لیے ماں باپ کا سجدہ پسند کرے جب کہ وہ حقوق ولادت، شیخوخت، علم، دین اور کمال نبوت میں اس پر سبقت رکھتے ہیں۔ بعض لوگ اس سجدہ کو سجدہ تواضع کہتے ہیں، حالاں کہ خرور (گرنا)، سجدہ کی انتہا واکملیت پر دلالت کرتا ہے ——— اگر کہا جائے کہ یہ تعبیر خواب ہے تو ہم کہیں گے کہ ضروری نہیں کہ خواب کی تعبیر صورت و صفت اور ہر لحاظ سے خواب کے

مطابق ہو۔ کواکب شمس اور قمر کی تعبیر یہ ہوگی کہ اکابر خلائق آپ کی تعظیم کریں گے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یوسفؑ کی خاطر سے یعقوبؑ کا اپنی اولاد سمیت مصر میں جانا اس کی انتہائی تعظیم ہے اور صحت رویا کے لیے اسی قدر کافی ہے۔"

یہاں تک امام رازیؒ کا بیان ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خواب کے معبر اول یعقوبؑ نے کہیں نہیں کہا، میں، تیری ماں اور تیرے بھائی تجھے سجدہ کریں گے۔ وہ تو صاف کہتے ہیں: یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمتہ علیک وعلی آل یعقوب کما اتمہا علی ابویک۔ (۱) تیرا رب تجھے مجتبیٰ کرے گا (۲) تاویل احادیث کا علم دے گا (۳) تیرے آباء کی طرح تجھ پر اتمام نعمت کرے گا اور بس۔ کیا آپ کے آباء ابراہیمؑ واسحاقؑ کو اسی طرح والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا؟ ——— پھر اس خروا لہ سجدًا سے متعلق ایک اور توجیہ بھی ہو سکتی ہے جو شاید زیادہ اقرب ہو، آیہ ماقبل سے واضح ہے کہ حضرت یوسفؑ ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے، سب کو ساتھ لے کر بالخصوص اپنے والدین کو اپنے قریب جگہ دے کر (آوی الیہ) شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

وقال ادخلوا مصر ان شاء اللہ امنین و	اور کہا مصر میں اگر اللہ چاہے تو امن سے داخل ہو جاؤ
رفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدًا	اور (اللہ نے) اس کے والدین کو تخت پر بلند کیا اور وہ

سب (یوسف، اخوان اور والدین، اس مرتبہ و ملاقات کی نعمت پر) اللہ کے لیے سجدے میں گر پڑے یہاں "شاء" کا فاعل صراحتاً اللہ ہے، اس کے ساتھ "رفع" کا فاعل اور "لہ" کی ضمیر کا مرجع بھی اللہ ہی سمجھنا چاہیے۔

اور لیجیے، تورات کا ایک حوالہ بھی سامنے آگیا، آپ نے چند آیات نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ حضرت یوسفؑ سارے مصر کے مختار کل تھے، وہ سیاہ و سفید کے مالک تھے اور ملک میں ان ہی کا حکم و قانون چلتا تھا" ——— مگر اس کا کیا علاج کہ قرآن ان کی اس پوزیشن کی تصدیق نہیں کرتا۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ صرف مشیر مالیات تھے (قال اجعلنی علی خزائن الارض) دوسرے نظم و نسق میں انہیں اتنا بھی اختیار حاصل نہ تھا کہ کوئی حیلہ بہانہ اختیار کیے بغیر، کوئی غیر ملکی قانون اختیار کر کے ایک شخص کو حراست ہی میں لے سکیں۔

اور چلو ہم مان لیتے ہیں کہ وہ بعد میں مصر کے بادشاہ بھی بن گئے تھے، لیکن ابتدا میں سال دو سال

پانچ یا سات سال، یا کوئی اور مدت، جس کی تعیین نہیں کی جاسکتی، بہر حال انہوں نے "دین الملک" کے مطابق زندگی بسر کی ہوگی۔ اگر یہ مدت، ایک مہینے کی مدت بھی مان لی جائے تو بھی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ بہ تقاضائے حالات، کسی غیر مسلم بادشاہ کے قوانین کے مطابق کوئی فرد یا افراد اپنا وقت گزار لیں، تو عنداللہ یہ کوئی جرم نہیں۔ اگر یہ جرم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، خود حضورؐ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کی ایک جماعت، حبشہ کے عیسائی فرماں روا نجاشی کی مملکت میں کبھی مقیم نہ ہوسکتی تھی۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ مسلمانوں نے اس عیسائی حکمران کے پاس جاکر اس سے پناہ مانگی تھی؟ کیا کوئی سلیم الطبع انسان ایک منٹ کے لیے بھی یہ تصور کرسکتا ہے کہ خیرالقرون کے ان مسلمانوں نے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھیجی ہوئی جماعت نے حبشہ میں داخل ہوکر ایک مسیحی بادشاہ کے احکام و قوانین کی اطاعت نہیں کی ہوگی؟ پھر جو خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کو یہ اجازت دے سکتا ہے کہ وہ ایک غیر مسلم حکومت کی سرزمین میں جاکر قیام کریں اور اس حکومت کے نظم و نسق اور حکم و قانون کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں، وہی خدا حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے بھی یہ گوارا کرسکتا ہے کہ وہ نہ صرف شاہ مصر کے احکام کی تعمیل ہی کریں، بلکہ اس کے نظام حکومت میں ایک عہدہ بھی حاصل کرلیں۔

آپ نے ان الحکم الا للہ کی تشریح و تفسیر پر غالباً اپنے قلم کا سارا زور صرف کردیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ شان خطابت صرف لفظوں ہی میں دکھائی جاسکتی ہے۔ جو تاریخی حقایق اوپر پیش کیے گئے ہیں، ان سے آنکھیں موند لینے سے وہی کچھ لکھا جاسکتا ہے، جو آپ نے لکھ دیا ہے۔ اس امر کی کوئی پروا ہی نہیں کی گئی کہ ہر بات کا ایک موقعہ ہوتا ہے، ہر چیز کا ایک محل ہوتا ہے، ہر زمانے کا ایک تقاضا ہوتا ہے۔ اگر وہ مسلمان، جو ہجرت کرکے ایبے سینا میں داخل ہوئے تھے، اگر وہ بھی شاہ حبشہ کے خلاف یہ نعرہ بلند کردیتے کہ ہم صرف خدا ہی کا حکم مان سکتے ہیں، تمہارے ملک میں رہ کر، تمہارے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت نہیں کرسکتے تو آپ اندازہ نہیں لگاسکتے ان کا انجام کیا ہوتا، مگر سچی بات تو یہ ہے کہ اتنی جرأت کہاں سے لاتے؟ غنیمت ہے کہ قرآن کے نزول سے چودہ سو برس بعد ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے جارہے ہیں، جو قرآن کی آیات کے مطالب کو مہاجرین مکہ سے بھی بہتر سمجھنے کے مدعی ہیں۔

اور یہ آپ نے کیا فرمایا کہ اولاً حراست برادر قانون ملک کے رو سے ہوئی ہی نہیں، بلکہ قانون آل یعقوبؑ کے مطابق ہوئی"؟ آفرین ہے اس نکتے پر کہ حضرت یوسفؑ کے کید و تدبیر کو قانون آل یعقوبؑ کے

مطابق قرار دیا جارہا ہے۔ کیا آلِ یعقوبؑ کا قانون یہی تھا کہ پہلے کسی شخص کو زبردستی چور بنالو اور پھر چور، چور کہہ کر اُسے گرفتار کرو؟ مولانا! حضرت یوسفؑ کا طرزِ عمل، کسی قاعدے اور قانون کے مطابق تھا ہی نہیں، اپنے دل کا گھڑا ہُوا قانون تھا جو انہوں نے اپنی ذاتی ضرورت کے مطابق استعمال کرلیا۔ آپ بار بار یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے آلِ یعقوبؑ کے قانون پر عمل کرکے، شاہِ مصر کے قانون کو توڑا ہے اور میں بار بار یہ اصرار کرتا جارہا ہوں کہ حضرت یوسفؑ کو یہ اختیار ہی نہ تھا کہ وہ قانون شکنی کی راہ اختیار کرسکیں! اس غلط اور کمزور بنیاد پر آپ اپنے دلایل کی جتنی بھی عمارت تعمیر کرتے جارہے ہیں، وہ ریت پر کھڑی کی گئی عمارت کے مترادف ہے اور اس کا قائم رہنا، ناممکن ہے!

اولاً یہ دعویٰ کرنا کہ "حراستِ برادر، قانونِ ملک کی رُو سے ہوئی ہی نہیں" اور اُس کے ماتحت دلایل اختیار کرنا، پھر یک لخت پلٹا کھانا کہ اگر ایسا ہُوا بھی ہے، تو حضرت یوسفؑ نے اس قانون کو اپنا لیا تھا، پھر اس "اپنا لینے" کے مفروضے پر بھی دلایل وضع کرنا، ایک عجیب و غریب تضاد ہے۔ یہ کس نے کہا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے شاہِ مصر کا قانون اپنا لیا تھا؟ جس بزرگ کے شکوک رفع کرنے کے لیے آپ نے یہ مضمون لکھا ہے، یہ دعویٰ انہوں نے کیا ہوگا۔ نہ ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے، نہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ حضرت یوسفؑ نے یہ قانون شاہِ مصر سے لے کر اپنا لیا تھا، لہٰذا ہمارے نزدیک اس موضوع پر آپ کی ساری عبارت آرائی خارج از بحث ہے۔

پھر آگے چل کر یہ سوال چھیڑ دیا گیا ہے کہ غیر اللہ سے تحاکم اور فیصلہ طلبی جائز ہے یا ناجائز؟ آپ کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً حرام ہے، دین میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی غیر مسلم حاکم قرآن مجید کے احکام کے مطابق بھی اپنے فیصلے نافذ کرے، تو بھی اس کے فیصلوں کو ماننا شرک ہے۔ مگر میں کہتا ہوں سوال یہ نہیں کہ تحاکم الی الطاغوت جائز ہے یا ناجائز؟ (کوئی بدبخت اور جاہل اور قرآن مجید کے علم سے کورا مسلمان ہی یہ بحث چھیڑ سکتا ہے، کیوں کہ از روئے قرآن، مسلمانوں کو قطعاً یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ غیر الٰہی عدالتوں سے تحاکم کریں) بلکہ سوال یہ ہے کہ بے چارگی اور غلامی کی حالت میں مسلمان، تحاکم الی الطاغوت کے لیے مجبور ہیں یا نہیں؟ آپ کے یا کسی اور شخص کے انکار سے کیا ہو سکتا ہے؟ سامنے نظر آرہا ہے کہ مسلمان مجبور ہیں، بے بس ہیں، ان کی مالی حالت دگرگوں ہے، ان کی تعلیمی حیثیت افسوس ناک ہے، ان کی تنظیم صفر کے برابر ہے، ان کا کوئی امیر نہیں، ان کے پاس سامانِ حرب نہیں کہ وہ مسلح ہوکر ایک امیر یا ایک کمانڈر کے حکم کے ماتحت

ہو کر حصولِ آزادی کی جدوجہد کا آغاز کر سکیں، ان ساری چیزوں کو ایک طرف رکھ دیا جائے، اور آپ کے اس اصرار کو ایک طرف کہ غیر الٰہی نظامِ حکومت کو تسلیم کرنا ہی شرک و حرام ہے، تو مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کریں گے!

اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی چند آیات کے رُو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کو تحاکم اگر کرنا ہے تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو کر سکتے ہیں۔ مثلاً:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء، آیت ۵۹)	اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے، تو اگر خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو خدا اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو!

اور اس سے آگے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (النسآء ۶۵)	تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعوں میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہونگے!

آیتیں واضح ہیں اور ان کے مفہوم میں اغلاق و ابہام کی کوئی گنجائش بھی نہیں، مگر آپ نے یہ بھی سوچا، ان آیتوں کے مخاطب کون ہیں؟ ان کے مخاطب وہ مسلمان ہیں، جن کے پاس رسول موجود ہے اور اگر رسول نہیں، تو اس کا نمایندہ، یعنی، خلیفہ، اولی الامر یا امیر موجود ہے۔ سورۃ النساء حضرت خاتم النبیینؐ کی مدنی زندگی میں نازل ہوئی تھی، اور آپ اس سورت کو ایک نظر دیکھ جائیے، اس میں یتامیٰ کے حقوق، نکاح و طلاق اور مہر کے ضابطے میراث اور تقسیم میراث کے اصول، قرض، وصیت اور تزوّج و زنا کے بارے میں قوانین و تعزیرات، جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب، قتل و قصاص اور دیت، نماز اور اس کی شرائط، اتہام و بہتان اور خیانت کی مذمت، شہادت اور عدل و انصاف کی تلقین، غرض کہ وہ تمام موٹے موٹے مسائل حل کر دیئے گئے ہیں، جو کسی جماعت کی روزانہ زندگی میں پیش آسکتے ہیں اور جن کے ماتحت، کوئی اسلامی عدالت اپنا ضابطۂ تعزیرات مرتب کر سکتی ہے۔

یہ آیتیں مکی زندگی ہی میں کیوں نازل نہ ہوئیں؟ مسلمان، اس وقت بھی مسلمان ہی تھے، جب اُن کا قیام مکّے میں تھا، دس برس کی طویل مدت گزر گئی، مگر یہ احکام نازل نہ ہوئے، مگر جب انہوں نے مدینے میں پہنچ کر طاقت حاصل کر لی، اُن کا مرکز بن گیا، ان کا نظام قائم ہو گیا اور ان کی مرکزی شخصیت کے پاس، قوت حاکمہ

اور قوت نافذہ کا مکمل انتظام ہوگیا، تو خدا تعالیٰ کی علیم وحکیم مشیت نے، اُس زمانے میں ان احکام کو بھی نازل کرنا ضروری سمجھا ——— پس اس صورت میں جب کہ ان کا ڈسپلن قائم ہوچکا تھا، ایک اولامر کی راہ نمائی انہیں میسر تھی، ان کی سیاسی ضرورتوں کے لیے ان کے روزانہ تمدن کے لیے، ان ہی میں سے ایک امیر کے ہاتھوں میں خدا تعالیٰ کا مرتب کیا ہوا دستور موجود تھا، تو از روئے عقل ودین، ان کا فرض تھا کہ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول پر پورا پورا عمل کرتے، ان کا یہ دعویٰ کہ ہم خدا اور رسول پر ایمان لاتے ہیں، سچا نہیں مانا جاسکتا تھا، تا وقتیکہ اپنے تنازعوں میں، رسول یا رسول کی وفات کے بعد اس کے خلفاء سے تحاکم نہ کرتے۔

آپ آیاتِ زیر بحث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تحاکم الی الرسول کا حکم، ایک مطلق حکم ہے، جس پر عمل کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں، مگر آپ کا یہ دعویٰ قطعاً درست نہیں ہے۔ یہ حکم مطلق نہیں، بلکہ مشروط ہے یعنی ہم میں نایب رسول یا اولی الامر کا موجود ہونا شرط ہے اور اس سے تحاکم مشروط۔ جب مسلمانوں میں کوئی صاحب اختیار اور صاحب حکم امیر ہی موجود نہیں، تو وہ ان آیتوں پر عمل ہی کس طرح کرسکتے ہیں اور عمل نہ کرسکنے کی صورت میں (یعنی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں) آپ کو یا کسی اور شخص کو کیا حق حاصل ہے کہ انہیں دائرہ ایمان سے خارج قرار دینے کی جرأت کرے؛ جب صاف نظر آرہا ہے کہ ہم میں سرے سے 'شرط' ہی موجود نہیں، تو مشروط قائم رکھنا کس طرح ممکن ہے؟! اذا فات الشرط فات المشروط: جب شرط ساقط ہوگئی، تو مشروط خود بخود ساقط ہوگیا!

مسلمان اپنے تنازعے رسول ہی سے فیصل کراسکتے ہیں ——— اگر اس حکم کی بے قید وشرط تعمیل ممکن ہوتی، تو یہ مکّی زندگی میں نازل ہوچکا ہوتا، مگر خدا کو معلوم تھا کہ جب پیغمبر اسلامؐ کے پاس قوت حاکمہ موجود نہ ہوگی؛ نہ تو مسلمان ہی اپنے تنازعے اُن کے پاس لے جاسکتے ہیں اور نہ حضورؐ ہی کے واسطے یہ ممکن تھا کہ اپنے فیصلوں کا نفاذ کرسکیں۔ پس یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی زمانہ مسلمانوں پر ایسا بھی آسکتا ہے، جب کہ انہیں مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس حکم کی تعمیل سے معذور سمجھا جاسکے؛ ورنہ آپ ہی بتائیں کہ ہندوستان کے مسلمان اس ارشاد خداوندی کی تعمیل کس طرح کرسکتے ہیں؟ نہ اُن کا کوئی امیر ہے اور نہ اُن کے پاس ایسی عدالتیں ہیں، جہاں قرآنی احکام کے مطابق اُن کے تنازعوں کا فیصلہ ہوسکے۔ اگر مسلمان اتفاق کرکے کسی ایک شخص کو اپنا امیر بھی مقرر کرلیں، تو بھی قرآن کا منشاء حل نہیں ہوتا۔ انگریزوں سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی سلطنت کے اندر ایک نئی متوازی حکومت (Parallel Government) کے قیام کی اجازت دیں گے،

جو قرآنی احکام کے مطابق، تمام مسلمانوں کے تنازعوں کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہو۔ حصول آزادی کے لیے بھی اس وقت تک ہجرت، خلافت، احرار و خاکسار کے ناموں سے جو تحریکیں پچھلے سالوں میں برپا ہوئی ہیں، سب ایک ایک کرکے ناکام ہو چکی ہیں، اس بے چارگی کی حالت میں اگر مسلمان "طاغوتی" عدالتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو یقین کیجئے انہیں کوئی مجبوری ہی وہاں لے جاتی ہے، ورنہ یہ کسے معلوم نہیں کہ ان عدالتوں کے ذریعے انصاف کی کس قدر مٹی پلید ہوتی ہے اور حصول انصاف کے لیے کتنی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے!

آپ نے اپنے مضمون میں بڑی کثرت وتکرار کے ساتھ الٰہی اور غیر الٰہی حکومت کے لفظ استعمال کیے ہیں اور بڑے اذعان کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ غیر الٰہی حکومت کو تسلیم کرنا ہی کفر و شرک ہے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ صادر کرتے وقت غور و فکر کی قوتوں کا صحیح استعمال کرنے کی تکلیف نہیں فرمائی۔ الٰہی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو ایک مجلس شوریٰ کے بنائے ہوئے اولی الامر کے ماتحت، قرآنی احکام و قوانین کو عملاً نافذ کرنے کی قوت رکھتی ہو۔ رسول پاکؐ اور ان کے بعد خلفائے اربعہ کا عہد جس کی مدت حکومت صرف ۴۳ برس ہے اس معیار پر پورا اترتا ہے، اس کے بعد شخصی دور حکومت Sovereignty کا آغاز ہوتا ہے اور اس وقت سے لے کر آج تک مسلمانوں کی قریباً ایک سو حکومتیں قائم ہوئیں، جو وقتاً فوقتاً مشرق سے لے کر مغرب تک بے شمار ممالک میں پیدا ہوئیں اور ختم ہو گئیں، اگر ان تمام سلطنتوں کو آپ کی پیش کی ہوئی کسوٹی پر پرکھا جائے، تو ان سب کو غیر الٰہی حکومتیں کہا جائے گا، یہاں تک تو خیر کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ دعویٰ کرنے کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے کہ قرآن کے زمانۂ آغاز سے لے کر آج تک، صرف ۴۳ سال کی قلیل مدت کو مستثنیٰ قرار دے کر باقی ہر عہد کے کروڑوں نہیں، اربوں نہیں، بلکہ بے شمار و بے حساب مسلمان، پچھلے ۱۳ سو برس میں پیدا ہوئے، سب کے سب طاغوت پرست، مشرک اور کافر تھے۔ پھر حسرت ہے اُس کتاب پر، جو نازل تو ہوئی قیامت تک کے لیے ہدایت، کفایت اور نجات کا دعویٰ لے کر، تمام جہانوں کے لیے رحمت کا ادعا لے کر، مگر عملاً اس کی تمام ہدایت اور تمام رحمت محدود ہو گئی صرف ۴۳ برس کے قلیل زمانے کے لیے ——— اے حسرتا! اس کے بعد مسلمان اور ان کی تمام نسلیں، مشرک پر مشرک اور کافر پر کافر ہو کر ہی پیدا ہوتی رہیں ——— إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥

اور اس سے آگے آپ ماکان لیاخذ اخاہ الخ کے معنیٰ پر بحث فرماتے ہیں، یعنی "کان اور اس کے صیغے جب بصورت منفی آئیں اور اس کی خبر اَنْ یا لام کَے سے ——— جس کے بعد اَنْ ہی مقدر ہوتا

ہے ـــــ شروع ہو، تو کَانَ کے بعد یَنبَغِیْ یا اس سے زیادہ مناسب زوردار لفظ پوشیدہ ہوتا ہے یا خود کَانَ کے معنیٰ یَنبَغِیْ کے ہوتے ہیں" ـــــ عربی گرامر کا یہ اصول نقل کرنے کے بعد آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آیہ ماکان لیاخذ اخاہ کی تقدیر یوں ہونی چاہیے کہ یوسفؑ کے لیے یہ مناسب ہی نہ تھا کہ وہ اپنے بھائی کو قانونِ ملک کے مطابق گرفتار کرتے، مگر اس دلیل کے حق میں آپ نے جو مثالیں، آیاتِ قرآن سے دی ہیں، وہاں صرف "یَنبَغِیْ" پر کسی صورت میں بھی حصر نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر آپ کی پیش کی ہوئی حسب ذیل آیت کے معنیٰ میں "یَنبَغِیْ" کے مفہوم کو جبراً بھی ٹھونسنے کی کوشش کی جائے، تو کامیابی نظر نہیں آتی:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل-۶۰)	بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا؟ (ہم نے!)، پھر ہمیں نے اس سے سرسبز باغ اگائے۔ تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگاتے!

وہی کَانَ اس آیت میں موجود ہے اور وہی مَا اس کی منفی اور وہی اَنْ کے بعد اس کی خبر، اب ذرا اَنْ کے بعد یَنبَغِیْ کی تقدیر کی تو ثابت کیجیے! کیا اس جملے کے یہ معنیٰ کسی بھی صورت میں صحیح سمجھے جاسکتے ہیں کہ "تمہارے لیے مناسب نہیں کہ تم ان کا درخت اُگاؤ"! یا یَنبَغِیْ کا زیادہ قریب اللفظ ترجمہ کہ "تمہیں ان کا درخت نہیں اُگانا چاہیے"! ـــــ اے حضرت! یَنبَغِیْ کا لفظ یجوز ہی کے معنیٰ نہیں دیتا، بلکہ یقدر کے معنیٰ بھی دیتا ہے۔ مثلاً

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ (یٰس-۴۰)	نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے!

اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یَنبَغِیْ کا لفظ یجوز، یناسب کے علاوہ یقدر بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ پس ماکان لیاخذ اخاہ کے معنیٰ "ماکان یجوز لہ ان" یاخذ اخاہ نہیں بلکہ ماکان یقدر ان یاخذ اخاہ ہیں، جو اپنے سیاق یعنی کذالک کدنا لیوسف کے ساتھ پوری مناسبت رکھتے ہیں۔ آیہ النمل میں درخت اُگانے کے معاملے میں "مَا كَانَ لَكُمْ" کے لفظ لاکر انسان کے قدرت و اختیار ہی کی نفی کی گئی ہے، بتایا یہ گیا ہے کہ انسان کے اختیار ہی میں نہیں ہے کہ وہ درخت اُگا سکے، بلکہ یہ صرف خدا ہی کا کام ہے!

اور جب اس آیت میں ماکان کی نفی اور لام کے کی موجودگی کے باوجود، یَنبَغِی یا اس کا کوئی ہم معنی لفظ ترجمے میں استعمال نہیں کیا جا سکتا، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آیۂ ماکان لیا خذ اخاہ میں آپ کس قاعدے کی رُو سے "یَنبَغِی" کے استعمال پر اصرار کرتے ہیں! اصل بات یہ ہے کہ آپ کا کلیہ ہی ناکمل ہے۔ مَاکَانَ اور لام کے ضروری نہیں کہ ہر جگہ ایک ہی معنیٰ دیں۔ بعض جگہ نفیٔ امکان کے لیے، بعض جگہ نفیٔ جواز کے لیے، بعض جگہ نفیٔ اختیار کے لیے، یعنی جیسا موقع محل ہو، ویسے ہی معنیٰ بھی پیدا ہوں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملے میں نفیٔ اختیار مراد ہے، نفیٔ جواز مراد نہیں، جیسا کہ آپ نے ظاہر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف از روئے قدرت و اختیار، اپنے بھائی کو قانون ملک کے خلاف گرفتار کرنے پر قادر ہی نہ تھے، اور اس کا سب سے بڑا ثبوت، اُن کی وہ خفیہ تدبیریں ہیں جو انہوں نے اپنے بھائی کو گرفتار کرنے کے لیے اختیار کیں۔ جس شخص کو قدرت و اختیار حاصل ہو، وہ کھلی کارروائی کر سکتا ہے، حیلے بہانے کے ذریعے اپنی خواہش پوری کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔

جواب ختم ہوتا ہے۔ یقین ہے کہ میرے معروضات کی روشنی میں آپ اپنے خیالات پر غور کریں گے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، بحث کی خاطر نہیں لکھا، بلکہ تحقیق حق کی خاطر لکھا ہے۔ میرے ضمیر کی اپیل ہے کہ جو کچھ آپ لکھیں، تو اس کا مقصود بھی صرف تحقیق حق ہو! وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

محمد اقبال سلمانی

(حساب آمد و خرچ بقیہ صفحہ ۴۸)

عمارت فنڈ

شیخ ظہور احمد صاحب	[illegible]
محمد قاسم صاحب کوٹلہ	[illegible]
میاں علی احمد صاحب واشمن	[illegible]
مہر محمد عمر صاحب	[illegible] (۲۰۰)
میاں معراج الدین صاحب قریشی	[illegible]
چودھری خیر الدین صاحب	[illegible] (۲۰۰)
خواجہ عبدالکریم صاحب نیانک	[illegible]
نواب شیخ محمد جہانگیر میاں صاحب آف مانگرول	[illegible]
متفرق	[illegible]
میزان	۶۰۲ روپیہ ۹/

کتب خانہ

بابو عبداللہ خاں صاحب	[illegible] (۲۱۰)
از فروخت	[illegible]
میزان	۳۲۸ روپیہ ۵/

تبلیغ فنڈ

فضل احمد صاحب جالندھر	[illegible]
خواجہ سخاء اللہ صاحب	[illegible]
متفرق	[illegible]
میزان	۱۴ روپیہ ۱۲/
لائبریری	[illegible]
رکنیت	[illegible]

بقایا سابقہ	۴۱۵ روپیہ ۸/
میزان کل	۱۰۰۵ روپیہ [illegible]

مصارف

البیان	۴۳۶ روپیہ ۱۰/
عمارات	۴۱۴ روپیہ /
کتب خانہ	۳۲۲ روپیہ ۱۰/
تبلیغ	۳۷ روپیہ [illegible]
میزان	۱۴۱۸ روپیہ [illegible]
بقایا	۳۸۶ روپیہ ۱۴/
میزان کل	۱۰۰۵ روپیہ [illegible]

تلخیص ترجمہ

مقدس مائیں

ان سطور کو آیہ مبارکہ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا (بچے والی کو کسی طرح کا دکھ نہ دیا جائے) کی نہایت متبرک تفسیر سمجھ کر اس سے عملی فوائد حاصل کرنے چاہئیں۔ (مترجم)

عورتیں فطرۃً زیادہ حساس ہوتی ہیں، ہر ناگوار خبر اور مکروہ چیز نہ صرف ان کے دل اور جسمانی صحت پر گہرا اثر کرتی ہے بلکہ حاملہ عورتوں کے رحم نشین بچوں پر بھی اس کا دائمی اثر پڑتا ہے۔ طبی کتابوں میں ایسے حادثات کی تشریح ملتی ہے کہ کس طرح ماؤں کی خوش دلی و غمگینی، نفرت و کراہت یا شفقت و محبت رحم کے اندر بچوں میں سرایت کر جاتی ہے اور جنین کے اعضا تک کو متغیر کر دیتی ہے۔ چناں چہ لکھا ہے کہ ایک دن ایک حاملہ عورت نے ایک حمامی میں ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھوں میں صرف چار چار انگلیاں تھیں، اس کو دیکھ کر اُسے سخت نفرت ہوئی۔ چند ماہ کے بعد اس نے بچہ جنا، جو اسی طرح چار انگلیوں والا تھا۔ اسی طرح کہیں میں نے پڑھا ہے ایک حاملہ نے ایک زخمی بدن والے شخص کو دیکھا، اسے دیکھ کر اس کو سخت دکھ اور نفرت ہوئی۔ اس کا بچہ بدن کے اسی مقام پر ویسا ہی زخم لے کر دنیا میں وارد ہوا — خوش قسمتی سے اس کے برعکس بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ عقل مند مائیں جو فطرت کے اس قانون سے واقف ہیں، اپنے آپ کو مضر اور منفی اثرات سے حتی الامکان بچاتی ہیں اور اپنی آرزو کے مطابق تندرست اور خوب صورت بچے جنتی ہیں — اہلِ علم نے بھی اس کے متعلق تجربے کیے ہیں اور نہایت عمدہ نتائج اخذ کیے ہیں پہلی چیز یہ ہے کہ ماں کے ہیجانات و احساسات کس حد تک بچے کی تقدیر پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ والدین صحیح، زیبا، تندرست، مستعد اور قابل اولاد کس طرح پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ کام نہ محال ہے، نہ معجزہ، بلکہ فطری قوانین کے مطابق ہے، کیوں کہ مجرد روحیں جو عالم غیب کی فضا میں سفید کبوتروں کی طرح محو پرواز ہیں، منتظر ہیں کہ اپنی اپنی باری پر مقررہ وقت میں کسی ایک جنین کے بدن میں جو ابھی تیار ہو رہا ہے، وارد ہوں، ان روحوں میں سے ہر ایک عدالت الٰہی اور قانون تکامل کے مطابق ایسے جسم میں داخل ہوگی جو اس روح کے مرتبہ و مقام کے لائق ہوگا — اور چوں کہ ہر روح کمال و بلوغ کے کسی ایک درجے پر فائز ہوتی ہے — لہٰذا اگر والدین مثال کے طور پر ایسے لوگ ہیں جن کی عمر لہو و لعب، شراب و افیم میں گزر رہی ہے، یا جہالت اور بداخلاقی میں

غرق ہیں، وہ روح جو اس درجہ تکامل سے بلند ہو چکی ہے، ان کے بچے کے جسم میں ہرگز ہرگز داخل نہ ہوگی بلکہ ایسی روح آئے گی جو والدین کی روح کے ساتھ مناسبت رکھتی ہوگی، اور اگر اس کے برعکس ہوتا، مثلاً ایک کامل روح ایسے ناقص و وحشی والدین کے جنین کے بدن میں وارد ہو جاتی، کس قدر بے انصافی، ظلم اور خلاف حکمت ہوتا، بالکل ایسا ہی جیسے کہ فلسفے کے پروفیسر کو "الف بے" پڑھانے پر مجبور کریں، یا ایک طبیب کو بخاری پر لگا دیں۔ دیکھنا چاہیے کہ قادر مطلق نے نوع بشر کو کتنی قدرت دے رکھی ہے اور افراد انسانی نے کس طرح اپنے آپ کو جہل و غفلت میں جکڑ کر، فطری قوانین سے غافل رہ کر اپنے آپ کو بدبخت بنالیا ہے۔ پس یقین کرنا چاہیے کہ ایک کامل روح کو نطفے کے بدن میں جذب کرنا اور بچے کی صحت و خوبصورتی ایک حد تک والدین کے اختیار میں ہے۔ والدین جس قدر درجہ معرفت و کمال میں بڑھتے ہوئے اور اسرار فطرت سے واقف ہوں گے، اسی قدر اس مرحلہ میں کامیاب ہوں گے۔

ہند و مصر، یونان و افغانستان وغیرہ قدیم تمدنوں میں زناشوئی، مادری اور ولادت کے مسئلہ کو اسرار غیبیہ کے طور پر مقدس اور وظیفہ الٰہی سمجھا جاتا تھا، خاص کر ماؤں اور حاملہ عورتوں کے بارے میں کامل اہتمام کیا جاتا تھا، ان کی غذا، لباس، اشغال فکری، حرکات بدنی، روابط اجتماعی، مصاحبت اور معاشرت کو علوم غیبی کے احکام کی رو سے مقرر کرتے تھے ——— مناسب یہ ہے کہ والدین پاکیزہ زندگی بسر کریں، تاکہ ایک کامل روح کے لیے پاک معبد (جنین) تیار کریں۔ زمانہ حال میں ماں بننے کے مقدس امر کو چوزے پیدا کرنے کی مشین کے برابر سمجھ لیا گیا ہے۔ ہم روز بروز دیکھ رہے ہیں کہ اس اہم امر کی عظمت و قدسیت مٹتی جا رہی ہے اور اس زمانے کی عورتوں میں حسِ مادری مر رہی ہے یہاں تک کہ صاحب اولاد ہونا اور بقائے نسل کا اہتمام کرنا ایک امر غیر ضروری اور وجہ دردسر سمجھا جاتا ہے۔

اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ وظیفہ مادری کو مقدس و اعلیٰ خیال کرتے ہیں، چند نکتے ان کی خدمت میں پیش کروں تاکہ وہ ان کو عمل و تجربہ میں لائیں اور اپنے پیدا ہونے والے فرزندوں کے بدن میں کامل و اعلیٰ روح کو جذب کرنے پر قادر ہو سکیں اور اس نعمت و قدرت سے استفادہ کر سکیں جو خداوند نے تمام افراد بشر کو عطا کر رکھی ہیں۔

(۱) بچے کی تقدیر میں ستاروں کی تاثیر سے پہلے نطفے کے منعقد ہونے کے وقت والدین کی روحانی حالت بے حد اثر انداز ہوتی ہے، آئندہ صدیوں میں مفید علوم و فنون اس تاثیر کی کیفیت و اثرات کو یقیناً ثابت کر دیں گے۔ تولدات ہی سے ایسے صحیح اندازے لگائے جا سکیں گے، جن سے پوری صحت و وقت کے ساتھ

انعقادِ نطفہ کے وقت والدین کی روحانی حالت دریافت ہوسکے گی۔ بہت سے حقایق و اسرار کا انکشاف ہوگا جن سے عقلیں حیران رہ جائیں گی، جن لوگوں کے ہاں متعدد بچے ہیں جو شکل، بدن اور طبیعت میں بالکل مناسبت نہیں رکھتے، اگر ایسے لوگ انعقادِ نطفہ کے وقت اپنی اور ماں کی حالت روحی کو بخوبی ثابت کریں تو ایک حد تک اس اختلاف کی حکمت کو سمجھ سکیں گے۔ اس صورت میں مناسب ہے کہ سب سے پہلے تولیدِ فرزند کے معاملہ کو ایک مقدس ذمہ داری سمجھیں اور انعقادِ نطفہ کے لیے ایسے وقت اقدام کریں جب کہ حالت روحی، افکار اور خیالات سالم، قوی اور مفید ہوں، یعنی صحت بدن کے علاوہ اس وقت ایک روحانیت، جاذبہ الٰہی، عشقِ حقیقی اور پاکیزہ افکار و اعمال دل میں موج زن ہوں۔

(۲) علامات حمل کے ظاہر ہوتے ہی حاملہ عورت کو اس طرح محترم و مقدس سمجھیں اور اس کی پاکیزہ قلبی آرزوؤں کی انجام دہی میں کوشش کریں کہ وہ اپنے وظیفہ (ولادت) کی قدر و منزلت اور تقدیس کو محسوس کرنے لگے اور سمجھے کہ وہ ایک الٰہی امانت کو اٹھائے ہوئے ہے اور جانے کہ آپ اس وظیفے کی تقدیس کا اس کی قدر کے مطابق اندازہ اور احترام کرتے ہیں۔

(۳) اس کے روزانہ اشغال و افکار کو بقدر امکان مسرت بخش اور امید پرور بنائیں اور جہاں تک ہو سکے اس کو مکدر، مغموم اور دل شکستہ نہ ہونے دیں، غذا و لباس کے متعلق بھی اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں۔

(۴) ایسے اشخاص کی ہم نشینی سے جنہیں وہ پسند نہ کرے یا جو اُسے پسند نہ کریں، روک دیں اور اس کے برعکس پسندیدہ اشخاص کی مصاحبت مہیا کریں۔

(۵) بقدر امکان اس کو فطرت کے خوب صورت مناظر کی سیر کرائیں اور ستاروں کے جلال و عظمت اور جمال کائنات کے نظارے میں مشغول کریں اور قابل نفرت، بدنما اور دل خراش چیزوں کو دیکھنے سے بچائیں۔

(۶) اس کے مطالعہ کے لیے شادی بخش، دل کش اور سعادت افزا کتابیں مقرر کریں۔ موت، آفات، مصائب اور ناگوار خبروں کے پڑھنے سننے سے دُور رکھیں، اس کے برعکس خوش کن خبریں، شیریں حکایتیں اور دل پسند تحفے اس کے لیے مہیا کریں اور محبت و ملائمت کا برتاؤ کریں۔

(۷) خود ماں بھی اپنے بچے کو جس قسم کا حسین و تندرست دیکھنا چاہتی ہے، مثلاً کوئی شخص یا کوئی بچہ جس کے مانند وہ اپنے بچے کو دیکھنا چاہتی ہے، اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے یا تصور میں رکھے اور اکثر اوقات اس کو دیکھتی رہے، خاص کر سونے کے وقت اپنی نظر سے گزارے اور ذوق و عشق اور بدل کی آنکھ سے اس کی طرف نگاہ کرے۔ (رہبر نژاد نو مطبوعہ برلن)

عرشی

حساب آمد و خرچ اُمّت مسلمہ امرتسر

(یکم جون تا ۲۴ دسمبر ۱۹۴۱ء عیسوی)

آمد البیان

حاجی محمد اسحاق صاحب	سے
سید ممتاز علی صاحب بنوں	[illegible]
قاضی احمد میاں صاحب اختر	[illegible]
فاروق ابراہیم صاحب	عہ
میاں داؤد خاں صاحب	عہ
ہیڈ ماسٹر صاحب خیرپور	[illegible]
عز الدین صاحب پھلواری	[illegible]
چوہدری بشیر احمد صاحب لاہور	سے
ڈاکٹر عبد الغفور صاحب پشاور	سے
مستری عنایت اللہ صاحب	[illegible]
محمد حسین صاحب صابری بریلی	[illegible]
خان محمد صاحب کامارو شریف	[illegible]
میاں علی احمد صاحب واشمن	[illegible]
سید ہاشم صاحب بنگلور	سے
میاں جلال الدین صاحب	عہ
میاں محمد صادق صاحب امرتسر	سے
عبد الکریم صاحب ڈاسنہ	[illegible]
سید بچل شاہ علی شاہ صاحب	عہ
حمید الدین احمد صاحب پٹنہ	[illegible]
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	[illegible]
محمد عزیز مصری صاحب بانکی پور	[illegible]
میاں داؤد خاں صاحب	عہ
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	سے
حاجی محمد اسحاق صاحب	سے
حکیم محمد اسلم صاحب فیروزپور	سے
مہر محمد عمر صاحب امرتسر	سے
مستری تاج الدین صاحب	عہ
مرزا نذیر حسین صاحب راجوری	[illegible]
محمد جواد صاحب جمونی	[illegible]
ظہور حسین صاحب راجکوٹ	[illegible]
زین العابدین صاحب اکولہ	[illegible]
حاجی محمد اسحاق صاحب	سے

عبد القیوم صاحب گیا	[illegible]
تاج الدین صاحب	[illegible]
منیجر صاحب رسالہ ایشیا لاہور	سے
غلام محی الدین صاحب دہر رسالہ	[illegible]
فضل حسین صاحب لاہور	[illegible]
سردار محمد اکبر خاں صاحب کیمبل پور	[illegible]
منشی محمد کمن خاں صاحب	[illegible]
میر تقی حیدر شاہ صاحب	[illegible]
شیخ عبد الرحمن صاحب انصاری	عہ
شیخ غلام محمد صاحب سرینگر	سے
عبد الحمید صاحب وان آدھن	[illegible]
حاجی محمد الدین صاحب پوار	[illegible]
میاں علی احمد صاحب واشمن	[illegible]
بخشی حضور علی صاحب لاہور	سے
منظور احسن صاحب ڈھکہ	[illegible]
ایس ایم ہاشم صاحب شوبو	[illegible]
محمد اسلم خاں صاحب مردان	[illegible]
شیخ ظہور احمد صاحب	[illegible]
میاں جلال الدین صاحب	عہ
ڈاکٹر غلام حسن صاحب	سے
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب دہلی	[illegible]
ایم حسن صاحب چٹاگانگ	سے
مولوی ابو القاسم صاحب	عہ
تاج الدین صاحب نئی دہلی	[illegible]
عبد القیوم صاحب	عہ
غلام نبی صاحب شملہ	[illegible]
خواجہ سجاد اللہ صاحب ایم اے	[illegible]
میاں داؤد خاں صاحب	عہ
خواجہ غلام محمد صاحب محقق	سے
شیخ عبد الرحمن صاحب انصاری	عہ
مستری محمد اسمٰعیل صاحب	[illegible]
حاجی محمد اسحاق صاحب	سے
علی احمد صاحب واشمن	[illegible]

بابو چراغ الدین صاحب سدھو	[illegible]
محمد الدین صاحب پنشنر	[illegible]
میاں علی احمد صاحب واشمن	[illegible]
مستری تاج الدین صاحب	عہ
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ
قاضی منظور حسین صاحب	[illegible]
میاں علی احمد صاحب واشمن	[illegible]
عبد الرحمن صاحب انصاری	عہ
حاجی محمد اسحاق صاحب	[illegible]
عبد الماجد صاحب گروہی	[illegible]
نسیم آسی صاحب مئو اٹمہ	[illegible]
مرزا غلام مرتضیٰ بیگ صاحب	[illegible]
میاں داؤد خاں صاحب	[illegible]
محمد ابراہیم صاحب لائلپور	[illegible]
منیجر صاحب آزاد نیوز ایجنسی بنگلور	[illegible]
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	[illegible]
میاں علی احمد صاحب واشمن	[illegible]
چوہدری غلام عباس صاحب لدھیانہ	[illegible]
شیخ منہاج الدین صاحب پشاور	[illegible]
ڈاکٹر محمد شریف صاحب فتحگڑھ	[illegible]
پیر رشید الدولہ صاحب گجرات	[illegible]
میاں خدا بخش صاحب عطار	[illegible]
مرزا معراج الدین صاحب پشاور	[illegible]
منشی نور محمد صاحب منور کمالیہ	[illegible]
شیخ محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹ	[illegible]
جناب محمود علی صاحب لاہور	[illegible]
خدا بخش صاحب کلکتہ	[illegible]
منیجر صاحب آزاد نیوز ایجنسی بنگلور	[illegible]
عبد اللہ پہلوان صاحب	[illegible]
منیجر صاحب آزاد نیوز ایجنسی بنگلور	[illegible]
ڈاکٹر برکت علی صاحب سہارنپور	[illegible]
بابو عبد اللہ خاں صاحب	[illegible]

شیخ کریم اللہ صاحب	[illegible]
محمد عباس طالب صفوی صاحب	[illegible]
سید مقبول احمد صاحب جونپور	[illegible]
ہیڈ [illegible] ہاؤس امرتسر	[illegible]
شیخ عبد الرحمن صاحب انصاری	[illegible]
عبد الرحیم صاحب قریشی	[illegible]
ضیاء الدین صاحب [illegible]	[illegible]
مستری تاج الدین صاحب	[illegible]
سید بچل شاہ علی شاہ صاحب	[illegible]
منیجر آزاد نیوز ایجنسی بنگلور	[illegible]
حکیم محمد حسین صاحب لاہور	[illegible]
شیخ حبیب اللہ صاحب لاہور	[illegible]
حاجی محمد اسحاق صاحب	[illegible]
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ
میاں داؤد خاں صاحب	عہ
منشی قمر الدین صاحب	[illegible]
حکیم رحمت علی صاحب	[illegible]
میاں امین الدین صاحب لاہور	[illegible]
بابو محمد حسین صاحب	[illegible]
میاں علی احمد صاحب واشمن	[illegible]
غلام کبریا صاحب	[illegible]
منظور حسن صاحب بہاول نگر	[illegible]
عبد الحمید صاحب چغتائی	[illegible]
حسین بخش صاحب صوبیدار	[illegible]
محمد اکرم خاں صاحب	[illegible]
ماسٹر غلام محمد صاحب	[illegible]
محمد علی صاحب ٹیچر سلانوالی	[illegible]
محمد زمان خاں صاحب گجرات	[illegible]
متفرق	[illegible]
میزان	۴۱۳ روپیہ [illegible]

(باقی حساب صفحہ ۴۴ پر دیکھیں)

اس سے جو شریک بناتے ہیں (کون اس کا شریک ہو سکتا ہے، کس کی ہستی جو دم مار سکے، قیامت موجود ہے، اپنے اپنے وقت پر جب بلاوا آتا ہے سب بغیر کسی عذر کے روانہ ہو جاتے ہیں اور کسی کو مجال نہیں کہ انکار کر سکے، وہاں جا کر کاموں کے مطابق بدلہ ملتا ہے، بس بات یہ ہے کہ جس وقت یہ بلاوا، قرنا، پکار اور پیغام آتا ہے جس کی تفسیر قرآن میں بہت جگہ آچکی ہے، تو اس کا رد کرنے والا کوئی نہیں جو جہاں ہوتا ہے، وہیں لبیک کہہ اٹھتا ہے اور دم مارنے کا حوصلہ نہیں رہتا۔ جیسا کہ ارشاد)

(۶۸) وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ اور قرنا میں (جب بھی جس کے لیے یا جن کے بلاوے کی خاطر) پھونکا گیا پس بے ہوش ہو جاتا ہے (جس کو بلاوا آتا ہے کہیں بھی ہو غنودگی سی ہو جاتی ہے اُس کو) جو کوئی بیچ آسمانوں کے ہے اور جو بیچ زمین کے ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے (وہ بے ہوش نہیں ہوتا یہ غنودگی کا تھوڑا سا وقت جسے برزخ کہتے ہیں کفار اشرار پر آتا ہے اسی کو "یعرضون علی النار" فرمایا ہے، یہ حالت ایسی ہوتی ہے جیسے تکلیف والا مریض قدرے بے ہوشی میں کراہتا ہے، مومن باللہ پر یہ وقت نہیں آتا، وہ برزخی حالت سے بری ہے، نیک لوگ بے ہوش نہیں ہوتے، شہیدوں کو مُردہ نہ کہنے کا اس لیے حکم ہوا کہ ان کی موت محض طول کی طرح ہے جیسے ہندسی خط ہوتا ہے اس میں عرض نہیں ہوتا۔ فوراً دوسرے آرام دہ عالم میں پہنچ جاتے ہیں غرض یہ پہلے بلاوے کا حال تھا، اب ارشاد ہوتا ہے) پھر پھونکا جاتا ہے بیچ اس (قرنا) کے دوسری نفخہ (تو وہ مجرمین ہوش میں آجاتے ہیں، جیسے فرمایا) پس پھر تو وہ کھڑے دیکھتے ہوتے ہیں (ان ناشکرگزاروں پر حسرت و افسوس کا وقت ہوتا ہے، جب جواب دہی کے لیے اٹھائے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کاش ہم بے جان مادہ ہی رہتے، جاندار نہ بنتے تاکہ ان تکالیف سے بچے رہتے، مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ نہ دیا جائے، بدلہ ضرور دیا جاتا ہے، یہ اشرار اپنا جہنم اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں، زمین و آسمان سارا جنت کا عرض ہے، اس زمین سے نکل کر اس زمین میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح صالحین نیکوکار بھی جنت اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، وہاں ظلم نہیں ہوتا اعمال کے مطابق ظہور ہوتا ہے پھر غور کا مقام ہے کہ ایسی با انصاف جگہ پر شفاعت و کفارہ وغیرہ کا خیال

تک بھی کتنا ظلم عظیم ہے اور اس روشن مقام کو اپنے باطل عقیدہ سے مکدر کرنے کی بے سود کوشش کی جا رہی ہے، وہاں کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا جا سکتا۔ ہر نفس اپنے آپ سے ہی جھگڑتا آتا ہے اور اپنے کیے کا نتیجہ بھگتتا ہے، ہرگز ہرگز کوئی کسی کے کام نہیں آتا، بڑے سے بڑا عزیز و حبیب بھی منہ پھیر لیتا ہے، وہاں وہی سرخ رو ہوتا ہے جس کا تعلق اپنے بنانے والے کے ساتھ اچھا ہوتا ہے، فرماں بردار کو بے اندازہ آرام و آسائش کے سامان موجود ملتے ہیں، اسی طرح نافرمان کے لیے طوق و سلاسل وغیرہ کا حال ہے غرض ایسی جگہ کے واسطے کوئی ایسی چیز بھیجنا چاہیے جو دائمی مسرت کا کام دے اور ایسی حرکتوں سے باز رہنا چاہیے جو دیرپا تکالیف کا موجب ہوں، تمام من دون اللّٰہ کے بہروسے چھوڑ کر ایک خدا کے سچے اطاعت گذار بننے کی سعی کرنا اور اسی خدا سے نیکی کی بصدق دل دعا مانگتے رہنا چاہیے، یہی توحید ہے، وہاں کا نقشہ بیان فرمایا)

(۶۹) وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِایۡٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ۝ اور روشن ہوئی ہے وہ زمین (عدل و انصاف کی برکت سے، نہ کہ سفارش و شفاعت اور کفارہ وغیرہ سے) اپنے رب کے نور کے ساتھ اور عمل نامے دیئے جاتے ہیں اور انبیاء و شہدا (گواہ وغیرہ سب) حاضر کیے جاتے ہیں (اور شہادتیں دیتے ہیں، وہاں اندھیر نہیں، ہر کام کا نتیجہ صحیح نکال کر اس کے مطابق بدلہ ملتا ہے نہ کسی کے کہنے سے کسی مجرم کی خلاصی ہوتی ہے نہ کسی حاسد کے کہنے سے کسی نیک کی گرفت ہوتی ہے، بغیر اجازت کے وہاں کلام کرنے کی بھی کسی بڑی سے بڑی ہستی کو جرأت نہیں ہوتی، دخل در معقولات کی کوئی گنجائش نہیں جیسے فرمایا) اور ان (لوگوں) کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا (کیوں کہ خداوند کریم ظلم کو پسند نہیں کرتا، جو سلوک انسانوں سے کیا جاتا ہے وہ ان کے اپنے ہی کاموں کا ثمرہ ہوتا ہے، ارشاد ہے)

(۷۰) وَوُفِّیَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ ۝ اور پورا دیا جاتا ہے ہر نفس کو ان کا کمایا ہوا (موجودہ استتار کے کام بھی اس عالم الغیب والشہادہ سے مخفی نہیں ہیں) اور وہ

(خدا) خوب جانتا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

آٹھواں رکوع (۱) وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ یہ سورت زمر کا آخری رکوع ہے، جس میں ساری سورت کا نتیجہ نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے قرآن مجید کی قدر وعظمت اور توحید پر زبردست اور ناقابل تردید دلایل دیئے گئے ہیں، شرک کی حالت میں اعمال کا قیامت میں حبط ہونا اور مشرک کا خائب وخاسر اور ملوم ومدحور بننا واضح کیا۔ جو لوگ دنیا میں خداتعالیٰ کے سوا اوروں کو نجات وشفاعت کے مالک قرار دیتے ہیں، اُن کے متعلق بتایا گیا کہ اس عقیدے کی پاداش میں انہیں آخرت میں دردناک عذاب ہوتا ہے، پھر بتایا کہ نیک اور صالح لوگ خدا کے سامنے سرخرو ہو کر اس کی نعمتوں سے مالامال ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی حمد گاتے ہوئے آخرت میں پہنچتے ہیں اور بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ پھر بتایا کہ کوئی شخص وہاں خدا کی منشاء کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، نہ سفارش اور شفاعت ہی کی گنجائش ہے۔ وہاں فیصلہ عین حق کے ساتھ ہوتا ہے، انبیاء، شہداء، صلحاء وغیرہ سب حاضر ہوتے آئے ہیں۔ زمین ساری اسی خدا کے قبضہ میں ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قیامت ضرور ہے اور جواب دہی یقینی ہے، وہ عدالت حق ہے، جہاں رشوت اور سفارش اور رُعب کا کوئی گزر نہیں۔ جن عدالتوں میں رشوت اور رُعب کو دخل ہے، وہ عدالتیں کہلانے کی مستحق ہی نہیں۔ ایسے بیّن دلایل سے بھرپور کتاب دنیا میں عین مناسب موقع پر آئی، جس نے ہدایت اور گمراہی کو کھول کر واضح کیا۔ ابتدا میں انسانی فہم بالغ نہ تھا۔ وہ تاریکی اور جہالت کا زمانہ تھا، اب روشنی کا زمانہ ہے، اُس زمانے میں اور آج کے زمانے میں بیّن فرق نظر آرہا ہے۔ زمانۂ قدیم کے حکماء تک توہمات سے خالی نہ تھے۔ آج ان توہمات کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے۔ حضرت خاتم النبییّنؐ کی لائی ہوئی کتاب نے تمام ظلمات وتوہمات کو دُور کر دیا۔ اب اسلام ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ تمام کائنات کا نظام اسلام ہی سے وابستہ ہے، جس میں غلطی کا

امکان تک بھی نہیں ہے۔ یہ صحیفۂ فطرت کے خالق کی کتاب ہے۔ جس طرح صحیفۂ فطرت میں کجی نہیں، اسی طرح اِس میں بھی کجی نہیں۔ سورج اور چاند وغیرہ کبھی بھی مقررہ وقتوں سے آگے پیچھے طلوع و غروب نہیں ہوتے، لیکن انسان کی قدر ناشناسی کا یہ عالم ہے کہ قدرے اختیار ملنے پر کتنا مغرور ہے حالاں کہ اس کے مصنوعات میں یقینی طور پر غلطیاں اور لغزشیں موجود ہیں۔ ریلوے وغیرہ کی مثالیں سامنے موجود ہیں۔ پھر یہ کس برتے پر اتنی سرکشی کا اظہار کرتا ہے اور مخلوق میں خالق والے اوصاف اور قدرت مانتا ہے؟ — اگر وہ اپنے ان معتقدات سے باز نہ آیا، تو آخرت میں عذاب دردناک کے ذریعے درست کیا جائے گا۔ خدا کی حکومت سے نکل کر کہاں جا سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایات ہیں کہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور پھر فراموش نہیں کر دیا بلکہ ہر طرح ہماری آسائش و آرام کے سامان بنا دیئے۔ ہمارے امن کے لیے ملوک بنائے کہ نظم سے حکومت قائم رہے، فساد کے راستے کو بند رکھا جائے اور کوئی کسی پر ظلم کرے، تو اپنے کیے کے مطابق سزا پا لے۔ غرض ہر شخص کی زندگی سلامتی سے بسر ہو۔ انسان کی باطنی اصلاح کے لیے یکے بعد دیگرے لگاتار پیغمبر اور نبی مبعوث کیے کہ نوع انسان کو بھولا ہوا سبق یاد کراتے جائیں اور اسلام کی ظاہری حفاظت رہے۔ آخر اس ظاہری حفاظت کو بھی ختم کر دیا یعنی اکمل کتاب بھیج کر اور اس میں ضروری باتوں کو واضح کر کے سلسلۂ انبیاء کو بھی ختم کر دیا اور اس کتابِ مہیمن کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ بتاؤ اب وہ ملوک یا انبیاء کہاں ہیں جن کو ظالموں نے خدا کی طرح بے غلط مان کر ان کی پوجا شروع کر دی اور یہ نہ سوچا کہ پیدا ہونے اور مرنے والوں کی بندگی کرنا شرمندگی کا باعث ہے۔ خداوند کریم نے اس نعمت اسلام کی ظاہری حفاظت کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا یعنی نبوت تک ختم کر دی۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ نوع انسان کی ہدایت کے لیے جو کچھ بتانا تھا، پوری طرح واضح کر کے بتا دیا، مگر حق و انصاف کے دشمن پھر بھی من دون اللہ کی پرستش پر اڑے ہوئے ہیں اور زبردست دلایل کے باوجود اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے اور نہیں سوچتے کہ اصل اسلام کسی کے ہاتھ میں نہیں، اس کا حافظ خدائے واحد ہی ہے جو بتدریج کام کرتا چلا آتا ہے۔ جب اُس نے دیکھا کہ اب انسان کی عقل اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ اُسے درمیانی واسطے یعنی نبوت کی ضرورت نہیں رہی تو اس نے اس سلسلے کو بند کر دیا۔ حتیٰ کہ اب قیامت کبریٰ تک کوئی نبی نہیں آئے گا، کیوں کہ کتب سابقہ کا مجموعہ،

دائمی ہدایت محفوظ، بے غلط اور بے اختلاف ہے۔ اس کتاب کی موجودگی سے انسان نبیوں سے مستغنی ہوگیا ہے۔ مگر ظالم بھی وہ ضدی ہیں کہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی ہٹنا نہیں چاہتے، آخر تابکے؟ قریب ہے کہ واپسی کی التجائیں کریں، مگر جو شخص ایک مرتبہ وہاں پہنچ گیا، وہ دنیا میں کیونکر لوٹ سکتا ہے؟

سورہ زمر کے اس آخری رکوع میں کفار و مشرکین کی حالت زار کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی صالح اور مومن بندوں کے مناصب و مراتب کی تفصیل بھی بتائی گئی ہے۔ پہلے ناقدر دانوں کی حالت بتائی کہ) ناقدر دانوں کو (یعنی مشرک ظالم وغیرہ لوگوں کو) پراگندہ کرکے جہنم کی طرف ہانکا گیا۔ (یہ زمراً ایسے ہے جیسے اشتاتاً آتا ہے، یعنی اکیلے اکیلے، یعنی کوئی سفارشی اور مددگار شامل نہیں ہوتا اور) جب اس (جہنم) کے پاس آئے تو اس کے دروازے کھول دیئے گئے، اور جہنم کے داروغے نے (اتمام حجت کے طور پر) اُن (بدکاروں اور مجرموں سے کہا (کہ تم اس عذاب میں کیوں گرفتار ہوئے) کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغامبر نہ آئے تھے (جو) تم پر تمہارے ربوبیت کرنے والے کی آیات پڑھتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے (کیا تم کو یہ تعلیم پہنچی تھی یا نہیں کہ بدی کا بدلہ دکھ اور عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا اور نیکوکار ہی آرام و آسایش پائیں گے۔ کیا تم کو رسولوں یا رسولوں کے رسولوں نے سنائی تھی یا تم بے خبری میں ہی دوزخ کا شکار بن گئے ہو؟

ان کے جواب دینے سے پہلے ایک بات بیان کرنا ضروری ہے کہ قرآن مجید نے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، ہاں رسولوں کے رسول یعنی مبلغین ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں، جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "سوال کر اپنے سے پہلے رسولوں سے" تو یہ ان رسولوں کے مبلغ ہی ہوتے ہیں جو ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں، پھر ان سے یہ پوچھ کہ کیا ہم (خدا) نے کوئی بالغیر معبود بھی بنائے ہیں؟ قرآن میں شبہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کرو۔ غرض خاتم الکتب کے باعث رسولوں کا آنا بند ہوگیا۔ اب مبلغین ہی رسولوں کے رسول ہیں، جیسے پطرس، یوحنا کا رسول تھا۔ پس رسولوں کے رسول ختم ہوئے۔ یہ مبلغین ہمیشہ ہوتے رہیں گے۔ خدا تعالیٰ زمین میں کسی چلنے پھرنے والے کو (کیسے باشد) پیدا کر دیتا ہے۔ انہیں مبلغین کے متعلق قرآن مجید میں

بھی آیا ہے کہ اے بنی آدم اگر تمہارے پاس رسول آئیں تو، آیات الٰہی کی پیروی کرنا، وغیرہ، مگر نا انصاف اور خود غرض لوگ ان آیات کو توڑ مروڑ کر اپنا الو سیدھا کرنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں اور عاقبت سے بے خوف ہو کر وہ کچھ کر گزرتے ہیں، جو نہ کرنا چاہیے۔ افسوس، لوگ کدھر جا رہے ہیں؟ نہیں سوچتے کہ رسول ڈرائے یا مبلغ، غرض تو آیات سے ہے۔ واسطے خواہ کئی ہوں اصل چیز تعلیم یعنی کتاب ہے۔ اسی لیے خاتم الکتب کے ذریعے انبیاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس مقام پر نبی اور رسول کا فرق بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ نبی کو عملی کام کرنا ہوتا ہے۔ نظم و نسق، بند و بست وغیرہ وغیرہ اس کے سپرد ہوتے ہیں۔ رسول پر صرف پیغام پہنچانا فرض ہے اور بس۔ ہر نبی رسول ضرور ہوتا ہے، مگر ہر رسول لازم نہیں کہ نبی بھی ہو۔ رسول کا لفظ وسیع ہے جو فرشتوں بلکہ شیطان وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے مگر نبی کا لفظ ان پر نہیں بولا جاتا

غرض جب جہنم کے چوکیدار نے سوال کیا کہ آیا اللہ کی آیات سے ڈرانے والے تمہارے پاس نہیں آئے، تو انہوں نے جواب میں، کہا کیوں نہیں (یعنی آئے اور ضرور آئے مگر ہم نے ہمیشہ ان رسولوں کی ہنسی اڑائی۔ تمسخر کا کوئی پہلو نظر انداز نہ کیا، آیات سے کفر و انکار کرتے رہے اور بہت بری طرح تکبر کیا۔ پھر جب یہ بات ہے تو کیا وہ قابل معافی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ارشاد ہوتا ہے) ولیکن (اب تو ان پر بات وارد ہو گئی) عذاب کا وعدہ تو کافروں پر صادق آ گیا (خواہ کتنی بھی منت سماجت کریں اور معافی مانگیں، مجرموں کو کبھی بغیر سزا کے چھوڑا نہ جائے گا۔ بھلا جب خود اس کا اپنا گڑگڑانا بے موقع اور فضول ہے تو پھر کسی اور کی شفاعت وغیرہ کا عقیدہ تو اور بھی باطل ہے۔ کیسی واضح صاف اور معقول بات ہے، جو ہر ایک کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ہاں ایسی معقول باتوں کا انکار شریر اور متکبر ہی کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس گفتگو کے بعد ان ناہنجاروں کو)

(۷۲، ۷۳) قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝

کہا گیا (اور ہر دفعہ یہی کہا جاتا ہے) جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ، بہت دیر تک اس میں رہو گے (کیوں کہ تم آیات کا انکار متکبرانہ انداز میں کرتے تھے۔ آیات لانے اور سنانے والوں کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے اور پاگل، شاعر، مفتری، کذاب جیسے ناموں سے پکارا کرتے تھے) پس متکبرین کا ٹھکانہ (طرح طرح کے عذابوں والا ہسپتال) بہت برا (ٹھکانا) ہے (یہ دو آیات دشمنان حق، اہل کفر و شرک کے بارے میں تھیں۔ یہ بدبخت اپنے اعمال بد کی وجہ سے دوزخ کے بند دروازوں کو کھلواتے ہیں۔ مگر جنت کے دروازوں کا یہ حال ہے کہ پہلے ہی سے کھلے ہوتے ہیں۔ ان متکبرین کے مقابلہ میں متقین صالح نیکوکار اور مومن باللہ لوگوں کا ذکر فرمایا) اور لے جائے گئے (یعنی خوشی اور شوق کے ساتھ، کفار کے چلنے میں اور مومنوں کے چلنے میں بڑا فرق ہے۔ مومن بڑی بڑی امیدوں اور امنگوں کے ساتھ، جنت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اور کافر بڑی مایوسی اور پراگندگی کے ساتھ دوزخ کی طرف جبراً دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ غرض کہ اہل جنت یا دوسرے لفظوں میں) اپنے رب سے ڈرنے والے (اور ہر بات میں اسی معبود کی رضا کو مقدم رکھنے والے) جب گروہ در گروہ جنت کے پاس آئے اور (اس حال میں کہ) اس کے دروازے پہلے ہی کھلے ہوتے ہیں (کوئی رکاوٹ وغیرہ نہیں ہوتی) اور (ہمیشہ) جنت کے داروغہ نے ان سے (یہی) کہا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلامتی ہے تم پر (کہ) تم نیک بن کر آئے پس (اس نیک بننے کا اس سچے خدا کی طرف سے بدلہ یہ ہے کہ) داخل ہو جاؤ اس (ہمیشگی کے آرام یعنی جنات) میں (عارضی طور پر نہیں بلکہ) ہمیشہ (ہمیشہ) رہنے والے (اس میں سے کبھی بھی نہ نکالے جاؤ گے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مراتب اور انعام حاصل کرتے رہو گے۔ پس داخل ہو گئے اور جب انہوں نے وہاں کی آؤ بھگت اور آرام و آسائش کو دیکھا تو پھر ان کی اس وقت کی دائمی خوشی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ حد درجہ مسرور ہوئے)

(۷۴) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ اور بولے، سب تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے، جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہم کو اس (جنتی) زمین کا وارث کیا، ہم

اس جنت میں جہاں چاہتے ہیں جگہ پکڑتے (یعنی رہتے) ہیں۔ (اصل مالک تو ہر شے کا اللہ ہی ہے اور اس اصل وارث نے اس مالکِ حقیقی ہی نے متقین کو بھی وارث کیا اور انعام عنایت فرمایا۔ سورہ یوسف میں بھی تَبَوَّأ جناب یوسفؑ کے لیے آیا ہے، یعنی جگہ دی یوسفؑ کو جہاں چاہتے آتے تھے اور رہتے تھے۔ غرض یہ سب کچھ کس لیے عنایت ہوا؟ خوفِ خدا کی وجہ سے اور صلاحیت والے کاموں کے سبب، جب یہ اُس مالک کے فرماں بردار رہے تو اپنے وعدوں کا اس سے زیادہ وفا کرنے والا کون ہے؟ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا، اللہ سے زیادہ اپنے وعدوں میں کون سچا ہے؟) پس (بہت) اچھا اجر ہے (خدا کے فرمان کے مطابق) کام کرنے والوں کا (انہوں نے ان تکالیف پر صبر کیا جو مومن باللہ ہونے کی وجہ سے اشرار و مشرکین نے ان کو پہنچائیں تو پھر جس کی فرماں برداری کی گئی اس نے وہ کچھ عنایت کیا کہ جس کا اندازہ تک بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن نیکی اور ایمان کا کوئی عملی ثبوت ہونا چاہیے اور پھر اس چیز کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ضروری ہے، جو منشاء الٰہی کے خلاف ہو، احکامِ خداوندی کو چلتی تلواروں میں سنا دینا چاہیے، یہ ہے تبلیغ حق۔ پالیسی وغیرہ کرنا اور لوگوں سے مرعوب ہونا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ فرمانِ خداوندی کو ڈنکے کی چوٹ سنا دینا اور خود بھی اس پر پورا اُترنا یہی ایمان کی روح ہے، زبانی جمع خرچ نہ ہونا چاہیے، بلکہ سچے دل سے اس کے فرمان پر عمل پیرا ہونا اور اس کی حمد و تعریف کے گیت گانا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کا انعام عمل و عبادت ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ یوں تو ذرّہ ذرّہ اس مالکِ عرش کی تعریف و توصیف کر رہا ہے کوئی طوعاً کوئی کرہاً مگر قابلِ تعریف وہ حمد ہے جو قادر صاحبِ اختیار ہستی (یعنی انسان) طوعاً کرے اور صرف خدا کی حمد کرے، اس کے سوا کوئی بھی لائقِ حمد نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے)

(۷۵) وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اور دیکھتا ہے تو (رویت قلبی یعنی دل کی آنکھوں اور عقل و شعور سے) ملائکہ کو عرش کے گرد حمد کے ساتھ اپنے ربوبیت کرنے والے کی پاکیاں بیان کرتے ہیں (ہر ہر ذرہ کا عرش (حکومت خداوندی)

Redg. No. L. 4445

تفسیر بیان للنّاس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ موجودہ ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیاتِ قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قولِ الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفہ فطرت، کہ فعلِ الٰہی ہے، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیشِ نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے دل نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابلِ قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چند خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے +

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانونِ وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر

یعنی:- منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (سَتے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

منگانے کا پتہ

دفتر اُمّت مسلمہ امرتسر

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ [illegible] روپے

فی پرچہ چار آنے

براہین وحی

مرتبہ

محمد حسین عرشی ——— محمد اقبال سلانی

نیاز فتح پوری نے اپنے رسالہ "نگار" میں چند مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے۔ چوں کہ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف تھا اور اسے تسلیم کر لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، اس لیے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء اور اہل فکر و قلم مسلمانوں نے نہایت مدلل اور کامیاب مضامین لکھ کر اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ "براہین وحی" ان ہی مبارک مضامین کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔ آپ اس بے نظیر کتاب میں علامہ اقبالؒ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرت سری، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد اویس نگرامی، ڈاکٹر تاثیر، ڈپٹی سید مقبول احمد بی اے اور حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے بلند پایہ محققانہ مضامین یک جا پائیں گے۔ ان مقالات میں بے شمار نقلی، علمی اور تاریخی حقائق سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہر لحاظ سے، ہر پہلو سے ایک زندہ جاوید الہامی کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں محمد اقبال صاحب سلانی کے قلم سے ایک نہایت بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے اور نیاز صاحب کے وہ تمام مضامین بھی، جن کے جواب میں یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال، مولانا تمنا عمادی، حضرت اسد ملتانی اور حضرت عرشی امرت سری کی بلند پایہ نظموں نے بھی کتاب کو زینت بخشی ہے۔ یقین کیجیے کہ دنیائے اسلام کی پوری تاریخ میں "براہین وحی" اپنے موضوع و ترتیب کے لحاظ سے پہلی کتاب ہے اور اپنے اندر ان تمام دلوں کی تسکین کا سامان رکھتی ہے جو قرآن مجید کو علم و تحقیق کی روشنی میں ایک آسمانی کتاب سمجھنا چاہتے ہیں۔

ملک کے تمام بڑے بڑے دینی اور علمی رسائل بڑی عزت اور مسرت کے ساتھ براہین وحی کا استقبال کر چکے ہیں۔ معارف، صدق اور ندیم جیسے موقر جرائد نے قرآن پاک کی اس مبارک خدمت پر نہ صرف تبصرے ہی لکھے، بلکہ اپنے افتتاحیہ مقالوں میں بھی اس کو خراج تحسین ادا کیا اور بالاتفاق اسے مسلمانان ہند کی ایک بہت بڑی خدمت قرار دیا۔ ہر مسلمان کے پاس، بالعموم اور ہر مبلغ قرآن کے پاس بالخصوص "براہین وحی" کا ایک ایک نسخہ ضرور موجود ہونا چاہیے۔ یہ حسین جمیل کتاب ۲۶×۲۰/۸ سائز کے سفید چکنے کاغذ پر، نہایت عمدہ کتابت اور طباعت کے ساتھ، ۱۸۲ صفحوں پر شائع ہوئی ہے۔ قیمت عہ مع محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمتِ مسلمہ امرت سر (پنجاب)**

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

نمبر ۲	فروری سنہ ۱۹۴۲ء مطابق محرم سنہ ۱۳۶۱	جلد ۱۴

فہرست مضامین

(محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا)

شذرات

"پورن جیون" | چند روز کا ذکر ہے، ایک غیر مسلم دوست سے اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ گفتگو کے دوران میں ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گئے کہ "دُنیا میں کسی بھی شخص کا جیون، پورن[1] جیون نہیں کہلا سکتا، ہر شخص کی زندگی میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور پائی جاتی ہے۔"

میں نے جواب دیا، ایک لحاظ سے آپ کی رائے درست ہے۔ جس حد تک کسی علم و فن کا یا دنیا کے عام کاروبار کا تعلق ہے، یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ دنیا میں کسی بھی شخص کی زندگی کامل نہیں! یعنی، یہ تو مانا جاسکتا ہے کہ ایک شخص اعلیٰ درجے کا مصنّف ہو، لیکن فنِ خطابت میں بالکل کورا ہو، یا ایک شخص فنِ تعمیر کا ماہر ہو مگر تجارت یا زندگی کے دوسرے ہنروں میں نااہل ثابت ہو! لیکن زندگی کے اخلاقی پہلوؤں کی رُو سے کم از کم ایک شخص ایسا ضرور گزرا ہے، جس کی زندگی کو "کامل زندگی"[2] کا نام دیا جاسکتا ہے۔ میری مراد پیغمبرِ اسلامؐ سے ہے۔ میرا یقین ہے کہ حضرت محمدؐ کی زندگی تمام انسانی کیریکٹر میں بے نظیر ہے۔

میرے مخاطب نے ایک لمحہ توقف کیا، گویا یہ جائزہ لیا کہ میں اس کے الفاظ برداشت کرسکتا ہوں یا نہیں اور پھر ہچکچاتے ہوئے اپنے دل کی بات کہہ ہی ڈالی کہ "میں حضرت محمدؐ کے جیون کو بھی "پورن جیون" سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔"

میں نے کہا: کیا آپ آںؐ کی زندگی پر کوئی اعتراض کرسکتے ہیں؟ میری آرزو ہے کہ میں آپ کی غلط فہمی دُور کرسکوں۔

"مثلاً پیغمبر صاحب کی ایک سے زیادہ شادیاں۔ ہوسکتا ہے کہ آج سے صدہا سال پہلے زندگی کا یہ نمونہ، کامل نمونہ ہی ثابت ہو سکے۔ مگر آج بیسویں صدی میں ساری دنیا نے بالاتفاق یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ایک

---

[1] کامل زندگی، اسلام کے نزدیک من کل الوجوہ کامل صرف اللہ ہے، انسان کا کمال بشری حیثیت سے ہوگا، کوئی بشر موت، مرض، پیری، احتیاج، خطا و نسیان وغیرہ بلاؤں سے پاک نہیں، قانونِ ارتقاء کا اقتضا ہے کہ ہر ہستی کمال کی طرف گام زن ہے، روحِ انسانی بھی حدِ بشری سے ہوتی ہوئی عالمِ آخرت میں کبھی نہ ختم ہونے والے جلوہ کمال پر نثار رہے گی لیکن یہاں جتنی زیادہ تیاری کرچکے گی، اتنی ہی وہاں سہولت و رفعت حاصل کرسکے گی، محمدؐ و ابراہیمؑ وغیرہ بزرگوں کی روحیں اس عالم میں ممکن الحصول کمالِ بشری حاصل کرکے روانۂ آخرت ہوئیں، واللہ اعلم بالصواب

[2] اس لحاظ سے بھی کہ آپ پر نازل شدہ کامل تعلیم قیامت تک طالبانِ کمال کے لیے مشعلِ ہدایت رہے گی، جبکہ کسی اور بزرگ

سے زیادہ عورتوں کے ساتھ رفاقت قائم کرنا سخت مضر ہے۔ عہدِ حاضر کا اخلاق اس چیز کو برداشت ہی نہیں کرسکتا۔"

میں نے کہا "اس وقت جنگ برپا ہے اور آپ یہ مانتے ہیں کہ یہ جنگ پچھلی جنگ سے کہیں زیادہ مہیب، زیادہ تباہ کن اور زیادہ ہلاکت انگیز ہے۔ اگر پچھلی جنگ میں صرف ایک کروڑ کے لگ بھگ انسان، ہلاک اور ناکارہ ہوئے تھے، تو اس جنگ میں جو قوت بازو کی جنگ نہیں مشین کی جنگ ہے، نوع انسان کی عالمگیر ہلاکت کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہزارہا انسان ہر روز موت کے منہ میں ڈھکیلے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ پچھلے دو برس سے جاری ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک جاری رہے۔ فرض کر لیجیے، یہ لڑائی پانچ سال تک جاری رہتی ہے اور انسانی آبادی میں سے، کم از کم، پانچ کروڑ مردوں کو موت کی نیند سلادیتی ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے بڑھ جائے گی اور مغربی ممالک میں تو جنگ سے پیشتر ہی اعداد و شمار کے ذریعے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں۔ اب اگر ہندوستان میں بھی، جنگ کے نتیجے میں، کروڑ، دو کروڑ عورتوں کی گنتی مردوں سے بڑھ جائے، تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اتنی عورتوں کی کھپت کا کیا انتظام ہوگا؟"

"....... دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کی جسمانی ورمعاشی حالت اجازت دیتی ہے، وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرلیں، تاکہ یہ عورتیں اور ان کی اولاد، باقاعدہ کفالت میں آکر، تباہ ہونے سے بچ جائے۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہمارا "مہذب" سماج ان کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔ اس صورت میں ہمیں جن نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا، ظاہر ہیں۔ عورتوں کو اقتصادی ضرورتیں بھی پیش آئیں گی اور جنسی بھی۔ ان لابدی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے وہ ناجائز کفالتیں تلاش کریں گی اور اس میں انہیں کام یابی بھی ہوگی۔ اس وقت بھی ہمارے ملک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں عورتیں ناجائز کفالتوں پر گزارہ کررہی ہیں، اُن میں وہ بھی ہیں، جنہیں حکومت کی طرف سے عصمت فروشی کے باقاعدہ لائسنس حاصل ہیں اور تمام بڑے بڑے شہروں میں محلّے کے محلّے اور بازاروں کے بازار اُن سے پٹے پڑے ہیں اور اُن میں وہ بھی ہیں، جو بیوگی یا لاوارثی کی مصیبتوں سے تنگ آکر ہوٹلوں میں، قحبہ خانوں میں اور عام اوباش لوگوں کے گھروں میں جا جاکر نفس امارہ کی تسکین کا سامان کرتی ہیں اور اُن کی تعداد لائسنس یافتہ زنانِ بازاری سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، پس ایسی صورت میں، جب کہ جنگ سے پہلے ہی، عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد، مغربی ممالک میں بالخصوص اور مشرقی ممالک میں بالعموم تنازع للبقاء کی خاطر حرام کاری اور عصمت فروشی

کی زندگی بسر کر رہی ہے، آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جنگ کے بعد، جب ان کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا صورت حال کتنی خوفناک ہو جائے گی!

اس سلسلے میں، میں آپ کی "مہذب سوسائٹی" کی اس کوتاہ فہمی کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے نزدیک زناکاری اور فحاشی کا مسئلہ کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا، مگر حقائق بتاتے ہیں کہ جب یہ بداخلاقی ایک وبا کی صورت اختیار کرلے، تو نہ صرف کسی قوم کی خانگی اور انفرادی زندگی ہی تباہ ہو جاتی ہے، بلکہ سیاسی اور جماعتی حیثیت سے بھی اس کی تباہی لازمی ہے۔ مغرب زدہ لوگوں کی طرف سے زناکاری کی بے اہمیتی کے حق میں ہمیشہ یہی دلیل دی جاتی ہے کہ یورپین قوموں میں کثرت کے ساتھ زنا ہوتا ہے، اس کے باوجود ان کی طاقت میں کوئی فرق نہیں آیا، بلکہ اس کے خلاف وہ بدستور مشرقی ممالک پر قابض اور حکمران ہیں۔ اس دلیل کا اتنی شدومد کے ساتھ پروپاگنڈا ہو چکا ہے کہ مشرق خود جنسی اخلاق کا دیوالہ نکالنے پر آمادہ ہو گیا اور جو لوگ کلکتہ، دہلی، شملہ اور لاہور، جیسے شہروں کی "بلند" اور "مہذب" سوسائٹیوں کے روزانہ اخلاق کا مطالعہ کر چکے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ مشرقی کیریکٹر کس بے تابی کے ساتھ مغرب کے آبرو باختہ اخلاق کی پیروی میں قدم اٹھاتا چلا جا رہا ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ ہم مغرب کی کسی "رسم و بدعت" کا استقبال اسی وقت کرتے ہیں، جب خود اہل مغرب اس کے تلخ نتائج سے دوچار ہو چکے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر "زناکاری" اور اس کے متعلقات مثلاً شراب خواری، اور "برتھ کنٹرول"[1] کے معاملے پر غور کیجیے۔ فرانس ان باتوں میں، دنیا کے تمام ممالک سے بازی لے گیا تھا، جتنی فحاشی اور بدکاری اس ملک میں پیدا ہوئی، اتنی کسی دوسرے ملک میں کبھی ظاہر نہیں ہوئی۔ جنسی بداطواری کے نئے نئے طریقوں میں، عیاشی کے نئے نئے فیشنوں میں، سیاہ کاری کے نئے نئے ڈھنگوں میں کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ فرانس کی فوجی طاقت، دنیا کی سات بڑی بڑی طاقتوں میں، دوسرے درجے کی طاقت سمجھی جاتی تھی، مگر جب جرمنی نے اس ملک پر حملہ کیا، تو یہی دوسرے درجے کی طاقت، تین ہفتوں کے اندر اندر پامال ہو کر رہ گئی۔ تمام دنیا انگشت بدنداں تھی کہ فرانس اس برق رفتاری کے ساتھ، موت کے منہ میں کیوں چلا گیا؟ دنیا کے بڑے بڑے مدبروں نے ان اسباب کا کھوج لگایا، جو اس بدنصیب ملک کی اچانک شکست کا باعث ہوئے۔ خود فرانس کے اعیان حکومت نے اور ذمہ دار افسروں نے اس سلسلے میں اپنے بیان شائع کیے اور کھلے طور پر یہ تسلیم کیا کہ ان کی شکست کا بڑا سبب، کھلی

---

[1] منع ولادت

حرام کاری، شراب نوشی اور برتھ کنٹرول کی لعنت ہے۔ ایک انگریزی اخبار میں Alkohal and the fall France کے عنوان سے ایک مختصر آرٹیکل نکلا تھا، جس میں بتایا گیا تھا کہ تمام دنیا میں جس قدر شراب پی جاتی ہے اس کا پانچواں حصہ صرف فرانس کے لوگ پی جاتے ہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ فرانس کے بیس لاکھ باشندے انگور کی کاشت کرتے ہیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ فرانس کے بعد، سب سے زیادہ بلانوش ملک امریکہ ہے۔ اگر امریکہ کے لیے کسی وقت جنگ میں حصہ لینا ناگزیر ہوگیا تو اُسے بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا جس ملک کے لوگ شراب خواری کی قبیح عادت میں مبتلا ہوں، اس کی فوجی طاقت پر اظہار اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔"

ہاں، تو آپ فرما رہے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی، مکمل زندگی نہیں ہے، لیکن واقعات، آپ کے اس خیال کی تائید نہیں کرتے۔ جس فرانس کا تذکرہ میں نے چھیڑ رکھا ہے، اس کے بارے میں مجھے دو ایک باتیں اور بیان کرنی ہیں۔ فرانس کے ذمہ دار افسروں اور مدبروں کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو اعلان شائع ہوئے، میں ان میں سے دو باتیں خصوصیت کے ساتھ یاد رکھ سکا ہوں۔ ایک یہ کہ جب فرانس کی سول آبادی اپنے جنسی اخلاق کا توازن قائم نہ رکھ سکی، جب زناکاری جیسا ظلم، سگریٹ نوشی اور تاش بازی کے ہم پلّہ قرار دے دیا گیا، تو پھر ایسا ہوا کہ عوام الناس کی صحت میں فتور پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک کے عام لوگوں کی صحت کا معیار پست ہوجائے، تو لامحالہ اس کی فوجی طاقت کا سٹینڈرڈ بھی گر جائے گا۔ فرانسیسی قوم عیاشیوں میں جتنی ترقی کرتی گئی، تندرستی اور صحت کے لحاظ سے اتنی ہی گرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ حکومت نے فوجی سپاہیوں کے قد، چھاتی کے ناپ اور وزن کا جو معیار قائم کر رکھا تھا، اس معیار کے مطابق سرے سے آدمی ہی ملنے بند ہوگئے۔ حکومت مجبور ہوگئی کہ فوجی سپاہیوں کی جسمانی صحت کا معیار گھٹا دے اور یہ معیار ایک مرتبہ نہیں گھٹایا گیا، پچھلے بیس سال کے عرصے میں بتدریج گھٹتا رہا اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ فوجی بھرتی میں نہایت گھٹیا اور نکمی صحت کے نوجوانوں کو بھی قبول کیا جانے لگا۔ یہ وہ لوگ تھے، جن کی جسمانی قوت اندر ہی اندر کھوکھلی ہوچکی تھی اور جب انہیں ہٹلر کے دیو قامت نوجوانوں سے واسطہ پڑا، تو انہوں نے پہلے ہی ہلّے میں گھٹنے ٹیک دیے۔

"یہ تو ثابت ہوگیا کہ سقوطِ فرانس کا سب سے بڑا سبب اس کی "جنسی بداخلاقی" ہے۔ آپ سوال کرسکتے ہیں، اس "جنسی بداخلاقی" کے محرکات کیا تھے؟ مجھے اس بات کا جواب دیتے ہوئے ذرا بھی دقّت محسوس نہیں ہوتی۔ ملک کے اخلاقی زوال کی نمایاں وجہ، عورتوں کی کثرت اور ان کی

غیر ازدواجی زندگی ہے۔ عورتوں کی کثرت اور ان کی غیر ازدواجی زندگی کا کوئی انتظام کرلیا جائے، تو انسانیت اس مآلِ بد سے کبھی دوچار نہیں ہوسکتی، جس نے فرانس کے سفینے کو پہلے ہی تھپیڑے میں غرق کردیا۔ پیغمبرؐ اسلام کا سماوی فلسفہ اس باب میں نوعِ انسان کی مکمل راہ نمائی کا داعیہ رکھتا ہے۔ حضورؐ نے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً الخ

(النساء ۳)

(ضرورت کے وقت) تم ان عورتوں سے جو تمہارے نکاح میں آنے کے لیے خوش ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار کرکے نکاح میں لاسکتے ہو، لیکن اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہیں کرسکو گے تو صرف ایک عورت ہی کافی ہے!

میں آپ کو "عدل" کے لفظ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس لفظ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو شخص ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرتا ہے، تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان سب سے انصاف کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط بڑی کٹھن شرط ہے اور اس کو عائد کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ لوگ حتی الوسع ایک سے زیادہ نکاح کرنے سے احتراز کریں۔ عدل کے لفظ کا ایک اس سے بھی وسیع تر مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک سے زیادہ عورتوں کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے، وہ دوسرے مردوں کے ساتھ بھی انصاف کرے۔ مثلاً اگر یہ چیز صاف نظر آ رہی ہو کہ کسی قوم یا برادری میں عورتیں تھوڑی ہیں اور مرد زیادہ، تو اس صورت میں کسی بھی سرمایہ دار یا عیش پسند شخص کے لیے از روئے قرآن یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کے حقوق پر چھاپہ مارے اور ایک سے زیادہ شادیاں کرے، دراں حالے کہ اس کے اکثر بھائیوں کو ایک ایک رفیقۂ حیات بھی میسر نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی نفسانی خواہشات کے پیشِ نظر ایسا کرتا ہے، تو سمجھ لیجیے، وہ "عدل" نہیں کرتا۔ پھر جس طرح یہ جرم ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے کم ہونے کے باوجود کوئی شخص ایک سے زیادہ نکاح کرلے، اسی طرح یہ بھی جرم ہے کہ اسلامی سوسائٹی کا خوش حال اور ذی استطاعت طبقہ، عورتوں کی کثرتِ تعداد کا کوئی مداوا نہ کرے۔ اسلام کا مقصود تو ہر حال میں عدل و میانہ روی قائم رکھنا ہے۔ جیسے بھی حالات ہوں، اُن کے مناسب قدم اُٹھانا ہوگا۔"

میرے ساتھی نے ان باتوں کو دل چسپی کے ساتھ سُنا اور فرمایا: "میں نے تعددِ ازدواج کے موضوع پر بہت سے مسلمانوں کے ساتھ [redacted] کی ہے مگر کہیں سے تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ بعض لوگ پیغمبر صاحب

گفتگو

کی شادیوں کے متعلق عجیب وغریب مصلحتیں بیان کرتے ہیں اور بعض لوگ اس طرح کے الزامی جواب دے کر ٹال جاتے ہیں کہ فلاں ہندو بزرگ نے بھی ایک سے زیادہ شادیاں کی تھیں اور فلاں نے بھی، لیکن ظاہر ہے کہ موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ اس قسم کے دلائل کو درخور اعتنا نہیں سمجھ سکتا۔ آپ کے دلائل سے میں اتفاق کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بعض مسائل کو خود مسلمانوں نے بھی نہیں سمجھا۔ اگر اسلام کو اس کی صحیح صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے، تو کوئی بھی سنجیدہ دماغ اُن پر غور کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"....... آپ نے اپنی گفت وگو میں برتھ کنٹرول کا بھی نام لیا ہے۔ اگر آپ کے پیغمبر کی زندگی ہر لحاظ سے کامل ہے، تو اس بارے میں بھی انہوں نے مسلمانوں کو کوئی ہدایت فرمائی ہوگی"؟

یہ میرے مخاطب کا دوسرا سوال تھا۔

میں نے کہا: "یقیناً اس باب میں بھی حضرت محمدؐ نے دنیا کی راہ نمائی کا حق ادا فرمایا ہے۔ برتھ کنٹرول یا منع ولادت کی تحریک، بیسویں صدی ہی کی معاشی تحریکوں میں سے ایک تحریک ہے۔ جب دنیا کی معاشی حالت خراب ہو گئی، سرمایہ سمٹ سمٹا کر دنیا کے چند بڑے بڑے سرمایہ داروں کے خزانوں میں جمع ہو گیا اور عوام اور پرولتاری طبقے کے لوگوں کو اپنی گذر بسر میں تنگی محسوس ہونے لگی تو چند سر پھرے اقتصادی راہ نماؤں نے دُنیا میں اس بات کا پروپاگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ لوگوں کی مالی مشکلات کا بہترین علاج "منع ولادت" میں مضمر ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ جب لوگ اولاد پیدا کرنا بند کر دیں گے، تو ان کی معاشی حالت بہتر ہو جائے گی۔ بہ ظاہر یہ دلیل بڑی خوش آئند معلوم ہوتی ہے، مگر واقعات کی کسوٹی پر پرکھنے سے اس کا کھوٹ ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ شروع شروع میں مغرب کے تقریباً سارے ممالک اس عجوبے پر ٹوٹ پڑے۔ گھر گھر، برتھ کنٹرول کا چرچا ہونے لگا اور ہر کس وناکس نے ایسے آلات کا استعمال شروع کر دیا جن سے استقرار حمل کو روکا جا سکے۔ اس میں انہیں کامیابی بھی ہوئی، یہ سلسلہ چل نکلا، مگر سب سے پہلے ہٹلر کے دُور رس دماغ ہی نے یہ سوچا کہ یہ تحریک قومی بیماری کی صورت میں ظاہر ہوگی، لوگوں نے بھی یہ دیکھ کر کہ برتھ کنٹرول کے ذریعے عیاشی کی بے شمار راہیں کھل سکتی ہیں، شروع شروع میں اس سے خوب "فائدے" اٹھائے۔ استقرار حمل کی صورت میں، انہیں بہت سے اخلاقی اور قانونی خطرات سے دوچار ہونا پڑتا تھا، لیکن "برتھ کنٹرول" نے چوں کہ اُن کے یہ سارے خدشات دُور کر دیے، اس لیے کیا عوام کیا خواص، سب کے سب بے تحاشا بدکاری کے ایک

نئے میدان میں کود پڑے، ہٹلر نے یہ دیکھ کر کہ یہ وبا، آہستہ آہستہ جرمن قوم کی آیندہ نسلوں کا خاتمہ کر سکتی، حکم جاری کیا کہ عورتیں، دفتروں، ہوٹلوں اور بازاروں کو خالی کر کے گھروں میں داخل ہو جائیں، اولاد پیدا کریں اور اس کی تربیت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیں۔ پھر اس نے مجرّد اور غیر متاہل لوگوں پر ٹیکس لگائے شادیاں کے لیے حکومت کی طرف سے قرضوں کا انتظام کیا اور اُن لوگوں کے لیے انعام مقرر کیے، جو زیادہ سے زیادہ اولاد پیدا کر سکیں۔ اُسے معلوم تھا کہ جو قوم نسل کشی کی راہ اختیار کرتی ہے، وہ ایک نہ ایک وقت ضرور مٹ جاتی ہے، اُس نے یہ ساری سکیمیں محض اس لیے اختیار کیں کہ جرمن قوم تولید و تناسل کے ذریعے سرسبز و خوش حال رہے!

مگر جرمنی کے ہمسایہ ممالک نے اپنی غفلت شعاری ترک نہ کی۔ مثالیں مہیا کرنے کے لیے مجھے بار بار فرانس کا نام لینا پڑتا ہے، کیوں کہ اس ملک کی بدنصیبیاں اب پوری طرح الم نشرح ہو چکی ہیں۔ فرانس میں منع تولید کی تحریک نے جس قدر مقبولیت حاصل کی، محتاجِ بیان نہیں۔ دولت کی فراوانی، بے فکری اور عیش و عشرت کے سامانوں کی بھرمار نے برتھ کنٹرول کی تحریک کو پوری امداد دی، ملک کے تمام دولت مند خاندان، تمام بڑے بڑے رؤسا، حکومت کے کارکن، فوجی اور سول افسر، سب کے سب

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کا نعرہ لگا کر منعِ حمل و ولادت کی رنگینیوں میں غرق ہو گئے اور واقعہ یہ ہے کہ عیش و عشرت کی گرم بازاری میں حصّہ بھی یہی لوگ لے سکتے تھے۔ بے چارے عوام یا مزدور طبقے کے لوگ نفس کی شیطانی مسرتوں کا اہتمام کریں یا بال بچوں کا پیٹ پالیں؟ چند ہی برس کے بعد دنیا نے دیکھا کہ تمام بڑے بڑے گھرانوں میں یعنی اس طبقے میں جو کسی ملک کے قیام و بقاء کے لیے ریڑھ کی ہڈی کہلاتا ہے، اولاد پیدا ہونی بند ہو گئی ہے، چوں کہ قاعدہ ہے کہ اچھے خاندانوں سے، اچھے خون اور اچھے دماغ کے لوگوں ہی سے اچھی نسلیں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے ملک کے مفکرین نے برملا اس اندیشے کا اظہار کیا کہ اگر ارکانِ حکومت اور امراء کا طبقہ برتھ کنٹرول سے عملاً دست بردار نہ ہُوا، تو چند ہی سالوں کے بعد فرانس میں پست اور ذلیل طبقے کے عوام تو ہر طرف چھا جائیں گے، مگر صحت مند عقل و دماغ کے مالک، اولوالعزم اور شریف انسانوں کا پوری طرح خاتمہ ہو جائے گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ فرانسیسی قوم اپنی عزت اور طاقت کو برباد ہونے سے بچا لے، نسل کشی کے طریقے چھوڑ دے اور خود اپنے ہاتھوں، اپنی قبر نہ کھود ے۔

پیغمبر اسلام کی عملی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ نے شادیاں کیں، اُن سے اولاد پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ صاف لفظوں میں خدا کا یہ اعلان بھی نوعِ انسان کو پہنچایا:

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ (الانعام ۱۵۱)	اور ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، کیوں کہ تمہیں بھی اور اُن کو بھی ہمیں رزق دیتے ہیں۔

دیکھیے، کتنے صاف لفظوں میں نسل کُشی کی ممانعت کی گئی ہے! اور سچ یہ ہے کہ جن لوگوں نے بنی آدم کے تدریجی ارتقاء کا، اس کے عہد بہ عہد معاشی وسائل کا گہرا مطالعہ کیا ہے، وہی لوگ اس ارشاد کو صحیح معنی میں سمجھ بھی سکتے ہیں۔ آپ غور کریں، جوں جوں دنیا کی آبادی بڑھتی جاتی ہے اور ہر قوم اپنی اپنی جگہ پر فکرمند ہوجاتی ہے کہ روزگار محدود ہوتے جارہے ہیں اور آبادی زیادہ، تو یہ خدا ہی کی رزّاقی کا کرشمہ ہے کہ کوئی قرن ایسا نہیں گزرتا، جس میں کوئی نہ کوئی انسان کسی بین الاقوامی ایجاد کے ذریعے، روزگار کی وسعتوں میں اضافہ نہ کرسکے۔ یہ تمام عجیب وغریب مشینیں، یہ انجن، یہ گاڑیاں، ہوائی اور بحری جہاز، یہ ٹیلی گراف، ٹیلی فون اور ریڈیو اور ان کے علاوہ اَن گنت ایجادیں، ٹھیک اسی طرح آہستہ آہستہ بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہیں، جس طرح انسان کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایجاد ایسی نہیں ہے، جو انسان کی بڑھتی ہوئی معاشی ضرورتوں اور گھٹتے ہوئے روزگار کا مداوا نہ کرتی ہو۔ خدا کی زمین بے شمار خزانوں کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ جوں جوں انسان کا دماغ ترقی کرتا جارہا ہے، اس کی ضرورتیں بھی بڑھتی جارہی ہیں، ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اس کی ایجادوں میں بھی اضافہ ہورہا ہے اور اُن ایجادوں کے لیے سارے کے سارے لوازم، زمین اپنے آپ اُگلتی جارہی ہے۔ جب ریل ایجاد نہ ہوئی تھی تو پتھر کے کوئلے کا کہیں نام ونشان تک نظر نہیں آتا تھا، مگر جوں ہی زمین کی چھاتی پر ریلوں نے دوڑنا شروع کیا، پتھر کا کوئلہ اس کثرت کے ساتھ زمین سے نکلنا شروع ہوا کہ لاکھوں ٹن روزانہ صرف ہونے کے باوجود، اس کے ذخیرے اسی طرح نکلتے چلے آرہے ہیں۔ جب موٹروں ہوائی جہازوں اور دوسری بے شمار مشینوں کی ایجاد ہوئی، تو ان سے پہلے کوئی پٹرول کے نام سے بھی واقف نہ تھا، مگر جب خدا نے دیکھا کہ انسان کو اس چیز کی ضرورت ہے تو اس نے زمین ہی سے یہ چیز بھی فراہم کردی۔ یہی حال دوسری معدنیات کا ہے اور ابھی نہ جانے، زمین کے پیٹ میں کیا کیا خزانے پوشیدہ ہیں اور نہ جانے کن کن ایجادوں کے سلسلے میں ان کی ضرورت پڑے گی، اور اس ضرورت کے مطابق زمین اُن کو بھی اُگلنا شروع کرے گی۔

پس خدا کا یہ ارشاد کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، کیوں کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، وہ رزق کے سامان بھی فراہم کرے گا، نہایت صحیح ارشاد ہے۔ ان لوگوں کی عقل و بصیرت پر ماتم کرنا چاہیے، جو بجائے اس کے کہ رزق و روزگار کے نئے نئے وسائل تلاش کریں اور کائنات کی مدفون دولتوں سے فائدہ اٹھائیں، اُلٹا اپنی نسلوں کا خاتمہ کرنے ہی میں اقتصادی بہتری کا یقین رکھتے ہیں!

محمد رسول اللہؐ کا "پورن جیون" آج چودہ سو سال کے بعد بھی اُن گم راہ لوگوں کا راہ نما بن سکتا ہے۔ انسانیت جب بھی سیدھی راہ پر آنا چاہے گی، تو ہزار ٹھوکروں کے بعد بھی اُسے وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا جس کی طرف پیغمبر اسلامؐ نے راہ نمائی کی تھی اور جس کی آخری منزل، قرآن ہے!

محمد اقبال سلمانی

اقبالؒ کی پیش گوئیاں یہ مضمون کلامِ اقبالؒ کی وسعت و فراخی کے لحاظ سے طوالت کا متقاضی تھا جس کے لیے ایک رسالے کا محدود گوشہ سخت ناکافی تھا، تاہم مولف نے کافی تجسس اور احاطہ سے کام لے کر اس باب میں علامہ مرحوم کا منزِ سخن پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، اس کے وسیع نفع و افادہ کا لحاظ کر کے، اس کی کاپیاں "البیان" سے الگ بھی چھپوائی گئی ہیں، جن دوستوں کو زیادہ نسخوں کی ضرورت ہو، بے تکلف دفتر سے تین آنہ کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرماسکتے ہیں۔ اس زمانے کی نئی نبوتوں سے متاثر سادہ لوح اصحاب کے لیے اس کا مطالعہ یقیناً نفع بخش ثابت ہوگا، انشاءاللہ۔

مفت لٹریچر جناب محمد احمد علی صاحب انجینئر کپورتھلہ کی مرسلہ ایک سو بیس کتب (صراط مستقیم، مسیح و احمد، تقلید و تحقیق، قیامت، حیات و ممات کا معمہ، فلسفہ روحانی) صرف محصول ڈاک پر "البیان" کے نئے و پرانے معاونوں کو ارسال کی جاچکی ہیں، اب انہوں نے ہماری درخواست پر مزید ۱۵۰ کتابیں ارسال فرمائی ہیں جو چار روپے (نو آنے (للعہ)) بھیجنے والے اصحاب کو سال بھر "البیان" اور ۱۳۰۰ صفحہ کے بلاغ کے پرانے پرچوں کے ساتھ مفت بھیجی جائیں گی۔ ان کتابوں کا الگ حجم ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

"البیان" مفت ایک مخیر مسلمان بزرگ کی خواہش کے مطابق ان کی ایک گراں قدر رقم سے پچاس ائمہ مساجد کے نام چھ ماہ کے لیے "البیان" مفت جاری کرنے کا اعلان اخبارات میں شائع کرایا گیا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اب تک تیس اماموں کی درخواست پر ان کے نام رسالہ جاری کر دیا گیا ہے۔ جو امام صاحبان باقی ہیں پرچوں کی گنجائش سے فائدہ اٹھانا چاہیں، دفتر کو مطلع فرمائیں۔

دو قرآن

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برقؔ ام اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دو ہیں۔ کتابُ الہی اور صحیفۂ فطرت، یعنی کائنات۔ ہردو کو اللہ نے آیات کہا ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق تو ظاہر ہے:

تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ (۱۲/۱) (قرآن کے مندرجات کتابِ مبین کی آیات ہیں)

دلیل اوّل | صحیفۂ کائنات کے مختلف مناظر کو سینکڑوں دفعہ آیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (۳/۱۹)	ارض و سما کی تخلیق اور اختلافِ لیل و نہار میں عقلمندوں کے لیے آیات ہیں۔
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ ..... وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ	ارض و سما کی تخلیق، اختلاف لیل و نہار، سمندروں میں تیرنے والی مفید کشتیوں .... اور اُس گھٹا میں جو زمین و آسمان کے درمیان خیمہ آرا ہے۔ اربابِ عقل کے لیے آیات موجود ہیں۔
وَمِنْ اٰیَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (۲۱/۹)	زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں و رنگوں کا اختلاف اللہ کی آیات میں سے ہے۔
وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیَاتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (۲۵/۱۷)	تمہاری پیدائش اور چوپاؤں کی افزائش نسل میں سرمایہ دارانِ یقین کے لیے آیاتِ الہی موجود ہیں۔

دلیل دوم | قرآن اور صحیفۂ کائنات ہردو بہ ظاہر بے ترتیب سے ہیں۔ قرآن حکیم میں ربطِ آیات و سُوَر مفسرین کے لیے ہمیشہ ایک معمہ بنا رہا اور کائنات کی ظاہری بے ترتیبی عیاں ہے۔ سیاروں کی بکھری ہوئی محفل سلسلہ کہستان کی بلند و پست چوٹیاں، انسانی دنیا میں الوان و طبائع کا اختلاف۔ اقلیم اشجار میں ظاہری بے تُکی اور حشرات و حیوانات کی بے آہنگی طلبائے کائنات کو ہمیشہ پریشان کرتی رہی۔ ہردو بہ ظاہر بے ترتیب ہیں، لیکن دراصل ایک زبردست نظام کے حامل ہیں۔ جس طرح اسرارِ قرآن انسانی فہم سے وراء الورا

ہیں، اسی طرح صحیفۂ فطرت باوجود عیاں ہونے کے ازبس ادق ہے۔ علماء مغرب افعال الٰہی (کائنات) کے مطالعہ پر عمریں صرف کر چکے ہیں، لیکن ان بزرگوں کی ہر کوشش انہیں پیام درماندگی دے رہی ہے اور قدم قدم پہ یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ "معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد"

دلیل سوم | جس طرح دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالم قرآن کی ایک آیت نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح بڑے سے بڑا سائنس دان ایک پتے اور ذرّے تک کی تخلیق سے عاجز ہے۔

اہمیت مطالعۂ فطرت | جس طرح قولِ خدا (قرآن) کا مطالعہ فرض ہے، اُسی طرح عملِ خدا (کائنات) کا مطالعہ بھی ازبس لازمی ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (۲۰)	اے رسول! دنیائے انسانی کو حکم دے کہ وہ زمین میں چل پھر کر آغازِ آفرینش پر غور کریں

جس طرح قرآن سے اعراض باعثِ ہلاکت ہے۔

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ	ان لوگوں نے کلامِ الٰہی سے منہ پھیر لیا.....

اسی طرح صحیفۂ کائنات سے اعراض بھی عذابِ الٰہی کا باعث بنتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ	ارض و سما میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں کہ جن سے یہ غافل لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

ایک مقام پر تو صحیفۂ کائنات کے مطالعہ سے اعراض کی سزا قومی موت تجویز کی گئی ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ	یہ لوگ آسمان و زمین وغیرہ کی تخلیق پر کیوں غور نہیں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آ گئی ہے۔

مطالعۂ کائنات کی اہمیت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق، قرض وغیرہ پر ایک سو پچاس آیات ہیں اور مطالعۂ کائنات کے متعلق سات سو چھپن۔
قرآنِ حکیم تمام ازمنہ کے لیے آخری پیامِ الٰہی ہے۔ اگر آج یہ کتاب ہمیں معادنِ ارضیہ، مخازنِ جبال، دفائنِ بحار اور خزائن کوہسے مستفید ہونے کا درس نہیں دیتی اور ترقی یافتہ اقوام کا ہمدوش نہیں بناتی تو یہ کتاب (خاکم بدہن) صراحتہً ناقص و نامکمل ہے اور اس کا دعوٰی اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (نعوذ باللہ) بے بنیاد ہے۔ آج اہل

مغرب تو ہے، تلسنبے، بارود اور دیگر خزائن ارضی سے فائدہ اٹھا کر فلکِ علم و ہنر پر آفتاب بنے ہوئے ہیں، ہواؤں میں اُڑ رہے ہیں، دریاؤں پر تیر رہے ہیں، زمین کی بعید ترین اطراف کی خبریں لموں میں سُن رہے ہیں۔ عمل تخبیر سے ریلیں دوڑا رہے ہیں، آنے والے حوادثِ سماویہ (باد و باراں) کی خبریں دے رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ صحیفۂ کائنات کو پڑھنے کے بعد موزون قوانین و آیات کو اپنی بہتری کے لیے استعمال کر رہے ہیں: و۔ دوسری طرف ہمارا مذہبی رہنما یعنی مُلّا اعمالِ خدا سے اس قدر جاہل، منشاءِ الٰہی سے اس قدر کورا اور مطالعۂ کائنات سے مطلقاً بیگانہ ہے کہ اُسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہوا میں چراغ کیوں بجھ جاتا ہے اور آگ کیوں بھڑک اٹھتی ہے؟ دل کیوں دھڑک رہا ہے؟ سانس کی آمد و رفت کیوں ہے؟ دست و پا، دل و دماغ، حواس و اعصاب اور عروق و عضلات میں اللہ کے کون سے معجزات موجود ہیں؟ رحمِ مادر میں بچے کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے؟ مرورِ زمانہ کا کرۂ ارض پر عمل کیا اور کیوں ہے؟ الغرض علمائے اسلام اعمالِ الٰہی سے یکسر غافل، معجزاتِ تخلیق سے سراپا ناآشنا اور فطرت کے ایمان افروز کارناموں سے بالکل بیگانہ ہے اور پھر بھی علم کا مدعی ہے۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ۔ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ	غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ پتھروں کی تہیں موجود ہیں۔ نیز انسانوں، چوپاؤں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد رکھو کہ اللہ سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔

اس آیت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصلی علم صحیفۂ کائنات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے اور کہ خوف یا خشیۃ اللہ صرف عالمِ کائنات ہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح شیکسپیئر، روسو، لقمان، سعدی بوعلی سینا اور اقبال کی صحیح عظمت کو سمجھنے کے لیے اُن کے اعمال (تصانیف) کا مطالعہ ضروری ہے، اسی طرح اللہ کی عظمت و رفعت، لرزہ فگن کمالِ تخلیق، ہیبت انگیز عقل و دانش، پُرشکوہ نظامِ ربوبیت اور خیرہ ساز نسقِ کائنات کو سمجھنے کے لیے صحیفۂ فطرت میں غور و تدبر کرنا پڑے گا۔ اگر کسی مصنف کی تعریف اُس کی تصنیف پڑھے بغیر ہو سکتی ہے تو اللہ کی حمد و ثنا بھی اُس کے حیرت انگیز اعمال پر تدبر کئے بغیر ممکن ہے۔

ایک بھوکا روٹی ملنے پر، پیاسا پانی حاصل کرنے کے بعد اور جاہل دولتِ علم سے بہرہ ور ہو کر شکریہ ادا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد ملنے پر یوں شکرِ الٰہی ادا فرماتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ	اُس اللہ کا شکر ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے دو بیٹے

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ	اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ عطا فرمائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام زندان سے رہا ہو کر فرماتے ہیں:

وَاَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ	اللہ نے جیل خانے سے نکال کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

الحمد للہ اذ لم یاتنی رجل حتی اکتسبت من الاسلام سربالا

اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے موت سے پہلے مجھے لباسِ اسلام سے مزیّن کیا

لیکن مسلمان کو محض ذاتی فائدہ کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے رب العالمین ہونے پر شکریہ ادا کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین

غور فرمایئے کہ مطالعہ کائنات کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کس قدر وسیع ہمدردی کا پیام دیا گیا ہے۔ اللہ کو صرف حقیقی حمد و ثنا پسند آتی ہے۔ اس لیے آج بعض ایسی اقوام معزز کر دی گئیں جو خدا کی صحیح معنوں میں شاکر ہیں اور ہمیں ریاکاری و زبانی زبانی حمد و ثنا کی سزا ذلّت و غلامی کی صورت میں دی گئی، حالانکہ ظاہری ساجدوں اور مصلّیوں سے ہماری مساجد معمور ہیں لیکن

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ	میرے حقیقی شکر گذار بندوں کی تعداد بہت کم ہے۔

زمین میں معدنیات کا ایک حیرت انگیز سلسلہ موجود ہے۔ پھر مخفی قوانین سمع و بصر (ریڈیو و ٹیلی ویژن) موجود ہیں۔ آج بجلی اور اُس کے کرشموں، جرِ ثقیل اور اُس کے معجزوں، سٹیم اور اُس کے عجائبات، پٹرول اور اس کے کمالات سے دیگر اقوام[1] فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ حالاں کہ

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔	اے مسلمانو! تمام کائنات و خزائن ارضی تمہارے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

کے مخاطب ہم تھے۔ ہمیں بھی آنکھیں، کان اور دل و دماغ عطا ہوا تھا، لیکن ہم نے اِن اعضاء کا صحیح استعمال نہ کیا اور آج اسی جُرم کی سزا بُھگت رہے ہیں۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ	انسان سے آنکھ، کان اور دل کے صحیح یا غلط استعمال

---

[1] دیگر اقوام نے اقوالِ خدا سے روگردانی کی اور صرف اعمالِ خدا کا مطالعہ کیا، اس لیے وہ پورا فائدہ نہ اٹھا سکیں، ہم نے اقوال و اعمال دونوں کو پس پشت ڈال دیا اس لیے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے ہوئے۔ (البیان)

كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا	کے، متعلق بازپرس ہوگی۔

زمین پر انسان اللہ کا قائم مقام ہے، جس طرح اللہ مادے کو توڑ پھوڑ کر ہر روز تخلیق کے نئے نئے مناظر دکھاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی اللہ کی پیروی کرنا چاہیے اور لوہے، تانبے و دیگر معادن سے موٹریں، جہازات و دیگر قوت کے سامان تیار کرنا چاہئیں۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ	تم اللہ کی اطاعت کرو۔

حدیث میں ہے، تخلقوا باخلاق اللہ ..... اخلاق الٰہی سے مماثلت کی امکانی کوشش کرو۔

اسلام میں تفکر و تدبر کو بہترین عمل قرار دیا گیا۔ حدیث میں وارد ہے، تفکر ساعۃ خیرٌ من عبادۃ سنۃٍ (صحیفۂ کائنات میں گھڑی بھر تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے)

ایک دن صبح بیدار ہونے کے بعد آں حضرت صلعم نے فرمایا:

لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَ اٰيَةٌ وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَدَبَّرْ - وَيْلٌ لَهٗ ثُمَّ وَيْلٌ لَهٗ	آج رات مجھ پر ایک آیت گزری، ہلاکت ہو اس پر جو اسے پڑھے اور غور نہ کرے۔ اس پر دوبارہ و سہ بارہ ہلاکت ہو۔

پھر یہ آیت پڑھی:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ..... لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ	زمین و آسمان کی تخلیق .... میں اہل دانش کے لیے آیات موجود ہیں۔

قرآن حکیم مومنین کو بلندی و رفعت کی بشارت دینے آیا تھا:

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	اگر تم ایمان دار رہے تو دنیا میں سربلند رہو گے۔

آج دنیا میں وہی قوم بلندی، آزادی اور عزت حاصل کرسکتی ہے جو صحیح معنوں میں فیض رسان اور خادم خلق ہو جو مخازن و معادن کو استعمال میں لا کر رفاہِ عامہ کے لیے گاڑیاں چلائے، دریاؤں پر پل باندھے، نہروں اور سڑکوں کا جال بچھائے، سمندر کی طغیانیاں مسخر کر کے انہیں تجارت کے قابل بنائے، جن کی تلاش و جستجو سے عالم مستفید ہو جو آبشاروں سے بجلی پیدا کر کے ایک دنیا کو روشنی اور طاقت عطا کرے۔ جو کوئلے اور پٹرول کا صحیح استعمال جانتی ہو اور جس کے فولادی اسلحہ اعدائے انسانیت کو تباہی و ہلاکت کا پیام سنا رہے ہوں۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔	ہم نے فولاد پیدا کیا جو ایک پرہیبت اور نہایت مفید معدن ہے۔

کوئلہ سبز درختوں کے مٹی میں دب جانے سے تیار ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف آیتِ ذیل میں اشارہ ہے:

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنْتُمْ تُوْقِدُوْنَ۔	اللہ نے سبز درختوں سے آگ پیدا کرنے کا سامان کیا اور آج تم اِسے جلا رہے ہو۔

قرآن حکیم میں ہمیں "امر بالمعروف" کا لقب دیا گیا ہے۔ معروف یہی ہے کہ ہم کائنات کے اسلحہ خانہ سے وہ قوت وہیبت کے سامان نکالیں کہ شیطان کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جائے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔	تم وہ سامانِ قوت پیدا کرو۔ اور تھانوں پر تمہارے گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن اور اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

تامرون بالمعروف میں "تامرون" کا لفظ صاف صاف اعلان ہے اس حقیقت کا، کہ خیر الامم وہ ہے جو دنیا میں معروف یعنی نیکی، عدل، مساوات وصلح وآشتی کا حکم دے سکے۔ حکم دینا حاکم کا کام ہے، پس خیر الامم کے لیے حاکم ہونا ضروری ہے اور اس زمانے میں کوئی حکومت معادنِ ارضی کے استعمال کے بغیر ایک دن کے لئے بھی باقی نہیں رہ سکتی ـــــ مُنْكَرْ کے لفظ میں ہر قسم کی بدی شامل ہے۔ دنیا میں غلامی سب سے بڑی برائی ہے۔ یہ ذلت، بدکاری جہالت اور فلاکت کی آخری معراج ہے۔ ایک غلام قوم میں معروف کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ وہ بکریوں کا ایک ریوڑ ہوتی ہے۔ جس طرح بکری کا دودھ، گوشت، چمڑا، ہڈیاں، مینگنیاں اور بال تک فروخت کیے جاتے ہیں، اسی طرح ایک حاکم قوم محکوم قوم کی تمام پیداوار، سرمایہ، اجناس، زمین اور جان تک صرف اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ کیا ایسی قوم خیر الامم ہو سکتی ہے؟

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	(مسلمانو!) تم خیر الامم ہو اور دنیا کی بہتری کے لیے اٹھے ہو، تمہارا کام معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے۔

"اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ خیر الامم بننے کے لیے تمام دنیا کی بہبودی پر توجہ صرف کرنا پڑے گی۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے پاس نفع رسانی کے تمام اسباب موجود ہوں۔ ہم عالمگیر علم، ہیبت خیز اسبابِ قوت اور جاذبِ قلوب متاعِ اخلاق کے مالک ہوں۔ اگر ایک طرف دنیا ہمارے اخلاق کی ثنا خواں ہو تو دوسری طرف ہماری شمشیرِ خارا شگاف سے ہفت اقلیم کی تمام طاغوتی طاقتیں رعشہ براندام ہوں۔ یہی معروف ہے۔ اور یہی وہ قبائے زریں ہے جو خیر الامم کے قامت پر راست آتی ہے۔

ہمارے واعظوں نے اِس انقلاب انگیز آیت کو اس قدر مسخ کر رکھا ہے کہ معروف کے معنی ڈاڑھی، نماز[1] اور منکر کے معنی ڈاڑھی منڈانا اور مُلّا صاحب کی ضیافت نہ کرنا قرار دیے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ	یہ لوگ الفاظ کو صحیح معنوں سے ہٹا دیتے ہیں۔ (باقی دارد)

---

[1] نماز کے معروف ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن جب تک ایک آدھ حقیقی معروف ساتھ نہ رکھا جائے چند مصنوعی معروف ہضم نہیں کئے جاسکتے۔ (البیان)

حدیث سموئیلؑ

(۱)

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے حالات میں حضرت موسیٰؑ کے بعد ایک اور نبی کا ذکر موجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس تذکرے میں ان کا نام نہیں بتایا، البتہ تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام سموئیل تھا۔

حضرت سموئیل سے بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے یہ مطالبہ کیا کہ اُن کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے تاکہ اُس کی نگرانی میں وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کریں۔ آپؑ نے فرمایا:

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ط (البقرہ ۲۴۶)	اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے، تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔

ان لوگوں نے کہا: بھلا ہم راہِ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے۔ جب کہ ہم وطن سے خارج اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں، مگر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا، تو چند اشخاص کے سوا سب نے انکار کر دیا۔

(۲)

حضرت سموئیلؑ نے اُن سے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ط (البقرہ ۲۴۷) خدا نے تم پر طالوت کو ملک (بادشاہ) مقرر فرمایا ہے۔

انہوں نے کہا: طالوت ہمارا بادشاہ بننے کا مستحق نہیں، کیوں کہ وہ کوئی ایسا مالدار شخص تو ہے ہی نہیں۔

حضرت سموئیل نے یہ جواب سُن کر ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (البقرہ ۲۴۷)	اللہ نے اس کو تم پر فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے منتخب فرمایا ہے[1] اُس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا) عطا کیا ہے) اور خدا (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔

---

[1] اس آیت کے ذریعے خدا تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ لوگوں پر حکومت کرنے والے شخص میں کیا کیا اہلیتیں ہونی چاہئیں۔ پہلی اہلیت یہ بتائی کہ عام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ عالم ہو۔ یہاں مطلق علم کی شرط ہے، یعنی، دین میں، دنیا کے معاملات میں، انتظامی امور میں، سیاست کاری اور ملکی مہمات میں، ہر فروری صیغے میں اسے علم و بصیرت کی نظر حاصل ہو۔ بادشاہت کی دوسری شرط یہ ہونی چاہیے کہ اس شخص کی جسمانی صحت بھی سب سے بہتر ہو۔ وہ ایک بہادر اور نڈر آدمی ہو، جنگ و

پھر فرمایا:

اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[1] (البقرہ ۲۴۸)	اس کی (یعنی طالوت) کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا، جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی، یہ ان باتوں سے ہے جو آل موسیٰ و آل ہارون چھوڑ گئے ہیں، ان کو فرشتے اٹھا کر لایا کرتے تھے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

حدیث داؤد و سلیمانؑ

(۱)

حضرت داؤد اور اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام، دونوں پیغمبر تھے۔ خدا تعالیٰ نے دونوں کو فیصلہ کرنے کی سمجھ اور علم عطا فرمایا تھا اور انہیں طرح طرح کی فضیلتیں حاصل تھیں۔ چنانچہ دونوں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النمل آیت ۱۵)	خدا کا شکر ہے، جس نے ہمیں اپنے بہت سے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳ جہاد میں حصہ لے سکتا ہو، فوجوں کی کمان کر سکتا ہو اور خطرے کے ہر میدان میں کود سکنے کی جرأت رکھتا ہو۔ اسلام، نسب و وراثت اور شخصی دولت کی بادشاہت اور امامت میں کوئی یقین نہیں رکھتا۔ دنیا کے آدھے فتنے نسب و وراثت کی کمینہ ذہنیت نے برپا کئے ہیں۔ خلافت راشدہ کا مبارک دور اسی فاسد خیالی اور فتنہ انگیزی کے باعث ختم ہوا تھا۔ بنی ہاشم اور بنی امیّہ کی نسلی رقابتوں نے "امیر ابن امیر" کا فتنہ برپا کیا۔ انہوں نے اپنی اپنی خاندانی فضیلتوں کے گن گائے، اپنے حسب نسب کی تائید میں بے شمار جعلی حدیثیں شائع کیں اور اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا۔ اگر وہ قرآن مجید کا یہ زرّیں اصول کہ امیر، وہی ہونا چاہیے، جو علم و جسم میں افضل ہو، مدِنظر رکھتے، تو جن خانہ جنگیوں نے ان کی طاقت کا خاتمہ کیا، کبھی پیدا نہ ہوتیں۔

[1] آیت میں جس صندوق کو تابوت فیہ سکینہ کہا گیا ہے، اُس میں وہ تمام علوم تھے جو آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے تھے، اس میں خدا کی طرف سے تسلی، معقول اور دائمی حقائق تھے۔ یہ حقائق خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں بطور وحی ملے تھے۔ تحملہ الملٰئکۃ کے یہی معنیٰ ہیں کہ فرشتے ان باتوں کو خدا کی طرف سے لے کر آیا کرتے تھے۔ (بحوالہ بیان للناس)

(۲)

ایک مرتبہ دو شخص دیوار پھاند کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ آپؑ نے ان کو دیکھا تو بہت گھبرائے۔ ان دونوں نے کہا: ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے۔ پھر ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کر کے بولا: یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک۔ یہ کہتا ہے کہ یہ ایک دُنبی بھی میں اس کے حوالے کر دوں اور گفت و گو میں بھی مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔ حضرت داؤد نے یہ سُن کر فرمایا:

لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِىْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (ص: ۲۴)

یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے، بے شک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں۔ ہاں، جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے (وہ البتہ زیادتی نہیں کرتے) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

حضرت داؤد نے خیال کیا کہ اس واقعے سے ان کی آزمائش[1] کی گئی ہے، تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور خدا کی طرف رجوع کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کی تلقین فرمائی۔

(۳)

حضرت سلیمان علیہ السلام منطق الطیر[2] یعنی، جاسوسوں کی بولی جانتے تھے۔ چنانچہ وہ اس کا ذکر کرتے

---

[1] اس مقدمہ میں جناب داؤد نے صریح غلطی کھائی کہ دوسرے فریق کا بیان سنے بغیر فیصلہ دے دیا، بعد میں آپ کو اس غلطی کا احساس ہوا جو حقیقت میں سخت گناہ تھا، فوراً تلافی کی طرف طبیعت متوجہ ہو گئی اور استغفار پڑھتے ہوئے سجدے میں گر پڑے۔

[2] منطق الطیر کے عام معنیٰ پرندوں کی بولی لیے گئے ہیں، حالاں کہ یہ مطلب عقل و فطرت کے صریحاً خلاف ہیں، صاف اور سیدھی بات ہے کہ حضرت سلیمانؑ چونکہ اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے فرماں روا تھے، اس لیے انہیں مہمات سلطنت کی انجام دہی کے لیے جاسوسی کا ایک محکمہ بھی قائم کرنا پڑا اور اس محکمے کے لیے جو خاص بولی مقرر کی گئی تھی، آپؑ اس میں بہت ماہر تھے —— موجودہ زمانے کے ہر نظام حکومت میں بھی، ایسے ہی رازدارانہ محکمے موجود ہیں۔ بالخصوص ملٹری ڈیپارٹمنٹوں میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ خاص اصطلاحات کے ذریعے پیغام بھیجے جاتے ہیں، ایسی عبارتوں میں خط لکھے جاتے اور تار بھیجے جاتے ہیں کہ ذمہ دار افسروں اور متعلقہ کارکنوں کے سوا کوئی دوسرا شخص انہیں مطلقاً نہیں سمجھ سکتا۔

ہوئے کہتے ہیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ ٱلطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَىْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ ٱلْفَضْلُ ٱلْمُبِينُ (النمل: ۱۶)	اے لوگو! ہمیں جاسوسوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز عنایت فرمائی گئی ہے، بے شک یہ اُس کا صریح فضل (واحسان) ہے۔

(۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تمام لشکر، یعنی، جنّوں، انسانوں اور جاسوسوں کے لشکر جمع کیے اور وادی النمل[1] کی طرف بڑھنے لگے تو ایک (نملا) نے پکار کر کہا: "اے نملو! اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ! ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اُن کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور اُن کو خبر بھی نہ ہو۔ آپؑ نے یہ بات سُنی: تو مسکرا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے:

رَبِّ أَوْزِعْنِىٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتَ عَلَىَّ وَعَلَىٰ وَٰلِدَىَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَٰلِحًا تَرْضَىٰهُ وَأَدْخِلْنِى بِرَحْمَتِكَ فِى عِبَادِكَ ٱلصَّٰلِحِينَ (النمل: ۱۹)	اے پروردگار! مجھے توفیق عنایت کر کہ جو احسان تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں، اُن کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تُو اُن سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

---

[1] وادی النمل کے معنی عام طور پر چیونٹیوں کا میدان لکھے گئے ہیں، مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق جہاں اور بہت سی بے سروپا باتیں تفسیروں میں مشہور ہیں، وہاں یہ مضحکہ خیز بات بھی قریباً عام روایتوں اور تفسیروں میں برابر ملے گی کہ وادی النمل چیونٹیوں کا کوئی وادی تھا، جہاں سلیمان علیہ السلام اپنی فوجوں کو لے کر داخل ہوئے تھے۔ یہ بالکل خارج از عقل بات ہے کہ کوئی چیونٹی دوسری چیونٹیوں کو آواز دے کر ہوشیار کرے اور انہیں اپنے اپنے بلوں میں داخل ہونے کی دعوت دے۔ واقعہ یہ ہے کہ وادی النمل میں اس قوم کی بستیاں تھیں، جو نمل کے نام سے مشہور تھی۔ اس قوم کی ملکہ نے اعلان کیا کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جائیں تاکہ حضرت سلیمانؑ کا عظیم الشان لشکر انہیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا سکے۔ حضرت سلیمانؑ کو جب اس اعلان کا علم ہوا تو وہ مسکرا پڑے، اُن کی مسکراہٹ کا مطلب یہ تھا کہ ان کا لشکر خواہ مخواہ لوگوں کے آزار کا باعث نہیں ہو سکتا تھا اور نملہ کا یہ خیال کہ اس کی قوم کو خواہ مخواہ کوئی گزند پہنچے گا، صحیح نہ تھا۔

جب آپؑ نے اپنے جاسوسوں کا جائزہ لیا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہُدہُد[1] ان میں موجود نہیں۔ فرماتے ہیں:

مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ (النمل ۲۰-۲۱)	کیا وجہ ہے کہ ہُدہُد نظر نہیں آتا؟ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اُسے سخت سزا دوں گا، یا ذبح کر ڈالوں گا، یا میرے سامنے (اپنی غیر حاضری کی) واضح دلیل پیش کرے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ہُدہُد بھی آموجود ہُوا اور کہنے لگا، مَیں سبا[2] سے ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں، میں نے دیکھا کہ اس شہر کی ایک فرماں روا ایک عورت ہے، جسے ہر چیز میسّر ہے اور جس کے پاس ایک بڑا تخت بھی موجود ہے۔ وہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہیں اور اُن کے اعمال، شیطان نے اُن پر آراستہ کر دکھائے ہیں۔
حضرت سلیمانؑ نے فرمایا:

سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝ (النمل: ۲۷-۲۸)	ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے، یا تو جھوٹا ہے۔ یہ میرا خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے، پھر ان کے پاس سے لوٹ آ۔ پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

(۵)

ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کا وہ خط، جس کا مضمون حسب ذیل تھا، اپنے درباریوں کو پڑھ کر سنایا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ (النمل ۳۰-۳۱)	شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (بعد ازاں کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ

پھر اپنے درباریوں سے رائے دریافت کی کہ ہمیں اِس خط کا کیا جواب دینا چاہیے؟ انہوں نے جواب

---

[1] ہُدہُد کے متعلق یہ غلط فہمی عام ہے کہ وہ کوئی پرندہ تھا۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ ہُدہُد ایک انسان تھا، حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں ایک فوجی عہدہ دار یا جاسوس تھا۔ قرآن مجید میں ہُدہُد کے متعلق جو باتیں پیش کی گئی ہیں، وہ ایسی باتیں ہیں، جنہیں کوئی انسان ہی سرانجام دے سکتا ہے۔ اس کا ملکہ سبا کے پاس جانا، اس کے مذہبی خیالات کی تحقیق کرنا، پھر حضرت سلیمانؑ کو آکر یہ بتانا کہ ملکہ سبا، ایک آفتاب پرست عورت ہے، یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ پرندہ نہ تھا، اچھا خاصہ صاحب علم و عقل انسان تھا۔

[2] یمن کا ایک شہر

دیا، اگر آپ حکم دیں تو ہم لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ ملکہ نے کہا: (بادشاہوں کا مقابلہ اچھا نہیں) وہ جس بستی میں داخل ہوتے ہیں، اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اس لیے لڑائی سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ میں سلیمانؑ کی خدمت میں کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں[1]:

جب یہ تحفہ، حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کیا گیا، تو آپؑ نے فرمایا:

اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ○ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ (النمل ۳۶، ۳۷)	کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو۔ جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے، جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنے تحفے سے تم ہی خوش ہوتے ہوگے اُن کے پاس واپس جاؤ، ہم اُن پر ایسے لشکروں کے ساتھ حملہ کریں گے، جن کے مقابلے کی ان کو طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔

پھر اہل دربار سے یوں گویا ہوئے:

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ○ (النمل ۳۸)	اے دربار والو! کوئی تم میں ایسا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ فرماں بردار ہو کر میرے پاس آئیں، ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے!

ایک شخص نے اپنی علمی قوت سے تخت لاکر، حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب آپؑ نے تخت کی طرف دیکھا، تو فرمایا:

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ لِيَبْلُوَنِىْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۗ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ كَرِيْمٌ (النمل ۴۰)	یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے، تو میرا پروردگار بے نیاز اور کرم کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا:

---

[1] مقصد یہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام تحفہ تحائف لے کر خوش ہو جائیں اور شہر پر حملے کا خیال ترک کر دیں۔

نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ (النمل ۴۱)	ملکہ کے (امتحان عقل کے) لیے اُس کے تخت کی صورت بدل دو۔ دیکھیں کہ وہ سُوجھ رکھتی ہے یا اُن لوگوں میں ہے جو سُوجھ نہیں رکھتے۔

جب ملکہ دربار میں پہنچی تو اس نے اپنے تخت کو پہچان لیا۔ پھر اس کو محل میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی، چوں کہ فرش شیشے کا تھا، اس لیے اسے پانی کا شبہ ہُوا اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھالیا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا:

اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ (النمل ۴۴) یہ ایسا محل ہے جس میں نیچے بھی شیشے جڑے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد ملکہ نے حضرت سلیمانؑ ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

(۶)

ایک مرتبہ آپ کے سامنے خاصے کے عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے؛ نماز عصر کے وقت ان کی دیکھ بھال میں سلیمانؑ اوّاب کو فوراً نماز کا خیال آگیا کہ عبادت کا احسن وقت جاتا نہ رہے تو کہنے لگے:

اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ج حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (ص ۳۲)	میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو کر مال سے محبت کرتا ہوں اور یادِ خدا پر مال کو ترجیح دے رہا ہوں، یہ کام

ٹھیک نہیں اور کہیں ان گھوڑوں میں محو ہو کر نماز نہ جاتی رہے، یا یہ معنیٰ کہ یہ جو میں اُن سے اُنس اور محبت رکھتا ہوں، یہ خدا کے سبب سے ہے کیوں کہ اس عالم اسباب میں جابرین عمالقہ کی سرکوبی کے واسطے یہ سامان رکھتا ہوں کہ ظالم دین کو پامال نہ کریں اور حقیقی بھروسہ تو مجھے خدا پر ہے، غرض نماز کا خیال آیا تو حکم کیا کہ گھوڑوں کو لے جاؤ، میں ذکر الٰہی کر لوں، پھر منگواؤں گا، حتیٰ کہ گھوڑے پردے میں چلے گئے۔ یعنی نظر سے غائب ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر خادموں کو فرمایا:

رُدُّوْهَا عَلَیَّ (ص، ۳۳) | ان (گھوڑوں) کو میرے پاس واپس لے آؤ!

جب گھوڑے سامنے آئے تو ماہرین فن کی طرح ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کی دیکھ بھال کی۔

(۷)

خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کی آزمائش کی کہ اُن کے تخت حکومت پر ایک لایعقل اور بیوقوف شخص کو لا بٹھایا، اس آزمائش میں آپ گھبرائے نہیں، صبر و شکر اور استقلال کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہو کر عرض کیا:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (صٓ ۳۵)	اے پروردگار! مجھے معاف کر دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایاں نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

حدیثِ زکریا و یحییٰ

(۱)

عمران کی بیوی نے اپنی نذر کے مطابق، اپنی بیٹی مریم کو خدا کی راہ میں یعنی اس کے دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ چوں کہ مریمؑ بہت خوب صورت عورت تھی، اس لیے عبادت گاہ کے مجاور اس کی طرف بُرے خیالات کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے مریم کو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دیا۔ آپؑ اس کی حفاظت کیا کرتے تھے، مگر ان کی غیر حاضری میں بعض مجاور مریمؑ کو عمدہ عمدہ کھانے دے جاتے اور جب آپ واپس تشریف آتے تو مریم کے پاس کچھ نہ کچھ رزق موجود پاتے اور دریافت کرتے:

يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط (آل عمران ۳۷)	اے مریم! یہ تجھے کہاں سے ملا ہے؟

وہ سادگی اور بھولے پن سے جواب دیتیں کہ یہ اللہ کی طرف سے پہنچا ہے۔

(۲)

عبادت گاہ کے ان شریر مجاوروں کی ان حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر حضرت زکریاؑ کو خیال پیدا ہوا کہ میرے وارث ایسے لوگ ہوں گے، جن کا چال چلن اچھا نہیں ہے، اس اندیشے کی بنا پر خدا تعالیٰ سے دعا کی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ج اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (آل عمران ۳۸)	اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا فرما، بلاشبہ تو دعا کا سننے والا ہے!
رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ (مریم)	اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بودی ہو گئی ہیں اور (بڑھاپے کی) سفیدی سے سر چمکنے لگا اور میں تجھ کو پکار کر کبھی محروم نہیں رہا اور مجھے اپنے موالی سے اندیشہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اپنے کرم سے مجھے ایک فرزند عطا فرما، جو میرا وارث ہو اور یعقوب کی اولاد کا بھی وارث ہو اور اے پروردگار اُسے چہیتا بنا!

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

انسانی اعمال کے سبب بری اور بحری جنگ نمودار ہوئی تاکہ (خدا) انہیں اعمال کا مزہ چکھائے، اس لیے کہ وہ رجوع کریں۔ (۲۱)

اقبالؒ کی پیش گوئیاں

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہگزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے
(اقبالؒ)

عرشی امرتسری

۲

اقبالؒ کی پیش گوئیاں

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے کلام پر اہلِ قلم اصحاب نے بہت توجہ کی اور بے شمار مضامین لکھے جن میں کام کی باتیں کم اور نقل و تکرار بہت زیادہ ہے۔ ابھی اس ذخیرۂ معانی کے بہت سے گوشے ایسے پڑے ہیں جن تک کوئی متجسس نگاہ نہیں پہنچی۔ ضرورت ہے کہ ان کو قوم و ملک کے سامنے لاکر شاعرِ مشرق کے صحیح مقام کو پہچانا جائے۔

عام طور پر شاعری نام ہے جذبات و احساسات کے موثر اظہار کا، لیکن مرحوم اس سے بہت آگے ہیں۔ وہ بجا طور پر اپنے آپ کو "ماورائے شاعری" ظاہر کرتے ہیں۔ ایک تلمیذ رحمٰن شاعر اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا فرشتۂ الہام سے سرگوشیاں کرنے لگتا ہے۔ اس کو شاعری کے تمام ظاہری لوازم کے ساتھ ساتھ اسرارِ حقیقت و رموزِ فطرت کے چہرے سے نقاب اٹھانے کی توفیق عنایت ہوتی ہے۔ وہ ماضی کے مینار پر کھڑا ہو کر حال کا جائزہ لیتا ہے۔ اس طرح قومی اور جماعتی اعمال کے اٹل نتائج اس کو "مستقبل" سے روشناس کر دیتے ہیں۔ جہاں علم و حکمت، زہد و تقشف اور شوکت و حکومت کی نظریں نہیں پہنچتیں وہ مقام "آتے" "حال" سے جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ لاریب الہام[1] کی روشنی میں اپنے زمانے کو آنے والے زمانے کے مقتضیات سے آگاہ کر دیتا ہے۔ ان کو پیش آئندہ خندقوں اور گڑھوں سے بچنے کے طریقے بتاتا ہے۔ فرخندہ بخت وہ قوم جو اس کی آواز کو سنتی، سمجھتی اور اس پر عمل کرتی ہے۔

آج کی صحبت میں ہم اپنے دوستوں کو علامہ مرحوم کی شاعری کے اس حصے سے روشناس کرانا چاہتے ہیں جو سر تا سر پیش بینی اور پیش گوئی پر مشتمل ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگوں نے پیش گوئی کو فن کی حیثیت دے رکھی ہے۔ بہتوں نے اس کو اپنے مدعیانہ ہفوات کے صدق و کذب کا معیار ٹھیرا کر عوام کو مرعوب کیا۔ ایسے لوگ "الہامِ الٰہی" اور "حدیثِ نفس" میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں[2] ـــــ علامہ نے بہت سی پیش گوئیاں کی ہیں اور ان کی بنا پر کوئی ادنے

---

[1] قرآن حکیم

[2] جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے تمام انبیاء و صلحاء کی سنت کے خلاف اپنے دعاوی کی صداقت کا

دعویٰ بھی نہیں کیا۔ ان کو اپنی ذات کے منوانے کا جنون نہیں وہ کسی کو دھوکے میں ڈالنے کے عادی نہیں۔
حکیم مشرق مغرب کے خوابیدہ فتنوں کو اُس وقت کروٹیں بدلتے دیکھ رہا ہے۔ جب خود مغرب کے حکماء و مدبرین، بساطِ سیاست کے شاطر اور ایوان حکومت کے مسند نشین فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی آغوش میں مدہوش اور اپنے بوئے ہوئے بیج سے پیدا ہونے والے پھل سے قطعی بے پروا داد عیش دے رہے ہیں ـــــ شاعر اپنی دوررس نگاہ سے "ہونے والے" واقعات "ہوتے ہوئے" محسوس کر رہا ہے، اس کی

انحصار پیش گوئیوں پر رکھا ہے۔ اُن کو پیش گوئی کے مقام پر پہنچنے کے لیے مندرجہ ذیل مدارج طے کرنے پڑے: مجدد، مثیل مسیح، مسیح موعود، سچا رسول، نبی، آدم، احمد مختار، کلیم خدا، تمام نبیوں کا ممدوح و موعود، ابراہیم، نوح، موسیٰ، داؤد، سلیمان، یوسف، یحیٰ، عیسیٰ۔ (یہ آپ کے الہامی نام ہیں)، بالکل نبی مصطفیٰ کا عین، بلکہ بلحاظ غلبہ دین وکثرت معجزات آپؐ سے بہت افضل۔ معجزات اور پیش گوئیوں کے لحاظ سے صدہا نبیوں سے سابق، بلکہ ہزار نبی کے برابر، اللہ کی روح سے ناطق، خدا کی مانند، یقیناً خدا، بمنزلہ اولادِ خدا، ظہور خدا، خدا کی طرف سے زندگی و موت پر قدرت دیا گیا، خدا کی توحید کی مانند، خدا ہی کی طرح کُن فیکون پر قادر۔ ایک ایسے لڑکے کا باپ جو آسمانی خدا کی مانند ہوگا۔ وغیرہ (بحوالہ محمدیہ پاکٹ بک ملخصاً)۔ بعض پیش گوئیاں ان تمام مراحل کے دوران میں اور بعض ان سے عبور کے بعد شائع فرمائی گئیں۔ ظاہر ہے کہ اتنے اور ایسے مرتبے آج تک تمام مذاہب عالم کے پیشواؤں میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ لیکن ایسی بلند و برتر ہستی کی پیش گوئیوں میں جو قطعیت ہونی چاہیے وہ تو درکنار، بعض ارشادات کا مرتبہ معمولی جوتشیوں اور رمّالوں سے بھی کمزور نظر آتا ہے۔ اور پھر آں جناب کی مدعیانہ شان کے مطابق ان میں کوئی عالمگیریت بھی نہیں پائی جاتی۔ اکثر محض ذاتی، شخصی اور خانگی پیش گوئیاں ہیں جن کو بار بار تاویلوں کے سہارے دے دے کر کھڑا کرنے کی مضحکہ خیز کوشش کی گئی ہے جن سے صرف پہلے سے مرید بنے ہوئے اصحاب ہی ایک غیر عقلی اور مذہبی قسم کی تسلّی پا سکیں۔ مرید کی تعریف بھی علامہ کی زبان سے سنیے:

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیّاد لگا دے یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد

قریباً نو اشخاص کی موت سے متعلق آپ پیش گوئی فرماتے ہیں، جن میں سے بعض[1] کی موت کے بعد پیش گوئی یا (باقی صفحہ ۴ پر)

---

[1] پنڈت دیانند بانی آریہ سماج

نازک روح لرز جاتی ہے، اس کا حساس دل کانپ اٹھتا ہے، وہ سرمایہ و مزدوری، ظلم و مظلومیت اور شاہی و محکومی کو دست و گریباں دیکھ رہا ہے، اس کے سامنے خون کی ندیاں بہ رہی ہیں، ان میں پیکرِ انسانیت کے لوتھڑے تیر رہے ہیں ـــــ وہ فلک رس علم و حکمت، وہ بے اندازہ زر و جواہر، وہ زمینی دولتیں اور آسمانی رحمتیں، جن سے یہ کرۂ خاک جنت بن سکتا تھا، ابن آدم کے لیے جہنم کا ایندھن بن رہی ہیں ـــ کس کے ہاتھوں، خود انسان کے ہاتھوں، مہذب ترین، فائق ترین اور متمدن ترین انسان کے ہاتھوں ـــ جس نے رنگ و نسل اور جغرافیہ و زبان کے تفاوت سے تمام دوسری اقوام کو حیوان سمجھا اور ان سے حیوانوں کا سا برتاؤ کرنا اپنی اعلیٰ شان کے لائق سمجھا۔

شاعر اپنا پیغام دے کر اپنے مالک کے حضور جا پہنچا۔ لیکن اس کی قوم اب تک اس کے پیام کی روح کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں! یا قوم اجیبوا داعی اللّٰہ

پیش گوئی شائع ہوتی ہے۔ بعض میعاد کے بعد تک زندہ رہے اور بعض اب تک زندہ ہیں۔ کوئی دو ایک مر بھی گئے۔ آخر ہر ایک نے مرنا ہے۔ اس تعیین شخصی کے علاوہ اپنے عام مخالفین کے حق میں موت کی خبر دیتے ہیں۔ موت سے مفر کس کو ہے؟ قریباً ۶ پیش گوئیاں اپنے گھر میں لڑکے ہونے کے متعلق ہیں جو واضح طور پر شرمندۂ وقوع نہ ہو سکیں۔ دو شخصوں کو ابتر کہا گیا ہے۔ ابتر کے معنی اتنے وسیع کر دیے گئے ہیں کہ بیچاری پیش گوئی کو مجبوراً چھپاں ہونا ہی پڑے، خواہ اس کی وسعت میں تمام دنیا کے آدمی آجائیں۔ دو پیش گوئیاں اپنے نکاحوں کے متعلق ہیں جن کے عدم وقوع کے بعد تاویل، پیچیدگی اور اضطراب کا اتنا شرمناک ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ ایک دعا اور پیش گوئی مخالفین پر طاعون کے متعلق ہے جس سے اپنے مرید بھی نہیں بچ سکے۔ زلزلوں کے بارے میں بھی بہت کچھ پیچ دار الفاظ میں اطلاع دی۔ اس کا بھی کوئی قطعی ظہور عالم وجود میں نہ آیا۔ (بحوالہ ایضاً ملخصاً) ـــ جس قسم کی پیش گوئیاں اپنی صداقت کے لیے اپنے قلم مبارک سے رقم فرمائیں، دوسری جگہ خود ہی ان کی تردید اور بے قدری بھی فرما دی۔

اس نادان اسرائیلی (مسیح ـــ معاذاللّٰہ) کی پیش گوئیاں ہی کیا تھیں، یہی کہ زلزلے آئیں گے، قحط پڑیں گے، لڑائیاں ہوں گی۔ کیا ہمیشہ زلزلے نہیں آتے، کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے، کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ شروع نہیں رہتا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۵) بحوالہ مذکور (باقی ص۴۹)

۵

عالمگیر پیش گوئیاں

۱۹۰۸ء میں جب تہذیب حاضرہ کا خورشید درخشاں سرزمین مغرب پر اپنے ارتقاء و عروج کی منزلیں طے کرتا ہوا ضیا پاشی کر رہا تھا، یورپ کے مدبر، سائنس دان، مصنف اور دینی مقدسین سب کے سب اپنے اپنے فن کے ذریعے مشرقی ممالک کے نوالوں کو چبانے اور نگلنے میں مصروف تھے، اس وقت کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ یہ ناجائز طریق سے حاصل کیے ہوئے لقمے آسانی سے ہضم نہیں ہوں گے۔ وہ پیٹ جو اس وقت ذوق ولذت سے ان کا حامل ہو رہا ہے، اندرونی خلل سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، غلامستان مشرق کے ایک نوجوان فرزند کے قلب روح پر اس دور تاریکی میں فراست ایمانی سے عالم غیب کی بجلیاں چمکیں، اس کی نظریں نہاں خانۂ حقیقت تک پہنچ گئیں، وہ پکار اٹھا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اس اعلان کے سات سال بعد دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ اسلامی شاعر کی پیش گوئی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے

(نقوش [illegible])

جناب مرزا مرحوم کے مخالفین کا خیال ہے کہ آپ کی ایک پیش گوئی بھی بحسب الفاظ ظاہر پوری نہیں ہوئی شاید انہیں خطرہ ہے کہ چند باتوں کی صحت تسلیم کر لینے سے، آپ کی نبوت کو صحیح نہ ماننا پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبوت کے مقام بلند کو صحیح معنی میں نہیں سمجھا گیا — وہاں تو اس قسم کی سو فیصدی پیش گوئیاں بھی پوری ہو جائیں تو بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ نبی کو اپنی شخصیت کے منوانے کا جنون نہیں ہوتا۔ اس کا مقصود نظر اللہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور یہاں اللہ، اللہ کے رسول، فرشتے، کتابیں، اعمال صالحہ اور آخرت تمام ضمنی اشیاء ہیں۔ اصل الاصول جناب مرزا صاحب ہیں، اگر آں جناب پر ایمان نہیں تو تمام مذکورہ ہستیوں پر ایمان بے کار، عمل بے ہودہ — ہمیں آپ کی نیت سے متعلق بدگمانی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، لیکن آپ کے کلام میں حد درجہ کا تضاد و اختلاف بتا رہا ہے کہ آپ بقول خود مریض مراق تھے جس کا نمایاں اثر دماغ پر ہوتا ہے، ایسی حالت میں اگر آپ اوہام کو الہام اور الہام کو اوہام سمجھنے لگیں تو طبی نقطہ نگاہ سے معذور ہیں۔

کسی ادنیٰ تاویل کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی ــــــ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم نے ایک حد تک بتا دیا کہ جسے کھرا سمجھا گیا تھا وہ "زرِکم عیار" نکلا۔ شان دار اور لفظ زیب تہذیب اپنی پوری قوت سے خودکشی میں مصروف ہوگئی۔ خدا کا انکار کر کے، روحانیت کو جواب دے کر مادیت کی کمزور شاخ پر جو آشیانہ بنایا گیا، ناپائیدار ثابت ہوا ــــــ لیکن تنبیہ کی ایک حد پر پہنچ کر سزا کو ملتوی کر دیا گیا اور یہ سب کچھ سماوی قانون کے مطابق ہوا، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۔ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سورہ انعام رکوع ۵

اور ہم نے تجھ سے پہلی جماعتوں کی طرف اپنے پیغام بھیجے پھر (اتمام حجت کے بعد) ان کو سختی اور تکلیف میں پکڑ لیا تاکہ وہ (اپنی بداعمالیوں پر) زاری کریں۔ پھر جب ان کو ہمارا عذاب پہنچا تو انہوں نے زاری کیوں نہ کی۔ لیکن بات یہ ہے کہ (مشق گناہ کے سبب) ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کی سیاہ کاریوں کو ان کی نگاہ میں سجا کر پیش کیا پھر جب انہوں نے نصیحت کو فراموش کر دیا تو ہم نے ہر چیز (نعمت) کے دروازے ان کے لیے کھول دیے یہاں تک کہ وہ ان نعمتوں پر خوش و خرم ہو گئے۔ ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا پھر وہ ناامید رہ گئے، پھر ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور حمد ہے اللہ کے لیے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔

اس آیہ مبارکہ نے ہمیں ایک اٹل سنت الٰہیہ سے آگاہ کر دیا۔

(۱) پہلے پیغام الٰہی پہنچتا ہے۔

(۲) بصورت عدم قبول بغرض اصلاح سختی اور تکلیف کا زمانہ آتا ہے۔

(۳) سخت دلی کے سبب اس کی پروانہ کی جائے تو حسب زمانہ عیش و نشاط کے تمام سامان بہم پہنچا دیے جاتے ہیں۔

(۴) پھر ناگہاں گرفتِ الٰہی نمودار ہو کر ان ظالموں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

مغرب کی سرزمین میں تراجم قرآن اور اسلامی تعلیمات مختلف دروازوں سے پہنچ چکی تھیں، ان کے ساتھ

استہزاء، اعراض اور ظلم کا برتاؤ کیا جا چکا تھا، ماضی قریب میں جمال الدین افغانی[1]، چراغ علی، جسٹس امیر علی، سرسید علیہم الرحمۃ وغیرہم نے اپنے اپنے رنگ میں چہرۂ حقیقت سے باطل کے پردے ہٹانے کی سعی بھی کی، لیکن مست نشاط ملوکیت نے آنکھ کھولنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ اس کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے دوسری جگہ فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى ...... لہٰ یعنی اللہ تعالیٰ بستیوں کو تباہ نہیں کرتا جب تک ان کے مرکزی مقام میں کوئی مبلغ آیات نہ بھیج دے۔ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ہم بستیوں کو اس صورت میں تباہ کرتے ہیں کہ ان کے باشندے ظلم کو اپنا وتیرہ بنالیں بنالیں۔ —— اس ظلم کی پاداش میں آنے والا فتنہ وہ ہے جس کے اندر سینکڑوں فتنے پوشیدہ ہیں۔

فتنہ راکہ دو صد فتنہ در آغوشش بود
دخترے ہست کہ در مہد فرنگ است ہنوز

آیندہ جنگ اسلام و مسیحیت کی جنگ نہیں ہوگی

من از ہلال و چلیپا دگر نیندیشم
کہ فتنۂ دگرے در ضمیر ایام است (زبور عجم، تقریباً ۱۹۲۳ء)

قرآن پر نظر رکھنے والے فلسفی شاعر کو "ضمیر ایام" میں "فتنۂ دگر" صاف نظر آرہا ہے اور وہ کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے یہ فتنہ "ہلال و صلیب" سے الگ قسم کا ہوگا —— مغربی اقوام کی اندرونی سیاسی پیچیدگیوں[2] اور

---

[1] جمال الدین افغانی کا اخبار عروۃ الوثقیٰ وغیرہ، چراغ علی کی ارتقائے اسلام اور سرسید کے خطبات احمدیہ کے انگریزی ایڈیشن اور جسٹس امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

[2] ذیل میں کتاب "تخیلاتِ المان" مصنفہ فان برن ہارڈی (مطبوعہ اکتوبر ۱۹۱۱ء) کے چند اقتباسات دیکھئے جو گزشتہ جنگ عظیم سے پہلے شائع ہوئی۔ یہ جرمنی ذہنیت کی صحیح ترجمانی ہے:

"مجھے اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ قوموں کی زندگی میں جنگ محض ضروری عنصر ہی نہیں بلکہ کسب کا ایک نہایت ضروری جزو ہے جس میں ایک حقیقی مہذب قوم کی قوت اور حیات کا اظہار اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے۔" صلا

"جنگ ام الاشیاء ہے" جنگ سب سے زیادہ اہم حیاتی ضرورت ہے۔ وہ نوع انسان کی زندگی (بقیہ حاشیہ)

گزشتہ نبوتوں کی تاریخ پر نظر رکھنے والا ہر شخص اسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ ایسی پیش گوئیاں کرنے کے لئے کوئی نئی نبوت ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں بھی تم دیکھو کہ خدا کو، ایمان واعمال صالحہ کو اور حقوق انسانیت کو پس پشت ڈال کر ترقی کی منزلیں طے کی جا رہی ہیں۔ بے دھڑک پیش گوئی کردو کہ یہ نظام دیر سویر بُری طرح پامال ہوگا ——— اور سنئے:

اگر در دل جہاں تازہ داری بروں آور

کہ افرنگ از جراحت ہائے پنہاں بسمل افتاد است (زبورعجم)

میں ایسا نظامی عنصر ہے جو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بغیر اس کے صحیح افزائش نہیں ہو سکتی۔
جس سے نسل کی ہر ایک ترقی اور اس لیے کل حقیقی تہذیب باز رہ سکتی ہے۔" ص۱۴
"حق کا احترام صرف اس حد تک کیا جاتا ہے جہاں تک کہ وہ انتفاع کے منافی نہ ہو۔" ص۱۵
"جنگ میں انسان کی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ جنگ ہر ذلیل چیز کو شریف بنا دیتا ہے حتیٰ کہ بزدل بھی اپنے نام کو جھٹلا دیتا ہے۔" ص۲۳
"جو کوششیں جنگ کی منسوخی کے لیے کی گئی ہیں احمقانہ ہی نہیں بلکہ کلیتہً خلاف اخلاق ہیں اور نسل انسانی کے واسطے کلنک کے ٹیکے سے زیادہ وقیع نہیں۔" ص۳۲
"پرامن دن کے خواب؟ جو دیکھنا چاہے دیکھے جنگ ہمارا نعرۂ اجتماع فوج ہے۔ فتح کی طرف آگے بڑھو۔" ص۳۶ (گوئٹے کا قول)
"یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جنگ میں شکست کھانا بھی بالکل ہی نہ لڑنے سے بہتر ہے۔" ص۵۲
جنگ کے معاملہ میں لوگوں کو قتال، آتشزدگیوں، لڑائیوں اور دھاووں وغیرہ کا خیال نہ کرنا چاہیے یہ تو حقیر اور احمق لوگوں کا خیال ہے جو محض بچوں کی آنکھوں سے جراح کو دیکھتے ہیں جو ہاتھ کاٹتا، ٹانگ پر آری چلاتا ہے مگر عوام غور نہیں کرتے کہ وہ کل جسم کے تحفظ کے لیے ایسا کرتا ہے۔"
"یہ معاملہ بالذات خدا کی طرف سے برگزیدہ معاملہ ہے اور دنیا اس کی اتنی ہی احتیاج وضرورت رکھتی ہے جتنی کھانے یا پینے یا کسی اور کام کی۔" ص۵۵
اسی طرح اُس وقت کے اور بہت سے مغربی مصنّف ہیں جن کے پیٹوں میں جنگ کھولتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

۹

فرنگ کی یہ "جراحت ہائے پنہاں" عام نظروں سے پنہاں تھیں

مغرب ز تو بیگانہ، مشرق ہمہ افسانہ
وقت است کہ در عالم نقشِ دگر انگیزی (زبور)

مغرب حقیقت سے بیگانہ ہو چکا ہے، مشرق قصہ کہانی میں محو ہے، شاعر اس وقت "نقشِ دگر" کا مطالبہ پیش کرتا ہے۔

طرح نَو افگن کہ ما جدت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی

اس شعر میں شاعر نظامِ حاضر سے اکتا چکا ہے اور نئے نظام کی تمنا کا تقاضا کر رہا ہے ---

چشم بکشائے اگر چشم تو صاحب نظر است
زندگی در پئے تعمیرِ جہانِ دگر است (نقش فرنگ، پیامِ مشرق ۱۹۲۴ء)

اس اخلاق و انسانیت کی تخریب کے دور میں صاحب نظر شاعر کو "زندگی" "جہان دگر" کی "تعمیر" میں مصروف نظر آ رہی ہے۔

اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ (خضر راہ ۱۹۲۲ء)

ظاہری نگاہیں جسے زندگی سمجھ رہی تھیں، شاعر اسے موت قرار دیتا ہے اور اس موت کے اندر جہان پیر کے لیے نئی زندگی کے جراثیم دیکھتا ہے۔

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ ملک و ملت ہے !
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں (طلوعِ اسلام)

طلوعِ اسلام ۱۹۲۳ء میں لکھی گئی، اس وقت کون جانتا تھا کہ "فطرت کی تعزیریں" موجودہ شدید انتقامی رنگ اختیار کر سکتی ہیں، جب کہ ہمارے "چیرہ دست" آقاؤں کے وہم و خیال میں بھی یہ سامان ہلاکت نہیں آ سکتے تھے۔

بگرداں جام و از ہنگامۂ افرنگ کم تر گو
ہزاراں کارواں بگزشت ازیں ویرانہ پے در پے (زبور)

سبحان اللہ جام کی گردش ہی کہہ رہی ہے کہ جام ایک ہاتھ میں ہمیشہ نہیں رہتا۔ وہ گردش ہی کیا ہوئی جو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت نہ کرے، آج اگر فرنگ کے ہاتھ میں جام ہے تو پہلے ہزاروں ہاتھوں سے نکل کر یہاں پہنچا ہے۔ اب ان ہاتھوں سے بھی نکلنے ہی والا ہے۔

جاوید نامہ میں حکیم طالسطائی، افرنگیں یعنی افرنگ کو مخاطب کرتا ہے:

گفت اے گندم نمائے جو فروش
از تو شیخ و برہمن اندر خروش
حکمتے کو عقدۂ اشیا کشاد
با تو غیر از فکرِ چنگیزی نداد
مرگ تو اہل جہاں را زندگی است
باش تا بینی کہ انجامِ تو چیست (۱۹۳۲ء)

آج ان اشعار کے معانی مجسم ہو کر ہماری آنکھوں کے سامنے آرہے ہیں، وہ گندم نما جو فروش قومیں، وہ بھیڑ کی کھالیں اوڑھے ہوئے بھیڑیے، وہ پسماندہ ملکوں کو مہذب بنانے کے بہلانے سے اُن کا خون چوسنے والے درندے، وہ پیار کا ہاتھ آگے بڑھا کر ڈس لینے والے سانپ، وہی ہیں جن کی موت میں دنیا کی زندگی پنہاں ہے ــــ جن کا سائنس سوائے چنگیزی کے کچھ نہ نکلا۔

بال جبریل میں فرماتے ہیں:

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی
اُلٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

اس سے زیادہ یا کم از کم اتنی ہی وضاحت آج کل کے کسی نبی نے بھی کی ہے؟ ــــ ہاں اس عہد میں آپ کو ایسے ملہم ضرور مل جائیں گے جو دشمن دین، عدوئے انسانیت اور منکر خدا فرنگ کو بقائے دولت اور درازئ عمر کی دعاؤں کے قصیدے لکھ لکھ کر پیش کر رہے ہوں[۱] ــــ اور سنئے

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہگزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے

---

[۱] علامہ فرماتے ہیں:
فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی ــــ جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

یعنی اب یہ سیل بے پناہ" توبہ واستغفار کی حدود سے آگے پہنچ چکا ہے - اب اس کا کوئی چارۂ کار نہیں- یہ یقیناً اپنے ہیبت ناک آثار کے ساتھ آکر رہے گا۔

پیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سست بنیاد بھی ہے، آئنہ دیوار بھی ہے

ایسے سست بنیاد اور شیشے کے محل میں بیٹھ کر فطرت کے سنگین نوامیس پر خشت باری کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا جو ہو رہا ہے۔ مغربی زندگی کی تابناکیاں دیکھتے ہوئے آئینہ دیوار کی ترکیب شاعر کی قدرت کلام اور ترجمانی حقیقت کا بہترین مظہر ہے۔

(مسجد قرطبہ، بال جبریل)

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نَو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں — میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

قرطبہ قدیم اسلامی روایات کا مدفن ہے۔ شاعر شاندار ماضی کا خواب دیکھتے ہوئے، حال کے جمود سے گزر کر شاندار مستقبل سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔

آج سے تقریباً سات آٹھ سال ادھر "زمانہ" کے عنوان سے پیش گوئیوں کا دریا بہا دیا ہے۔

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ
مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
شفق نہیں مغربی افق پر، یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ
وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند — تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ
ہو اگر قوتِ فرعون کی درپردہ مرید — قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی۔
وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش — جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

ہوائیں اُن کی، فضائیں اُن کی، سمندر اُن کے، جہاز اُن کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیوں کر بھنور ہے تقدیر کا بہانہ
جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

ان اشعار میں شاعرؔ "حرفِ محرمانہ" خورشیدِ قیامت بن کر چمک رہا ہے۔ نشان زدہ الفاظ کو ایک دفعہ اور دیکھیے۔ "قریب تر ہے" "نئے حوادث" "طلوعِ فردا" "خطر میں ہے اس کا آشیانہ" "بھنور ہے تقدیر کا بہانہ" بالخصوص "یہ جو سینہ تین ہے یہ جوئے خوں ہے" کی تکرار سے اس دل کے یقین کا اندازہ ہو سکتا ہے جس کے اندر سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں، یہ پیمبرانہ وثوق، یہ ملہمانہ انداز، "یہ فردا" اور "قریب تر" کہہ کر وقت کا معین کر دینا قرآنی بصیرت کے تحت صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

آج سے تقریباً چودہ برس پیشتر پیامِ مشرق میں یہی بات دوسرے لفظوں میں کہی گئی تھی:

زندگی جوئے روان است و رواں خواہد بود — ایں مئے کہنہ جوان است و جواں خواہد بود
آنچہ بود است و نباید زمیاں خواہد رفت — آنچہ بایست و نبود است ہماں خواہد بود

دوسرے شعر کی کیا بلحاظ شعریت اور کیا بلحاظ واقعیت تعریف نہیں ہو سکتی۔ فطرت کی قاہری کا کتنا سچا اظہار ہے "جو ہے اور نہیں ہونا چاہیے وہ مٹا دیا جائے گا اور جو ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں ہے، وہ ہو کر رہے گا!"

بالِ جبریل کے ساقی نامہ سے چند گھونٹ لیجیے:

زمانے کے انداز بدلے گئے — نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
ہُوا اس طرح فاش رازِ فرنگ — کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے — زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے (۱۹۳۵ء)

اُس وقت رازِ فرنگ صرف شاعر کے آئینہ دل پر فاش تھا، آج مشرق و مغرب کے بچے بچے پر فاش ہو چکا ہے اور "شیشہ بازِ فرنگ" کو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

"ضربِ کلیم" میں فرماتے ہیں:

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیوں کر — یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لبِ گور
وہ بزمِ عیش ہے مہمانِ یک نفس دو نفس — چمک رہے ہیں مثالِ ستارہ جس کے ایاغ

۱۹۳۶ء

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا　　قریب آگئی شاید جہانِ پیر کی موت

پہلے شعر میں مغربی حکومتوں کے اسی ادعائے باطل پر طنز ہے، جو ہمیشہ سے ان کا تکیہ کلام رہا ہے کہ ——"ہمارا مقصد کمزوروں کو اُبھارنا، ان کی حفاظت کرنا اور زندہ رہنے کا طریقہ سکھانا ہے۔" شاعر کو اس آبِ حیات میں زہر گھلا ہوا دکھائی دے رہا ہے، ان کے انگبینی وعدوں میں حنظل و اسفنطین کی تلخی محسوس ہو رہی ہے، دوسرے شعر میں تاروں جیسی روشن بزم جام و مینا کے عبرت ناک انجام کا منتظر ہے۔

آخری شعر میں دلوں سے ولولۂ انقلاب کی بنا پر جہانِ پیر کی موت کے قریب ہونے کی خبر دیتا ہے لیکن "شاید" کہہ کر اپنے یقین پر ایک ہلکا سا نقاب ڈال دیتا ہے، جس کو بار بار یقینی انداز میں بھی کہہ چکا ہے۔

اور دیکھئے:

پانی بھی مسخّر ہے ہوا بھی ہے مسخّر　　کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے
دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب　　ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے

یعنی اپنی تسخیرِ کائنات کی قوت سے مغرب نے جو توقعات وابستہ کر لی ہیں، جس رعنائی و کبریائی کے مقام پر پہنچ کر اس نے عالمِ انسانیت کا گلا گھونٹنا اپنا شعار بنا لیا ہے، اپنے دوام و ثبات کا دل کش خواب جو اسے نظر آ رہا ہے، یہ سب کچھ اپنے اندر تبدّل و تغیر کے امکانات سے خالی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

اِک شور ہے مغرب میں اُجالا نہیں ممکن
افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش

یہی تسخیری قوتیں اور دعاویٔ بقا، مغلوبیت و فنا کا سبب بن جائیں گے۔ روشنی مہیا کرنے والی مشینوں کا دھواں ہی روشنی پر چھا جائے گا —— کتنی لطیف تعبیر ہے۔ (شعاعِ امید، ضربِ کلیم)

ارمغانِ حجاز (۱۹۳۶ء) میں ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں —— ابلیس کہتا ہے:

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیائے دوں　　ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز　　جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں

ابلیس کا پانچواں مشیر ابلیس کو خطاب کرتا ہے:

زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ　　کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار
چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر　　جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشتِ غبار

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

پیامِ مشرق میں، جرمن فلسفی نٹشے سے متعلق ایک قطعہ شاعرِ مشرق کی تیز نگاہی کا اعجاز ہے، فرماتے ہیں:

از سستیٔ عناصرِ انساں دلش تپید فکرِ حکیم پیکرِ محکم تر آفرید
افگند در فرنگ صد آشوبِ تازہ دیوانہ بکارگہِ شیشہ گر رسید

افگند کا فاعل بظاہر حکیم (نٹشے) ہے جس کی دیوانگی عام مشہور ہے لیکن اگر کوئی شخص نٹشے کی تعلیم کے آفریدہ پیکرِ محکم تر (فوق الانسان) کو اس کا فاعل بنائے جو آج جرمنی ہی سے اٹھ کر یورپ کے شیش محل کو چکنا چور کر رہا ہے جس کی سپاہیانہ دیوانگی نے صدیوں کی بنی ہوئی تہذیب اور مستحکم مادی بنیادوں کو تہس نہس کر دیا ہے، تو کچھ زیادہ مستبعد نہیں۔ اس قطعہ سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ مرحوم کو اس بات کا وثوق تھا کہ یورپ کی تباہی جرمنی کے ہاتھوں ہوگی ——— پھر اس تباہی کے بعد کیا ہوگا، اس تاریکی کا آخری انجام کیا ہے؟

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

اور

سرِشک چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اور

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہ اشعار بانگ درا سے ماخوذ ہیں جو آج سے تقریباً بیس برس پیشتر کی تصنیف ہیں ——— میں ان کو اپنی تشریح سے مجروح نہیں کروں گا، ان کے الفاظ آپ اپنی تفسیر ہیں۔ صرف دو نکتوں پر خفیف سی توجہ دلا کر آگے گزر جاؤں گا۔

(۱) اعرابی نطق، ہندی ذہن اور ترکمانی شکوہ درگاہِ حق سے "مومن" کو عطا ہوگا، غیر مومن ان صفات سے محروم رہیں گے۔ اب اس کا فیصلہ ہماری اپنی ضمیر و بصیرت پر ہے کہ ہم میں ایمان کا کوئی ذرّہ موجود ہے یا نہیں، اصل یہ ہے کہ ہماری اکثریت ایمان سے خالی ہو چکی ہے، ہمیں ایمان سے محروم کرنے کے لیے داخلی و خارجی دونوں

ذریعے پوری قوت سے استعمال کیے گئے اور کیے جا رہے ہیں۔ جس عنقا کو ہم ایمان سمجھ کر اس کی حفاظت کے لیے لڑنے جا رہے ہیں وہ عین ضدِ ایمان ہے، اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

(۴) آخری شعر ہمیں وہ راہ بتا رہا ہے، جس پر چل کر ہمیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، اس کے سوا کوئی سامان نہیں جس کے ذریعے ہم بام ترقی پر عروج حاصل کر سکیں۔ ہم نے من حیث القوم یہ تینوں چیزیں صداقت، شجاعت اور عدالت کھو دیں، یا بلطائف الحیل ہم سے چھین لی گئیں، ہمیں یا ہماری آنے والی نسلوں کو پھر سے انھیں حاصل کرنا ہوگا۔ اب ہمیں شیریں بیان، افسانہ گو واعظوں اور فصیح و بلیغ مصنفوں کی اتنی ضرورت نہیں، جتنی صادق، شجاع اور عادل نوجوانوں کی۔

آخر میں جواب شکوہ (۱۹۱۳ء) کا ایک امید افزا بند سن لیجئے:

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی   کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی   گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے   یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

شاعر کو اس الٰہی راز سے آگاہی بخشی گئی ہے کہ قرآن اس زمین پر "روحِ حق" ہے، تمام سماوی پیاموں اور فطری حقائق کا عطر اس میں محفوظ کر دیا گیا ہے، بخلاف صحفِ اولیٰ کے کہ وہ اپنا اپنا کام انجام دے کر ختم ہو گئے، قرآن کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے ہمیشہ خزاں سے بہاریں اور خاکستر سے چنگاریاں پیدا کیں۔ شیخ عبدالوہاب نجدی، شیخ احمد سرہندی، محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی، جمال الدین افغانی، سید احمد بریلوی، اسمٰعیل دہلوی (شہیدین) اپنے اپنے رنگ میں اُمتِ مسلمہ کے دل کے جہاں تاب داغ تھے، ہماری امیدوں کے آسمان کے درخشندہ ستارے تھے، یہ سب اسی گلستان کے سدا بہار پھول تھے جس کی آبیاری کا کام فطرت نے قرآن مجید کے سپرد کیا۔ آج بھی قرآن مجید اسی شان سے موجود ہے۔ آج بھی اس میں روحِ حیات آمادۂ کار ہے، شاید وہ وقت سر پر آپہنچا ہے جس کی خبر شاعر نے دی ہے:

کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی

ان اوراق کی تسوید کے بعد بانگ درا کی ورق گردانی کرتے ہوئے اسی مضمون کے کچھ اور شعر نظر پڑے،

جن کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

دیکھ لوگے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل — موج مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائے گی

یعنی حاکمیت کی پرشکوہ روانی ہی اس کو رودِ خشک بنا دے گی۔

نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور — خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی

حاکم و محکوم کے لیے صیاد و طیور اور گلچیں و گل کتنی شان دار تعبیر ہے۔ شمع و شاعر سے پورے ۱۲ سال بعد بصیغۂ حال یہ شعر کہا جسے اُس وقت بصیغۂ مستقبل کہا تھا:

تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج — موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ

عام حریت کا دیکھا تھا جو خواب اسلام نے — اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں — آنے والے دَور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

وہ دھندلی تصویر اب صاف ہوتی جا رہی ہے۔

آزمودہ فتنہ ہے اِک اور بھی گردوں کے پاس — سامنے تقدیر کے رسوائیِ تدبیر دیکھ

اس شعر سے پورے ۳۰ سال بعد آج وہ فتنہ عالم آشکار ہو رہا ہے، آج حاکمانہ اور حکیمانہ تدبیریں تقدیر کی بھٹی میں ایندھن بن رہی ہیں۔

اب امید افزا مستقبل کے متعلق چند شعر اور سن لیجئے:

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر — جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا — سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

سفینۂ برگِ گُل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا — ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہُوا — آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام — دُوریِ جنت سے روتی چشمِ آدم کب تلک

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا یا — سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

ہمارا نرم رَو قاصد پیامِ زندگی لایا — خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

ان اشعار کی تشریح مستقبل کرے گا، ان شاء اللہ العزیز

دفتر اُمتِ مُسلمہ امرتسر (پنجاب)

قرآن، نماز، توبہ

ایک عزیز کسی مولوی صاحب کے ارشادات تحریر فرما کر ان کے متعلق قرآنی فیصلہ پوچھتے ہیں۔ ارشادات موصوف بدرستی عبارت درج ذیل ہیں:

(۱) "قرآن مجید کو بے سوچے سمجھے پڑھ لینا ہی کافی ہے۔

(۲) ایک شرابی و زانی باقاعدہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز ضائع نہ ہوگی، شراب و زنا کی سزا الگ مل جائے گی۔

(۳) موت کے وقت توبہ کر لی جائے تو نجات کی امید ہے۔"

البیان عزیز من! آپ ان مولوی صاحب کو تبرک سمجھیں۔ وہ وقت قریب آرہا ہے جب ایسی نادر روزگار ہستیاں ڈھونڈے سے نہیں ملیں گی ——— قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھتے ہوئے صدیاں گذر گئیں، قوم کے اخلاق و اعمال پر اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ یہ لوگ مغز سے بے خبر، بادام کا چھلکا چاٹے جا رہے ہیں اور امید رکھتے ہیں .. .. کہ بادام کے حقیقی فوائد ضرور حاصل کر لیں گے مگر عالم آخرت میں۔ اس دنیا سے قرآن واسلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ وہی قرآن جس کے اندر لکھا ہوا ہے اور ہر نمازی دن میں کئی مرتبہ پڑھتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔[1] اے رب ہمارے ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائی عنایت فرما اور آگ کے عذاب سے بچا۔ دیکھا! یہاں دنیا پہلے اور آخرت بعد میں آئی ہے۔ پھر قرآن فرماتا ہے: مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖۤ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔[2] جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ کیا یہاں ظاہری آنکھوں کا اندھا مراد ہے؟ ہرگز نہیں۔ چودہ صدیوں میں ایک مفسر بھی ایسا نہیں گزرا جس نے یہاں ظاہری کوری سمجھی ہو، یہ وہی اندھے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور نماز کی غایت سے بے خبر ہیں، قرآن سامنے ہے لیکن اس کے منشاء کو نہیں سمجھتے۔

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا[3] اپنے دلوں سے نہیں سوچتے، آنکھوں سے نہیں دیکھتے اور کانوں سے نہیں سنتے ——— آخری قرآنی فتویٰ ان کے حق میں یہ ہے: صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ

---

[1] ۲/۲ [2] ۱۷/۷۲ [3] ۷/۱۷۹

لَا يَرْجِعُوْنَ (۲/۱۸) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں پس وہ رجوع نہیں کرتے۔

اب خود قرآن سے قرآن کا مصرف سنیے:

۱۔ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۴۱/۳)	مفصل آیتوں والی کتاب، قرآن جاننے والوں کے لیے ہے۔
۲۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۴۳/۳)	ہم نے عربی قرآن بنایا تاکہ تم سمجھو۔
۳۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۴۷/۲۴)	کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں، جو شخص ایک آیت کے انکار و تاویل کی جرأت کرے گا، وہ سارے قرآن پر بھی، تو صاف کر سکتا ہے ـــــ پہلی آیت صاف کہہ رہی ہے کہ قرآن مجید کا تعلق جاننے (علم) سے ہے۔ دوسری آیت قرآن کو عقل کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ تیسری آیت قرآن کو بے سوچے پڑھنے والوں کے دلوں پر تالے لگ جانے کا فتویٰ دے رہی ہے ـــــ اب "غریب قرآن" اس سے زیادہ واضح الفاظ کہاں سے لائے، جن سے مولوی صاحبان کی نظروں میں اپنی پوزیشن صاف کرے ـــــ حیرت ہے کہ شرق و غرب کے مسلم و غیر مسلم محقق تو اس کتاب کے ایک ایک لفظ کے اندر گھس جانے کے لیے بے تاب ہیں۔ امریکہ کے کتابی مقابلہ میں تمام دنیا کے ماضی و حال کی کتب میں دوسرا درجہ قرآن کا تھا، اگر بائیبل ان کی مذہبی کتاب نہ ہوتی تو کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن اول درجہ پر تسلیم نہ کیا جاتا، لیکن وہ لوگ جو اپنے آپ کو اس کا حقیقی وارث سمجھے ہوئے ہیں وہ اس غیر فانی خزانے کا دروازہ کھولنے کی بجائے اس کو دور ہی سے سلام کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ کیسی "خوش قسمت" ہے وہ کتاب جس کو دشمن تو سمجھیں لیکن دوست نہ پہچان سکیں۔ ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

۲۔ اب رہی نماز کی بات۔ اس کا ذکر بھی قرآن نے کر دیا ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (۴/۴۳)	سکر میں صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

یعنی نماز میں جو کچھ منہ سے کہتے ہو، اس کا مطلب سمجھو ـــــ پھر فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۲۹/۴۵)	بے شک نماز بے حیائیوں اور گناہ سے روک دیتی ہے۔

یہ خدا کی بتائی ہوئی نماز کی خاصیت ہے۔ کون ظالم اس کو نماز کہے گا جس کے باوجود ایک شخص شراب و زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔ کیا یہ نماز کی توہین اور خدائے نماز سے ٹھٹھا نہیں؟ اگر تم اس چیز کو آگ کہہ سکتے ہو جو گرمی نہ پہنچائے اور اس کو شمع کہہ سکتے ہو جس میں روشنی نہ ہو اور اس کو مٹھائی کہہ سکتے ہو جو کام و دہن کو تلخ کر دے تو بے شک ایک زانی و شرابی کو نمازی کہو اور اس کی "نماز" کے لیے اجر کی امید رکھو۔ مولوی صاحب کا قصور نہیں، یہ بیج ایک مشہور حدیث کا بویا ہوا ہے جو کسی دشمن نے خدا کے سچے پیغمبر صلعم کے ذمے لگائی ہے کہ "زانی اور چور اگر صرف زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دے تو جنت میں داخل ہو جائے گا"۔ چلو چھٹی ہوئی۔ انبیاء و مصلحین، کتب و صحف اور خدا و جبریل (معاذ اللہ) بے فائدہ ہی تکلیف فرماتے رہے۔ سچ ہے دولت و صحت وغیرہ چھن جائیں تو پھر مل جانے کی امید ہو سکتی ہے اور اگر پوری قوم کے دماغ سے عقل نکال لی جائے تو بقول حالی اس پر بجلی کا گرنا ہی بہتر ہے۔

(۴) مرتے وقت توبہ کی قبولیت کی امید — یہ از روئے قرآن فرعون علیہ ما علیہ کا مذہب ہے۔ ایسا زمانہ بھی اسلام کی تقدیر میں لکھا تھا کہ مولوی لوگ سنت فرعون کے پیرو ہوں اور پھر اس کو قرآن کے سر تھوپیں — جب اس نے دیکھ لیا کہ اب کوئی دم میں غرق ہوا چاہتا ہے، فوراً پکار اٹھا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ	میں ایمان لے آیا اس بات پر کہ بنی اسرائیل کے مسلّم معبود کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمان ہوتا ہوں — (جواب) حالاں کہ تو عمر بھر عاصی و مفسد رہا ہے۔

دوسری جگہ قانون بتا دیا:

یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا (۶-۲۰)	جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آپہنچیں۔ اس دن کسی جان کو اس کا ایمان نفع نہیں دیگا اگر وہ پہلے سے مومن نہ ہو یا اس کو عملی رنگ میں اظہار امتحان کا وقت نہ ملا ہو۔

اور زیادہ وضاحت و قطعیت بھی سن لیجیے جو اسی کتاب پاک میں موجود ہے، جس کو مسلمان طرح طرح سے مجمل بتاتے ہیں:

لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ	بدعمل لوگ جب موت کے آموجود ہونے پر توبہ کا اقرار کرتے ہیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے

...نِّی تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (۱۸/۴)	جو بحالت کفر مرجاتے ہیں۔ ان کے لیے عذاب دردناک تیار ہے۔

ب آپ سمجھ لیجیے آپ کے مولوی کیا فرماتے ہیں اور محمد رسول اللہ پر اُترے ہوئے قرآن کی پکار کیا ہے۔

کاش یہ آیات مولوی صاحب کے لیے سرمۂ بصیرت بن سکیں اور وہ سمجھیں کہ ان کی لغزش کتنے انسانوں کی لغزش کا باعث ہوگی اور ان سب کا بوجھ انہیں کو اٹھانا ہوگا۔ ——— ربنا اھدنا الصراط المستقیم

(بقیہ صفحہ ۴۸)

لیے جلدی ہی سہولتیں پیدا کردیں گے۔ لیکن اس راہ کے لیے جاھدوا[1] یعنی سخت کوشش شرط ہے، یعنی پہلے منشائے الٰہی کو جو قرآن میں واضح ہے، نفس کی آسائشوں پر ترجیح دی جائے پھر یقیناً ادھر سے دستگیری ہوتی ہے۔

بارِ الہا! ہمیں گفتار سے کردار کی جانب رہنمائی فرما! یہ جو کچھ قلم سے کاغذ پر لکھا گیا ہے تو اپنی کلک توفیق سے ہمارے صفحۂ دل پر نقش کردے کہ یہ ہماری طاقت سے باہر ہے اور ہمیں ہمارے نفس کی پوشیدہ چالوں سے آگاہ کر!

آخر ما۔ میں ایک دفعہ پھر اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ ایسے مفلس علم و عمل کا آپ ایسے بزرگ صالح کو اس قسم کا واعظانہ خط لکھنا ایک جسارت ہے جو معلوم نہیں کیوں سرزد ہوئی۔ شاید اس لیے کہ آپ نے اپنے گرامی نامہ میں تسکین کی مضطربانہ خواہش کا اظہار کیا ہے جس کی مجھے بھی اشد ضرورت ہے۔ کاش میرے اپنے نفس کو یہ تحریر پڑھ کر شرم آئے اور کچھ ہمت عمل پیدا ہو، کیوں کہ سب سے پہلے اس وعظ پر عمل کرنا میرا فرض ہونا چاہیے۔

دعاگو

....

---

[1] وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۶۹/۲۹) ہم اپنے بارے میں کوشش کرنے والوں کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے) یہ سخت مضبوط وعدہ ہے اور وعدہ الٰہی کبھی نہیں ٹل سکتا۔ میں نے ہر جگہ حوالہ دیا ہے کہ اصل مقام کو بڑے ہی غور سے خدا کی حضوری میں سمجھا جائے۔

ایک مکتوب

سوال۔ ایک محترم بزرگ تحریر فرماتے ہیں:

برادر محترم..... السلام علیکم! .... کے بچے کچھ ایسے بے خانماں ہو گئے ہیں کہ ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں....... میں تلاش حق کا ابھی تک پیاسا ہی چلا جاتا ہوں..... اگر آپ کے ملاحظہ میں کوئی کتاب اُردو کی آیا کرے تو خرید کر مجھے بھجوا دیا کریں...... تسکین نفس کا کوئی ڈھنگ دستیاب ہُوا ہو تو مجھے ضرور ارقام فرمائیں۔ (الراقم.......)

جواب۔ .... باقی رہے مرحوم کے پسماندوں کے مصائب، یہ اسرارِ الٰہی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ (بارِ الٰہا! جس چیز کو تُو روک دے اُسے کوئی دینے والا نہیں) اس میں نفی اختیار نہیں۔ ہمارے اختیار نے جو بیج بویا تھا، اس کو نشوونما دینا، بارور کرنا تو ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ کم از کم ان بچوں نے تو گناہ نہیں کیا جو اپنی مرضی کے بغیر اس پُر آشوب دنیا میں لا کر مبتلائے مصائب کر دیئے گئے، میں سمجھتا ہوں وہ ہمارے قومی و جماعتی گناہوں کا شکار ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ "تلاش حق کے پیاسے چلے جا رہے ہیں"۔ آپ کے محبوب شاعر ہاشم نے کہا ہے: ہاشم طلب رہے جند جائے تے میں شکر ہزاراں کرساں[1]

محترما! جس کا جذبۂ تلاش ختم ہو جائے وہ دائرہ حیات سے خارج ہو گیا، میں ان لوگوں کے قدم چومنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں جو اس مبارک تلاش میں چل رہے ہیں۔ ان کی راہ کی گرد مجھ ایسے کور سوادوں کی آنکھوں کے لیے سرمۂ بینش ہے۔ حضرت مطلوب عزاسمہٗ و جل ذکرہٗ بڑے ہی پیار سے، نہایت مہربانی سے اپنے طالب کو فرماتے ہیں: یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ (۸۴) اے انسان! تو اپنے رب کی طرف دوڑ دھوپ کر رہا ہے (تسلی رکھ تیری یہ سعی ضائع نہیں جائے گی)، تو اس سے ملاقات کر کے ہی رہے گا۔

پھر فرمایا: لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۸۴ (تمہارے لیے ٹھیرنے کا کوئی مقام نہیں، کیوں کہ ٹھہرنا موت ہے) تم درجہ بدرجہ (عروج و ترقی کی طرف) چڑھتے چلے جاؤ گے۔ یعنی یہ لذیذ تلاش وصال کے بعد بھی ختم نہ ہوگی اور اگر

---

[1] اے ہاشم! جان چلی جائے لیکن جذبۂ تلاش قائم رہے تو میں لاکھ لاکھ شکر کروں۔

سچ پوچھو تو اس کا صحیح آغاز ہی اس وقت ہوگا اس کو اصطلاح میں "سیر فی اللہ" کہتے ہیں، جس کی کوئی حد ہے نہ غایت۔

میں آج کل رباعیات سحابی کا انتخاب کر رہا ہوں، ان میں سے چند آپ کی نذر ہیں۔

ہمارا مقصود ہم سے دور نہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ہم اپنے آپ سے بہت دور ہو چکے ہیں۔

(۱) در بارگہ عشق شدہ غیرت ما　　آں موجب صحو و باعث سکرت ما
گفتا کہ مرا بحضرتت راہے دہ　　آواز برآمد کہ توئی حضرت ما

یعنی عرض کیا کہ "مجھے اپنی بارگاہ کی طرف رہنمائی فرمائیں" ارشاد ہوا "ہماری بارگاہ تو ہی تو ہے"۔ قرآن مجید نے اس مضمون کو "قرب و معیت" کی آیات میں بہ تفصیل بیان کیا۔ بلاغ (جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ) میں اس پر تفصیلاً روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس کا پڑھ لینا آج بھی فائدے سے خالی نہیں۔

(۲) جہد کنی کہ بشنوی بوئے خدا　　کز بوئے خدا رسی تو در کوئے خدا
غولیست ہمی برد بوادی ہلاک　　ہر سوئے کہ میروی بجز سوئے خدا

کوشش کر کہ تو بوئے حبیب ہی سونگھ سکے۔ کیوں کہ "بوئے حبیب" کی رہنمائی میں تو "کوئے حبیب" میں جا پہنچے گا، اس کی جانب کے سوا جس کی جانب بھی تو جائے گا وہ غول (بھوت پریت) ہی ہے جو تجھے وادیٔ ہلاکت میں لے جائیگا۔

(۳) گر با خودی از خوف و رجا درد سر است　　گر با خلقی زما جرا درد سر است
از فقر ملال و از غنا درد سر است　　حاصل ہمہ چیز جز خدا درد سر است

اگر ہم اپنے آپ میں مصروف رہیں تو خوف و امید کا درد سر لگا ہوا ہے۔ اگر مخلوق سے تعلقات پیدا کریں تو معاملات کا درد سر ہے۔ تنگدستی موجب ملال اور دولت مندی بھی درد سر ہے۔ حاصل یہ کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا درد سر ہی ہے۔

(۴) در دیدہ معرفت اگر کوری نیست　　بر وجہ خدا حجاب مستوری نیست
دوری تو از مطالب مختلف است　　مطلوب اگر خدا بود دوری نیست

اگر چشم عرفان اندھی نہ ہو تو جمال الٰہی محجوب نہیں ہے۔ ہماری دوری رنگا رنگ کے مطالب سے ہے۔ اگر ہمارا مطلوب تنہا خدا ہو تو کوئی دوری نہیں۔ یعنی سب کچھ کرتے ہوئے بھی ہم غایت الغایات اور اقصی المقاصد اسی کو سمجھیں۔

(۵) در عالم کہنہ کاندر و خلق نوند　　ہر کس بفسانہ ایش مغرور شوند
یک کس بخدا رسد کہ مقصود اینست　　بہتر کہ ہزار قوم آیند و روند

یہ پرانی دنیا جس میں نئی نئی مخلوق پیدا ہو رہی ہے، ہر شخص اس کی کہانی سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ یہاں ہزار قومیں بنتی

اور بگڑتی، بڑھتی اور تباہ ہوتی رہتی ہیں، اس تمام کش مکش اور تگ و دو سے بہتر یہ ہے کہ صرف ایک شخص خدا تک پہنچ جائے، کیوں کہ مقصود یہی ہے۔

آپ کہیں گے، بھائی یہ تو باتیں ہیں۔ کوئی کام کی چیز بتاؤ۔ سچ یہ ہے کہ مجھ میں قطعاً کوئی اہلیت نہیں، میں نقل ہی کرنا جانتا ہوں، اس کے متعلق بھی نقل کر دیتا ہوں، میں نے بہت سی کتابوں میں پڑھا ہے کہ وصول حق کا سب سے مجرب نسخہ شب خیزی اور خدمت خلق ہے۔ خود سب سے بڑی کتاب بھی طرح طرح سے اس کی ترغیب دیتی ہے:

"اہل کتاب میں بھی کامیاب لوگ وہی ہیں جو راتوں کو جاگ کر آیاتِ الٰہیہ کی تلاوت کرتے، سر جھکاتے، خدا اور آخرت کو مانتے، بھلے کاموں کا حکم دیتے، برائی سے روکتے اور خود بھی خیر کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، وہی صالح ہیں (۴/۴)۔۔۔۔ رحمٰن کے بندے زمین پر غیر متکبرانا چلتے، جہلاء سے سلامتی کی گفتگو کرتے اور سجود و قیام میں راتیں گزار دیتے ہیں۔۔۔۔ (۹/۴)۔۔۔۔ آیاتِ الٰہی کے مومن تذکیر و موعظت کے وقت سجدے میں گر پڑتے ہیں اور حمدِ ربانی کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور ان میں تکبر کا نام نہیں ہوتا۔ ان کے پہلو بستہ خواب سے الگ ہو جاتے ہیں اس وقت وہ اپنے رب کو خوف و طمع سے پکارتے ہیں اور رزق الٰہی سے خرچ کرتے ہیں۔۔۔۔ (۲۱/۱۵)۔۔۔۔ جو شخص رات کی گھڑیوں میں سجود و قیام کے لیے فرماں بردارانہ حاضر ہوتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے، اس کی برابری کون کر سکتا ہے؟ (۲۳/۱۵)۔۔۔۔ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ربانی عطیے لے رہے ہیں۔ وہ اس بہشتی زندگی سے پہلے (دنیا میں) محسن تھے، راتوں کو جاگتے اور صبحوں کو استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل و محروم کا حق ہوتا تھا۔ (۲۶/۱۰)۔۔۔۔ اے کملی پوش! رات کا کچھ حصہ اٹھ کر قرآن پڑھا کر (۲۹/۱۴)۔۔۔۔ اہل خرد کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔"[۱]

ان تمام آیات کے نشان زدہ مقامات میں وہی دو چیزیں ہیں جو میں اوپر کہہ آیا ہوں۔ شب خیزی اور خدمتِ خلق۔

خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بڑے دعوے سے کہتے ہیں:

یک نیم شب خیز و بدرگاہ بیا گر حاجتت نہ برآید و انگہ گلہ کن

اگر آدھی رات کو جاگ کر درگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے سے تیری دعا قبول نہ ہو تو بے شک گلہ کر۔

دوسری رباعی کس مزے سے فرماتے ہیں:

شب خیز کہ عاشقاں بشب راز کنند گردِ در و بامِ دوست پرواز کنند

---

[۱] ان حوالوں کو قرآن مجید میں تلاش کر کے سیاق و سباق سمیت پورے غور سے بار بار پڑھنا، سمجھنا اور سوچنا اشد ضروری ہے خواہ اس پر چند دن صرف ہو جائیں۔

ہر جاکہ درے بود بشب بربندند   اِلّا کہ در دوست بشب باز کنند

رات کو جاگ کہ یہ عاشقوں کے راز کا وقت ہے، جب کہ وہ دوست کے در و بام کے گرد پرواز کرتے ہیں۔ جہاں کہیں کوئی دروازہ ہے، اسے رات کو بند کر دیتے ہیں، لیکن دوست کا دروازہ رات ہی کو کھلتا ہے، سبحان اللہ

اللیل للعاشقین ستر   یالیت اوقاتہ تدوم

رات عاشقوں کے لیے پردہ ہے۔ کاش رات ختم نہ ہوتی

اب دیکھنا یہ ہے کہ رات کو اُٹھ کر کیا کرے؟ وہ بھی ان ہی آیات سے پوچھیے:

(۱) سجود و قیام (۲) تلاوت آیات (۳) دعا بخوف و طمع۔ یعنی حسب ذوق چند رکعت نماز ادا کرے۔ اس میں سورہ فاتحہ کے بعد قرآنی دعاؤں کا التزام کرے۔ اپنے مخاطب جل و علا کو بالکل اپنے پاس، اپنی ذات سے بھی زیادہ قریب، ہر طرف سے محیط اور سمیع و علیم تصور کرے۔ تلاوت، سجود و قیام کے بعد، قرآن مجید سامنے رکھ کر بھی کر سکتا ہے، نماز و تلاوت کے بعد یک سوئی خیال سے "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" کی تعمیل میں مبارک و مقدس نام اللہ کا ذکر زبان سے یا دل سے کرے۔ اس میں "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" کا مفہوم سامنے رکھے کہ میں اپنے مالک کو یاد کر رہا ہوں، وہ بھی مجھ عاجز کو یاد فرما رہے ہیں۔ اس نکتے پر یقین پیدا کرے کہ جب وہ باہمہ عظمت و جبروت اور قوت و قدرت مجھ ایسے بندۂ کمینہ کو یاد فرماتے اور نگران حال ہیں، تو مجھے کسی اور طرف امید لگانے اور متوجہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اس بات پر اٹل یقین کر لینا چاہیے کہ ذکر کی ورزش کے بغیر زمین آسمان میں کبھی اطمینان نہیں، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (۱۳/۲۸)، خبردار ذکر خدا ہی سے دلی اطمینان پاتے ہیں۔ ذکر شبانہ کی ورزش کا مقصود یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ہر وقت اور ہر حال میں ذکر کی عادت ہو جائے۔ اس کے لیے کم گوئی کی عادت ڈالنا بھی ضروری ہے، قانون غیب ہمارے ہر لفظ کی نگرانی کر رہا ہے۔ "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" (۵۰/۱۸)

اس سے فارغ ہو کر چند منٹ کوئی آیت حسب ذوق لے کر اس پر غور کرے مثلاً "وسعت رحمتی کل شیء" اس سے رحمت عامہ کا مشاہدہ کرے یا ھو معکم اینما کنتم۔ اس سے اپنے اوپر معیت کی کیفیت غالب کرے[۱] علیٰ ہذا القیاس۔ یہ صرف مختصر اشارات ہیں، عمل خود بخود رہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلص متلاشی کے لیے آسانیاں مہیا فرما دیتے ہیں، وسنیسرہ للیسریٰ۔ یعنی جو شخص معطی (عطا کرنے والا) متقی اور نیکی کا مصدِّق ہو ہم اس کے

(باقی ص۴۴ پر دیکھیں)

---

[۱] اس تمام شغل میں کم از کم ایک گھنٹہ صرف ہونا چاہیے۔

اس کے ساتھ ہے، اس لیے ہر ذرّہ حاملِ[1] عرش ہے، یعنی فرماں بردار ہوتا ہُوا اثر لیتا ہے، ان میں تصادم نہیں ہوتا مگر حول والوں میں جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ حامل ہر ذرّہ ہے مگر اردگرد والے مرکب ہیں، اس لیے ان میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے، جیسے مرض وصحت، طاقت وکمزوری، غلبہ وشکست، دفع وضبط، منفی ومثبت وغیرہ وغیرہ میں تصادم ہونا ضروری ہے۔ غرض کہ تمام مقاموں، سببوں اور سامانوں کی باگ مالک عرش، صاحب حکومت، رحمان کے ہاتھ میں ہے اور اس عرش پر وہی راست آیا دوسرے کی گنجائش ہی نہیں۔ ساری موجودات اس کی تسبیحیں کر رہی ہے اور اس کی حمد کے ترانے گا رہی ہے وہی عادل شہنشاہ ہے جو ہر معاملے کا بہترین طریق پر فیصلہ کرتا ہے) اور ان کے درمیان (ان کے جھگڑوں وغیرہ میں وہی خدا) فیصلہ کرتا (رہتا) ہے، حق کے ساتھ (وہی جو مناسب چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس کے سوا اور ہے بھی کون جو حق اور مناسب فیصلہ کرے؟ علیم کل، عالم الغیب والشہادہ کے مقابلہ میں کون لائق تعریف ہو سکتا ہے؟ پس نتیجہ ہمیشہ سے یہی نکلتا رہا کہ) اور کہا جاتا ہے تمام (کی تمام) تعریفیں (اسی) اللہ (کامل مطلق) کے واسطے ہیں جو سب جہانوں (زمانوں، مکانوں وغیرہ) کی ربوبیت کرنے والا ہے (بس ہمیں بھی یہی کہنا چاہیے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ)

---

[1] حامل تو ایک ایک ذرّہ ہوتا ہے، ان میں کیا تصادم ہوگا، ہاں مرکبات میں ٹکریں ہوتی رہتی ہیں، حامل و حول کا فرق یہی ہے۔

سورۃ المومن

مضمون اور نظم و ربط

سورۃ المومن حٰمٓ سے شروع ہوتی ہے۔ حٰمٓ سات سورتوں کے پہلے آیا ہے۔ حٰمٓ المومن حٰمٓ السجدہ۔ حٰمٓ الشوریٰ، حٰمٓ الزخرف، حٰمٓ الدخان، حٰمٓ الجاثیہ، حٰمٓ الاحقاف۔ ان سب سورتوں میں خدا تعالیٰ نے وحی کی عظمت بیان فرمائی ہے، یعنی حمیدؔ مجیدؔ خدا کی بڑائی اور بزرگی کا کثرت سے ذکر ہے۔ جس طرح الٓمٓ چھ سورتوں کے اول میں لایا گیا ہے اور ان میں احکام اسلام کا بیان ہے۔ غرض تو ساری کی ساری خدائے قدوس کی تعریف سے ہے، جس کے سوا کوئی بھی لائق حمد و تسبیح نہیں ہے۔ یہ حروف بطور بیج کے ہیں جن میں ساری سورت درخت کے مانند اس طرح چھپی ہوئی ہے جس طرح نطفہ میں انسان ہوتا ہے۔ ایک ایک دو دو بیج والی سورتیں بھی ہیں اور زیادہ بیجوں والی بھی، مگر سوائے پروردگار کے کوئی بھی ان بیجوں کو درخت کی شکل میں نہیں دکھا سکتا۔ ان حروف کی تشریح کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ پس اس مہربانِ حقیقی نے آپ ہی کرم فرما کر ان کو پورا پورا واضح کر دیا اور آسان کر کے بیان فرمایا کہ ایک دوسرے کو یہ تعلیم حق پہنچاتے رہو۔ رسول، لوگوں کو یہ پیغام الٰہی سنائے۔ لوگ دوسروں کو یہ پیغام پہنچائیں۔ غرض ایک دوسرے پر شاہد بنتے چلے جاؤ اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے۔ یہی ہے شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا کا مطلب۔ حٰمٓ میں وحی کے خاصے بیان فرمائے ہیں، جیسے ارشاد ہوتا ہے:

پہلا رکوع | حٰمٓ ۝ زکیا ہے حٰمٓ،

۲۔ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ اس کتاب کا اتارا جانا ہے اللہ (کامل مطلق)، کی طرف سے (جو اللہ) اصل غلبے والا (اور) اصل علم والا ہے (ان صفات میں کوئی بھی پیغمبر یا عالم انسان داخل نہیں ہے، بلکہ اس کے حکم کے ماننے پر نجات کا انحصار ہے اور انکار

کی صورت میں عذاب یوم عظیم کا کھٹکا اور خوف ہے۔ غرض بندوں کے پجاریوں کو آگاہ ہونا چاہیے کہ اس احکم الحاکمین ہی کے سامنے گردنیں خم کرنی چاہئیں، اس کی رضا کے مقابلے میں سب مخلوق کی مرضی قربان کر دینی چاہیے اور اس معبودِ حقیقی کے سچے عابد بننا چاہیے، جس کا حکم اٹل ہے، کیوں کہ وہ العزیز ہے۔ ایسے غلبہ والے کے مقابلہ میں کون آسکتا ہے؟ وہ العلیم ہے اس سے کسی کی کوئی بھی بات اور حرکت یا ارادہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ انبیاء اور غیر انبیاء سب کا فیصلہ اپنی صحیح معلومات کے سبب وہی خدائے علیم ٹھیک ٹھیک اور بے غلط طریق پر کر سکتا ہے اور اگر نبی سے بھی کسی کا اختلاف ہو، تو آخری فیصلہ وہ مالکِ حقیقی اور داناے کل ہی فرماتا ہے خواہ کسی عورت اور نبی میں جھگڑا ہو، تو بھی وہی اٹل حکم والا فیصلہ دیتا ہے جو فریقین کے لیے واجب تسلیم ہے، کیونکہ وہ غالب اور وسیع علم والا ہے۔ یہ تمام صفات اُسی کے شایان شان ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس خدائے علیم کا فیصلہ عین حق اور علم و اختیار کے مطابق ہوتا ہے، اسی لیے کسی اپیل اور سفارش کی کوئی گنجائش نہیں۔ آگے بتایا وہ اللہ کیسا ہے، ایسا کہ اے لوگو! اس نے تمہیں کچھ اختیارات بھی دے رکھے ہیں، جبھی تو تم کو منصبِ خلافت عطا ہوا ہے۔ پھر وہ تمہاری مجبوریوں اور کمزوریوں سے بھی واقف ہے اور تمہاری خامیوں اور نقصوں وغیرہ کو بھی جانتا ہے اور ایسی حالتوں میں درگذر کرتا رہتا ہے جیسا کہ فرمایا وہ اللہ کیسا مہربان ہے کہ ایسے حالات میں)

(۳) غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ○ جو گناہوں کا بخشنے والا ہے (اور یہ بات بھی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو کھا جاتی ہیں، جس طرح صابن گھسنے سے میل کٹ جاتی ہے تو ایسی حالت میں صابن ضائع نہیں ہوا بلکہ میل کو دور کرنے میں صرف ہو گیا، اسی طرح نیک کام بھی برائی کو کھا جاتا ہے۔ مگر یہ کس شخص کا حال ہے؟ جو برائیوں سے ٹل جائے اور خدا کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے نادم ہو کر توبہ کرے تو پھر وہ اللہ کیسا ہے، گناہوں کو معاف کرنے والا) اور (سچی اور صحیح نہ کہ زبانی) توبہ کا قبول کرنے والا (اور اگر خالی دکھلاوے کی توبہ کی یا برائیوں ہی پر اڑا رہا اور ضد و شرارت اور ظلم و جور وغیرہ سے باز نہ آیا، تو پھر وہ اللہ کیسا ہے) سخت عذاب دینے والا ہے (یہ عذاب کسی کینہ وغیرہ

کی وجہ سے نہیں بلکہ بطور علاج کے ہے اور ہمیشہ اس عذاب والے علاج میں نہیں رکھتا، بلکہ اچھا ہونے پر نکال لیتا ہے۔ اس کی رحمت سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ مرض دُور ہونے پر مریض کو مناسب آرام کی جگہ پر بھیج دیا جاتا ہے، جیساکہ فرمایا، وہ اللہ کیسا ہے، (وہ) بڑے حوصلے والا ہے (لوگو! تم اس تکلیف دہ علاج سے بچنے کے لیے، پہلے ہی سے اس کامل مطلق ذات الرحم الراحمین سے لو لگاؤ! اسی کی طرف رجوع کرنے سے دائمی راحت ملتی ہے۔ اسے بلا شرکت غیرے اکیلا اور صرف اکیلا معبود مطلق مانو اور جانو۔ ارشاد ہے کہ)

کوئی بھی معبود (لائق عبادت) نہیں مگر وہی (کامل ذات، اکیلا، لائق عبادت) ہے (پھر یاد رکھنا کہ معاملہ بھی اسی سے پڑتا ہے جیسے فرمایا کہ) اسی (خدا) کی طرف لوٹنا ہے (یعنی اسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ پھر غور کرو کہ پیشی کا وقت بدکار اور ظالم لوگوں کے کتنا کٹھن اور نازک وقت ہے! العزیز و العلیم واحد کی تعلیم کتنی سادہ اور آسان ہے، جس میں کسی اور قاضی اور شفیع وغیرہ کا ذرا برابر دخل نہیں۔ صرف اکیلا خدا ہی کافی ہے، جو اپنے غلبے اور علم کے مطابق موزون فیصلے دیتا رہتا ہے۔ مشرکین اور کافر قومیں اس بے نظیر تعلیم سے زیادہ منہ موڑ لیتی ہیں کہ تمام معبودوں کو مٹا کر ایک معبود کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے اور "شفعاء" کو کیوں سرے سے جواب ہی دیا جاتا ہے۔ یہی تعلیم قابل قبول تو کیا لائق رد ہے۔ غرض یہ لوگ خوب بگڑتے ہیں جیساکہ فرمایا کہ)

(۴) مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ نہیں جھگڑا کرتے اللہ کی آیات میں مگر وہی لوگ جو کافر (ناقدرو ناشکر گذار) ہیں (طرفہ یہ ہے کہ اللہ کی آیات سُن کر تو اُدھم مچا دیتے ہیں، مگر بندوں کی حدیثوں کے بارے میں ذرا بھر شور و شر نہیں اٹھاتے۔ معلوم ہُوا کہ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ جو کلام اللہ کا پیغام کہہ کر ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، مگر آج کل کے مُلّاؤں کی بھی عجیب ذہنیت ہے، جو ان پر بھی سبقت لے گئے ہیں، یعنی یہ کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم کتاب اللہ میں داخل ہیں، یعنی جو بات کفّار کو بھی نہ سوجھی، ان "مومنوں" کو معلوم ہوگئی۔ غرض نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ملاؤں کے دماغ بھی قابل داد ہیں۔ اگر ان کی اس انوکھی سمجھ پر افسوس کا اظہار کیا جائے تو یہ بے ادبی میں

داخل ہے۔ غرض بندہ پرستوں کی جمعیت نمائش، کثرت تجارت اور رونق دیکھ کر گھبراہٹ میں دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ سن رکھو کہ یہ مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ مومن کو پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دینا چاہیے، جیساکہ ارشاد ہوتا ہے کہ پس ان (منکرین حق) کا شہروں میں (بظاہر حقیقت پسندی سے) پھرنا تجھے دھوکے (اور فریب) میں نہ ڈال دے (ایسے کئی گروہ اسی عقیدہ کے ان سے پہلے اپنی کرتوتوں اور مظالم کے سبب تباہ وبرباد کر دیے گئے۔ اگر یہ باز نہ آئے تو انہیں بھی ویساہی انجام دیکھنا پڑے گا۔ کیوں کہ ہمارے ہاں انصاف ہے، اندھیر نہیں۔ ہم مومن وکافر موحد ومشرک میں پیشی کے موقعہ پر بیّن تمیز کر دیتے ہیں۔ وہاں متقیوں کے لیے عافیت کا سامان ہے۔ مجرمین بڑے خسارے میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ کیوں ہماری گرفت سے بے خوف ہو گئے۔ کیا یہ انکے مشرک ومجادل ہیں

ع زندہ شہادت ہیں کہ مخالفین حق دیر تک نیچے نہیں رہے، ان پر دنیا میں بھی عذاب آیا اور اسی سے عاقبت کے عذاب کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ اشرار اپنے آس پاس کی تباہ شدہ بستیوں اور کھنڈروں کو دیکھتے رہتے ہیں، مگر سبق حاصل نہیں کرتے کہ ہم ظالموں کو برباد کرکے حق پسندوں کو ہمیشہ غلبہ دیتے آئے ہیں۔ یہ کیوں ہُوا؟ اس لیے ہم طالبان حق کے مددگار ہیں۔ یہ بات کوئی پوشیدہ بات نہیں، تمہارے اِردگرد مثالیں موجود ہیں۔ پس موقعہ ہے کہ عبرت حاصل کرو اور صراطِ مستقیم پر گام زن ہوکر سرخرو ہو جاؤ، ورنہ اپنے ہم عقیدہ اسلاف کی طرح دردناک عذاب کی لپیٹ میں آجاؤ گے۔ اب مکذبین وغیرہ کا تاریخی واقعہ بیان فرمایا، ارشاد ہے کہ)

(۵) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ (حق تعلیم اور اس تعلیم کے لانے والوں کو)

ان (موجودہ اشرار) سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا اور (دوسری اشرار) جماعتوں نے (بھی) ان کے بعد (حق آنے پر اس کی تکذیب کی۔ سب ظالم اپنے اپنے وقت پر سچائی کا مقابلہ ڈٹ کر کرتے رہے اور وقت آنے پر عذاب سے ہلاک ہوئے اور جہنم کے اندر طرح طرح کے تکلیف دہ علاج کے لیے دھکیل دیے گئے۔ ظالموں کی گرفت کرکے دوزخ میں بھیجنا ہماری ہمیشہ سے سنت

ہے اور دوسری طرف سرکشوں کی بھی یہ عادت چلی آئی ہے کہ صلاحیت والوں کو ضرور ہی ستایا اور ان کا مذاق اڑایا جائے، اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جائیں اور اپنے زعم باطل میں انہیں واجب القتل قرار دے لیں تو مارنے سے بھی احتراز نہ کریں، مگر آخری نتیجہ نکلنے والے تو ہم ہیں، پھر ان نابنجاروں کا انجام سوائے تباہی کے کیا ہوتا آیا ہے؟ مگر اس پر بھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے۔ صرف جھٹلانے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اور یہی مظالم توڑنے پر ہر وقت آمادہ نظر آئے جیسے فرمایا کہ ہر اُمت کے لوگ اپنے (اپنے) رسول کے ساتھ قصدِ قید کرتے رہے اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تاکہ حق کو (اپنے زعم باطل میں) گرادیں (مگر حق باطل سے کب دبنے والا ہے، اس حق سے جو ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہوکر رہے گا، تمام واقعات ان کے آس پاس کھنڈرات وغیرہ کی شکل میں زندہ سبق موجود ہیں کہ اشرار کا کیا کچھ انجام ہوتا آیا ہے۔ ہزاروں سال کی جدوجہد بھی انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی۔ مگر انسان کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ وہ ایسے بین حقائق سے بھی عبرت نہیں پکڑتا۔ کیا پھر ہم ایسے جرائم سے درگذر کردیتے ہیں؟ ہرگز نہیں! جیساکہ فرمایا) پس میں نے (یعنی خدا نے ضدی اشرار جو بھی ہوتے آئے ہیں اپنے وقت پر) ان کو پکڑا، پھر کیسا ہوا میرا پکڑنا! (دنیا میں رسوائی والے عذاب سے گرفت کرکے جہنم میں تکلیف دہ علاج کے لیے بھیجے گئے۔ ناقدروان اپنے اعمال کی وجہ سے ان دفعات کی تحت آتے رہتے ہیں۔ جیساکہ ارشاد ہے)

(۶) وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

اور اسی طرح کافروں پر تیرے رب کا فرمان صادر ہوتا رہتا ہے، یہ کہ وہ (مشرک اور کافر) لوگ (اپنی نالائقی اور بداعمالی کے سبب جہنم کا ایندھن یعنی) آگ والے بن گئے (پس آخری پکڑ میں آگئے نہ کہ ضائع کردیے گئے، ہرگز نہیں۔ مقررہ میعاد تک اس جہنم میں رکھ کر خوب اچھی طرح درست کئے جاتے ہیں۔ وہ لاکھ کوشش کریں قبل از صحت کس طرح نکالے جاسکتے ہیں؟ یہ اس چیز کا بدلہ ہے جو دنیا میں بے ضرر اور مفت کے معالجوں (انبیاء و مصلحین وغیرہ) سے متنفر بلکہ حتی الوسع ان کی ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔ تمام امن پسند دنیا ان صلاحیت پھیلانے والوں کو اچھا جانتی ہے اور بدکاروں کو خدا، فرشتے اور انسان لعنت کرتے رہتے ہیں۔ غرض

اسی طرح ملائکہ بھی نیکوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں بلکہ تمام نیچر ان کی بھلائی میں لگی ہوئی ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ نیکی کرے، بدی سے تمام چیزوں میں شر پیدا ہوتا ہے، پس لازم ہے کہ ہر برائی سے پوری طرح احتراز کیا جائے۔ ایک ایک ذرّے پر، تمام مرکبات پر اور تمام نظام شمسی پر غور کرو۔ اِن سب کے معاملے خدا کے دستِ قدرت میں ہیں اور ہر شے احکام خدا کی حامل ہے، جیسے میری اور آپ کی روح جسم کی حامل ہے۔ تو جب اس امانت کو انسان نے اٹھایا تو سب چیزیں ڈر گئیں کہ اب ہم پر بھی اثر آیا کیونکہ سب اشیاء تو انسان کے لیے مسخر کی گئی ہیں، جب یہ حاملِ امانت ہوا اور دیانت داری سے پرے ہٹا، تو تمام چیزوں میں تہلکہ مچ گیا اور ہر طرف سے لعنتوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی اور جب یہ اس امانت میں دیانت داری سے کام لیتا ہے، تو تمام موجودات اس کی بھلائی میں مصروف ہو جاتی ہے۔ جیساکہ ارشاد فرمایا)

(۷) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○

وہ لوگ جو اٹھاتے ہیں حکم (اپنے اللہ کامل مطلق) کا (یعنی حکم بردار ہیں۔ یہ ابتدائی سلسلے والے ہیں۔ خدا کو یہ نہیں دیکھتے، کیونکہ وہ وراء الورا ہے کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں پاتی، ہاں رویت قلبی سے اسے دیکھا جاتا ہے) اور جو اِرد گرد ہیں (یعنی ذرات ہوں یا مرکبات، ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ) تسبیحیں بیان کرتے ہیں، ساتھ تعریف پروردگار اپنے کے (جو سب کی ربوبیت کرتا ہے اور جس کیلئے اور جس کے اوپر کوئی روک نہیں ہے اور وہ مقیّد بعرش و کرسی و تخت نہیں ہے۔ اسے سب کچھ حاصل ہے۔ غرض یہ مسبّحین یہ کچھ کیوں کرتے ہیں؟ کہ فرمان بردار ہوتے ہیں) اور ایمان رکھتے ہیں اس (خدا) کے ساتھ (مگر اس کو دیکھتے نہیں ہیں اور اور کام ان کا کیا ہوتا ہے یہ کہ) اور بخشش مانگتے ہیں (اپنے پروردگار سے۔ یہ ہے نیچر وغیرہ کا نیک لوگوں کی خیر میں لگے ہونے کے معنیٰ۔ یہ حاملین اور ماحول والے کس کی خیر خواہی میں بزبانِ حال لگے ہوئے

ہیں ۹) واسطے ان لوگوں کے جو مومن باللہ ہیں (اللہ والوں کی بہتری کے خواہاں ہیں۔ اور اگر یہ حامل امانت انسان سرکشی وغیرہ پر اتر آئے تو یہی اشیاء اس کے لیے تباہی کا باعث ہو جاتی ہیں۔ راستی والے کے لیے ہر طرف سے رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ غرض یہ اشیاء کہتی ہیں) اے ہمارے ربوبیت کرنے والے تو نے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم سے احاطہ کیا ہوا ہے (ویسے تو ہر چیز بلکہ کا ذوِن تک کو رحمت الٰہی نے گھیرا ہوا ہے۔ باقی کوشش والے تو اور بھی قابل قدر و تحسین ہوتے ہیں اور احکام خداوندی کے تسلیم کرنے اور ان پر گام زن ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے انعامات سے نوازے جاتے ہیں۔ غرض یہ کارکنانِ قدرت یہ بھی کہتے ہیں کہ اے رحیم و کریم) پس بخش توبہ کرنے والوں کو (جو لغزشوں کے بعد تیرے خوف کی وجہ سے اور ڈر سے سنبھل جاتے اور راستی پر آجاتے ہیں اور آئندہ بڑی احتیاط رکھتے ہیں) اور تیرے راستہ پر (جس پر چلنے کا تو نے حکم دیا ہوا ہے) صدق دل سے چلتے ہیں (وہ اپنے کو موسوی عیسوی محمدی نہیں کہتے، بلکہ تیرے راستہ پر چلنے کی وجہ سے اور تیرے فرماں بردار ہونے کے باعث مسلم کہلاتے ہیں۔ پھر تو اے پروردگار تو اُن پر رحمت بھیج) اور ان کو عذاب دوزخ سے بچا (تیرا راستہ حق ہے اور حق کے بعد گمراہی ہے۔ اسلام کے بغیر کوئی دین قبول نہیں کیا جاتا۔ یہی صراطِ مستقیم ہے، جس پر انسان پیدا ہوا۔ فطرت تبدیل نہیں ہوتی۔ تمام انبیاء وصلحاء بلکہ زمین و آسمان کا دین اسلام ہی ہے۔ ہاں اکثر بدبخت انسان اپنے جذبات کے ماتحت خدا کا حق بندوں کو دے دیتے اور وحی خدا اور انتظامِ انسانی میں فرق نہ کر کے عابدین کو معبود کے درجہ میں لا بٹھاتے ہیں۔ اس ظلمِ عظیم یعنی شرک سے اجتناب کرنا چاہیے۔ غرض کارکنانِ قدرت بلکہ نیچر کی ہر چیز ان مومنین کے لیے یہ کہتی ہے کہ)

(۸) رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اے ہماری (سب کی) ربوبیت کرنے والے ان (متقین وغیرہ) کو ہمیشگی کے جنات (ہر نعمت ملنے کی جگہ) میں داخل کر۔ (بے شک تیرے وعدے مشروط ہیں، تیرا حکم ہے کہ جو صداقت پر قائم رہے گا، اسے نجات و انعام سے نوازوں گا۔ یہ لوگ اس پر ثابت قدمی سے تمام مصائب و تکالیف کا بڑے

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

اُمّتِ مُسلِمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۴ | مارچ ۱۹۴۲ء مطابق صفر ۱۳۶۱ھ | نمبر ۳

فہرست مضامین

(محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمتِ مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا)

شذرات

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند (اقبالؔ)

آیت و روایت: "حقوق الزوجین" کے عنوان سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ایک مقالہ اس وقت پیش نظر ہے۔ مرد و عورت کے نکاح کے معاملے میں، قرآن مجید نے اخلاق و عفت کی صیانت کا جو مقصود پیش نظر رکھا ہے، اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے ذیل کی آیت نقل کی ہے:

اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ...... وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ (المائدہ)

آج تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کی گئیں اور باعفت عورتیں خواہ وہ مومن ہوں یا اہل کتاب میں سے، بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کرکے قید نکاح میں لانے والے ہو، نہ کہ علانیہ یا چوری چھپے ناجائز تعلقات پیدا کرنے والے۔

یعنی یہ کھلے لفظوں میں بتادیا گیا کہ مسلمانوں کو عیسائی اور یہودی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کرنے کا ویسا ہی حق ہے، جیسا کہ مومن عورتوں سے۔ اُن کی پاک دامنی اور اُن کے ساتھ جائز تعلقات پیدا کرنے کے سوا دوسری شرط یہاں موجود نہیں، مگر اس کا کیا علاج کہ ہمارے علمائے کرام، اس امر کا گویا تہیہ کرچکے ہیں کہ قرآن مجید کے آیات کا وہ مطلب نہیں لیں گے، جو اُن کے الفاظ سے صریح طور پر متبادر ہو۔ الفاظ بالکل واضح ہوتے ہیں۔ کوئی پیچیدگی، کوئی انغلاق و ابہام نظر نہیں آتا، لیکن وہ علم و فضل ہی کیا ہُوا، جو پیچیدگیاں پیدا نہ کرے، پہیلیاں اور معمے ایجاد نہ کرے اور وہ مخفی نکتے نہ نکالے، جن کو ظاہر کیے بغیر ہمارے علماء و فضلاء کا فہم و بصیرت، دقت نظر اور روایات کے بے پایاں سمندر کی غوّاصی عوام الناس پر آشکارا نہ ہوسکے۔ وہ آیت بھی بھلا کوئی آیت ہے، جس کے سیدھے سادے مفہوم پر قناعت کی جاسکے؟ اسلاف کی بتائی ہوئی تشریح و تفسیر کے بغیر اُسے سمجھا جاسکے؟ قرآن کا مفہوم بگڑتا ہو، تو بگڑ جائے، اس کی آیات اور اس کے واضح اور صریح مقصود کی جڑیں کٹتی ہوں، تو کٹ جائیں، مگر "قال فلاں عن فلاں" کی گردان فرد، کی جائے گی۔ قرآن کی عصمت خطرے میں پڑتی ہو، ان کی بلا سے، لیکن کسی راوی کی معصومیت پر حرف نہ آنے دیا جائے گا۔ خلاف عقل و فطرت تشریح و تفسیر سے صفحوں کے صفحے سیاہ کردیے جائیں گے، ساری دنیا اُن کی بے سروپا، مضحکہ خیز تاویلوں پر ہنستی

پھر تو ہنسئے، مگر انہیں اپنی غلط روی پر ذرا بھی شرم محسوس نہ ہوگی۔ ماضی کی پرستش اُن کا محبوب ترین شیوہ اور تیسری، چوتھی صدی کے راویوں اور فقیہوں کی اندھی تقلید اُن کا منتہائے مقصود ہو کر رہ گیا ہے!

یہی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، جنہیں اس بات کی حسرت ہے کہ وہ چودھویں کے بجائے، چوتھی صدی میں کیوں پیدا نہ ہوئے (کہ ایسا ہوتا، تو وہ بھی ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر ائمہ اور فقہا میں شامل ہوتے)، قرآن مجید کی اوپر دی ہوئی آیت کی تشریح کرتے ہیں، تو قلم توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اُن کے سامنے ایک طرف قرآن حکیم کا واضح اور بیّن حکم ہے کہ مسلمان، اہل کتاب عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور دوسری طرف، چند روایات ہیں، جو اس حکم کی کھلی خلاف ورزی کی تلقین کرتی ہیں۔ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آپ اکڑتے ہیں تو قرآن کے سامنے اور جھکتے ہیں تو روایات کے آگے؛ کس جرأت و جسارت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"اہل کتاب کے معاملے میں اگرچہ قانون اس کی اجازت دیتا ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر لیا جائے، کیوں کہ تہذیب کے مبادی میں، ایک حد تک ہمارے اور ان کے درمیان اشتراک ہے، لیکن اس کو بھی اسلام میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ کعب بن مالک نے ایک کتابیہ سے نکاح کرنا چاہا، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا اور ممانعت کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ اِنَّهَا لَا تُحْصِنُكَ: وہ تجھے محصن نہیں بنا سکتی، کیوں کہ تیرے اور اس کے درمیان مودّت و رحمت نہ ہوگی، جو احصان کی اصلی روح ہے۔ حضرت حذیفہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کرنا چاہا، تو حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ اسے چھوڑ دو۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے کتابیات سے نکاح کو بصراحت مکروہ فرمایا ہے اور حضرت علیؓ نے کراہیت کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، یعنی، جو مومن ہے، وہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کر سکتا، جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں اور جب زوجین میں محبت ہی نہ ہو، تو ایسا نکاح کس کام کا؟" (صفحہ ۱۶)

ان عجیب و غریب نکتہ سنجیوں اور موشگافیوں پر غور کیجیے، قرآن تو کتابیات سے نکاح کی کھلی اجازت دیتا ہے مگر مودودی صاحب کے "اسلام" میں اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا (گویا "اسلام" قرآن حکیم سے کوئی الگ وجود ہے) پھر ان روایتوں میں دلایل بھی موجود ہیں، ایک دلیل خود حامل وحیؐ کی طرف منسوب کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح، احصان کے منافی ہے اور دوسری حضرت علیؓ سے کہ مومن، کتابیات سے محبت نہیں کر سکتا ___ ستم ہے کہ یہ رکاوٹیں، یہ خدشے، خدا کے ذہن میں تو نہ آسکے، لیکن بزعم رواۃ پیغمبرؐ اور اصحاب پیغمبرؐ کو سوجھ گئے۔ کوئی بھی

نہیں سوچا، حتیٰ کہ مولوی مودودی بھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ کے صریح ارشادات کے خلاف "نہ تو کوئی پیغمبر یہ گستاخی کر سکتا ہے، نہ کوئی صحابی اور امام۔ یہ اُن دشمنانِ دین کی افترا پردازیاں ہیں، جنہوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ پر تعصب اور تنگ نظری کا الزام ثابت کرنے کے لیے ان روایتوں کو وضع کیا اور پھر یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ارشاداتِ الٰہی سے روگردانی کرکے، روایتوں ہی کو "اسلام" سمجھ لیا جائے؟ کیا مولانا مودودی کو یہ اسلاف پرستی، قرآن سے بھی زیادہ عزیز ہے؟ دراں حالے کہ جو لوگ قرآن کو چھوڑ کر، غیر قرآنی اقوال و روایات سے ہدایت کے طلبگار ہیں، ان کے بارے میں وہ اسی مضمون میں صاف لفظوں میں لکھتے ہیں کہ قیامت کے روز، خدا ان سے یہ سوال کرے گا:

"ہم نے ہر بیماری کا علاج قرآن میں رکھا تھا، تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لیے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو؟ اس باز پرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی۔ البتہ جہلاء کو یہ جواب دہی کرنے کا موقع ضرور مل جائے گا کہ رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا، رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا۔"

مگر یہ معاملہ کنز الدقائق، ہدایہ اور عالمگیری تک ہی کیوں محدود رکھا جائے؟ کیوں نہ بخاری، مسلم اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی جمع کی ہوئی روایات جن سے سندیں لے لے کر آپ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، اسی زمرے میں شامل کر دی جائیں؟ آخر یہ کتابیں بھی تو انسانوں ہی کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں اور یہ تسلیم کر لینے سے کہ کوئی بھی انسانی تالیف، الہام خداوندی کی طرح، اغلاط و اسقام سے مبرا نہیں، نہ تو زمین شق ہو سکتی ہے، نہ آسمان پھٹ سکتا ہے۔ فھل من مدکر؟

مولوی کی دیانت

"استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان" پر جو مقدمہ لکھا ہے، اُس میں تفسیر کے متعلق نہایت اصولی مباحث بیان ہو گئے ہیں، اس کا ترجمہ عام اہل علم کے فائدہ کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ جو بحثیں رسالہ کے عام قارئین کے لیے کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتیں وہ ہم نے حذف کر دی ہیں......"

"البیان" کے پڑھنے والے علامہ فراہیؒ اور ان کے شاگرد جناب امین احسن اصلاحی کے ناموں سے ناآشنا نہیں ہوں گے۔ علامہ مرحوم کی بعض کتابوں پر وقتاً فوقتاً "البیان" میں تبصرے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ جو کچھ لکھتے تھے، بالعموم عربی میں لکھتے تھے اور اب ان کی وفات کے بعد، مولانا امین احسن صاحب، ان کی تحریروں کے اردو ترجمے شائع کر رہے ہیں۔ اوپر جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں، وہ جنابِ مترجم کے اُس تمہیدی نوٹ سے لیے گئے ہیں جو "ترجمان القرآن" کے اس تازہ پرچے

میں علامہ فراہی کے "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" کے آغاز میں شائع ہؤا ہے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" کی بعض عبارتوں کا "اقتباس" "البیان" میں بھی ترجمہ کرکے، دیا گیا تھا، آج ہم اُس اقتباس کی چند سطریں، پھر دُہراتے ہیں:

"یاد رہے کہ احادیث کی اکثریت ضعیف اور اقلیت صحیح ہے۔ (صفحہ ۶)

حدیث، اجماع اور صحف اولیٰ، یہ تینوں ظن وشبہ سے خالی نہیں۔۔۔۔۔۔ میں نے بعض روایتیں دیکھی ہیں، جو آیتوں کو جڑسے اکھیڑ دیتی ہیں اور اُن کے نظام کو پارہ پارہ کردیتی ہیں۔۔۔۔۔۔ اُن لوگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو آیت کی تاویل تو کر لیتے ہیں، مگر روایت کی تاویل کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ تعجب پر تعجب ہے اُن لوگوں پر جو ایسی روایتیں تسلیم کر لیتے ہیں جو نصِ قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر دیتی ہیں، مثلاً کذب ابراہیم علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق قرآن بغیر وحی کے حدیث اور تواتر، قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ ہم اس عقیدے سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں کہ رسول، خدا کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے۔ ایسا خیال یقیناً راویوں کا وہم وخطا ہے۔ (صفحہ ۱۱)

میں کہتا ہوں کہ اختلاف احادیث میں قرآن حاکم ہے یہاں اس قول کی وضاحت کی جاتی ہے۔ میں بعض لوگوں کے طعن سے ڈرا کرتا تھا، لیکن حدیث کے متعلق اُن کا مبالغہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انہوں نے حدیث کو اس آیت کے تحت داخل کر لیا ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ: یعنی حدیث کو بھی اللہ نے نازل فرمایا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے اس قول کے نتائج پر غور نہیں کیا۔ پس وقت آ گیا ہے کہ میں سچائی کا علم بلند کردوں اور قطعاً پروا نہ کروں، چاہے میرا سر کاٹ ڈالا جائے اور میرا بند بند الگ کر دیا جائے۔ اکثر اہل حدیث کے دلوں میں یہ بات سما گئی ہے کہ بخاری اور مسلم نے جو کچھ روایت کر دیا، اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ پس ہم بعض قابلِ اعتراضات مقامات لکھتے ہیں، تاکہ تم سمجھ سکو کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو ربّ ٹھیرانے کی شناخت فرمائی ہے، پس ہم اُن کے غیر معقول فکر وفہم پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں"! (صفحہ ۳۴)

پس ان متضاد روایات میں اطمینان کی کوئی صورت نہیں۔ ان سے اور زیادہ قلق وتشنگی کے سوا کوئی امید نہ رکھو۔ طریق واضح اتباع لغت اور تدبر فی القرآن ہے اور بس!

امین احسن صاحب اصلاحی کا جو ترجمہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، اُس میں اوپر کی سطور آپ کو نظر نہیں آئیں گی۔

اُن کے نزدیک یہ وہ بحثیں ہیں جو "رسالہ کے عام قارئین کے لیے کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوسکتیں:

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے ؟

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ؟

امین صاحب! آپ کے استاذ امام کی یہ بحثیں، قارئین کے لیے مفید کیوں ثابت نہیں ہوسکتیں ؟ اگر ان سطروں کے مطالعے سے لوگوں کو یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ قرآن، قرآن ہے اور حدیث، حدیث، تو اس میں اُن کا کیا بگڑتا ہے؟ اگر وہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرلیں کہ بعض حدیثوں میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت خاتم النبیینؐ کی عصمت و دیانت پر کھلے بہتان موجود ہیں، اگر وہ یہ جان لیتے ہیں کہ اسرائیلیات کے اس دفتر میں قرآن مجید کو منسوخ قرار دینے والے بے شمار قصے کہانیاں بیان کی گئی ہیں، اگر اُن پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ حدیثیں، قرآن کی طرح منزل من اللہ نہیں ہیں، اگر انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ بخاری اور مسلم کی روایت کی ہوئی باتیں بہر حال انسانوں کی روایتیں ہیں اور ان میں سہو و نسیان کا پایا جانا اور انہیں محل تنقید و اعتراض قرار دینا، ایک ناگزیر امر ہے، تو اس سے انہیں کیا نقصان پہنچتا ہے؟ کون سی قیامت برپا ہوجاتی ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ بیشمار متضاد و متخالف حدیثوں اور روایتوں سے قلق و تشنگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا اور قرآن کو سمجھنے کا بہترین طریق، اتباع لغت اور فکر و تدبر کے سوا اور کچھ نہیں۔

تعجب ہے کہ استاذ تو ان باتوں کو اتنی اہمیت دے کہ اگر آن کے اعلان میں اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور اس کا گلا بھی کاٹ دیا جائے تو وہ اس کے اخفا کو جائز نہ سمجھے اور شاگرد کی "سعادت مندی" کا یہ حال ہے کہ وہ ان ہی باتوں کو چھپانا چاہتا ہے۔

کیا امین احسن صاحب خیال کرتے ہیں کہ ان چھچھوری کوششوں سے حقیقت کو چھپایا جاسکے گا ؟ یہ کتنی المناک جسارت ہے کہ خود مصنف اپنے خیالات کو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا، جو کچھ اس کا دل محسوس کرتا ہے، وہی اس کے قلم سے نکل جاتا ہے۔ پھر اس صورت میں آپ کا کیا حق ہے کہ آپ کتاب کی وہ عبارتیں حذف کر جاتے ہیں، جنہیں مصنف اپنی زندگی کی بازی لگا کر ظاہر کر گیا ہے؟ کیا یہ امر کسی مترجم کے لیے قابل فخر قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ کسی غیر کے نہیں، بلکہ اپنے ہی استاذ کے خیالات کو من وعن، دنیا کے سامنے نہ لائے۔ اگر آپ کو علامہ مرحوم کے بعض خیالات سے اختلاف تھا، تو حاشیے پر اُس کا اظہار کرسکتے، یا کسی الگ مضمون کی صورت میں اس کا جواب چھاپ سکتے تھے۔

اور پھر یہ کتنی افسوس ناک ذہنیت ہے کہ فی الاصل تو آپ کی مصلحت یہ ہو کہ علامہ فراہی کی شہرت اور وقار "حدیث پرستوں" کی نظر سے گرنے نہ پائے، مگر لوگوں کو آپ یہ چکمہ دینے کی کوشش کریں کہ چوں کہ ان کی بعض عبارتیں

عام لوگوں کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتیں، اس لیے حذف کردی گئی ہیں۔ گویا انہیں اہل علم کے سوا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، مگر ایسی صورت میں جب کہ نہ آپ نے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور نہ مصنف ہی نے منطق اور فلسفے کے مسائل بیان کیے ہیں، اُن کا سمجھنا اور اُن سے فائدہ اٹھانا کیا مشکل ہے؟ پھر لطف یہ ہے کہ آپ اپنے اسی نوٹ میں یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ جو عبارتیں حذف کی گئی ہیں "جب یہ ترجمہ بشکل کتاب شائع ہو گا تو اس میں شامل کردی جائیں گی"۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ جو ترجمہ ایک رسالے میں شامل ہو کر عام قارئین کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتا، وہ کتاب میں درج ہونے سے کیوں کر مفید ثابت ہو سکتا ہے؟

حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے زمانے کے علماء، سچائی سے کتنے دُور جا پڑے ہیں؟ وہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، مگر یہ نہیں جانتے کہ غلط بیانی کا مقصد صرف خلاف حقیقت باتوں ہی سے پورا نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے لیے بہت اچھے حافظے کی بھی ضرورت ہے ـــــ اِذَا كُنْتَ كَذُوْبًا فَكُنْ ذَكُوْرًا [1]

زہرِ مغرب | گذشتہ اشاعت کے "شذرات" میں "تعددِ ازدواج" اور "منع تولید" کے مسئلوں پر ہم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ قارئین "البیان" نے ان سطور کو دل چسپی کے ساتھ پڑھا اور ان کی تعریف بھی کی۔ اسی دوران میں کئی غیر مسلم دوستوں سے بعض اسلامی مسائل کے متعلق مزید گفت وگو کا موقعہ ملا اور یہ بات پہلی مرتبہ محسوس ہوئی کہ اسلام کی طرف غیر مسلموں کی بدظنی اور نفرت کی بڑی وجہ ایک پہلو سے یہ ہے کہ انہوں نے براہِ راست اسلام کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور دوسرے پہلو سے یہ کہ ہم نے ان لوگوں تک "اسلام" پہنچایا ہی نہیں۔ اُن کی ایک بہت بڑی تعداد محض سُنی سنائی باتوں سے غلط فہمی کا شکار ہے اور اگر اُن میں سے گنتی کے چند افراد نے دین اسلام کا مطالعہ بھی کیا ہے تو ہمارے لٹریچر سے نہیں، بلکہ تمام تر ان تصنیفات سے، جو اسلام کے خلاف حسد و عناد رکھنے والے اہل قلم کی مرہونِ اشاعت ہیں۔ انگریزی لٹریچر میں ایسی بے شمار کتابیں موجود ہیں، جو بڑے بڑے نام ور اہل مغرب نے، اسلامیات کے متعلق لکھیں اور ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں، دنیا کے ہر حصے میں شائع ہوتی اور زہر پھیلاتی رہتی ہیں اور چوں کہ مسلمانوں نے اپنی غفلت شعاری اور کوتاہ اندیشی کے باعث، اس زہر کے تریاق کی طرف مناسب توجہ نہیں دی، اس لیے قریباً ساری دنیا کی غیر مسلم قوموں میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف، قدرتاً

---

[1] شذرات مکمل ہو چکے تو فروری ۱۹۳۶ء کا "معارف" ملا، جس میں مولانا امین احسن صاحب نے "البیان" اور "طلوع اسلام" کو سامنے رکھ کر اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ بہت کچھ تڑپنے لوٹنے کے بعد بات وہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ فراہی مرحوم حدیث کو وحی نہیں مانتے تھے۔ اس پر کسی آیندہ صحبت میں غور کیا جائے گا، انشاء اللہ (مدیر)

ایک نفرت سی قائم ہو گئی ہے۔

یہ نفرت کس طرح دُور کی جا سکتی ہے؟ صرف اس طرح کہ جن اسلامی مسائل کے بارے میں، مغرب کے بدباطن اور شر پرالنفس اہل قلم نے غلط فہمیاں پھیلائی ہیں، انہیں ہر قیمت پر دُور کیا جائے۔

ابھی حال ہی میں امریکہ کے ایک مشہور اہل قلم جان گنتھر نے (Inside Asia ؛ یعنی "اندرون ایشیا") کے نام سے جو کتاب شائع کی ہے، ہم نے اس کتاب کو سرسری نظر سے دیکھا ہے، باور کیجیے، اس کتاب کے وہ صفحے، جو اس نے اسلام کے متعلق سپردِ قلم کیے ہیں، اتنے زہریلے، اتنے لغو و بے ہودہ اور اتنے شرمناک الزامات پر مشتمل ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنے سے جسم میں کپکپی[1] دوڑ جاتی ہے اور دل کی گہرائیوں سے یہ حسرت اٹھتی ہے کہ اے کاش! اس کتاب کا جواب تیار ہو سکتا اور ان بے شمار روحوں کی بدگمانیاں دُور کی جا سکتیں، جو اس کے مطالعے سے متاثر ہو کر، بغض و کدورت کی سیاہی سے ملوث ہو چکے ہیں ——— پچھلے تین چار سال سے، اس کتاب کے ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے چلے جا رہے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں یہ کتاب چھپی اور لاکھوں نگاہوں سے گزر گئی، مگر مسلمانوں کی بے حسی پر ماتم کیجیے کہ ان ستر کروڑ "فرزندانِ توحید" سے ایک بھی اہل قلم، میدان میں نہیں نکلتا، جو جان گنتھر کی زہر افشانیوں کا جواب لکھ سکے۔

یہ صرف ایک مثال ہے، ورنہ یورپ اور امریکہ کے کئی جان گنتھر ہر روز ہمارے قلب و جگر پر چرکے لگاتے ہیں اور ہم ایک وقتی احساس سے جھنجھلا کر، بڑبڑا کر چپ ہو جاتے ہیں، گویا موت کی نیند سو رہے ہیں!

"البیان" کا حلقہ محدود ہے، اس لیے کوئی اپیل کرتے ہوئے، بہت تامل ہوتا ہے، مگر "البیان" کے معاونوں میں کئی ایسے علم دوست اور صاحب خیر بزرگ موجود ہیں، جن کے ایثار و قربانی میں کلام نہیں۔ ان ہی دوستوں کے ملی اور اخلاقی ایثار سے دفتر امت مسلمہ پچھلے بیس برس سے اپنے تبلیغی اخراجات پورے کر رہا ہے ——— ہماری آرزو ہے کہ اسلام کے بنیادی مسائل پر، انگریزی زبان میں نہایت اعلیٰ لٹریچر تیار کیا جائے اور اس سلسلے کی پہلی کڑی، ایک ایسی کتاب کی شکل میں ظاہر ہو، جو ریشنلزم (Rationalism) یعنی عقلی دلایل کی بنیادوں پر اسلامی قوانین کی ضرورت، اہمیت اور فوقیت کو پیش کرے، ایسی کتاب جو نوع انسان کی معاشری پیچیدگیوں کا حل قرآن مجید کی روشنی میں واضح کرے۔ تعددِ ازدواج، پردہ، طلاق، سود، صوم و صلوٰۃ، جہاد اور جزائے اعمال جیسے معاملات کے فلسفے بیان کرے، کیوں کہ بالعموم یہی وہ مسائل ہیں، جنہیں سامنے رکھ کر، اسلام کے دشمنوں نے طعن و تشنیع کے تیر چلائے ہیں۔ پھر اس کتاب کی وسیع بلکہ عالمگیر اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ

---

[1] کسی آیندہ اشاعت میں، اس کتاب کے بعض اقتباسات پر تبصرہ لکھنے کا ارادہ ہے۔ (سلفی)

سوسائٹی، کوئی لائبریری، کوئی غیر مسلم تبلیغی ادارہ ایسا نہ ہو، جہاں یہ کتاب نہ پہنچے۔ کام کی ابتداء اس طرح ہو کہ پہلے یہ کتاب، اُردو میں چھاپی جائے اور پھر انگریزی میں ترجمہ کر کے۔ جب پہلا مرحلہ طے ہو جائے، تو دوسرے کے لیے فروار کوئی نہ کوئی سبیل نکل آئے گی۔

سوال صرف یہی نہیں کہ روپے کا انتظام کیوں کر ہو، بلکہ سوال یہ بھی ہے کہ کتاب کی تالیف میں آپ ہمیں کیا علمی اور اخلاقی امداد دے سکتے ہیں؟ اہل علم کا فرض ہے کہ اس سلسلے میں، جن کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہو سکتی ہے، وہ کتابیں عاریتاً مہیا کریں، یا ان کی طرف راہ نمائی کریں۔ جو حضرات مختلف یا کسی ایک موضوع پر اپنے معلومات دے سکتے ہیں، وہ معلومات مہیا کریں۔ جو احباب علمی طور پر ہمارا ہاتھ بٹا سکتے ہیں، وہ علمی تعاون کے ذریعے اور جو دوست مالی ایثار کر سکتے ہیں، وہ مالی تعاون کے ذریعے ہمیں اس اسکیم کو سرانجام دینے کے قابل بنائیں۔

اس باب میں ہم ہر خادم قرآن کی رائے کا، اس کے علمی تعاون کا، اس کی اخلاقی امداد کا اور اس کی مالی قربانی کا یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اس مقدس فریضے کی تکمیل کے لیے آپ ہمارے ساتھ شامل نہ ہوں گے؟

محمد اقبال سلمانی

عِلم السمٰوات والارض

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

جناب محفوظ الحق صاحب علمی مدیر بہائی ماہوار میگزین "پیامبر" (نئی دہلی) نے میگزین بابت ماہ جنوری ۱۹۴۲ء میں ایک مقالہ زیر عنوان "علم السموات والارض" لکھا ہے جو ۱۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، آپ کا ارشاد یہ ہے کہ الفاظ سموات اور ارض قرآن میں ظاہری اور مادی اور باطنی یا روحانی معانی کے جامع ہیں لیکن قرآن کے اصلی موضوع کی وجہ سے مقدم مفہوم روحانی بلندی اور پستی ہے اور "سماء" اور "ارض" کے لغوی معنی بلندی اور پستی ہی ہے اور "سماء" کا اطلاق بادل پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیات قرآنی سے بھی واضح ہوتا ہے کیوں کہ بادل زمین سے بلند ہوتا ہے، اسی طرح "سبع سموات" کا

يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (۱۳/۳)
يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا (۲۹/۴)
وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا (۷/۲)

مفہوم سات بلندیاں یا شریعتیں یا سات ادیان عالم ہیں اور وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ (۱۸/۲۸) سات "امتیں" ہیں جو ان شریعتوں یا سموات ادیان کے تحت ہیں، چنانچہ آیہ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (۱۵/۵) کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "ساتوں بلندیاں خدا کی پاک صفات کا بیان کرتی ہیں اور جو لوگ ان بلندیوں میں ہیں، ان شریعتوں کے حلقہ اثر میں ہیں، وہ بھی اور بلکہ ہر چیز ہی خدا کی پاک صفات کا اظہار کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں" اور یہ آیہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ (۱/۱۸) میں "سبع طرائق"۔ "سبع سموات" کے ہم معنی ہیں۔ طرائق جمع ہے طریقہ کی اور طریقہ اور شریعۃ مترادف الفاظ ہیں اور یہی سَبْعًا شِدَادًا (۲/۳۰) "سات مضبوط آسمان دین" ہیں، اس کے بعد "ستۃ ایام" کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ چھ دن سے مراد چھ ہزار سال ہیں کیوں کہ خدا نے قرآن مجید میں "یوم" ایک ہزار سال کو مقرر فرمایا ہے، یہ

إِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (۱۲/۱۷)

"سبع سموات" (سات شریعتیں) جن کا ذکر پہلے ہوا چھ ہزار سال میں نازل و جاری ہوئی ہیں، اس دور کے باوا آدم کے بعد آں حضورؐ چھٹے ہزار کے آواخر میں مبعوث ہوئے آں حضورؐ کی شریعت ساتویں شریعت تھی۔ "سبع مثانی" بھی سبع طرائق اور سبع سموات کے ہم معنی ہے، خدا کا کلام مسلسل اور منظم ہے جو دنیا کو بار بار ملا ہے چنانچہ "خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا" میں ساتوں آسمانوں

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (۱۴/۱)

یعنی شریعتوں کو ایک دوسرے کے مطابق ایک جیسا

بنایا ہے"۔ خدا نے بار بار فرمایا ہے کہ قرآن میں سب پہلی کتابیں موجود ہیں "فیھا کتب قیمۃ" (آیات قرآنی میں سب محکم کتابیں موجود ہیں)، چوں کہ دورِ اسلام کے ہزار سال گزر چکے ہیں اس لیے "لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ" اور "لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ" یعنی ہر ایک اُمت اور کتاب کے لیے اجل ہے، اسلام اور قرآن کو بھی اجل نے آلیا اور یہی وہ قیامت ہے جو اس دَور کے بعد قائم ہو چکی ہے اور اب اس دَور کا آغاز حضرت بہاء اللہ سے ہوتا ہے۔

اس مقالہ کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر و بیشتر فاضل مقالہ نگار نے قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے، اگرچہ اُن کی تاویلات سے ہم متفق نہیں، لیکن بہائی حضرات کی ذہنی کاوش کی داد ضرور دیتے ہیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قبیل کی تاویلات بہائی جدت نہیں، اس سے پیشتر بھی سوفسطائی استدلال کئی حضرات کر چکے ہیں، مثلاً "عذاب" کا لفظ قرآنی آیات میں اکثر کفار و مشرکین کے لیے استعمال ہُوا ہے، لیکن اسی لفظ سے یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ یہ "عذب" سے مشتق ہے، اس لیے اہل جہنم بھی مزے میں ہوں گے۔ اس قبیل کی تاویلات خود مسلمان کر چکے ہیں، لیکن "بہائیت" کی کیفیت اس سے مختلف ہے کہ وہ مسلمان نہیں وہ بہائیت کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ایسی تاویلات کرتے ہیں، وہ قرآن کو کلام اللہ اسی طرح تسلیم کرتے ہیں، جس طرح مسلمان تورات اور انجیل کو، ہم ان تاویلات پر ناقدانہ نظر کرتے ہوئے بہائیت کا جائزہ لیں گے۔

عجمی ذہنیت | عربی اور عجمی یا سامی اور آریائی ذہنیت کی کچھ خصوصیات ہیں، محققین یورپ نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے، ہم صرف مذہبی خصوصیت کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں، اس امر کا محققین یورپ نے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ خالص توحید بلا شائبہ شرک خالص سامی نظریہ ہے۔ امم آریہ مثلاً یونانی، رومی، ہندوستانی، ایرانی، قدیم الایام سے مظاہر قدرت کی پوجا کرتی رہی ہیں جنہیں وہ دیوتا اور دیویوں سے تعبیر کرتی ہیں اور انہی کے اوتار رشی وغیرہ ہوئے ہیں، ان کی مائی تھولوجی (Mythology) انہی دیوتاؤں اور دیویوں کے افسانے ہیں، یعنی استعارہ کے رنگ میں یہ دیوتا اور دیویاں مظاہر قدرت ہیں، امم آریہ کا شاعرانہ تخیل بہت بلند ہے اور استعارہ ان کے ہاں بہت پسندیدہ ہے، چنانچہ رگ وید کا ایک منتر ہے کہ "بیٹا جو نہی کہ پیدا ہُوا ماں باپ کو کھا گیا، میں دیوتاؤں کے اسرار سے واقف نہیں ہوں، لیکن اگنی دانا ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے" یہ ایک معمّہ ہے اگنی کا، یعنی آگ لکڑیوں سے پیدا ہوتی ہے اور انہی کو کھا جاتی ہے۔ قرآن اور توریت کا مطالعہ کرو تو سامی اور آریائی ذہنیت کی خصوصیت میں نمایاں امتیاز واضح ہوگا، ان کی آیات بینات ہیں، عبارت سلیس روزمرّہ عام بول چال ہے، قرآن کا تو دعویٰ ہے کہ سمجھنے کے لیے آسان ہے، "لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ" (۵۴/۲۲)، اس کی عربی، عربی مبین "غیر ذی عوج" ہے یعنی اس میں کوئی الجھن نہیں، کوئی لگی لپٹی

بات نہیں، اس کے ابتدائی مخاطب عموماً "امیین" مادرزاد جاہل لوگ تھے، اگر یہ گورکھ دھندا جو حضرت علی کی صنعت ہے ان کے سامنے رکھ دیا جاتا تو کون توقع کرسکتا ہے کہ وہ اسے کھول سکتے؟ قرآن کی غرض ہی سمجھانا ہے، وہ پہیلیاں نہیں بجھوتا۔ لیکن چیستان گوئی جو امم آریہ کے کلام میں مشاہدہ ہوتی ہے، اس کی غرض اسرار مذہب کو پوشیدہ رکھنا ہے اور یہ ابھی تک پوشیدہ ہے۔ اس موضوع پر کلاسیکل لغت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ کتاب لغت اور صرف ونحو کی ضرورت اہل زبان کو نہیں ہوتی اس کی حاجت غیر اہل زبان کو ہوتی ہے، چنانچہ یونانی کی پہلی گرامر اسکندریہ واقع مصر میں مدون ہوئی اور لغت کی چھان بین روم میں، اسی طرح جب اسلام کی اشاعت عجمیوں میں ہوئی تو لغت اور صرف ونحو عربی کی تدوین ہوئی اور بقول علامہ ابن خلدون تدوین عجمیوں نے کی۔ چنانچہ صاحب قاموس فیروز آبادی اور امام راغب اصفہانی ہیں اور حد ہے کہ فقہ کے امام اعظم ایرانی نژاد ہیں، لیکن بہرکیف قرآنی الفاظ کے لیے زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں کیوں کہ قرآن خود اپنے الفاظ کے معانی واضح فرماتا ہے، جیسا کہ ہم "بیان" کے تحت "البیان" میں لکھ رہے ہیں

بات صرف اتنی ہے کہ سموات اور ارض کن معنوں میں قرآن میں استعمال ہوئے ہیں؟ علم الالسنہ کے عالم جانتے ہیں کہ ہر ایک زبان کے ہر ایک لفظ کا ابتدائی مفہوم محض محسوسات کو تعبیر کرتا ہے، سموات اور ارض وہی مادی اشیاء ہیں جو ہم برہنہ آنکھ سے محسوس کرتے ہیں اور ان کا ابتدائی مفہوم تا حال متروک نہیں ہؤا، بلاشبہ استعارہ کے رنگ میں اس کا اطلاق ایسی شے پر بھی ہوتا ہے جس سے دور کا تعلق بھی نہ ہو۔ مثلاً زبان کو خنجر اور اسی رعایت سے منہ کو نیام کہنا اور کسی زبان دراز کو یہ کہنا کہ ذرا اپنے خنجر کو نیام ہی میں رکھو یعنی اتنی تیز گفتگو نہ کرو، خاموش ہی رہو تو بہتر ہے، شعراء کا کلام تو ہے لیکن قرآن کی زبان نہیں۔ بلکہ قرآن میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ اور یہ کہ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (۳۹/۲۸) "قرآن مبین" اور "غیر ذی عوج" ایسے الفاظ ہیں کہ مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

حضرت علی کا یہ ارشاد کہ "سماء اور ارض کے لغوی معنی بلندی اور پستی ہے۔" علم الالسنہ کے رو سے صحیح نہیں کیونکہ ابتدائی مفہوم لازماً وہی کچھ ہے جو برہنہ آنکھ سے مادی دنیا میں محسوس ہو رہا ہے، بلندی پستی کا خیال بعد میں اخذ کیا گیا ہے جب خصوصیت سے عمومیت کی طرف ذہن منتقل ہؤا، آپ کا یہ ارشاد کہ "سماء" کا اطلاق بادل پر بھی قرآن میں ہؤا ہے، قطعاً غلط ہے، قرآن میں

وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ (۲/۱۶۴)

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ (۳۰/۴۸)

بادل کے لیے لفظ "سحاب" استعمال ہؤا ہے۔ آیات جن کا حوالہ علی صاحب نے دیا ہے ان میں سماء کا ترجمہ آسمان ہے، بادل نہیں اور نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ بادل تو خود پانی کی ایک صورت ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے

ترجمہ صحیح کیا ہے کہ "چھوڑ دیا آسمان برستا"۔ توریت میں بھی یہ لفظ آسمان ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ طوفان نوحؑ کے متعلق (پیدائش ۷؍۱۱ و ۸؍۲) میں مذکور ہے "آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں" طوفان تھم گیا تو "آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں"۔

اس ضمنی بحث پر مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن علمی صاحب کی بحث کی بنیاد ہی بلندی و پستی پر ہے، واضح ہو کہ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ایک ہی لفظ کو اصولاً مختلف معنوں میں استعمال نہیں کرتا اور اس لیے قرآنی آیات میں معنوی اختلاف نہیں جو انسانی کلام میں لازماً ہے۔

سبع سمٰوات | فاضل مدیر نے لکھا ہے کہ سبع سمٰوات سات ادیان عالم یا شریعتیں ہیں جو مستقل اور محکم ہیں اور ان میں سے چھ آں حضرت کی بعثت سے پیشتر چھ ہزار سال (ستّۃ ایام) میں نازل اور جاری ہیں، یہ سات شریعتیں قرآنی آیت سے اس طرح اخذ کی ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مسلمان) وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا (یہودی) وَالصَّابِئِیْنَ (صابی) وَالنَّصَارٰی (عیسائی) وَالْمَجُوْسَ (زرتشتی) وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا (بت پرست ہندو اور بدھ) یہ وہ اُمتیں ہیں جو سات شریعتوں کے حلقہ اثر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ایسی زبان میں کر رہی ہیں کہ ایک دوسرے کی نہیں سمجھ سکتا۔

توراۃ (پیدائش ۱ و ۲) میں تخلیق السمٰوات والارض کا مفصل بیان ہے اور صاف صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں خلق فرمایا، حضرت علمی کے اصول موضوع کی رو سے چوں کہ نہ تین اُمتیں ہنود اور صابئین اور نصاریٰ اور نہ ان کی شریعتیں حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے پیشتر وجود میں آئی تھیں، اس لیے حضرت موسیٰ کی بعثت سے پیشتر زیادہ سے زیادہ چار اُمتیں اور شریعتیں رہ جاتی ہیں۔ توراۃ میں "ستّۃ ایام" وہی الفاظ ہیں جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس لیے حضرت علمی کا نظریہ شریعت و اُمت قطعاً غلط ہے۔ بہ تعلق تخلیق سمٰوات و ارض چھ ہزار کا عرصہ بروئے نصوص قرآنی بھی غلط ہے، کیوں کہ صرف تخلیق ارض اور

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ .... | قضا سبع سمٰوات کے متعلق ارشاد الٰہی ہے کہ دو دو دن میں یہ کام
فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (۴۱؍۱۲) | ہوا۔ بروئے نصوص قرآن "یوم" ایسے عرصہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی

مقصد پورا ہو جائے خواہ یہ ایک دن کا کوئی حصہ ہو یا ایک ہزار یا پچاس ہزار برس ہوں، جیسا کہ ارشاد ہے کہ اس کی

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ | طرف ملائکہ اور روح عروج کرتے ہیں، ایک دن میں جس کی تعداد
مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (۷۰؍۴) | پچاس ہزار برس ہے۔

اُمّۃ واحدہ | اُمت ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس میں اختلاف نہ ہو۔ "دین" ایک ہی ہے اور یہ عند اللہ اسلام ہے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً | اور کل کائنات کا دین یہی اسلام ہے۔ "لہ اسلم من فی

وَ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ - اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (۱۱/۱۱)
وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ط (۱۱/۱۰)

السموٰت والارض" بلکہ خود سموات والارض کا یہی دین ہے، اس لیے قرآن میں دین جمع کے صیغہ میں استعمال نہیں ہوا - بلحاظ اصل دین مسلمان ہو یا یہود و نصاریٰ وغیرہم سب اُمت واحدہ ہیں، لیکن ارشاد الٰہی ہے: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً .... وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (۲/۲۵) اور یہی ارشاد کہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (۱۰/۴۷) اور اگر صرف ان رسولوں کی فہرست مرتب کی جائے جن کا مذکور قرآن میں ہے، حالاں کہ اکثریت کا مذکور نہیں ہوا[1] کیوں کہ کوئی مشہور مقام ایسا نہیں جس میں رسول مبعوث نہیں ہوا اور اب بھی مختلف ممالک میں ان کی اُمتیں پائی جاتی ہیں - اس لیے چھ اور سات کا تعین امر واقعہ نہیں، علاوہ ازیں جس آیت سے سات اُمتیں اخذ کی ہیں اسی میں "وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا" صیغہ جمع ہے اس لیے "اَشْرَكُوْا" میں ہندو اور بدھ کے علاوہ اور بھی ہونے چاہییں اور کم از کم تین ہوں - اگر صیغہ تثنیہ ہوتا تو کچھ بات تھی۔ لیکن آیات قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی مشرک بلکہ کافر ہیں، حالاں کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابتدا میں امم غیر وثنیہ میں داخل تھے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ ابتدا ہی سے ہندو اور بدھ امم وثنیہ یعنی بت پرستوں میں داخل ہیں، حالاں کہ وہ بھی اہل کتاب ہیں، ایسے ہی جیسا کہ زرتشتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ عالم انسانی ابتدا میں اُمت واحد ہی تھا، یعنی مذہباً سب ابتدا میں غیر وثنیہ تھے - قرآن میں یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ خدا پرست ہیں اگرچہ وہ آں حضرتؐ پر ایمان نہیں لائے اور اب بھی اُن میں ایک فرقہ[2] موحدین کا ہے، لیکن اکثریت مشرک ہی ہے اور یہ بھی "اَشْرَكُوْا" میں داخل ہیں - آیت زیر بحث میں ۶ دو وغیرہ میں بظاہر موحدین کا مذکور ہے اور اگر عام اطلاق ہو تو کچھ قباحت نہیں کیونکہ "اَشْرَكُوْا"

---

[1] اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا - وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا - رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴/۲۴) حضرت نوحؑ اور ان کے تحت انبیاء کل عالم انسانی میں مبعوث ہوئے - حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بعد رسل امم سامیہ میں مبعوث ہوتے رہے، چوں کہ ہر ایک رسول کی ایک اُمت ہے اس لیے صرف امم سامیہ کے رسولوں کی فہرست چھ سات سے تجاوز کر جاتی ہے۔

[2] لَيْسُوْا سَوَآءً ط مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (۳/۱۲) سب اہل کتاب کا فرد عاصی نہیں، ان میں ایک اُمت ایسی ہے جو رات کی گھڑیوں میں سجود و قیام میں آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں۔

میں بے شمار امم داخل ہیں جو آں حضرت کی بعثت سے پیشتر اور بعد تا حال موجود ہیں، الغرض یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سبع سمٰوات سے مراد سات دین اور الارض کا مفہوم سات اُمتیں ہیں۔

سبع مثانی | قرآن مجید میں تو "سبع مثانی" استعمال نہیں ہُوا، البتہ آیہ لَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْم (۱۵/۸۷) میں "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ" ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کے ذہن میں سبع مثانی یعنی سورہ فاتحہ ہے اور اسی کو اس مقام پر چسپاں کر دیا اور یہ بھی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ "توراۃ" سے واقف نہیں ہیں اور اس لاعلمی کی وجہ سے سخت ٹھوکر کھائی۔ "المثانی" نام ہے اسفار موسیٰ ع کے پانچویں حصہ کا جس کو یونانی میں ڈیوٹرونومی (Duetronomy) کہتے ہیں اور لفظی ترجمہ المثانی کا ہے یعنی دُہرائی ہوئی آیات۔ اس لیے آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ ہم نے تجھے (اے رسولؐ) المثانی سے سات (آیات) اور قرآن عظیم عطا فرمایا۔ حضرت موسیٰ ع کو دس آیات عطا ہوئی تھیں جو دس احکام موسوی مشہور ہیں۔ اگر "سبت" کو نظر انداز کر دیا جائے، جو منجملہ ان احکام کے ہے جس کا احترام حضرت مسیح ع بھی نہ کرتے تھے، تو باقی "تسع آیات" رہ جاتی ہیں، جو انجیل (مقدس متی ۱۹/۱۸-۱۹) اور قرآن میں سات ہیں یہ دراصل اصولی احکام ہیں جو تغیر و تبدّل نہیں ہو سکتے اور ہر ایک حکومت کے آئین و قوانین اور ہر ایک قوم کی شریعت انہی احکام پر مبنی ہے، چوں کہ قرآن عظیم تمام و کمال کتاب محکم ہے اور اصول دین کی جامع ہے جس میں تغیر و تبدّل محال ہے، اس لیے حسب ارشاد الٰہی "فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ" اس میں کتب مقدسہ سابقہ کے محکمات بھی شامل ہیں لیکن قرآن عظیم ان سے بالکل علیحدہ شے ہے۔ یہ بیان بالتفصیل کتاب فطرت کا ہے جس میں کسی ایسے شخص کو بھی شک

مَا کَانَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْہِ	ریب نہیں جو سرے سے خدا ہی کا منکر ہو اور قرآن میں اسے شک و ریب ہو "تفصیل الکتاب"

قرآن کی واحد امتیازی حیثیت ہے، قرآن خود کتاب احکام نہیں لیکن کتاب اصول احکام ہے اور احکام کا وضع کرنا جو ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب ہمیشہ بدلتے ہیں، سکھاتا ہے، اصول کی تشریح بعض احکام سے بھی فرماتا ہے، یہی وجہ ہے کہ "سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا" کا مذکور قرآن میں اکثر ہوتا ہے اور یہی صحیفۂ فطرت ہے، یہ صحیفہ مبارکہ آں حضرت کی بعثت سے پیشتر ایک حد تک سر بہ مہر کتاب تھی، امم آریہ نے اس کا مطالعہ کیا تو "رہ افسانہ زدند"۔ ان کی مائی تھولوجی (Mythology) سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ ازمنہ تاریک یا ایام جاہلیت میں جب کہ عام فہم انسانی بالغ نہ تھا، کتاب فطرت کا علم خاص خاص شخصیتوں کو عطا ہُوا تھا، لیکن عوام الناس اس کے فہم سے قاصر تھے، اس لیے ان شخصیتوں کے ذریعہ جو "رسل" سے تعبیر ہوتے ہیں لوگوں کو اوامر و نواہی کی صورت

میں شریعت دی گئی، جن کا اصل اصول "سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِی" ہے، یہ حقیقت ثانیہ ہے کہ صحیفہ فطرت کی طرف عام توجہ نزول قرآن کے بعد ہوئی۔

سبع طرائق | حضرت علی نے "شریعت" پر بڑا زور طبع صرف کیا ہے۔ حالاں کہ قرآن عظیم نے اس کی حیثیت ثانوی قرار دی ہے، احکام کا وضع اور واضح کرنا ایام جاہلیت میں انبیاء کا کام تھا، لیکن ختم نبوت و ملوکیت کے ساتھ یہ کام حسب ہدایت قرآن ایک امت کے سپرد ہوا جو "شوریٰ" میں وضع کرتی رہی، خود آں حضرت ﷺ اور خلفاء کا یہی عمل رہا۔ "شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" نصوص قرآنی ہیں، اگر "امر" کی وہی حیثیت ہوتی جو "بھائی الم" میں ہے تو کچھ بات تھی اور یقیناً آں حضرت کے بعد کسی اور رسول کا مبعوث اور قرآن کے بعد کسی اور کتاب کا نازل ہونا لازم ہوتا لیکن قرآن عظیم نے عالم انسانی کے ذہنی درجات اس قدر بلند کردیے ہیں کہ "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" اب ہر ایک شخص کو اپنے نفس پر بصیرت حاصل ہے۔ ایام جاہلیت میں بات بات پر انبیاء کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور اب بھی بعض قوموں کے افراد بات بات پر شبہہ گھڑی، شبہہ لگن اور شبہہ صورت دریافت کرتے رہتے ہیں، چوں کہ یہ ایک مستقل موضوع ہے اس لیے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ کسی آیندہ صحبت میں کی جائے گی، اس مقام پر اتنا اشارہ کافی ہوگا، قرآن عظیم نے عالم انسانی کے لیے آسمانی راستوں کو کھول دیا ہے۔ فرمایا، وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (۴۵/۱۳)، انسانی ذہنی ارتقاء کے ساتھ بتدریج ازمنہ تاریک کے دیوتا اور دیویاں جن کی پوجا ہوتی تھی، انسانی قوت فکریہ ان کو مسخر کر رہی ہے، فرمایا، وَسَارِعُوا[1] إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (۳)، معلوم نہیں کہ اس جنت کے سموات میں کونسی شریعتیں اور اس کے عرض میں کونسی امتیں دبکی بیٹھی ہیں جو حضرت علی کے ذہن میں ہیں، لیکن قرآن عظیم کی زبان صاف شستہ غیر ذی عوج میں ان کا مفہوم واضح ہے کہ جو لوگ صحیفہ فطرت کی آیات کو جھٹلا رہے ہیں، فَاسْتَكْبَرُوا[2] عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ (۷)، إِنَّ[3] الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا۔ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (۴)،

چوں کہ حضرت علی نے "علم السموات والارض" کے فاسد مفہوم کی بنا پر جو عمارت کھڑی ہے، اس کا فاسد ہونا

---

[1] جلدی کرو مغفرت ربانی کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور وہ اہل تقویٰ کے لیے تیار ہو چکی ہے۔

[2] متکبرین کے لیے آسمان کے دروازے اور جنت کا داخلہ بند ہے۔

[3] ظالموں اور کافروں کے لیے نہ مغفرت ہے نہ راہ ہدایت الا جہنم میں ہمیشہ رہنے کی راہ کھلی ہے۔

خود بخود واضح ہوجاتا ہے اس لیے اس موضوع پر مزید بحث تحصیل حاصل ہے، آخر میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کو جو غلط فہمی بعض تواریخی واقعات سے ہوئی ہے، اس کا بھی ازالہ کردیں اور اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ کریں کہ قرآنی آیات کی تفسیر جس رنگ میں آں جناب کی ہے یا حضرت بہاء اللہ یا ان کے متبعین کر رہے ہیں وہ صوفیہ کا طرز استدلال ہے اور عجمی نکتہ وروں نے جو مسلمان تھے، ایسا ہی بلکہ اس سے کچھ بڑھ چڑھ کر لکھا ہے، اگر ضرورت ہوئی تو حوالہ دیا جائے گا۔ آپ نے مسلمانوں کے تنزل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر ایک اُمت کا عروج ان کی اپنی شریعت کے بل بوتے پر رہا ہے، یہ کلیہ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا، گذشتہ واقعات اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر بحث کی ضرورت نہیں، اپنے ہی زمانہ کے حالات میں تدبّر کریں، کیا یہ صحیح ہے کہ اہل یورپ و امریکہ جو نصاریٰ ہیں، کسی انجیلی شریعت کے ذریعہ تمام کرۂ ارض پر چھائے ہوئے ہیں؟ حالاں کہ ان کے آئین و قوانین "رومن لا" پر مبنی ہیں اور رومی یقیناً ایسے ہی بت پرست تھے جیسے ہندو اور بدھ، اہل یورپ نے کبھی شریعت عیسوی پر عمل نہیں کیا، حضرت عیسیٰ ؑ کی شخصیت کا تصوّر ان کے ذہن میں وہی کچھ رہا ہے جو "امم وثنیہ" یعنی بت پرستوں کا تھا، کیا یہ درست ہے کہ جاپان جو بقول آں جناب بدھ مت کا پیرو ہے، اس لیے ترقی کر رہا ہے کہ وہ بدھ کے احکام پر عمل کرتا ہے اور ہندو جو ایسے ہی اہل کتاب ہیں جیسے زرتشتی۔ یا یہ حقیقت ہے کہ تمام ترقی یافتہ قوموں کے عروج کا سبب صحیفہ فطرت کے علمی اکتشافات کی وجہ سے ہے۔ ہم اس تنقید کو اس استدعا پر ختم کرتے ہیں کہ آپ قرآنی آیات کی تفسیر جس طرح چاہیں کریں، آخر یہ قرآن ہی ہے جو آپ کی زبان پر ہے۔ آپ اپنی کتاب سے بھی روشناس کرائیں تاکہ لوگ خود اندازہ لگا سکیں کہ وہ کس حیثیت سے بہتر ہے اور آپ کی شریعت نے آپ کو کس معراج ترقی پر پہنچا دیا ہے، جس سے ہم مسلمان گر چکے ہیں؟

"قرآن مجید کے تراجم"

پر

استدراک

(جناب چوہدری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور)

ستمبر ۱۹۴۲ء کے "البیان" میں رسالہ "برہان" کے حوالے سے ایک فہرست بعنوان "قرآن مجید کے تراجم" شائع ہوئی ہے۔ اس فہرست میں مجھے ایک اہم فروگذاشت نظر آئی، جس کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرتا ہوں۔

یورپی زبانوں میں پہلا ترجمۂ قرآن مارٹن لوتھر (Martin Luther) کا ہے جس کا ذکر اس فہرست میں نہیں ہے۔ اس فہرست کے مطابق پہلا ترجمہ جو یورپ کی کسی زبان میں ہوا وہ ترجمہ اریفابین ہے جو ۱۵۴۷ء میں اٹالین زبان میں طبع ہوا۔ یعنی لوتھر کی وفات کے ایک سال بعد۔ لوتھر کا سن پیدائش ۱۴۸۳ء اور سن وفات ۱۵۴۶ء ہے۔ تاریخی شہادت یہ ہے کہ لوتھر نے ترجمۂ قرآن بزبان لاطینی شائع کیا۔ یہ پہلا ترجمۂ قرآن تھا جو یورپ میں کیا گیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ لوتھر اٹلی کے دارالعلوموں میں رائج الوقت عربی تعلیم حاصل کرکے قرآن کا مطالعہ کر چکا تھا اور کیتھولک چرچ کی اصلاح کا خیال جو اس کو ہوا، اس کے لیے وہ قرآن اور علوم اسلامیہ کا مرہون ہے۔

اس ترجمہ سے متعلق مؤقر رسالہ "معارف" اعظم گڑھ کے ایک دیرینہ نمبر ۳ جلد ۷ کے صفحہ ۲۵۴ میں ایک نوٹ بدیں الفاظ درج ہے:

"لوتھر نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تھا اس کی شہادت خود اس کا ترجمۂ قرآن (بزبان لاطینی) ہے جو آج بھی دستیاب ہوتا ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ وہ علوم اسلامیہ سے اچھی طرح واقفیت رکھتا تھا۔"

ایک اور ترجمہ جرمنی زبان میں عہد حاضر کی پیداوار ہے۔ میرا مطلب مولوی صدرالدین احمدی کے ترجمہ سے ہے جو ۱۹۳۹ء میں برلن سے انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے، اس کا ذکر بھی تکمیل فہرست کے لیے ضروری ہے۔

البیان | قرآن مجید کے تراجم کے سلسلے میں آج تک بے شمار فہرستیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ دعوٰی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آخری اور قطعی فہرست ہے اور جب تک کوئی بین الاقوامی اسلامی ادارہ اس کام کا بیڑا نہ اٹھائے، تراجم قرآن کی تفصیل کی طرف سے کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا، بہرحال ہم چودھری بشیر احمد صاحب کے شکرگذار ہیں کہ انہوں نے اپنی معلومات سے اطلاع دے کر تراجم کی فہرست میں اضافہ کیا۔

کثرت ازدواج اور طبّ جدید

(مولانا محمد عباس صاحب طائب صفوی)

ہمارے اہل کتاب بھائیوں نے حضرت داؤدؑ اور جناب سلیمانؑ کی کثرتِ ازدواج سے اعراض فرماکر اور اس امر کو نظرانداز فرماکر کہ توریت اقدس کا کیا ذکر خود انجیل مقدس میں بھی صراحۃً کثرت ازدواج کو منع نہیں فرمایا گیا ہے، اسلامی کثرت ازدواج پر نت نئے پیرائے سے یہاں تک اعتراض کیے کہ اغیار تو اغیار بعض متجددین بھی کثرت ازدواج کو مذہبی نکتۂ نظر سے عدل کا محتاج اور طبی نکتۂ نظر سے سخت مضر سمجھنے لگے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کی حکیمانہ شرع نے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ کی عام اجازت کو فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء آیت ۴) کی شرط سے مقید فرمایا ہے لیکن اس شرط سے یہ مطلب نکالنا کہ جب تک انسان ظاہری برتاؤ میں مساوات کے علاوہ قلبی محبت میں بھی مساوات برتے۔ اس کے لیے تعدد ازدواج حرام ہے، مسلمان کو تکلیف ما لا یطاق دینا ہے۔ اس لیے کہ اسی سورۂ نساء کی ایک سو انتیسویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

تم کتنا ہی چاہو مگر تم میں اتنی طاقت تو نہیں ہے کہ اپنی متعدد بیبیوں میں (پورا) انصاف کرسکو، پس یہ بھی نہ کرو کہ (ایک کی طرف) ہمہ تن مائل ہو جاؤ اور (دوسری کو) لٹکی ہوئی چھوڑ دو اور اگر باہم میل ملاپ کرلو اور زیادتی سے بچے رہو تو خدا یقیناً غفور رحیم ہے

کیا اس آیت مبارکہ سے یہ امر مبرہن نہیں ہو جاتا کہ اگر کوئی شخص حسب استطاعت بشری ظاہری طور سے مساوات برت سکتا ہے تو اس شخص کے لیے تعدد ازدواج بے اشکال جائز ہے؟

یہ تو تھا اس بحث کا مذہبی پہلو، آیئے اب اس مسئلے کے طبی پہلو پر اجمالی تبصرہ کریں۔

کہا جاتا ہے کہ انسان بالطبع کثرتِ ازدواج کا مخالف ہے، لہٰذا کثرتِ ازدواج غیر فطری ہونے کی بنا پر مضر ہے اور حقیقی مسرت صرف اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان ایک عورت پر قناعت کرے لیکن افسوس ہے کہ بیسویں صدی کی طبی تحقیق و تدقیق اس عجیب و غریب کلیے کی قطعاً حمایت نہیں کرتی۔

ڈاکٹر ولیم رابنسن اپنی قابل قدر تصنیف (The Oldest Profession in the world)

مطبوعہ نیویارک کے صفحہ ۳۱ و ۳۲ پر ارشاد فرماتے ہیں:

"شادی شدہ مردوں کا شاہدان بازاری سے اختلاط صرف اس امر کا رہین منت ہے کہ مرد بالطبع کثرتِ ازدواج کا دلدادہ ہے۔ بہت سے مرد مذہب، اخلاق یا سماج کی قیود سے اس کثرتِ ازدواج کی خواہش کو بہ ظاہر فنا کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ نہ صرف بہ ظاہر بلکہ بہ باطن بھی اس خواہش کو مغلوب کر لیتے ہیں لیکن اکثر اشخاص ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی طرح اس خواہش کو قابو میں نہیں رکھ سکتے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بعض لوگوں پر وحدت ازدواج کا اتنا بُرا اثر پڑتا ہے کہ ان کو اپنی بیوی کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔ ہمارے معاشرتی قوانین کے بعض مبصرین کا خیال ہے کہ شاہدانِ بازاری کے وجود کا باعث صرف جبری وحدتِ ازدواج ہے۔"

ڈاکٹر (O. A. Wall M.D.PH.G.PH.M.) نے بھی اپنی مشہور کتاب (Sex & Sex Worship) میں کثرتِ ازدواج کے متعلق نہایت اچھے خیالات کا اظہار فرمایا ہے اور اسے بالکل فطری قرار دیا ہے۔

پھر کیا انسان کی فطری خواہشات کو مذہب کے پردے میں کچلنے سے یہ بہتر نہ ہوگا کہ مذہبی قیود کے اندر ان فطری خواہشات کو نشوونما کا موقع دیا جائے اور کیا شاہدانِ بازاری کی ننگِ انسانیت جماعت کو برقرار رکھنے کے بجائے یہ مناسب نہ ہوگا کہ اسلام کی سیدھی سادھی شرائط کے ساتھ مرد کو کثرتِ ازدواج کی عام اجازت دے دی جائے تاکہ اس طرح رفتہ رفتہ تہذیب نو کا وہ خوش نما لیکن زہریلا درخت جسے جنسی آزادی کا خطاب دیا جاتا ہے، بار آور ہونے کے بجائے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔

دو قرآن

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ام اے پی ایچ ڈی)

(۲)

ایک حقیقت جس طرح سورج مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف سفر کرتا ہے اور دوسری صبح پھر مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح علم و تہذیب کا آفتاب بھی گردش کرتا رہتا ہے۔ محققین اس امر پر متفق ہیں کہ تہذیب کا آفتاب پہلے مشرقی ممالک پر چمکا تھا۔ چین، ہندوستان، بابل اور مصر کی تہذیبیں اتنی قدیم ہیں۔ رفتہ رفتہ مغرب کا ایک خطہ یعنی یونان علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ ۳۳۶ق م میں سکندر اعظم نے ایرانی سطوت کا خاتمہ کیا اور ۳۳۲ق م میں مصر پر قبضہ جمالیا۔ لیکن سکندر کی وفات کے بعد یونان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا اور خانہ جنگی کے شعلے اطراف ملک میں بھڑک اٹھے۔

۲۴۸ق م میں پارتھیا[1] بیدار ہوا اور تھوڑی سی مدت میں ایک طاقت ور سلطنت بن گیا۔ تقریباً دو صدیوں کے بعد روم میں آثار حیات پیدا ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست سلطنت بروئے کار آ گئی۔ روم نے پارتھیا کو پہلی شکست ۳۰ق م میں اور دوسری ۱۶۳ء میں دی۔ ۲۲۶ء میں پارتھیا کے آخری آثار دنیا سے مٹ گئے اور آفتاب تہذیب پوری آب و تاب سے مغرب پہ چمکنے لگا۔

کچھ عرصے کے بعد ایران میں زندگی نے ایک نئی کروٹ لی۔ ساسانی خاندان کا علم مدائن پہ لہرانے لگا۔ دوسری طرف رومۃ الکبریٰ کے طوفان بے پناہ میں آثار جزر نظر آنے لگے۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی کے وسط میں ریگستان عرب سے علم و طوفان کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا، جس سے مشرق و مغرب ہر دو سیراب ہو گئے۔

چند صدیوں کے بعد آفتاب علم و تمدن پھر مغرب کی طرف بڑھا۔ جرمنی، فرانس، ہسپانیہ اور انگلستان سے ہوتا ہوا..... مغرب اقصیٰ (امریکہ) تک جا پہنچا اور اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ مشرق اقصیٰ (جاپان) سے آفتاب پھر نکل رہا ہے اور ہندوستان ایران اور ترکی میں پھر سے بیداری کے آثار عیاں ہیں۔

---

[1] پارتھیا خراسان و استرآباد کے درمیان پانچ سو میل لمبے علاقے کا نام تھا۔ جولیس سیزر کے قتل کے بعد جب انٹنی اور بروٹس میں جنگ چھڑ گئی تھی تو پارتھیا نے بروٹس کی حمایت کی تھی۔

اس حقیقت کی طرف اللہ نے اہلِ بصر کو یوں متوجہ کیا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔	کہہ، اے اللہ تو جسے چاہتا ہے، وارثِ زمین بنا دیتا ہے۔ عزت و ذلت تیرے اختیار میں ہیں۔ دنیا کی تمام بلندیاں (خیر) تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ تُو ہی وہ مالک ہے جو تہذیب و تمدن کے روزِ روشن کو (غلامی کی کالی) رات اور رات کو دن میں بدلتا رہتا ہے مُردہ اقوام کی خاکستر میں اخگرِ حیات پیدا کرتا اور زندہ اقوام (جو کاہل ہو چکی ہوں) کو موت کی نیند سُلاتا تیری سنت ہے۔

ان حقائق کو ایک بیدار آنکھ اور نورِ عرفان سے لبریز دل دیکھ سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ مسلم اس دولت سے محروم ہے

وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا مُعْرِضُوْنَ۔ یہ لوگ ہماری آیات (کونیہ) سے اعراض کر رہے ہیں۔

مقادیر[1] | کپاس اور گندم کی ترکیب آٹھ عناصر سے ہوتی۔ اختلافِ مقادیر سے کہیں وہی عناصر گندم کی صورت میں جلوہ گر ہوتے اور کہیں کپاس کی شکل میں۔ پانی میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے۔ اگر اس مقدار کو ذرہ بھر گھٹا بڑھا دیا جائے تو ایک زہر تیار ہوگا۔ اگر یہ ہر دو عناصر مساوی مقدار میں جمع کر دیے جائیں، تب بھی ایک مہلک مرکب بنے گا۔ آکسیجن و ہائیڈروجن ہر دو قاتل و مہلک گیسیں ہیں، جن کے مختلف اوزان سے لاکھوں مرکبات تیار ہو سکتے ہیں اور ہر مرکب زہرِ ہلاہل ہوگا۔ لیکن اگر دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ترکیب دی جائے، تو ان دو زہروں سے پانی تیار ہوگا جو تمام عالم کا مدارِ حیات ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا ہے۔

غور فرمائیے کہ اللہ مقادیر کا کتنا بڑا عالم ہے۔ وہ کس طرح معین مقادیر سے کائنات کی مختلف اشیاء کو تیار کر رہا ہے

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ ہم نے ہر چیز کو معین مقدار سے پیدا کیا۔

لیموں اور کالی مرچ ہر دو ہائیڈروجن دس حصے اور کاربن بیس حصے سے تیار ہوتے ہیں لیکن سالمات کے تفاوت سے ہر دو کی شکل، رنگ، ذائقہ اور تاثیر بدل گئی۔ اسی طرح کوئلہ اور ہیرا کاربن سے بنے ہیں، لیکن سالمات کے اختلاف سے ایک کا رنگ کالا، دوسرا سفید، ایک قابلِ شکست اور دوسرا ٹھوس ہے۔

اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا	ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ایک معین مقدار میں ہر چیز

---

[1] اندازے، مقداریں

نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ	کو نازل کرتے ہیں۔
وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ	اور ہم اشیاء کی تخلیق (وترکیب) سے غافل نہیں۔

کائنات کی ہر چیز عناصر کی نہایت دقیق وانسب آمیزش سے تیار ہوئی ہے۔ اگر یہ ترکیب ذرہ بھر کم و بیش ہوجائے تو سلسلۂ حیات آناً فاناً درہم برہم ہو جائے۔ اگر آج اللہ پانی کی ساخت میں سے ہائیڈروجن صرف ایک درجہ کم کردے، تو دریاؤں اور سمندروں میں زہر کا سیلاب آجائے اور کوئی ذی حیات باقی نہ رہے۔ غور فرمائیے کہ اللہ کا علم عناصر ومقادیر کس قدر لرزہ افگن اور ہیبت انگیز ہے۔ تمام نباتات کے عناصر ترکیبی ایک ہیں۔ یہ صرف اختلافِ مقادیر کا اعجاز ہے کہ

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حیوانات و نباتات کی ترکیب آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائیٹروجن اور چند دیگر نمکوں سے ہوئی۔ انہی عناصر سے ہڈیاں، پٹھے، خون اور بال تیار ہوئے اور انہی سے درختوں کے پتے، شگوفے، پھول، خوشے، رس اور پھل بنے۔ کڑواہٹ ترشی اور مٹھاس انہی عناصر کا کرشمہ ہے اور رنگ و وضع کی یہ نیرنگیاں انہی کی بدولت ہیں۔

وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ۔ ہم نے ہر چیز کو تول تول کر پیدا کیا ہے۔

قرآن حکیم تمام ازمنہ کے لئے درسِ ہدایت ہے۔ اس مقدس کتاب میں مسلمانوں کو سات سو چھپن دفعہ مناظرِ قدرت و قوانینِ فطرت پر غور کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ علامہ ابن رشد، فارابی، بوعلی سینا اور فخر الدین رازی نے بھی ہمیں اس طرف متوجہ کیا۔ لیکن ایران کے صوفیوں اور ہندوستان کے نیم خواندہ مولویوں نے مسلمان کو مسلمان نہ بننے دیا۔ نتیجہ یہ کہ آج دوسری اقوام برق وباد پر سوار ہو کر منازلِ حیات کو بہ سرعت تمام طے کر رہی ہیں اور ہم صحرائے حیات میں طوفانِ ریگ کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ علامہ شعرانی اسلام کے طبیعی پہلو کی اہمیت کو سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اگر مسلمان مسلمان رہا تو وہ علم شریعت کی طرح علم فطرت میں بھی ایک نہ ایک دن کمال پیدا کرکے رہے گا، اسی لئے تو فرمایا کہ

اِنَّ الۡاِسۡلَامَ فِیۡ اَوَّلِ اَمۡرِہٖ کَانَ شَرِیۡعَۃً ...... ثُمَّ فِیۡ اٰخِرِ الزَّمَانِ یَکُوۡنَ حَقِیۡقَۃً

اسلام آغاز میں محض شریعت تھا اور آخری زمانے میں حقیقت بن جائے گا۔

وہ آخری زمانہ یہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم آیاتِ ارض وسما کی طرف متوجہ ہو کر اسلام کو ایک حقیقت اور ٹھوس اصلیت ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔	زمین وآسمان میں مومنوں کے لیے کچھ اسباقِ قوت (آیات) موجود ہیں۔

وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ | دولتِ یقین سے مالامال اقوام کے لیے خلق انسانی وحیوانی میں آیاتِ الٰہیہ موجود ہیں۔

شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ | مسلمانوں کی فلاح ونجات اس وقت صحیفۂ کائنات کے مطالعہ میں ہے۔ وہی اقوام آج باعلم، طاقتور اور پُرہیبت ہیں، جنہوں نے فطرت سے قوانینِ قوت کا درس لیا اور اسلوب قدرت کے مطالعہ میں عمریں صرف کر دیں۔ علم الآفاق سے غفلت وجہالت نے مسلم کو ذلیل کر ڈالا۔ اس کا توازنِ ملی جاتا رہا۔ اس کی سلطنتیں اُجڑ گئیں، سرحدیں غیر محفوظ ہو گئیں اور تمام حفاظتی تدابیر خام ثابت ہوئیں۔ اگر آج ہم اپنی خامیوں کو متعین کرنے اور ان کا علاج سوچنے کے لیے کوئی کمیٹی بٹھائیں تو ہماری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اس لیے کہ اقتصادیات سیاسیات ودیگر اصناف علم وتمدن کے ماہرین ہمارے ہاں موجود نہیں۔

یورپ میں ہر خامی کا علاج سوچنے کے لیے کمیٹیاں بٹھائی جاتی ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے ماہرین فن شہادتیں دیتے ہیں اور یہ کمیٹیاں تمام نشیب وفراز پر غور کرنے کے بعد ایک رپورٹ حکومت کو بھیجتی ہیں۔ اگر آج کسی بین الاقوامی مجلس کے سامنے تحدید اسلحہ، اقتصادیات، توازنِ قوت وتقسیم دولت پر شہادت دینے کی ضرورت پڑے تو کیا اسلامی دنیا کے ستر کروڑ افراد میں سے کوئی ایک عالم بھی ایسا نکل سکے گا۔ جس کی شہادت کو کچھ بھی اہمیت حاصل ہو؟ ہمیں دنیا کی طرف شاہد بنا کر بھیجا گیا تھا۔

لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔ ہم نے تمہیں لوگوں کے لیے شاہد بنا کر بھیجا تھا۔

بہ دیگر الفاظ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم تمام شعبہائے علوم وتمدن میں وہ مہارت پیدا کریں کہ ہر مسئلے پر ہماری رائے آخری ثابت ہو۔ لیکن افسوس کہ جہالت کی وجہ سے ہماری رائے کو بجا طور پر لغو اور شہادت کو مردود قرار دیا گیا۔

ملت بیضا کی اب دنیا میں خواری ہو گئی
اس امانت دار کی بے اعتباری ہو گئی

استعمالِ اعضا | اللہ نے آنکھیں، کان اور عقل دیکھنے، سننے اور سوچنے کے لیے عطا کی ہے۔ جو قوم ان اعضا وحواس کو استعمال نہیں کرتی، وہ حقیقتاً اندھی، بہری اور لایعقل ہے۔ وہی لوگ صاحبِ عقل ہیں، جو کائنات کے مناظر وحقائق کو ایک حقیقت رس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس آواز کو جو کائنات کے ہر ذرّے سے بلند ہو رہی ہے، کان لگا کر سنتے ہیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا۔ | یہ لوگ مناظر ارضی کی کیوں سیر نہیں کرتے، تاکہ اُن کے دل سمجھنے لگ جائیں اور کان سننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوں۔

ایک قوم کا زوال دراصل زوالِ حسیات کی داستان ہے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ۔	دراصل آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ایک مُردہ قوم کے دل بے حس ہو جاتے ہیں۔

بہتر سواری | دنیا میں بعض اقوام موٹروں اور طیاروں پر سوار ہو کر جادۂ حیات کو طے کر رہی ہیں اور ہم یا تو پاشکستہ ہو کر ٹھنڈے سایوں میں محوِ استراحت ہیں اور یا آہستہ خرام اونٹ پر بیٹھے جھومتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے سُست رو کارواں کا بہ مراحل پیچھے رہ جانا حتمی و یقینی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے لئے بہترین سواریوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ٥ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔	مبارک ہیں وہ لوگ جو کسی بات کو سُن کر احسن و اقویٰ چیز کو اختیار کرتے ہیں۔

کعبہ کی اہمیت | مسلمان دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں، جنہیں باوجودِ اختلافِ رنگ و نسب چند چیزوں نے متحد کر رکھا ہے۔ واحد خدا، واحد رسول، واحد کتاب، واحد عربی زبان (صلوات و عبادات میں) اور واحد قبلہ۔ ہمارے علماء و اغنیا کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر سال کعبہ میں جمع ہو کر قومی فلاح کی سبیل سوچیں اور استحکامِ ملّت کے ذرائع پر غور کریں۔ تفکر فی الآفاق قیامِ اُمت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اُس قانونِ صلاح و بقا کا علم حاصل کرنا، جو کائنات میں عمل کر رہا ہے، نجات و حیات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ۔	اللہ نے عزت کے گھر کعبہ حرمت والے مہینے (جن میں جنگ بند کر کے وسائلِ حیات سوچنے کا حکم دیا گیا ہے) اور قلائد[1] و تحائف کو اُمت کے لیے ذریعۂ استحکام بنایا ہے۔ (کعبہ کی تعمیر کا بڑا مقصد یہ ہے) کہ تم یہ معلوم کر سکو کہ اللہ کا علم ارض و سما کو محیط ہے اور کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

آج کعبہ میں کوئی ایسی درس گاہ موجود نہیں جو اللہ کے بے پناہ اور ہیبت انگیز علم (اوزان و مقادیر) کی طرف رہنمائی کرے۔ غور فرمایئے کہ سمندر کی تاریک گہرائیوں میں مچھلی کے انڈے سے مچھلی ہی پیدا ہو رہی ہے۔ کوہِ قاف کے سیاہ غاروں میں ایک مچھر کا بچہ مچھر بن رہا ہے۔ بطونِ حیوانات میں قطراتِ منویہ مناسب، موزون اور صحیح اشکال اختیار

---

[1] مویشی جن کے گلے میں پٹہ ڈالا جائے۔

کر رہے ہیں اور صدف کے جوف میں قطرۂ آب گوہر بن رہا ہے نہ کہ کوئلہ۔ اللہ اکبر! اُس عالم الغیب کی جہانگیر اور ہمہ بین نگاہ سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی بچی ہوئی نہیں۔ ہر مقام، ہر محل اور ہر جگہ پر نہایت صحت و استحکام سے کام ہو رہا ہے۔ کائنات کی یہ کارگاہ جلیل نہایت نظم و نسق سے چل رہی ہے۔ میزان و اعتدال سے چل رہا ہے۔ کوئی غلطی نہیں، سقم نہیں، بدنظمی نہیں، برہمی نہیں، تفاوت نہیں اور فتور نہیں۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۔ بار بار دیکھو کیا تمہیں اس وسیع سلسلۂ خلق میں کہیں کوئی فتور نظر آتا ہے؟

کیا اللہ کے اس ہیبت انگیز علم کا اندازہ لگانے کے لیے کعبہ میں کوئی درس گاہ موجود ہے؟ نہیں! اس لیے لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ کا منشاء پورا نہیں ہو رہا۔ آج حج محض ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ وہاں انسانوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جاتی ہے جو چند حرکاتِ طوعی و کرہی سرانجام دینے کے بعد واپس آجاتی ہے، کوئی نیا تخیل لے کر نہیں آتی اور کوئی نیا درسِ حیات سیکھ کر نہیں آتی۔ کعبہ کے یہ فرائض کسی حد تک آج آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں[1] سرانجام دے رہی ہیں۔ جہاں دنیا کے ہر گوشے سے طلبۂ علم صحیفۂ کائنات کا درس لینے آتے ہیں۔

(۱) مومناں را فطرت آموز است حج ـــــ ہجرت آموز و وطن سوز است حج

(۲) طاعتے سرمایۂ جمعیتے ـــــ ربطِ اوراقِ کتابِ ملتے

(۳) آنکہ زیرِ تیغ گوید لا الٰہ ـــــ آنکہ از خونش بروید لا الٰہ

(۴) آں سرور آں سوزِ مشتاقی نماند ـــــ در حرم صاحبدلے باقی نماند (اقبالؔ)

اُمَّةً وَسَطاً | قرآن حکیم میں مسلم کو اُمَّةً وَسَطاً (اعتدال پسند، ترقی کا واسطہ بننے والی اور وسطِ دنیا میں آباد اُمت) کہا گیا ہے۔ ہم کئی طرح سے وسطی اُمت ہیں۔ ہم علومِ مغرب (یونان) کو مشرق تک پہنچانے کا واسطہ بنے۔ عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم اور ہندو دھرم جسم کو کچل کر خشک روحانیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ہم نے جسم و روح اور دین و دنیا میں آشتی پیدا کی۔ جن علمائے طبیعی کو رومۃ الکبریٰ کے رُہبان کچل رہے تھے، ہم نے انہیں اپنے دامنِ رافت میں پناہ دی اور مذہب و ایمان کا ہاتھ ان کے سر پر رکھا، پھر جغرافیائی حیثیت سے بھی ہم اُمَّةً وَسَطاً ہیں، یعنی رُبعِ مسکوں کے عین وسطی حصوں میں آباد ہیں۔ بہ دیگر الفاظ ہم اُس چراغ کی طرح ہیں جو وسطِ محفل میں جل رہا ہو۔ ہمارا یہ مذہبی و جغرافیائی فرض تھا کہ ہم دنیا کو علوم و عرفان کی روشنیوں سے جگمگاتے اور اقوامِ عالم

---

[1] صرف لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ کی حد تک، اور آگے وَلِيَذْكُرُوا اللّٰهَ کی حقیقت سے عالم انسانیت یکسر غافل ہے، اِلّا ماشاء اللہ اور حج کے یہی دو مقصد سورہ حج میں بتلائے گئے ہیں۔ اس مقصدِ ثانی کو جو حقیقی ہے فراموش کر دینے سے مقصدِ اوّل بھی غیر صحیح ہوتا جا رہا ہے۔ (البیان)

کی نگاہوں کو تجلیاتِ معارف سے خیرہ کرتے۔ لیکن وائے برما! کہ جہالت سے ہمارا گھرانا تاریک ہو رہا ہے۔ سینوں میں دل اندھے ہو چکے ہیں۔ آنکھیں دیکھنے اور کان سننے سے جواب دے بیٹھے ہیں۔ فرمایئے، اس قوم کا حشر کیا ہوگا۔ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ۔ جو لوگ یہاں اندھے بن رہے ہیں، انہیں وہاں بھی اندھا ہی رکھا جائے گا۔

تمثیل | ایک بادشاہ اپنے محل کو جواہرات سے سجاتا ہے۔ دنیا کے بہترین صناع نقاشی کرتے ہیں۔ ایرانی غالیچے بچھائے جاتے ہیں۔ سنہرے پردے لٹکائے جاتے ہیں۔ بہترین پھولوں کے گلدستے سجائے جاتے ہیں اور زیب و زینت کا آخری کمال دکھلایا جاتا ہے، پھر کتنا ظلم ہوگا اگر اس کی چہیتی بیوی، بچوں، خادموں اور درباریوں میں اس زیب و جمال کو پسند کرنے کی حس ہی موجود نہ ہو اور وہ اس محل میں بیل کی طرح داخل ہو کر اس کی سجاوٹ سے غیر متاثر رہتے ہوں۔

یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ مَلِكُ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ نے طارمِ فلک کو کن خیرہ ساز نقوش سے آراستہ کر رکھا ہے۔ فرشِ زمین پر پھولوں کی کیا قیامت انگیز بہار جما رکھی ہے۔ حُسن و شباب کا کیا طوفان اُبل رہا ہے اور کس انداز سے عطریت و صبحیت ہر سو خیمہ آرا ہے۔ لیکن اے کاش، ہماری آنکھیں اس حسن و جمال سے متمتع ہونے کی صلاحیت رکھتیں! ایک بیل کو کیا معلوم کہ طلوع و غروبِ آفتاب کی رنگینیوں میں کیا حُسن ہے؟ اور ایک الہڑ دہقانی کو کیا علم کہ ساون کی اُودی اُودی گھٹائیں کیف و مستی کا کیا جذبہ خیز پیام دے رہی ہیں۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ۔ ہم نے آسمان کو حسین ستاروں سے سجا رکھا ہے۔

ہے کوئی لطف اٹھانے والا؟ ہے کوئی پسند کرنے والا؟ اور ہے کوئی دیکھنے والا؟

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۔ ہم نے آسمان کو کئی حصوں میں بانٹ کر اسے اہل نظر کے لیے سجا دیا۔

تمہارے لیے | اگر یہ درست ہے کہ قرآن کے اولین اور آخرین مخاطب ہم ہی ہیں تو سنیے، قرآن کیا کہتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَ

اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیے۔ جس نے بارشیں برسا کر تمہارے لیے پھل تیار کیے۔ سمندروں میں الٰہی قانون سے تیرنے والے جہاز تمہارے قبضے میں دیے نہریں تمہارے لیے مسخر کیں۔ گھومنے والے آفتاب و ماہتاب پر تمہیں حکمران بنایا اور لیل و نہار کا سلسلہ تمہارے

اٰتٰاکُمْ مِنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ | بس میں کر دیا۔ نیز تمہیں وہ سب کچھ دیا، جس کی تمہیں تمنا تھی۔

اس آیت میں لکم (تمہارے لیے) کا لفظ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں مسلمانوں کے لیے تھیں اور مسلمانوں کے واسطے سے تمام عالم انسانیت کے لیے۔ لیکن آج سورج، بجلی، روشنی اور ایتھر کو فرنگ نے مسخر کر رکھا ہے، سمندروں کی مہیب سطح پر اُن ہی کی حکومت ہے۔ باغات و انہار کے مالک وہی ہیں۔ آبشاروں اور نہروں سے وہی لوگ بجلی نکال کر دنیا کو روشنی و طاقت دے رہے ہیں اور ہم بجلی کے لیمپ کو دیکھ کر صرف حیران ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ اللہ اپنے اوپر ظلم توڑنے والوں کو کبھی سیدھی راہ پر نہیں ڈالتا۔

فرشِ زمین | اللہ نے زمین کو ہمارے لیے بستر بنایا ہے۔

وَجَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً۔ اللہ نے زمین کو تمہارے لیے بستر بنایا ہے۔

اور مقامِ حیرت ہے کہ ہم اپنے بستر کی ماہیت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ ہمیں یہ قطعاً معلوم نہیں کہ یہ زمین کن عناصر سے تیار ہوئی، کب بنی، کس سہارے پہ قائم ہے، اس کے بطن میں کیا ہے اور یہ اس پہ پانی کہاں سے آگیا؟ ہمارا یہ "ہمہ دان" ملا کہتا ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی قدرت سے ہوا۔ لیکن کیا اس قدرت کا علم حاصل کرنا ہمارے فرائض میں شامل نہیں؟ اگر نہیں تو اس ارشاد کے کیا معنی ہیں؟

ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ | یہ اس لیے تاکہ تمہیں پتہ لگ جائے کہ اللہ کا علم ارض و سما کو محیط ہے۔

فولاد | فولاد سے تیار کردہ اشیاء مثلاً جہازوں، طیاروں، ٹینکوں اور توپوں کی ہیبت سے آج دنیا لرز رہی ہے۔ وہ قومیں کس قدر طاقتور بنی بیٹھی ہیں جنہیں استعمالِ فولاد کا علم حاصل ہے، اور وہ قومیں کس قدر ضعیف و ذلیل ہیں جو اس سے بیگانہ ہیں۔ آج سے ۱۳۶۱ سال پہلے ایک اُمّی (فداہ ابی و اُمّی) نے فاران کی چوٹیوں سے مسلمانانِ عالم کو یہ پیغام سنایا تھا کہ

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ | ہم نے فولاد اتارا جس میں زبردست ہیبت اور دنیا کے لیے بے شمار فوائد ہیں۔

اگر آج برائے نام اسلامی سلطنتیں فولاد کے استعمال سے آگاہ ہو جائیں تو ان کا موجودہ ضعف قوت میں اور انحطاط عروج میں بدل جائے۔

ان آیات کی موجودگی میں یہ کیسے کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ قرآن تمام زمانوں کے لیے درس ہدایت نہیں؟

فی الحقیقت رسول عربی علیہ السلام کا دیا ہوا پیغام وہ عالی شان دستور العمل ہے جس پر کاربند ہونے کا لازمی نتیجہ زندگی قوت، حشمت، تسخیر بحر و بر اور تمکن فی الارض ہے۔

نعت بے حد بر رسولِ پاک را

کاں حیات آموخت مشتِ خاک را

نکتہ | یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن حکیم میں فقہی آیات عموماً یَسْــٔـَلُوْنَكَ کے جواب میں ملتی ہیں۔ مثلاً

یَسْــٔـَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ــــ یَسْــٔـَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ وغیرہ اور مطالعہ کائنات پر نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے ہیں، جن سے اعراض کی سزا قومی و ملی ہلاکت ہے۔

ایک تاریخی واقعہ | حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس کے پاس سے گزرتے ہیں، جسے بخت نصر تباہ کر چکا تھا۔ اور سوچتے ہیں کہ کیا اس ہلاک شدہ بستی کا احیاء ثانی ممکن ہے؟ تو اللہ نے آپ کو سو سال کے لیے موت دے دی اور پھر زندہ کر کے فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ۔ اپنے طعام (انجیر) اور پینے کی چیز (دودھ) کی طرف دیکھ کہ سو سال کی لمبی مدت میں بھی ان میں سے کوئی چیز خراب نہیں ہوئی۔

دودھ اور انجیر کا اتنے عرصے تک خراب نہ ہونا کوئی معجزہ نہیں، بلکہ آج ماہرین فواکہ اشربہ و اغذیہ کو اس قابلیت سے ڈبوں میں بند کرتے ہیں کہ سالہا سال تک خراب نہیں ہوتیں۔

اسی آیت کا مندرجۂ ذیل ٹکڑا:

وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا۔	اپنے گدھے پر غور کر، اور ہم تمہیں دنیا کے سامنے ایک نمونہ بنا کر پیش کرنے والے ہیں، پھر ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح انہیں ترتیب دے کر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

موجودہ علم التشریح کی طرف کس زور کی دعوت ہے۔ جب عزیر علیہ السلام گدھے اور اس کی ہڈیوں کی ترتیب پر غور کر چکے تو الٰہی صناعی و تخلیق سے مرعوب ہو کر پکار اُٹھے:

قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ[1]۔ تو عزیر پکار اٹھا کہ مجھے الٰہی قدرت کا علم اب حاصل ہوا ہے۔

---

[1] اس قصہ میں تاویل آیات اور تعیین شخصیت کے لیے مفسرین نے کئی راہیں اختیار کی ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ہمارے نزدیک قرین صحت وہ تشریح ہے جو حضرت خواجہ احمد الدین مرحوم کے قلب پر منکشف ہوئی۔ کما فی تفسیرہ "بیان للناس" (البیان)

یہی وہ علم ہے، جس کا نتیجہ خشیہ ہے اور جس سے ایمان میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ آیات ہیں جن سے ارباب علم کے دل دہل جاتے ہیں اور سینے نورِ عرفان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ جب ان کے سامنے الٰہی آیات کی تفسیر پیش کی جاتی ہے تو ان کے سینے نورِ ایمان سے منور ہو جاتے ہیں۔[1]

آج مغربی تجربہ گاہوں میں حیوانوں کو چیر پھاڑ کر الٰہی صناعی کا تماشہ دیکھا جا رہا ہے۔ اللہ کی حیرت انگیز تخلیق و نظامِ آفرینش کا مطالعہ ہو رہا ہے اور مسلم نہ صرف جاہل ہے بلکہ ان علوم کو مخالفِ اسلام قرار دیتا ہے۔ ہم کئی صدیاں سے اس مخبوط الحواسی کی سزا بھگت رہے ہیں اور ابھی خدا جانے اور کتنی صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ۔ یہ لوگ خدا کو بھول گئے اور خدا نے اِن کے حواس یوں باختہ کیے کہ انہیں اپنی بھی خبر نہ رہی۔

ابتلائے خلیلؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تمام کائنات بایں حسن و جمال پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کو اِن تمام حسین مظاہرِ فطرت میں سے ایک معبود کا انتخاب کرنا تھا۔ آپ کی عرش رس نگاہ آسمان کے نوری کھلونوں کو چیر کر بدیع السمٰوات والارض تک جا پہنچی اور آپ نے یہ روح افروز اعلان فرمایا کہ:

اِنِّيْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ میں غروب ہونے والے مظاہر کی پرستش نہیں کر سکتا۔

یہ تھی پہلی ابتلائے خلیلؑ۔

اس کے بعد تحقیق کا درجہ آتا ہے۔ ابراہیمؑ تقلید سے متنفر تھے ؎

اگر تقلید بودے شیوۂ خوب

پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے

اسی لیے فرمایا:

رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى۔ اے رب مجھے احیائے اموات کا منظر دکھا۔

چنانچہ چار[2] ذبح شدہ پرندے ابراہیمؑ کی آنکھوں کے سامنے دوبارہ زندہ کیے گئے اور یہ تھی دوسری ابتلائے خلیلؑ۔

---

[1] الحمد للہ کہ مجھ پر اس مبارک مضمون کے مطالعہ کا یہی اثر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تاثر کو دوام و استحکام عطا فرمائے (حقیر مدیر)

[2] ہرگز نہیں ——— حقیقت اس کے خلاف ہے۔ راغب، معالم، بیانُ للنّاس وغیرہ میں دیکھیے۔ صرھن الیک اے املھن من الصورا ے المیل۔ وقال بعضھم صرھن اے ضم لھن۔ یعنی ان پرندوں کو سدھا اور اپنی بولی پر لگا۔ (راھیلام)

جب ابراہیمؑ ان ابتلاؤں میں پورے اُترے اور صاحبِ تحقیق و نظر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا، تو اللہ نے آپ کو امامت و سلطنت کی یوں بشارت دی۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ کہ اے ابراہیمؑ میں تمہیں دنیائے انسانی کا امام بنانے والا ہوں۔

ابراہیمؑ نے پوچھا کہ میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے، تو کہا:

لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ کہ تیری اولاد میں سے ظالم لوگ صلاحیت امامت و سلطنت کھو بیٹھیں گے۔

جہالت سب سے بڑا ظلم ہے۔ آج اولادِ ابراہیمؑ اس لیے ذلیل و رسوا ہو رہی ہے کہ کلامِ خدا (قرآن) اور عملِ خدا (کائنات) ہر دو سے جاہل ہے۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ پہاڑوں کی میگزینوں اور زمینوں کے دیگر خزانوں کو استعمال کیے بغیر کوئی قوم چند گھنٹوں کے لیے بھی با عزت زندہ نہیں رہ سکتی ؎

نمود اُس کی نمود تیری ــــ نمود تیری نمود اُس کی
خدا کو تو بے حجاب کر دے ــــ خدا تجھے بے حجاب کر دے (اقبالؔ)

نظر | قرآن حکیم میں بار بار حکم دیا گیا ہے:

اُنْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ زمین و آسمان پر نظر ڈالو۔

آؤ، دیکھیں کہ نظر کے معنی لغت میں کیا ہیں۔

نظر۔ دیکھنا، غور کرنا، معائنہ کرنا، سوچنا (قاموس، فیروز آبادی)

تو گویا ہم نے کائنات کو دیکھنا ہے، اس پر سوچنا اور غور کرنا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کا معائنہ کرنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس قسم کا دیکھنا ان آنکھوں سے ہو سکتا ہے؟ جواب نفی میں ہے، اس لیے کہ آنکھ کا دائرۂ بصارت از بس محدود ہے۔ اگر نظر کمزور ہو تو عینک استعمال کرنا پڑتی ہے۔ اگر اٹک سے لاہور تک سفر کرنا پڑے، تو ریل گاڑی کی ضرورت ہوتی ہے۔ چوں کہ اللہ نے ہمیں نظر کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس حکم کی تعمیل بہتر سے بہتر رنگ میں کریں اور تیزیٔ بصارت کے جس قدر وسایل مل سکیں، انہیں استعمال میں لائیں۔ آج دنیا میں بہترین آلاتِ بینائی ایجاد ہو چکے ہیں جن سے تخلیق کے بہت سے مخفی پہلو عریاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ ان آلات کو عربی میں منظار اور اُردو میں خوردبین یا دُوربین کہا جاتا ہے۔

ایک مسلم کو حکم ہے کہ وہ فریضۂ صلوٰۃ ادا کرے۔ اب یہ اس مسلم کا فرض ہے کہ وہ جسم کو پاک کرے، صاف

کپڑے پہنے اور مسجد تک چل کر جائے۔ یہ خدا کا فرض نہیں کہ اُس کے کپڑے دھوئے، اسے وضو کرائے اور فرشتوں کو بھیجے کہ جاؤ، میرے پیارے بندے کو اُٹھا کر مسجد میں پھینک آؤ۔ بعینہٖ اسی طرح یہ مسلم کا فرض ہے کہ وہ کائنات کا مطالعہ و معائنہ کرنے کے لیے وسایل نظر تلاش کرے، تاکہ الٰہی حکم کی تعمیل ہو سکے۔

مُلّا کی مکاری | قرآن کا ہر حکم فرض ہے۔ یہ مُلّا کی مکاری ہے کہ اُس نے پانچ آسان آسان احکام کی محض ظاہری صورت کو تو فرض قرار دے دیا اور باقی تمام قرآن کے احکام پر عمل کرنے کو یا تو مستحب قرار دیتا ہے اور یا چھپا جاتا ہے۔

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا۔ تم نے کتاب الٰہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ کچھ حصہ تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر حصہ ہڑپ کر جاتے ہو۔

کیا قرآن میں سات سو چھپن آیات مطالعۂ کائنات کے متعلق موجود نہیں۔ تو پھر اے مُلّاؤ! تمہارے وعظوں اور خطبوں میں ان آیات کا کیوں ذکر نہیں آتا۔ تمہارا ہر وعظ صلوٰۃ و ریش تک کیوں محدود ہوتا ہے؟ تم کیوں وسایل قوت سے بحث نہیں کرتے؟ تم فروعاتِ اختلافی پر زور دے کر حبل اللہ کے پُرزے کیوں اڑاتے ہو؟ تمہارے دل و دماغ اور سمع و بصر پہ کیوں پردے پڑے ہوئے ہیں؟

اُمتِ مسلمہ ایک جسم ہے۔ جسم کے لیے ہاتھ، پاؤں اور دل و دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ علماء قوم کا دماغ ہیں۔ جس طرح دماغ کا کام حکم دینا اور سوچنا اور اعضاء کا کام تعمیل کرنا ہے۔ اسی طرح علماء کا منصب تمام قوم کو حکم دینا ہے۔ ایک عالم کی تباہی ایک جہان کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

اِذَا زَلَّ الْعَالِمُ ضَلَّ الْعَالَمُ۔ اگر ایک عالم کا پاؤں پھسل جائے تو ایک جہان گمراہ ہو جاتا ہے۔

قرآن میں بار بار مذکور ہے کہ قوم کی اصلاح کے ذمہ دار مولوی ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

یہ مولوی اور پیر قوم کو جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔ یہ لوگ بڑے بدکار ہیں۔

عِبَادَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔ اللہ کے بندو! اللہ سے معافی مانگو۔

(باقی دارد)

تقریظات

تفسیر سورۂ "مرسلات" | تالیف: مولانا حمید الدین فراہیؒ۔ سائز $\frac{20\times30}{16}$، لکھائی، چھپائی، کاغذ معمولی۔ ضخامت ۲۵ صفحے۔ قیمت ۵ر۔ ملنے کا پتہ: دائرۂ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے میر (اعظم گڑھ)

سورۂ مرسلات کی یہ تفسیر مولانا حمید الدین فراہی مرحوم نے عربی زبان میں لکھی تھی، جس کا زیر نظر اُردو ترجمہ، ان کے لائق شاگرد، مولوی امین احسن صاحب اصلاحی نے شائع کیا ہے۔

سورۂ "المرسلات" کی تفسیر میں متقدمین نے عجیب وغریب موشگافیاں دکھائی ہیں، ان میں سے بعض تو قطعاً عقل فطرت کے خلاف ہیں۔ مولاناؒ کی زیر نظر تفسیر بعید از عقل باتوں سے بالکل محفوظ ہے۔ انہوں نے "مرسلات" سے ہوائیں مراد لی ہیں اور نہایت خوب صورت طریقے سے یہ ثابت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہواؤں کے ذریعے نوع انسان کو اپنی قدرت کاملہ کی طرف متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ نیکی کی طرف راغب ہو اور برائی سے احتراز کرے۔ لفظوں کی تحقیق اور آیات کا نظم و ربط بھی بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے طالب علموں کو اس چھوٹی سی کتاب کے مطالعہ سے محروم نہ رہنا چاہیے۔

انوار | از جناب علی اختر صاحب حیدر آبادی۔ سائز $\frac{20\times30}{16}$۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط، حجم ۱۶۸ صفحے، قیمت مجلد عہ۔ ملنے کا پتہ: ادارہ ادبیات اُردو۔ حیدر آباد دکن۔

جناب علی اختر صاحب حیدر آبادی، ہماری زبان کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، زیر نظر مجموعہ ان ہی کے کلام کی مختلف اصناف پر مشتمل ہے۔ ۱۳۴ غزلیں ہیں، چند نظمیں ہیں، کچھ رباعیات ہیں اور کچھ متفرقات۔

اختر کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زمانے کی ہوا کو خوب پہچانا ہے۔ ان کے اپنے خیالات ہیں، اپنا تجربہ اور اپنا ہی فلسفہ، عام شعراء کی طرح متقدمین کی تقلید کا شرف انہیں حاصل نہیں ہے۔ ان کی نظمیں اور غزلیں دونوں موثر ہیں، وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں، اُسے بڑی خوبی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ بعض بعض غزلیں کے مطالعہ سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں، خود شاعر کا احساس حلول کر گیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

ہائے وہ تیرے تبسم کا سرود جاں نواز — ہر نفس میں کانپتی ہیں بجلیاں تیرے بغیر

اب ہوا محسوس، تیرے حسن رنگیں کی قسم — ہر رگ دل ہے کوئی زخم نہاں تیرے بغیر

کاش اے صیاد! میں رہتا قفس ہی میں اسیر — زہر ہے آب و ہوائے آشیاں تیرے بغیر

ماضی کی یاد میں انسان کن کن حسرتوں کا اظہار کرتا ہے، دو ایک شعر سنیئے:

مری بہ رگ دل کو تڑپانے والی — وہی شوخ طرز حیا چاہتا ہوں
شراب و نشاط و نگار و ترنم — وہی جنتیں اے خدا چاہتا ہوں
کہیں عہد ماضی پلٹتا ہے اختر — میں دیوانہ ہوں، ہائے کیا چاہتا ہوں

ہمیں اُمید ہے، شعر نواز حلقے میں اس کتاب کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

حقوق الزوجین | از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی۔ لکھائی چھپائی، کاغذ بہتر۔ سائز ۲۰×۲۶/۸۔ ضخامت ۱۰۰ صفحے۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ پیغام حق، ظفر منزل، تاج پورہ لاہور۔

زیر نظر مقالہ، رسالہ "پیغام حق" لاہور کے ایک خاص نمبر کی صورت میں شائع ہوا ہے۔

مولف نے اس رسالے میں اسلامی ضابطۂ نکاح پر بڑی تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ نکاح کا مقصد، احکام خلع، قضائے شرعی، ارتداد احد الزوجین، ولایت اجبار، مہر و نفقہ، عیوب میں خیار فسخ وغیرہ عنوانات کے ماتحت، قرآن مجید، حدیث، فقہ کے مختلف احکام کو سامنے رکھ کر، اچھی خاصی بحث کی گئی ہے۔ بعض اجزاء کے ساتھ ہمیں مولف کے ساتھ اختلاف ہے اور کسی دوسری جگہ ہم نے ایک مسئلے پر اپنے اختلاف کو ظاہر بھی کیا ہے۔

زیر نظر رسالہ عام لوگوں کے لیے کچھ کم ہی مفید ثابت ہوگا، اس کا انداز بیان بہت حد تک "فقیہانہ" ہے اور اس سے غالباً وہی لوگ فائدہ حاصل کر سکیں گے، جو نکاح کے متعلق اسلامی فقہ کا بہ نظر غائر مطالعہ کر چکے ہوں۔

زبان بھی سادہ استعمال نہیں کی گئی، ایک دل چسپ فقرہ ملاحظہ ہو: "اندیشہ ہے کہ اس سے اتباع ہوا اور تلفیق خارق اجماع اور تتبع رخص مذاہب اور تلاعب بالدین کا دروازہ کھل جائے گا"——کوئی پوچھے کہ اس قسم کے ثقیل اور ناقابل فہم الفاظ کو سمجھنے والے آج کہاں ہیں؟

نمود زندگی | از سید علی منظور صاحب حیدر آبادی۔ کتابت، طباعت اور کاغذ بہتر۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶، ضخامت ۲۰۷ صفحے، قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ: ادارہ ادبیات اُردو، خیرت آباد، حیدر آباد دکن۔

"نمود زندگی" مجموعہ ہے جناب منظور کی نظموں، غزلوں اور رباعیوں کا۔ علی منظور ہماری زبان کے معروف شاعر ہیں، ان کا کلام ملک کے بلند پایہ ادبی رسائل میں چھپتا رہتا ہے، ان کی زبان اور انداز بیان بہت سادہ ہے اور اس سے کہنہ مشقی اور قادر الکلامی کا اظہار ہوتا ہے، بعض نظموں کا انداز ناصحانہ ہے اور بعض سے ان کی مذہبی خوش عقیدگی بھی نمایاں ہے۔ کچھ جھلک قدامت کی، کچھ رجحان جدید قسم کی شاعری کی طرف، دونوں چیزیں، ان کے کلام میں برابر موجود ہیں۔

حساب آمد و خرچ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

(۲۵ر دسمبر ۱۹۴۱ء تا ۲۸ر فروری ۱۹۴۲ء)

البیان

مہر بخش صاحب چغتائی میران شاہ	مہعہ
میاں فیملی	عہ
میاں جلال الدین صاحب	عہ
ڈاکٹر محمد شریف صاحب گوجرانوالا	عنلو
محمد رفیق صاحب	سے
حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ لاہور	سے
فضل احمد صاحب عثمان کھاٹر	للعہ ۹
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	عہ
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ
محمد صادق صاحب ڈرافٹسمین	سے
بابو محمد شفیع صاحب	عہ
بابو عبداللہ خان صاحب	عہ
سید عبدالرؤف صاحب الٰہ آباد	للعہ ۹
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	عنہ ۲
ڈاکٹر سعید اللہ صاحب لاہور	سے ۲
یعقوب توفیق صاحب بی اے	سے ۲
مدیر صاحب مکتبہ ناصریہ بھوپال	سے ۲
دل شاد احمد صاحب قریشی صادق آباد	سے ۲
مولوی محمد شریف صاحب، نواب شاہ	سے ۲
خان بہادر سردار اکرم خاں صاحب کیمبل پور	سے ۲
نجم الحسن صاحب حیدر آباد دکن	عہ
ملک محمد صادق صاحب	عہ
محمد اکبر خاں صاحب سری نگر	سے
مرزا مرتضیٰ بیگ آثر صاحب دریا پور	سے ۲
بابو محمد جہانگیر صاحب لاہور	سے ۲
نیاز محمد صاحب مستونگ (بلوچستان)	عہ ۴
عبدالحکیم صاحب جمشید پور	سے ۲
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب دہلی	سے
کریم بخش صاحب سکھانی کراچی	للعہ ۹
ایم اسمٰعیل شریف صاحب بنگلور سٹی	سے ۲
حاجی محمد اسحاق صاحب	سے
ڈاکٹر غلام حسن صاحب	سے
فیروز الدین صاحب غازی	عہ
خواجہ رحمت اللہ صاحب	سے
بابو ذوالفقار علی صاحب	عہ
مستری محمد اسمٰعیل صاحب	عہ
مرزا اکبیر احمد صاحب اکبر جبل پور	سے ۲
اکرم خاں صاحب	عہ
صلاح الدین احمد صاحب	عہ
میاں فضل الٰہی صاحب لاہور	سے
انصار حسین صاحب ڈمکہ	سے ۲
سید ہاشم صاحب بنگلور چھاؤنی	للعہ ۹
محمد اسحاق صاحب پنا اسٹیٹ	عہ ۴
محمد شاکر صاحب بھٹی، کراچی	سے ۲
محمد قاسم صاحب اعوان، کوئٹہ	سے ۲
منظور احسن صاحب ڈمکہ	سے ۲
مسٹر تفضل کریم صاحب جمشید پور	سے ۲
سید نور علی شاہ صاحب نورڈ (بنوں)	سے ۲
سید اسد الزمان صاحب بنوں	سے ۲
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	معہ
تاج الدین صاحب پنشنر، لاہور	سے
ڈاکٹر فتح محمد صاحب راجہ منڈری	سے
ڈاکٹر عبدالغفور صاحب قریشی پشاور	سے
ایم یو شیرازی صاحب جام نگر	عہ
متفرق	سے ۲
متفرق	للعہ ۱۲
میزان	۲۰۱ روپیہ ۱۰ آنے

عمارت فنڈ

مہر بخش صاحب چغتائی بنوں	عنہ
خان محمد نعمان خان صاحب گجرات	صہ
میزان	لوعہ ۹

تبلیغ فنڈ

بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ
پہلوان خیر الدین صاحب	عہ
محمد اقبال صاحب سلانی پریت نگر	عہ
میزان	عہ

رکنیت

مہر بخش صاحب چغتائی بنوں	رعہ ۱۲
بابو ذوالفقار علی صاحب	عہ
متفرق	عہ
میزان	للعہ ۱۲

کتب خانہ

از فروخت	رللعہ ۳۶
بقایا سابقہ	۳۸۶ روپیہ ۱۴ر
میزان کل	۶۸۳ روپیہ ۲ر

مصارف

البیان	۲۶۹ روپیہ ۱۴ر
عمارات	۹۸ روپیہ ۱۴ر
کتب خانہ	۲۳ روپیہ ۸ر
تبلیغ	۲۰ روپیہ
میزان	۴۱۱ روپیہ ۱۲ر
بقایا	۲۷۱ روپیہ ۶ر
میزان کل	۶۸۳ روپیہ ۲ر

مفت لٹریچر کی تقسیم

جناب میاں محمد احمد علی صاحب الیکٹریکل انجینئر کپورتھلہ نے جو "البیان" کے ایک قدیم معاون ہیں، ہمارے پاس چند دینی کتابوں کی ایک تعداد بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم انہیں "البیان" کے پڑھنے والوں میں مفت تقسیم کریں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مسیح و احمد (ضخامت ۴۸ صفحے)
(۲) حیات و ممات کا معمہ (ضخامت ۳۲ صفحے)
(۳) فلسفہ روحانی (ضخامت ۴۸ صفحے)
(۴) قیامت (ضخامت ۴۸ صفحے)
(۵) تقلید و تحقیق (ضخامت ۱۰۴ صفحے)
(۶) صراط مستقیم (ضخامت ۲۸۰ صفحے)

یہ کتابیں بلاغ کے قدیم و مرحوم معاون، ڈاکٹر صادق علی صاحب ریٹائرڈ سرجن میجر کی تصنیفات سے ہیں، ہم نے ان کو سرسری طور سے دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ معطی کی خواہش کے احترام میں انہیں معاونین البیان کے ہاتھوں پہنچا دیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ سارا لٹریچر، قرآن مجید کی روشنی میں تحقیق و کاوش سے لکھا گیا ہے اور ہمارے ناظرین اس کے مطالعے سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

اس سے پہلے بھی "البیان" کے نئے اور پرانے معاونوں کو "بلاغ" کے پرانے پرچوں کی صورت میں ایک رعایت پیش کی جا چکی ہے، یعنی جو صاحب اپنے سالانہ چندے کے ساتھ مزید ۴ محصول ڈاک کے لیے بھیج دیتے ہیں، انہیں رسالہ بلاغ کے ۴۲ منتخب پرچے، جن کا حجم ۱۲۰۰ صفحے سے زائد ہے، مفت ارسال کر دیے جاتے ہیں۔ آج ہم اس رعایت کے ساتھ ان کتابوں کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں۔ آیندہ سے جو اصحاب البیان کے سالانہ چندے کے ساتھ مزید ۸؍ یعنی کل للعہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال فرمایئں گے، ان کے نام ایک برس کے لیے "البیان" جاری کرنے کے علاوہ، ۱۲۰۰ صفحے کے "بلاغ" کے پرانے پرچے اور ۷۰۰ صفحے کی مذکورہ بالا کتابیں مفت بھیجی جائیں گی۔

ہم قارئین "البیان" سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف خود اس پیش کش سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس رعایت کی طرف متوجہ کریں گے۔ "البیان" کی اشاعت بڑھانے کے لیے یہ ایک اچھا موقعہ ہے، احباب کو اس طرف ضرور دھیان دینا چاہیے۔

منیجر "البیان" امرتسر

اُمّتِ مُسلمہ کے مطبُوعات

تعلیمات قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں جملہ اصول وعقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت بہت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت فی نسخہ دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

علمِ حدیث

مولانا اسلم جیراج پوری کی ایک نہایت پُرمغز، مؤثر اور مفید کتاب جس میں علم حدیث پر دل نشین انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ علم حدیث کے متعلق سات عنوان مقرر کرکے حدیث کی صحیح اور حقیقی حیثیت پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اس موضوع پر اس سے زیادہ اچھی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ قیمت ۲ر۔ علاوہ محصول ڈاک

برہان القرآن

یہ کتاب اُن دو مباحث کو شامل ہے جو مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری اور حضرت خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مابین ہوئے۔ اس میں اہل حدیث پر ابد تک کے لیے اتمام حجت کردیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر علاوہ محصول

ریحان القرآن

مولوی حبیب الرحمٰن مؤمی کے رسالہ "نصرت الحدیث"۔ مولوی قاسمی کے "عقائد کفریہ" اور مولوی عبداللہ کے "عقائد بے حدیثیہ" وغیرہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۴ر۔ علاوہ محصول ڈاک

تفسیر سُورۂ فاتحہ

تفسیر بیانٌ للنّاس کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:
(۱) قرآن مجید کی آیت کا آیت سے، رکوع کا رکوع سے اور سورۃ کا سورۃ سے موزوں ربط، (۲) قرآن مبین کے متشابہات کی تفسیر محکمات کی روشنی میں، (۳) قرآن مبین وحی الٰہی کے لحاظ سے تمام کائنات انسانی کے لیے کافی ہے (۴) قرآن حکیم (قول الٰہی)، اور صحیفۂ فطرت (فعل الٰہی) میں اختلاف محال ہے (۵) قرآن پاک پر تمام اعتراضات وارده کے جوابات خود قرآن اور صحیفۂ فطرت سے، (۶) قرآن عظیم ہر ملک وقوم اور ہر زمانے کے لیے بے غلط ہدایت دیتا ہے۔ قیمت ۲ر علاوہ محصول ڈاک

برگِ سبز

(طلوع اسلام کی نظر میں)

کسی کو خواجہ احمد الدین مرحوم کے بعض خیالات سے کتناہی اختلاف کیوں نہ ہو، کوئی خادم قرآن کریم اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں ان کی تحقیق اجتہاد کا درجہ رکھتی ہے، ان مقامات میں سب سے اہم گوشہ مسئلہ وراثت ہے اور خواجہ صاحب نے اس باب میں فی الواقعہ قابل ستائش محققانہ نگاہ سے کام لیا ہے۔ مروجہ فقہ کی رو سے یتیم پوتا، دادا کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں پاتا۔ خواجہ صاحب نے دلائل قرآنی سے اس مسئلہ کی تردید نہایت حسن وخوبی سے

کی اور اس موضوع پر متعدد رسائل شائع کیے۔ زیرِ نظر رسالہ اُن کے ایک غیر مطبوعہ مسودہ پر مشتمل ہے جو رسالہ البیان کے ستمبر نمبر کی شکل میں شائع ہُوا ہے جس کا مطالعہ ہمارے خیال میں ہر اُس مسلمان کے لیے فائدہ مند ہوگا جو قرآن کریم کے احکامِ وراثت کا جاننا ضروری سمجھتا ہو۔ قیمت ۲/ علاوہ محصول

الوراثت فی القرآن

حضرت خواجہ احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے اُن مضامین کا مجموعہ جن میں قرآنی اصولِ وراثت پر نہایت بصیرت افروز بحث کی گئی ہے اور مروجہ اصولِ فقہ میں علم وراثت کے بارے میں جو غلطیاں اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، قرآن مجید کی روشنی میں اُن کی احسن طریقے سے تردید کی گئی ہے۔

ضخامت ۱۴۴ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ۔

قیمت ۱۲/ محصول الگ

مِلّتِ ابراہیمؑ

(از حکیم محمد حسین صاحب عرشی)

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ دین درِاصل ابراہیمؑ ہی کا دین ہے حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے اور اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مکمل سیرت یہاں تک کہ ان کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیراز قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں قرآن مجید کی بیان کردہ صفاتِ ابراہیمؑ کی تشریح و تفسیر کا مبسوط اضافہ کیا گیا ہے جو سیرتِ خلیلؑ سے متعلق نہایت اہم نکات اور معلومات پر مشتمل ہے۔

قیمت ۴/ ۔ محصول الگ

مطالعۂ حدیث

مدیر نگار کا تبصرہ

یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ میرے اور اُن کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیبِ احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے، اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے جس میں تدوینِ احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے، اسرائیلیات، زندیقیت، دجّال، معراج، قتلِ مرتد، غلامی، اوقاتِ نماز، ایامِ صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعہ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقۃً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت ۱۲/ ۔ محصول الگ

اسلام اور حریت و مساوات

اس موضوع پر جناب خواجہ عباداللہ صاحب اختر اور جناب مرزا بشیرالدین محمود صاحب قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ قابلِ مطالعہ اور ناول سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۶/

جنت کا گہنا

ایک نہایت سادہ سلیس اور عام فہم نظم ہے جو بچیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ نظم کسی خاص فرقے سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہر شریف گھرانے کا فرض ہے کہ وہ اس نصیحت آموز ٹریکٹ کو منگوا کر اپنی بچیوں کو پڑھائے اور حکمت و دانائی کی باتوں سے اُن کو فائدہ اٹھانے کا موقع دے۔ قیمت ایک آنہ

پتہ: منیجر دفتر اُمتِ مُسلمہ امرتسر

قولِ احسن

مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سب سے بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے۔ قولِ احسن میں قرآن مجید کے مضامین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور پر فرقہ بندی کا مخالف ہے۔ ہمیں صرف مسلم کہلانا چاہیے۔ باقی تمام نام شیعہ، سُنی اور اہلِ حدیث وغیرہ بدعتی ہیں، جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔ قیمت ۲ر۔ محصول الگ

صفات القرآن

(مؤلفہ سید منظور احسن صاحب)

اس کتاب میں قرآن مجید کے اغراض و مقاصد، اس کی عظمت اور صداقت کے دلائل، قرآن مجید سے اخذ کرکے مرتب کیے گئے ہیں مؤلف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسلمان اس کتاب کے مطالعہ سے قرآن حکیم کی قدر و عظمت سے روشناس ہوں اور اس کے احکام کی تعمیل کی طرف متوجہ ہوں۔ مسلمانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ قیمت ۴ر۔ محصول الگ

حضرت محمد رسول اللہؐ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم کو دُور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ قیمت ۲ر۔ محصول الگ۔

کلیات طغرائی

حکیم شہاب الدین مرحوم، تبسم اور عرشی کے استاد حکیم الشعراء مولانا حکیم فیروز الدین احمد فیروز طغرائی مرحوم کا اُردو فارسی عربی کلام۔ قیمت ڈھائی روپے۔ محصول الگ

ختمِ نبوت

یہ رسالہ مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات کے قلم سے ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کو ایک کامل و اکمل کتاب تسلیم کرتے ہیں، اُن کے لیے ختم نبوت کا مسئلہ بے حد سادہ اور صاف مسئلہ ہے۔ روایات کو ماننے والے گروہوں میں اس موضوع پر مدت سے بحث و جدال جاری ہے اور آپس کی بحثا بحثی کا یہ سلسلہ، روایات پر ایمان رکھنے سے کبھی ختم نہ ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں "ختم نبوت" ایسی کتاب ہوگی، اُسے مسیح و مہدی کے ظہور کا کوئی انتظار نہیں رہے گا۔ قیمت ۲ر۔ محصول الگ

قربانی

یہ مختصر کتاب، مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات کی تالیف ہے اس میں آپ نے قرآن مجید کی رُو سے یہ ثابت کیا ہے کہ مروجہ قربانی محض ایک رسمی چیز ہے، دین کے ساتھ اسے کوئی تعلق نہیں۔ اصل چیز تقویٰ ہے جو خدا کے ہاں مقبول ہے۔ قیمت ۲ر

آیات بینات فی حقیقۃ الصلوٰۃ

یہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب مفتی صاحب نے بڑی محنت کے ساتھ لکھی اور خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ صلوٰۃ کا وجوب، صلوٰۃ کی تعریف، صلوٰۃ کا مقصد، صلوٰۃ کے شرائط و ارکان، جماعت و امامت اور مساجد وغیرہ کے عنوان دے کر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے بہت اچھا لکھا ہے۔ جو اصحاب نماز کے بارے میں ایک الگ کتاب کا تقاضا کرتے رہے ہیں، حقیقۃ الصلوٰۃ ان کی ضرورت پوری کرے گی۔ قیمت ۸ر۔ محصول الگ۔

اوصاف رسول کریمؐ بروئے قرآن حکیم

مؤلفہ سید عمر شاہ صاحب مرحوم اس میں آں حضرت صلعم کے حالات و اوصاف قرآن مجید سے اخذ کرکے مرتب کیے گئے ہیں۔ قیمت ۸ر۔ محصول الگ

منیجر دفتر اُمتِ مسلمہ امرتسر (پنجاب)

اُمّتِ مُسلمہ امرت سر کی خدمات

۱۔ ایک ماہوار رسالہ جاری کیا گیا جو بیس سال سے قرآن حکیم کی خدمت و اشاعت میں معروف ہے۔

۲۔ تبلیغی کاموں کے لیے قریباً پانچ ہزار روپے کے صرف سے ایک مستقل دفتر اور عمارتیں تعمیر کر کے خدا کی راہ میں وقف کی گئیں۔

۳۔ اسلامی تہواروں کے علاوہ وقتاً فوقتاً پندرہ ہزار تبلیغی پوسٹر شائع کیے گئے۔

۴۔ "بیانٌ للناس" کے نام سے قرآن مجید کی ایک بہترین تفسیر شائع کی گئی۔

۵۔ مسلمانوں کی قومی اور ملی اصلاح کے لیے صدہا کتابیں مفت تقسیم کرائی گئیں۔

۶۔ صدہا روپے کے مصارف سے چار سالانہ جلسے منعقد کیے گئے، جن کے ذریعے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء نے مسلمانوں کو اپنے خیالات سے مستفید کیا۔

۷۔ ایک لائبریری قائم کی گئی جس سے بے شمار مسلمان علمی اور دینی فائدے حاصل کر رہے ہیں۔

۸۔ "مدرسہ تبلیغ القرآن" کے نام سے ایک قرآنی سکول جاری کیا گیا جس نے قدامت پرستی اور تقلید کے خلاف مسلمانوں میں قرآن پاک کے موحدانہ خیالات کی تبلیغ کی۔

۹۔ درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا گیا جہاں ہر روز صبح ایک گھنٹہ تک تفسیر و مذاکرہ رہتا ہے۔ دُور و نزدیک سے طلبائے قرآن اور بعض دوسرے احباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر مسئلے پر ایسی فراخدلی، تہذیب اور آزادی سے گفتگو ہوتی ہے جس کی مثال عام مجالس درس میں نہیں ملتی۔

اگر یہ تمام خدمات کسی بھی لحاظ سے آپ کے دل میں خدمت و اشاعتِ قرآن کا اشتیاق پیدا کر سکیں تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ براہِ کرم ہر ممکن تکلیف و ایثار گوارا کر کے **دفتر اُمّتِ مُسلمہ** کی مالی اور اخلاقی سرپرستی قبول فرمائیں۔ امداد کی صورتیں صرف تین ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ دو آنے ماہوار چندہ دے کر مجلس کے رُکن بن جائیں۔ دوسرے یہ کہ تین روپے سالانہ چندہ بھیج کر ماہ نامہ **البیان** کی اعانت کریں، تیسرے یہ کہ دفتر اُمّت مسلمہ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں خرید کر عامۃ المسلمین میں مفت تقسیم کریں۔

سکرٹری اُمّتِ مُسلمہ امرت سر

حوصلہ سے مقابلہ کرتے رہے اور پائے استقلال کو تیری دی ہوئی توفیق سے کبھی لغزش نہ آنے دی۔
پس ان کو وہ ابدی اور دائمی آرام گاہ عنایت فرما) کہ جس کا تو نے ان سے (مشروط) وعدہ فرمایا اور یہ
نیز کسی خاص قوم یا فرد کی بھلائی ہی میں نہیں لگی ہوئی، بلکہ جو بھی اس کی تحت آئے، مراد سے بہرہ ور
ہوگا۔ اے اللہ ان کو بھی اپنی بخشش سے حصہ دے) اور (اس پر بھی اپنی مہربانیاں اور رحمتیں نازل فرما)
جو صلاحیت والا ہو ان کے باپ (دادوں) سے اور ان کے جوڑوں اور ان کی اولاد سے (سب کو مغفرت
کر) اس طرح گویا یہ دعا سب کے لیے ہے۔ کوئی کسی کا باپ ہے اور کسی کا بیٹا، کوئی کسی کی عورت اور
کوئی کسی کا خاوند، کوئی بہن اور کوئی بھائی، غرض اس خیر خواہی سے کوئی نیک باہر نہیں رہ سکتا۔
مطلب یہ ہے کہ لوگ دنیا میں بھی ہوں تو کارکنانِ قدرت ان کی فلاح و بہبود کے طالب ہیں۔ غرض
لوگ اچھے بن کر رہیں اور نیک کام کریں تو تیرے وعدے پانے کے لائق ہوں۔ نہ کہ کسی کی شفاعت و
کفارہ یا کسی کی دعا کی وجہ سے خلاصی پاکر تیرے وعدہ کے مطابق نجات حاصل کریں۔ ہرگز نہیں کیونکہ
تیرا انصاف سفارش اور شفاعت کا متحمل نہیں ہے۔ اگر بدکردار توحید سے متنفر ہیں، تو اے خدا! تو کفر و شرک
سے اس سے زیادہ بیزار ہے اور کون تیری بیزاری کو دور کر کے تجھے خوش کر سکتا ہے، تیرے حکیمانہ کاموں
میں کسی کو دخل کی جگہ ہی نہیں، تیرے غلبے کے سامنے کوئی بھی دم نہیں مار سکتا، جیسا کہ کارکنانِ فطرت
بھی یہ کہتے ہیں کہ اے معبودِ حقیقی! اور عادل ازلی ابدی!) تحقیق تو (اے پروردگار) اصل غالب
(پورے پورے غلبے والا) اور حکیم (یعنی پوری پوری حکمتوں کا مالک ہے۔ تیرے کاموں میں ذرہ بھر غلطی
کا امکان بھی نہیں کیوں کہ تو الحکیم) ہے (کارکنانِ قدرت فرشتے وغیرہ نیکوکاروں کے لیے یہ بھی کہتے
ہیں کہ اے خدا ان پر مہربانیاں فرما کہ تیری توفیق سے نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت کریں)

(۹) وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ اور ان کو بری عادات سے بچائے رکھ اور جس کو تو نے (اے پروردگار!)

اس دن برائیوں سے بچا لیا، پس تحقیق اس پر تو نے بڑا رحم کیا (اور مصائب و عذاب کی طرح طرح
کی تکالیف سے بچانا اور انعام و اکرام کا ملنا کیا تھوڑی سی مہربانی ہے؟ جیسا کہ فرمایا) اور یہ بات
(یعنی تیرے رحم و کرم کا حاصل ہونا، حقیقتاً) وہ بڑا امراد کو پہنچنا ہے (بدیوں سے اپنے رحم کے ساتھ بچانا،

کیا یہ تھوڑی کامیابی ہے؟ غرض یہ بہت بڑی رحمت و رافت ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک دوسرے کے لیے دعا مانگنا بہتر ہے۔ انبیاء تک اس میں شامل ہیں اور ملائکہ بھی دعائیں کر رہے ہیں۔ ایسی دعاؤں کے لیے اذن کی شرط نہیں ہُوا کرتی۔

دوسرا رکوع | اب دوسرے رکوع میں عقبیٰ میں پہنچے ہوئے لوگوں کا ذکر ہے، جیسے ارشاد ہے کہ

(۱۰) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی الْاِیْمَانِ فَتَکْفُرُوْنَ ○ تحقیق جن لوگوں نے کفر، ناقدری و ناشکری

اور نہ سپردگی اللہ کی توحید سے بے رُخی اور بے التفاتی سے نفرت کا اظہار) کیا (وہ اپنے اپنے وقت پر پیشی کے دن) پکارے جاتے ہیں (اور ان کو کہا جاتا ہے کہ) جب تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے، تو خدا اس سے کہیں زیادہ بیزار ہوتا ہے، جس قدر (تم دین حق سے) اپنی بیزاری ظاہر کرتے تھے (یعنی کفر کرتے تھے۔ وہ نیکوکار، راست گو تو جنت میں ہیں اور تم مصائب میں مبتلا ہو، اپنی نفرت کا انجام دیکھو۔ تمہیں توحید سے بیزاری تھی، ہمیں شرک سے نفرت۔ اب کیا ہو سکتا ہے؟ اپنے اعمال بد کا ذائقہ چکھو۔ اب یہ حالات جب دیکھے گھبرائے اور بے سود چیخ پکار میں مصروف ہو کر خلاصی کا راستہ دریافت کرنے لگے اور)

(۱۱) قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ○ بولے، اے ہمارے ربوبیت کرنے والے (سچے معبود) مارا تُو

نے ہمیں دو مرتبہ اور زندہ کیا تُو نے ہمیں دو مرتبہ (دو موتیں اور ایک حیات تو .... ہم نے دنیا میں دیکھ لی اور ایک حیات آج یہاں عقبیٰ میں دیکھ لی، اگرچہ اپنے اوپر نہیں، مگر دوسروں کے اوپر تو حیات و موت وارد ہوتے دیکھتے رہے تھے پس، اے سچے خدا! تیرے وعدے بے شک ٹھیک اور صحیح ہیں، دو دفعہ مارا دو دفعہ زندہ کیا مگر اے پروردگار! ہم پر اب کرم کیجو اور کوئی خلاصی کی راہ نکالیو) پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ (بے شک ہم تیرے مجرم ہیں اور تیرے پیغام اور پیغامبروں کے مکذب تھے اور اپنے کئے میں پھنسے ہیں) پس کیا (اب کوئی) ہے راستہ (امن

جہنم کے عذابوں سے) نکلنے کا؟ (چاہتے ہیں کہ دنیا میں واپس جانے کا موقع ہو یا اور کوئی سبیل چھٹکارے کی ہو، مگر کہاں ہو سکتی ہے؟ دنیا میں انہیں کافی وقت دیا گیا، نیک و بد کا فرق بتایا گیا، پے در پے مصلحین بھیجے گئے، واضح دلایل اور روشن آیات نازل کی گئیں۔ گذشتہ منکرین حق کے انجام کے عبرت ناک مشاہدے کرائے گئے۔ جزا و سزا کے دن سے بیّن طور پر ڈرایا گیا، مگر ضد و شرارت، اندھی تقلید، بےجا تکبر، دنیا کا لالچ اور مال و دولت، اولاد، زیبی عیش و عشرت کے سامانوں میں ایسے مست و مغرور ہوئے کہ کبھی غور و فکر کرنے کا وقت ہی نہ نکالا۔ پس)

(۱۲) ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝ یہ (جہنم سے نہ نکلنا) اس واسطے ہے (یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ) جب اللہ اکیلے کو پکارا جاتا تھا (گذشتہ زمانہ کی یاد دلائی جاتی ہے کہ توحید کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ رہتا تھا کہ) تم (اس وقت) کفر (سخت ناقدری، ٹھٹھا، مذاق، پھبتیاں اڑایا) کرتے تھے (یہ تمہارا توحید سے بغض و عناد تھا۔ اور پھر تم کس چیز کو اس وقت اچھا جانتے تھے، سنو، اور اگر خدا سے شرک کیا جاتا تھا، تو تم مان لیتے تھے (اور بے دھڑک خدائے واحد کی نافرمانی پر تل جاتے تھے۔ اب بتاؤ حکومت کس کی ہے: تمہارے مزعومہ شرکاء میں سے کون ہے جو خدا کے سامنے دم مار سکے؟ ہرگز نہیں) پس حکم جو ہے، اللہ ہی کے واسطے ہے، جو سب سے اعلیٰ (اور سب سے) بڑا ہے (پس، حکم کبیر اور اعلیٰ کا ہونا چاہیے، نہ کہ کمزوروں کا) لہذا مومنو! ایسے حاکم پر پورا پورا توکل رکھنا ضروری ہے۔ مومن مستقل مزاج رہے، تو جو گم راہ ہیں، اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نتائج نکالنا صرف خدا ہی کا کام ہے۔ وہ اعلیٰ اور بزرگ ہونے کی سند دے رہا ہے کہ بھروسہ رکھنے والے کامیاب اور فائز المرام رہتے ہیں اور قانونِ حق سے منحرف ہونے والے، خائب و خاسر، ناکام و نامراد۔ دیکھو، اس کی سند کہ)

(۱۳) هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وہ وہی ہے (ذات پاک) دکھلاتا ہے اپنی نشانیاں (قرآن

سے پڑھ کر شمس وقمر اور ستارے اور دن رات کا اختلاف بتلایا' یہ سب آیات الٰہی ہیں۔ غور وفکر کرنے کو اس میں خدائے قدوس کی عظمت وجبروت، ہیبت وکبریائی نظر آتی ہے مگر غافل ان کی طرف توجہ دیئے بغیر ہی گزر جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ) اور اُتارتا ہے تمہارے واسطے بلندی سے رزق (جس سے تم اور دوسرے تمام جاندار کھاتے ہیں۔ وہ ذات ہماری جسمانی اور روحانی پرورش کس عالیشان نظم وترتیب سے کر رہی ہے۔ آسمان سے بعض ایسی چیزیں بھی اُترتی ہیں جو کھاد کا کام دیتی ہیں۔ محض بیجوں ہی سے پیداوار نہیں ہو سکتی' جب تک کہ اُن کی پرورش کے ضروری سامان بھی مہیا نہ ہوں۔ پھر غور کرو، تمہارے لیے چارپائے وغیرہ بنائے۔ اُن سے تم طرح طرح کی خدمات لیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی یہ نشانیاں دکھاتا ہے۔ تم کس کس نعمت کا انکار کرو گے اور ناقدردان بنو گے؟ سن رکھو کہ) نہیں نصیحت پکڑتا اس (اللہ کی مہربانیوں) سے مگر (وہی، جو) رجوع کرنے والا ہے (اللہ اکبر! کیسا عالیشان اور بے غلط نظم ہے کہ جس میں ذرا برابر بھی غلطی کا امکان نہیں' تو پھر تمہیں کیا کرنا چاہیے کہ اوروں کے دروازوں پر مارے مارے پھرا یا بلا شرکت غیرے صرف ایک مالک' خالق' رازق متصرف حقیقی اور ساری طاقتوں کے رکھنے والے رب العالمین ہی کو بھروسے اور توکل کے لائق جانو اور مانو۔ ایسے بدیہی دلایل کی موجودگی میں تو یہی لازم ہے کہ)

(۱۴) فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ پس پکارو اللہ (کامل مطلق) کو خالص کر کے واسطے اسی کی بندگی کے (اہل کفر وشرک کو توحید سے چڑ ہے، مگر تم موحد بنے رہو) اور اگرچہ کافر اس (توحید) کو بُرا (ہی) مانیں (تمہارا فرض ہے کہ ہر حال میں ثابت قدم رہو، کیا ہوا اگر ناشکر گذار اسے اچھا نہ سمجھیں؟ خدا کو توحید ہی پسند ہے۔ کفار حق سے بیزار، پرستار باطل سے متنفر۔ بس نتیجہ بھی خدا ہی ہر کام کا نکالتا رہتا ہے۔ وہ خود ہی ہر شخص کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دیتا رہتا ہے۔ وحی وتصرف اسی کے ہاتھ میں ہے' پس)

(۱۵) رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ○ درجوں کا بلند کرنے والا (خود بھی بلند

بلند درجے والا ہے۔ دونوں صفات اس میں شامل ہیں۔ لوگوں کو درجات دینا اور خود صاحب الدرجات ہونا یہ اکیلے خدا ہی کو شایاں ہے۔ دوسرے کسی کو نہیں، کیونکہ وہ خدا) حکومت کا مالک ہے (ہر شئے کے ضرے اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وحی بھی وہی کرتا ہے۔ دوسرا کون ہے جو دعویٰ کرے کہ میں وحی اتار سکتا ہوں۔ ایسا دعویٰ کرنے والا بہت بڑا ظالم شخص ہوگا۔ وہ خدا) اپنی مرضی سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، وحی بھیجتا ہے (وحی میں کسی کو ذرہ بھر اختیار نہیں ہے۔ پس جب محمد رسول اللہ صلعم پر وحی اُتر رہی تھی تو اس وحی کو کس لیے اُتارا گیا؟ ارشاد ہے) تاکہ خداوند کریم لوگوں کو (خدا کے سامنے حاضری کے دن سے (یہ پیش ہونا کب ہے؟ خود ہی فرمادیا کہ)

(۱۶-۱۷) يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۚ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ جس دن وہ نکل پڑتے ہیں (وہ نظارہ میں کچھ اور ہے روح ، نسمہ ظاہر و واضح ہوجاتا ہے۔ انسان کے سارے اعمال اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ یہ حالات کون پیدا کرتا ہے اور سب کچھ کون ظاہر و باہر کردیتا ہے؟ خدا اور صرف خدا! کیونکہ) اللہ پر ان کی کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہوتی (کتنا ہیبت ناک منظر ہے؟ انسان کے لیے بھاگ کر چھٹکارا پانے کی کوئی راہ نہیں۔ یہ نزع کا عالم ہے۔ فرشتے اشد العذاب کی طرف لے جارہے ہیں اور پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ) آج کس کی بادشاہی ہے؟ (صاف ظاہر ہے) اللہ اکیلے غالب کی (وہی ہر کام کا نتیجہ نکال کر کام کرنے والے کو اس کے اعمال کے مطابق جگہ دیتا ہے، یا کاموں کے مناسب حالت کردیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے) آج کے دن ہر نفس کو وہی ملیگا جو اس نے کمایا (اندھا دھند کام نہیں ہوتا) آج کے دن کوئی (بھی زیادتی اور) ظلم نہ ہوگا (خدا اپنے بندوں پر قطعاً ظلم روا نہیں رکھتا۔ لوگ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ پس اس موقعہ پر نہ کسی کے کہنے سننے سے خلاصی پاتا ہے، نہ عذاب میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ سب اپنے ہی کیے کا مزہ چکھتے ہیں اور اس کے لیے کوئی لمبا وقت مقرر نہیں ہے کہ کہیں کروڑوں صدیوں کے بعد پیشی ہو، ہرگز نہیں، بلکہ) تحقیق اللہ جلدی حساب لینے والا ہے (وہاں گننے اور اندازے لگانے میں مدت نہیں لگتی۔ سامنے جہنم ہے جو فوراً کھل جاتا

ہے اور علاج شروع ہو جاتا ہے۔ پس اے رسولؐ اور مبلغ قرآن تمہارا یہ کام ہے کہ (

(۱۸) وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝ اور ڈرا ان (مجرمین وغیرہ) کو مصیبت کے دن سے (وہ دن کون سا دن ہے؟ آپ ہی تفسیر بھی فرما دی کہ روح اور نسمہ کا اس بدن سے علیحدگی کا دن ایسا ہوگا) جب کہ دل حلق کے پاس اٹکنے والے ہوتے ہیں (نالیاں وباؤ سے اور غم سے پھانسی کا نقشہ پیش کر دیتی ہے۔ یہ دل) غم سے بھرے ہوئے (ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں مجرمین اور بدکار و مشرکین بے بس، بے یار و مددگار بغیر کسی حمایتی وغیرہ کے مصائب میں گھرے اور مشکلات میں پھنسے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ) ظالموں کے واسطے نہ کوئی دوست ہے (کہ بوجھ ہلکا کرائے) نہ (کوئی) شفیع ہے (جو اس مصیبت سے چھڑائے اور) جس کی (شفاعت) قبول کی جائے (ظالموں کا مددگار اور دوست ہیتی کون، جس کا کہا رد نہ کیا جائے؟ کیا کوئی ایسا ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے؟ شرم کا مقام ہے کہ لوگ غور نہیں کرتے کہ خدا اور پھر وہ کسی کی اطاعت کرے؟ وہ خدا جو دلوں کے رازِ نہاں کا پورا پورا واقف ہے، جس کے سامنے ظاہر و باطن یکساں ہیں، جس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں، جو انسان کے سدرِ مقام کے باریک سے باریک خیالوں اور وسوسوں سے بھی آگاہ ہے، کسی اور کو اپنے فیصلوں یا کاموں وغیرہ میں کس طرح دخیل بنا سکتا ہے؟ پھر یہ لوگ کدھر بہکے جا رہے ہیں؟ الغرض وہ خدا ایسا ہے کہ وہ)

(۱۹) يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ جانتا ہے، آنکھوں کی خیانتوں (یعنی ہر طرح کی بدنظری) کو (اور پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ) اور جو کچھ چھپاتے ہیں سینے (پھر ایسے باریک بین اور علیم کل کے سامنے کون ہے جو دم مار سکے؟ کوئی ہے جو ایسا غیب دان، کلی اختیار والا پوری قدرت و طاقت کا مالک ہو۔ کیا پھر یہ موٹی سی بات بھی نہیں جانتے۔ خوب جانتے ہیں، مگر توحید کی ضد میں عناد و شرارت سے شرک کا یہ ڈھونگ رچایا جاتا ہے اور فطری آواز کو بزور دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہر متنفس کو فجور و تقویٰ کا طبعی الہام کیا ہوا ہے، اس لیے

یہ لوگ اپنی لاعلمی کا بے سود عذر کرکے عذابِ خداوندی سے خلاصی نہیں پاسکتے۔ ہاں سچی توبہ کرکے نادم ہوں اور ایمان لاکر اعمالِ صالحہ کرکے ایمان کا ثبوت پیش کریں، تو پروردگار معاف فرمادیتا ہے۔ وہ بڑا منصفانہ فیصلے دینے والا ہے، اس کے ہاں کوئی ناانصافی نہیں کہ صالح اور غیر صالح کو ایک ہی چکی میں پیس ڈالے۔ پس اس صورت میں انسان کو لازم ہے کہ نیک بننے کی کوشش کرے، خدا سے صراطِ مستقیم پہ چلنے کی توفیق مانگتا رہے اور شرک سے بچا رہے۔ آخر میں ہر ایک کو خدا ہی سے سابقہ پڑنا ہے، پس اسی کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرو، خدا ہی کو کافی سمجھو۔ اس کے سوا کوئی بھی وہاں کسی کے کام آسکتا ہے، نہ آئے گا، عالمِ آخرت کے واسطے یہیں سے زادِ راہ بھیجو۔ من دون اللہ سے کوئی امید نہ رکھو، نہ اس کے سوا کسی پر بھروسہ رکھو۔ اُس معبودِ مطلق کو کافی جانو، دوسرے تمام سہارے تارِ عنکبوت سے بھی بودے ہیں بلکہ یکسر بے کار اور عذاب کا موجب بن جاتے ہیں۔ شفاعت اور سفارش اور کفارہ وغیرہ دربارِ خداوندی میں بے کار اور باطل محض ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اور کیسا واضح اور زوردار فرمان ہے کہ،

(۲۰) وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ اور اللہ (کامل مطلق ذات بلا شرکت غیرے) حق کے ساتھ (بے غلط) فیصلہ دیتا ہے اور اس (کامل مطلق) کے علاوہ جن کو یہ (مشرک اور کافر) لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں دے سکتے (وہ تو بے خبر اور لاعلم ہیں، علانیہ اور پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہی حقیقی فیصلے دے سکتا ہے اور مناسب بدلہ دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کون ہے، جو قضا بالحق کا دعویٰ کرے؟ مشرکین مکر و فریب سے اپنے شرک کو قائم رکھنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں، مگر یاد رکھیں کہ سخت مصائب میں ڈالے جائیں گے، کیوں کہ خدا تعالیٰ کا ہمیشہ ہی سے یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ مجرموں کو اُن کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ تو کیا اب اس کی یہ سنت ان کے لیے بدل جائے گی؟ کوئی ہو، کسی زمانے میں ہو، خدائے علیم و بصیر ایک ایک کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکتوں کا بھی علم رکھنے والا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ) تحقیق اللہ (کامل مطلق) وہی ہے (اور کوئی بھی یہ صفات نہیں رکھتا) اصل سننے والا اور اصل دیکھنے والا (ایسے حاکم سے بغاوت اور پھر انجام سے غفلت کرنا، اپنی ہلاکتوں کو خود دعوت

دینے کے برابر ہے۔ جب اس کی گرفت سامنے آتی ہے، تو کوئی چیز بھی اسے روک نہیں سکتی، نہ طاقت، نہ جتھے بندی اور نہ قلعوں کی مضبوطی اور نہ فوجوں کے لشکر۔ کوئی بھی دنیوی طاقت اس عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ انسان دیکھنا چاہے، تو عذاب خداوندی کی نشانیاں، کھنڈروں کی صورت میں، زمین پر ہر جگہ بکھری ہوئی نظر آئیں گی۔ ان کے مشاہدے سے وہ ظالموں کے انجام کو سمجھے گا، اس سے عبرت پذیر ہوگا، جیسے ارشاد فرمایا)

(۲۱) اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ؀ کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی، پھر اُن (ظالم) لوگوں کا جو ان (کفار) سے پہلے تھے، وہ ان سے قوت (وجمیعت) اور زمین میں آثار (یعنی نشانات، مثلاً آبادیاں بنانے) کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے (آج اہل عالم کی عبرت کے لیے اُن کے تمام نشانات کھنڈروں کی صورت میں باقی رہ گئے ہیں۔ کوئی چیز ان کو عذاب خداوندی کے مقابلہ میں کام نہ آئی اور اُن کے تمام سامان بے کار محض ثابت ہوئے۔ یہ تباہیاں اور بربادیاں اُن پر بے وجہ نہیں آئیں جیسا کہ فرمایا) پس پکڑا اللہ نے (ظالموں) کو ان کے گناہوں کے سبب (پرؔوہ قلعے، وہ بڑے بڑے محل اور دوسری عمارات جن پر وہ ناز و تکبر کرتے تھے، کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ فسق و معصیت کی زندگی میں یہ سامان کیا کام آسکتے ہیں؟ یہ ظلم اور بے سبب طاقت کا اظہار آخرکار رنگ لایا اور وہ دنیا کی رسوائی والے عذاب سے علاج کے لیے جہنم کے شفاخانہ میں پہنچائے گئے، جہاں بڑی تکلیف دہ چیزوں سے یہ روحانی زنگ اتارا جاتا ہے۔ تو جب بات یہ ہے، تو انسان کس طاقت اور سر و سامان پر غرور کرے؟ دراں حالیکہ خدا کی گرفت کے وقت اسے کوئی بھی چارہ ساز میسّر نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے) اور ان (شریر جماعتوں) کو کوئی بھی اللہ سے بچانے والا نہ تھا (جب جبر مذہبی، تکبر اور احکام خداوندی سے بے نیازی ہو اور بڑی شد و مد سے کفر و شرک کی راہ اختیار کی جائے، موحدین کو طرح طرح کے آزار پہنچائے جائیں اور ان کے راستے روکے جائیں، شیخی اور بڑائی اور تکبر کیا جائے اور عاجز مومنوں کو صرف توحید پرست ہونے کی بنا پر ستایا اور سخت تنگ کیا جائے

[illegible]

سیرت محمدی کی ایک بے مثال کتاب

مصنفہ علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک بے مثال تصنیف ہے۔ مصر کے [illegible]
اس لیے لکھا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں [illegible] وقت [illegible]
ہاتھوں ہاتھ بک گئیں اور [illegible] ختم ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ شائع ہوا [illegible]
ہوا۔ اب دفتر [illegible] امرتسر نے زندگانی محمد کے عنوان سے اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید
کی ترتیب اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیے گئے
ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانی محمد ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت ہز ہائینس نواب بہاولپور)

۲۔ زندگانی محمد کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پر ہے۔ میں نے اس کتاب کو بڑے شوق سے پڑھا اور دل خوش ہوا۔ (سر [illegible])

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔
(مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانی محمد) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاہد)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ از بس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ
ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے جو اس جامعیت اور اختصار کے
ساتھ [illegible] (مسلم [illegible])

[illegible]

ملنے کا پتہ: دفتر [illegible] امرتسر پنجاب

تفسیر بیانٌ لِلنّاس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن جب تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر، تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (اِلّا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے) آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اُس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و حکمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد علم متشابہ قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی فطرت کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

۶۔ قانونِ وراثت کا احیاء

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز، کتابت وطباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کی قیمتیں نہایت مختصر یعنی: منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (سے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ: دفتر اُمّتِ مُسلمہ امرتسر پنجاب

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

البیان

اُمّتِ مُسلِمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

"براہین وحی"

مرتبہ

محمد حسین عرشی ——— محمد اقبال سلمانی

نیاز فتح پوری نے اپنے رسالہ "نگار" میں چند مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے۔ چوں کہ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف ہے اور اسے تسلیم کر لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اس لیے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء اور اہل فکر و تحریر مسلمانوں نے نہایت مدلل اور کامیاب مضامین لکھ کر اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ "براہین وحی" ان ہی مبارک مضامین کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے آپ اس بے نظیر کتاب میں علامہ اقبالؒ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرت سری، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد اویس نگرامی، ڈاکٹر تاثیر، ڈپٹی سید مقبول احمد بی اے اور حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے بلند پایہ محققانہ مضامین یک جا پائیں گے۔ ان مقالات میں بے شمار نقلی، علمی اور تاریخی حقائق سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہر لحاظ سے، ہر پہلو سے ایک زندہ جاوید الہامی کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں محمد اقبال صاحب سلمانی کے قلم سے ایک نہایت بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے اور نیاز صاحب کے وہ تمام مضامین بھی، جن کے جواب میں یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال، مولانا تمنا عمادی، حضرت اسد ملتانی اور حضرت عرشی امرت سری کی بلند پایہ نظموں نے بھی کتاب کو زینت بخشی ہے۔ یقین کیجیے کہ دنیائے اسلام کی پوری تاریخ میں "براہین وحی" اپنے موضوع و ترتیب کے لحاظ سے پہلی کتاب ہے اور اپنے اندر ان تمام دلوں کی تسکین کا سامان رکھتی ہے جو قرآن مجید کو علم و تحقیق کی روشنی میں ایک آسمانی کتاب سمجھنا چاہتے ہیں۔

ملک کے تمام بڑے بڑے دینی اور علمی رسائل بڑی عزت اور مسرت کے ساتھ براہین وحی کا استقبال کر چکے ہیں۔ معارف، صدق اور ندیم جیسے موقر جرائد نے قرآن پاک کی اس مبارک خدمت پر نہ صرف تبصرے ہی لکھے، بلکہ اپنے افتتاحیہ مقالوں میں بھی اس کو خراج تحسین ادا کیا اور بالاتفاق اسے مسلمانان ہند کی ایک بہت بڑی خدمت قرار دیا۔ ہر مسلمان کے پاس، بالعموم اور ہر مبلغ قرآن کے پاس بالخصوص "براہین وحی" کا ایک ایک نسخہ ضرور موجود ہونا چاہیے۔ یہ حسین جمیل کتاب ۲۰×۲۶/۸ سائز کے سفید چکنے کاغذ پر، نہایت عمدہ کتابت اور طباعت کے ساتھ، ۱۸۱ صفحوں پر شائع ہوئی ہے۔ قیمت عہ مع محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمّتِ مُسلمہ امرت سر (پنجاب)**

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۴ | اپریل ۱۹۴۲ء مطابق ربیع الاوّل ۱۳۶۱ھ | نمبر ۴

فہرست مضامین

(محمد حسین ایڈیٹر، پبلشر، پرنٹر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر سے چھپوا کر دفتر اُمّت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا)

شذرات

بہائیت اور اسلام | جب حضرت ابراہیمؑ کا نعرۂ توحید بلند ہوا تو بادشاہ وقت کے بھی کان کھڑے ہوئے کیوں کہ اس سے "آسمانی حقوقِ حکومت" (Devine Rights of Kings) خطرہ میں پڑ گئے، بادشاہ چوں کہ سورج اور چندر بنسی تھے۔ جب ان آسمانی دیوتاؤں کی ہستی ہی "آفلین" کی ذیل میں آتی ہو تو راجے مہاراجے جو ان کے اوتار تھے اور ان سے اپنا حقِ حکومت اخذ کرتے، ایسے ہی مخلوق فانی بشر رہ گئے، جیسے کہ ان کے پوجاری تھے، حضرت ابراہیمؑ نے ان تمام بتوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا جو نہ صرف سنگ وخشت سے تراشے گئے تھے بلکہ وہ بھی جو ملک خدا اور بندگانِ خدا میں علو اور برتری کا دم بھرتے تھے، وہ "نرکلنک" بے عیب، معصوم عن الخطا اور کسی نہ کسی آسمانی دیوتا کی اولاد سمجھے جاتے جو زمین پر حکومت کرتے ہیں، زمین آسمان کے نیچے ہے اور اہل زمین آسمانی دیوتاؤں کے بندے، ایام جاہلیت یا ازمنۂ تاریک (Dark ages) میں ایسی شخصیتیں ممتاز نظر آتی ہیں جن کا حقِ حکومت موروثی تھا لیکن انسانی ذہنی ارتقاء کے ساتھ شخصی حکومت رفتہ رفتہ جمہوریت میں منتقل ہوتی گئی اور وہ "ملوکیت" جس کی ظلق العنانی ازمنۂ تاریک ہی کے مناسب تھی، ختم ہو گئی۔ کارلائل اپنی مشہور کتاب "مشاہیر پرستی" (Hero worship) میں آں حضرتؐ کی سیرت کے ضمن میں لکھتا ہے کہ آں حضرتؐ نے پہلی دفعہ عالم انسانی میں اعلان کیا کہ "ہیرو" خواہ کتنی عظیم الشان شخصیت ہو، بشر سے بالاتر نہیں ہو سکتا اور آج ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ کیا معاصرین کسی "ہیرو" کو دیوتا اور دیوتا کا اوتار اور مظہرِ الوہیت یقین کرتے تھے؟ بہرحال آں حضرتؐ کے بعد نہ تو کوئی شخص دعویٰ الوہیت کرے گا اور نہ کوئی ایسے دعویٰ پر ایمان لائے گا۔ کارلائل کو کیا معلوم تھا کہ ازمنۂ تاریک کی یادگاریں ابھی باقی ہیں، بالخصوص عجمی ذہنیت کی بوالعجبی تاحال ابتدائی شان میں جلوہ فرما ہے۔ بہائی ماہوار میگزین "پیامبر" (نئی دہلی) بابت ماہ فروری ۱۹۴۲ء میں مدیر نے آیہ "وجوہ یومئذ ناظرۃ الیٰ ربھا" کی تفسیر کرتے ہوئے یہ فقرہ چست کیا ہے کہ "خدا کا دیکھنا اس عالم امکان میں اس ذریعہ سے ہوتا ہے کہ انسان خدا[1] کے مظہر ظہور کو دیکھے، چنانچہ ہزارہا نفوس مقدسہ نے جلوہ جمال الٰہی

---

[1] بہائیت کا نظریہ یہ ہے کہ ہر ایک رسول رب ہے اور اس کی اُمت مربوب، لیکن قرآن کا ارشاد اس بارہ میں بالکل صاف ہے کہ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ (۳: ۷۹)، اب جب کہ عالم انسانی شجر و حجر اور بندوں کی بندگی سے آزاد ہو چکا ہے اور غیر اللہ کی عبودیت کا طوق اتار چکا ہے اور اغلال اور سلاسل سب ٹوٹ چکے ہیں، بہائیت پھر اسے جکڑ کرنا چاہتی ہے۔ ع برو ایں دام بر مرغ دگر نہ

حضرت بہاؤاللہ کے چہرہ نورانی کے ذریعہ مشاہدہ کیا، کیوں کہ خداوند عالم ظہر بمظہر نفسہ اپنے مظہر مقدس کے ذریعہ ظاہر ہوا۔" جب مقدس پولس نے جو مسیح کا نہ شاگرد تھا اور نہ بالواسطہ مسیح کی تعلیم سے واقف ہوا۔ اپنی لفظوں میں مسیح کو الوہیت اور ربوبیت کا درجہ دیا تو مقدس یوحنا جو اس وقت زندہ تھے، سخت برافروختہ ہوئے اور اپنے دوسرے مکتوب میں پولس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ جس دجال کی نسبت پیش گوئی مشہور ہے وہ یہی شخص ہے جو مسیح کو الوہیت کا درجہ دیتا ہے"۔ پولس نے مسیحیت جو خود اس کی اختراع تھی، غیر بنی اسرائیل رومیوں اور یونانیوں میں جو امم آریہ ہیں شائع کی، ان کی "مائی تھولوجی" پہلے ہی بے شمار مظاہر الوہیت کی حامل تھی، مسیح کو خدا یقین کر لینا کچھ مشکل نہ تھا، لیکن یہودی جن میں سے خود مسیح اور حواریان مسیح تھے، اس مشرکانہ عقیدہ سے ہمیشہ بیزار رہے، اس لیے پولس کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ شریعت موسوی کو جس کے تابع مسیح تھے، "عہد عتیق" کہہ کر منسوخ قرار دے اور "عہد جدید" پیش کرے جو الوہیت مسیح سے شروع ہوا، اس لیے اس نے اعلان کیا کہ اعمال شریعت کے احکام کی تعمیل ہیں، چوں کہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے اس لیے اعمال کی ضرورت نہیں، صرف "ایمان" کافی ہے اور جو شخص مسیح پر ایمان لائے نجات پائے گا"۔ اس کا جواب مقدس یعقوب (۲/۱۸) نے خوب دندان شکن دیا کہ میں اپنا ایمان اپنے اعمال سے دکھاتا ہوں تو اپنا ایمان بلا اعمال دکھلا اور آخر میں لکھا کہ "اے نکمے آدمی اب تجھے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ایمان بلا عمل مردہ ہے"۔ پولس کس قماش کا آدمی تھا، خود اس کے اپنے الفاظ میں سنیے:

"اگرچہ میں تمام آدمیوں سے آزاد ہوں، لیکن میں نے اپنے آپ کو سب کا خادم بنا رکھا ہے اور غرض یہ ہے کہ سب کو اپنی طرف کھینچ لاؤں، یہودیوں میں یہودی بنا تاکہ یہود کو کھینچ لاؤں اور اہل شریعت میں مثل اہل شریعت اور بے شریعتوں میں بے شریعت اور یہ سب کچھ انجیل کی خاطر کر رہا ہوں"۔ (نامہ اول بنام قرنتیاں ۹/۹-۲۳)

پولس کا نظریہ عمل یہ ہے کہ "جائز مقصد کے لیے ناجائز وسائل استعمال کرنا جائز ہے"۔ چنانچہ ایک دفعہ یہودیوں کے مجمع میں فریسیوں اور صدوقیوں میں فتنہ برپا کروا دیا، موخرالذکر تجلیات حشر و نشور کے قائل نہیں، ایک افسر کو یہ کہہ کر مرعوب کیا کہ میں پیدائشی رومی ہوں، غرض مقدس کذب یا دروغ مصلحت آمیز شرع پولس میں جائز ہے۔

ملت بہائیہ عین مقدس[1] پولس کی ذہنیت کو لیے ہوئے ہے؛ اسلام کو "نظام قدیم" اور بہائیت کو "نظام جدید" کہتی

---

[1] پولس اپنے آپ کو "عبد مسیح" کہتا ہے اور بہائیت "عبد البہا" بھی ہے۔ معلوم نہیں، ان مشرکین کا اللہ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ "عبودیت" کا تعلق تو نہیں رہا۔

ہے۔ بہائی یہودیوں میں یہودی، نصاریٰ میں نصاریٰ، مسلمانوں میں مسلمان، زرتشتیوں میں زرتشتی اور ہندوؤں میں ہندو اہل شریعت میں اہل شریعت اور دین داروں میں دین دار، بے دینوں میں بے دین۔ کیوں کہ خود بہاء اللہ ان لوگوں کو ہدایت فرما چکے ہیں کہ "اے قوم! سب اہل مذاہب کے ساتھ مل جل کر یعنی خوشی سے زندگی بسر کرو۔ اے تمام عالم کے لوگو! تم سب[1] ایک ہی درخت کے پھل اور ایک ہی شاخ کے پتے ہو" (پیام مہر فروری ۱۹۴۲ء)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہائیت لہو ولعب ہی ہے، سب اہل مذاہب کے ساتھ مل جل کر خوشی سے زندگی بسر کرنا، اسی حالت میں ممکن ہے جو مقدس پولوس کی تھی، دین تو ایک ہی ہے اور کل کائنات کی فطرت میں ودیعت ہے، "له اسلم من فی السموٰت والارض" لیکن "مذاہب کیا ہیں؟ دین کے متعلق شخصی نظریے ہیں، یا تو بہائیت کا اپنا کوئی نظریہ دین کے متعلق نہیں، یا وہ ہر ایک نظریہ کو صحیح تصور کرتی ہے، خواہ اس کا اپنا بھی کوئی نظریہ ہو اور عملاً یہ ایک بے معنی فقرہ ہے کہ بہائیت سب اہل مذاہب کے ساتھ مل جل کر یعنی خوشی سے زندگی بھی بسر کرے اور ان کو دعوت بہائیت بھی دے، کیا اس طرز عمل کا منشا، بھی حضرت پولوس کا تو نہیں کہ "سب کو اپنی طرف کھینچ لاؤں" یہاں تک کہ سب مذاہب بہائیت میں جذب ہو جائیں۔ چوں کہ بہائیت کا بھی نظریہ عمل مقدس پولوس کے مشابہ ہے اس لیے جائز و ناجائز کا سوال ہی شریعت بہائیہ نے اٹھا دیا، لیکن قرآنی ہدایت بالکل واضح ہے کہ محض اختلاف رائے کوئی معقول وجہ مخاصمت نہیں، اس لیے اس کے ہوتے عالم انسانی کو "مودۃ فی القربیٰ" جو فطری جذبہ ہے برقرار رکھنا چاہیے اور ہر ایک انسان کو اپنے ہم جنس سے انسانیت کے شایان سلوک کرنا چاہیے، رہا دین کا معاملہ "لکم دینکم ولی دین" میرا عمل میرے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے۔ بہائیت کا ادعا یہ ہے کہ حضرت بہاء اللہ کی بعثت کی غرض عالم انسانی کے تمام اختلاف مٹانا ہے، جب یہ غرض پوری ہوگی، زمانہ دیکھ لے گا، البتہ یعنی خوشی سے مل جل کر زندگی بسر کرنا اور بات ہے۔ اور معاملات دین کی اہمیت کا تقاضا کچھ اور ہے، مسلمانوں اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں "کلمہ توحید" ایک ہی ہے اور قرآن انہیں دعوت اتحاد و وحدت اس شرط پر دیتا ہے کہ بعض بعض کو "ارباباً من دون اللّٰہ" نہ ٹھہرائے، وہ اپنے آپ کو یہود و نصاریٰ و صابی و مجوس وغیرہم سے تعبیر کریں، لیکن اللہ اور یہم

---

[1] درخت اور اس کا پھل اور شاخ کے پتے ایسی مثال ہے جو عالم انسانی پر چسپاں نہیں ہوتی اور جو بات وہ پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ بات اس مثال میں نہیں۔ صحیح اور بہتر مثال وہی ہے کہ "بنی آدم اعضائے یک دیگر اند" یعنی عالم انسانی ایک جسم کی مانند ہے جس کے مختلف اعضاء مختلف قومیں ہیں۔ اگر ایک عضو کو درد محسوس ہو تو دیگر اعضاء میں ہمدردی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

آنحضرت پر ایمان لائیں اور اس کے مناسب نیک عمل کریں تو اصولاً کوئی اختلاف فی الدین نہیں، لیکن اصولی اختلاف رکھتے ہوئے تمام اہل مذاہب کے ساتھ مذہبی زندگی یعنی خوشی مل جل کر بسر کرنا اصول دین کا مضحکہ اڑانا ہے۔ قرآن اہل کتاب کو وحدت اتحاد دیتا ہے لیکن کفار اور مشرکین سے تعاون فی الدین ممنوع ہے۔

اتحاد اور وحدت عالم انسانی نہایت خوشنما تمنا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ممکن العمل بھی ہے؟ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک پسندیدہ تجویز اور دل لبھانے والے توقعات جو عموماً القاء شیطانی ہوتے ہیں، عملاً کامیاب بھی ہوں، بلاشبہ عالم انسانی کی پیدائش "نفس واحدہ" سے ہوئی اور فطرۃً وہ "اُمت واحدہ" ہے، لیکن اس کی رنگتوں اور بولیوں میں اختلاف بھی فطری ہے، عالم انسانی کا دین الفطرت بھی ایک ہی ہے اور اسی پر اتحاد اور وحدت کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے اور یہی وہ مستحکم بنیاد یا اصل اصول دین ہے جس کی تفصیل قرآن میں اور صرف قرآن میں ہے، "رحمۃ للعالمین" کی بعثت کا منشاء واضح ہے، بہائیت نے "اختلاف الوان" کو تو نظر انداز کر دیا ہے لیکن ایک پسندیدہ تجویز زبان خصوصی اور لسان عمومی مفروضہ اتحاد و وحدت کا جزو بھی ہے، زبان خصوصی تو موجود ہی ہے اور ابتدا میں یہی لسان عمومی تھی، جو خصوصی زبانوں میں تقسیم ہو گئی، اور اگر اب کوئی لسان عمومی بہائیت اختراع بھی کرے تو اس کا چہرہ بھی زبان خصوصی کی طرح ہوگا، یہ اور تمام نظریے جو "من دون اللہ" ہیں، ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے، حضرت بہاء اللہ نے "لسان عمومی" عربی منتخب کی اور ذہنیت عجمی ہی رہی۔

اس اتحاد و وحدت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بہائیت ہر ایک بات میں خصوصیت پیدا کرنا چاہتی ہے۔ مثلاً مذاہب خصوصی بھی ہوں اور ایک مذہب عمومی بھی ہو۔ مذاہب خصوصی تو موجود ہی ہیں جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ محض بشری نظریے ہیں، دراصل دین ایک ہی ہے اور یہ عنداللہ اسلام ہے جو صرف اللہ تعالیٰ حیّ قیوم سے وابستہ ہے، مذاہب خصوصی بشری شخصیت سے جیسا کہ مسیحیت اور بہائیت ہیں، ملک سے جیسا کہ "ہندوازم" ہے، قومیت سے جیسا کہ یہودیت ہے، وابستہ ہیں اور بشری نظریوں میں اختلاف کثیر واجب ہے لیکن دین اللہ میں اختلاف ممتنع ہے، یہ عجیب بات ہے کہ مذاہب میں اختلاف بھی برقرار رہے اور طفل تسلی یہ ہو کہ کوئی اختلاف نہیں، صبح ازل اور شام ابد بھی ہوں اور اختلاف لیل و نہار کا انکار ہو۔ سبع سمٰوات اور سبع طرائق اور سبعاً من المثانی سے سات دائمی شریعتیں مراد ہوں اور آٹھویں شریعت بہائیہ جو غالباً مذہب عمومی ہے اور سب مذاہب میں امر مشترک ہے۔ کیوں کہ سب اہل مذاہب سے مل جل کر ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا انہی معنوں میں ہو سکتا ہے کہ "با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد"

یہ سوفسطائی طرز استدلال ہے کہ سات شریعتیں محکم یعنی دائمی صداقت بھی تسلیم کی جائیں اور انہیں منسوخ

بھی قرار دیا جائے۔ اختلاف مذاہب عالم جو سات مختلف شریعتوں کا لازمی نتیجہ ہے، قائم بھی رہے اور اتحاد مذاہب بھی ہو، اگر یہی کچھ آٹھویں شریعت ہے اور اس کے بعد ہیں اور شریعتوں کے لیے بھی منتظر رہنا چاہیے تو بہائی لغت میں اختلاف کا مفہوم وہ نہیں جو ہم سمجھتے ہیں اور اتحاد اور وحدت کے وہ معنی نہیں جو معروف ہیں، بہائیت کل کی پیدائش ہے اور اس میں بھی اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ جو لوگ عملی زندگی سے واقف نہیں، خیالات کی دنیا میں دل بہلانے والی تجویزیں کرتے ہیں۔

سبع سموات وغیرہ | ہم نے (البیان بابت ماہ مارچ ۱۹۴۲ء) میں لکھا تھا کہ بہائیت کی تاویلات کچھ بہائیت کی جدت نہیں، اس سے بہتر تفسیر سبع سموات وغیرہ متقدمین کر چکے ہیں۔ بالاختصار ہم اُردو میں بعض اقتباسات کا ترجمہ کرتے ہیں:

تصوف کا تو موضوع ہی ستۃ ایام، سبع سموات، عرش و کرسی، سبع مثانی، سبع طرائق، معراج ہیں۔ سبع سموات سے مراد سات عالم ہیں جو "سبع امہات اسماء" حیؒ، علیمؒ، سمیعؒ، مریدؒ، قدیرؒ، بصیرؒ، کلیمؒ کی ربوبیت کے مقتضی ہیں، ان کی تشریح ہم چند لفظوں میں کرتے ہیں:

۱۔ "احدیت"۔ یہ مرتبہ ذات ہے جو اسماء و صفات سے منزہ ہے۔ اس لیے اسے مرتبہ "لاتعین" بھی کہتے ہیں جو کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" کا مفہوم ہے، ذات کو کسی اسم سے موسوم کرنا کسی وصف کی وجہ سے ہوتا ہے اور وصف اور صفت سے موصوف کا حال فہم میں آتا ہے لیکن ذات "برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم" ہے اور جب تک ذات اسم و صفت سے مشخص و معین نہ ہو تو اس کے متعلق کوئی خیال و قیاس نہیں ہو سکتا۔ جناب بلھے شاہؒ قصوری پنجابی زبان میں فرماتے ہیں:

"جد احد اِک اکلا سی، نہ رب رسول نہ اللہ سی، نہ ظاہر کوئی تجلی سی، ہن گوناگوں ہزار ہن میں کھیا سوہنا یار"

یعنی جب احد اسماء و صفات سے منزہ تھا تو کسی اسم رب یا رسول یا اللہ سے موسوم نہ تھا اور نہ کوئی تجلی اسمائی و صفاتی ظاہر تھی، لیکن اب بے شمار اسماء و صفات کی تجلیات نے کثرت پیدا کر رکھی ہے اور اب مجھے بھی اس جمال حقیقت کا جلوہ معرفت مشاہدہ ہو رہا ہے۔

۲۔ "وحدت"۔ اس مرتبہ میں ذات اسم اللہ سے موسوم ہے اور سبع امہات اسماء و صفات سے مجملاً مشخص و معین ہے، اس لیے اسے "تعین اول" اور "حقیقۃ الحقائق" اور "مقام محمود" بھی کہتے ہیں، یہ وہ انتہائی مرتبہ معرفت ہے جو آں حضرتؐ کو حاصل تھا، چوں کہ اس سے بالاتر مرتبہ "ذات بحت" ہے جو غیب الغیب ہے، جہاں تمام اشارات

منقطع ہیں اس لیے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ ما عرفناک حق معرفتک

۳۔ "واحدیت"۔ یہ "تعین ثانی" سے موسوم ہے، اس میں حضرت وجود تمام اسماء و صفات مفصلاً ظاہر ہوا، ہر ایک "اسم" رب ہے اور مربوب کے ظہور کا تقاضا کرتا ہے، مثلاً خالق رب ہے مخلوق کا وغیرہ۔

یہ تینوں مراتب علمی ہیں، ان کے مقابل تین اور مراتب ہیں جو "عینی" کہلاتے ہیں۔

(۴) عالم روح (۵) عالم مثال (۶) عالم اجسام اور ساتواں عالم انسان جو اول الذکر چھ مراتب کا جامع ہے۔ چوں کہ حکماء کے نزدیک "معرفت" "امثال" سے اور اہل کشف کے نزدیک "عینیت" سے حاصل ہوتی ہے اس لیے جسم انسانی میں بغرض معرفت ان تمام عوالم کی مثل یا عینیت ہونی چاہیے، اس اصل اصول کی بنا پر علامہ محمود شبستریؒ صاحب گلشن راز نے جو کچھ نظم میں لکھا ہے اس کا ترجمہ ذیل میں ہے:

اہل کشف کے نزدیک تمام کائنات کتاب حق تعالیٰ ہے، عرض اعراب اور جوہر حروف کی مثل ہیں اور پھر مراتب آیات و وقوف ہیں۔ پہلی آیت "عقل کل" ہے کہ اس میں بائے بسم اللہ ہے، دوسری "نفس کل" آیت نور ہے کہ خانہ آفتاب میں مصباح ہے۔ تیسری عرش رحمان، چوتھی آیت الکرسی اور اس کے بعد اجرامؔ سماوی کہ ان میں سورہ سبع مثانی ہے۔ عناصرؔ میں نظر کرو، ان میں سے ہر ایک آیت مبین ہے۔ عناصر کے بعد طبقاتؔ ثلاثہ جمادات و نباتات و حیوانات جن کی تفصیل ہو نہیں سکتی۔ سب سے آخر نفس انسانی ہے اور "ناس" پر قرآن ختم ہوتا ہے تمام کائنات کو اپنے اندر مشاہدہ کرو جو آخر ہے وہ سابق ہے، علت غائی آخر ہی ہوتی ہے، انسان اگرچہ خاک کا پتلا ہے لیکن فلک چہارم سے آفتاب کی شعاع خاک پر ہی منعکس ہوتی ہے، آئینہ کی پشت مکدر نہ ہو تو روئے آئینہ میں عکسی شخص نہیں ہوسکتا، اس لیے تو ملائکہ کے معبود کا سایہ ہے، یہی وجہ ہے کہ تو مسجود ملائک ہوا۔

شرح فصوص الحکم کے دیباچہ میں شارح حدیث ان فی جسد آدم لمضغۃ الیٰ اٰخرہٖ کی تفسیر اس طرح کرتا ہے۔ (اُردو ترجمہ)

"جسم میں سات مراتب مذکور ہیں، ان میں ہر ایک بجائے فلک ہے، جب تک کوئی براق جسم پر سوار نہ ہو اور اس کی تفصیلات سے آگاہ نہ ہو، کبھی بیت مقدس آسمان اول پر پہنچ سکتا ہے اور مضغۂ قلب آسمان دوم پر جا سکتا ہے اور مقام فؤاد اور عالم مثال آسمان سویم کی سیر نہ کرے اور مقام روح آسمان چہارم پر نہیں پہنچ سکتا اور مقام سیر عالم اعیان آسمان پنجم اور مقام خفی آسمان ششم جن سے اسماء و صفات مراد ہیں اور تفصیل اسم رحیم ہے اور مقام اخفیٰ آسمان ہفتم جس سے مراد اسم رحمٰن ہے، طوبیٰ

پر نہیں پہنچ سکتا جو کمال ایمان ہے۔ اس کے بعد مقام ذات ہے اور بعد آسمان ہشتم "انا" ہے اور کمال معراج ممکنہ اسے حاصل ہو سکتا ہے جو اتباع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہاں تک پہنچے۔ سالک کی سیر سلوک یا معراج انہی اعلیٰ مراتب کی طرف ہے۔

قیامت اور حشر و نشور اور خلق جدید | "قیامت" کے متعلق جو کچھ علماء و حکماء اسلام نے لکھا ہے، اس پر تفصیلی بحث اس مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی، اس کا تعلق اس دنیوی زندگی اور حیات بعد ممات سے ہے، مرنے کے بعد جو کچھ حالات رونما ہوں گے، ان کی کیفیت دنیوی زندگی کی مثال ہی سے ذہن میں آ سکتی ہے۔ موت اور [نوم] میں انسان کا اختیار سلب ہو جاتا ہے، نیند کی کیفیت سے ہر ایک شخص واقف ہے کہ جو کچھ ہم محسوسات سے بحالت بیداری اخذ کرتے ہیں وہ ہمارے نامہ اعمال پر ثبت ہو جاتا ہے، جو یہ حالت خواب ہمارے سامنے ہوتا ہے، اس طرح روزانہ ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوتا رہتا ہے اور اہل فکر اس پر متنبہ ہوتے ہیں کہ بعد موت ہمارے اعمال کی کیا کیفیت ہوگی۔ میرزا عبدالقادر بیدل[3] کا ارشاد ہے کہ

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (۴۲)

اے مردہ انتظار محشر بردن | حیف ست بہر فسانہ ات خوں خوردن
در صورت آفاق نظر کن کاینجا | ہر روز قیامت است صبح شب مردن

شیخ اکبرؒ "فص حکمۃ قلبیہ فی کلمۃ شعیبیہ" میں لکھتے ہیں (اردو ترجمہ)

"کیا ہی اچھا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالم اور اس کے تبدل کے حق میں جو ہر آن واقع ہوتا ہے درباره خلق جدید عین واحد میں اگرچہ یہ ارشاد کفار و منکرین قیامت کے حق میں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ منکرین قیامت کی اکثریت ہے اس لیے ارشاد الٰہی اکثریت عالم کے حق میں ہے کہ "وہ خلق جدیدہ کے بارہ میں اشتباہ میں ہیں" کیوں کہ تجدید الامر کا شعور مع الانفاس نہیں ہے۔"

شیخ اکبر کا نظریہ یہ ہے کہ تمام کائنات عین واحد میں فنا ہوتی ہے اور اس کی مثل ظہور میں آتی ہے، اسماء الٰہیہ کبھی معطل نہیں ہوتے، "کل یوم ھو فی شان" اللہ تعالیٰ ہر وقت مبدی و مصور و خالق وغیرہم ہے۔ چوں کہ اسماء مقابل ہیں اس لیے موت و حیات وغیرہ ہر آن واقع ہوتی رہتی ہے، لیکن اس کا شعور نہیں بوجہ "لطافۃ الحجاب الساتر و رقۃ و تشابہ الصور" نہیں ہوتا، بقول اللہ تعالیٰ "واتوا بہ متشابھا" اور وہ ایک دوسرے کا عین نہیں ہیں۔ بچہ پیدا ہوتا ہے اگر اس کی روزانہ تصویر لی جائے اور چند سالوں کی روزانہ تصویروں کو ترتیب میں رکھا جائے تو اول دوسری کی اتنی مشابہ ہوگی کہ فرق محسوس نہ ہوگا، لیکن اول اور آخر میں نمایاں فرق نظر آئے گا، اس لیے یہ واضح ہے کہ

ہچھ پر ہر آن تغیر واقع ہو رہا ہے اور اس کی امثال ہر آن بدل رہی ہیں، اس طرح کل کائنات ہمیشہ تر و تازہ ہے اور ہمیشہ معرض فنا میں ہے، اسے اصطلاح میں تجدد امثال کہتے ہیں۔

بیان حسن کر سکتا نہیں حسن بیاں پیدا — زباں آنکھیں کرے، آنکھیں کریں پیدا زباں پیدا
یہاں ہر چشمک ذرہ میں محشر خیز جلوہ ہے — نیا ہر آن ہوتا ہے زمانہ میں جہاں پیدا

صاحب گلشن راز لکھتے ہیں:

جہاں کل است در ہر طرفۃ العین — عدم گردد و لا یبقی زمانین
دگر باره شود پیدا جہانے — بہر لحظہ زمین و آسمانے

ہر ایک ساعت میں جہاں نوجوان اور پیر ہوتا ہے ... اور ہر دم اس میں حشر و نشور رہتا ہے، لیکن تجدد امثال دنیوی اور ہے اور قیامت کبریٰ اور ہے۔ یہ "یوم العمل" ہے اور وہ "یوم الدین" ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے، حماقت سے یہ نہ سمجھنا کہ یہی حقیقی قیامت ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنے ہی حال پر قیاس کر لو کہ ہر ایک انسان کی زندگی بھی ہے اور موت بھی۔ اس جہان میں جو کچھ زیر و بالا ہے اس کی مثال انسانی تن اور جان میں موجود ہے، جہان کو ایک شخص معین تصور کر لو اور تم اس کی جان اور وہ تمہارا تن ہے۔ انسان کے لیے تین قسم کی موتیں ہیں ایک تو ہر ایک لحظہ جیسا کہ تجدد امثال میں واضح کیا گیا، دوسری اختیاری اور تیسری اضطراری ہے، جب مرگ اور زندگی مقابل ہوں تو جہاں تین منزلوں میں تین قسم کا ہوگا، لیکن جہان کے لیے مرگ اختیاری نہیں، یہ تو صرف انسان ہی کے لیے ہے، لیکن جہاں ہر لحظہ مبدل ہو رہا ہے اور آخر اول کے مشابہ ہے، جو کچھ حشر میں پیدا ہوگا، وہ بوقت نزع تجھ پر ظاہر ہو جائے گا۔ تیرا تن زمین اور تیرا سر آسمان کی طرح ہے، تیرے حواس انجم اور جان خورشید ہے۔ عالم کی بھی وہی کچھ کیفیت ہے جو تو اپنے اندر ہر دم دیکھ رہا ہے۔ بقا تو صرف حق کے لیے باقی تمام فانی ہے۔ یہ تمام بیان سبعًا من المثانی میں موجود ہے جس میں "کل من علیہا فان" اور "فی خلق جدید" مذکور ہے۔ خلق ہمیشہ خلق جدید میں ہے، اگرچہ مدت عمر اس کی طویل ہے۔

شریعت | ہم واضح کر چکے ہیں (البیان، مارچ ۱۹۶۲ء) کہ قرآن عظیم تفصیل کتاب فطرت ہے اور "سبعًا من المثانی" اصولی احکام درباره اوامر و نواہی ہیں جو بنیاد تمام آئین و قوانین اقوام عالم ہیں اور بلاشبہ یہ سات آیات دائمی ناقابل تغیر و تبدل اصول ہیں، لیکن تمام آئین و قوانین جو ان اصول پر مبنی ہوں، وقتی اور ہنگامی ہوں گے اور ضرور ہے کہ ذہنی حالات خارجی امور کے مطابق ہوں اور قرآن عظیم نے اس اصل اصول کو واضح فرما دیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (پ۱۳) آفرینش سے انسان یہی سمٰوات والارض اور یہی لیل و نہار مشاہدہ کر رہا ہے اور طبقاً عن طبق اس کا ذہنی ارتقاء اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ خارجی امور سے جو اس پر منکشف ہو رہے ہیں، مطابقت پیدا کرے، اگر اس پر ذہنی جمود طاری ہے تو اس کی ترقی رک جائے گی اور جب تک اس کے نفس میں علمی انکشافات کے مناسب تغیر واقع نہ ہوگا، اس کا قدم ارتقاء کی طرف نہیں اٹھ سکتا۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ ازمنہ تاریک یا ایام جاہلیت میں جب کہ عام فہم انسانی بالغ نہ تھا، ملوک اور انبیاء و رسل دنیوی اور دینی امور میں عوام الناس کی رہنمائی کرتے رہے لیکن آں حضرتؐ کی بعثت پر ایام جاہلیت کا خاتمہ ہوگیا اور "قد تبین الرشد من الغی"۔ اس لیے "لا اکراہ فی الدین" یعنی انبیاء و رسل کی سرپرستی کی بھی ضرورت نہ رہی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو احکام شریعت سے تعبیر ہوتی ہے جس کا وضع و واضح کرنا انبیاء کا کام تھا۔ ایک اُمت کے سپرد ہوا جس

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (پ۶)

کی نسبت ارشاد ہے، كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ۴)، یہ سمجھنا چاہیے کہ شخصی نبوت کے فرائض ذہنی ارتقاء کے مناسب جمہور میں منتقل ہو گئے اور احکام شریعت کا وضع کرنا "شوریٰ" کے تحت حالات کے مناسب ایک اُمت کے عقل و فکر پر آ رہا، حقیقت یہ ہے کہ قرآن عظیم کے ذریعہ انسانی صحیفہ فطرت سے جو سمٰوات والارض پر مشتمل ہے، روشناس ہوا اور بلاواسطہ خارجی امور سے واقف ہوگیا اور اس نے سمجھ لیا کہ ان کے مطابق ذہنی حالات کو بدلنا چاہیے۔ اگر جناب بہاء اللہ نے کوئی نئے احکام شریعت وضع فرمائے ہیں تو لازماً وقتی اور ہنگامی ہوں گے اور اس لیے آں جناب کی حیثیت ایک فقیہہ اور مجتہد سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی، اگر سبعاً من المثانی کے علاوہ کچھ اور اصول ہیں تو یہ بار ثبوت جماعت بہائیہ پر ہے کہ واضح کرے اور اگر جدید شریعت کے احکام سبعاً من المثانی پر مبنی ہیں اور جہاں تک ہمیں علم ہے، ان سات آیات کی بنیاد کو چھوڑ کر احکام وضع کرنا خیالات خام ہیں تو یہ ایسی بات نہیں کہ جماعت بہائیہ عام واضعان آئین و قوانین سے ممتاز ہو اور محض اتنی سی بات کے لیے جناب بہاء اللہ کو الوہیت کا درجہ دے جیسے عجمی ذہنیت ایام جاہلیت کی طرف رجعت کرتی ہوئی تسلیم کرے تو کرے، ہم مسلمان ہونے کے بعد کفر سیکھنے سے رہے، اللہ کا بندہ غیر اللہ کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ احکام شریعت خواہ قدیم ہوں یا جدید سبعاً من المثانی کی بحث تک محدود ہیں اور قرآن عظیم کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے، اس کی ایک سورہ کی مثل اگر وہ پیش کریں تو ہم بھی جھک کر سلام کریں گے۔ "شریعت" پر مفصل بحث ہم کسی آئندہ صحبت پر اٹھا رکھتے ہیں۔

محمد عباد اللہ اختر

ذوقِ قرآن

(۳)

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برقؔ ایم اے، پی ایچ ڈی)

انتساب | جب کوئی فرد قوم کے لیے کسی پہلو میں مفید ثابت ہوتا ہے تو اس کی یادگار کو باقی رکھنے کے لیے بعض عمارات وغیرہ کو اس کے نام پر منسوب کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً سر گنگا رام ہسپتال، سر فضل حسین لائبریری، وُلنر ہوسٹل اور ایمرسن کالج۔ اللہ کے ہاں حشرات و دواب اور اشجار و احجار کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ قرآن حکیم کی بعض سورتیں اِن کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ سورۂ بقرہ میں ۶۱۲۲ الفاظ اور ۲۸۶ آیات ہیں۔ مختلف مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ ایمان و نفاق پر بحث ہے۔ مختلف پیغمبروں کے تذکرے موجود ہیں۔ بنی اسرائیل کے عروج و زوال پر تفصیلی بحث ہے اور بہت کچھ ہے، لیکن اللہ نے اس سورہ کا نام بقرہ (گائے) رکھا[1]۔ مومن، جنت، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، یا کتاب نہیں رکھا۔

اسی طرح بعض دیگر سورتوں کے نام یہ ہیں:

نمل (چیونٹی)، نحل (مگس شہد)، عنکبوت (مکڑی)، انعام (چوپائے)، دخان (گیس، سٹیم، دھواں) مائدہ (طعام) الکہف (غار) نور (روشنی) صافات (اُڑتے ہوئے پرندے) طور (پہاڑ کا نام) نجم (ستارہ) قمر (چاند) حدید (فولاد) قلم (آلۂ تحریر و تصنیف) الدھر (زمانہ) انفطار (پہاڑوں وغیرہ کا پھٹنا) البروج (آسمان کے حصے) الطارق (مسافرِ شب یعنی ستارے وغیرہ) الفجر۔ البلد (شہر) الشمس۔ اللیل (رات)، الضحیٰ (طلوعِ آفتاب کے بعد کا وقت) التین (انجیر) زلزال (کانپنا۔ زلزلہ) العصر (زمانہ) الفیل (ہاتھی)، لھب (آگ کا بھڑکنا)، الفلق (طلوعِ صبح) الناس (انسان)۔

غور فرمایئے! مناظرِ کائنات کو اللہ نے کس قدر اہمیت دی ہے کہ اپنی تصنیفِ مقدس کے کئی حصے اِن کی طرف منسوب کر دیے۔

---

[1] سورتوں کے نام الہامی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض سورتیں ایک سے زیادہ ناموں سے مشہور ہیں، لیکن حشرات و دوابّ اشجار و احجار کی اہمیت میں کلام نہیں (البیان)

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد   عالمے از ذرۂ تعمیر کرد
کوہ و صحرا، دشت و دریا، بحر و بر   تختۂ تعلیم ارباب نظر   (اقبالؒ)

علم | انسانی علم کا تعلق مندرجہ ذیل اشیاء سے ہو سکتا ہے:

(۱) پانی سے۔ مثلاً اشربہ وادویہ وغیرہ تیار کرنا۔

(۲) زمین سے۔ انہار کھودنا، معادن نکالنا، طبقات الارض کی چھان بین، پٹرول اور کوئلہ کی تلاش۔

(۳) ہوا سے۔ ہوا میں اڑنا، ہوا کا تجزیہ، ہوا کی طاقت کو استعمال کرنا، وغیرہ۔

(۴) آگ سے۔ سٹیم تیار کرکے سامانِ حیات تیار کرنا، انجن بنانا، ائمۃ الکفر کے لیے آتش بار طیارے، ٹینک اور توپیں تیار کرنا۔

(۵) نباتات سے۔ تجزیۂ نباتات کے بعد خواص نباتات معلوم کرنا۔ نباتات سے علاج امراض وغیرہ۔

(۶) حیوانات سے۔ حیوانات سے سواری و بار برداری کا کام لینا، اچھی نسلیں پالنا، چمڑے رنگنا، پوستینیں بنانا، اور کعبہ میں ہر سال کئی لاکھ ذبح شدہ حیواناتِ قربانی کو بجائے نقصان رساں ہونے کے مفید بنانا۔

(۷) اجسام الناس۔ علم الاعضاء، علم الطب، تشریح الافعال وغیرہ۔

(۸) نفوس۔ علم العبادات، شاعری، موسیقی وغیرہ۔

گویا کائنات کا ہر منظر عجائبات کی ایک دنیا پہلو میں لیے دبکے بیٹھا ہے۔ ہر ذرہ ہیں قوت و جبروت کا لازوال پیام دے رہا ہے اور ہر پتّہ بقا و صلاحیت کی حیات انگیز داستان سنا رہا ہے، لیکن افسوس کہ ہم ان آیات سے غافل ہیں۔

يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ | یہ لوگ مناظر کائنات سے آنکھیں بند کرکے گذر جاتے ہیں۔

شعاعیں | ۱۸۹۴ء میں "ایکس ریز" دریافت ہوئیں، جو نہ صرف انسانی پوست و استخوان سے پار ہو جاتی ہیں بلکہ کئی انچ موٹے لوہے سے بھی گذر جاتی ہیں۔ آج ان شعاعوں کو مسخر کرنے کے بعد، اہل مغرب دنیائے طب میں ایک تہلکہ ڈال رہے ہیں۔ ریڈیم کی قدر و قیمت سے ایک دنیا آگاہ ہے۔ آج سے چند سال پہلے یورپ کے مشہور فاضل پروفیسر ملیکن نے ایک ایسی شعاع دریافت کی جو ریڈیم سے بھی زیادہ مفید و طاقت ور ہے۔ پروفیسر آرتھر اڈنگٹن کاسمک شعاعوں (Cosmic Radiation) پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جو کاسمک شعاعیں عالم بالا

سے تخلیقِ ارض سے روانہ ہوئی تھیں، وہ زمین پر اب پہنچی ہیں - یہ مقدار میں بہت کم اور طاقت میں بہت زیادہ ہیں۔ نباتات وازہار (پھولوں) کا تنوع انہی کی وجہ سے ہے۔ آغازِ آفرینش میں صرف ایک پھول کسی پودے پر لگا ہوگا، جب اس پودے کے بیج زمین پر جھڑے، تو کسی بیج میں کاسمک شعاع داخل ہوگئی۔ فوراً اس بیج میں ایک تغیر آگیا۔ چنانچہ اس بیج کے پھول رنگ وصورت میں دوسرے ہم جنسوں سے الگ ہوگئے۔ یہ گل لالہ وگلاب کی مختلف قسمیں اس شعاع کی کارستانیاں ہیں۔

شعاعی جنکشن | ایک انچ بھر فضا میں سے تمام وہ شعاعیں گذر رہی ہیں جو پانی، گھاس، عمارات اور شمس وقمر سے نکل کر ہر طرف پھیل رہی ہیں۔ اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس انچ بھر جگہ میں سے کروڑوں اجرامِ سماوی کی شعاعیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی گذر رہی ہیں، قطبی ستارے کی ضعیف ترین شعاع آفتاب کی طاقت ور موجِ نور کو چیر کر گذر رہی ہے اور ایک بہت بڑا ریلوے جنکشن، اس انچ بھر فضائی مقام کے مقابلے میں برباد نظر آتا ہے۔

روشنی کی طاقت | روشنی ایک مہیب طاقت ہے جو کرنوں کا زینہ لگا کر آسمان سے اتر رہی ہے۔ اگر ہم اس روشنی کو جمع کرسکیں جو ٹینس کے میدان پر صرف ایک روز میں پڑتی ہے تو اس قوت سے دو سو گھوڑوں کی طاقت کا ایک انجن قیامت تک چلتا رہے۔

روشنی کی قیمت | ہم اپنے کارخانوں اور گھروں میں بجلی سے کام لیتے ہیں جس کا منبعِ اولین آفتاب ہے۔ یورپ کے ایک ماہرِ طبعیات نے اندازہ لگایا ہے کہ تمام دنیا میں ہر سال صرف ½ چھٹانک وزن کی بجلی خرچ ہوتی ہے جس کے پیدا کرنے پر ۳۴ کروڑ روپیہ لاگت آتی ہے۔ دوسری طرف جو روشنی سورج سے صرف ایک دن میں زمین پر آتی ہے، اس کا وزن ۴۴۸۰ من ہے۔ بجلی کے حساب سے اس روشنی کی قیمت ۱۵۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر بنتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا لطفِ عمیم دیکھو کہ ہم ایک پائی تک صرف کیے بغیر طاقت کے اس بے پناہ خزانے سے متمتع ہو رہے ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ | تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے۔

علمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ آفتاب ہمیں دس ارب سال تک اور روشنی دیتا رہے گا۔

گہوارۂ زمین | ابتداء میں زمین ہموار تھی اور اس پر ہر طرف پانی ہی پانی چھایا ہوا تھا۔ اگر آج زمین کو سپاٹ ہموار کردیا جائے تو ہر مقام پر تقریباً ۲ فرلانگ گہرا پانی چھا جائے۔ کچھ مدت کے بعد زمین کی اندرونی حرارت سے بطن الارض

کے مواد اچھل کر باہر آگئے اور ہر سو پہاڑ نظر آنے لگے۔ زلزلوں کے علاوہ میاہ و اعصار کی شکست و ریخت نے بھی سطح زمین کو ناہموار بنانے میں کافی حصہ لیا۔ زمین کا ناہموار ہونا ایک الٰہی رحمت ہے۔ ورنہ انسانی و حیوانی زندگی کا گہوارہ نہ بن سکتی۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا | اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارا گہوارہ بنایا۔

عادتِ الٰہیہ | بعض حیوانات بعض اعضاء کو زیادہ استعمال کرتے ہیں تو وہ بڑھ جاتے ہیں اور بعض کو کم استعمال کرتے ہیں تو وہ رفتہ رفتہ مِٹ جاتے ہیں، نباتات میں بھی یہی سنت الٰہیہ جاری ہے۔ کچھ صدیاں پیشتر کیلے کی پھلی میں امرود کی طرح چھوٹے چھوٹے بیج ہوا کرتے تھے، جن کی کاشت سے کیلہ پیدا کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ کیلے کی شاخیں لگانے کا رواج ہو گیا۔ جب قدرت نے دیکھا کہ بیج کا استعمال نہیں کیا جاتا تو آہستہ آہستہ بیج کا خاتمہ ہی کر دیا اور آج کیلے میں بیج دکھائی نہیں دیتا۔ قدرت کا ازل سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ صرف اُن اقوام کو دنیا میں باقی رکھتی ہے جو مفید ہوں اور غیر مفید اقوام کو کیلے کے بیج کی طرح مٹا دیتی ہے۔

مَا اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ | زمین میں صرف اُسی کو رنگِ دوام حاصل ہوتا ہے جو دنیا کے لیے مفید ہو۔

اللہ سنتا ہے | آج ہم تموّج اثیری کی بدولت ہزار ہا میل دُور کی باتیں چشم زدن میں بلا تار و سلسلہ سُن لیتے ہیں۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اثیر اللہ کے دائرۂ اختیار کے اندر ہے یا باہر؟ اگر اندر ہے تو لازماً کائنات کی ہر آہٹ، ہر صدا اور ہر جنبش۔ جو اثیر میں تموّج پیدا کر سکتی ہے۔ اللہ کے کانوں تک پہنچ جاتی ہوگی۔ نظریۂ امواجِ اثیری نے ہمیں یقین دلا دیا ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ | اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

امپیریل کالج آف سائنس (لنڈن) کے ایک پروفیسر مسٹر ولیم ایک دفعہ انسانی کان کی ساخت پر غور کر رہے تھے۔ الٰہی صناعی کے حیرت انگیز کمالات سے مرعوب ہو کر چلّا اُٹھے:

"جس اللہ نے کان ایجاد کیے ہیں، کیا وہ خود صفتِ سمع سے محروم ہے؟"

سبحان اللہ! پروفیسر ولیم کو اپنے علم و مطالعہ کی بدولت اللہ کی صفتِ سمع پر وہ روح افروز ایمان حاصل ہے جس کا خیال تک ہمارے کافر گر مولویوں کو نہیں آ سکتا۔

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد | میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

نہ فلسفی سے، نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو　　یہ دل کی موت، وہ اندیشہ و نظر کا فساد　　(اقبال)

ماحول سے تطابق تمام کائنات کی ترکیب بجلی کے خورد بینی ذرّات یعنی منفیوں (Election) سے ہوئی۔ منفیوں کا اختلاط مثبت ذرّات برقیہ یعنی ثباتیوں (Protons) سے ہُوا، اور یہ مرکب عقیبیہ (Neutron) کہلایا۔ چند عقیبیے مل کر جواہر (Atoms) بنے۔ اور جواہر کا مجموعہ سالمہ (Molecule) کہلایا۔ ہر جوہر اور سالمہ بجلی کا چھوٹا سا خزانہ ہے۔

نباتات کی ترکیب بھی انہی ذرّات برقیہ سے ہوئی۔ صرف نام کا فرق ہے۔ نباتات میں عنصر نباتی کی ترکیب خلیوں (Cells) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیہ منفیوں اور ثباتیوں کا ایک مرکب ہوتا ہے، جس کے اجزائے ترکیبی نباتیے (Protoplasm) کہلاتے ہیں۔ یہ خلیہ کوئی مُردہ چیز نہیں، بلکہ ایک نہایت حساس و پیچیدہ خزانۂ حیات ہے جس کے مقابلے میں گھڑی یا مطبع کی مشین ازبس سادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہر نباتیے میں ماحول کے ساتھ ساتھ بدلنے کی حیرت انگیز استعداد موجود ہے۔

آغاز میں پودے سمندر کے ساحل پر نمودار ہوئے تھے، جب اُن کے بیج جھڑے تو آندھیاں، پرندے اور بارشیں انہیں نئے ماحول میں لے گئیں۔ جہاں پودوں میں کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی، جو گلاب کا پودا کسی جنگل میں اُگا تھا اور اُسے ہر وقت حیوانات کی غذا بننے کا ڈر رہتا تھا، قدرت نے حفاظت کی خاطر اس کے ساتھ بہت زیادہ کانٹے لگا دیئے اور جو گلاب کسی باغ میں اُگا تھا جس کے اردگرد اونچی دیوار تھی اور ایک مالی بھی حفاظت پر مقرر تھا، اس کے کانٹے کم کر دیئے گئے۔ پھر جنگلی اور بستانی پودوں میں بلحاظ نزاکت و لطافت بھی کافی فرق دیکھا گیا۔ باغ میں مالی اور نظارگیوں کی خواہش سے بھی پودے متاثر ہو کر زیادہ خوشنما و نازک بن گئے۔

متھرلے کہتا ہے کہ میں نے پائیں باغ کے ایک کونے میں پپی کا ایک پھول دیکھا، جس کے کنارے کچھ سفیدی مائل تھے۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ پھول بالکل سفید ہو جائے۔ اگلے سال یہ پھول زیادہ سفید ہوگیا اور چند سال کے بعد بالکل سفید ہوگیا۔

نباتات کی طرح حیوانات کو بھی نئے ماحول میں نئے اعضاء و آلات مل جاتے ہیں۔ پرندے کی چند ہڈیاں صرف گیس سے پُر ہوتی ہیں تاکہ ہوا میں اپنا بوجھ آسانی سے اُٹھا سکے۔ مینڈک کی وہ تھیلی، جو پانی میں تیرنے کے کام آتی ہے، خشکی پر پھیپھڑے کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اسی طرح مچھلی کو پانی میں جس قدر آلات کی ضرورت تھی، وہ سب عطا ہوئے۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ بغیر کسی قوتِ ناظمہ کے ہو رہا

ہے؟ کیا کائنات کی اس حیرت انگیز مشین کو چلانے کے لیے کوئی دماغ مصروفِ عمل نہیں؟ کیا یہ اختلاط و امتزاج اور یہ ماحول کے ساتھ حیرت انگیز تطابق خود بخود ہو رہا ہے؟ کیا تخلیق و آفرینش کے بصیرت افروز معجزے محض حسنِ اتفاق سے ظاہر ہو رہے ہیں؟ کیا تکوین و تدوین کے یقیں انگیز کمالات بغیر کسی آنکھ، ہاتھ اور دماغ کے سرزد ہو رہے ہیں؟

ہرگز نہیں۔ ایک مغربی عالمِ طبیعت کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"یہ خیال کہ ایک دماغ کائنات کے اندر اور باہر مصروفِ عمل ہے، ایک معقول اور قابلِ یقین تخیل ہے"

رفتارِ آفرینش | زمین میں ارتقائے آفرینش پر لاکھوں صدیاں صرف ہوئیں، ایک ایسا وقت بھی تھا کہ کائنات عقل سے محروم تھی۔ انسان کی تخلیق نے اس کمی کو پورا کیا۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی ابھی گزشتہ تاریخِ تخلیق کا آخری و اکمل باب تھا۔ ابھی ایسے دماغ آئیں گے جن کی تمہید ہم ہیں۔ خدا جانے یہ دنیا کہاں جا رہی ہے۔ آج سے دس لاکھ سال بعد کیسے انسان آئیں گے اور ان کے دماغ کس قدر بلند ہوں گے، کوئی نہیں بتلا سکتا۔ برنارڈ شا کہتا ہے کہ کئی لاکھ سال بعد انسانی عقل ارتقا کی اُس منزل تک جا پہنچے گی کہ طیاروں اور موٹروں سے ہزار گنا زیادہ تیز رفتار سواریاں ایجاد ہوں گی اور جس طرح کہ آج حجری زمانے کے آلات و ظروف اور ازمنہ وسطیٰ کی منجنیق عجائب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے، اُس زمانے میں طیارے وغیرہ زمانۂ جاہلیت کی یادگار سمجھ کر عجائب گھروں میں رکھ دیے جائیں گے۔ سچ ہے:

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ۔	کیا ہم نے پہلی نسلوں کو تباہ کر کے اُن سے بہتر نسلیں پیدا نہیں کیں؟

تلافیٔ مافات | انسانی بدن کی مشین پر غور فرمائیے۔ ایک ڈاکٹر اس اعتماد پر جسم میں سوراخ کر دیتا ہے کہ اندر ایک حیرت خیز مشین پوست و گوشت بنانے پر لگی ہوئی ہے۔ اگر تلافیٔ مافات کا یہ قدرتی سلسلہ نہ ہوتا تو ہزارہا مریض بغیر عملِ جراحی (اپریشن) کے ہلاک ہو جاتے۔ اسی طرح کا ایک سلسلہ عالمِ اخلاق میں کام کر رہا ہے۔ ہم گزشتہ گناہوں اور کج راہیوں کی تلافی توبہ و ندامت سے کر سکتے ہیں اور برہمنوں کا یہ اصول کہ گناہ کی تلافی نہیں ہو سکتی، درست نہیں۔

...... ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔	...... جو لوگ کہ جلدی ہی سنبھل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ خامیوں کو نظر انداز فرما دیتا ہے۔

اللہ کا دارالحکومت | اگر سرما کی کسی رات کو مریخ کا کوئی باشندہ بمبئی کے بازاروں میں آ اترے، تو وہ ہزاروں

بلند عمارات اور خوب صورت دکانیں دیکھے گا، جن میں بجلی کے قمقمے نور کا سیلاب اٹھا رہے ہوں گے۔ موٹروں کا تانتا بندھا ہوا ہوگا۔ ہر طرف ایک چہل پہل نظر آئے گی۔ تو کیا وہ یہ خیال کرے گا کہ یہ تمام رونق خود بہ خود پیدا ہو گئی؟ کیا ایک جوہری کی دکان پر چاندی اور سونے کے برتن شیشے کی الماریوں میں خود بہ خود قرینے سے سج گئے؟ کبھی نہیں۔ ذرا اندھیری رات میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو، ستاروں کے قمقمے کس شان و جمال سے جل رہے ہیں۔ نور و تجلی کا کیسا سیلاب امنڈ رہا ہے۔ کہکشاں کی شاہراہوں پر کروڑوں آفتاب کیسی بہار دکھا رہے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کسی عظیم الشان فرماں روا کا دارالحکومت ہے۔

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ | کیا یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ اس سے بہت بلند اور پاک ہے۔

کائنات کے اس لرزہ فگن سلسلے پر غور کرنے کے بعد جرمنی کا مشہور مفکر آئن سٹائن پکار اٹھا:

"کائنات پر ایک زبردست دماغ حکومت کر رہا ہے اور اس سے بحث نہیں کہ وہ دماغ ریاضی دان کا ہے یا مصوّر کا، شاعر کا، یا ان سب کا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو ہماری حیات کو پُر معنی بناتی ہے، اُمیدوں کو اُبھارتی ہے اور جہاں علم کی روشنی ناکام رہے، وہاں ہمارے یقین کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہے۔"

یہی مفکر ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"وہ انسان جو کائنات پر اظہارِ تعجب کے لیے ٹھہرتا نہیں اور اس پر خشیہ و تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی، وہ مر چکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہو چکی ہیں۔"

آئن سٹائن کا یہ قول آیتِ ذیل کا تقریباً ترجمہ معلوم ہوتا ہے:

اَوَلَمۡ يَنۡظُرُوۡا فِىۡ مَلَكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ وَّاَنۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ‌ۚ	کیا یہ لوگ کائناتِ ارض و سما اور دیگر الٰہی مخلوقات پر غور نہیں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آ گئی ہے۔

ہمالہ کے بلند اور دہشت ناک سلسلے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی ہیبت انگیز جبار کے پُرعظمت دربار میں سہما ہوا کھڑا ہے۔ وہ ہر سو وسیع، عمیق اور دیو قامت کشادہ وہاں وادیاں، وہ حواس بر افگن سکوت، وہ رعب و ہیبت کی لا انتہائیاں اور وہ حیرت و تعجب کی بے پایانیاں۔ اللہ اللہ، انسانی عقل کپکپا اٹھتی ہے، کیا ان مہیب مناظر کی خالق وہی ہستی ہے جس نے سوئزرلینڈ کے حسین و جمیل خطے کو اپنی رعنائی

کا مظہر بنایا، یہ پھولوں کی دنیا، وہ ندیوں کے نغمے، چڑیوں کے زمزمے، ہواؤں کی لطافتیں، فضائے فلک کی طاقتیں، دنیائے رنگ، جہانِ نیرنگ!

وہ سامنے سمندر کی پُر جبروت دنیا میں امواجِ ہمالہ پیکر ایک ہولناک چٹان سے ٹکرا کر دھاڑتی ہوئی واپس ..... آرہی ہیں۔ پانی کی یہ رعشہ انگیز دنیا کس قدر مرعوب کن ہے۔ دوسری طرف شب ماہتاب میں کسی خاموش تنہا اور آسودہ جھیل کا منظر کس قدر دل فریب ہوتا ہے۔ اس کے ساحل پر وہ نیلے نیلے، اُودے اُودے پھول، عطریتوں میں بسی ہوئی ساکن ہوا، سطحِ آب پر سویا ہوا سکون، گھاس میں نیم بیدار بگلے اور مرغابیاں۔ آہ، یہ منظر کتنا حسین، کس قدر مست ساز اور کتنا وجد آور ہے۔ ہم یوں محسوس کرتے ہیں کہ فطرت کی بہاروں میں گم ہو رہے ہیں۔ کسی مغربی فطرت شناس نے کیا اچھا کہا ہے:

"جب ہم کچھ رک کر اُن حسین مناظر پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو ہمارے سامنے حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں، گویا ہم ان مناظر کا ایک جزو بن چکے ہیں، اس حالت میں کائنات کا شاہدِ مستور ہم سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔ یہ ہم کلامی کیفِ نشاط پیدا کرتی ہے۔ اور یہ نشاط وجد و مستی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔"

خیز و وا کن دیدۂ مخمور را   دُوں مخواں ایں عالمِ مجبور را
غایتش توسیعِ ذاتِ مسلم است   امتحانِ ممکناتِ مسلم است

صدرِ محفل | ماہرینِ علم السماء نے اندازہ لگایا ہے کہ اس نیلی فضا میں ہمارے آفتاب سے لاکھوں گنا بڑے بے شمار سورج نہایت تندی سے محوِ پرواز ہیں اور ہمارا آفتاب کائنات کے بے شمار شمسی نظاموں کے سامنے محض ایک ذرّے کی حیثیت رکھتا ہے، پھر یہ تمام شموس و اقمار مل کر قدرت کی لاانتہا دنیاؤں کی ایک چھوٹی سی کسر بنتے ہیں۔ انسان کائنات کی اس وسیع و عریض محفل میں صدر نشین ہے۔ کتنی بڑی تکریم اور کتنا بڑا اعزاز ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ | ہم نے انسان کو اشرفِ کائنات بنایا۔

انسان کی برادری کس قدر وسیع ہے، کہکشاں، سیارے سے لے کر لالۂ صحرا تک سب کی رگوں میں ایک ہی خون (ذرّاتِ برقیہ) دوڑ رہا ہے۔ سب کی پیدائش ایک ہی نفس (منفیہ) سے ہوئی۔ اس لیے یہ سمندر، پہاڑ، اور آفتاب و نجوم انسان کے بھائی ہیں۔ گو انسان عمر اور قد میں چھوٹا ہے، لیکن "ہر چہ بقامت کہتر، بقیمت بہتر"

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ | اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک نفس (منفیہ) سے پیدا کیا ہے۔

ہمیں پُر شکوہ کائنات کا سردار بنا کر بھیجا گیا تھا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ قدم قدم پر آئین فطرت کو توڑتے ہیں۔ باقی ساری کائنات اپنے دستور العمل کو نباہ رہی ہے اور انسان:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ | تاریخ عالم (والعصر) شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ خسارے میں رہا۔

کیا یہ محض حسن اتفاق ہے؟ | ہماری زمین آفتاب سے نکلی تھی، اس لیے ارضی برقیوں کا منبع بھی آفتاب ہے۔ سورج سے نکلے ہوئے یہ ذرات آج طیور و وحوش اور لالہ و گل کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان شعلوں کو یہ شکل کس نے دی، کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا۔ ہم مانتے ہیں کہ دنیا میں اتفاق بھی کوئی چیز ہے لیکن اتفاقات یا مواقع اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ پھر یہ کیوں ہے کہ تخلیق کائنات میں تمام اچھے مواقع استعمال کیے گئے اور بُرے اتفاقات کو چھوا تک نہیں گیا؟ اس لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ کوئی نگران آنکھ اور کوئی زبردست دماغ مصروف عمل ہے جو تمام اچھے مواقع مہیا کر رہا ہے اور بُرے مواقع سے بچ رہا ہے۔ تخلیق و تکوین کے یہی وہ ایمان افروز معجزات ہیں جن پر غور کرنے کے بعد پروفیسر ولیم میکبرائڈ چلا اٹھا تھا:

"کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ خیال کر سکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم و ہدایت عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہو گئی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نہر اپنے منبع سے مرتفع تر سطح پر بہہ سکے"؟

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ | آفرینش کائنات سے ہم غافل نہیں۔

نقشۂ تعمیر | آم کی گٹھلی ایک چھوٹا سا صندوق یا فریم ہے، جس میں آم کے درخت کا مکمل خاکہ و نقشہ بمع پتوں، ٹہنیوں اور پھل کے موجود ہوتا ہے۔ وہ چھوٹا سا آم، جو گٹھلی میں موجود ہے، زمین، ہوا اور آفتاب سے غذا و حرارت حاصل کرنے کے بعد پورا درخت بن جاتا ہے۔ یہ گٹھلی اس نقشے کی طرح ہے جو انجینئر تعمیر عمارت سے پہلے تیار کرتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر جب پہلا آم اُگا تھا تو نقشہ کہاں تھا، جواب یہ ہے کہ خالق کے دماغ میں۔

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝	ذرّہ یا ذرّے سے کم و بیش کوئی زمینی اور آسمانی چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین یعنی علم الٰہی میں موجود نہ ہو۔

مخفی طاقت | تمام کائنات پر ایک غیر محسوس طاقت کا اثر نظر آتا ہے، ہر چند کہ یہ طاقت غیر مرئی ہے لیکن یقیناً موجود ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ہم ریڈیو پر دس ہزار میل سے کوئی تقریر یا ڈرامہ سنتے ہیں اور کبھی کبھی متاثر ہو کر رو دیتے ہیں۔ مقرر دس ہزار میل دُور ہے اور ہم تک اس کی آواز ایتھر کی بدولت پہنچ رہی ہے۔

بالفاظ دیگر ہم اثیر سے متاثر ہوئے جو ایک غیر محدود طاقت ہے۔ اس سے زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ ایک سیب درخت سے ٹپکنے کے بعد نہ تو آسمان کی طرف دوڑتا ہے اور نہ افق کی طرف بھاگتا ہے، بلکہ کششِ ارضی (ایک غیر مرئی طاقت) کے زیرِ اثر زمین کی طرف آتا ہے۔ دیکھا آپ نے کہ سیب کی اس افتاد پر ایک غیر مرئی طاقت کا کتنا زبردست اثر ہے۔ اسی طرح کی ایک طاقت تمام کائنات میں سرگرم عمل ہے، جسے اللہ کہا جاتا ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ۔	ارض وسما الٰہی سلطنت کا ایک حصہ ہیں اور کائنات کی کوئی چیز اُس کے علم سے باہر نہیں۔

جس طرح ہندوستان کے تمام دشت وجبل، باغ و راغ اور انسان وحیوان مل کر ہندوستان کہلاتے ہیں اور انسان ہندوستان کا دماغ ہے۔ پھر کسی خاص موقعہ پر (مثلاً جلسہ، تقریب وغیرہ) صرف ایک منتخب انسان صدرِ بزم بنتا ہے۔ جو اہلِ ہند کے جذبات و خواہشات کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات کی بھری محفل میں اللہ صدرِ محفل ہے۔ جو قوت، طاقت، خواہشات اور جذباتِ انسانی کا منبع و مصدر ہے۔

وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ	پہلے اللہ ایک چیز کی خواہش کرتا ہے اور پھر تم)

دنیائے مغرب کا ایک حکیم عجائباتِ تکوین سے متاثر ہو کر پکار اُٹھتا ہے:

"جوں جوں ہمارا علم فطرت بڑھتا جاتا ہے، ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی کچھ اور بھی ہے، جسے جاننا چاہیئے اس کیف انگیز دنیا میں ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، ہماری مسرتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مطالعۂ کائنات پر صرف کیا ہوا ہر لمحہ ہمیں بلند ترکیف ومستی کا پیام دیتا ہے۔ ہم سب (عوام وعلماء) اس حسین منزل میں آگے ہی بڑھتے جائیں گے اور ٹھہریں گے نہیں۔ اس لیے کہ شاہدِ کائنات کی تجلیاں ازبس نظر فریب ہیں۔"

وحدتِ کائنات پر فرانسس تھامپسن کا خیال ملاحظہ ہو:

"تمام قریب وبعید اشیاء کو ایک لازوال طاقت نے مخفی طور پر بہ یک دیگر باندھ رکھا ہے، جب تم ایک پھول کو چھیڑو گے تو فضائے گردوں میں ایک ستارہ (جنتِ نگاہ) کانپ اُٹھے گا۔"

حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں (اقبال)

اللہ اکبر! توحید پر اس سے بہتر مضمون کوئی کیا باندھے گا، یہی وہ زمزمہ ہائے ثنا و عبودیت ہیں جو

قرآن کے مسلسل مطالعہ و تفکر کے بعد دل کی گہرائیوں سے نکل رہے ہیں۔ کیا اللہ ایسے انسانوں کو سپرد جہنم کردے گا، جن کی زندگیاں افعال الٰہی کی تلاش میں کٹ گئیں، جنہوں نے ہر پتے میں الٰہی انوار دیکھے، ہر فضے میں آفتاب الوہیت کا تماشہ کیا، ہر قطرے میں اس کی صناعیاں عیاں و نہاں دیکھیں اور پھر کھول کھول کر ہمیں سمجھائیں۔ کیا ایسے صاحب دل، روشن دماغ اور ارباب سمع و بصر، جن کی آنکھیں تجلیات ربانی سے خیرہ ہوگئیں، جن کے کان کائنات کے ہر ذرے سے نغمہائے تسبیح و تہلیل سنتے رہے اور جن کے دل انوار الوہیت کے نشیمن بن گئے۔ معتوب و مغضوب اور سوختنی و کشتنی ہیں اور تم اے ہمارے ملاؤ! جن کی نگاہیں تجلیات فطرت سے بے نصیب، جن کے کان حجر و شجر کے نغموں سے محروم اور جن کے دل فہم و ادراک سے کوسوں دور ہیں، اللہ کے محبوب اور جنت کے مستحق!

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل، ایں چہ بوالعجبی است (حافظ شیرازیؒ)

اگر یہ درست ہے کہ صرف تم ہی اللہ کے محبوب ہو، تو پھر تمہارا رب تمہیں سزائیں کیوں دیتا ہے اور تمہارے پیروؤں اور مریدوں پر فلاکت، جہالت اور ذلت کا غضب کیوں نازل ہو رہا ہے۔

...... نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۔ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥	وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور لاڈلے ہیں، ان سے ذرا یہ تو پوچھو کہ اگر تمہارا دعویٰ درست ہے تو اللہ نے تمہیں اپنے عذاب کی آہنی گرفت میں کیوں جکڑ رکھا ہے۔

اللہ کی ان خیرہ ساز اور مبہوت کن دنیاؤں میں انسان کی حقیقت ہی کیا ہے، وہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہے، جو زمین پر رینگ رہا ہے، پھر اس خالق ارض و سما اور قہار و جبار کی نوازش دیکھو کہ وہ اس حقیر سی مخلوق (انسان) کی طرف کبھی پیغمبر بھیجتا ہے، کبھی اسے اپنا روئے منور دکھلاتا ہے اور کبھی ہم کلامی کا شرف عطا کرتا ہے۔ ایک عبرانی شاعر کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"جب میری نگاہ تیرے مہیب آسمانوں، ستاروں اور مہتاب پر پڑتی ہے جو تیری مشیت سے مقہور و مجبور ہو کر سرگرم عمل ہیں تو معاً خیال آتا ہے کہ خدا جانے یہ انسان کیا چیز ہے، جس کی تجھے اس قدر فکر ہے کہ ابن آدم کو تو نے اپنا جلوہ بھی دکھلایا؟"

لنڈن یونیورسٹی کے ماہر علم التشریح پروفیسر ڈیوڈ فریزر نے اللہ جانے انسانی بدن میں الٰہی تخلیق کے کیا شعبدے دیکھے کہ مبہوت ہو کر بول اٹھا:

"صحیفۂ فطرت کی مبہوت کُن ولرزہ فگن عظمت سے دماغ دہل جاتا ہے۔"

یہی شیدائی فطرت ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اُس دماغ کی، جس نے فطرت کو آراستہ کیا، یا اُس دماغ کی جس نے فطرت کی ترجمانی کی، یعنی علمائے فطرت۔"

خالقِ کائنات بڑا جدت پسند واقع ہوا ہے۔ ایک حقیر ذرّۂ برقی سے کیا کچھ بنا ڈالا۔ ارب در ارب انسان پیدا ہو چکے ہیں، لیکن تنوّع پسند رب نے ایک چہرہ دوسرے سے ملنے نہ دیا۔ گلوں کی بوقلموں رنگت، حیوانات وحشرات کی لامتناہی انواع، جمادات کے بے شمار اقسام، اثمار و فواکہ کے مختلف ذائقے اور کھرب در کھرب اشجار کے مختلف اوراق واشکال! انسان سوچتا ہے تو عالمِ حیرت میں کھو جاتا ہے کہ اس قدر مصروف اور اتنا سرگرمِ عمل خدا۔ اس قدر محیطِ نگران اور اتنا جدت پسند رب۔ ٹینیسن مرعوب ہو کر چلا اُٹھا:

"ربِ ذوالجلال کس قدر حیرت انگیز تخیل کا مالک ہے۔"

یہ حسین دنیا ایک نگارستان ہے جس میں نظر فریب نقوش وتصاویر جنت نگاہ بنی ہوئی ہیں۔ ایک البم ہے جس کا ہر شاہکار لاجواب ہے اور ایک دیوان ہے جس کا ہر شعر کیف انگیز و وجد آور ہے۔ یہی وہ حسین اشعار تھے، جن کو پڑھنے کے بعد سر جیمز جینز چلّا اُٹھا:

"یہ کائنات کوئی مشین نہیں، بلکہ کسی شاعر کا زبردست تخیّل معلوم ہوتی ہے۔"

فطرت کی لا انتہائیت پر علامہ پسکل کا قول ملاحظہ ہو:

"یہ کائنات ایک دائرے کی طرح ہے جس کا مرکز تو ہر جگہ نظر آتا ہے۔ لیکن خطِ محیط کہیں نہیں ملتا۔"

توازن ہماری زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ ایک اپنے گرد اور دوسری سورج کے گرد۔ زمین ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے، لیکن توازن کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی ہچکولا محسوس نہیں ہوتا۔ زمین کے اس حیرت انگیز عدل و توازن کو دیکھ کر سر جیمز پکار اُٹھے:

"اس کانپتی ہوئی کائنات میں ایک دقیق اور ماوراء الادراک صنّاعی سے عدل و توازن پیدا کیا گیا ہے۔"

واقعہ ایک دفعہ سر ڈیوڈ بروسٹر تجربہ گاہ میں قطرۂ آبی کا مطالعہ کر رہے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ پانی کے ہر جوہر (Atom) کی ترکیب گھڑی کی مشین سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ آپ پر ایک وجد سا طاری ہو گیا اور فرطِ حیرت میں بول اُٹھے:

"او رب! تیرے کام کس قدر حیرت انگیز ہیں۔"

سچ ہے، اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ (اللہ سے صرف علمائے فطرت ڈرتے ہیں)

(باقی دارد)

یاجوج وماجوج

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ (۲۱)

سورہ انبیاء کی اوپر والی آیت جس کے لفظی معنی یہ ہوتے ہیں "اور جس قریہ یا شہر کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے، ناممکن ہے یا حرام ہے کہ وہ دوبارہ اپنی پہلی حالت پر واپس آجائے، تاوقتیکہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے۔" میں نے اس آیت پر ہر چند غور کیا مگر اس کا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی صاحب اس کی تفسیر میرے لیے کردیں، جو دل کو لگتی ہو، یا کم سے کم ان سوالات کا قابل اطمینان جواب دے سکیں۔

اوّل، یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں؟ انسان ہیں یا دوسری مخلوق۔ دوم، اگر انسان ہیں تو غالباً کسی وحشی قوم سے مراد ہے، جن کی نسل دنیا میں اب تک باقی ہے۔ ان سے دنیا کی کون سی قوم مراد ہے؟

سوئم، کسی قریہ کا ہلاک ہونا اور اس کا رجعت نہ کرنا کیا معنی ہے۔ کیا کوئی خاص قصبہ یا شہر مراد ہے جس کے لوگ ہلاک کر دیئے گئے اور وہ غیر آباد ہو گیا۔ اگر قریہ کے ہلاک شدہ لوگوں سے مراد ہو تو ان کا زندہ ہو جانا تو صرف ان کا قیامت کو حشر کرنا ہی ہو سکتا ہے اور اگر کسی غیر آباد بستی کا دوبارہ نئی نسلوں یا قوموں سے آباد ہونا ہے تو اس کے لیے یاجوج ماجوج کا کھلنا کیوں مشروط ہے۔ غیر آباد بستیاں آباد ہوتی رہتی ہیں، یا جہاں پانی کے سوتے سوکھ گئے ہیں اور آبادیاں ریت کے تودوں میں دب گئی ہیں، وہاں پھر آبادی ہو جانا ممکن ہے کہ دوبارہ ان بستیوں میں آبادی کے اسباب پیدا ہو جائیں۔ یا اس کے معنی اس ہلاکت کے ہیں جب اس پر اصلی حق دار اور وارث محروم کر دیئے جائیں، جیسے ہمارا ہندوستان یا شام و فلسطین ہے۔

جو کچھ میں نے سمجھا ہے، اس کا بھی اظہار کیے دیتا ہوں تاکہ جواب دینے والے اس کو بھی مدّنظر رکھیں۔ یاجوج ماجوج اور ذوالقرنین کا ذکر سورہ کہف میں ہے۔ ذوالقرنین کے متعلق مجھے محمد علی صاحب لاہوری مترجم قرآن سے اتفاق ہے کہ یہ لقب کیخسرو ایران یا (Cyrus) کا تھا جس کو بائیبل نے خدا کا مسیح کہا ہے اور ذوالقرنین لقب سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک وقت میں ایران اور میڈیا دو سلطنتوں کا بادشاہ ہوا ہے۔ محمد علی صاحب کے قیاس کی تائید ہیروڈوٹس کی تاریخ سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے اس بادشاہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے مشرق و مغرب پر دوبارہ

فوج کشی کی اور بحر اسود کے کنارے تک گیا۔ (بحر اسود کا ذکر خود قرآن شریف میں ہے) اور قفقاش کی جٹی (Getic) اور مساجٹی (Massagetic) دو زبردست قوموں سے معرکہ آرائی کی۔ یہ غالباً وہی قومیں ہیں جو یاجوج ماجوج کے نام سے قرآن میں مذکور ہیں، اس سے زیادہ قرآن کی تائید سد کے لفظ سے بھی ہوتی ہے جو دربند کے نام سے کوہ قفقاش کی دو پہاڑیوں کے درمیان اب تک موجود ہے۔ یہ دیوار اب شکستہ ہو گئی ہے مگر اس دیوار کو اسی کیخسرو نے دیوار چین کی طرح قفقاش کے دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان جو باکو کے پاس ہیں، بنوائی تھی۔ یہاں تک تو قرآن شریف کی پوری تائید ہیروڈوٹس کی تاریخ سے ہو جاتی ہے مگر جس آیت کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے، اس میں آیندہ کی ایک خبر ہے اور میرے لیے چیستان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ماجوج سے مراد مغل قوم ہے، جن کو قدیم سنسکرت میں "مغزنگ" کہا گیا ہے۔ جوج نام کے مغل اکثر تاریخوں میں آتے ہیں چنانچہ جوجی خاں، چنگیز خاں کا مشہور لڑکا تھا۔ جوج کے معنی اگر خاندان کے ہیں تو دو قوموں کے نام صرف "ما" اور "یا" رہ جاتا ہے۔ چین کے تنگانی مسلمان جو مغل نسل سے ہیں ان کے نام کی ابتدا میں ہمیشہ لفظ "ما" لگا رہتا ہے۔ "ما" کے معنی چینی زبان میں گھوڑے یا شہسوار کے ہیں۔ "یا" سے غالباً مراد آریا یا آرج قوم ہے۔ یہ بھی بہت ممکن ہے کہ کوہ قاف میں ایک طرف یعنی مشرق کی طرف مغل قوم کے لوگ آباد تھے، جیساکہ اس وقت تک ہے اور مغرب کے سرے پر یونانی جار جین ..... جو آرین نسل کے لوگ تھے، آباد تھے، جیسا اب تک ہے اور ان دونوں قوموں سے کیخسرو نے فوج کشی کی ہے کیونکہ یہ دونوں مل کر اس کی رعیت پر تاخت و تاراج کیا کرتے تھے، تو قرآن کی اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ایک زمانہ آئے گا جب کہ مغل اور آریا نسلیں دنیا میں کھل کر سربلندی سے ڈھلکتی ہوئی آئیں گی۔ کیا یہ وہی زمانہ تو نہیں ہے جب کہ ایک طرف جاپان کے مغول مشرق سے اور جرمنی کے آرین مغرب سے دنیا کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ واللّٰہ اعلم

مگر پھر سوال یہ ہے کہ وہ کون سی مردہ بستی اس زمانے میں جاگے گی، کیا بیت المقدس۔ جو غیر مسلموں کے پاؤں تلے روند دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی نوٹ کے قابل ہے کہ اسی سورۂ انبیاء میں آگے چل کر یہ آیت آتی ہے، وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (۱۰۵) الارض سے ارض مقدس بائبل میں بھی مراد لی گئی ہے اور مفسرین نے بھی ارض مقدس مراد لیا ہے۔ ایک بات قابل ذکر اور ہے کہ میرے ایک ہندو دوست نے بتایا ہے کہ بھوشن پران میں یہ ذکر ہے کہ سمت دو ہزار میں یعنی اس سن یا اس کے بعد ہندوستان میں سلطنت کا انقلاب ہوگا اور گورنگا (سفید فام قوم) کے بعد مغزنگ کا عمل درآمد ہوگا۔ بہ ظاہر رفتار زمانہ اس کی تائید میں ہے۔ (س م ا)

بصائر

(حضرت خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر، بی اے)

(۱) تدبر فی الکائنات کا نتیجہ | جب اہل ذکر و فکر کائنات میں غائر نظر کرتے ہیں تو ہر ایک شے کو اس کی انفرادی حیثیت اور بہ تعلق دیگر اشیاء اجتماعی صورت میں مشاہدہ کرتے ہوئے اس صحیح نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ سب کچھ عبث[1] نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ مقصد اور غرض و غایت لازم ہے، یہ نتیجہ بنیاد یا اصل تمام علوم و فنون انسانی کی ہے، اگر یہ نتیجہ غلط ہو تو ظاہر ہے کہ انسانی علوم وغیرہ کی عالی شان عمارت جو اس بنیاد پر قائم ہے، باطل ٹھہریں گی اس لیے کہ

از باطل سخن حق کہ باور دارد[2]

(۲) قانون فطرت میں تفاوت نہیں ہے | اہل علم و حکمت جانتے ہیں کہ قانون فطرت میں تفاوت[3] نہیں، لیکن اختلاف لیل و نہار نظام شمسی کے متفقہ عمل کا نتیجہ ہے۔ اگر قانون فطرت میں تفاوت ہوتا تو اختلاف لیل و نہار اور دیگر امور جو روزمرہ مشاہدے میں آرہے ہیں، ظہور میں نہ آتے۔ چوں کہ نظام شمسی کل کائنات کا ایک جزو ہے (جس طرح ہمارا کرۂ ارض نظام شمسی کا) اس لیے اختلاف لیل و نہار کل کائنات کے متفقہ عمل کا نتیجہ ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اشیاء کا باہمی تعلق ایسا مضبوط ہے کہ ٹوٹ نہیں سکتا، بلکہ ان کا ایک ہی نتیجے پر اتفاق[4] بھی ہے اور ان کے متفقہ عمل کا۔

---

[1] إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (۳)

[2] متشککین (Sceptics) جو ہر ایک شے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس حقیقت کا شعور نہیں رکھتے کہ شک بھی تیقن ہی کے ساتھ ممکن ہے۔ اگر ان کا دعویٰ صحیح ہو، تو اس کا معیار بھی علم ہی ہے۔ "یقینے خفتہ در ہر پردۂ ظن" اگر ان میں ضعف یقین نہ ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ کی طرح "لا احب الافلین" کہتے۔

غیر علم آنچہ کردہ اند رقم   نیست جز جہل و جہل جمعہ عدم

نزد اہل حقیقت ایجاد   ہیچ چیزی بغیر علم نزاد

[3] مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِن فُطُورٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيرٌ ۝ (۲۹)

[4] صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ (۲۰)

نتیجہ بار بار مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اہل عقل و فکر کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اشیاء بے شعور ہیں اس لیے خلق السمٰوٰت والارض میں خود کائنات کے علم، ارادے اور قدرت کو دخل نہیں ہے۔ یہ حیرت انگیز صفت جو ہر ایک شے میں نظر آ رہی ہے، ایک ایسی علیم ذات کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جسے لسان مذہب میں "اللہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور لازماً تمام امور کا مرجع[1] بالآخر ہی ذات اللہ واحد ہی ہے۔ یہ برہان منجملہ براہین قرآنیہ ہے جن سے واجب الوجود پر استدلال ہوتا ہے۔

(۳) اشیاء عالم کی مناسبت | اس مشاہدہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک شے اپنی وضع قطع اور ڈیل ڈول کے مناسب عمل کرتی ہے۔ ہر شے سے وہی افعال صادر ہوتے ہیں جو اس کے اعضاء[2] کے مناسب ہیں۔ طبقہ حیوانات پر نظر کرو۔ ہر ایک جان دار خواہ زمین پر رینگنے والا کیڑا ہو، یا پاؤں پر چلنے والا چوپایہ، انسان ہو یا ہوا میں اڑنے والا پرندہ ہو اپنی مخصوص وضع کے مناسب سرگرم عمل ہے اور یہ بھی مشاہدے میں آ رہا ہے کہ اس کی زندگی کا انحصار دیگر اشیاء پر ہے۔ وہ اپنی ضروریات زندگی سے فطرۃً خوب واقف ہے جو فی الخارج پہلے ہی سے موجود ہیں۔ ضروریات زندگی کا احساس جو ہر ایک جان دار کے نفس میں فطرۃً ودیعت ہے خود کسی جاندار کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ عالم انسانی پر جو طبقہ حیوانات میں ممتاز درجہ رکھتا ہے، پر نظر کرو۔ اس کی حیٰوۃ الدنیا دیگر حیوانات سے کچھ مختلف نہیں۔ وہ انہی کی طرح پیدا ہوتا، پرورش پاتا، سوتا جاگتا، چلتا پھرتا، غرض مر کر خاک میں مل جاتا ہے۔ ضروریات زندگی تو فی الخارج موجود ہیں جو اس کی پیدا کردہ نہیں، خود ان کا احساس بھی اس کا پیدا کردہ نہیں۔ اگر اس کا بس چلتا تو کبھی بھوکا پیاسا رہنا پسند نہ کرتا اور اس کی شدت کا احساس تو نہایت ناگوار ہے۔

۴۔ اشیاء فی الخارج | اشیاء فی الخارج اور اس کا احساس فی الدین بالکل مختلف امور ہیں، اشیاء کو ایسی کیا پڑی ہے کہ ان سے ہماری خواہشات کو تسکین ہو اور کیوں ان سے ہماری خواہشات کو تسکین ہوتی ہے؟ اشیاء فی الخارج اور ان سے ہمارا نفسانی یا ذہنی تعلق ایسا امر ہے، جو نہ تو انسان کا پیدا کردہ ہے اور نہ اشیاء فی الخارج کا اس کا رجوع بھی اُسی ذات واحد کی طرف ہے جو اللہ سے موسوم ہے۔

---

[1] وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۳/۱۰۹)

[2] (۱) كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ط (۱۷/۸۴)

(۲) رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (۲۰/۵۰)

(۵) حیوٰۃ الدنیا | انسان کو اپنی حیوٰۃ الدنیا یعنی حیوانی زندگی کے لیے دیگر حیوانات کی طرح کسی معلم وکتاب کی ضرورت نہیں۔ طبقہ حیوانات میں ایک ننھی سی جان شہد کی مکھی ہے، جو اہل فکر کے لیے سبق آموز آیت ہے۔ ایسا گھر مناسب مقامات پر بناتی ہے کہ ماہران فن کے نفیس اوزار بھی بنانے سے قاصر ہیں۔ یہ فن تعمیر اسے کون سکھاتا ہے[1]۔ پھولوں اور پھلوں کی طرف اس کی راہ نمائی کون کرتا ہے؟ اور شہد بنانا کہ "فیہ شفاءللنّاس" یہ سب ایسے امور ہیں، جن کا رجوع بالآخر اللہ ہی کی طرف ہے!

(۶) اتباع فطرت | انسان اور دیگر حیوانات اپنی ادنیٰ زندگی میں اتباع فطرت کرتے ہیں اور اس کے لیے انہیں کسی اور معلم وکتاب کی ضرورت نہیں۔ حیوانات کے افعال خواہ کیسے حیرت انگیز ہوں، ان میں ارتقاء مشاہدہ نہیں ہوتا۔

بچہ بط اگرچہ بینہ بود آب و ریاش تا بسینہ بود

انسان بھی حیوانات کی طرح طوعاً اتباع فطرت کرسکتا تھا، لیکن اس صورت میں وہ حیوان ہوتا، انسان نہ ہوتا۔ اس کی پیدائش "احسن تقویم" کی شہادت دے رہی ہے، وہ طبقاً عن طبقٍ ترقی کرتا چلا آرہا ہے۔ دیگر حیوانات[2] غلطی نہیں کرتے، وہ اکثر کرتا ہے اور اسے اعلیٰ زندگی کے مرحلہ پر معلم کی، یعنی، انسان مذہب میں رسول اور کتاب (صحیفہ آسمانی) کی ضرورت ہے

(۷) انسان اور حیوان کا مابہ الامتیاز | حیوٰۃ الدنیا تو یہی خورد ونوش گاؤخر کی طرح ہے، یا زیادہ سے زیادہ ہر ایک شے کی کثرت کی خواہش[3]، کثرت مال واولاد، تفریح وتعیش کے سامان کی فراوانی اور پھر فخر ومباہات، لیکن جو کچھ اعلیٰ انسانی زندگی کے مناسب ہے، وہ حیوانات اور انسان میں ارتقائی علمی زندگی کا امتیاز ہے۔ اس کا احساس بھی ایسا ہی فطری ہے، جیسا ادنیٰ زندگی کی ضروریات کا۔

(۸) قانون ارتقاء | حیوٰۃ الدنیا یا ادنیٰ زندگی سے مراد وہ خصائص حیوانیہ ہیں جو نوع انسان سے ادنیٰ درجہ کے حیوانات میں پائے جاتے ہیں۔ قانون ارتقاء یہ ہے کہ ہر ایک نوع جو ارتقائی مرحلے طے کرتی ہوئی دیگر انواع سے گذرتی ہے، ان

---

[1] وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ (۱۶/۶۸)

[2] ..... لکھتا ہے کہ انسان اتباع فطرت طوعاً، کرہاً کرتا تو ہے لیکن عموماً اس کی ہدایت پر نہیں چلتا اور نہ ہماری علمی زندگی اس کے علم کی بنا پر ہے، اگرچہ ہمارا عمل کلہم فطرت کے مطابق ہی ہے اور نہ ہم مقصد کے حصول کے لیے علاً اس سے کام لیتے ہیں۔

[3] مَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (۲۹/۶۴)

ادنیٰ انواع کے خصائص کم و بیش قائم رکھتی ہے۔ اصول تنازع للبقاء کے تحت یہ خصائص حیوانیہ اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لیے انتہائی جدوجہد کرتے ہیں، اسی جدوجہد میں جو ایک طرف خصائص حیوانیہ اور دوسری طرف خصائص انسانیہ میں رہتی ہے، ترقی کا راز مضمر ہے۔ صالحات کے لیے بقا ہے اور غیر صالح مادہ فنا ہوتا رہتا ہے۔ والآخرۃ خیر و ابقیٰ

(۹) ایک غلط فہمی | بھوک کی شدت ہو اور کھانا میسر نہ ہو تو جہلاء اگر خدا کو یاد کرتے ہیں تو ناشائستہ الفاظ میں، لیکن اہل فکر جانتے ہیں کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں اور حکمت واضح ہے کہ ہم اشیاء فی الخارج کے حقائق سے آگاہ ہوں[۱] جن سے ہماری ضروریات ادنیٰ و اعلیٰ کے احساس کو تسکین ہو، ادنیٰ زندگی کی ضروریات بہت تھوڑی ہیں۔ اگر انسان مذموم کثرت کا خیال چھوڑ دے تو ان میں ممکن کبھی بھی ہو سکتی ہے، لیکن اعلیٰ زندگی کی ضروریات غیر محدود ہیں، ان کا فطری احساس بوجہ ہوائے نفس دبا رہتا ہے، اس لیے اکثر لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔ آنکھ کی پتلی میں ارض و سماء و ما بینھما سمائے ہوتے ہیں[۲]۔ کیا اس مشاہدہ کا مقصد اور غرض کچھ بھی نہیں؟ یہ مشاہدہ ہمارے تمام علوم و فنون کا سنگ بنیاد ہے۔ اشیاء فی الخارج زبانی فطرت سے اپنے حقائق کا اظہار ہم پر کر رہی ہیں، جن کا فہم ہمیں فطرتاً ہے، لیکن غلط فہمی سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری ضروریات زندگی سے نہیں اور خوارق ہم اُن ہی کو سمجھتے ہیں، جو ادنیٰ زندگی کے مناسب ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں کسی امر کا احساس بے فائدہ نہیں ہوتا۔ ناممکن ہے کہ ہم آنکھیں کھولیں اور کچھ نہ دیکھیں[۳]۔ اشیاء فی الخارج کا نقش بلا ارادہ ہی ہمارے حواس پر اور حواس کے ذریعے قلب پر پڑتا ہے۔ اعلیٰ زندگی کی ضروریات کا احساس تزکیہ نفس سے صاف صاف ممیز ہوتا ہے۔ اب یہ انسان کا اختیار ہے کہ حیوان مطلق ہی رہے یا انسان بنے۔ اگر امتیازی خوبی کے ہوتے اس سے کام نہ لے تو ظاہر ہے کہ وہ بہائم سے بھی گیا گذرا ہے، یہی لوگ اہل غفلت ہیں۔

---

[۱] وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۴۵:۱۳)

[۲] وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (۱۲:۱۰۵-۱۰۶)

[۳] وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ...... لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (۷)

(۱۰) اعلیٰ زندگی کا احساس | اہل ذکر و فکر کو اعلیٰ زندگی کا احساس اس شدت کا ہوتا ہے کہ انہیں اٹھتے بیٹھتے غرض ہر حال میں اسی کی دھن لگی رہتی ہے، وہ اس کی تسکین کے لیے خواب و خور بھی اپنے لیے حرام کر لیتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح ادنیٰ زندگی کے دل دادہ جنہیں دنیادار کہتے ہیں، جمع مال کے ذکر و فکر میں لگے رہتے ہیں۔

(۱۱) ہوائی نفس کی گم راہیاں | اس حقیقت میں بھی تدبر کرنا چاہیے کہ کیا وجہ ہے کہ ہر ایک شخص میں ادنیٰ زندگی کی ضروریات کا احساس تو ہوتا ہے اور ہر ایک شے جسے حیوانی "جسد" ملا ہے، طعام کی خواہش محسوس کرتی ہے[1] لیکن اعلیٰ زندگی کی ضروریات کا احساس ہر شخص کو نہیں ہوتا۔ بات یہ ہے کہ قوت تو ایک ہی ہے اور ایک ہی امر پر صرف ہوگی، بوجہ غلبہ ہوائی نفس یہ احساس اتنا کمزور ہوتا ہے کہ عوام النّاس کو اس کا شعور نہیں ہوتا، لیکن حقیقت یہ ہے

ہر کسے را بہر کارے ساختند　　　الفتش را در دلش انداختند

یہ قانون فطرت ہے کہ اعلیٰ زندگی کی ضروریات کا احساس کم و بیش ہر ایک شخص کو ہوتا ہے، لیکن عالم انسانی میں بھی ایسے نفوس قدسیہ ہیں، جنہیں بہت نمایاں طور پر اس کا احساس ہوتا ہے۔ لسان مذہب میں ایسے اشخاص "رسول" سے تعبیر ہوتے ہیں۔ یہ امور غیب ہوتے ہیں، ان پر اطلاع[2] اگرچہ خاص خاص اشخاص کو ہوتی ہے، لیکن اس کا فائدہ ہر اس شخص کو یکساں ہوتا ہے، جو اس کے فوائد کو تسلیم کر کے اسے عمل میں لاتا ہے اور جو لوگ تسلیم نہیں کرتے یا تسلیم کرتے ہوئے عمل میں نہیں لاتے وہ مقہور و مغضوب ہوتے ہیں۔ مثلاً لاسلکی کا القا ابتداءً ایک ہی شخص کو ہوا لیکن اس کا فائدہ ہر اس شخص کو یکساں ہے جو اٹھانا چاہے: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (۷۳/۱۹) قرآن تو اس عہد کی یاد دہانی ہے جو ہر شخص کی فطرت میں ودیعت ہے اور اس سے اس کے فطری احساس کو جو خفتہ ہے، بیدار کرنا ہے۔ چوں کہ غیب پر اطلاع خاص خاص اشخاص کو ہوتی ہے، اس لیے لازماً وہی عوام النّاس کے معلم ہوتے ہیں اور ان کی تعلیم ذہنی ارتقا کے مناسب کتاب کے ذریعے ہوتی ہے[3]، یہ تمام علمی امور ہیں۔ بہرحال ضروریات زندگی خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ اور انسانی ذہنی تسکین کے اسباب خارج ہی میں موجود ہیں۔

---

[1] وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (۲۱/۸)

[2] وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۳/۱۷۹)

[3] اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۹۶/۳-۵)

(۱۲) اعلیٰ زندگی کی ایک بڑی ضرورت | یہ تو ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ عالم انسانی کو اعلیٰ زندگی کے لیے رسل و رسالات کی ضرورت ہے، چوں کہ ہر ایک امر کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے اس لیے معلم اوّل تو وہی علیم مطلق ہے جس سے کوئی امر پوشیدہ نہیں، اور اس کی کتاب صحیفہ فطرت ہے "جو کتاب مبین" اور "کتاب منیر" اور بہ لحاظ معانی کتاب مکنون ہے۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۱/۲)

وہ کتاب (فطرت) جس میں (شک و) ریب نہیں، ہدایت ہے اہل تقویٰ کے لیے جو (اس کتاب مکنون کے معانی) غیب پر ایمان لاتے ہیں اور صلوٰۃ قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ان کو (غیب سے) عطا ہوتا ہے (اس پر بخل نہیں کرتے بلکہ بندگان خدا پر) انفاق کرتے ہیں اور وہ جو اس پر جو تجھ پر نازل ہوا (قرآن) اور اس پر جو تجھ سے پہلے نازل ہوا (کتب سابقہ پر) ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یہ لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ (اعلیٰ مقصد انسانی یعنی) فلاح پانے والے ہیں۔

(۱۳) رسول کی شہادت | رسول شاہد ہوتا ہے اور اس کی شہادت "خبر صحیح" ہوتی ہے۔

فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شنید

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (۱۲/۲) اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (۲۲)

خبر صحیح دو امور کے متعلق ہوتی ہے، ایک تو گذشتہ زمانہ کے واقعات اور دوسرے آیندہ زمانہ کے امور کے متعلق، اول الذکر "تصدیق" ہوتی ہے اور موخر الذکر "بشارت" اور "انذار" قرآن سب کا جامع ہے

(۱۴) حال و استدلال | سوال یہ ہے کہ کتاب فطرت کی آیات یا کتاب مکنون کے معانی کا علم خدا کو کس طرح ہوتا ہے؟ اس کا صحیح جواب وہی ہے جو ہم دے چکے ہیں کہ جس طرح ادنیٰ زندگی کی ضروریات کا فطری احساس اشیاء فی الخارج کی طرف راہ نمائی کرتا ہے، اسی طرح نفوس قدسیہ کو فطرۃً اعلیٰ زندگی کی ضروریات کا احساس ہوتا ہے جن کا تصفیہ قلب "نہی النفس عن الھویٰ" کے بعد ہوتا ہے اور ان کے قلب سلیم کو اطمینان بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ادنیٰ زندگی کی خواہشات کو تسکین موہومہ ہوتی ہے، یہ دعویٰ تو اہل تقویٰ کا ہے جو اہل کشف و حال ہیں، جسے اہل قال یا استدلال تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک تجربہ ہی واحد ذریعہ علم ہے جس کی استدلال عقلیہ سے تصدیق

ہو اور جہاں عقل عاجز ہو، وہاں "لاادریت" کا ترانہ الاپنا چاہیے۔ بلا شبہ عقل نعمت الٰہی ہے اور اس کا انکار کفران[1] نعمت ہے۔ یہ "عصاء موسیٰ" تو ضرور ہے جس سے اکثر کام نکلتے ہیں، لیکن "ید بیضا" کے قبضہ میں نہ ہو تو خطرناک سانپ بھی ہے۔ ید بیضا نور باطن ہے اور اسی نور سے جو کچھ ادراک ہوتا ہے وہ اہل تقویٰ کے نزدیک مشاہدہ ہے، عقل اندھوں کا عصاء ہے لیکن عصاکش چشم بینا بھی ہونی چاہیے ورنہ اس ظلمت کدہ میں ہلاکت کا خطرہ ہر ایک قدم پر ہے ؎

در رہ عشق قدم بے ہمرہی خضر منہ ظلمات است و بترس از خطر گمراہی

(۱۵) عقل و عمل | ہم واضح کر چکے ہیں کہ انسانی ضروریات اور ان کا احساس خود انسان کا پیدا کردہ نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ خود اس کا وجود اس کا اپنا پیدا کردہ نہیں، وہ خود اس کے تمام حواس ظاہری اور قوائے باطنی فطرت کے آلات کار ہیں، جو اس کو کسی خاص مقصد کے لیے عطا ہوئے ہیں اور ان میں عقل بھی ایک آلہ کار ہے، عقل کسی عمل کا محرک نہیں ہے، عمل خواہ اچھا ہو یا بُرا، عقل بطور ایک وفادار خادم کرنے کے لیے تیار ہے۔ اگر اس پر ہوائے نفس کا غلبہ ہو تو نفس امارہ بالسوء اس سے وہ کام لے گا جو عام مشاہدہ میں آرہا ہے۔

(۱۶) "مشاہدہ" کی تعریف | اس میں کچھ شک نہیں کہ علم مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے، لیکن مشاہدہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ مولانا روم اہل حال و قال کی بحث دربارہ علم پر بحث اس طرح کرتے ہیں۔ "بحث جانی" اہل حال کے نزدیک یہی صحیح علمی بحث ہے اور اہل قال کے نزدیک سب سے کمزور دلیل یہی ہے۔ کمال وجدان ہوائے نفس کی نہی سے حاصل ہوتا ہے اور مشاہدہ اہل تقویٰ کے نزدیک آفتاب کو آفتاب کی روشنی میں دیکھنا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ آفتاب کے سامنے چشم خیرہ اور نگاہ تیرہ ہو جاتی ہے۔

چو چشم سر ندارد طاقت و تاب تواں خورشید تاباں دید در آب

وزو چوں روشنی کمتر نماید در ادراک تو حالی می فزاید

اسی طرح نور حق حجاب ہی میں مشاہدہ ہو سکتا ہے، اس کی مثال شمع کی سی ہے کہ تنگ و تاریک مکان کے در و دیوار اور تمام اشیاء جو اس میں ہوں، روشن کرتی ہے۔ اگر شمع کو علیحدہ کر دیا جائے تو مکان اور اس کی ہر ایک شے تاریکی میں غائب ہو جائے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ مکان اور اس کی ہر شے بذاتہ تاریک ہے اور ان کا ادراک روشنی

---

[1] وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (۱۰/۱۰)

ہی میں ہوتا ہے، اس لیے یہ امر معقول فی الدین ہے کہ سب سے پہلے اسی نورِ شمع پر پڑتی ہے، اس کے بعد اشیاء پر، لیکن نورِ شمع لطیف شے ہے، ہم اسے تو نظر انداز کرتے ہیں اور محض اشیاء کو دیکھتے ہیں، یہی کیفیت کل کائنات کی ہے ارض و سما و ما بینهما کو تو ہم دیکھتے ہیں لیکن نورِ حق کو نہیں دیکھتے جس سے ہمیں کائنات کا ادراک ہوتا ہے[1] لیکن جب تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو تو حواس و نفس و قلب[2] سب نور علیٰ نور ہو جاتے ہیں، جیسے شمع پر زجاجہ وغیرہ

اگر خورشید بریک حال[3] بودے — شعاع او بہ یک منوال بودے
ندانستے کسے کیں سایہ اوست — بنودے ہیچ فرق از مغز تا پوست
چو نورِ حق ندارد نقل و تحویل — نیابد اندرو تغییر و تبدیل
تو پنداری جہاں خود ہست دائم — بذات خویشتن پیوستہ قائم

اگر سورج ہمیشہ نصف النہار پر ہوتا تو ہمیں احساس بھی نہ ہوتا کہ اشیاء اس کی ضیا سے روشن ہیں، اس امر کا ادراک ہمیں اس وقت ہوتا ہے، جب سورج آہستہ آہستہ ڈھلتا ہوا غروب ہو جاتا ہے اور دنیا پر تاریکی چھا جاتی ہے، چوں کہ نورِ حق میں نقل و تحول و تغیر و تبدل نہیں، اس لیے ہم یہ قیاس کرتے ہیں کہ ارض و سما ہی بذاتہ روشنی ہیں اور قائم بالذات ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان کا ادراک نورِ حق سے ہو رہا ہے، "اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض" ہمارا قلب اور حواس حجاب بھی ہیں اور آلۂ کار بھی، بصارت اسی نور کی وجہ سے ہے۔

(۲) بحث عقلی، اہل استدلال کا انحصار اسی پر ہے۔ استدلال دو یا دو سے زیادہ اشیاء کا تقابل ہے اور اس نسبت یا تعلق کا دریافت کرنا ہے جو مستقل ہو یا غیر مستقل جن سے اشیاء ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، یہ تقابل ہم اس وقت کرتے ہیں جب دونوں اشیاء موجود ہوں یا دونوں ظاہری حواس کے سامنے نہ ہوں، یا ان میں سے ایک موجود ہو۔ جب دونوں حواس کے سامنے ہوں اور ان کا باہمی رشتہ بھی محسوس ہوتا ہو تو مشاہدہ سے تعبیر ہوتا ہے جو کہ بالبداہت ثابت شدہ امر ہے، "لا ریب فیہ" اس کے لیے کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔

استدلال عقلیہ چند امور پر مبنی ہیں، مثلاً "عینیت" یعنی ایک ہی شے کا مختلف زمان و مکان میں ایک ہی

---

[1] لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (۶/۱۹)

[2] اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۱۹/۲)

حالت میں مشاہدہ ہونا، یا مختلف اشیاء کا ہرایک تفصیل میں بعینہٖ ایک جیسا ہونا، مماثلت اور مشابہت، تضاد اور تخالف، تعلق زمان و مکان (مثلاً دور و نزدیک، تہ و بالا، پس و پیش اور علیٰ ہٰذا القیاس) علت وغیرہ ان قوانین کے تحت کسی شے کی معرفت اور نامعلوم کا فہم ہوتا ہے، ان کا استعمال تذکر و تفکر میں ہوتا ہے۔

(۳) بحث حسی، یہ محض ظنیات ہیں اور ایک دنیا ان میں الجھ کر گمراہ ہو رہی ہے۔ ظنیات[1] ظنیات ہی ہے

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یہ جادوگروں کی رسیاں ہیں جو عصاءِ موسیٰ کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، لیکن " ہیں عصا چہ بود قیاسات و دلیل "

(۱۷) نور و برہان | اول الذکر بحث جانی "نور" اور بحث عقلی "برہان" ہے اور قرآن دونوں کی طرف راہ نمائی کرتا ہے حضرت موسیٰ ؑ کو بھی یہی دو برہان[2] عطا ہوئے تھے، یعنی دلیل وجدانی یا ایمانی اور عقلی یا تشبیہی و تنزیہی۔

بود فکر نکو را شرط تجرید | پس انگہ لمعۂ از برق تائید
ہر انکس راکہ ایزد راہ نمود | از استعمال منطق ہیچ نکشود

(۱۸) علمی مجادلے کا اصول | اس تشریح کے بعد یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ کسی شے کی معرفت کے تین مراتب ہیں، مشاہدہ اور استدلال اور خبر صحیح، علمی مجادلہ[3] ان تینوں میں سے کم از کم ایک پر ہونا چاہیے۔ جہاں ان میں سے ایک بھی نہ ہو وہاں بحث ہی فضول اور محض تضیع اوقات ہے، اس حقیقت کو ایک اور آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ ناممکن ہے کہ کسی بشر کو حقیقت مجردہ کا احساس تک ہو، البتہ دو صورتوں[4] میں ہو سکتا ہے، ایک "وحیاً" دوسری "من وراء حجاب" اس طرح احساس ان نفوس قدسیہ کو ہوتا ہے جو لسان مذہب میں "رسول" کہلاتے ہیں۔ رسول کے ذریعے عوام الناس کو ہوتا ہے، رسول صراط مستقیم پر ہوتا ہے اور لوگوں کی رہنمائی اسی صراط مستقیم کی طرف کرتا ہے، جیسا کہ "نھدی بہ من نشاء من عبادنا" اور "انک لتھدی الی صراط المستقیم" سے واضح ہوتا ہے۔

---

[1] وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۚ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (۲۷)

[2] (۱) فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ (۲۸)
(۲) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (۶)

[3] وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (۱۷)

[4] وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (۲۵)

(۱۹) کلماتُ اللہ | لسانِ مذہب میں "کلمات اللہ" وہ حقائق ہیں، جو اشیاء کی صورتوں میں رونما ہوتے ہیں، بجز حقائق بلا صورت کا احساس انسان کے لیے ناممکن ہے اور یہی مفہوم "مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ" کا ہے، ہمیں صرف اشیاء کی صورتوں کا احساس ہی ہوتا ہے، سامعہ میں آوازیں اور لامسہ میں سختی و نرمی و سردی و گرمی ایسی ہی صورتیں ہیں جیسے باصرہ میں رنگ روپ اور علیٰ ہذا القیاس۔

(۲۰) وحی کیا ہے؟ | اشیاء فی الخارج کا عکس یا نقش (Impression) جب بذریعہ حواس قلبِ انسانی پر پڑتا ہے تو اس میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے جو ہمارے قوائے باطنی کو ابھارتی ہے جس سے خیال (Idea) پیدا ہوتا ہے، اسے لسانِ مذہب میں "وحی" کہتے ہیں، کلمات اللہ یا حقائق اشیاء کی صورتوں میں محجوب ہیں، پس پردہ "مامن وراء حجاب" متکلم اللہ ہی ہے اور مخاطب انسان۔ حقیقت انسانی بھی ایک کلمہ[1] ہے۔ بلحاظ کلمہ اس میں اور دیگر اشیاء میں کچھ اختلاف نہیں۔ روح بھی کلمہ ہی ہے، لیکن اس کا تمثل صرف انسانی صورتیں ہوتا ہے، یا یہ کہو کہ انسانی حقیقت وہ کلمہ ہے جس کا امتیازی نام "روح" ہے۔ بلحاظ روح ایک انسان دوسرے سے ممتاز نہیں، لیکن دیگر اشیاء سے ممتاز ہے، جب کسی انسان پر رسول کا اطلاق ہو تو وہ عالم انسانی میں ممتاز درجہ رکھتا ہے اور اس کا روح "روح القدس" ہوتا ہے۔ یہ تزکیہ نفس کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔ "الروح الامین" خاص ایک ہی شخصیت ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (باقی آئندہ)

---

[1] اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ قف وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ (۴۴)

زاہد سے

خمسہ بر ابیات حافظؒ

ترے اعمال ہیں نیک اور مرا کردار ہے زشت میں سزاوارِ جحیم اور تُو حقدارِ بہشت
تری تقدیر میں مسجد، میری قسمت میں کنشت عیبِ رنداں مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت
کہ گناہِ دگرے بر تو نخواہند نوشت

اے ترا ناخنِ تکفیر مرا سینہ خراش سحر و شام تجھے میرے گناہوں کی تلاش
اپنے انجام کا بھی فکر کرے تو اے کاش من اگر نیکم و گر بد تو برو خود را باش
ہر کسے آں درود عاقبتِ کار کہ کشت

مجھ کو بھولا نہیں وہ عہدِ جگر دوزِ ازل میرے دل میں ہے ابھی شعلہ فگن سوزِ ازل
مری جاں پر ہے مسلط آدابِ آموزِ ازل ناامیدم مکن از سابقۂ روزِ ازل
تو چہ دانی کہ پسِ پردہ چہ خوبست چہ زشت؟

ہوس اک بحرِ عمیق اور ہوں میں صورتِ خس ہے مرا خانہ برانداز یہ طوفانِ ہوس
اس تلاطم میں ہوئے غرق بہت پیش و پس نہ من از خانۂ تقویٰ بدر افتادم و بس
پدرم نیز بہشتِ ابد از دست بہشت

یاں کوئی علم و فضیلت نہیں نازش کا محل یاں کوئی زہد و عبادت نہیں بے خوفِ خلل
یاد کر بلعمِ باعور کا زھد اور عمل برعمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روزِ ازل
تو چہ دانی قلمِ صنع نبامت چہ نوشت؟ "ع"

نوادرِ مُطالعہ

اقوالِ جمالؒ

"سید جمال الدین افغانی آلِ نبی سے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ خود ایک نبی سے مشابہت رکھتے ہیں۔"

(موسیو ہنری راشفور فرانسیسی)

"اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے علاوہ جن نفوس کو قوتِ ذہن اور وسعتِ عقل اور دقتِ نظر عطا کیا کرتا ہے، وہ سب اُن میں (سید جمال الدین میں) بدرجہ اتم موجود ہیں تو میرا یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں۔" (مفتی محمد عبدہ)

اقوالِ سید جمال الدین (۱) لا صداقۃ الا باتحاد المشرب، ولا قرابۃ الا لوحدۃ المآرب۔[1]

(۲) در جوانی شعر می سرودم ولیکن در بزرگی ترکش گفتم۔[2]

(۳) الدنیا لعب ہر کہ برد برد و ہر کہ باخت باخت۔[3]

(۴) انعدام صاحب نیت اسباب انعدام نیت نمی شود۔[4]

(۵) فلسفے کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ دنیا میں کوئی چیز ہماری نہیں اور ایک لقمے پر قناعت کرنی چاہیے ــــ دوسری یہ کہ دنیا کی تمام خوب اور اچھی چیزیں ہمارا مال ہیں۔ یہ دوسری قسم بہتر ہے، اسی کو اپنا دستور العمل بنانا چاہیے، نہ پہلی قسم کو، کیوں کہ وہ بشری فطرت کے موافق نہیں۔

(۶) جوانوں کے لیے علم ادب زینت اور زیور کمال ہے، لیکن اسی کو کافی نہ سمجھ لینا چاہیے۔ ایسی قناعت درجات کمال سے دُوری اور پست ہمتی ہے، کیوں کہ کمال کے لیے کوئی حد و نہایت نہیں۔

---

[1] دوستی اتحادِ مشرب، اور قرابت، وحدتِ مقاصد کے سوا متصور نہیں۔

[2] میں جوانی میں شعر کہتا تھا لیکن بڑے ہو کر ترک کر دیا۔

[3] دنیا کھیل ہے جس نے جیتا، جیتا۔ جو ہارا، ہارا۔

[4] صاحبِ نیت کی موت سے نیت فنا نہیں ہوتی۔

(۷) میں کتابیں لکھتا نہیں، زندہ کتابیں تصنیف کر رہا ہوں۔

(۸) اگر کوئی شخص اپنے حق میں نیکی کرنا چاہتا ہے تو یہ مشکل ہے، لیکن اگر وہ اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنی ذاتی خواہشات قربان کرنی ہوں گی۔

(۹) مسلمانوں کے زوال کے متعلق اہل یورپ کا شکوہ خطا ہے، مسلمانوں کی خرابی حال خود انہیں کے اندرونی اخلاطِ فاسدہ کے سبب سے ہے۔

(۱۰) حق وہ ہے جو دلیل و برہان رکھے۔

(۱۱) (مصر سے خارج البلد ہونے کے وقت ایرانی سفیر نے کچھ روپیہ بطور زادِ راہ پیش کیا تو اس کو جواب دیا)

"مجھ سے زیادہ تم کو اس چیز کی ضرورت ہے، شیر جہاں جاتا ہے، اپنے لیے غذا مہیا کر لیتا ہے۔"

چند اشعار جو شیخ اکثر پڑھا کرتے تھے:

نخستین بادہ کاندر جام کردند ‎ ‎ ‎ ‎ ز چشم مست ساقی وام کردند

چو خود کردند سِرّ خویشتن فاش ‎ ‎ ‎ ‎ عراقی را چرا بدنام کردند

باز از سخن پیرم یک حرف مرا یاد است ‎ ‎ ‎ ‎ ویراں نشود عالم تا میکدہ آباد است

یا دل کہ تواند بُرد یا جاں کہ تواند داد؟ ‎ ‎ ‎ ‎ دل بردن و جاں دادن ایں ہر دو خدا داد است

آسماں رشک برد بہر زمینے کہ در و ‎ ‎ ‎ ‎ یک دو کس بہر خدا یک نفسے بنشینند

من آں شوخ طناز را می شناسم ‎ ‎ ‎ ‎ من آں مایہ ناز را می شناسم

بگوشِ من آمد دی آواز پائے ‎ ‎ ‎ ‎ من آں صاحب آواز را می شناسم

مذہب افغانی | جب کوئی شخص سید مرحوم سے ان کا مذہب پوچھتا تو فرماتے "میں مسلمان ہوں"۔ ایک دن مجلس درس میں ایک سنّی عالم نے جو صاحب مجلس تھا، سید مرحوم سے سوال کیا "آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں"۔ آپ نے جواب دیا "میں مسلمان ہوں"۔ صاحب مجلس نے دوبارہ پوچھا "کس طریقہ پر"۔ سید نے فرمایا "میں اپنے سے بڑا کسی کو نہیں جانتا کہ اُس کا طریقہ قبول کروں"۔ صاحب مجلس نے پھر کہا "آپ کی رائے چار طریقوں (حنفی شافعی، مالکی، حنبلی) میں کس سے مطابقت رکھتی ہے"۔ سید نے فرمایا "مختلف ہے، بعض امور میں ایک کے ساتھ بعض میں دوسرے کے ساتھ"۔ .... حضرت رسول اللہ صلعم کو بہت محترم جانتے تھے۔

مرزا دانش لکھتے ہیں، پیامبر آخر زماںؐ کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے:

دین مُرا در پئے آرائش اند | در پئے آرائش و پیرائش اند
بسکہ بہ بستند بروبرگ ساز | گر تو بہ بینی نشناسیش باز (حیاتِ افلاطون)

مکالمہ سقراط و آنیقون

آنیقون۔ میں خیال کرتا تھا کہ فلسفی دوسرے لوگوں سے زیادہ خوش نصیب ہوں گے۔ لیکن اے سقراط تجھ دیکھ کر مجھے اپنا یہ خیال بدلنا پڑا۔ تیری زندگی ایسی ہے جسے ایک غلام بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کھانے پینے کی ثقیل اور بے مزہ چیزیں تجھے خوش کر دیتی ہیں۔ تیرے پاؤں میں اچھی جوتی ہے نہ جسم پر عمدہ کپڑا۔ اور اس پر مزید یہ ہے کہ کوئی روپے پیسے سے تیری امداد کرنا چاہے تو تو اسے قبول نہیں کرتا، حالاں کہ تو اس سے آسودگی حاصل کر سکتا ہے۔ شاگرد عموماً اپنے استادوں کے پیرو ہوتے ہیں، یقین کر کہ تیرے شاگرد تجھ سے یہی بدبختی سیکھیں گے۔

سقراط۔ اے آنیقون! تیرے خیال میں مَیں مفلس ہوں اور موت سے بدتر زندگی گزارتا ہوں۔ غور کر تو میری زندگی میں کیا تلخی دیکھتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو لوگ روپیہ پیسہ قبول کرتے ہیں، وہ اُن شرطوں کو بجا لانے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں جو روپیہ لینے والے کو لازم ہوتی ہیں۔ لیکن مَیں جو کسی سے کوئی چیز نہیں لیتا، اپنے مذاق سے مختلف لوگوں کی ہم نشینی کے لیے کبھی مجبور نہیں ہوتا۔ تو میری غذا کی تحقیر کرتا ہے، کیا وہ تیری غذاؤں کی طرح صحت بخش نہیں؟ یا ان کا حصول بہت مشکل، بہت نادر اور بہت گراں ہے؟ یہ سچ ہے کہ تیری غذائیں میری غذاؤں سے زیادہ لذیذ ہیں، لیکن کیا تو نہیں جانتا کہ کامل اشتہا کے ساتھ لطافت غذا کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو شخص پیاس بجھانے کے لیے پانی پیتا ہے، وہ ایسے مشروبات کو ہرگز خیال میں نہیں لاتا جو اُسے میسر نہیں —— باقی رہی لباس کی بات، وہ سردی و گرمی سے حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور جوتا اس لیے پہنا جاتا ہے کہ راہ چلنے میں پاؤں کو زخم نہ لگے۔ تو جانتا ہے کہ جو لوگ طبعاً کمزور ہوتے ہیں، دائمی ورزش سے طاقت ور ہو جاتے ہیں اور جو قوی ہوتے ہیں، ورزش کو چھوڑنے سے کمزور ہو جاتے ہیں اور جلدی تھک جاتے ہیں۔ تو خیال کرتا ہے کہ میں اپنی سادہ خوراک و لباس کی وجہ سے بڑے مقابلے کی قوت نہیں رکھتا۔ میں بیوی، شہوت اور نیند کا قیدی کیوں نہیں بنا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بہت سی دوسری لذتوں سے آشنا ہوں جو وقتی و ہنگامی نہیں بلکہ غیر فانی و دائمی ہیں۔ تیری نگاہ میں عیش و تجمل کا سامان منبع سعادت ہے، لیکن میں تصور کرتا ہوں کہ خداوند تنہا ہے اور ہر چیز سے بے نیاز، پس جو شخص جتنا کم حاجت مند ہوگا، خدا کا مقرب ہے اور چونکہ کوئی ہستی خدا تعالیٰ کی طرح کامل نہیں ہے، پس جو خدا سے زیادہ نزدیک ہوگا، مرتبہ کمال سے بھی نزدیک تر ہوگا۔ ("رہبر نژاد نو" مطبوعہ برلن)

یوشوا نصرانی

(دو نادر مکتوب)

۶۲ء میں ایک رومن طبیب ایسکلیپس کلٹیلس نے اپنے شامی فوج میں گئے ہوئے بھتیجے کو لکھا:

پیارے بھتیجے! میں نے پال نامی ایک مریض کو دیکھا۔ لوگ تو اسے بڑا سر پھرا آدمی کہتے تھے، لیکن میں نے اسے بڑا عقیل و شریف پایا۔

میں نے ایک دوست کی زبانی سنا کہ یہی پال، افیس کے شہر میں ایک عجیب و غریب نئے خدا کی تبلیغ کرتا پھرتا تھا۔ میں نے پال سے پوچھا کہ لوگ تم پر خلاف سلطنت تقریریں کرنے کی تہمت دھرتے ہیں۔ یہ کہاں تک ٹھیک ہے۔ اس نے کہا، میں اس دنیا کی سلطنت کا ذکر نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ کئی اور باتیں بھی کہیں جو میری سمجھ میں نہ آئیں۔ میں نے اس پر ہذیان کا گمان کیا۔ میں اس کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا، کچھ دن بعد میں نے سنا کہ وہ اوسٹین کی سڑک پر مارا گیا۔ مجھے بہت قلق ہوا۔ میں یہ خط تمہیں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ جب تم یوروشلم جاؤ تو پال کا حال معلوم کرو۔ وہاں ایک عجیب و غریب یہودی پیغمبر تھا جو غالباً اس کا استاد تھا۔ اس کا اور اس کے متعلقہ صلیب نئی بادشاہی وغیرہ باتوں کی تحقیق کرو۔ (تمہارا مشفق چچا ایسکلیپس کلٹیلس)

جواب میرے پیارے چچا! تعمیل ارشاد میں عرض گذار ہوں کہ بہت تحقیق و تجسس کے بعد ایک بوڑھے خوانچے والے نے بتایا کہ شہر کے باہر ہی گلگوتھا نامی ایک پہاڑی ہے۔ میرے ابا یہ کہہ کر مجھے وہاں لے گئے کہ چل تجھے جوڈیا کے قانون شکنوں کا حال دکھاؤں[1]۔ پھر اس نے مجھے یوسف نامی ایک شخص کا پتہ دیا جو مسیح کا بڑا دوست تھا۔ میں آج صبح یوسف کے پاس گیا، بہت بوڑھا آدمی ہے، جو کبھی ماہی گیر تھا، اس کا حافظہ بہت اچھا ہے اس کی زبانی فتنہ و فساد کے مفصل حالات معلوم ہوئے۔ اُس نے بتایا کہ ۳۰ء یا ۳۳ء[2] میں یوروشلم میں فساد برپا ہو گیا۔ جوڈیا اور سیمیریا کے گورنر پائلیٹس کو وہاں جانا پڑا۔ وہاں مشہور تھا کہ ایک نوجوان نیزارتھ ایک بڑھئی کا بیٹا رومن حکومت کے خلاف بغاوت پھیلا رہا ہے، جس سے ہمارے مخبر محض بے خبر تھے۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ بڑھئی بچارا بالکل بے گناہ ہے۔ لیکن یہودیوں کے قدامت پسند مذہبی رہنما یہود میں اس کی مقبولیت کو دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے، اُس کا اعلان تھا کہ "کوئی یونانی یا رومن یا فلسطینی بھی نیک ہو تو اس یہودی سے کسی طرح کم نہیں جو عمر بھر قوانینِ موسوی کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔"

[1] یعنی مسیح کے مصلوب ہونے کا منظر (البیان)

[2] ؟

پاٹلیٹس نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی، لیکن جب عبادت گاہ کے قریب اس کو اور اس کے پیروؤں کو مارنے کے درپے ہوئے تو پاٹلیٹس نے اُسے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ یہود کے مذہبی رہناؤں سے دریافت کیا تو وہ "بدعت" "بدعت" اور "بغاوت" "بغاوت" کرتے اور جوش دکھاتے رہے۔ آخر اس نے یوشوا (یسوع) کو بلاکر دیر تک گفت وگو کی۔ یسوع نے کہا کہ مجھے سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جسموں کو نظر انداز کرکے روحوں کی فکر کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ پڑوسی کو اپنا بھائی سمجھیں اور خدائے واحد سے محبت رکھیں۔ پاٹلیٹس کو اس میں کوئی باغیانہ بات نظر نہ آئی۔ اس نے اس نیک شخص کی جان بچانے کے لیے مکرر کوشش کی، لیکن یہودی اپنے رہناؤں کے اکسانے پر غصے سے دیوانے ہوگئے۔ سیزریا میں حکام کو اس مطلب کے محضر نامے پہنچائے گئے کہ "پاٹلیٹس شہنشاہ کا دشمن ہے اور یسوع پر ایمان لے آیا ہے، اسے واپس بلا لیا جائے۔"

ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لیے پاٹلیٹس نے اس قیدی کو مصلحتوں کی بھینٹ چڑھا دیا۔ یوشوا نے اپنے وقار اور سکون کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ سب دشمنوں کو معاف کر دیا۔ جب اسے سولی پر چڑھایا گیا تو یروشلم کے لوگ قہقہے لگا رہے تھے اور خونخوار درندوں کی طرح چیخیں مار رہے تھے۔

امید ہے کہ اس خط سے آپ کو اپنے سوالات کا جواب مل جائے گا۔ (آپ کا پیارا بھتیجا گلیڈیس انسا)

(اقتباس از "نوعِ انسانی کی کہانی" مصنفہ ہنڈرک وان لون)

تفسیر القرآن

(جلد ششم)

آپ اس کتاب میں دیکھیں گے کہ یہ مجموعہ مضامین، سرسید مرحوم کی تمام تالیفات کا نچوڑ ہے، نزولِ وحی، ترتیب قرآن، علاماتِ قیامت، ولادتِ مسیحؑ، یاجوج ماجوج اور نماز جیسے ۱۹ موضوعوں پر نہایت محققانہ بحث آپ اس کتاب میں پائیں گے، اس کے علاوہ سر ولیم میور نے قرآن مجید کے خلاف جو اعتراضات شائع کیے تھے، اس مجموعے میں ان اعتراضات کے مفصل اور معقول جواب بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب آج سے بارہ برس قبل طبع ہوئی تھی اور اس کے بعد غالباً اس کی مزید اشاعت کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا۔ ہمارے پاس صرف چند کاپیاں ہیں، آپ موقع غنیمت جان کر آج ہی طلب فرمائیے۔ ضخامت ۲۶۳ صفحے، "البیان" سائز، قیمت عہ، محصول الگ۔ (پتہ: دفتر امتِ مسلمہ امرتسر)

تو پھر عذاب الٰہی کے آنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟ جب یہ موقعہ آتا ہے، تو تمام گھمنڈ اور فضول شیخیاں کر کری ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یہ تباہی ان کی اپنی ہی کرتوت کے سبب آتی ہے۔ جب ظلم کی حد ہو جاتی ہے، تو رحمت الٰہی اپنے نیک بندوں پر بارش کی طرح برستی ہے اور ان کی پوری پوری حمایت کرتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے اور برائی کا راستہ ترک کر دیا جائے۔ دیکھو، مجرمین کی گرفت کیوں ہوئی)

(۲۲) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ یہ اس لیے کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آتے تھے (مگر یہ کفار کھلی اور واضح ہدایات کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کو تو پُراسرار دین چاہیے تھا اور یہ پُراسرار دین، دیوتا، دیویاں اور شفعاء وغیرہ ہی بنا سکتے ہیں کہ لوگوں کی عقلوں پر پردے ڈال کر اپنا الّو سیدھا کیا جائے۔ پس دین حقیقی کی یہ ناہنجار کیا قدر کر سکتے ہیں؟ دیکھو بیّنات کے ساتھ ان کا کیا کچھ سلوک ہوا) پس (تعلیم حق سے) انکار کر دیا (تو پھر ان کے لیے راہ فرار بھی کیا تھی؟) تو پکڑ لیا ان کو اللہ نے (کیونکہ تحقیق وہ (اللہ کامل مطلق) بڑی قدرت (و زور) والا بڑی پکڑ والا ہے (اس کے مقابلہ میں کون آ سکتا اور چون و چرا کر سکتا ہے؟ زمین پر ہی اس کے فیصلوں کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا تو کیا عقبٰی ہی میں آخری نتائج نکلنے کے وقت شفعاء وغیرہ دخل دیں گے؟ اکثر مشرکین کہا کرتے ہیں کہ ان کو اذن دیا جائے گا یا دیا جا چکا ہے۔ بھلا قطعی فیصلوں کے موقعہ پر اذن و اجازت کی گنجائش بھی نکل سکتی ہے؟ ایسی لایعنی بات کو ان مشرکین کے دماغ ہی تسلیم کر سکتے ہیں، جنہوں نے یوم الدین کے لیے شفعاء بنا رکھے ہیں۔ مومن کا تو یہ عقیدہ ہے کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی حق کو دنیا میں بھی غلبہ دیتا ہے اور عاقبت میں بھی حق پر چلنے والوں کو ہر طرح نوازتا ہے۔ دیکھو، دنیا میں حق کو کیوں کر غلبہ دیا جاتا ہے اور باطل کو تباہ کیا جاتا ہے۔ فرمایا)

(۲۳-۲۴) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ○ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○ اور البتہ بھیجا ہم نے (یعنی خدا نے) موسیٰ کو آیات اور واضح دلائل کے ساتھ (یعنی منقول اور معقول دلائل ایک دوسرے کے موید و ممد۔

کتاب توراۃ اور صحیفۂ فطرت کے روشن اور کھلے بیان دے کر بہت بڑے جابر اور مفسد بادشاہ) فرعون کی طرف اور (اس کے وزیر کی طرف جسے اپنی عقل و تدبر پر بہت ناز تھا یعنی) ہامان اور (جو بہت بڑا دولت مند تھا یعنی) قارون (کی طرف، مگر یہ لوگ بین دلائل پر غور و فکر کر کے نتیجہ پر پہنچتے اور نیک نیتی سے سوال و جواب کرتے تو کوئی بات بھی تھی، وہاں تو تکبر، نخوت، غرور، شیخی اور تعلی کے بغیر اور کچھ تھا ہی نہیں۔ انہوں نے آیات میں بغیر دلیل کے فضول جھگڑا کیا۔ نامعقول طریق پر کتاب الٰہی کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کیا اور بغیر سوچے سمجھے ڈٹ گئے) پس بولے (تو یہ بولے) یہ تو جادوگر ہے بہت ہی جھوٹا (یہ ہے نامعقول طریق کہ بغیر سوچے سمجھے شیخی اور غرور سے یہ الزام لگا دیا اور پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حق کا مقابلہ جبر سے کیا اور اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ انہوں نے نادانستہ نہیں، دانستہ طور پر ظلم و عداوت کی راہ اختیار کی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے)

(۲۵) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق (واضح اور روشن دلائل کے ساتھ) آگیا (تو جبر و تشدد پر تل گئے) بولے ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کر دو جو اس (موسیٰ) کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو (دیکھو اپنی قوم کو بڑھانے اور بنی اسرائیل کو معدوم کرنے کا کیسا ظالمانہ طریقہ اختیار کیا؟ مگر قانون خداوندی ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے کہ حق کو غلبہ حاصل ہو اور باطل ملیامیٹ ہوتا رہے۔ ظالم اپنے مکر و فریب میں خود ہی پھنس کر رہ جاتا ہے، مکار اور جابر کو کبھی فلاح نہیں ملتی اور شجر ظلم کبھی ثمرآور نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرعون کی چال کامیاب نہ ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے تو اپنی قوم کو بڑھاتا تھا اور اب مقابلہ ہوا تو جبر و استبداد میں اور ترقی کی تو یہ چال بھی اکارت گئی) اور نہیں ہے داؤ ناقدرداں (ظالموں اور مشرکوں) کا مگر بیچ گمراہی کے (ناقدرداں کا داؤ ہمیشہ تباہ ہوتا ہے اور اسے کبھی کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ ظلم کبھی اچھا پھل نہیں لاتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ مومنوں کا مولیٰ ہے۔ کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ وہ ہمیشہ تباہ و برباد ہوتے آئے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ہیں اس لائق۔ الغرض جب فرعون کی وہ شیخی انا ربکم الاعلیٰ والی ڈھینگ سست پڑ گئی اور وہ دلائل سے مرعوب ہو گیا اور سمجھ گیا کہ مباحثہ

خاک بھی کام نہ دے گا اور رعایا میں کھلبلی مچ جانے سے میری ہوا خراب ہو جائے گی اور اب بغیر قتل کئے کام بنانا سخت مشکل ہے، تو سخت جھنجلایا)

(۲۶) وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ○ اور بولا مجھے چھوڑ دو۔

(یعنی نہ روکو، ہٹ جاؤ کہ) میں موسیٰ کو قتل کروں اور (پھر) یہ اپنے ربوبیت کرنے والے کو (میرے مقابلہ میں مجھ سے خلاصی پانے یا موت سے بچنے کے واسطے) پکارے (کہاں یہ زور و شور اور کہاں یہ بزدلی کہ سختی اور تشدد کے ساتھ اپنے مخاطب کو مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ فرعون پر کیا منحصر ہے ہر باطل پرست انہیں کوتاہ ہتھیاروں سے کام لیتا ہے اور یہ اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ اس کے پاس معقول دلائل نہیں اور اپنے مقلدین کو اپنے قابو میں رکھنے کی یہ بھی ایک چال ہے۔ چنانچہ فرعون بھی یہی کہتا ہے کہ) بالتحقیق مجھے ڈر ہے (حد درجہ کی بزدلی دکھلا رہا ہے) یہ کہ تمہارے دین کو (موسیٰ اپنے دلائل اور حقانیت سے) بدل (نہ) ڈالے (بس اسے تبلیغ کا حق یا موقعہ ہی نہ ملنا چاہیے۔ صرف ہمارا دین ہی رہنا اور پھیلنا چاہیے۔ جبر مذہبی کی بھی حد ہو گئی۔ وہ لوگوں کو فساد کا اندیشہ دلاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ در پردہ اسے اپنے ہی رعب کو نقصان پہنچنے اور وقار کو دھکا لگنے کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس کے تمام بلند بانگ دعوے خاک میں نہ مل جائیں، اس طرح وہ اس تصادم سے ڈرتا ہے، جبھی تو کہتا ہے کہ موسیٰ تمہیں مرتد نہ کر دے اور) یا یہ کہ (اس میری) زمین میں فساد کو غالب کر دے (اسے چاہیے تو یہ تھا کہ لوگوں کو فساد سے احسن طریق پر بند کرتا اور ان کو وعظ و نصیحت سننے سنانے کا موقعہ دیتا مگر اس کے بجائے اسے الٹی تجویزیں ہی سوجھتی ہیں، وہ تو اپنے نشہ حکومت میں بدمست اور متوالا ہو رہا ہے اور جو چال چلتا ہے الٹی ہی چلتا ہے۔ غرض جب یہ حال دیکھا اور متکبر کو آپے سے باہر ہوتے دیکھا)

(۲۷) وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ○ اور کہا موسیٰ نے میں اپنے اور تمہارے ربوبیت کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر متکبر

سے جو پیشی کا قائل (یعنی روزِ حساب کا ماننے والا) نہیں ہے (کیسی واضح، معقول اور اتحاد انگیز بات کہی کہ ہم سب کی ربوبیت ایک ذات واحد رب العالمین ہی کرتا ہے، ہمیں چاہیئے اسی کے فرماں بردار ہو کر امن سے زندگی بسر کریں، اس کی عبادت کریں اور اس کی مخلوق سے احسن برتاؤ کریں۔ اگر خدا تعالیٰ کے سامنے حاضری کا خوف نہ ہو تو انسان متکبر ہو جاتا ہے اور جا و بے جا سب روا رکھتا ہے۔

ایسے نظارے سے ایک چھپے ہوئے ایمان والا شخص متاثر ہوتا ہے، وہ شخص فرعون ہی کے قریبی رشتہ داروں یا مطیع فرمان لوگوں میں سے تھا۔ غرض کوئی بھی ہو، بڑی جرأت ایمانی اور حوصلے والا اور بڑی مدلل بحث اور خوب وعظ کرنے والا تھا۔ جب اُس نے یہ حالات دیکھے، تو اس کا چھپا ہوا ایمان تڑپ اُٹھا اور بے تاب ہو گیا۔ وہ فرعون کو اور تمام حاضرین یعنی اپنی قوم کو مخاطب کرتا اور نہایت جرأت اور دلیل کے ساتھ حق کی حمایت کرتا ہے اور بڑی متانت سے ہر ایک پہلو کو روشن کرتا ہے۔ درمیان میں فرعون بھی بولتا ہے۔ مگر وہ مومن فرعون اور اس کی قوم کو وعظ و نصیحت کرتا ہے اور تمام نشیب و فراز بہ دلائل واضح کرتا جاتا ہے۔ مومن کا لیکچر اسلام کے متعلق ہے کہ دین کیا چیز ہے؟ فرعون کے مظالم سے ایمان چھپا ہوا تھا، اب عین موقعہ پر اس کا بڑی خوبی اور عمدہ طریق پر دربار شاہی اور استبدادیوں کی جماعت کے سامنے اظہار کر دیا۔ قوم کے عیوب اس کے سامنے واضح کر دیئے اور ان کی برائیوں سے بچنے کی تاکید کی، یعنی جبر مذہبی سے نفرت دلائی، قتل و خوں ریزی کی مذمت کی اور بتایا کہ کسی صادق کو دھوکے باز یا کذاب کہنا سخت غلطی ہے اور اس کے قتل کے درپے ہونا اُس سے بھی سخت جرم ہے۔ بیّنات کے مقابل اپنے غلط راستہ کی حمایت کرنا بڑا تعصب اور نالائقی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس مومن کی باتیں حق ہونے کے باعث قرآن میں لا کر خدا نے مصدقہ وحی کر دیں۔ خدا سچی بات کی قدر کرتا ہے اور وہ باتیں قرآن میں آنے سے بمنزلۂ وحی ہو جاتی ہیں۔ نبی کریم کی بہت سی باتیں اور جنگ بدر و احزاب وغیرہ کے بعض حالات وغیرہ کی قرآن میں تصدیق کی، وہ بمنزلۂ وحی ہو گئے۔ مومن، کافر، شیطان تک جس کی بات کی قرآن میں تصدیق کی گئی وہ مصدقہ الٰہی ہیں۔ جن کی تکذیب کی وہ غلط ٹھہریں۔ جہاں خاموشی اختیار کی وہ ہمارے غور و فکر پر چھوڑ دیں۔ وحی اور غیر وحی میں بیّن امتیاز کرنا چاہیے۔ وحی کو غیر وحی اور غیر وحی کو وحی کہنے والے دونوں سخت مجرم ہیں (نعوذ باللہ) وحی نرے احکام نہیں ہوتے بلکہ آیات، ولائل بیّن جن کا نام حکمت رکھا ہے، ذکر حکیم اور آیات سب وحی ہیں اور قرآن میں موجود ہیں۔ آیات

اور حکمت وحی متلو ہے۔ ہاں دوسری حکمت، خیر کثیر ہے مگر اسے وحی نہ سمجھنا چاہیے۔ معقولات سب جگہ سے لو، عقل و فکر اور غور سے کام لینا خوبی کی بات ہے۔ اس کو ضائع کرنا ناقدردانی ہے مگر غیر وحی کو وحی کہنا ہی ظلم عظیم ہے۔ وحی میں آیات وحکمت موجود ہیں۔ بیّنات دلائل کے ساتھ ہوتی ہیں
الغرض مومن کے ایمان نے یہ حالت دیکھ کر جوش مارا اور حقیقت حال پر وعظ شروع کر دیا۔
یہ نکتہ قابل غور ہے کہ خدا اپنی ذات میں ماننے کے لائق ہے نہ کہ کوئی دوسرا منوائے۔ مقصود بالذات ہمارا ایک کا خدا ہونا چاہیے نہ کہ کوئی اور شخصیت۔ درمیان جتنے وسائط ہوتے ہیں، یہ بمنزلہ صفر ہوتے ہیں۔ اصل چیز خدا کی فرماں برداری ہے۔ جو تعلیم حق پر چل کر حاصل ہوتی ہے۔ مگر لوگوں نے اصل کو نظر انداز کر دیا اور مبلغین کو حقیقت سمجھ لیا۔ یہ ہے بنیادی غلطی اور شرکیہ عقیدہ۔ اس مومن کا سارا لکچر توحید سے مملو ہے۔ وہ مثالیں دے دے کر ہستی باری تعالیٰ اور پیشی کے دن کو ثابت کرتا ہے اور احسن طور پر مظالم وغیرہ سے باز رہنے کی تاکید کر رہا ہے اور اپنے آپ کو بمنزلہ صفر قرار دے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے خوبی سے بھرپور کلام کو اپنی کتاب میں جگہ دی۔ اس میں ایک تو تعلیم کی خوبی نظر آئی، دوسرا مبلغین کو استقلال کا اور مخلوق کی طرف سے مطلق بے خوف ہونے کا سبق دیا۔ الغرض حق گو کا بیباک ہونا ضروری ہے۔ غور کرنے سے اور بھی بہت سی باتیں نظر آ سکتی ہیں۔ دیکھو کیسے جابر و ظالم کا دربار ہے اور کیسی جرأت سے یہ صاحب ایمان وعظ و نصیحت کر رہا ہے۔ اس نقشہ کو ذرا تصوّر میں لاؤ اور اپنے دلوں کو ٹٹولو کہ تمہارے قلوب ایسے حقیقی ایمان سے لبریز ہیں یا محض مصلحت بینی ہی سے کام لے رہے ہیں۔ خاص کر ملّاؤں کے طبقے کو تو یہ واقعات پڑھ کر اپنی حالت پر افسوس ہونا چاہیے۔ جن کی بات بات پیچیدہ اور چالوں سے بھری ہوئی جن کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور جنہیں اپنی بزدلی چھپانے کے ایسے ایسے طریق یاد ہیں کہ شاید رسولؐ اللہ کے زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا منافق بھی مقابلہ نہ کر سکے۔ الغرض اس مومن کے حوصلے کو دیکھیے، جو مرد میدان بن کر اپنی ساری بدکردار قوم کو مخاطب کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے،

رکوع ۴ | وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا
اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا

فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۚ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ اور کہا ایک مومن آدمی نے، وہ فرعون کی آل میں سے تھا، جو ایمان اپنے کو چھپائے ہوئے تھا (اور اب تو ظاہر ہی ہو گیا ہے۔ ایک صاحب اقتدار جابر اور ظالم انسان کی موجودگی میں بڑی جرأت سے گفتگو کرتا ہے اور خداوند کریم اس کے ایمان کی تصدیق فرما رہا ہے۔ وہ اس وقت موسیٰ و ہارونؑ وغیرہ کی شخصیتوں کو نظر انداز کر کے صرف حقانیت پر وعظ کر رہا ہے کیوں کہ اصل چیز تو توحید ہی ہے۔ درمیانی سلسلے تو ذرائع ہیں، حقیقت نہیں ہیں۔ خود رجل ہے اور موسیٰ کو بھی رجل ہی کہتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو منوانے نہیں آتے، بلکہ اس تعلیم کو پیش کرتے ہیں جس سے نجات حاصل ہوتی ہے اور معقول باتیں مثالیں دے دے کر ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ لوگو تمہارا یہ جبر کرنا اچھی اور خوبی والی چیز نہیں۔ کیوں اس قدر ظلم و ستم پر اتر آئے ہو؟ اس کی لائی ہوئی تعلیم میں تمہیں کون سی ناقابل برداشت بات نظر آئی ہے جس پر اسے مٹانے پر تل گئے ہو۔ غور کرو کہ) کیا ایک آدمی (موسیٰ) کو (اس عالیشان بات کے کہنے پر) قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میری ربوبیت کرنے والا جو ہے وہ اللہ (کامل مطلق) ہی ہے (اور کوئی دوسرا نہیں۔ اللہ ہی رب اور الٰہ اور خدا ہے، اس کے ساتھ کسی کو بھی ملایا نہیں جا سکتا۔ وہ اکیلا ہی اپنی تمام مخلوق کے لیے کافی ہے۔ بتاؤ اس کے اس قول سے ہمیں کیا ضرر پہنچتا ہے؟ میرا تو ایمان ہے کہ وہ سچ کہتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ زبانِ حال سے اس کی ربوبیت کا ثبوت دے رہا ہے۔ جب یہ بات ہے تو لائق عبادت بھی وہی اللہ ٹھہرا، دوسرے کی گنجائش ہی کیا نکل سکتی ہے؟ پھر کہتا ہے) اور تحقیق آیا ہے تمہارے پاس تمہاری ربوبیت کرنے والے (خداوند کریم رب العالمین، نہ کہ فرعون) کی طرف سے روشن باتوں کے ساتھ (آیات ہی بینات کے ساتھ حکمت بن جاتی ہیں) اور اگر (بالفرض) یہ (موسیٰ اپنے اس پیغام میں) جھوٹا ہے (تو تمہیں کیا نقصان ہے۔ اگر یہ اس کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ وہ آپ ہی ان کے وبال میں پھنسے گا۔ تم جزئیات میں نہ پڑو، بینات پر دھیان رکھو۔ اگر یہ اپنے دل سے بنا لایا ہے) پھر اس (موسیٰ) پر ہے جھوٹ اس کا (مگر ہاں تم بھی عقل و فکر سے کام لو اور جذبات کے ماتحت اندھا دھند رو میں نہ بہہ جاؤ اور جلد بازی میں نقصان کی راہ اختیار نہ کرو، وہ اس لیے کہ) اور اگر (یہ موسیٰ اپنے اس قول میں) سچا ہے تو (پھر لازم ہے کہ) کوئی مصیبت جس کا تم سے وعدہ کرتا ہے، تم پر واقع ہو کر رہے گا۔ (ہو سکتا ہے

کہ تمہاری توبہ کے باعث یا حالات بدل جانے کے سبب تم پر اُس کی ساری کی ساری وعید پوری نہ ہو، مگر جس عذاب کا معین اور قطعی الفاظ میں وعدہ ہے، وہ بہر حال واقع ہو کر رہے گا، کیوں کہ اگر تم اڑے رہے تو معین عذاب اپنے وقت پر ضرور واقع ہوگا، لیکن اگر یہ جھوٹا ہے یا تم جھوٹ پر ہو، تو یہ جھوٹ اپنی ذات میں کسی کے لیے بھی فائدہ مند نہیں ہے۔ فائدہ اسی کو ہے جو حق پر ہے۔ بس سمجھ لو کہ) تحقیق اللہ نہیں (سیدھی) راہ دکھاتا اس کو جو حد سے نکلنے والا ہے اور جھوٹے کو (مفتری اور بیّنات سے روگردان اور سرکش پہ سبب اس کی کرتوت کے اندھیرے ہی میں رہنے دیا جاتا ہے اور اگر وہ باز نہ آئے تو یہیں سے رسوا کن عذاب سے گرفت کر کے جہنم میں پہنچایا جاتا ہے۔ انسان کو یہ زرّیں موقع ہاتھ سے نہ کھونا چاہیے۔ فوراً تائب ہو کر صلاحیت والے کاموں پر گامزن ہونا اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کی ترغیب و تحریص دینا اپنا فرض اولین جاننا چاہیے۔ دیکھو، اس وقت حکومت تمہاری ہے۔ جبر مذہبی ترک کر کے امن قائم کرنے کی سر توڑ کوشش کرو اور عدل و انصاف سے کام لو)

(۲۹) يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ○ اے میری قوم واسطے تمہارے بادشاہی ہے، آج اس ملک میں اس وقت غلبے والے ہو (پس یہ وقت ہے کہ تعدی اور ظلم سے ہاتھ اٹھاؤ اور ایک دوسرے پر مہربانی سے پیش آؤ۔ حکومت اور غلبہ آنے جانے والی چیزیں ہیں، ان پر بھروسہ کر کے جور و ستم روا نہ رکھو۔ انقلاب ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اگر خدا کی طرف سے ہم پر کوئی گرفت ہوئی تو پھر اس وقت کیا چارہ کار ہوگا؟)
پھر کون ہماری مدد کرے گا اللہ کے عذاب سے (کوئی ہے جو بچائے) اگر وہ (ہمارے کاموں کے باعث ہم پر) آگیا (اس موقع پر ظالم و جابر بادشاہ اپنی کمزوریاں دیکھ کر یا شکست کو چھپانے کے لیے تعلّی کر کے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے کہ لوگو جو کچھ میں سمجھتا ہوں، تمہارے دماغ کی وہاں تک رسائی نہیں ہے میرا دماغ فوق الفطرت ہے، جہاں تک میری نگاہ جاتی ہے، تمہاری نگاہیں وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ پس آنکھیں بند کر کے میری پیروی اور تقلید کرو۔ میرا کہنا اور میرا کرنا سب بے غلط اور واجب التسلیم ہے میں تم کو غلط راستے پر نہیں چلاتا، کیوں کہ میں غلطی کر ہی نہیں سکتا۔ میری فرماں برداری تم پر فرض ہے۔

غور کا مقام ہے کہ ہر مقلد فرعون والی دلیل ہی پیش کرتا ہے، یعنی جو میری سمجھ میں آتا ہے دوسروں کے دماغ اور عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ اسی نظریہ سے ہر مقلد کہتا ہے کہ میرے مجتہد کی تقلید کرو، تمہارے دماغ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ غرض یہ لوگ انہیں زنگ خوردہ ہتھیاروں سے کام لینا چاہتے ہیں۔ کیسا اندھا پن ہے مگر عقل مند لوگ جانتے ہیں کہ یہ نعمت عظمٰی یعنی عقل بڑی قدر کی چیز ہے۔ اس سے منحرف ہونے والوں پر گندگی یعنی جہالت وغیرہ ڈالی جاتی ہے، اپنی عقل سے کام نہ لینے والا فرعون کی سنت پر چلنے والا ہے۔ ہر شخص اپنے ہی کاموں کا جواب دہ ہے، پھر کس طرح آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے مقلدانہ حیثیت میں چلا جائے۔ دیکھو، اتنا بڑا سرکش، مفسد، مکار اور ظالم بھی اپنے کو غلط کار تسلیم نہیں کرتا، بلکہ کہا فرعون نے (اپنی قوم کو یہ جانتے ہوئے کہ دلائل معقول تو میرے پاس اس مومن کے مقابلہ میں خاک بھی نہیں ہیں، تو کہیں اس شخص کے زبردست اثر کے نیچے آ کر میری رعایا میرے ہی خلاف نہ اُٹھ کھڑی ہو۔ یہ دخل در معقولات اسی لیے دیا اور مبہم سا فقرہ کہہ دیا، جیسے ہر مکار اپنی بے معنی بات کو بھید کہہ کر اعتراض کو ٹال دیتا ہے۔ ایسا ہی اس نے بھی اسی ہتھیار سے کام چلانا چاہا) کہ نہیں دکھاتا میں تم کو مگر جو کچھ میں دیکھتا ہوں (اور جو میں دیکھ رہا ہوں وہ غلط نہیں ہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ تم چپ چاپ میرا کہا مانتے جاؤ میں تمہارا دشمن تو ہوں نہیں کہ تمہیں تباہی کی طرف لے جاؤں) اور نہیں دکھاتا میں تم کو مگر راستہ بھلائی کا (قوم کو تباہی کی طرف لے جانے والا بھی مصلح ہونے کا دعوٰی کرتا ہے۔ مگر مومن اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے درمیان میں فرعون کا بھی جواب دیتا اور احسن طریق پر اس کی تردید کرتا ہے) اور کہا اس ایمان دار نے اے میری قوم تحقیق میں ڈرتا ہوں اوپر تمہارے مثل دن جماعتوں کے سے (یعنی جس طرح دوسری قوموں پر عذاب آتے رہے ہیں، اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی نہ کوئی عذاب تباہ کر کے جہنم میں لے جانے والا تم پر بھی آ جائے۔ مگر باپ دادا کی اندھی تقلید کا کرشمہ ہے کہ کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور وہ معقول و ابدی پر کان تک نہیں دھرتے اور سمجھتے ہیں کہ ایک آدھ انسان کی بات پوری قوم کے مقابلے میں کیوں کر تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جمہور غلطی پر نہیں ہو سکتے۔ اس جمہور کی طرف جھکنے سے پیغمبر کو منع فرمایا کہ اگر تو اکثریت کی طرف راغب ہوگا تو وہ لوگ اللہ کے راستہ سے بہکا دیں گے۔ اکثریت کیا بلا ہوتی ہے حقیقت ہی اصل شے ہے۔ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ كَانَ اُمَّةً۔ حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کی اکثریت ہیچ ہے۔ یہیں دربار فرعون میں ہی اس کی نظیر دیکھو کہ کثرت کس طرح بے دلائل روندی جا رہی ہے۔

مقدمہ زندگانیٔ محمدؐ
عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانیٔ محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پریس ہی میں فروخت ہو گئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر اندر ختم ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزارہا کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر اُمتِ مُسلمہ امرت سر نے زندگانیٔ محمدؐ کے مقدمے کا اُردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانیٔ محمدؐ ایک قابلِ قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانیٔ محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دل چسپ پایا (سر عبدالقادر)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانیٔ محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ از بس مفید ہے (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیام نسواں)

لکھائی چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ ۱۳ ٹکٹوں کی صورت میں یا بہ ذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

ملنے کا پتہ: دفتر اُمتِ مُسلمہ۔ امرت سر (پنجاب)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۲۴۵

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر، تفسیرِ قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیاتِ قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (اِلّا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قولِ الٰہی ہے) آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے)، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اُس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیشِ نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابلِ قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں۔ کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں۔ کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

۶۔ قانونِ وراثت کا احیاء

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت وطباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی: منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (سے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ)
منزلِ چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ: دفتر اُمّتِ مُسلمہ امرتسر (پنجاب)

الرحمٰن ۝ علم القرآن ۝ خلق الانسان ۝ علمه البیان ۝

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۴ | مئی ۱۹۴۲ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ | نمبر ۵

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پبلشر، پرنٹر نے ماما آرٹ پریس، سنتو کے سر امرتسر سے چھپوا کر دفتر اُمّت مسلمہ امرتسر

بیرون دروازہ حکیماں سے شائع کیا

شذرات

اُدھر ماہِ مارچ کے "البیان" میں علامہ فراہیؒ کی "نظام القرآن" کے وہ اقتباسات دُہرائے جا رہے تھے، جنہیں اُن کے شاگرد "امین" جناب امین احسن صاحب اصلاحی نے اپنے ترجمے میں حذف کر دیا تھا اور اُدھر فروری کے "معارف" میں اصلاحی صاحب ایک طویل مقالے میں ہمیں بُری طرح کوس رہے تھے کہ ہم نے "نظام القرآن" کی عبارتوں کا "غلط سلط" ترجمہ کر کے "تحریف و تنسیخ" کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کس متقیانہ انداز سے ارشاد فرماتے ہیں کہ "البیان" کا

"یہ مضمون ہماری نظر سے گزر چکا تھا، لیکن ہم نے اس کی تردید کچھ ضروری نہیں سمجھی کہ اس کا مسلک اور مبلغِ علم، اہلِ علم کو اچھی طرح معلوم ہے۔ لوگ خود غث و سمین میں امتیاز کر لیں گے، نیز مولانا فراہیؒ کا مسلک و مذہب بھی اب لوگوں سے مخفی نہیں رہا ہے، لیکن وہی فتنہ "البیان" کے حوالے سے "طلوعِ اسلام" کی دسمبر کی اشاعت میں موجود ہے اور اس رسالے نے اس کو کچھ مزید آب و رنگ دے کر چمکانے کی کوشش کی ہے...... زمانہ فتنہ کا ہے، لوگ کسی چیز کو نقل و روایت کرنے اور اس کے باور کرنے میں اسلامی اصول اخلاق کی ذمہ داریوں سے بالکل بے پروا ہو گئے ہیں۔ نہ نقل و روایت کرنے والے آخرت کی بازپُرس کا خیال کرتے ہیں اور نہ اُن کو قبول کرنے والے کسی ذمہ داری اور خداترسی کا احساس کرتے ہیں، اس لیے جی ڈرتا ہے کہ مبادا یہ فتنہ برگ و بار پیدا کرے اور جس سہل انگاری کے ساتھ "طلوعِ اسلام" نے اس کو اپنے صفحات میں نقل کر لیا ہے، اسی بے پروائی کے ساتھ لوگ اس کو باور کرنا شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ جو لوگ مولانا سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں، وہ اُن سے بدگمان ہوں گے اور جو اُن کے خیالات و تحقیقات کی عزت کرتے ہیں، وہ حدیث کے متعلق سُوءِ ظن میں مبتلا ہوں گے ...." (معارف فروری، صفحہ ۸۶)

اور "طلوعِ اسلام" کا دل لرز اُٹھا کہ کہیں سچ مچ "البیان" نے ایسا ہی نہ کیا ہو، جیسا کہ اصلاحی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"البیان" نے جو اقتباسات دیے ہیں، وہ بیشتر بالکل مسخ اور غلط ہیں۔ یہ غلطی اگر عربی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، تو اس کی جسارت قابلِ افسوس ہے کہ اُس نے ایک ایسے کام میں ہاتھ ڈالا، جس کی اہلیت اس میں موجود نہیں تھی اور ایک ایسی معصیت کا ارتکاب کیا جو قفو ما لیس لک بہ علم کے تحت آتی ہے اور جس پر سخت وعید ہے اور اگر جان بوجھ کر ترجمہ غلط کیا گیا ہے اور عبارت مسخ کی گئی ہے، تو یہ کھلی ہوئی تحریف

ہے اور ایک متقی عالم دین کے کلام میں تحریف کر کے غلط فہمیاں پھیلانا کسی حالت میں اللہ کی نظروں میں، محمود فعل نہیں ہو سکتا اور اس کام میں "طلوع اسلام" کا تعاون کھلا ہوا تعاون علی الاثم والعدوان ہے۔
"البیان" نے اَلَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ[1] کے جریمہ کا ارتکاب کیا ہے اور "طلوع اسلام" نے تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ[2] (نور) کا بارِگراں بے دھڑک اپنے سر پر اٹھالیا ہے۔" (معارف فروری، ص ۸۷)

اور فی الحقیقت یہ اسلوب تحریر، قرآن مجید کے یہ وعیدی الفاظ کس مسلمان کو لرزہ براندام نہیں کر سکتے؟ یہ "اصول اخلاق کی ذمہ داریوں" کا واسطہ، یہ "آخرت کی بازپرس" کا ڈراوا، یہ "خدا ترسی"، "افتاء بلا علم" کی وعید، اور "تعاون علی الاثم والعدوان" کے الفاظ، ہر اس مسلمان کے لیے، جس نے بلا علم و تحقیق کسی الزام کی نقل و اشاعت کا ارتکاب کیا ہو، ایک تازیانے کا، ایک آہنی مہمیز کا کام دے سکتے ہیں اور وہ فرطِ خوف سے وہی کچھ کہہ سکتا ہے، جو "طلوع اسلام" کی زبان سے نکل رہا ہے:

"اگر یہ اقتباسات (جیسا کہ اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے) علامہ فراہیؒ کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے، تو ہمیں اس کا افسوس ہے۔ اُس وقت اصل کتاب (فاتحہ نظام القرآن) ہمارے سامنے نہ تھی (نہ اِس وقت دست یاب ہی ہو سکی ہے) بہرحال یہ معاملہ "البیان" اور اصلاحی صاحب کے درمیان فیصلہ کرنے کا ہے ......" (طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۵ء)

"طلوع اسلام" اپنی جگہ پر سچا ہے۔ اس کے بجائے کوئی اور رسالہ ہوتا، تو اُس پر بھی کم و بیش یہی اثر ہوتا، مگر "البیان" پر اس کا جو ردِّ عمل ہوا، اسے ظاہر کرنے کے لیے ہمیں الفاظ نہیں ملتے۔ سچ مچ دُنیا کے تختے پر اس سے زیادہ کوئی ظلم، بے دردی اور فریب کاری نہیں ہو سکتی کہ کوئی شخص قرآن کی آیات کے پردے میں، لوگوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرے، "زاہدانہ" اور "واعظانہ" اندازِ بیان سے کذب و افتراء سے تُوٹ نکتے نکالے، "خدا ترسی" کا نام لے کر "خدا فریبی" کی کوششیں کرے، فتنہ پردازی سے ڈرائے اور خود فتنے پیدا کرے، تلبیس و تحریف کے اُخروی انجام سے ڈرائے اور خود کبھی نہ ڈرے! بدگمانیوں سے احتراز کی دعوت دے اور خود "زہد و اتقاء" کا لبادہ اوڑھ کر دنیا جہان کو بدگمان کرنے کی سعی کرے!

---

[1] آیاتِ افک سے چند الفاظ، جن کا ترجمہ ہے: "جس نے اس بہتان کا بڑا حصہ اٹھایا ہے۔" (البیان)

[2] یہ آیت بھی آیاتِ افک سے تعلق رکھتی ہے، یعنی تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے، جس کا تم کو کچھ بھی علم نہ تھا اور تم اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے، حالاں کہ خدا کے نزدیک وہ بڑی (بھاری) بات تھی۔ (البیان)

کتاب مقدمہ نظام القرآن" طلوع اسلام" کو مہیا نہ ہو سکی، ورنہ اسے معلوم ہو جاتا کہ جس متقی عالم دین کے کلام میں تحریف" کا ہمیں مورد قرار دیا جا رہا ہے، اسی عالم دین کا شاگرد رشید" خود کتنی بڑی تحریف کا مجرم ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال ہم بتائیں گے کہ" نظام القرآن" کی کسی عبارت میں ہم نے تحریف نہیں کی، بلکہ خود اصلاحی صاحب نے زیر بحث کتاب کی عبارتوں اور" البیان" کے اقتباسوں کو بُری طرح مسخ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

"مختلف مقامات سے مختلف ٹکڑے، خبر کو اس کے مبتدا سے اور کلام کو اس کے سیاق سے چھین کر ایک سلسلے میں اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو یہ گمان ہو کہ یہ" مقدمہ نظام القرآن" کی کسی فصل کا ترجمہ ہے۔" البیان" نے تو اتنا کرم کیا تھا کہ صفحات کے حوالے دے دیئے تھے، جن سے اُن کے انتصاب کا خیال ہو سکتا تھا، لیکن" طلوع اسلام" نے تنبیہہ کے یہ نشانات بھی ہدم کر دیئے کہ پڑھنے والا سمجھے کہ یہ ساری باتیں ایک ہی سانس میں کہی گئی ہیں۔" (معارف، ص ۸۷)

نشان زدہ سطروں پر غور کرنے سے پہلے آپ اکتوبر ۱۹۳۹ء کا" البیان" کھول کر اپنے سامنے رکھ لیجیے۔ صفحہ ۲۷ پر" نظام القرآن" کی عبارتیں نقل کرنے سے پہلے صفحے کی پیشانی پر صاف اور جلی قلم سے" ترجمہ و اقتباس" کے لفظ موجود ہیں۔ ان الفاظ کی موجودگی میں نہ ہم ہی یہ غلط فہمی پھیلا سکتے تھے کہ زیر بحث عبارتیں گویا" مقدمہ نظام القرآن کی کسی فصل کا ترجمہ ہیں" ورنہ اصلاحی صاحب ہی کے لیے یہ ثابت کرنا ممکن ہے کہ" البیان" نے منقولہ سطور کو ایک مسلسل ترجمہ ظاہر کر کے قارئین کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ صفحات کے حوالوں سے انتصاب کا خیال ہو سکتا ہے۔" البیان" تو خود اس امر کا مدعی ہے کہ زیر بحث عبارتیں مسلسل ترجمہ نہیں، بلکہ اقتباساً نقل کی گئی ہیں، پھر ہر پیراگراف کے آخر میں" نظام القرآن" کے صفحوں کے حوالے موجود ہیں۔ مثلاً پہلا پیرا صفحہ ۶ سے، دوسرا ۹ سے، تیسرا ۱۰ اور ۱۱ سے، اور اگلی عبارتیں ۲۶ اور ۳۴ سے اخذ کی گئی ہیں۔ پھر مختلف مقامات پر فصلی نقطے (.........) بھی موجود ہیں، جن سے صاف نمایاں ہوتا ہے کہ ہم نے محض وہی سطور نقل کی ہیں جو ذیلی عنوانات کے تحت دی جا سکتی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آتا، آپ ان حقائق کی موجودگی میں ہم پر مغالطہ بازی کا الزام کیوں کر عاید کر سکتے ہیں؟

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:" ان لوگوں نے پہلا فقرہ یہ پیش کیا ہے:

"یاد رہے کہ احادیث کی اکثریت ضعیف اور اقلیت صحیح ہے"۔

"اس فقرے کو جو شخص پڑھے گا، وہ اس کا مطلب یہی سمجھے گا کہ مولانا یہ حکم پورے ذخیرۂ حدیث پر لگا رہے ... البیان نے اس پر صفحہ ۶ کا حوالہ دیا ہے، مگر اس صفحے پر کوئی عبارت اس مضمون کی نہیں ہے۔ البتہ صفحہ ۶ پر مولانا نے تفسیر ابن جریر طبری پر یہ تنقید کی ہے"۔

وقد اسس تفسیرہ بعض العلماء علی الاحادیث کابن جریر الطبری الذی حکموا علی تفسیرہ انہ لم یصنف مثلہ ولکن الاحادیث فیہ اکثرھا ضعاف والمرفوع فیہ قلیل وانما جمع فیہ اقوال اھل التاویل مع کثرۃ الاختلاف فیما بینھا۔	بعض علماء نے تفسیر کی بنا روایات پر رکھی ہے: مثلاً ابن جریر طبری جن کی تفسیر کے متعلق لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس کے مثل کوئی اور تفسیر نہیں لکھی گئی، لیکن اس میں اکثر حدیثیں ضعیف ہیں اور مرفوع[1] احادیث کا حصہ اس میں تھوڑا ہے۔ انہوں نے دراصل اہل تاویل کے اقوال تمام اختلافات کے ساتھ جمع کر دیے ہیں۔

یہی ولکن الاحادیث فیہ اکثرھا ضعاف والمرفوع فیہ قلیل کا فقرہ ہے، جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ——— "یاد رہے کہ احادیث کی اکثریت ضعیف اور اقلیت صحیح ہے"۔ لیکن یہ کن احادیث کی نسبت مولانا لکھ رہے ہیں؟ کل احادیث پر یہ حکم لگا رہے ہیں، یا تفسیر ابن جریر کی روایات پر؟ اس بات کو گم کرنے کے لیے ایک طرف تو جملے کو سیاق سے علیحدہ کیا گیا اور پھر اس میں سے "فیہ" کا ترجمہ غائب کر دیا گیا، تاکہ تفسیر ابن جریر کے ساتھ مخصوص نہ رہے، بلکہ ایک عام بات ہو جائے اور پھر اس کو اس ثبوت میں پیش کیا گیا ہے کہ مولانا حمید الدین پورے دفتر حدیث کو بے اعتباری کی نظر سے دیکھتے تھے"۔ (معارف ص،

یہ اصلاحی صاحب کے دلائل ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے سطور بالا کے ذریعے نہ تو علامہ فراہیؒ کے ساتھ انصاف کیا ہے، نہ "البیان" کے ساتھ۔ ہم نے اصل کتاب سے جتنی عبارت کا اقتباس پیش کیا تھا، اصلاحی صاحب نے وہ عبارت تمام و کمال نقل نہیں کی۔ ہم اسے ذیل میں من و عن پیش کرتے ہیں:

"انّ اول شیئ یفسرہ القرآن ھو القرآن نفسہ ثم بعد ذالک فھم النبی صلی اللہ علیہ، والذین معہ ولعمری احب التفسیر عندی ماجاء من النبی صلعم واصحابہ وقد اسس تفسیرہ بعض العلماء علی الاحادیث کابن جریر الطبریؒ الذی حکموا علی تفسیرہ انہ لم یصنف مثلہ ولکن الاحادیث

---

[1] "البیان" نے مرفوع کا ترجمہ "صحیح" کیا ہے، جو عام فہم ہے (مدیر)

فیہ اکثرھا ضعاف الموضوع فیہ قلیل وتما جمیع فیہ اقوال اھل التاویل مع کثرۃ الاختلاف فیما بینھا۔" (نظام القرآن، صفحہ ۷)

اب اس عبارت کا اقتباس مندرجہ البیان اکتوبر ۱۹۳۹ء دیکھیے:

"قرآن کا سب سے پہلا مفسر خود قرآن ہے۔ پھر اس کے بعد نبی صلعم اور ان کے اصحاب کا فہم ......
لیکن یہ یاد رہے کہ احادیث کی اکثریت ضعیف اور اقلیت صحیح ہے۔"

الفاظ متن اور اقتباس دونوں آپ کے سامنے ہیں کیا اس کا وہی مطلب نہیں ہے جو اصلاحی صاحب نے ترجمہ دے کر پیش کرنا چاہا ہے؟ ان کا دعویٰ ہے کہ علامہ فراہی نے محض ابن جریر طبری کی روایات کی اکثریت کو ضعیف اور اقلیت کو صحیح بتایا ہے۔ مگر اصل عبارت میں قد اسس تفسیرہٗ بعض العلماء علی الاحادیث کے لفظ، پھر "کابن جریر الطبری" کو بطور مثال پیش کرنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ کیا یہ نہیں کہ سارے علماء کی تفسیری روایات کی اکثریت ضعیف ہے؟ جب علامہ فراہی نے اس تفسیر کے متعلق اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے، جس کے مثل کوئی اور تفسیر نہیں لکھی گئی (الذی لم یصنف مثلہ) تو سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسرے علماء کی تفسیریں اس ذیل میں کیوں نہ لائی جائیں؟ اگر ان کے الفاظ پر اچھی طرح غور کیا جائے تو لامحالہ تمام "موسس علی الاحادیث" تفسیروں کی روایات کو "اکثرھا ضعاف" کا سرٹیفکیٹ دینا پڑے گا اور ابن جریر طبری کی معلیات کا ذکر محض ضمنی سمجھا جائے گا۔ کیوں کہ زیر موضوع، ابن جریر کی تفسیر نہیں بلکہ وہ تمام تفسیریں ہیں جن کی بنیاد روایتوں پر تعمیر کی گئی ہے۔

البتہ یہ درست ہے کہ ہم نے فیہ کا ترجمہ نہیں کیا، مگر یہ صورت، لفظی ترجمے ہی میں قائم رہ سکتی تھی، جب ہم نے ابن جریر کا ذکر ہی حذف کر دیا اور محض مصنف کے عمومی الفاظ پر قناعت کر لی، تو اس صورت میں فیہ کا ترجمہ کرنے کا سوال کب پیدا ہوتا ہے؟ ——— پھر یہ کہنا کہ ہم نے "ان کی عبارت کو اس ثبوت میں پیش کیا ہے کہ" مولانا حمید الدینؒ پورے دفتر حدیث کو بے اعتباری کی نظر سے دیکھتے تھے، کیسا شدید ظلم ہے"! مگر یہ کیا کم "شدید ظلم" ہے کہ آپ "پورے دفتر حدیث" کا اضافہ اپنی طرف سے کر کے، اپنے زادِ آخرت کو بوجھ بڑھا رہے ہیں؟

حوالے میں کتابت کی غلطی کا ہم اعتراف کریں گے کہ اوپر کی عبارت، اصل کتاب کے چھٹے نہیں بلکہ ساتویں صفحے سے لی گئی ہے، سو اس اعتراف سے اگر آپ کی بوکھلاہٹ کو کچھ تسکین مل سکتی ہے، تو ہم اس کے لیے معذرت تک کرنے کو تیار ہیں۔

ان تصریحوں کے بعد بھی اگر کوئی غیر جانب دار عربی دان یہ فیصلہ دے دے کہ "البیان" کے الفاظ اقتباسی ترجمہ

نہیں، مسخ و تحریف کی زد میں آتے ہیں، تو ہم مولانا اصلاحی سے علی الاعلان معافی مانگیں گے اور اللہ سے اپنے جرم عظیم کے لیے استغفار کریں گے!

آگے چل کر اصلاحی صاحب نے "البیان" کے ۱۳ سطروں کے اقتباس میں سے صرف ایک جملہ پکڑ لیا ہے، یعنی:

"حدیث، اجماع اور صحف اولیٰ یہ تینوں ظن و شبہ سے خالی نہیں۔"

اس اقتباس کے متعلق بھی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ نہ صرف صفحہ ۱ پر موجود نہیں، بلکہ آگے پیچھے کے صفحات "بار بار غور سے پڑھنے" کے باوجود نظر نہیں آیا اور خود ہی دبی زبان سے "البتہ" کہہ کر ارشاد فرماتے ہیں کہ

تفسیر کے فرعی ماخذوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فراہیؒ نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

واما ما هو كالتبع والفرع وذالك ثلاثة: ما تلقته علماء الامة من الاحاديث النبوية وما ثبت واجتمعت الامة عليه من احوال الامم وما استحفظ من الكتب المنزلة على الانبياء، ولولا تطرق الظن والشبهة الى الاحاديث والتاريخ والكتب المنزلة من قبل لما جعلناها كالفرع.	باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں (۱) علمائے اُمت نے جن احادیث نبویہ کو پایا ہے (۲) قوموں کے وہ ثابت شدہ احوال جن پر اُمت نے اتفاق کیا ہے۔ (۳) گذشتہ انبیاء کے صحیفوں میں جو کچھ محفوظ ہے اگر احادیث، تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن و شبہ نے راہ نہ پائی ہو، تو ہم ان کو فرع کے درجے میں نہ رکھتے۔ (معارف، ص ۸۹)

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اوپر کی عبارت اور اس کا ترجمہ "البیان" کے اس اقتباس کہ "حدیث، اجماع اور صحف اولیٰ یہ تینوں ظن و شبہ سے خالی نہیں" کی تردید کے لیے نقل کیے ہیں یا توثیق کے لیے؟ اس کے سوا آخر ہم سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ علامہ فراہی نے جو بات تین جملوں میں کہی ہے، وہ ہم نے اقتباس کی شکل میں، تین لفظوں میں سمیٹ لی ہے، یعنی، اس طرح کہ

(۱) "علمائے اُمت نے جن احادیث کو پایا ہے" کے بجائے: حدیث

(۲) "قوموں کے وہ ثابت شدہ احوال جن پر اُمت نے اتفاق کیا ہے" کے بجائے: اجماع

(۳) "گزشتہ انبیاء کے صحیفوں میں سے جو کچھ محفوظ ہے" کے بجائے: صحف اولیٰ

لکھ دیا گیا ہے۔ اس کے معاً بعد علامہ فراہیؒ نے تحریر فرمایا ہے: "اگر احادیث، تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن و شبہ نے

راہ نہ پائی ہوتی، تو ہم ان کو فروع کے درجے میں نہ رکھتے۔" گیا ان چاروں جملوں کا نہایت سچا اور سیدھا اختصار وہی نہیں، جو "البیان" نے پیش کیا ہے، یعنی حدیث، اجماع اور صحف اولیٰ، یہ تینوں ظن وشبہ سے خالی نہیں!

اور پھر بھی امین احسن صاحب، سطور بالا کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"یہاں مولانا رح نے بے شبہ یہ لکھا ہے کہ احادیث میں ظن وشبہ کو دخل ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو۔" (معارف، ص ۹۰)

چلو، قصہ ختم ہوا، مگر زہر کا یہ گھونٹ ان سے برداشت نہ ہو سکا، اور "یہ یاد رہے" کے جھٹکے کے ساتھ اسے یوں اگلتے ہیں:

"اور یہ یاد رہے کہ یہ تفسیری روایات کے متعلق بیان ہے۔" (معارف، ص ۹۰)

گویا غیر تفسیری روایات آسمان سے نازل ہوئی ہیں، ان میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ تفسیری اور غیر تفسیری روایات کی لایعنی تفریق کیوں؟ مفسروں نے روایات کے ذخیرے سے جن روایتوں کو چن لیا، وہ مشکوک ہو گئیں اور جو بچ گئیں، وہ وحی الٰہی کی طرح لاریب و بے غلط قرار پائیں! یہ عجیب منطق ہے، نری منطق ہی منطق، نہ سر نہ پیر، نہ دلیل نہ ثبوت، مفسروں پر اتنی بدگمانی اور راویوں سے اتنا حسن ظن کہ جتنا غور کرو، اتنا ہی عقل سے دور، فہم و بصیرت کی حد نگاہ سے بھی دور!

اگر آپ کی خاطر یہ مان بھی لیا جائے کہ غیر تفسیری روایات ظن وتخمین سے خالی ہیں تو اس روایت کا بھلا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے تین جھوٹ[1] بولے تھے؟ یہ غیر تفسیری روایت، مرفوع کے درجے تک پہنچی ہوئی، اسناد و رجال کے فن کی کسوٹی پر پرکھی ہوئی، "صحیح بخاری" جیسی "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" میں شامل حدیث، کیا درست تسلیم کر لی جائے گی؟ ایک جلیل القدر پیغمبر پر یہ کھلا بہتان، یہ تہمت، یہ افتراء درست مان لیا جائے گا۔ کیا یہ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا[2] کی تشریح و تفسیر ہے؟ پھر جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تفسیری روایت نہیں اور خود آپ کے استاذ امام بھی ان لفظوں میں اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں:

والعجب کل العجب ممن یقبل ماھو مکذب نص القرآن مثل کذب ابراھیم علیہ السلام الخ (نظام القرآن ص ۱۰)	تعجب پر تعجب ہے، ان لوگوں پر جو ایسی روایتیں تسلیم کر لیتے ہیں، جو نص قرآن پر بھی خط صاف کر دیتی ہیں مثلاً کذب ابراہیم ؑ......

تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اصلاحی صاحب کس منہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مولانا فراہی رح نے صرف غیر تفسیری روایات کو ظنی

---

[1] لم یکذب ابراھیم قط الا ثلاثۃ

[2] ابراہیم ؑ نہایت سچے نبی تھے۔

اور مشکوک قرار دیا ہے؛ پھر انہیں الفاظ بالا کے ترجمے پر بھی اعتراض ہے کہ ہمارا اقتباس "استقام ترجمہ سے پاک نہیں، بالخصوص مصنف کی شرافت لہجہ تو اس کے اندر سے یک قلم غائب ہے"۔ پھر لطف یہ ہے کہ خود اپنی طرف سے کوئی ترجمہ پیش نہیں کرتے۔ اگر مصنف کی شرافت لہجہ پر آپ کو ایسا ہی اعتماد تھا، تو اسے اُس ترجمہ میں بھی پیش کرنے کی جرأت کی ہوتی، جو ستمبر، اکتوبر اور نومبر ۱۹۳۵ء کے "ترجمان القرآن" میں آپ ہی کے قلم سے شائع ہو چکا ہے۔ "البیان" کے ترجمے میں، اس جملے کے سوا کہ "جو نص قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر دیتی ہیں" باقی تمام الفاظ لغوی ترجمے کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن اگر مصنف کی "شرافت لہجہ" مکمل طور پر اُردو میں منتقل کی جائے، تو ماھو مکذب النص القرآن کا ترجمہ یوں ہوگا: (وہ روایتیں، جو نص قرآن کی تکذیب کرتی ہیں یا اسے باطل ٹھیراتی ہیں یا اسے جھٹلاتی ہیں"۔ اگر اُردو کے با محاورہ الفاظ کہ "اس پر ہاتھ صاف کرتی ہیں" کے بجائے یہ ٹھیٹ لفظی ترجمہ لکھ دیا جاتا تو کیا مصنف کی "شرافت لہجہ" میں اصلاحی صاحب کو منہ چھپانے کا موقع مل جاتا؟

پھر ایک اعتراض یہ ہے کہ "البیان" نے وما ثبت واجتمعت الامۃ علیہ من احوال الامر سے "اجماع" مراد لی ہے"۔ واقعی ہماری مراد اصطلاحی اجماع نہیں، لغوی اجماع ہے اور بنظر اقتباس اس فقرے کو لفظ "اجماع" میں سمیٹ لیا گیا ہے، مگر اس سے کیا ہوتا ہے جب کہ مرکزی اور بنیادی چیز، جس کے متعلق ہم مولانا فراہی کا عقیدہ پیش کرنا چاہتے ہیں، اجماع نہیں، بلکہ حدیث ہے اور یہی چیز اس وقت بھی زیر بحث ہے۔ آپ تنکوں کے سہارے غرقابی سے بچنے کی کوشش کریں، اس سے ہمیں اعتراض تو کوئی نہیں، مگر آپ کے لیے یہ طریق کار سود مند ثابت نہیں ہو سکتا۔

اسی سلسلے میں ایک ادھورا اقتباس یوں نقل کرتے ہیں:

"میں نے بعض روایتیں دیکھی ہیں، جو آیتوں کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہیں اور ان کے نظام کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں (اس کے بعد "الا ان تاول" کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے، یعنی الا آں کہ ان کی تاویل کی جائے۔ اصلاحی)"

جن لوگوں کے پاس اکتوبر ۱۹۳۵ء کا "البیان" موجود ہے، وہ اس کے صفحہ ۳۷ سے گیارھویں سطر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ مگر یہ کہ ان کی تاویل کی جائے"۔ کے لفظ برابر موجود ہیں۔ یہ کتنی شرم ناک پوزیشن ہے کہ جو شخص اپنے مضمون میں بار بار خدا ترسی، اسلامی اصول اخلاق کی ذمہ داری اور عاقبت کے خوف سے لوگوں کو ڈراتا ہے، وہ خود ان ساری چیزوں کو بالائے طاق رکھ کر، پبلک کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ ہم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ سے انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں کہ انہوں نے "معارف" جیسے وقیع و سنجیدہ، پرچے میں یہ بے بنیاد اتہام چھاپنے کی اجازت دے دی۔ سکیا "معارف" کے صفحات کو اس طرح کے کذب و افتراء سے محفوظ رکھنا ان کا فرض نہیں ہے؟

پھر لکھتے ہیں کہ ہم نے مولانا فراہی کی عبارت ذیل بھی اڑادی' کیوں کہ یہ فقرہ "حدیث و آثار کے متعلق مصنف کے مسلک کو واضح لفظوں میں ظاہر کرنے والا تھا:

فینبغی لنا ان لا ناخذ منها الا مایکون مؤیداً للقرآن و تصدیقاً لما فیه کما ان الآثار المنقولة عن ابن عباس اقرب الاقوال من نظم القرآن فنشیر الیها کالتبع	پس ہم کو صرف وہ روایتیں قبول کرنی چاہئیں جو قرآن کی تصدیق و تائید کریں' مثلاً وہ آثار جو حضرت ابن عباس سے منقول ہیں' وہ بالعموم نظم قرآن سے بہت اقرب ہیں۔ پس ہم ان کی طرف تبعاً اشارہ کریں گے

اس سے واضح ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ و مرفوعہ تو درکنار مولانا آثار صحابہ کو بھی اس درجہ اہمیت دیتے تھے"۔
مگر اس چیز سے انکار کس کو ہے؟ خود ہمارا بھی یہی مسلک ہے کہ "صرف وہ روایتیں قبول کرنی چاہئیں جو قرآن کی تصدیق و تائید کریں" کیا آپ ہمارے ہی دعوے کے حق میں دلیل دینا چاہتے ہیں؟ سوال تو وحی اور غیر وحی کا ہے' سوال یہ ہے کہ کوئی غیر الہامی چیز' وہ حدیث ہو یا فہم صحابہ' قرآن مجید سے متعارض ہو' تو قابل رد ہے یا قابل قبول؟ آپ کہتے ہیں کہ علامہ فراہی آثار صحابہ کو اہمیت دیتے تھے' مگر آثار صحابہ تو بڑی چیز ہیں' ہم آثار فراہی کی بھی تعظیم کرتے ہیں' لیکن اسی حد تک' جس حد تک وہ قرآن مجید سے اقرب ہیں' اس کے ماتحت ہیں' اس کے موید ہیں' غیر اقرب' غیر تابع اور غیر موید روایات و اقوال کو کبھی تسلیم نہ کریں گے۔ یہی مسلک علامہ فراہی کا تھا۔ حدیث کذب ابراہیمؑ بالاتفاق صحیح و مرفوع سمجھی جاتی ہے' مگر وہ اس قسم کی روایتوں کے انکار میں سر کٹانے کو تیار ہو جاتے ہیں: ولو قطعوا راسی لدیه وا وصالی۔
(نظام القرآن' ص ۳۲)

"البیان" کا اقتباس تھا کہ

> ایسی روایات کو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں' جو اگرچہ اصول روایت پر پوری نہ اتریں' لیکن درایت کی کسوٹی پر کھری ثابت ہوں' یعنی معقول ہوں ——— قرآن کے منکر اور بعض فروع کے منکر کو یکساں نہ سمجھو ...... الخ (البیان' اکتوبر ۱۹۳۹ء)

اصلاحی صاحب نے سارے اقتباس میں سے صرف پہلا فقرہ لے لیا ہے' پھر "نظام القرآن" سے قریباً ایک صفحہ کی عبارت کا خود ترجمہ کیا ہے' جب وہ اصل عبارت کے اس فقرے تک پہنچتے ہیں:

" و اذا لم یکن اختلاف بینها فلا بأس ان ناخذ مما یثبت روایة بعد عرضه علی محک الدرایة"

تو مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

> ملل، اگر باہم دگر کوئی اختلاف نہ ہو تو ہم درایت کی کسوٹی پر جانچ کر ان کتابوں سے بھی لے سکتے ہیں، جن کا از روئے روایت کوئی وزن نہیں!

اصل عبارت میں "روایۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، مگر مترجم کی دیانت داری دیکھیے کہ وہ "روایت" کا ترجمہ "کتابوں" لکھ دیتے ہیں اور اس طرح فراہیؒ مرحوم نے روایت و درایت میں جو امتیاز پیدا کرنا چاہا ہے، اُسے ان کا لائق شاگرد حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے پر تُلا ہوا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس تمام مغز پچی کے باوجود، وہ اس بات کا کہیں ثبوت نہیں دے سکے کہ فراہی مرحوم روایت کو درایت سے اس طرح مانتے تھے!

زیر بحث فقرے سے آگے "البیان" کا اقتباس یوں چلتا ہے:

> "حدیث اور تواتر قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتے۔ شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور عام اصحاب حدیث، قرآن کو منسوخ کرنا جائز نہیں سمجھتے، اگرچہ حدیث متواتر ہی کیوں نہ ہو اور گھر والے، گھر کے اندر سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ فقہا و متکلمین میں جو کوئی ان سے اختلاف کرے، ہمارے نزدیک ان کی رائے کوئی وزن نہیں رکھتی، ہم اس عقیدے سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں کہ رسول، اللہ کے کلام کو منسوخ کرسکتا ہے، ایسا خیال یقیناً راویوں کا وہم و خطا ہے۔" (نظام القرآن، ص ۱۱)

اصلاحی صاحب کو یہ ترجمہ پسند نہیں آیا، چنانچہ وہ خود قلم لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور یوں تحریر فرماتے ہیں:

> "اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خبر، اگرچہ متواتر ہو، قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتی، اس کی یا تو تاویل کریں گے، یا اس میں توقف کریں گے۔ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور عام اہل حدیث، حدیث کو قرآن کے لیے ناسخ نہیں مانتے، اگرچہ حدیث متواتر ہو۔ جب یہ ائمہ جو حدیث کے لیے صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں، اس بات کے قائل نہیں ہوئے تو اس باب میں ہم فقہاء و متکلمین کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بات سے پناہ میں رکھے کہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ رسول، اللہ کے کلام کو منسوخ کرسکتا ہے، اس طرح کے مواقع میں تمام تر راویوں کے وہم اور ان کی غلطی کو دخل ہے اور فریقین کے دلائل پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کیا ہے"؟

فرمائیے، اس ترجمے سے آپ نے کیا ثابت کر دکھلایا ہے؟ کیا وہی نہیں جو "البیان" نے اوپر کے اقتباس میں پیش کیا ہے؟ ہم حیران ہیں کہ "البیان" کے مکمل اقتباس میں سے آپ کتر بیونت کرکے، صرف ذیل کے تین فقرے پیش کرتے ہیں، جو آپ

کی امانت و دیانت پر کھلی گواہی دے رہے ہیں۔

"حدیث اور تواتر قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتے ..... ہم اس عقیدے سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں کہ رسول، خدا کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے ... ... ایسا خیال یقیناً راویوں کا وہم و خطا ہے۔" (معارف، ص ۹۴)

عقل حیران ہوتی ہے کہ آخر یہ صاحب کہنا کیا چاہتے ہیں؟ "البیان" کی ایک ایک بات کو تسلیم بھی کرتے جاتے ہیں اور ساتھ "تحریف و تنسیخ" کی رٹ بھی لگاتے جاتے ہیں۔

"البیان" نے "مقدمہ نظام القرآن" کے سترھویں مقدمے سے حسب ذیل عبارت اخذ کر کے پیش کی تھی:

"میں کہہ چکا ہوں کہ اختلاف میں قرآن حاکم ہے۔ یہاں اس قول کی وضاحت کی جاتی ہے۔ میں بعض لوگوں کے طعن سے ڈرا کرتا تھا، لیکن حدیث کے متعلق ان کا مبالغہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انہوں نے حدیث کو اس آیت کے تحت داخل کر لیا ہے (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) یعنی، حدیث کو بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے (نعوذ باللہ۔ مترجم) ان لوگوں نے اپنے اس قول کے نتائج پر غور نہیں کیا، پس وقت آگیا ہے کہ میں سچائی کا علم بلند کروں اور قطعاً پروانہ کروں۔ چاہے میرا سر کاٹ ڈالا جائے اور میرا بند بند الگ کر دیا جائے ــــــ اکثر اہل حدیث کے دلوں میں یہ بات سما گئی ہے کہ بخاری اور مسلم نے جو کچھ روایت کر دیا۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں، پس ہم بعض قابل اعتراض مقامات لکھتے ہیں، تاکہ تم سمجھ سکو کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو رب ٹھیرانے کی شناعت فرمائی ہے، پس ہم ان کے غیر معقول فکر و فہم پر ایمان لانے کو تیار نہیں۔"

اور اصلاحی صاحب ان الفاظ کی یوں اصلاح کرتے ہیں:

"میں لکھ چکا ہوں کہ جب قرآن اور احادیث میں اختلاف ہو، تو اس وقت حکم قرآن ہوگا، یہاں اس کی توضیح کرنا چاہتا ہوں۔ میں بعض لوگوں کے طعن سے ڈرا کرتا ہوں، لیکن حدیث کے معاملے میں ان کے غلو کا یہ حال ہے کہ وہ کہتے ہیں، حدیث، انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے تحت داخل ہے، انہوں نے اپنے اس قول کے نتائج پر نہیں غور کیا، اس لیے وقت آگیا ہے کہ میں سچائی کا علم بلند کروں اور کچھ پروانہ کروں۔

ولو قطعوا راسی لدیہ واوصالی

اکثر اہل حدیث کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ بخاری اور مسلم نے جو روایت کی ہے، اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم بعض مثالیں پیش کرتے ہیں، تاکہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء

کو رب ٹھہرانے پر تشنیع فرمائی ہے۔ پس ہم اس پر ایمان نہیں لاسکتے، جو انہوں نے بغیر غور و فکر کے سمجھا ہے۔" (معارف، ص ۹۴)

للہ، کوئی سمجھائے کہ "البیان" کے الفاظ میں اور اصلاحی صاحب کے پیش کیے ہوئے ترجمے میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ کہ انہوں نے علامہ فراہی کے اس اعلان میں، ان لفظوں کو بغیر ترجمہ کیے جوں کا توں نقل کر دیا ہے، جن میں ساری عبارت کا زور پوشیدہ ہے، یعنی،

ولو قطعوا راسی لدیہ وادصالی

"اگر میرا سر کاٹ ڈالا جائے اور میرا بند بند الگ کر دیا جائے۔ (پھر بھی حدیث کو قرآن پر حاکم تسلیم نہ کروں، اسے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون میں شامل نہ سمجھوں، بخاری اور مسلم کی روایتوں کو ظن و شبہ سے خالی نہ قرار دوں اور علماء کو رب نہ ٹھہراؤں!)

اب اصلاحی صاحب، عبارت بالا کی جو تشریح کرتے ہیں، اسے بھی سن لیجیے:

"اُن کا (یعنی علامہ حمید الدین فراہیؒ کا) مدعا واضح ہے۔ وہ ان لوگوں کے خیال کے مخالف ہیں، جو روایت کو ذکر منزل کا درجہ دیں، اس کے لیے اس حفاظت و صیانت کے مدعی ہوں، جس کا ذکر "وانا لہ لحافظون" میں کیا گیا ہے۔ یہ چیز صرف قرآن کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی محقق ایک لمحہ کے لیے بھی حدیث کو اس کے تحت نہیں سمجھتا۔ اس دعوے کے نتائج بلاشبہ نہایت خطرناک ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا ان لوگوں کے خیال سے بھی اتفاق نہیں رکھتے، جو بخاری و مسلم کی تمام مرویات کو ظن سے بالاتر سمجھتے ہیں اور یہ بات مولانا نے کوئی نئی اور عجیب نہیں کہی ہے۔ حافظ ابن حجر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی ان کتابوں کو ظن سے بالاتر نہیں سمجھتے۔ ہم کو تعجب ہے کہ ان دوستوں نے اس بات کو اس قدر اہمیت کیوں دی؟" (معارف، ص ۹۴، ۹۵)

یہ تشریح اب کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ اوپر کی عبارتوں سے یہ روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ علامہ فراہی اور ان کے شاگرد امین احسن صاحب دونوں اس امر کے قائل ہیں کہ روایات خواہ وہ بخاری اور مسلم ہی کی روایات کیوں نہ ہوں، ذکر منزل (یعنی قرآن) کے درجے کو نہیں پہنچتیں، وہ الہام خداوندی کی طرح حفاظت و صیانت سے بھی محروم ہیں۔ اب فرمائیے: آپ کا وہ دعویٰ کیا ہوا کہ مولانا صرف تفسیری روایات میں ظن و شبہ کا دخل مانتے ہیں؟ کیا اوپر کی عبارتیں ہمارے اس یقین کی شاہد عادل نہیں ہیں کہ وہ بلا تخصیص تمام روایات کو جن میں صحیحین بھی شامل ہیں، یکساں

طور پر ظنی، غیر یقینی، غیر محفوظ، غیر حاکم علی القرآن اور غیر ناسخ قرآن مانتے ہیں؟ آپ کہتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ مگر سوال یہ ہے کہ آپ ہمیں کیوں اتنی اہمیت دیتے ہیں؟ ہم بھی تو پچھلے بیس برس سے وہی کچھ کہتے چلے آ رہے ہیں، جو حافظ ابن حجر نے کہا، جو شیخ عبدالحق محدث نے کہا اور سب سے آخر اور سب سے زیادہ شدت و اعلان کے ساتھ علامہ فراہی نے کہا ———— پھر ستم ہے کہ "بندگان حدیث" تو روایات کو وحی غیر متلو کا درجہ دیں، انہیں ذکر منزل یقین کریں، لاریب و بے غلط سمجھیں، قرآن پر حاکم اور قرآن کا ناسخ قرار دیں، دین براسی پر یہ کھلا ہوا ظلم دیکھ کر ہم اگر چیخ پکار کریں تو آپ جیسے لوگوں کے نزدیک کشتنی اور گردن زدنی قرار دیے جائیں اور اگر یہی بات علامہ فراہی کے منہ سے نکل جائے تو آپ اس بات پر چیں بہ جبیں ہوں کہ ہم اسے اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ اس کی اہمیت جاننا ہو تو ان لوگوں سے پوچھیے جن کے دل میں قرآن کا عشق ہے اور جو اس کو روایات کی یلغار سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنا سر تک کٹا دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں:

ولو قطعوا راسی لدیہ وادصالی!

پھر مزا یہ ہے کہ مصنف کی اس عبارت کا، یعنی پورے کے پورے سترھویں مقدمے کا "ترجمان القرآن" میں ترجمہ بھی نہیں دیا۔ سولھویں مقدمے پر ہی کتاب کو ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ اس شخص کی دیانت و امانت کی مثال ہے جو ہم پر خدا ترسی اور حذف و تحریف کا پوری بے باکی کے ساتھ الزام لگا رہا ہے!

اب مولانا کا صحیح مسلک بیان ہوتا ہے:

"ہم اسی کتاب (فاتحہ نظام القرآن) سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں، جن سے احادیث و آثار کے متعلق مولانا کا صحیح مسلک معلوم ہوگا۔ مولانا "اتقان" سے یہ عبارت صفحہ ۶ میں نقل کرتے ہیں: "اگر قرآن سے تفسیر نہ ہو سکے تو سنت رسول کی طرف رجوع کرے، کیوں کہ سنت، قرآن کی شارح اور مفسر ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، سب قرآن سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ۔ اس کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ، یعنی، سنت، لیکن اگر سنت سے تفسیر نہ ہو سکے، تو صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرے ......" (معارف، ص ۹/۴)

اوپر کے جن فقروں پر خط کھینچے گئے ہیں، ان پر غور کیجیے۔ اس سلسلے میں پہلا سوال یہ اُٹھتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات قرآن ہی سے ماخوذ ہے، تو پھر تفسیری اور غیر تفسیری روایات میں تفریق کا کیا مطلب؟ حالاں کہ آپ ہی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ تفسیری معاملوں میں جھوٹ زیادہ ہوتا ہے اور علامہ فراہی صرف تفسیری روایتوں سے بدگمان ہیں! .... حافظہ نباشد کی اس سے دل چسپ مثال کہاں ملے گی؟

پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اگر سنت سے تفسیر نہ ہو سکے، تو صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع کرے" کیا اس کا صاف اور واضح مطلب یہ نہیں کہ جس سنت کو آپ قرآن کے ساتھ قرآن کے مانند" (مثلہ معہ) کہتے ہیں، وہ بھی کافی و کامل نہیں ہو سکتی، کیوں کہ اس کی موجودگی میں بھی صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ جب سنت کی کفایت و کاملیت کا یہ حال ہے، تو اقوال صحابہ کی جو حیثیت رہ جائے گی، اُسے سمجھنا مشکل نہیں!

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اس کے بعد (علامہ فراہی) خود اپنے طریقے کا ذکر کرتے ہیں اور مذکورہ بالا مذہب کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں:

اس سے مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ پہلی چیز جو قرآن کی تفسیر میں مرجع کا کام دے سکتی ہیں، خود قرآن ہے، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے۔" (معارف، ص ۹۶)

یعنی، تفسیرِ نبی اور تفسیرِ صحابہ غیر وحی کے لحاظ سے دونوں ایک درجے میں ہوئیں۔ دونوں بشری ہوئیں اور یہی ہم بھی کہتے ہیں۔

آگے چل کر علامہ فراہیؒ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"میں یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں، تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں، بلکہ بطور تائید کے پیش کیا کرتا ہوں....... تاکہ ان منکرین کو "معارضہ" کی راہ نہ ملے، جنہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔" (معارف، ص ۹۶)

اس سے کیا ثابت ہوا؟ یہی کہ علامہ فراہی قرآن کی تفسیر میں روایات محض اس لیے استعمال کرتے ہیں، تاکہ جن لوگوں نے قرآن کو پس پشت ڈال رکھا ہے، انہیں معارضہ کی راہ نہ ملے۔ اصلاً وہ روایات کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے، کیوں کہ قرآن اپنا مفسر آپ ہے، ہاں، تبعاً تائید کے طور پر روایتوں کو بھی لے لیتے ہیں۔

اصلاحی صاحب کی حالت کتنی قابلِ رحم ہے! خود کچھ کہتے ہیں اور اُستاد کچھ کہتے ہیں اور حق اپنا راستہ آپ بناتا چلا جاتا ہے:

من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سرایدا

ایک شرمناک الزام!

"آج انکارِ حدیث کے فتنہ نے صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، قربانی، سب کے انکار کی راہ کھول دی ہے"! (معارف ص۹۴)

اسلامی اصولِ اخلاق کی ذمہ داری، کا کتنا پاکیزہ نمونہ ہے، جو ان سطور کے راقم نے پیش کیا ہے۔ کوئی سند نہیں، کوئی حوالہ نہیں، کوئی ثبوت نہیں۔ عوام کے جذبات کو بدظن کرنے کی ایک فریب کارانہ چال ہے، جو ادنیٰ قسم کے ملّاؤں کا شیوہ ہے، مگر اصلاحی صاحب نے اسے بلا تامّل اختیار کر لیا ہے۔ حیرت ہے کہ اُن کے ضمیر نے انہیں اس کذب و افترا کی اجازت کیسے دے دی؟ پھر یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ ہمیں "انکارِ حدیث" سے متہم کیا جا رہا ہے، حالانکہ ہمارا مسلک "انکارِ حدیث" نہیں، "انکارِ حجیت حدیث" ہے۔

ہم ایک کھلی کھلی بات کہہ دینا چاہتے ہیں۔ یہ زمانہ آزادی کا زمانہ ہے۔ اس دَور آزادی میں اگر بہاء اللہ اور غلام احمد قادیانی جیسے لوگ نبوت کا دعویٰ کر لیتے ہیں، تو کسی کی مجال نہیں کہ انہیں جبر و تعدی کے ذریعے باز رکھ سکے نبوت تو درکنار، لوگ "خدائی" کے دعوے کر لیتے ہیں، تو بھی ان سے کوئی بازپُرس نہیں کی جا سکتی۔ ایسے حالات میں آخر ہمیں اپنے ٹھیک ٹھیک عقاید کے اظہار میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ ہم نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اسلام کے دوسرے تمام ارکان کو ایک ایک کر کے ترک کر دیں، اُن کی مخالفت کریں، اعضائے اسلام کی مخالفت سے گزر کر سرے سے اسلام ہی کا انکار کر دیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی یا یہودی بن جائیں، تو بھی ہمارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ پھر جب کہ ہم نے پہلے ہی اپنے اندر اتنی جرأت پیدا کر لی ہے کہ جو چیز بھی ہمیں قرآن و عقل کے خلاف نظر آتی ہے، اُسے برملا غلط کہہ دیتے ہیں۔ ہر طرف سے گالیوں کی بوچھار ہوتی ہے، لعن طعن سننی پڑتی ہے، ملّاؤں کی مخالفت اور اشتعال انگیزی کا ہدف بننا پڑتا ہے، ہمارے لیے یہ امر ذرا بھی مشکل نہیں ہے کہ ہم ارکانِ اسلام کے منکر ہوں اور اپنے انکار کا اعلان نہ کر سکیں۔ دین کے معاملے میں ہم نے کبھی "مصلحت بازی" کی راہ اختیار نہیں کی، نہ ہمیں مریدوں کے نذرانے چھن جانے کا خوف ہے، نہ شرف و شہرت کے زائل ہونے کا خطرہ، اگر یہ دلائل آپ کو انصاف کی ترغیب دے سکتے ہیں تو باور کیجیے، ہم نے "صوم و صلوٰۃ اور حج و قربانی" وغیرہ شعائرِ اسلام کا کبھی انکار نہیں کیا، بلکہ حتی الوسع ان پر عمل ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر ان الفاظ پر آپ کو اب بھی یقین نہیں آ سکتا، تو ہم آپ کو کھلے لفظوں میں چیلنج دیتے ہیں کہ البیان سے، بلاغ سے، دفترِ اُمتِ مسلمہ کی تمام مطبوعات سے کوئی ایک جملہ بھی ایسا نکال دیجیے، جس سے شعائرِ اسلام کا انکار ثابت ہو، اگر آپ ایسا کر سکیں، تو ہم ان ہی صفحات میں ساری دنیائے اسلام سے معافی طلب کریں گے، اور اگر آپ کو ناکامی ہوا تو ہم آپ کی "خدا ترسی" اور "عاقبت خوفی" سے مطالبہ کریں گے کہ جو غلط فہمی آپ نے پھیلائی ہے، اپنے ہی قلم سے اس کی تردید بھی کریں

"مولانا سندھی اور مولانا حمید الدین کے درمیان حدیث کے ماننے اور نہ ماننے کا جھگڑا تھا، اس کی بناء تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتی کہ خدانخواستہ مولانا حمید الدین سارے دفترِ حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے تھے۔"
(معارف، ص ۹۹)

نہ جانے اصلاحی صاحب کو اس امر کی تشویش کیوں ہے کہ علامہ فراہیؒ "سارے دفترِ حدیث کو ناقابلِ اعتبار مانتے تھے یا نہیں"؟ یہ دعویٰ ہم نے کیا ہے نہ "طلوعِ اسلام" نے، پھر اس پہ خواہ مخواہ کا اصرار کیوں؟ سیدھی بات ہے کہ جس شخص کے دو چار جھوٹ بھی ثابت ہو جائیں، اس کی تمام باتیں ظنی ہی ماننی پڑیں گی، احادیث کے ذخیرے میں اگر چند حدیثیں بھی غلط، ضعیف، غریب یا مشکوک ثابت ہو جاتی ہیں، تو اس سارے ہی ذخیرے کے متعلق "متحمل الصدق والکذب" کی رائے قائم کرنی پڑے گی۔ اس سیدھے سادے اصول میں کم از کم ہمیں تو کوئی پیچیدگی نظر نہیں آتی، البتہ آپ چاہیں، تو اپنے دل کو "طفل تسلی" کے ذریعے مطمئن کر سکتے ہیں۔ کون روکتا ہے؟

"اخیر میں چند لفظ مولانا عبید اللہ سندھی کی اس روایت کی نسبت بھی کہوں گا، جس کو "طلوعِ اسلام" وغیرہ نے بہت شہرت دی ہے۔ حیرت ہے کہ جو لوگ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی روایت اس جزم و یقین کے ساتھ مانتے ہیں، وہ حدیث کے ماننے سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟" (معارف، ص $\frac{98}{99}$)

کب اعراض کرتے ہیں؟ آپ کو یہ الزام لگاتے ہوئے کیا سچ مچ خدا کا خوف محسوس نہیں ہوا؟ ہم ہزار بار پوری سچائی کے ساتھ یہ اعلان کر چکے ہیں کہ ہم حدیث کو مانتے ہیں، مگر حدیث کو حدیث ہی مانتے ہیں، وحی منزّل نہیں۔ اس بات کو ذہن نشین کر لیجیے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں:

"مولانا سندھی ایک ذہین آدمی ہیں۔ ذہین لوگ بے وقوفوں کی بہت کم پروا کرتے ہیں اور اکثر ایسی باتیں کہہ گزرتے ہیں، جو متشابہات کی نوعیت کی ہوتی ہیں، جن سے تیسرے درجے کی عقلیں فتنے میں پڑتی ہیں اور اربابِ زیغ ان کو لے اڑتے ہیں اور بات کا بتنگڑ بناتے ہیں۔" (معارف، ص ۹۹)

کتنے غیر سنجیدہ، بلکہ غیر شریفانہ الفاظ ہیں، لیکن اصلاحی صاحب کی خاطر و مدارات کے لیے ہم اس امر کو تسلیم کیے لیتے ہیں کہ ہم بے وقوف بھی ہیں اور اربابِ زیغ بھی، لیکن مطمئن رہیے:

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

آپ کے اور مولانا سید سلیمان ندوی کے ہم مسلک مولانا عبدالماجد دریابادی اور "صدق" کے فاضل نامہ نگار بھی مولانا سندھی کی ذہانت کو نہیں سمجھ سکے۔ یقین نہ ہو، تو مولانا کی تحریروں سے ثبوت حاضر ہیں:

مولانا سندھی کی تفسیر سورۂ مدثر کا اقتباس چھاپ کر صاحبِ "صدق" تحریر فرماتے ہیں:

"چند جواہر ریزے" ہیں، اس "سراپا مرصع" تحریر کے جو سورۂ مدثر کی "حکیمانہ تفسیر" سے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے نام سے شائع ہوئی ہے:

"ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے؟

اگر اسی کا نام "تفسیر" ہے، تو خدا معلوم "تحریف" اور بدترین تحریف کا نمونہ اور کیسا ہوگا؟" (صدق، ۲۶ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ)

اور اس "شذرے" کا عنوان ہے "مقدس محرّف"!

اور "الفرقان" کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا عبیداللہ سندھی کا جو مقالہ "حکمت ولی اللّٰہی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اور جس کے اقتباس شائع کرنے کے جرم میں ہمیں "ارباب زیغ" کا خطاب دیا جا رہا ہے، اس کے متعلق صاحب "صدق" نے یوں رائے دی تھی:

"مولانا عبیداللہ سندھی معروف و مشہور عارف و شارح حکمت ولی اللّٰہی کا مقالہ اپنے بہت سے روشن پہلوؤں کے باوجود عبرت انگیز ہی ہے ——— گلاب کے حوض میں نجاست کے چند قطرے بھی ملا دیجیے، تو گلاب کی لطافت، نفاست، طہارت کون سی چیز باقی رہ جائے گی؟" (صدق، ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ)

دیکھا آپ نے، مولانا سندھی کے ارشادات کو مولانا کس چیز سے تشبیہ دے رہے ہیں؟ ——— نجاست کے قطروں سے! مگر مولانا سندھی، "بے وقوفوں کی بہت کم پروا کرتے ہیں۔ صاحبِ "صدق" ان کی باتوں کو بھلا کیوں سمجھتے؟ آخر تیسرے درجے کی عقلیں فتنے میں پڑ ہی جاتی ہیں۔ اربابِ زیغ ان کو لے اڑتے ہیں اور بات کا بتنگڑ بنا ڈالتے ہیں"!

پھر لکھتے ہیں:

"مولانا عبیداللہ اور مولانا حمیدالدین میں متنازعہ فیہ درحقیقت خبر احاد کا تھا اور یہ جھگڑا یوں طے ہو گیا کہ مولانا سندھی نے جوں ہی موطا کا نام لیا، مولانا نے فرمایا" ہم اس کو مانتے ہیں۔" (معارف ص ۱۰)

یہ واقعہ مولانا سندھی نے صرف چند سطروں میں بیان کیا ہے۔ اصلاحی صاحب کی دیانت کو اتنی توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ اسے نقل کر سکتے۔ مجبوراً ہمیں اس "فرض ناگوار" کو ادا کیے دیتے ہیں:

مولانا حمید الدین مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے۔ قرآن شریف کے تناسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا ...... جب تک ہندوستان میں ان سے ملتا رہا، حدیث شریف کے ماننے نہ ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا۔ اتفاقاً جس سال کہ معظمہ پہنچا ہوں، اسی سال وہ بھی حج کے لیے آئے۔ ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں، انکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا تھا، مگر وہاں بھی حدیث کے ملنے نہ ماننے پر بحث شروع ہو گئی۔ ہم نے سختی سے ان پر الکار کیا اور کہا کہ حدیث کو ضرور ہی ماننا پڑے گا۔ تنگ آکے فرمانے لگے آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا: "موطا مالک"! فرمایا: "ہم اس کو مانتے ہیں"۔ میں نے کہا: "بس آج سے ہمارا نزاع ختم ہے۔ ہم آپ کو صحیح بخاری ماننے کے لیے مجبور نہیں کرتے"۔ ("الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر صفحہ ۲۸۷)

کیوں صاحب! یہی عبارت تھی نا، جسے آپ چھپانا چاہتے ہیں۔ اب فرمائیے صحاح ستہ کے بارے میں آپ کے استاذ امام کی کیا رائے ہے؟ لیکن ہمیں امید نہیں کہ آپ اس طرزِ عمل پر نادم ہوں۔

آخر میں اصلاحی صاحب نے کہیں سے مولانا حمید الدین کی "پنسل سے لکھی ہوئی کوئی تحریر ڈھونڈ نکالی ہے" جو ان کے خیال میں "سارے راز سے پردہ اٹھا دیتی ہے"۔ اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں لکھتے لکھتے ارشاد فرماتے ہیں:

"پھر (علامہ فراہیؒ) امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے فقہ کی بنیاد کا ذکر کرتے ہیں کہ "طریق امام مالک و ابو حنیفہ اعتماد بر سنت است کہ زمان تابعین را دریافتہ بودند" پھر بعد کی تبدیلی کی حالت پر افسوس کرتے ہیں کہ "بعد ازاں سنت خود تغیر یافت و اعتماد علماء بر اخبار و روایات باقی ماند"[1]! (معارف، صفحہ ۱۳)

فارسی الفاظ کا ترجمہ وہ یہاں بھی نہیں لکھتے، تاکہ اُن کے علم ناظرین اصل حقیقت سے آگاہ نہ ہو جائیں اور مولانا فراہی کے متعلق لوگوں کا جو "حسن ظن" چلا آرہا ہے، اُسے خطرہ نہ پہنچے!

مگر آگے چل کر لکھتے ہیں:

اگر مولانا، سنت پر خدانخواستہ معترض ہوتے، تو خود مولانا سندھی ان کو کب بخشنے والے تھے"! (معارف ص ۱۴)

اے سبحان اللہ! علامہ فراہی صاف لفظوں میں "سنت خود تغیر یافت" کہہ کر اُسے متغیر بتاتے ہیں، لیکن بقول اصلاحی،

---

[1] ترجمہ ہم سے سن لیجیے! "زمانہ تابعین کے بعد سنت بھی بدل گئی اور علماء کا بھروسہ روایات پر رہ گیا۔ (یعنی تابعین کے بعد ہی حدیثیں جمع ہونا شروع ہوئیں، جب کہ سنت مسخ ہو چکی تھی)" البیان!

اس پر معترض نہیں ہوتے! گویا معترض بننے کے لیے ان الفاظ سے زیادہ کسی تیر و تفنگ کی ضرورت تھی!

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"مولانا ایک محقق اور مجتہد عالم تھے، تاہم ان پر حنفیت کا رنگ غالب تھا اور بعض مرتبہ حنفیت کی حمایت میں ایسی تقریر کر دیتے کہ اس میں غلو کی بو محسوس ہوتی۔" (معارف، ص ۱۰۲)

یہ ہے ایک بنیادی چیز، جسے ثابت کرنے کے لیے آپ نے ۱۸ صفحے کا طویل مضمون گھسیٹ مارا ہے، ہم پر تلبیس و تحریف اور غلط ترجمے کے الزام لگائے ہیں، "معارف" کے پڑھنے والوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے اور تڑپ کر، لوٹ پوٹ ہو کر، پیچ و تاب کھا کھا کے، وہی کچھ کہہ ڈالا ہے جو "البیان" نے چار صفحے کے اقتباسات میں پیش کیا تھا اور "پنچوں کا کہنا سر پر لیکن پرنالہ وہیں رہے گا" کی نہایت عبرت ناک اور مضحکہ خیز مثال پیش کی ہے ———

بہرحال اصلاحی صاحب کا مقصد بڑا "مبارک" ہے۔ مبارک نہ سہی، فائدے سے خالی نہیں۔ ملک میں حنفیوں کی کثرت ہے۔ علامہ مرحوم کو حنفی ثابت کیجیے ان کے نام کا "سائن بورڈ" آپ کی دکان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔ اتنے بڑے عالم کی شاگردی سے یہ فائدہ بھی نہ اٹھایا، تو سالہا سال کی محنت شاقہ، جس کے بعد آپ ان کی کتابوں کے ترجمے کر کے بیچتے ہیں، کس کام کی:

روٹی تو کما کھائے کسی طور ...

آخر میں ہم شمس العلماء مولانا محب الحق عظیم آبادی کے چند الفاظ نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

"اصلاحی صاحب، ہمارے دوست مولانا حمید الدین علیہ الرحمۃ کے جانشین ہیں۔ مولانا حمید الدین صاحب اور مجھ سے حیدر آباد میں صحبتیں رہیں ..... قرآن کی نسبت نے ہم دونوں کو شیر و شکر کیا۔ وہ اپنے قرآن کے جلسے میں ہم کو لے گئے اور ہر ملاقات میں یہی قرآن رہتا۔ اسی تفسیر لکھنے کی وجہ سے انہوں نے ایسی عزت اور اتنے مشاہرے کی جگہ چھوڑ دی۔ قرآن کی خدمت کرتے رہے۔ قرآن کے متعدد جلسے قائم کیے۔ آج فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر میں مہمان ہوں گے۔ ان کے جانشین کو بھی قرآن ہی کی خدمت میں لگنا تھا اور اسی رسولی تبلیغ کا غلغلہ بلند کرنا تھا، مگر افسوس ہے، میں نے چند ہی تحریریں اصلاحی صاحب کی دیکھی ہیں، وہ ملاؤں کا اٹھتا ہوا بازار پھر بنانا چاہتے ہیں اور قرآن کو وید بنا کر برہمنوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، باوجودے کہ اس بدعت کا نتیجہ بھگتتے ہوئے قوم کو دیکھ رہے ہیں، اس کا ماتم بھی کر رہے ہیں اور پھر اسی میں مبتلا ہیں۔ مولوی حمید الدینؒ کا حق ادا کر رہا ہوں کہ مولانا (اصلاحی صاحب) کو توجہ دلا رہا ہوں کہ اتباع ہوا و ہوس سے محترز ہو کر رسولی تبلیغ میں لگ جائیں۔" (طلوع اسلام، فروری ۱۹۳۲ء)

ہماری دعا ہے کہ اصلاحی صاحب ان الفاظ سے عبرت حاصل کریں اور صحیح معنوں میں علامہ فراہی کے جانشین ثابت ہوں۔ **محمد اقبال سلمانی**

احوال

"دو قرآن"۔ "بصائر" | ہمارے علمی حلقہ میں البیان کے مسلسل مضامین میں "دو قرآن" اور "بصائر" بہت پسند کیے گئے ہیں۔ جن کے لیے ان کے مصنف جناب ڈاکٹر برقؔ با لقابہ اور حضرت اخترؔ مدظلہ مستحق مبارک باد ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ "البیان" میں چھپ چکنے کے بعد ان کو نظرثانی کرکے خوب صورت کتابی شکل میں شایع کریں۔ اس پر اہل خیر کو ضرور متوجہ ہونا چاہیے۔ خالص قرآنی خدمت کے سلسلے میں یہ دونوں کتابیں ایک مستقل اہمیت و اثر کی مالک اور بے بدل ثابت ہوں گی۔ انشاءاللہ

روزنامہ | دارالمطالعہ اُمّت مسلمہ کو ایک روزنامہ کی ضرورت تھی۔ جناب مہر بخش صاحب چغتائی سے استدعا کی گئی، آپ نے حسب سابق پذیرائی فرمائی۔ اس کے چند دن بعد پنجاب کے تمام معتدد روزناموں کی قیمتیں ڈیڑھ گنی ہوگئیں۔ یعنی اب سال بھر کے لیے اس فنڈ میں ہمیں مزید ۱۷ روپیہ کی ضرورت ہے جس کے لیے کسی صاحب کرم کی توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو یا تین صاحب چھ چھ یا چار چار روپیہ دے کر اس بوجھ کو بانٹ لیں۔

عذر | اس اشاعت میں بعض طویل مضامین کی وجہ سے "بصائر" کو روک لینا پڑا ——— محترم شذرہ نگار نے اپنے حدود میں رہ کر خوب داد تحقیق دی ہے کہیں کہیں نریق ثانی کی تلخ نوائی کا عکس نظر آتا ہے جس کو ساحران مصر کی رسیوں اور لاٹھیوں کی خیالی دوڑ کے مقابلے میں عصائے کلیمؑ کی جوابی حرکت سے تعبیر کرنا چاہیے ——— حضرت مولانا تمنّا عمادی کا محققانہ مضمون "حجیت حدیث اور صحت حدیث" بہت زیادہ علمی اور اصطلاحی" بن گیا ہے۔ اس لیے اہل علم ناظرین کی پوری توجہ کا مستحق ہے۔

خاص نمبر کے بعد | "البیان" کے خاص نمبر کے بعد "قرآن اور حیاتیات" اور بصائر کے ساتھ مولانا نذر احمد صاحب نگینوی کے قرآنی مضامین کا ایک اہم اور مفید سلسلہ شروع کیا جائے گا۔ جس کی پہلی قسط بعنوان "طاغوت" موصول ہو چکی ہے۔

البیان مفت | مئی ۱۹۵۲ء کے بعد البیان کی مفت ششماہی تقسیم ائمہ مساجد کی بجائے گریجویٹوں کے نام منتقل کردی جائے گی۔ صاحب ذوق گریجوٹ ۳۰ مئی تک اپنی درخواستیں ارسال فرمائیں۔

تصحیح | البیان کے اپریل نمبر میں صفحہ ۳۵ کی نظم کے تیسرے بند میں آداب کی جگہ ادب اور آخری بند میں نیامت کی جگہ ندامت ہونا چاہیے۔

خط و کتابت | یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ جوابی امور کے لیے جوابی خط یا لفافہ ارسال فرمایا کریں۔

"ادارہ"

مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ

از

جناب سید منظور احسن صاحب بہاری

"البیان" کے جون و جولائی نمبر کی بجائے سید منظور احسن صاحب کی ایک کتاب "مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ" کے عنوان سے شایع کی جا رہی ہے۔ یہ طویل مقالہ حسب ذیل عنوانوں پر مشتمل ہوگا:

۱۔ قرآن پاک اور مسلمانوں کی حیات ثانیہ

۲۔ قرآن پاک کے چند بے مثال خصائص

۳۔ قرآنی تشبیہات سے حیات ثانیہ کے رموز

۴۔ امام مہدی یا دَور رشد و ہدایت

۵۔ رشد و ہدایت کا دَور کب آئے گا۔

۶۔ حیات ثانیہ کے عناصر ترکیبی

۷۔ خطاب

ہم نے اس کتاب کے مسودے کو بہ نظر غایر دیکھا ہے۔ سید صاحب نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اگر مسلمان، از سر نَو زندگی حاصل کرنا چاہیں تو انہیں قرآن پاک کی روشنی میں کیا کچھ کرنا چاہیئے؟ یہ مفید و مبارک مقالہ، غالباً ۱۰۰ صفحے کے حجم پر شایع ہوگا۔ قیمت آٹھ آنے مقرر کی گئی ہے۔ آپ کو جتنی کاپیاں درکار ہوں، ۱۵ جون تک اطلاع دیجیے، تاکہ مانگ کے مطابق شایع کرائی جائے۔

منیجر رسالہ "البیان" امرت سر

حجّیتِ حدیث اور صحتِ حدیث

(جناب مولانا تمنا صاحب عمادی)

فی زماننا دو جماعتوں میں حجیت حدیث کے موضوع پر ایک معرکۂ بحث ونظر برپا نظر آتا ہے اور کبھی کوئی فیصلہ کن یا تشفی بخش صورت نکلتی نہیں نظر آتی - اس لیے آج ایک مخلص کے اصرار سے اسی موضوع پر کچھ لکھ رہا ہوں۔

"حجیت حدیث" والے یہ نہیں سمجھتے کہ ہم مجموعہ روایات کو کس طرح قطعیت کے ساتھ منسوب بر رسول صلعم ثابت کر سکتے ہیں، بلکہ خود بھی اگر سمجھتے ہیں تو بلا دلیل ہی سمجھتے ہیں - ایک جماعت ہے جو لکھے جاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے عہد ہی میں بعض صحابہؓ نے لکھنا شروع کر دیا تھا اور فلاں کے لیے رسول اللہ صلعم نے فلاں چیز خود لکھوا دی تھی اور فلاں نے پوچھا کہ میں جو کچھ آپؐ سے سنوں، سب لکھوں ؟ تو آپؐ نے اس کی اجازت دے دی اور یہ سارا ثبوت انہیں روایات سے پیش کیا جاتا ہے جن کو سرے سے منکر تسلیم ہی نہیں کرتا - یہ "مصادرہ علی المطلوب" علمائے کرام کی جماعت کس طرح جائز رکھتی ہے اور اس طریق استدلال کے بودے پن کو کیوں نہیں سمجھتی ہے - مجھے سخت حیرت ہوتی ہے - ایک منکر اگر ان روایات کو تسلیم ہی کر لے تو پھر باقی روایات سے وہ انکار ہی کیوں کرنے لگا - اگر کوئی شخص قرآن مجید کو وحی الٰہی مانتا ہی نہیں ہے تو کیا اس کو یہ کہہ کر قائل کیا جا سکتا ہے کہ دیکھو خود قرآن میں موجود ہے کہ قل اوحی الیّ ھذا القرآن اور تنزیلٌ من رب العالمین وغیرہا من الآیات - اگر وہ ان آیات کو من اللہ تسلیم کر لے تو پھر پورے قرآن کو من اللہ تسلیم کر لینے میں کیوں عذر کرنے لگا ؟ ایک منکرِ قرآن کو آپ پہلے وحی اور رسالت کی حقیقت سمجھائیے، پھر قرآن کے من اللہ وحی ہونے کو دوسرے دلائل سے سمجھائیے، جب وہ پورے قرآن کو وحی الٰہی تسلیم کر لے، جب آپ اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو سکتے ہیں، نہ کہ عین دعویٰ ہی کو دلیل بنا کر خصم کو خموش کر دینا چاہتے ہیں ؟

بالفرض اگر ان روایات کو محض تاریخی حیثیت سے کوئی صحیح بھی تسلیم کر لے کہ واقعی رسول اللہ صلعم نے بعض چیزیں بعض لوگوں کو لکھوا دی تھیں اور بعضوں کو اس کی اجازت دے دی تھی کہ وہ جو کچھ آپ سے سنیں اس کو لکھ لیا کریں، تو اس سے یہ کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے، بخاری و مسلم وغیرہما کی ساری حدیثیں بھی ان کی بیاضوں میں قلم بند موجود تھیں ؟ کیوں کہ امام مالک یا امام بخاری یا امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں ان حدیثوں کو انہیں صحابی کی دست خاص سے لکھی ہوئی بیاض سے نقل کر رہا ہوں - ان روایات سے تو بس اسی قدر پتا چلتا ہے کہ آں حضرت صلعم کے زمانے میں بھی آپؐ کے بعض ارشادات بعض لوگوں نے قلم بند کر لیے تھے اور بس - بخوبی ممکن ہے کہ ان کے سب قلم بند ہوئے

اُنہیں کے وقت میں یا اُن کے بعد ہی ضائع ہو گئے ہوں جس کا قرینہ غالب ہے۔ کیوں کہ موجودہ کتب روایات کا کوئی جامع یہ نہیں کہتا کہ میں نے وہ مجموعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُس میں سے فلاں فلاں روایتیں نقل کر لیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان کی کوئی روایت ہی ان مجموعوں میں نہ ہو جو آج ہمارے سامنے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سب ہوں اور ہزاروں اُن سے زاید کے مل جانے کی وجہ سے اب اُن کا پتا نہیں مل سکتا کہ ان میں سے کوئی روایت اُن پہلے قلم بند مجموعوں میں سے ہے۔ اور کون ان سے خارج۔ غرض موجودہ کتب حدیث میں سے جب کسی ایک روایت کے متعلق بھی قطعی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ روایت اُسی مجموعے میں سے ہے جو عہد نبوی میں آپ کے حکم سے فلاں صحابی نے لکھا تھا، تو پھر یہ ساری روایتیں بے کار محض ہیں۔ اُن سے صرف اتنا ہی تاریخی طور پر پتا مل سکتا ہے کہ کتابتِ ارشاداتِ نبویہ کا فی الجملہ کام رسول صلعم ہی کے عہد سے شروع ہو گیا تھا اور بس۔ اگلے دور میں یعنی کبار تابعین و صغار صحابہ کے عہد میں کتابتِ روایات پر بحثیں ہوا کرتی تھیں اور اس وقت کے اکابر اس سے لوگوں کو روکتے تھے، اس لیے اس قسم کی روایتوں کے بنا لینے کی یا حاصل کرنے کی ضرورتیں اس وقت کے مشتاقینِ روایات کو پڑیں، اس لیے اس قسم کی روایتیں صرف ثبوت کتابت فی عہد النبی صلعم کے لیے مہیا کر لی گئیں۔ اسی قدر نہیں بلکہ قرآن مجید کے متعلق بھی روایتیں وضع کی گئیں کہ قرآن مجید بھی تو عہد نبوی میں مؤلف و مرتب کتاب کی صورت میں نہ تھا۔ یہ بھی تو عہد حضرت امیر المؤمنین اعظم صدیق اکبرؓ میں بعد وفات نبوی انجام دیا گیا۔ اور اس وقت بھی یہ تماشا ہوا تھا کہ جو کام رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا وہ کام ہم لوگ کس طرح کریں، مگر آخر ایک کار خیر اور کار ضروری سمجھ کر انجام دیا ہی گیا، تو اسی طرح اگر عہد خلفائے راشدین کے بعد حدیثیں جمع کی گئیں تو کیا مضائقہ ہے؟ حالاں کہ یہ ساری روایتیں قطعیُّ الوضع، یقینیُّ الکذب ہیں۔ جن کا کذب و افترا ہونا اجلی البدیہیات سے ہے۔ مگر کیا کیا جائے، ع گھر سے آیا ہے معتبر ناقی۔ بخاری و ترمذی و نسائی وغیرہا میں یہ روایتیں موجود ہیں، اس لیے کس طرح انکار کر دیا جائے؟ حالاں کہ کتنی واضح بات ہے کہ اسی بخاری میں مذکور ہے کہ چار انصاریوں نے رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں کتابی صورت میں قرآن مجید جمع کر لیا تھا۔ دوسری جگہ اس کی تصریح بھی ہے کہ انہیں میں سے ایک حضرت انسؓ بن مالک کے چچا بھی تھے اور ان کا جمع کردہ قرآن ان کے بعد وراثۃً حضرت انسؓ کو مل گیا۔ پھر حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہما کے جمع کردہ قرآنوں کا برابر ذکر انہیں کتابوں میں آتا ہے۔ پھر خود رسول اللہ صلعم لوگوں کو کتاب دیکھ کر پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور ارض عدو میں قرآن ساتھ لے کر سفر کرنے سے منع فرماتے تھے کہ کہیں دشمنوں کے ہاتھ نہ جائے۔ ان تمام واقعات کے بعد بھی یہ کہنا کہ عہد نبوی میں قرآن مجتمع نہ تھا، صرف ہڈیوں، تختیوں، کھالوں، پتوں اور ٹھیکریوں پر منتشر طور سے لکھا ہوا تھا، کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔

تعجب ہے کہ ان صحابہ کو جن کو حدیث کے لکھنے کا شوق (بقول ان حضرات کے) ہوا تھا، قرآن جمع کرنے کا خیال

پیدا نہ ہوا؟ اور حدیثیں لکھنے کے لیے تو ان کو کاغذ مل گیا، مگر رسول اللہ صلعم کو قرآن لکھوانے کے لیے کاغذ نہ مل سکا کہ محض ڈیل چیزوں پر قرآن لکھوایا؟ حفاظتِ حدیث کے ذکر کے موقع پر تو ہر راوی کا حافظہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ ایک ایک لاکھ حدیثیں وہ رُوات کے عنعنے کے ساتھ یاد رکھتا ہے، مگر جب قرآن کا ذکر آتا ہے تو محض گنتی کے چند افراد کا نام پیش کر دیا جاتا ہے کہ بس انہیں کو صرف پورا قرآن یاد تھا، باقی صحابہ میں تو کسی کو دس کسی کو پندرہ کسی کو بیس ہی سورتیں یاد تھیں۔ غرض حدیثوں کے متعلق سب کا حافظہ قوی اور قرآن کے موقع پر سب کے سب ضعیف الحافظہ ہو جاتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حجیت حدیث کے علم بردار جن بودے اور اوچھے حربوں سے اپنے حریف کے مقابل آتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر غلو ہوا تو پھر اسی قسم کی روایاتِ موضوعہ کو لے کر قرآن مجید پر حملے شروع کر دیتے ہیں اور غیظ و غضب میں وہ وہ باتیں بول جاتے ہیں جن کو کوئی مسلم نہیں بول سکتا۔ اور انصاف پسند ہوئے تو انہیں اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ درحقیقت وہ اپنے حریف کے مقابل بہت کمزور ہیں۔

مگر یہ سارا قصہ غلط دعوے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ "حجیت حدیث" کے عوض اپنا دعویٰ "حجیت رسول" قرار دیتے تو پھر یہ اپنی جگہ پر اتنے قوی ہو جاتے کہ ممکن نہ تھا کہ کوئی ایسا شخص جو رسول پر ایمان کا مدعی ہے، ان سے ٹکرا سکتا۔ لیکن میں اس موضوع پر اس وقت کچھ لکھنا نہیں چاہتا، اس لیے کہ میرا مضمون "حدیث کے دو رُخ" "رسالہ" بلاغ" اور رسالہ "البیان" میں شائع ہو چکا ہے، جس پر فاضل مدیر البیان کے کچھ معترضانہ نوٹ بھی تھے۔ جن کا جواب جو میں نے بھیجا وہ بھی چھپ چکا اور پھر اس پر بھی فاضل مدیر کے نوٹ تھے۔ اگرچہ میں ان اعتراضوں کا جواب بھی دے سکتا تھا مگر مناظرہ کا دروازہ کھولنا مقصود نہ تھا اور بہت سی باتیں صاف ہو چکی تھیں، اب صرف کچھ لفظی اختلافات رہ گئے تھے، اس لیے میں نے لفظی بحثوں میں اپنا اور فاضل دوست کا وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس سلسلے کو ختم ہی کر دینا مناسب سمجھا۔ غرض اس موضوع پر جو اصل بنائے بحث تھا، میں ابھی بہت کچھ لکھ سکتا ہوں اور قرآن مجید ہی سے کافی دلائل پیش کر سکتا ہے۔ مگر اس وقت یہ میرا موضوع بحث نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو پھر کبھی کچھ لکھوں گا۔ یار زندہ صحبت باقی۔

اس وقت میرا موضوع "حجیتِ حدیث" اور "صحت حدیث" ہے۔ اور ظاہر ہے کہ موضوع کے دونوں ٹکڑے ایسے ہیں کہ اوّل، دوم پر موقوف ہے۔ یعنی جب تک "صحت حدیث" یعنی حدیث کی نسبت بسوئے رسول صلعم قطعی طور سے ثابت نہ ہو، اس وقت تک وہ حدیث دین میں حجت نہیں ہو سکتی۔ بالکل قطعی نہیں تو کم سے کم قریب الی القطعیت تو ہو۔

کیا جس مؤلف نے اپنے مجموعۂ روایات کا نام الصحیح رکھ دیا تو اس مجموعے کی ہر روایت صحیح ہی تسلیم کر لی جائے گی؟ اگر ایسا ہے تو جس کے مجموعے کا نام الصحیح نہیں ہے اس کی ساری روایتیں ضرور جھوٹی مان لینی چاہئیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہر جامع روایات حتی الوسع وہی روایت جمع کرتا ہے جس کو وہ صحیح یا قریب الی الصحت سمجھتا ہے۔ البتہ جس نے جانچ پڑتال میں کچھ زیادہ کاوش کی اور بہت زیادہ روایتوں میں سے چن چن کر جن کو اپنی دانست میں ہر طرح صحیح یا بہت زیادہ قریب الی الصحت سمجھا، انہیں کو اپنی کتاب میں درج کیا تو اس نے اپنی کتاب کے نام کے ساتھ الصحیح کا لفظ لگا دیا۔ اس سے اسی قدر معلوم ہوا کہ اس نے صحیح روایات کے چھٹنے میں کافی کاوش کی ہے۔ مگر اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ اس مجموعے میں کوئی روایت بھی غلط نہیں ہے۔ جس طرح یہ مقصود نہیں کہ بس صحیح روایتیں اسی قدر ہیں، اس کے علاوہ کوئی صحیح روایت نہیں۔

مگر کیا جمع وتدوین کے بعد بھی یہ کتابیں منافقین کی دست برد سے محفوظ رہ گئیں؟ جن وضاعین وکذابین کا یہ دستور تھا کہ جھوٹی جھوٹی روایتیں بنا بنا کر روایت کیا کرتے تھے، ان کا یہ دستور بھی تھا کہ اساتذہ کی کتابوں میں اپنی طرف سے حدیثیں بنا بنا کر داخل کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ حدیثوں کے مجموعے جو آج ہمارے پاس ہیں، ان کے متعلق یہ بھی تو یقین نہیں کہ جس طرح جس جامع نے ان کو جمع کیا تھا بالکل اسی طرح یہ ہمارے پاس ہر طرح محفوظ پہنچی ہیں۔ کیوں کہ جہاں ایک بڑی جماعت جھوٹی جھوٹی روایتیں بنا بنا کر روایت کرنے اور مشہور کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھی تھی، وہاں انہیں میں سے ایک طبقہ اس کام پر بھی متعین تھا کہ وہ ائمہ حدیث کے پاس شاگردانہ اور معتقدانہ رسوخ پیدا کرکے، ان کی خدمتوں میں خادمانہ حاضرہ کر ان کی کتابوں میں اپنی من گھڑت روایتیں داخل کردے اور اپنی موضوعات کو پھر انہیں کی زبانی دنیا میں شائع کرادے۔ ایسے افراد کتنے تھے، ان کو تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، مگر خود ائمہ رجال نے جن کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے وہی کچھ کم نہیں۔ ہم مشتے از خروارے کے طور سے چند ایسے ائمہ جن کی کتابوں کے ساتھ ایسا کیا گیا اور چند ایسے مفسدین جن کا ایسا معمول تھا، ان کے نام درج ذیل کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر قیاس کن زگلستان من بہار مرا

قال الدولابی ثنا محمد بن شجاع الثلجی حدثنی ابراھیم بن عبد الرحمٰن ابن مھدی۔ قال کان حماد[1] بن سلمۃ (بن دینار البصری) لا یعترف بھذہ الاحادیث التی فی

الحافظ ابو جعفر محمد بن الصباح البزار المعروف بالدولابی المتوفی ۳۲۷ھ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن شجاع الثلجی نے اُن سے ابراہیم[2] بن عبد الرحمٰن بن مہدی (مشہور محدث) نے کہا کہ حماد

[1] حماد بن سلمہ مشہور ائمہ حدیث میں سے ہیں، اس لیے اس الزام سے بڑی چپقلش پڑی کہ ان کی کتاب میں ابن ابی العوجا نے جھوٹی
(باقی ص۲۹ پر)

[2] ابراہیم کا سال وفات کتابوں میں نہیں لکھا ہے، اُن کے والد عبد الرحمٰن جو مشہور محدث تھے، ۱۹۸ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ ابراہیم جوانی ہی میں گزر گئے۔ منہ

الصفات حتی خرج مرة الی عبادان (وھو بلد مبنی نواحی البصرة) فجاء وھو یرویھا۔ فسمعت عباد بن صھیب یقول ان حمادا کان لا یحفظ وکانوا یقولون انھا دست فی کتبہ وقد قیل ان ابن ابی العوجاء کان ربیبہ فکان یدس فی کتبہ قلت (القائل ابن حجر العسقلانی) قرأت بخط الذھبی ابن الثلجی لیس بمصدق علی حماد وامثالہ وقد اتھم۔ وقال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث وربما حدث بالحدیث المنکر واورد لہ ابن عدی فی الکامل عدة احادیث مما ینفرد بہ متنا واسنادا وھو کما قال ابن المدینی من تکلم فی حماد بن سلمة فاتھموہ فی الدین۔

(تہذیب التہذیب مختصراً ج۳ ص۱۱)

(حماد) بن سلمہ بن دینار البصری (المتوفی ۱۶۷ھ) (پہلے) "صفات" کی حدیثیں نہیں لاتے۔ یہاں تک کہ وہ شہر عبادان کی طرف ایکبار گئے (جو اطراف بصرہ میں ایک شہر ہے) وہاں سے آتے ہی پھر وہ صفات کی حدیثیں روایت کرنے لگے۔ تو میں نے عباد بن صہیب کو یہ کہتے سنا کہ حماد کو حدیثیں حفظ نہیں ہیں اور لوگ کہتے تھے یہ حدیثیں (صفات والی) ان کی کتابوں میں داخل کر دی گئی ہیں اور کہا گیا ہے' ابن ابی العوجاء ان کی بیوی کا (ان کے پہلے شوہر سے) بیٹا تھا۔ وہی ان کی کتابوں میں داخل کر دیا کرتا تھا۔ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ذہبی (الحافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز الذہبی متوفی ۷۴۸ھ) کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اس امر میں ابن ثلجی (متوفی ۲۶۶ھ) کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

بقیہ حاشیہ ص۷۸ | حدیثیں بنا بنا کر داخل کر دیں اور ان کو پتہ نہ لگا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہے تو پھر ان کی ساری روایتیں سرے سے غیر محفوظ ہو جاتی ہیں' اسی لیے ابن معین نے بھی غصے میں کہا کہ جو شخص حماد بن سلمہ کے متعلق کچھ بولے تو تم اس کو بے دین یا بددین سمجھو' مگر یہاں ان کی ذات کے متعلق تو کوئی کچھ کہتا نہیں' بلکہ ان کی روایات کے متعلق کہا جا رہا ہے۔ آخر ابن سعد جیسے محقق نے کہہ ہی دیا کہ بسا اوقات منکر حدیثیں بھی روایت کیا کرتے تھے اور ابن عدی جیسے امام جرح و تعدیل نے یہ لکھ دیا کہ ایسی متعدد حدیثیں ان کی ہیں جو بس انہیں کے پاس ہیں اور کسی محدث کے پاس نہیں۔ متن حدیث کے علاوہ اسناد بھی سب سے نرالے ہیں۔ یہی وہ ابن ابی العوجاء والی حدیثیں ہوں گی۔ بے شک ابن الثلجی اور ابراہیم بن عبدالرحمٰن یا عباد بن صہیب جیسوں کی حماد بن سلمہ کے آگے کوئی حیثیت نہیں۔ مگر انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال۔ جب ابن عدی و ابن سعد جیسے نقاد بھی ان کی حدیثوں میں منفردات و منکرات پاتے ہیں تو پھر ابن الثلجی غریب ہی پر کیا الزام ہے۔ ذہبی آٹھویں صدی کے اور ابن حجر نویں صدی کے آدمی تیسری یا چوتھی صدی والوں کی رائے زنی پر کیا رائے زنی کر سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) اور ان جیسوں کے متعلق، یہ فرد اتہام ہے۔ اور ابن سعد (صاحب طبقات متوفی ۲۳۰ھ) نے حماد بن سلمہ کے متعلق کہا کہ یہ ثقہ ہیں، کثیر الحدیث ہیں، بسا اوقات حدیث منکر (ناقابل تسلیم، غلط، عجیب و غریب حدیثیں) بھی روایت کیا کرتے ہیں اور ابن عدی (متوفی ۳۶۵ھ) اپنی کتاب کامل میں ان کی ایسی متعدد حدیثیں لائے ہیں جو عبارت اور اسناد سب کے اعتبار سے یہ (حماد بن سلمہ) منفرد ہیں (یعنی ان کے سوا جن کو کوئی محدث نہیں بیان کرتا) مگر حماد بن سلمہ کا درجہ ایسا ہی ہے کہ علی ابن المدینی جیسے مشہور محدث (متوفی ۲۳۴ھ) نے کہا ہے کہ جو شخص حماد بن سلمہ کے متعلق کچھ کہے تم لوگ اس کو اس کے دین میں متہم کرو۔ (یعنی اس کو بے دین یا بد دین سمجھو)

عبد اللہ بن صالح۔ قال ابن حبان منکر الحدیث جدا یروی عن الاثبات مالیس من حدیث الثقات۔ وکان صدوقا فی نفسہ۔ وانما وقعت المناکیر فی حدیثہ من قبل جار لہ کان یضع الحدیث علی شیخ عبد اللہ بن صالح ویکتب بخط یشبہ خط عبد اللہ ویرمیہ فی دارہ بین کتبہ فیتوھم عبد اللہ انہ خطہ فیحدث بہ۔ (ایضاً ج ص ۳۶)	عبد اللہ بن صالح[ف] (متوفی ۲۲۳ھ) ابن حبان (مشہور محدث متوفی ۳۵۴ھ) نے ان کو کہا کہ فرد یہ منکر الحدیث ہیں بڑے بڑے لوگوں سے غیر ثقہ روایتیں بیان کیا کرتے ہیں۔ گو یہ فی نفسہ صدوق (سچے) تھے منکر روایتیں جو ان کی حدیثوں میں آگئی ہیں وہ ان کے ایک پڑوسی کی طرف سے آگئی ہیں جو ان کے استاد کی طرف سے حدیثیں بنا بنا کر ان کے حروف کے مشابہ حروف میں لکھ کر ان کے مکان میں ان کی کتابوں کے درمیان ڈال دیا کرتا تھا۔ تو یہ سمجھتے تھے کہ یہ میری ہی حدیث ہے، یعنی میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی۔
کان خالد بن یحیی یفتعل الکذب یضعہ فی کتب الناس (ایضاً ج ص ۲۹۵)	خالد بن یحیی جھوٹی حدیث بنایا کرتے تھے اور لوگوں کی کتابوں میں رکھ دیا کرتے تھے۔
کان خالد بن نجیح یضع فی کتب الشیوخ مالم یسمعوا ویدلس لھم ولہ غیر ھذا۔	خالد بن نجیح اساتذۂ حدیث کی کتابوں میں ایسی حدیثیں رکھ دیا کرتا تھا جس کو انہوں نے سنا نہ تھا اور ان کے ساتھ فریب کیا کرتا تھا اور اس کے علاوہ بھی اس کے کرتوت تھے۔
داود بن المحبر بن قحذم بن سلیمان الطائی و یقال الثقفی قالوا ضعیف ومضطرب ویکذب	داود بن المحبر بن قحذم بن سلیمان الطائی جن کو ثقفی بھی کہا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ضعیف (الحدیث) تھے، ان کی حدیثوں میں اضطراب

ف یہ کاتب اللیث ابو صالح المصری کے نام سے مشہور ہیں۔ منہ

ويضع ولا يحتج به ويسرق وغير ذلك۔ روى له ابن ماجة حديثه عن ربيع بن صبيح عن يزيد الرقاشي عن انس في فضل قزوين وهو منكر يقال انه ادخل عليه۔ (ايضاً ج۲ ص۱۳)

رہتا تھا اور حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ ان کی سند نہیں لی جائے گی اور یہ دوسروں کی حدیثیں چرا لیا کرتے تھے۔ وغیرہ۔ ابن ماجہ نے اپنے سنن میں ان سے ایک روایت لی ہے۔ یہ ربیع بن صبیح سے، وہ یزید رقاشی سے اور وہ انس بن مالک صحابی سے شہر قزوین کی فضیلت میں، اور وہ روایت منکر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ روایت داخل کردی گئی ہے۔ (سنن ابن ماجہ میں یا شاید داؤد بن المحبر کی کتاب میں۔ مگر زیادہ قرینہ یہی ہے کہ سنن ابن ماجہ میں داخل کردی گئی ہے۔

كان خالد المدايني هذا يدخل الاحاديث على الشيوخ (ج۲ ص۳)

یہ خالد المدائنی اساتذہ کی کتابوں میں حدیثیں داخل کردیا کرتا تھا۔

سفيان بن وكيع بن الجراح الرواسي۔ قال ابن ابي حاتم كلمني فيه مشائخ من اهل الكوفة۔ فاتيته مع جماعة من اهل الحديث فقلت له ان حقك واجب علينا لو صنت نفسك واقتصرت على كتب ابيك لكانت الرحلة اليك في ذلك۔ فكيف وقد سمعت فقال ما الذي۔ ينقم علي۔ قلت قد ادخل وراقك ماليس من حديثك بين حديثك قال فكيف السبيل في هذا۔ قلت ترمي بالمخرجات وتقتصر على الاصول وتنحي هذا الوراق وتدعو بابن كرامة وتوليه اصولك فانه يوثق فقال مقبول منك۔ فما فعل شيئا مما قاله۔ وبلغني ان وراقه يستمع علينا الحديث۔ فبطل الشيخ وكان يحدث بتلك الاحاديث التي ادخلت بين حديثه۔

سفیان بن وکیع بن الجراح الرواسی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان کے متعلق بعض مشائخ کوفہ نے مجھ سے گفتگو کی، تو میں ایک جماعت اہل حدیث کے ساتھ ان کے پاس گیا، تو میں نے ان سے کہا کہ تمہارا حق ہم لوگوں پر واجب ہے (چونکہ تم ایک بڑے استاذِ حدیث کے بیٹے ہو) اگر تم اپنی حفاظت کرتے اور اپنے باپ کی کتابوں پر اکتفا کرتے تو تمہاری طرف دور دور سے لوگ آتے، حدیثیں سننے کے لیے۔ پھر آخر یہ حالت کیوں ہے؟ میں نے تو کچھ سنا ہے، تو سفیان بن وکیع نے پوچھا کہ لوگوں کو میری کون سی بات بری معلوم ہوتی ہے؟ تو میں نے کہا کہ تمہاری حدیثوں میں تمہارے دفتری یا کلرک نے ایسی ایسی حدیثیں داخل کردی ہیں جو تمہاری حدیثیں نہیں ہیں تو سفیان نے کہا کہ تو پھر کیا سبیل ہے؟ میں نے کہا کہ تم اپنی منتخبات پر راضی رہو اور اصلی حدیثوں پر قناعت کرو، اور اس کلرک یا دفتری کو علیحدہ کردو اور ابن کرامہ کو بلوالو اور اپنی اصلی حدیثوں کو انہیں کے سپرد کردو اُن پر وثوق کیا جا سکتا ہے۔ تو سفیان نے کہا کہ تمہارا یہ کہنا مقبول ہے مگر انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا اور مجھ کو یہ خبر ملی کہ ہم لوگوں کی باتیں ان کا دفتری سن رہا تھا تو اس نے شیخ یعنی سفیان کو بطلان میں ڈال دیا، تو

(تہذیب التہذیب ج۹ صفحہ ۱۲۴) | پھر وہ انہیں احادیث کو جو اُن کی حدیثوں میں داخل کردی گئی تھیں۔ (اپنی حدیث کی طرح) روایت کرتے رہے۔

یہ سب تو ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب سے منقول ہوئیں، اگرچہ امام ذہبی کی میزان الاعتدال میں بھی مذکور ہیں۔

اب ایک خاص روایت امام ذہبی کی میزان الاعتدال سے بھی سن لیجیے:

احمد بن ازھر النیسابوری الحافظ اتھمہ یحییٰ بن معین فی روایة ذلک الحدیث عن عبدالرزاق ثم انہ عذرہ قال ابن عدی ھو بصورة اھل الصدق قلت۔ بل ھو کما قال ابوحاتم صدوق ...... لم یتکلموا فیہ الا لروایتہ عن عبدالرزاق عن معمر حدیثا فی فضائل علیؓ یشھد القلب بانہ باطل۔ فقال ابوحامد الشرقی السبب فیہ ان معمرا کان لہ ابن اخت رافضی فادخل ھذا الحدیث فی کتبہ۔ وکان معمر امھیبا لایقدر احد علی مراجعة فسمعہ عبدالرزاق فی الکتاب۔ (ملت احمد بن ازھر صفحہ ۲۶۱ میزان الاعتدال ج۱ ص)

احمد بن ازہر نیشاپوری جو حافظ حدیث تھے، ان پر یحییٰ بن معین نے ایک روایت کی وجہ سے (شیعیت) کی تہمت لگائی۔ یہ روایت انہوں نے عبدالرزاق (ابن ہمام) سے روایت کی ہے۔ پھر یحییٰ بن معین نے ان کو معذور بھی قرار دیا (غالباً اس لیے کہ عبدالرزاق بن ہمام تو خود شیعہ تھے۔ تمنا) ابن عدی نے کہا ہے کہ احمد بن ازہر اہل صدق کی صورت رکھتے تھے۔ امام ذہبی خود فرماتے ہیں، بلکہ وہ واقعی سچے ہیں، جیسا کہ ابوحاتم نے کہا ہے۔ کچھ آگے چل کے لکھتے ہیں کہ بس صرف ایک روایت کی وجہ سے لوگوں کو ان کے متعلق بولنے کا موقع مل گیا، جس کو انہوں نے عبدالرزاق (بن ہمام) سے اور انہوں نے معمر سے روایت کیا ہے، حضرت علیؓ کے فضائل میں۔ اور وہ ایسی روایت ہے جس کے باطل ہونے پر قلب شہادت دیتا ہے۔ ابوحامد الشرقی کہتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ معمر کا ایک بھانجا رافضی تھا۔ اُس نے اِس حدیث کو معمر کی کتابوں میں داخل کردیا اور معمر ایک ہیبت دار آدمی تھے۔ کسی کو اتنی جرأت نہ تھی کہ ان سے اپنی حدیثوں پر نظر ثانی کے لیے کہتا۔ بس عبدالرزاق نے معمر سے اسی کتاب سے اس روایت کو سُن لیا۔

تمنا غفرلہ کہتا ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام جو معمر کے شاگرد تھے وہ تو خود ہی رافضی تھے۔ چنانچہ خود ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۱۰-۳۱۵ میں لکھا ہے کہ ثقہ یتشیع، وہ ایک ثقہ شیعہ تھے، مگر اس کے بعد ہی عباس بن عبدالعظیم العنبری کا قول نقل کیا ہے کہ وانہ لکذاب والواقدی اصدق منہ یعنی عبدالرزاق ایسے کذاب ہیں کہ واقدی بھی ان کے اعتبار سے سچے تھے۔ پھر امام ذہبی بھی میزان الاعتدال ج۲ صفحہ ۱۲۷ میں عبدالرزاق کے متعلق لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے خود عبدالرزاق سے بعض ایسی باتیں سنیں جس سے میں سمجھ گیا کہ یہ شیعہ ہیں۔ اس لیے اگر خود عبدالرزاق ہی نے اپنے استاد کی کتاب میں وہ حدیث موضوع داخل کردی ہو تو کیا تعجب ہے، مگر مشکل یہ تھی کہ عبدالرزاق ان محدثین کا

نہایت مستند راوی ہے۔ اس لیے اس کے سر الزام نہ رکھا، اور ایک گمنام کے سر کھیں گئے۔

ان چند مثالوں سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ایسا بہت کم ہُوا کرتا تھا، یا یہ اتفاقی واقعات تھے۔ بلکہ ایسا کوئی امام حدیث نہ تھا جس کے ساتھ اس قسم کے لوگ لگے ہوئے نہ ہوں، کیوں کہ روایات کا سلسلہ تو شروع ہی انہیں منافقین ہی نے جاری کیا تھا۔ جب حضرت امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے دیکھا کہ یہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ کچھ دنوں آگے چل کر تو قرآن کو لوگ بالکل ہی بھول جائیں گے اور اختلافات کا اس قدر انبار ہوگا کہ اصل دین ایسا گم ہو کر رہے گا کہ پتا لگانا ہی محال ہوجائیگا اس لیے اتنے بڑے فتنے کو وہ بیک دفعہ روک تو سکتے نہ تھے۔ مجبوراً اکثر مقامات کے گورنروں کو حکم دیا کہ وہ صرف رسول اللہ صلعم اور شیخین سے جو روایتیں صحیح ذرائع سے پوری تحقیق کے بعد مہیا ہو سکیں، اُن کو جمع کر لیں۔ مگر افسوس کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عمر زیادہ وفا نہ کر سکی اور یہ کام ابھی شروع ہی ہُوا تھا کہ وہ چل بسے۔ مگر جمع و تدوین اور جانچ پڑتال کا کام کسی حد تک شروع ہوگیا۔ اب اُن منافقین کو جو دشواریاں پیش آئیں تو کچھ تو بصورۃ اھل الصدق والتورع نمایاں ہوئے اور صائم النہار و قیام اللیل بن کر لوگوں کے سامنے آئے اور کچھ اپنی ذہانت و ذکاوت اور قوت حفظ کی بدولت ممتاز ہوئے، کچھ اپنی لیاقت و لسانی کے ذریعے پیش پیش رہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک بولنے والا پہلے دس باتیں سچی نہ بول لے گا، کبھی اس کی گیارھویں بات جو جھوٹی ہے، تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ساری روایتیں جھوٹی ہی تو ہوتی نہیں تھیں اور جو جھوٹی بھی ہوتی تھیں، وہ ایسی سپید جھوٹ بھی نہیں ہو سکتی تھیں، جن کو فوراً سننے والے جھوٹ سمجھ لیں۔ کچھ نہ کچھ روغن قاز اُن پر ضرور چڑھا ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی رفتہ رفتہ جانچ پڑتال میں سختیاں ہونے لگیں اور کتنے منافقین کے راز کھل گئے، تو اب اساتذہ بنکر نہیں تلامذہ ہی بن کر بھی ائمہ حدیث کی خدمت میں حاضر ہو ہو کر ان کی کتابوں میں حسب موقع تحریفات کرنے کی صورت نکالی گئی۔ چنانچہ امام مالکؒ کی موطا میں کیا کچھ نہ اضافے کیے گئے۔ خود محدثین کا بیان ہے کہ فلاں کے نسخے میں یہ کمی اور یہ بیشی تھی۔ ابومصعبؒ الزہری جن کو کبھی احمدؒ بن ابی بکر بھی کہا جاتا ہے، کبھی قاسمؒ بن الحارث بن زرارہ بھی اور کبھی مصعبؒ بن عبدالرحمن بن عوف بھی۔ تاکہ ایک آدمی کی چار جگہ الگ الگ شخصیتیں سمجھی جائیں اور تلبیس و تدلیس کا کافی موقع ملے۔ ایسے راویان حدیث کی یہ عادت اکثر رہی ہے کہ کبھی اپنے کو کسی نام سے کبھی کسی نام سے متعارف کرتے ہیں اور چالاک تلامذہ بھی اپنے بدنام اساتذہ کے متعلق ایسا ہی عموماً کرتے ہیں کہ جس نام سے وہ بدنام ہیں وہ نام سلسلۂ روایت میں نہ لیا بلکہ ان کی کنیت پیش کر دی اور نام ہی بدل دیا۔ غرض ان ابومصعب الزہری کی موطا میں سو حدیثیں دوسری موطاؤں سے زیادہ تھیں۔ اسی لیے ابوخیثمہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی، تمام راویوں سے حدیثیں لینا مگر ان کی روایت کبھی نہ لینا۔ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں کہ تفرد عن مالک باحادیث یعنی امام مالک سے متعدد حدیثیں ایسی یہ روایت کرتے ہیں جن میں یہی

؛ ہیں یعنی امام مالک کے کسی دوسرے شاگرد نے وہ روایت امام مالک سے نہیں سنی۔ یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر النیسا بوری بخاری
م اور ترمذی کے شیوخ میں ہیں، اس لیے بڑے ثقہ ہیں۔ ابن حجر نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ مگر شیعوں کی کتب رجال
دیکھ لیجیے، وہاں یہ ایک شیعہ ہیں اور بڑے معتمد علیہ۔ پھر ان کی موطا بھی دوسرے نسخوں سے مختلف ہی ہے۔ ابوحذافہ احمد
سمٰعیل السہمی جو امام مالک سے موطا کے راوی ہیں۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابن عدی نے کہا، انہوں نے امام مالک سے
ی باطل روایتیں روایت کی ہیں۔ فضل بن سہل نے کہا کہ یہ تو جو کچھ بولتے ہیں، کہہ دیا کرتے ہیں کہ حدثنی مالک عن
ابن عمر۔ مگر موطا کا امام مالک سے ان کا سننا ضرور ثابت ہے۔ اس لیے موطا کے یہ راوی مشہور ہیں۔ محمد بن الحسن
الزبالہ جن کا خطاب کذاب المدینہ ابوداؤد صاحب السنن وغیرہ نے دے رکھا تھا۔ وہ بھی موطا کے ایک راوی
۔ ابن حجر نے ان کے متعلق ثقہ لوگوں کا بیان لکھا ہے کہ یروی عن مالک مناکیر۔ یہ امام مالک سے منکر روایتیں
کیا کرتے تھے۔ پھر محمد بن الحسن الاردتی المہلی۔ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھا ہے، لا یجوز
حتجاج بہ۔ یہ بھی موطا کے ایک راوی ہیں اور وہ جن کا نسخہ آج دنیا کے ہاتھوں میں ہے، ان کا تو ذکر ابتداء ہی
آچکا ہے۔ یہ حال ہے حدیث کی سب سے پہلی کتاب کا جو دوسری ہی صدی ہجری میں لکھی گئی اور شائع بھی ہو
جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ صحیح بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہی جاتی ہے، اس سے بھی زیادہ
، اور معتبر سمجھتے تھے۔

صحیح بخاری کے رُوات کی بھی کافی تعداد ہے۔ ان میں بھی بہت حد تک اختلافات ہیں۔ الفاظ وحروف کے
لافات کو تو نہ پوچھیے، جب ان راویوں نے انزل القرآن علی سبعۃ احرف کی روایت گھڑ کر قرآن مجید میں طرح طرح
فظی وحرفی اختلافات کے وجود کا جھوٹا پروپاگنڈا اس حد تک کیا کہ آج ہمارے علماء کے عقیدے میں یہ داخل ہے، حتیٰ کہ
وئی مروجہ قرأت کے علاوہ کسی قرأت کا بھی ان کی ساختہ وپرداختہ قرأتوں میں سے انکار کر دے تو وہ ان کے نزدیک
مطلق ہے اور منکر قرآن۔ معاذ اللہ من ذالک۔ تو پھر بخاری کی روایتوں میں اگر الفاظ وحروف کا اختلاف رواۃ کے
یان ہو تو کیا اعتراض ہے، ان کے نزدیک تو یہ سنت قرآنی ہوگی۔ مگر مستقل حدیثوں اور روایتوں کی کمی وبیشی کا اختلاف
ان نسخوں میں ہے۔ بخاری کی شرحیں جس نے بنگاہ غور دیکھی ہیں، وہ اس کو خوب جانتا ہے اور یہی حال مسلم اور دوسری
ب حدیث کا ہے۔ زیادہ کہاں تک لکھوں۔

ثیں قطعی الاصل ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیثوں کو ظنی کہنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلعم کے قول و
، وتقریر کا وجود قطعی ہے۔ آپ ضرور اپنی زبان مبارک سے کچھ بولتے تھے، قرآن مجید کے علاوہ بھی۔ اور دینی ہی باتوں میں۔

یہ غیر ممکن ہے کہ جب کوئی دینی سوال پیدا ہو تو آپ صرف قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ دیتے ہوں اور اپنی زبان سے اپنے الفاظ میں کبھی کچھ نہ فرماتے ہوں۔ پھر عمل تو یقیناً آپ کی ذات ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ تقریر یعنی آپ کے سامنے کسی نے کچھ کہا یا کیا اور آپ خوش ہوئے یا خموش رہ گئے۔ ایسا کبھی نہ ہُوا ہو۔ یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی پوری مرسلانہ زندگی میں ان واقعات کا ہونا قطعی ہے۔ ناممکن ہے کہ ایسے واقعات نہ ہوئے ہوں، یعنی قول، فعل اور تقریر کا موقع ہی نہ ملا ہو۔ یہ ہرگز ممکن نہیں۔ پھر آں حضرت صلعم کی وفات کے بعد ان واقعات کا تذکرہ صحابہؓ تابعین سے ضرور کرتے ہوں گے۔ بطور خود بھی اور دریافت کرنے پر بھی۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کی وفات کے بعد جو لوگ ایمان لائے انہوں نے صحابہؓ سے آپ کے اقوال و افعال و تقریرات کے متعلق کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں اور صحابہؓ نے کبھی کسی کو کچھ بتایا ہی نہیں۔

اس لیے حدیث کا وجود لا اصلہٖ اور لذاتہٖ قطعی ہے۔ مگر جنس حدیث کا وجود۔ ان کے جتنے افراد پیش کیے جاتے ہیں۔ ان افراد میں سے کسی فرد کی قطعیت کسی طرح بھی ثابت نہیں کی جاسکتی۔ بجز اس کے کہ تواتر جس روایت کا ثابت کر دیا جائے۔ بس صرف اُسی کو قطعی کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہ تواتر بھی ہر زمانے میں ہونا چاہیے۔ صحابہؓ کی بھی کافی جماعت روایت کر رہی ہو۔ اور پھر ہر صحابی یا کم سے کم اکثر صحابیوں سے کافی جماعت تابعین کی روایت کر رہی ہو، اسی طرح اکثر تابعین سے کافی جماعت تبع تابعین کی روایت کر رہی ہو۔ پھر اکثر تبع تابعین سے کافی جماعت شیوخ کی سن کر خود لکھ رہی ہو یا اکثر لکھنے والوں تک اسی "ہر دَور افزوں" تسلسل و تواتر کے ساتھ یہ خبر جامعین روایات تک پہنچی ہو۔ مگر کوئی انصاف سے بتائے کہ ایسی کتنی متواتر ہیں؟

لے دے کر تین ہی قولی حدیث متواتر کہی جاسکتی ہے، الاعمال بالنیات اور من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار[1] اور من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہٗ من النار[2]۔ اگرچہ ان تینوں حدیثوں کی صحت میں کسی کو بھی کوئی عذر نہیں ہوسکتا، مگر کیا ان کا تواتر بھی ویسا تواتر تام ہے جو ہر زمانے میں پورا تواتر رکھتا ہو؟

یہاں تو یہ حال ہے کہ جمع قرآن جیسا اہم واقعہ اگر واقعی اس واقعے کی کوئی اصلیت ہے تو ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس کی اطلاع کتنے صحابہ کو ہونی چاہیے اور اس کی روایتیں کتنے بڑے تواتر کی مقتضی ہیں، مگر سارے مہاجرین و انصار میں سے صرف ایک نوجوان شخص زید بن ثابت ہیں کہ تنہا اس کی روایت کر رہے ہیں۔ حضرت انس بن مالک جو

---

[1] جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ دوزخ کے لیے تیار ہو جائے۔

[2] جو قرآن میں اپنی رائے داخل کرے وہ جہنم کی تیاری کرے۔

زید بن ثابت سے صرف ایک ہی برس چھوٹے ہیں اور انہیں کی طرح انصاری ہیں، ان کو بھی اتنے بڑے اہم واقعے کی جس کو ان کے سامنے ہی ہونا بہرحال ضرور ہی تھا، بذات خود کوئی اطلاع نہ تھی، بلکہ زید بن ثابت ہی سے سن کر ان کو بھی واقعۂ جمع قرآن بعہد صدیق اکبرؓ کی اطلاع ہوتی ہے۔ اصل باعث جمع و تدوین حضرت فاروق اعظم کو کہا جاتا ہے، مگر وہ بھی اس کے راوی نہیں۔ نہ خود حضرت صدیق اکبرؓ سے اس کی روایت، نہ خزیمہ سے نہ ابوخزیمہ سے۔ اتنے بڑے مہتم بالشان واقعے کی روایت اور صرف ایک نوجوان شخص سے دوسرا اُس کا ساتھی بھی اُسی سے سن کر مطلع ہوتا ہے، کبھی ایسی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے؟

پھر زید بن ثابت سے بھی ان کے ساتھی دوسرے صحابی لگا کر صرف تین شخص اس واقعے کو سنتے ہیں اور ان تینوں سے بھی پھر صرف ایک شخص یعنی امام زہری۔ ایسی آحاد در آحاد روایت پر اتنا بڑا یقین ہے کہ اگر اس حدیث کو نہ مانئے تو ان علماء کے نزدیک قطعی جہنمی ٹھہریے۔

مختصر یہ کہ جنس حدیث ہزار قطعی لذاتہ ہو۔ مگر اس کا ہر فرد ظنی لذاتہ بنا ہوا ہے۔ کیوں کہ ان روایتوں کے لیے قطعیت بغیر تواتر کے ثابت ہی نہیں ہو سکتی۔ بغیر تواتر کے ہر روایت محتمل الصدق والکذب ہونے کی وجہ سے ظنی لذاتہ ہی ہے۔ پھر رواۃ کا یہ حال اور منافقین کی یہ دراندازیاں ان کو اور بھی مشتبہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے جنس حدیث کی قطعیت سے ان روایات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ان روایات کا ہر فرد بہرحال ظنی ہی ہے اور ظنی ہی سمجھا جائے گا۔ مگر یہ کہ قرآن کی کسی آیت کی مطابقت سے وہ قریب الی القطعیت ہو جائے۔

ان تمام باتوں کے باوجود میں مجلدات احادیث کو ایک دفتر بے معنی نہیں سمجھتا۔ میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی مذہبی تحقیقات اور مذہب اسلام کے متعلق اس کے خرافات سے ضرور کہیں زیادہ ان دفاتر کو واجب التسلیم سمجھتا ہوں۔ میں تاریخی روایات سے ضرور ان روایات کو زیادہ معتبر سمجھتا ہوں۔ اس لیے میں ان دفاتر کے مطالعہ کو تاریخ دین کی واقفیت کے لیے ضروری سمجھتا ہوں۔ اگرچہ یہ بھی ضرور سمجھتا ہوں کہ ان روایات سے بھی دین کی صحیح تاریخ نہیں معلوم ہو سکتی۔ جب تک ان روایات پر درایت کو مقدم نہ رکھا جائے اور جب تک قرآن کو ان کی صحت و سقم کی جانچ کے لیے کسوٹی نہ بنایا جائے۔ اس لیے جس شخص کو قرآن مجید پر کافی بصیرت حاصل نہ ہو وہ یقیناً ان روایات سے گمراہ ہو کر رہے گا اور پھر ان روایات پر، اور ان کی متابعات و اختلافات پر، ان کے رجال، اور رجال کی جرح و تعدیل پر جس کو عبور نہ ہو، وہ کبھی ان روایات کی صحت و سقم کے متعلق صحیح رائے نہیں قائم کر سکتا۔ کیوں کہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہر وہ قول جو قرآن و درایت کے مطابق ہو، وہ قول رسول بھی ضرور ہو۔ مطابقت قرآن تو احادیث کی جانچ کا قطعی معیار ضرور ہے، مگر صرف اسی قدر کہ

یہ قول یا فعل اس قابل ہے کہ رسول صلعم کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد درایت اور روایت کی جانچ پڑتال سے بھی اگر قول رسول صلعم ثابت ہو جائے تو ہم اس کو حدیث رسول کہہ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔ مگر چوں کہ ظنی ہے، اس لیے بس اسی قدر کہ حدیث رسول صلعم کہہ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ یہ حدیث رسول فرموده ہے۔

البتہ قرآن کی تفسیر کے لیے ہم عامۂ مفسرین کے ذاتی اقوال، چاہے وہ اگلے ہوں یا اس وقت کے اور تورات و انجیل وغیرہ کے جو ترجمے مختلف زبانوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں، جن کے متعلق کسی طرح بھی یہ ضمانت نہیں کہ یہ اصلی تورات وانجیل کے صحیح ترجمے ہیں اور انسائیکلو پیڈیا کے مذہبی محققین جو باوجود مذہب اسلام سے بالکل جاہل ہونے کے تعصب و عناد سے بھی کافی بہرہ ور ہیں اور تاریخی روایات جن کے راویوں کا حال مطلق معلوم نہیں۔ ان سب سے بہت زیادہ ان روایات احادیث کو معتبر سمجھتا ہوں جو قرآن کی عبارت اور مقتضے سے مطابقت رکھتی ہوں اور درایت بھی اُن کو قبول کرلے۔ درایت سے میری مراد وہ درایت نہیں جو یورپ اور دوسری اقوام سے اختلاط یا ان کے تاثرات کی وجہ سے پیدا ہو، بلکہ وہ عقل سلیم و فہم مستقیم مقصود ہے جو قرآنی مطالعے سے اور خالص اسلامیات میں انہماک و غور و خوض کی وجہ سے اور سیرت نبویہ پر معتدبہ نگاہ رکھنے کے ذریعے سے پیدا ہوئی ہو۔

مگر یہ خوب یاد رہے کہ جس نے ان مجلدات احادیث کو مثلہٗ معہٗ مان رکھا ہے، حالاں کہ اضعافہ[1] معہ کہنا چاہیے تھا کیوں کہ مثلہ تو ہے ہی نہیں۔ اگر مثلہٗ[2] ہی رکھتے تو شاید اتنی دشواریاں پیدا نہ ہوتیں۔ غرض یہ ہے کہ اگر ان مرویات کو وحی خفی مان کر بالکل قرآن کا درجہ دے لیا تو پھر سمجھ لیجیے کہ ان سے قرآن بھی گیا اور حدیث بھی گئی، کیوں کہ پھر یہ نہ قرآن ہی کو صحیح طور سے سمجھ سکیں گے اور نہ حدیث کو۔ قرآن مجید کی عبارت و مقتضے کے خلاف روایات کے تحت میں یہ قرآن کو سمجھنا چاہیں گے، جیسا کہ صدیوں سے سمجھتے چلے آرہے ہیں اور پھر صحیح حدیثیں جو قرآن کے مطابق ہیں وہ تو صرف ضعف روایت کی وجہ سے پیچھے ڈال دی جائیں گی اور جو روایتیں قرآن کے مخالف ہیں مگر راوی ان کے نزدیک نہایت ثقہ اور معتبر ہے انہیں حدیثوں پر ان کا ایمان ہوگا۔ اس لیے یہ نہ تو قرآن کے صحیح مفہوم ہی کو سمجھ سکتے ہیں، نہ حدیثوں کے انبار سے صحیح حدیثوں ہی کو چُن سکتے ہیں۔ ع

از یں سو رانده وازاں سو درمانده

---

[1] یعنی ذخیرہ حدیث قرآن مجید سے کئی گنا ہے جو قرآن مجید کے ساتھ ہے۔

[2] یعنی قرآن مجید کی ضخامت کے برابر۔

آمدم برسر مطلب و ختم کلام | آخر میں خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ حجیت حدیث صحت حدیث پر موقوف ہے۔ حدیث کی کسی کتاب کا نام الصحیح نہیں بلکہ الاصح ہی کیوں نہ رکھ دیا گیا ہو، کسی مجلد کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں ہے۔ اس لیے ہر روایت پر ہر صاحب علم کو غور کرنے کا حق حاصل ہے، بلکہ جو روایت بھی قرآن مجید کی روشنی میں مشتبہ نظر آئے، اُس پر اس کو ضرور غور کرنا اور جانچ پڑتال کر لینا چاہیے، اگر وہ قرآن مجید کے خلاف ہو تو "دماخلف فردوہ" کے حکم نبوی کے مطابق فوراً ایسی روایت کو رد کر دینا چاہیے۔ ورنہ مخالف قرآن روایات کو تسلیم کرنا مخالفت قرآن تو ہے ہی مخالفت حدیث بھی ہے۔

اس لیے حدیث دین میں بحیثیت تفسیر قرآن، تعلیم و تبیین قرآن ضرور حجت ہو سکتی ہے مگر وہی حدیث جو صحیح حدیث ہو، نہ کہ صرف اس لیے کہ وہ کسی الصحیح والی جلد میں پائی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلعم جب دین میں حجت ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ آپ کا ہر وہ قول، ہر وہ فعل اور ہر وہ تقریر دین میں حجت ہے جس کا تعلق تعلیم دین سے ہے۔ دنیا کا کوئی ایسا شخص جو رسول اللہ صلعم پر ایمان رکھتا ہے، اپنے کو مسلم کہتا اور سمجھتا ہے، وہ رسول اللہ صلعم کے کسی ایسے قول، فعل اور تقریر کے اتباع سے انکار نہیں کر سکتا جس کا تعلق تعلیم دین سے ہو۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ واقعی رسول اللہ صلعم کی طرف اُس کی نسبت صحیح ہو۔

حدیث و سنت | ایک ضروری چیز اور بھی مدنظر رہے کہ ہر حدیث سنت نہیں ہے اور اتباع سنت کا واجب ہے نہ کہ ہر حدیث کا۔ اس لیے کہ سنت نام ہے اس دینی روش، اس دینی دستور العمل کا جو رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کے لیے اپنے وقت میں دینی حیثیت سے قائم کر دیا اور عہد خلفائے راشدینؓ تک برابر قائم رہا اور حدیث عام ہے۔ ایک ناگہانی فعل یا ایسا فعل جس کا دین اور تعلیم دین سے کوئی تعلق ہو، وہ بھی حدیث کے ذریعے مروی ہو سکتا ہے مگر وہ سنت کبھی نہیں ہو سکتا۔ حدیث ہی میں ہے، علیکم بسنتی۔ مگر علیکم بحدیثی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صبح کی سنت کے بعد مسجد میں کچھ لوگوں کو لیٹا ہوا پایا۔ پوچھنے پر ان لوگوں نے کہا کہ نرید السنّۃ یعنی ہم اتباع سنت کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ بل ھی بدعۃ یعنی یہ سنت تو نہیں ہے مگر بدعت ضرور ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم سنت پڑھ کر نمازیوں کے انتظار میں ذرا لیٹ جاتے تھے۔ اس کو دین سے کوئی تعلق نہ تھا ورنہ تمام صحابہ ایسا کرتے۔ اس لیے یہ سنت نہیں ہے۔ غیر سنت کو سنت قرار دینا بھی بدعت ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

یاجوج وماجوج

جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے

تورات میں ذریت ابراہیمؑ کے متعلق چند وعدوں کا ذکر ہے:

(۱) "وعدۂ برکت" جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ ارض کنعان (فلسطین) آں حضرتؑ کی ذریت کو ہمیشہ کے لیے عطا ہوگی (پیدائش باب ۱۷)

(۲) یہ عہد برکت بنی اسرائیل کے حق میں اس وقت پورا ہوا جب حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی۔

(۳) اس وعدۂ برکت کے ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ بنی اسرائیل اگر احکام تورات پر عمل نہ کریں گے تو عذاب لعنت میں گرفتار ہوں گے، مفصل مذکور استثنا یا المثانی باب ۲۶ لغایت ۲۹ میں ہے کہ دو دفعہ اس عذاب میں مبتلا ہوں گے پہلی دفعہ اسیر ہوکر اور دوسری دفعہ یروشلم کی تباہی پر یہ وعدے پورے ہوئے اور بنی اسرائیل ارض معہود سے بالکل بے دخل ہوکر روئے زمین پر آوارہ ہوئے۔

(۴) تورات (المثانی باب ۱۸/۱۵) میں مذکور ہے کہ اگر بنی اسرائیل اس نبی کی طرف رجوع کریں گے جو مثیل موسیٰؑ ہوگا اور بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسمٰعیل سے مبعوث ہوگا تو وہ پھر ارض معہود پر قابض ہو جائیں گے، یہ وعدہ اس وقت پورا ہوا، جب قرآن نازل ہوا۔

(۵) آخری وعدہ (المثانی ۲۸/۶۸) یہ ہے کہ "خداوند تجھ کو اس راہ سے، جس کی بابت میں نے تجھے کہا، کہ تو اسے پھر نہ دیکھے گا۔ کشتیوں پر مصر کو پھر لے جائے گا اور تم وہاں غلام اور لونڈی ہونے کے لیے اپنے دشمنوں کے ہاتھ بیچے جاؤ گے اور کوئی تمہیں مول نہ لے گا۔"

قرآن میں ان تمام وعدوں اور عہد کا مذکور ہے (سورہ بقرہ اور بنی اسرائیل) آخری وعدہ کی نسبت ارشاد ہے کہ "فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا (۵/۱۲) جب آخری وعدہ پورا ہونے کو آیا تو ہم تم کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔" اس وعدہ کے پورا ہونے کا نشان یہ بتایا گیا ہے کہ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ (۷/۱)

"قریہ" اگرچہ نکرہ ہے لیکن "قَرْيَةٍ" اس قریہ کی عظمت بھی واضح کرتا ہے اور مراد یروشلم ہے۔ یعنی یہود اس وقت

یروشلم میں جمع کیے جائیں گے، جب یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور ان کی نسل "کرۂ ارض پر نوآبادیات میں پھیل جائے گی۔

یہ تمام وعدے پورے ہو چکے ہیں، صرف آخری وعدے کا آخری حصہ باقی ہے اور یہ تاریخی واقعات ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یاجوج اور ماجوج اقوام یورپ بالخصوص روس اور جرمنی اور فرانس اور برطانیہ کے باشندے ہیں اور برطانیہ تو ان تمام اقوام کا خلاصہ ہے۔

توراۃ میں حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں سام اور حام اور یافث اور ان کی اولاد اور ان ممالک کا ذکر ہے، جہاں جہاں یہ آباد ہوئے "امم سامیہ" عربی، عبرانی، آرامی، بابلی، عصوری، فنیقی وغیرہم "امت وسطیٰ" ہے جس کے ایک طرف جانب شمال مشرق اولاد یافث جو سفید فام ہیں اور دوسری طرف جانب جنوب مغرب نسل حام سیاہ فام لوگ آباد ہیں، یاجوج اور ماجوج اولاد یافث سے ہیں، یاجوج اور ماجوج کو بہ تعلق امم سامیہ دیکھنا چاہیے۔

توراۃ (پیدائش ۱۰؛۲) میں یافث کے بیٹے "جومر" اور "ماجوج" اور "مادی" اور "یوآن" اور "توبال" اور "مسک" اور "تیراس" لکھتے ہیں۔

جومر | "جومر" عصاریہ کے کتبوں میں "جمرا" ہے اور یونانی انہیں "کمری" (KIMMIRI) اور ایرانی "ساکا" (SAKA) کہتے ہیں جو یونانی "ساکاتی" (SCYTHS) ہے، لیکن "ساکاتی" ایک عام قومی نام ہے جس سے مختلف قبائل تعبیر ہوتے ہیں اور قدیم زمانہ میں تمام وسط ایشیا ان خانہ بدوش امم کی جولانگاہ تھا اور ان میں تاتاری بھی شامل ہیں۔

ماجوج | عصاریہ کتبوں میں "مات جوج" (سرزمین جوج) وہ ملک ہے جو حزقیل نبی (۳۸؛۲) کے مطابق "جوج" کے زیر حکومت تھا، یونانی اسے لیڈیا (LYDIA) کہتے اور اب "اناطولیہ" سے موسوم ہے، اس کا پہلا بادشاہ جوج (GUGU یا GYGES) نامی تھا، جس پر "جومر" قوم نے ۶۶۰ قبل مسیح یورش کی اور اس نے نینوا (دارالحکومت عصاریہ) میں سفیر کی معرفت شاہ عصاریہ سے مدد مانگی۔

مادی | اس قوم کا جب اول اول عصوریوں سے مقابلہ ہوا۔ ان کی بود و باش بحیرۂ کیسپین کے جنوب مغرب میں تھی، یہاں سے یہ قوم جنوب کی طرف بڑھی اور خلیج فارس تک ان کی سلطنت پھیل گئی۔ خلیج فارس ان ایام میں بابل کی جنوبی حد تک یعنی تقریباً سو میل اوپر تھی۔ "میڈیا" اس وقت اس سرزمین پر پھیلا ہوا تھا جس کو اب عراق عجم اور گیلان کہتے ہیں، ان ہی کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے عصاریہ کے بادشاہ غالباً سنحریب اعظم نے سات سو سال قبل از مسیح وہ دیوار تعمیر کی جو دجلہ اور فرات کے درمیان تھی۔ بقول "زونوفون" بیس فرسنگ طول اور سو فٹ بلند اور بیس فٹ عرض

میں تھی، اس دیوار کو "مادی موس" کہتے، ۵۴۸ء قبل مسیح ایرانی کیانی بادشاہ نے اس کو سلطنت فارس میں شامل کرلیا اور یہ قوم پارسیوں میں جذب ہوگئی۔

یوآن | عصوری کتبوں میں یہ یونانی ہیں اور جزیرہ سائپرس کو اسی نام سے تعبیر کرتے۔ توبال اور مسک غالباً توبال اور "ماسکو" میں اب تک محفوظ ہیں اور تیراس دریائے نیسٹر (DIRIESTER) ہے جو بحیرہ اسود میں گرتا ہے۔

یہ سب نام امم آریہ کے ہیں۔ لیکن اس امر کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ "آریا" کا اطلاق ان میں سے صرف متمدن قوموں پر بالخصوص ہندوستانی اور ایرانی اور مادی لوگوں پر ہوتا ہے جو ان ممالک میں آباد ہوگئی تھیں، باقی خانہ بدوش قومیں وسط ایشیا اور یورپ میں خانہ بدوش تھیں اور یہی وہ قومیں ہیں جن کو ایرانی "ساکا" اور یونانی "سکاتھی" کہتے جن میں "گاتی" (GETAE) اور "مساگاتی" (MASSA GETAE) اور "تاساگاتی" شامل ہیں جو تھریس اور بلقان اور "بحیرہ اسود" اور "ازوف" اور بحیرہ "کیسپین" کے سواحل پر نقل مکانی کرتے رہے۔

"گرم" (GRIMM) کے قوانین السنہ کے مطابق "گاتھ" (GOTH) اور "گاتی" (GETAE) ایک ہی لفظ ہے، گاتھ قوم "استراخان" سے جو والگا کے دہانہ بحیرہ خزر پر واقع ہے، اس ملک تک پھیل گئے جسے "گال" کہتے ہیں جس میں فرانس، ہالینڈ، بلجیم، سوزرلینڈ اور جرمنی دریائے رائن کی مغربی حد تک شامل تھا۔ لفظ "سکسن" اور "سکاٹ" کی تشریح بھی ایرانی لفظ "ساکا" اور "سکاتھی" سے ہوسکتی ہے۔ لیکن بقول "ازق بٹلر" لفظ "سکسن" سے کوئی قوم تعبیر نہیں ہوتی۔ یہ ایک فوجی جماعت تھی جو "سیک" جس کے معنی "چھری" ہیں استعمال کرتی اور اسی سے ان کا نام "سکسن" ہوگیا، یہ لوگ زیریں جرمنی سے بھرتی کیے گئے تھے، خود جرمن جو بلاشبہ "گاتھ" ہیں لفظ "جر" (GAR) سے ماخوذ ہے جس کے معنے "بھالا" ہے، "سیک" ابتدا میں پتھر کی چھری تھی جس کو "کلٹ" (CELT) کہتے، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سب "گاتھ" تھے۔

قرآن میں یاجوج اور ماجوج کا مذکور ذوالقرنین کے ساتھ ہوا ہے کہ یہ لوگ مفسد تھے، یعنی امن پسند متمدن لوگوں کی بستیوں میں غارتگری کرتے، ان ایام میں یہی ممکن تھا کہ متمدن ممالک کی حدود پر طویل اور عریض اور بلند دیواریں تعمیر ہوں، مولوی حکیم محمد حسن امروہی نے کتاب "التاویل المحکم" (مطبوعہ ۱۸۹۳ء نول کشور) میں بحوالہ "دانیال" نبی "کیقباد کورش احشو برش" کو ذوالقرنین لکھا ہے اور احشو برش غالباً اس کے باپ کا نام ہے جس کو "کیخسرو داریوس" لکھتے ہیں، اس نے کوہ "یورال" کی دو پہاڑیوں کے درمیان ایک دیوار تعمیر کی اور "اوران برگ" کے جنوب اور شمال میں تین تین میل کے فاصلہ پر قلعے تعمیر کیے۔

حضرت دانیال کے رویائے صادقہ کے الفاظ بالکل صاف ہیں لیکن اس پر تفسیری رنگ "مقابی" اور دورہ (۱۶۰-۶۳ قبل مسیح) دیا گیا، دانیال باب ۸، میں ذوالقرنین اور (باب ۹/۲۴)، رسول کریم خاتم النبیینؐ کی پیش گوئی صاف لفظوں میں ہے کہ

"قدس الاقداس" کی بشت "خاتم" (SEAL) نبوت ہوگی۔

حکیم ممدوح نے "دجال" اور خر دجال کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد "ریل" ہے اور جب "دجال" اصفہان سے دمشق تک ریل جاری کرے گا اور اس پر سوار ہو کر آئے گا، اس وقت "مہدی" کا ظہور ہوگا۔

دیوار چین پر بحث تحصیل حاصل ہے، یہ ان خانہ بدوش اقوام کے لیے رکاوٹ تھی جو اس کے شمال میں تھیں، یعنی سائبیریا والے، اور ممکن ہے کہ تاتاریوں کی ترکتازی کا علاج ہو، لیکن یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ایک اور دیوار جسے حیدری دیوار کہتے ہیں شورہ پشت "سکاٹ" کے روکنے کے لیے رومی شہنشاہ نے تعمیر کی۔

ان دیواروں کے علاوہ قدرتی رکاوٹ بھی تھی، بحیرہ اسود سے لیکر بحیرہ خزر تک قفقاز کا پہاڑی سلسلہ بھی ہے، متمدن آریا ایرانی ان کے حملوں کو روکتے رہے، یورپ میں یونانی اور رومی بڑھنے نہ دیتے اور ان سب کے لیے اہم سامیہ آہنی دیوار تھی۔

قرآن میں ربانی یاجوج اور ماجوج کا ایک دوسرے کے ساتھ طوفانی جنگ مذکور ہے جو ۱۹۱۴ء سے شروع ہوا اور اس کے بعد یہودی "اعلان بالفور" کے تحت ارض معبود میں اکٹھے ہونے لگے اور موجودہ جنگ میں ہٹلر انہیں یورپی ممالک سے اس طرف دھکیل رہا ہے، اب انتظار اس امر کا ہے کہ کب مصر کی طرف جائیں گے۔ اگر آیہ زیر بحث میں "فُتِحَتْ" سے مراد یہ ہو کہ یاجوج و ماجوج ایک دوسرے پر چیرہ دستی کریں گے اور ھم کی ضمیر اہل قریہ کی طرح اہل قریہ کی طرف راجع ہو تو یہودیوں کا ہر ایک سر بلندی سے ڈھلکتے ہوئے یروشلم میں اجتماع بھی قرین قیاس ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تعلیمات قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں جملہ اصول و عقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ حاصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت بہت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت فی نسخہ دو روپے علاوہ محصول ڈاک۔

پتہ:- منیجر دفتر اُمتِ مُسلمہ امرتسر

ذوقِ قرآن

(کتابِ الٰہی و صحیفۂ فطرت)

(۴)

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ام اے، پی ایچ ڈی، کیمبل پور)

یک رنگیٔ کائنات | کائنات میں کئی طرح سے یک رنگی ہے۔

اوّل۔ ماحول سے تطابق عالمگیر ہے۔ سرد ممالک میں جانوروں کے لمبے بال۔ گرم خطوں میں کالا رنگ۔ حفاظت کے لیے ضعیف خرگوش اور ہرن وغیرہ کا ہم رنگ زمین ہونا۔ مچھلی کے آلاتِ شنا وری اور پرندے کے پر اس عالمگیر اصول کی تصدیق کر رہے ہیں جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے۔ انہیں اسی طرح میٹ دیا جاتا ہے جس طرح مسلمان کو۔ کہ جو سائنس کی دنیا میں رہ کر اوراد و وظائف اور ریش و قبا پر تمام زور صرف کر رہا ہے۔

دوم۔ ہر چیز کی تدوین ذرّاتِ برقی (منفیہ) سے ہوئی۔

سوم۔ دنیا میں باہمی احتیاج عالمگیر ہے۔ اگر مختلف نمک اور بکٹیریا موجود نہ ہو تو نباتات فنا ہو جائیں اور اگر نباتات نہ ہوں تو حیوانات ختم ہو جائیں۔

چہارم۔ یک رنگی کا کمال دیکھیے کہ ہر دل ایک منٹ میں ۷۰-۷۲ دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک دقیقے میں ۱۴-۱۷ دفعہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے۔ بکری کے پیٹ سے ہر جگہ بکری ہی پیدا ہو رہی ہے۔ الغرض، بہار و خزاں، موت و حیات اور گردشِ نجوم و شموس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک ایمان افروز یکسانیت پائی جاتی ہے۔

وَمَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ	الٰہی تخلیق میں تمہیں کہیں عدمِ تناسب یا فقدانِ ہم آہنگی نظر نہیں آئے گا۔ بار بار دیکھو، کیا تمہیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے؟

اس آیت کی بہترین تفسیر مغرب کے ایک عالمِ فطرت کی زبانی سنیے:

"یہ کائنات کیا ہے؟ ایک نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک نظم ہے جس میں خوشگوار اختلاف ہے۔ اور ایک صداقت ہے جس کی کئی تعبیریں ہیں۔"

سیموئل راجز اپنے نتائج غور و فکر کا یوں اعلان کرتا ہے:

"اللہ کی وہ مشیت جو قطرے کو آنسو بنا کر آنکھ سے لڑھکا دیتی ہے۔ وہی مشیت زمین کو فضا میں تھامے ہوئے ہے اور ستاروں کی، ان کی معینہ گذرگاہوں پر، حفاظت و رہنمائی کر رہی ہے۔"

ارض و سما کے اس تناسب و توازن کو دیکھنے کے لیے ایک تہ رس نگاہ کی ضرورت ہے۔ قدوری، منیۃ اور بکی روٹی کے "فاضل" کیا جانیں کہ کائنات کا خشیہ انگیز و ایمان افروز توازن کس بلا کا نام ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ | اللہ نے آسمان کو فضا کی وسعت میں اُٹھا کر کائنات میں توازن پیدا کر دیا ہے۔

سیموئل راجز فرماتے ہیں:

"ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اُس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اُس حسین و جمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے"؟

روشنی اور بجلی کے انجن | روشنی کو حرارت سے جدا کرنا ناممکن ہے۔ لیکن جگنو کے دُم میں قدرت نے ایسی روشنی پیدا کر دی جس میں حرارت موجود نہیں۔ آج علمائے فطرت اس قسم کی روشنی پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کے آلات بنا رہے ہیں جگنو کا تجزیہ کر کے دیکھا جا رہا ہے۔ جگنو خود بولتا نہیں اور علماء اس راز کو سمجھنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اوّل تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جگنو کو روشنی دینے کی ضرورت کیا تھی۔ دوم[1] پھر اس روشنی کو حرارت سے کیوں جدا کر دیا گیا؟

انسانوں نے بجلی حال ہی میں دریافت کی ہے۔ لیکن کائنات میں بجلی کے مختلف انجن آغازِ آفرینش سے موجود ہیں مثلاً سمندر میں ایک مچھلی ایل ملتی ہے جو بجلی سے شکار کھیلتی ہے۔ یہ اپنے بعض پٹھوں کو سکیڑ کر اس قدر بجلی پیدا کر سکتی ہے جس کے صدمے سے شکار ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور مچھلی عجیب طرح سے شکار کھیلتی ہے۔ جب وہ دیکھتی ہے کہ اُس کا شکار کہیں قریب آ گیا ہے تو وہ فوراً ایک قمقمہ (جو اس کے سر پر ہوتا ہے) جلا لیتی ہے، جس کی روشنی میں شکار کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اور وہ لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔

غور فرمائیے کہ جگنو اور ان مچھلیوں کے اجسام میں کس بلا کے انجن لگے ہوئے ہیں جو دیگر بے شمار اعمال کے علاوہ روشنی اور بجلی بھی پیدا کر رہے ہیں۔

---

[1] ایک عالم مغرب لکھتا ہے کہ اگر جگنو کی دُم میں حرارت ہوتی تو وہ جہاں بیٹھتا، آگ بھڑک اٹھتی اور تمام باغ و راغ جل کر خاکستر ہو جاتے۔ (برق)

ایک مغربی حکیم اپنی حیرت کا یوں اعلان کرتا ہے:

"ہمارا فرض ہے کہ ہم خواص مادہ پر غور کریں۔ مادے کا بڑھنا، پھیلنا، ارتقا، احساس اور کوشش جہاں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے، وہیں اُن جذبات حیرت کو، جو حیات انسانی کی زینت ہیں، جوان رکھتا ہے۔"

بدن کی مشین | کائنات کا ہر ذرہ ایک ایسا رباب ہے جس سے الٰہی دانش و صناعی کے ترانے نکل رہے ہیں۔ انسانی بدن کی مشین پر غور فرمایئے کہ بقول سر آرتھر کائتھ جب ہم چلتے ہیں تو صرف ایک قدم اٹھاتے وقت پورے سو پٹھے مل کر کام کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پٹھا بھی بگڑ جائے تو ہم قدم نہ اٹھا سکیں۔ اندازہ لگایئے کہ باقی اعمال میں کس قدر عضلات و اعصاب کس کس رنگ میں سکڑتے، مڑتے، پھیلتے اور لچکتے ہوں گے۔ ہر مشین کے لیے ایک ڈرائیور، کلینر (صاف کرنے والا) تیل دینے والے، مرمت کرنے والے اور انجینئر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان نہ تو اپنی مشین کا ڈرائیور ہے اور نہ ترمیم کنندہ۔ یہ غریب تو اس ہولناک مشین کے سمجھنے تک سے قاصر ہے۔ قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی ہستی ہے جو حیوانات کی ارب در ارب مشینوں کو چلا رہی ہے، مرمت کر رہی ہے، تیل دے رہی ہے، صاف کر رہی ہے اور پھر یہ سب کچھ ہمارے علم کے بغیر ہو رہا ہے۔

قُلِ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ | کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کر رہا ہے۔ پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

انسانی علم کی انتہائی منزل | ایک گنوار اپنی بھینس، گائے، بکری، گھوڑی، بیوی اور کھیت کے بغیر باقی سب چیزوں کو بیکار سمجھتا ہے۔ وہ ان بے شمار پودوں، درختوں، پتھروں، کانوں اور دھاتوں کے افادی پہلوؤں سے غافل ہے اور اسے قطعاً معلوم نہیں کہ کائنات کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس وقت تک تقریباً چودہ لاکھ نباتات دریافت ہو چکے ہیں جن میں سے انسان صرف تین چار سو کے استعمال سے آگاہ ہے۔ اسی طرح جمادات اور حیوانات کی بے انتہا دنیا میں ہمارے لیے بدستور رازہائے سربستہ ہیں، ہم مکمل انسان صرف اس وقت بنیں گے۔ جب کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر کے استعمال کر رہے ہوں گے۔ جب مکھی، مچھر، گھاس، پھول، پودے، پتے، ذرّے اور قطرے کے مقصد تخلیق سے آشنا ہو چکے ہوں گے اور جب ہمارے معمل، کالج، تجربہ گاہیں اور مشاہدہ گاہیں اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہوں گی کہ دنیا کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

جانتے ہو کہ یہ تحقیق و تلاش اور مقصد تخلیق کا اعلان کس ملت کے فرائض میں داخل ہے، خود اللہ سبحانہٗ کی زبان سے سنیے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ | جو اٹھتے بیٹھتے اور سوتے الٰہی اعمال کے تصور سے غافل نہیں ہوتے

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔	اور جو کائناتِ ارض وسما پر غور کرنے کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ اے رب دنیا میں کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔

آج مسلمانوں میں وہ علماء موجود نہیں۔ جو ایک مکھی تک کا مقصدِ تخلیق بتا سکیں اور جن کا علم، غور و فکر، تجربہ و مشاہدہ اور تجزیہ و تشریح کا نتیجہ ہو۔ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) اسلام کے منشاء سے آگاہ تھا۔ اُس کے عہد میں ۲۰۰ رصدگاہیں اجرامِ سماوی کے معاینہ کے لیے نصب تھیں۔ حیوانات، طیور، جمادات اور نباتات پر ۴۸ ہزار کتب تصنیف ہو چکی تھیں وہ گھڑیاں بنا رہا تھا۔ انجن چلانے کی کوشش کر رہا تھا، زمین کو ماپ رہا ہے اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ معلوم کر رہا تھا۔ لیکن آج ایسے مسلمان نہیں۔ خانقاہوں میں کلمہ گوؤں کا ہجوم ہے، پیر پرستوں کی بھیڑ ہے، درود خوانوں کا اژدہام ہے۔ اشتہ شفاعت ہیں چور اور خمارِ توکل میں مخمور قوم کا ایک میلہ سا جما ہوا ہے جس میں ہمارے مُلّا صاحب وضعی احادیث سنا سنا کر مسلم کو اور زیادہ سُلا رہے ہیں ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا "مسلم" اگر
پھر سُلا دیتی ہے اُس کو "مولوی" کی ساحری (اقبالؒ، مرحوم)

مغرب کا ذوقِ جستجو | امریکہ کی جامعۂ علوم نباتات کے بڑے دروازے پر یہ رُوح افروز الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

"اے رب! میری آنکھیں کھول، تاکہ میں عجائباتِ تکوین و تدوین کا تماشہ کر سکوں"۔

صحیفۂ فطرت کے چند قدیم مفسر | یہاں اُن چند شدائیانِ فطرت کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ جن کی زندگی مطالعۂ کائنات میں بسر ہوئی۔ ہر چند کہ ان بزرگوں کے پاس عہدِ حاضر کے آلات و وسائل موجود نہ تھے، تاہم ان میں سے بعض کے نتائجِ غور و فکر کو آج بھی صحیح سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ تھیلز (سنہ ۶۲۴/۵۴۶ ق م) نے زمین کو پانی پر ایک تیرتی ہوئی ٹکیہ خیال کیا۔

۲۔ انکزیمنڈر کے ہاں زمین فضا میں معلق تھی۔

۳۔ انکیمانز کا خیال تھا کہ ستارے شیشے سے بنے ہوئے ہیں۔ اور آسمان میں نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

۴۔ فیثاغورث کے ہاں تمام کائنات زمین کے اردگرد گھوم رہی تھی۔

۵۔ اینکاغورث (سنہ ۵۰۰/۴۲۸ ق م) پہلا عالم ہے جس نے نورِ قمر کو مستعار کہا۔

۶۔ ہرکلائڈیس (۳۸۸/۳۱۵ ق م) پہلا شخص ہے جس نے زمین کو متحرک کہا کہ جس کا ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔

۷۔ ارسٹارکس نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا اور آفتاب کو مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا۔ نیز

چاند اور سورج کا حجم و طول و عرض دریافت کیا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ماپا ۔ لیکن اس کے نتائج آج قابل اعتنا نہیں رہے۔

۸۔ ایراٹو ستھینس (۲۷۶/۱۹۴ ق م) نے زمین کا قطر دریافت کیا۔

۹۔ ہیپری ہس نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ اُس کے دریافت کردہ سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔

۱۰۔ ہیرو ([illegible]) نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا تھا۔

۱۱۔ لیوسی پس (۴۶۰ ق م) اور دیموکریٹس (۴۶۰/۳۷۰ ق م) نے اعلان کیا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاء لاتتجزیٰ سے ہوئی ہے۔

۱۲۔ ویرو (۱۱۶/۲۷ ق م) اپنی کتاب رس رسٹکی میں لکھتے ہیں:

"گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں۔" گویا نظریۂ جراثیم اسی عالم کا نتیجۂ تلاش ہے۔

۱۳۔ جولیس سیزر (مشہور شہنشاہِ روم) نے کیلنڈر درست کیا تھا۔

۱۴۔ اہل روم آلۂ جرِ ثقیل اور محراب کے موجد ہیں۔

۱۵۔ کاپرنیکس نے آفتاب کو مرکزِ عالم تسلیم کیا تھا۔ لیکن ٹائیکو نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے اردگرد گھما دیا۔ نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ۹ ۱/۴ کروڑ میل ہے۔ (باقی دارد)

مفت لٹریچر کی تقسیم

جناب میاں محمد احمد علی صاحب الیکٹریکل انجینئر کپورتھلہ نے جو البیان کے ایک قدیم معاون ہیں، ہمارے پاس چند دینی کتابوں کی ایک تعداد بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم انہیں البیان کے پڑھنے والوں میں تقسیم کردیں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مسیح واحمد	(ضخامت ۴۸ صفحے)	(۴) قیامت	(ضخامت ۴۸ صفحے)
(۲) حیات وممات کا معمہ	(ضخامت ۳۲ صفحے)	(۵) تقلید و تحقیق	(ضخامت ۱۰۴ صفحے)
(۳) فلسفہ روحانی	(ضخامت ۴۸ صفحے)	(۶) صراط مستقیم	(ضخامت ۸۰ صفحے)

یہ کتابیں بلاغ کے قدیم ومرحوم معاون ڈاکٹر صادق علی صاحب ریٹائرڈ سرجن میجر کی تصنیفات سے ہیں، ہم نے ان کو سرسری طور سے دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ معطی کی خواہش کے احترام میں انہیں معاونین البیان کے ہاتھوں پہنچا دیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ سارا لٹریچر، قرآن مجید کی روشنی میں تحقیق و کاوش سے لکھا گیا ہے اور ہمارے ناظرین اس کے مطالعے سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

اس سے پہلے بھی البیان کے نئے اور پرانے معاونوں کو بلاغ کے پرانے پرچوں کی صورت میں ایک رعایت پیش کی جا چکی ہے، یعنی جو صاحب اپنے سالانہ چندے کے ساتھ مزید عہ محصول ڈاک کے لیے بھیج دیتے ہیں، انہیں رسالہ بلاغ کے ۴۲ منتخب پرچے، جن کا حجم ۱۳۰۰ صفحے سے زاید ہے، مفت ارسال کردیے جاتے ہیں۔ آج ہم اس رعایت کے ساتھ ان کتابوں کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں۔ آیندہ سے جو اصحاب البیان کے سالانہ چندے کے ساتھ مزید عہ، یعنی کل للعہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال فرمائیں گے، ان کے نام ایک برس کے لیے البیان جاری کرنے کے علاوہ، ۱۳۰۰ صفحے کے بلاغ کے پرانے پرچے اور ۴۰۰ صفحے کی مذکورہ بالا کتابیں مفت بھیجی جائیں گی۔

ہم قارئین البیان سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف خود اس پیش کش سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس رعایت کی طرف متوجہ کریں گے۔ البیان کی اشاعت بڑھانے کے لیے یہ ایک اچھا موقعہ ہے، احباب کو اس طرف ضرور دھیان دینا چاہیے۔

منیجر البیان امرتسر

اورحق تلواروں کے نرغے میں اپنے فرائض ادا کر رہا ہے۔ اندھی تقلید ایسی بری چیز ہے کہ تمام انبیاء اور صلحاء اسی سے لوگوں کو روکنے کے لئے آئے، مگر اہل شرک وکفر نے ہمیشہ ان کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ یہ نیک بندہ یہی تاریخی واقعات اور ان کے آس پاس کے عبرت ناک مناظر سے ڈراتا ہے۔ مگر کثرت کے گھمنڈ پر انہوں نے بینات سے روگردانی کی۔ اے فرعون اور اہل فرعون، سنو! ہوسکتا ہے تم پر بھی وہی بربادی کی گھڑی آجائے جیسی تم سے پہلے لوگوں پر آتی رہی۔ یعنی پانی کا طوفان، زلزلہ یا کوئی اور عذاب)

(۳۰) وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ
(۳۱) مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ○ اور کہا اس ایمان دار نے اے میری قوم تحقیق میں ڈرتا ہوں اوپر تمہارے مثل دن جماعتوں کے سے۔ مانند عادت قوم نوحؑ اور عاد اور ثمود کے اور ان لوگوں کے (مانند) جو ان لوگوں کے پیچھے ہوئے (اگر تم بینات کے انکار پر اڑے رہے اور ضد و شرارت اور سرکشی سے باز نہ آئے، تو عذاب آنے میں کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے۔ یہ عذاب تمہاری بداعمالیوں اور حق کی مخالفت کی وجہ سے آئے گا اور تمہاری شرارتوں اور گناہوں کی سزا ہوگی، کیوں کہ تم ضد اور عناد سے حق کی صریح مخالفت کرتے ہو۔ ہاں ابھی موقعہ ہے کہ احسن طریق پر بہ دلائل بحث کرو، کفر و انکار سے باز آجاؤ۔ قبول حق سے رحمت الٰہی کے مستحق بنو۔ خداوند کریم حق کو جبراً نہیں منواتا بلکہ دلائل دیتا ہے، اگر ایسا کرتا تو یہ ظلم ہوتا) اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا (اس نے نوع انسان کی راہ نمائی کے لیے واضح اور روشن دلایل کے ساتھ اپنے پیغمبر بھیجے، جن کی تعلیم میں جبر کو مطلقاً دخل نہیں پھر تم کیوں جبر و تعدی کی راہ اختیار کرتے ہو؟)

(۳۲) وَيٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ○ (۳۳) يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ اور اے قوم! تحقیق، مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے۔ وہ جس دن (اس دنیا کی طرف سے) پھر جاتے ہو پیٹھ پھیر کے (اور تمام مزعومہ سہارے ہیچ ہوجاتے ہیں اور اس روز) تمہیں کوئی بھی (شفیع و مددگار) خدا (کے عذاب) سے بچانے والا نہیں ہوتا۔ (اپنی بداعمالیوں کے ذریعے گم راہی

کی زندگی میں پھنس جاتے ہو۔ خدا چاہتا، تو تمہیں جبراً راہ راست پرلے آتا، مگر جبری ایمان خدا کومنظور
نہیں ہے۔ بدیوں کا مقابلہ کر کے نیکیوں کو ترجیح دینے والا، خدا کے خوف سے جذبات پر قابو رکھنے والا
فلاح کا مستحق ہوتا ہے پھر اگر یہ نہیں ہے تو قانون خداوندی کی رُو سے اس شخص کا گمراہ ہونا ضروری ہے
جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور جس کو اللہ (اس کے اعمال بد کے نتیجے میں) گمراہ کردے، پھر اس کے لیے
کوئی بھی (نیکی کی) راہ دکھانے والا نہیں (ایسے قانون شکن کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟ مومن شخص ان
کو بھی یہ کہتا ہے،

(۳۴) وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِى شَكٍّ مِّمَّا
جَآءَكُم بِهِۦ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ ٱللَّهُ مِنۢ بَعْدِهِۦ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ
يُضِلُّ ٱللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝ اور البتہ تحقیق اس سے پہلے یوسفؑ (بھی) تمہارے

پاس واضح دلائل کے ساتھ آئے تھے (مگر تم نے ان سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا، بلکہ ان کی مخالفت ہی
کرتے رہے) اور جو کچھ وہ تمہارے پاس لائے تھے، اس (کے بارے) میں تم ہمیشہ شک ہی میں رہے (تم نے
انکار سے بھی ہمیشہ کام لیا) یہاں تک (کہ) جب وہ (یوسف) فوت ہوگئے (تمہارے سدھارنے اور
تمہیں راہ راست پر لانے میں ان کی تمام عمر گذر گئی) تم نے (ان کے انتقال کے بعد) کہا کہ (اب) اللہ
اس (یوسف) کے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا (اس قول سے تمہارا مطلب یہ تھا کہ چلو خلاصی پائی، نبوت
کا جھمیلا ہی ختم ہوا۔ تو یہ شک و انکار صریح گمراہی تھی) اللہ حد سے نکلنے والوں اور شک کرنے والے کو
اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔)

(۳۵) ٱلَّذِينَ يُجَٰدِلُونَ فِىٓ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَٰنٍ أَتَىٰهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ
وَعِندَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وہ لوگ

جو بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں (مومن یہ بھی کہتا ہے
کہ تم یوسف کی لائی ہوئی بیّنات کے بارے میں جھگڑتے تھے اور بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند ان پر اعتراض
کرتے تھے۔ یاد رکھو کہ) اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ بیزاری سخت ناپسند ہے (کہ بغیر دلائل کے

ضد و شرارت یا تقلید کے طور پر اڑ جانا خدا کے نزدیک ... ... بہت بڑی برائی ہے۔ ان دلائل کے ساتھ تبادلہ خیالات ہو سکتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ فلاں بات حق ہے تو اسے قبول کر لینا چاہیے، نہ کہ غرور و عناد سے اس کے خلاف اڑنا چاہیے۔ کسی حق بات کو نہ ماننے والا متکبر ہے اور اپنی غلط بات منوانے والا ظالم ہے اور جو شخص ایسے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے کہ) اسی طرح اللہ ہر متکبر (مدلل بات کے نہ ماننے والے اور) جبار (اپنی باتوں کو بے دلیل منوانے یعنی جبر کرنے والے) کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (جب فرعون نے یہ حال دیکھا، تو سمجھا کہ اس شخص نے دلایل کے زور سے میری ہوا بگاڑ دی اور مجھے بالکل پست کر دیا۔ اور بہت بری طرح مجھ کو گرا رہا ہے۔ اب اور کسی طرح تو نہیں مگر مذاق کے طور پر اس کو نیچا دکھانا چاہیے۔ غرور و تکبر کی انتہا ہے کہ بجائے راستی کو پسند کرنے کے پھبتیاں اڑا رہا ہے اور بے راہی اختیار کر کے صراطِ مستقیم کی صریح مخالفت پر اتر آیا ہے کہ ایک بہت بلند عمارت بناؤ۔ میں بادلوں سے پرے جا کر آسمان کے راستوں پر پہنچ جاؤں اور اس مدعیٔ صداقت کے بھیجنے والے کو دیکھ لوں اور یہ صرف تمہاری تسلی کے لیے کروں گا، ورنہ میں تو جانتا ہی ہوں کہ یہ غلط کہہ رہا ہے۔ دیکھو وہ اصل حقیقت پر کس طرح پردہ ڈالنا چاہتا ہے اور نہیں جانتا کہ آخر حق ہی غالب آ کر باطل کو تباہ و برباد کرے گا۔ تھوڑا سا وقت اس کو ملا ہوا ہے۔ اگر اپنی اصلاح نہ کرے گا تو ہلاکت کے گڑھے میں گرایا جائے گا۔ یہ متکبر خوب جانتا ہے کہ یہ طرزِ عمل جس نے بھی اختیار کیا، سخت ذلیل و نامراد اور خائب و خاسر ہونے کے بعد بہت بری طرح ہلاک ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دلایل پر غور کرتا، مگر اس نے مسخراپن اختیار کر لیا۔)

۳۶ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ
سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ اور کہا فرعون

۳۷ نے۔ ہامان! میرے لیے ایک اونچا محل بنا، تاکہ راستوں پر پہنچوں (یعنی) آسمان کے راستوں پر پہنچوں تاکہ موسیٰؑ کے اللہ کی طرف جھانکوں اور تحقیق میں البتہ اس کو جھوٹا گمان کرتا ہوں (چونکہ اپنے اعمالِ بد کے) باعث وہ صراطِ مستقیم سے روک دیا گیا ہے، اس لیے اب وہ اور بھی ڈھٹائی سے کام لے رہا ہے اور

یہ عمل اس کو برائی کی طرف جھکا رہا ہے۔ ضد و شرارت، بغض و عناد اور غرور و تکبر کی وجہ سے اپنی بات کو نباہ رہا ہے۔ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے) اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے اعمال بد کو زینت دی گئی تھی اور وہ راہ سے روک دیا گیا تھا (روگردانی کا نتیجہ ہمیشہ سے یہی نکلتا آیا ہے اور بڑے بڑے جابر و ظالم آخرکار نامراد ہو کر تباہی کی لپیٹ میں آجاتے رہے ہیں۔ تو کیا یہ اپنے خیالات اور چالوں میں کامیاب ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ جیساکہ فرمایا) فرعون کی تدبیر تو بے کار تھی (فرعون لوگوں کو اپنی تقلید سکھلا کر انہیں انکار خداوندی پر آمادہ کرتا ہے۔ اب مومن جواب میں کہتا ہے کہ یہ فرعون تو خدا کا انکار سکھاتا ہے اور اپنی تقلید کراتا ہے لیکن میں لوگوں سے اپنی تقلید کرانے کے لیے نہیں کھڑا ہوا، بلکہ سچائی کی طرف راہبری کرتا ہوں۔ فرعون کی طرح اپنی ذات نہیں منواتا، راہ نجات کا راستہ بتا رہا ہوں۔ موٹی سی بات ہے کہ دنیا چند روزہ ہے اور اگر عاقبت ہے تو پھر وہاں کیا کرو گے؟ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے)

پانچواں رکوع | وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۚ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝

اور کہا اس مومن شخص نے اے میری قوم (بتائی ہوئی راہ کی نہ کہ میری ذات کی) پیروی کرو (تاکہ) میں تم کو (اصلاح و فلاح اور) بھلائی کی راہ دکھاؤں (جس پر چل کر تم اخروی نعمتوں کو حاصل کرو گے اور جس چند روزہ عیش و عشرت اور عارضی مسرتوں پر تم ریجھے ہوئے ہو یہ خواب و خیال کی طرح مٹ جانے والی چیزیں نہیں، اُس مومن نے کہا کہ) اے میری قوم سوائے اس کے نہیں کہ یہ دنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے (یہ دائمی عیش و عشرت کا ٹھکانا نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ دل لگانا چاہیے) اور تحقیق آخرت ٹھکانے کی جگہ (اور دوام و آرام کا گھر ہے (ایسی ناپائیدار اور حقیر ترین چیز پر ایسے ہمیشگی کے آرام و آسائش کو قربان کرکے عذاب مول لینا کہاں کی دانائی ہے؟ یا کیا تم نیکی اور بدی کو یکساں جانتے ہو؟ یہ قطعاً غلط ہے۔ آخر مر کر خدا کے حضور جانا پڑے گا۔)

(۴۰) مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

(۴۱) وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ جو برائی کریگا

پس نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر اس (بدی) کی مثل (یہ نہیں ہوگا کہ گناہ کم ہوں اور سزا زیادہ دی جائے کیوں کہ یہ ظلم ہے اور خدا اپنے بندوں پر خواہ گنہگار ہی ہوں، ظلم روا نہیں رکھتا۔ باقی رہا فضل و رحمت کا معاملہ، تو یہ اس احکم الحاکمین کی مرضی پر منحصر ہے۔ جیسا مناسب جانتا ہے، ویسا برتاؤ کرتا ہے جیساکہ ارشاد ہے) اور جو صلاحیت والے کام کرے (صرف خدا کے خوف اور اس کی مرضی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اسی کو خوش کرنے کے لیے اور ہر کام میں خواہ خفیہ ہو یا ظاہرا، ہر حال میں رضائے خداوندی کو مقدم رکھے کہ اس کی رضا ہی سے ایمان اور صلاحیت ملتی ہے، تو پھر اس طرح نیکی کرنے والا خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ مومن باللہ ہو، پس یہ لوگ داخل ہوتے ہیں جنت میں (کیوں کہ عاقبت کا دوامی عیش و آرام نیکیوں سے ملتا ہے۔ پس نیک بنو اور دوسروں کو بھی نیکی کی احسن طریق پر تعلیم دو۔ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، انہیں ہر طرح کے رزق بغیر حساب کے دیے جاتے ہیں (اور ایسی راحت و آرام ملتا ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہیں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے واسطے کیا کچھ تیار کیا گیا ہے ؛ الغرض اب مومن تعجب کرتا ہے کہ ایسے واضح اور روشن دلایل بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتے اور کہتا ہے کہ) اور اے قوم میرا کیا (حال) ہے کہ تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں (اور اس کے خلاف) تم مجھے آگ (جہنم) کی طرف دے رہے ہو (ایک اتباع حق کے لیے ہوتی ہے اور ایک ہوائے نفس کی خاطر۔ ان میں فرق کرنا ضروری ہے جو حق کی بنا پر کہے گا وہ اگر یہ بھی کہے کہ میری اتباع کرو تو وہ حق ہی کی اطاعت ہوگی، اس پیغامبر کی نہیں ہوگی۔ اور جو بربنائے ہوا کہے گا کہ میری اطاعت کرو، وہ اپنی ذات منوا رہا ہے، جیساکہ فرعون منوانا چاہتا ہے اور بربنائے حق وہ ہے جیسے یہ مومن شخص منوا رہا ہے۔ پس لوگوں کو چاہیے کہ دعوؤں یا داعیوں کو اسی کسوٹی پر پرکھیں۔ ایسے معاملے میں باریک بینی اور عقل سے کام لینا چاہیے۔ اندھا دھند بغیر سوچے سمجھے کسی کی بات کو بے غلط مان لینا تقلید ہے جو جہنم تک لے جاتی ہے، جو مدت تک مصائب اٹھانے کی جگہ ہے اور بڑی دیر بعد جاکر خلاصی ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مریض ہمیشہ ہمیشہ اس میں نہیں رہتا کیوں کہ صحیح علاج ہوتا ہے اور صحت کے لیے اسکو شفاخانے میں داخل کیا جاتا ہے نہ کہ کسی کینہ کی وجہ سے۔ پس جب صحت ہو جاتی ہے تو آرام

کی جگہ جو اس کے مناسب ہوتی ہے، پہنچایا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ روح میں صحت کا فطری عنصر موجود ہوتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا۔ گناہ یا بدی عارضی چیز ہے۔ صحت آخر غالب آجاتی ہے اور آرام میں لے جاتی ہے۔ روح غلط کار بھی ہوتی ہے، عجز والی ہے، بتدریج ترقی پاتی ہے۔ اور آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اگرچہ ہمیشہ رہتی ہے۔ اور نیست کبھی نہیں ہوتی۔ مگر لا انتہا بھی نہیں ہوتی۔ جہاں جہاں پہنچتی ہے، اس کی انتہا ہوتی ہے۔ پھر آگے بڑھائی جاتی ہے۔ غرض ہر منزل اس کی انتہا ہوتی ہے۔ اس لیے لا انتہا کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ لا انتہا صرف خدائے قدوس ہی ہے۔

الغرض جہاں تک ہو سکے روح کی صفائی کا بہت خیال چاہیے ورنہ عذاب نار سے پالا پڑتا ہے۔ یہی نصیحت تمام مصلحین لوگوں کو کرتے آئے ہیں۔ یہی چیز یہ مومن بھی اپنی قوم کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ اکیلے خدا کے ماننے میں بڑی بھلائی ہے اور مخلوق پرستی بدترین عقیدہ اور بے سند بات ہے، جس کا بطلان ظاہر و باہر ہے پھر کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟)

(۴۲) تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ٘ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ۝ تم مجھے یہ دعوت دیتے ہو کہ اللہ (کامل مطلق اور خالق کل شے) کے ساتھ کفر کروں اور (اس کی عاجز مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر جان لوں مطلب یہ ہے کہ) اس کا شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں (یعنی یہ بے ثبوت اور بالکل غلط عقیدہ ہے۔ حد ہے کہ خدائے علیم کل کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر یہ علم تمہارا اپنا افتراء کیا ہوا عقیدہ نہیں تو اور کیا ہے؟ پس تمہارے کہنے پر میں کس طرح شرک کروں؟ یہ چیز باطل ہے کہ خدا کا ہمسر مانا جائے۔ اس باطل عقیدے کا علم ہی موجود نہیں ہے اور غور کرو کہ میری اور تمہاری دعوت میں کتنا فرق ہے؟ تم جہنم کی دعوت دیتے ہو) اور میں تم کو اصل غالب (تمام طاقتوں کے مالک اور) اصل بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں (یاد رکھو، اس غالب کا ارادہ کبھی نہیں ٹلتا۔ اور بندہ نادم ہو کر دل و جان سے اس کے حضور سر رکھ دے تو وہ معاف بھی فرما دیتا ہے۔ جن کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ یہ چیزیں ہرگز اس لائق نہیں کہ ان کو کچھ اہمیت دی جائے۔ فرعون ہو یا کوئی اور سب عاجز ہیں، اصل غالب اور اصل مہربان وہی خدا ہے جس کو پکارنا درست ہے اور جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کچھ چیزیں قدرے مختار

بنائی گئی ہیں۔ کچھ مجبور ہیں، مگر سب کی باگ اسی کامل مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ ڈور کو قدرے ڈھیلا کرتا ہے، تو یہ چیزیں کچھ تصرفات کرتی ہیں مگر اس سے وہ ہماری معبود کیوں کر ہوسکتی ہیں؟ وہی خدا ہر جگہ ظاہر و باطن پکارکے لائق ہے۔ اس کے بغیر جو بھی پکارا جاتا ہے سب باطل ہے۔ بس تمہارا کہنا غلط ہے کہ اور بھی پکارنے کے لائق ہیں، یعنی تم جو اوروں کو خدا کا شریک بناتے ہو تمہارا یہ عقیدہ ٹھیک نہیں)

(۴۳) لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ○ نہیں (غلط ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے)، کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، اس کو دنیا و آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے) کا مقدور نہیں (سوائے خدا کے کسی کو پکارا ہی نہیں جاسکتا۔ نہ کوئی پکار کے لائق ہے۔ دنیا و آخرت میں ایک اسی کی ذات اس لائق ہے کہ سب اسی کو یاد رکھیں اور اسے اپنا حاجت روا مانیں۔ انجام کار اسی سے پالا پڑتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ) اور ہمارا (سب کا) لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے (موسیٰؑ اور ہارونؑ وغیرہ ماننے کے لائق معقول بیّنات لائے مگر تم نے انہیں ماننے سے انکار کردیا۔ اسی طرح میری بیّنات کا بھی انکار کیا جارہا ہے اور تم لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ گئے ہو اور (یاد رکھو کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) حد سے نکلنے والے (جو ہیں) وہی آگ (میں رہنے) والے ہیں (یہ باتیں غیر نبی غیر وحی والا کہہ رہا ہے اور خدائے تعالیٰ اس کی تصدیق فرما رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مقصود حقیقی تعلیم ہے نہ کہ معلّم۔ اب وہ مومن بڑے درد سے کہہ رہا ہے کہ ابھی موقعہ ہے کہ نیکی کو قبول کرو، ورنہ بہت برا انجام ہوگا)

(۴۴) فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○ پس عنقریب تم یاد کروگے جو کچھ میں تمہیں (اس وقت) کہہ رہا ہوں (یعنی اپنے برے کاموں کا برا پھل پالوگے) اور میں اپنا معاملہ (کام) اللہ کے سپرد کرتا ہوں (وہی نعم الوکیل ہے۔ میں اور کسی کی بھی پروا نہیں کرتا اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اس خدا کے سوا سپردگی کے لائق دوسرا ہے بھی کون؟ وہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے اور ایک ایک ذرّے پر اس کا پورا پورا دھیان ہے، جیساکہ ارشاد ہے کہ) تحقیق اللہ (کامل مطلق) بندوں کو دیکھنے والا ہے (کسی کی کوئی حرکت تک اس سے

چھپی ہوئی نہیں جو تمہاری مرضی ہے، کرو، مگر یاد رکھو کہ گرفت ضرور ہوگی۔ اس مومن کا یہ وعظ و نصیحت قوم کے عقیدہ کے مطابق زہر قاتل تھا، پس اس کو دکھ دینے اور تکالیف پہنچانے کی انہوں نے کیا کیا تدبیریں نہ کی ہوں گی، مگر جس کے ساتھ خدا کی مدد ہو، تو سارے جہان کی عداوتیں اور سازشیں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۴۵) فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ
(۴۶) اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ پس اس (مومن) کو اللہ (کامل مطلق) نے ان (ظالموں) کے مکر کی برائیوں سے بچالیا؛ قوم نے بڑے فریب اور سازشیں کیں، مگر اللہ حامی و ناصر تھا۔ دشمن اپنی چالوں میں کیوں کر کامیاب ہو سکتے تھے؟ مومن اپنے عقیدہ پر بڑی مضبوطی سے قائم رہا تو حمایت خداوندی ساتھ رہی، اور دشمنانِ حق کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور وہی قانون خداوندی ان پر بھی نافذ ہوگیا جو ہمیشہ سے ظالموں کے لیے قائم ہے۔ یہ کوئی انوکھے مجرم تو تھے نہیں کہ وہ اس نود میں نہ آتے؟) اور فرعون کے لوگوں کو عذاب کی سختی نے آگھیرا (وہ عذاب کیا تھا؟) وہ آگ تھی اس (آگ) پر وہ صبح اور شام پیش ہوتے تھے (حاق ماضی ہے) اور جس وقت (پکڑ کی) گھڑی قائم ہوئی تھی (تو کہا جاتا تھا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت عذاب میں داخل کرو (غرض اب یعرضون سے یدخلون کی نوبت آئی تو جہنم کے اندرسان کی حالت یہ بتائی کہ انتہائی بے کسی اور بے بسی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اندھے عابد اور سرکش معبود سب ایک ہی رسی سے لٹکا دیے گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آنا تو درکنار، خود اپنی اپنی مصیبتوں کو ہلکا نہیں کر سکتے۔ دنیا کے غرور و تکبر، سرکشی اور رعونت دنیا ہی میں رہ گئی۔ دوزخ کے اندران کی یہ حالت ہوتی ہے؟

(۴۷) وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ○ اور جب وہ (فرعون کے لوگ) جہنم میں جھگڑا کرتے تھے تو ناتوانوں نے متکبر لوگوں سے کہا، تحقیق ہم (کمزور لوگ) تمہاری تابعداری

مقدمہ زندگانی محمدؐ

عہد حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانی محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل [illegible] مصر کی ایک بہت عمدہ تصنیف ہے۔ اس کتاب کی [illegible] [illegible] اس [illegible] [illegible] [illegible] مصر کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ایران میں اس کا فارسی ترجمہ [illegible] [illegible] ہوا۔ [illegible] زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی [illegible] اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور مکمل جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق علماء و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانی محمدؐ ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے [illegible])

۲۔ زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ خطوات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو بڑے ہی شوق سے پڑھا [illegible] [illegible]۔ یہ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۳۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانی محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ از بس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر پہلا مضمون ہے جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیام [illegible])

[illegible]

ملنے کا پتہ: دفتر اُمت مسلمہ [illegible]

تفسیر بیانٌ للنّاس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن [illegible] تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیرِ قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص [illegible] اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الاماشاء اللہ) قرآن کو کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ [illegible] میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی [illegible] زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و فنون کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو لحاظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

۶۔ قانون وراثت کا احیاء۔

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی: منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (۔[illegible]) منزل دوم ([illegible]) منزل سوم ([illegible]) منزل چہارم ([illegible]) منزل پنجم ([illegible]) منزل ششم ([illegible]) منزل ہفتم ([illegible])

ملنے کا پتہ: دفتر امت مسلمہ امرتسر (پنجاب)

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

البیان

اُمتِ مُسلمہ امرت سر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے — فی پرچہ چار آنے

"براہین وحی"

مرتبہ

محمد حسین عرشی ——— محمد اقبال سلمانی

نیاز فتح پوری نے اپنے رسالہ "نگار" میں چند مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے۔ چوں کہ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف ہے اور اسے تسلیم کر لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، اس لیے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء اور اہل فکر و تحریر مسلمانوں نے نہایت مدلل اور کامیاب مضامین لکھ کر اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ "براہین وحی" ان ہی مبارک مضامین کا ایک خوب صورت مجموعہ ہے آپ اس بے نظیر کتاب میں علامہ اقبالؒ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرت سری، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد اویس نگرامی، ڈاکٹر تاثیر، ڈپٹی سید مقبول احمد بی اے اور حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے بلند پایہ محققانہ مضامین یک جا پائیں گے۔ ان مقالات میں بے شمار نقلی، علمی اور تاریخی حقائق سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہر لحاظ سے، ہر پہلو سے ایک زندہ جاوید الہامی کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں محمد اقبال صاحب سلمانی کے قلم سے ایک نہایت بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے اور نیاز صاحب کے وہ تمام مضامین بھی، جن کے جواب میں یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال، مولانا تمنا عمادی، حضرت اسد ملتانی اور حضرت عرشی امرت سری کی بلند پایہ نظموں نے بھی کتاب کو زینت بخشی ہے۔ یقین کیجیے کہ دنیائے اسلام کی پوری تاریخ میں "براہین وحی" اپنے موضوع و ترتیب کے لحاظ سے پہلی کتاب ہے اور اپنے اندر ان تمام دلوں کی تسکین کا سامان رکھتی ہے جو قرآن مجید کو علم و تحقیق کی روشنی میں ایک آسمانی کتاب سمجھنا چاہتے ہیں۔

ملک کے تمام بڑے بڑے دینی اور علمی رسائل بڑی عزت اور مسرت کے ساتھ براہین وحی کا استقبال کر چکے ہیں۔ معارف، صدق اور ندیم جیسے موقر جرائد نے قرآن پاک کی اس مبارک خدمت پر نہ صرف تبصرے ہی لکھے، بلکہ اپنے افتتاحیہ مقالوں میں بھی اس کو خراج تحسین ادا کیا اور بالاتفاق اسے مسلمانان ہند کی ایک بہت بڑی خدمت قرار دیا۔ ہر مسلمان کے پاس، بالعموم اور ہر مبلغ قرآن کے پاس بالخصوص "براہین وحی" کا ایک ایک نسخہ ضرور موجود ہونا چاہیے۔ یہ حسین جمیل کتاب ۲۰×۲۶/۸ سائز کے سفید چکنے کاغذ پر، نہایت عمدہ کتابت اور طباعت کے ساتھ، ۱۸۲ صفحوں پر شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۱۲/ مع محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمتِ مُسلمہ امرت سر (پنجاب)**

البیان

امّت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۴	اگست ۱۹۴۲ء مطابق رجب ۱۳۶۱ھ	نمبر ۸

فہرست مضامین

جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ڈیڑھ آنہ کے ٹکٹ ارسال فرمائیں

(محمد حسین ایڈیٹر، پبلشر، پرنٹر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر سے چھپوا کر دفتر امّت مسلمہ امرتسر بیرون دروازہ حکیماں سے شائع کیا)

شذرات

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ

دین دین اور قرآن قرآن پکارتے والو! باتیں بنانے کا وقت گزر گیا۔ قدرت، ہمہ دان وہمہ گیر قدرت کی قطعی اذان آپہنچی کہ

"لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا اور وہ ابھی خواب غفلت میں روگردانی کر رہے ہیں" (پ۱۷)

وہ حساب عالم گیر عذاب کی شکل میں دیکھتے ہی دیکھتے کائنات انسانیت پر چھا گیا، وہ حساب جس کو مہذب مغرب کی بے اندازہ ثروت، بے پناہ قوت، دوررس دانش، موشگاف فلسفہ اور معجزنما سائنس نہ ٹال سکا، وہ خوف ناک حساب جس سے بچنے کے لیے ہم نہتوں کے پاس کوئی ہتھیار، کوئی جمعیت اور کوئی تنظیم نہیں ——— ہندی غلام کے کان اس کی ایک ایک آواز کو سنتے ہیں لیکن اس کا دل بہت کم متاثر ہوتا ہے۔ وہ سنگاپور، برطبروق وغیرہ کی تباہی کی داستانیں دلچسپی سے سنتا ہے اور مزے لے لے کر ان پر تبصرہ کرتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں کہ کل اس کی ہولناک بربادی پر بھی تبصرہ ہونے والا ہے۔ اس کے سینماؤں، شراب خانوں اور چکلوں کے ساتھ ساتھ اس کے مقدس مقامات اور سکونتی گھروں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجنے والی ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اس کے سر سے بھی شراب عافیت کا نشہ اُترنے کو ہے ——— ان سطور کے پڑھنے والو! تم میں اہل علم بھی ہیں، اہل ثروت بھی، ارباب فکر بھی اور اصحاب ہمت بھی۔ اپنا اپنا فرض پہچانو ——— یقین کرو کہ یہ مہلت کے آخری لمحات ہیں۔ ان سے فائدہ اُٹھانے کا وقت برق وباد کی رفتار سے ختم ہو رہا ہے ——— آج کوئی علاج نہیں رہ گیا مگر ایک، کوئی جائے پناہ نہیں مگر ایک، کوئی ہتھیار نہیں مگر ایک ——— اور وہ بھی صرف اُن لوگوں کے لیے جو ان سطور کو پڑھ کر تڑپ اُٹھیں اور اسی لمحے سے آمادۂ کار ہو جائیں۔ سنو اور یہ ابدی آواز دل کے کان کھول کر سنو

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (پ۲۷)

خدائے قہار تمہاری شاہ رگ کے قریب سے پکار رہا ہے کہ

"کیا مومنوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر وارشاد خداوندی کے آگے جھک جائیں۔"

بس وہ **وقت** آگیا ہے، غفلت کو چھوڑ دو، فرقہ بازی کو ترک کر دو۔ قرآنی احکام کی روگردانی سے باز آؤ، ایک ایک، دو دو، چار چار مل کر ایمان، عمل، وصیت بالحق اور وصیت بالصبر کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ قوم یونسؑ کی مثال تمہارے سامنے ہے، جس کے تائب ہوتے ہی آتا ہوا عذاب ٹل گیا، یہاں تک کہ اگر کسی پوری بستی میں صرف ایک گھر (مثلاً: اہل لوط) مومن ہوا تو اس کو بھی صاف بچا لیا گیا۔ پس بدی سے رک جاؤ اور روک دو، نیکی کرو اور کرنے کی ترغیب دو۔ اغلب ہے کہ جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ تمہارے حق میں برد و سلام ہو جائے اور اس عمل کے لیے اجر آخرت میں تو قطعاً کوئی شبہ نہیں ——— پیارے بھائیو! آج **اللہ** جل شانہٗ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ اس کے **کلام** کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کی **اطاعت** کے سوا کہیں فلاح نہیں۔ یہ **قرآن** جس کی ایک ایک بات کے مجرب ہونے پر بے شمار انبیاء و صدیقین اور شہداء و صلحاء کی تصدیقی مہریں ثبت ہو چکی ہیں۔ اس نے جس عمل کا جو پھل کہا، ہمیشہ وہی ثابت ہوا، جس گناہ کی جو سزا بتائی، کوئی اُس سے نہ بچ سکا۔

جو کچھ عرض کیا گیا ہے، انشا پردازی نہیں، مدیری مقالہ نہیں، ایک دُکھ بھری چیخ ہے، ایک مضطربانہ فریاد ہے:

فریاد ——— اور

فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے
نالہ پابندِ نَے نہیں ہے

آج ضرورت ہے حرکت و عمل کی، ارشادِ سماوی کے مطابق حرکت و عمل۔ جس کا کاغذ پر آنے سے پہلے آغاز ہو چکا ہے صوبہ بہار کے ایک گوشہ میں[1]۔ ہر جگہ اسی سادہ طریق سے اس کا آغاز ہو جانا چاہیے۔ اور جب یہ سطور آپ کے سامنے ہوں گی، ٹھیک اسی دن (مورخہ ۹ راگست ۱۹۴۲ء بروز اتوار چھ بجے سہ پہر) امرت سر اُمت مسلمہ بلڈنگس میں اس حلقہ عمل کی بنیاد رکھی جا رہی ہوگی، انشاء اللہ العزیز۔ ہر مسلم بھائی کا فرض ہے کہ "البیان" جون جولائی نمبر (صـ۵ تا صـ۱۱) کی روشنی میں اپنے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب ترمیم و تغیر کے ساتھ اپنے حلقہ اثر و تعلق میں کام کرنا شروع کر دے۔ اس سے بے نیاز ہو کر کہ دنیا کیا کہے گی، دنیا کے مالک کا بندہ بن جائے۔

اے راہبرِ قوم بلا سر پہ کھڑی ہے
اب وقت نہیں کہنے کا، کرنے کی گھڑی ہے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے "البیان" جون جولائی نمبر (نشأۃ ثانیہ) صفحہ ۵ سے صفحہ ۱۱ تک

خطرہ | البیان موجودہ کاغذی گرانی سے سخت زیر بار ہو رہا ہے۔ گذشتہ نمبر میں ہم نے اپنے دوستوں کو اس نازک حالت سے اطلاع دینا اپنا فرض سمجھا، جس پر سب سے پہلی لبیک صدر اُمت مسلمہ محترم چوہدری خیرالدین صاحب کی طرف سے فردوس گوش ہوئی۔ آپ نے گرانی فنڈ کے لیے اپنی جیب خاص سے مبلغ پچاس روپے کی رقم عنایت فرمائی، جزاہم اللہ۔ ہم البیان کو ہر حال میں زندہ رکھنے کا عزم کیے ہوئے ہیں یہاں تک کہ جو ہاتھ اس وقت ان سطور کو لکھنے کے لیے حرکت کر رہا ہے، وہ بھی اس دنیا میں نہ ہوگا لیکن البیان اس سے بہتر شان میں اپنے ناظرین کے سامنے ہوگا۔ (انشاء اللہ العزیز) ہمارے دوست تھوڑا تھوڑا ایثار کریں تو ہم جنگ کے زمانے میں جو زمانہ امن سے ہمیشہ مختصر ہوتا ہے، البیان کی موجودہ شان کو برقرار رکھ سکیں گے۔

تبلیغ تفسیر | گذشتہ نمبر میں مجلس منتظمہ کا ریزولیوشن نقل کیا گیا تھا کہ اُمت مسلمہ کا ہر رکن اور البیان کا ہر خریدار تفسیر بیان للناس منزل اول عہ روپے کی بجائے صرف عہ دے کر خرید سکتا ہے۔ بہ شرطیکہ وہ کسی غیر رکن کی تالیف و تشویق کے لیے یہ ایثار کر رہا ہو۔ اس پر مندرجہ ذیل اصحاب نے عملی اقدام کیا:

(۱) مہر بخش صاحب چغتائی میران شاہ (۹ عدد)
(۲) مستری تاج الدین صاحب امرتسر (۴ عدد)
(۳) خواجہ عبدالکریم صاحب نیانک (۱ عدد)
(۴) خلیفہ عبداللہ صاحب امرتسر (۱ عدد)
(۵) حکیم رحمت علی صاحب دھاریوال (۳ عدد)

ذوقِ قرآن

کتابِ الٰہی و صحیفۂ کائنات

(۵)

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ام اے، پی ایچ ڈی، کیمبل پور)

سیرِ نباتات وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (سورہ انعام)

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اگائے۔ سبز رنگ پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ اثمار کے وہ گچھے لگائے، جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے انگور، زیتون نیز مختلف قسم کے اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ اُنْظُرُوْۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ (پھل پر غور کرو) نیز فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ...... (ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے کچھ اسباق و معجزات موجود ہیں) اس لیے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پر کچھ غور کریں۔

زمین اور نباتات جس طرح جانور گھاس کھاتے ہیں، اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں۔ پودوں کی غذا نائیٹروجن، چونا، پوٹاش اور ہائیڈروجن وغیرہ ہے۔ یہ عناصر اوراقِ اشجار، گوبر، ہڈیوں، خون اور بالوں وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ خزاں میں پت جھڑ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے کہ یہ پتے زمین کو طاقت بخشتے ہیں۔ اس قدر وسیع زمین میں کھاد ڈالنا انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی طرح ۲۵ ہزار میل لمبی زمین کو سیراب کرنا ہماری طاقت سے باہر تھا۔ اول الذکر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے خزاں میں تقریباً تمام درختوں کے پتے کھاد بنا کر ہر طرف بکھیر دیے اور مؤخر الذکر مشکل کو یوں حل کیا کہ سورج نے شعاعوں کے ڈول سمندر میں ڈالے۔ ہوا کے سقے ان ڈولوں کو اٹھا کر چل دیے اور ہر طرف جل تھل کا عالم نظر آنے لگا۔ اگر صرف ایک ایکڑ زمین کو سقے

سیراب کرنے لگیں تو سینکڑوں سقے کتنی دن تک لگے رہیں اور اگر یہ زمین نہر یا کنوئیں سے دو چار میل دور ہو تو سیکڑوں سقے سال بھر میں بھی اس کام کو سر انجام نہ دے سکیں۔ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ ہوائیں خلیج بنگال سے کروڑوں ٹن پانی اٹھا کر پشاور کی سرزمین پر یوں برساتی ہیں کہ زمینِ مُردہ میں جوشِ نو انگڑائیاں لینے لگتا ہے اور ہر طرف لالہ زار کھل جاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ (سورہ اعراف)

اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو سمندروں کی طرف بھیجتا ہے۔ جہاں سے یہ بخارات آبی کو ہانک لاتی ہیں اور اس طرح ہم مُردہ بستیوں کو سیراب کیا کرتے ہیں۔

ہمارے دوست پودوں کی جڑوں میں خوردبینی حیوانات (بکٹیریا) کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے جن کا عمل کیمیاوی ہوتا ہے۔ یہ حیوانات زمین کی نائیٹروجن کھا کر ایک رس سا خارج کرتے ہیں جس میں نائیٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نائیٹروجن حیاتِ نباتات کا جزوِ اعظم ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نہ ہوتا تو کوئی پودا اُگ نہ سکتا۔ غور فرمائیے کہ اللہ نے ہماری تربیت کے لیے کیا حیرت انگیز انتظام کر رکھا ہے اور یہ اشرف کائنات اپنی بقا کے لیے اس ذلیل ترین مخلوق کا کس قدر محتاج ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نظر آتا تو حشرات کا لقمہ بن کر ختم ہو جاتا۔ اِن کا نظر نہ آنا اللہ کی دوسری رحمت ہے۔

بکٹیریا کی کئی قسمیں ہیں جن کے اعمال میں بھی قدرے اختلاف ہوتا ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہوتا ہے یعنی نباتات کی تخلیق و تکمیل۔ ان کو تین انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) بکٹیریا (۲) پروٹو زوآ (۳) سپنجی حیوانات۔ بلند و پست زمینوں میں بہ لحاظِ ضرورت ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے، مثلاً:

بلند زمین میں بکٹیریا کی تعداد

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۱۳۵,۰۰,۰۰۰,۰۰۰	۲۵ سیر
پروٹو زوآ	۳۱۵,۰۰,۰۰۰	۲۵۵ ″
سپنجی جانور	۲۱,۰۰۰,۰۰۰	۸۵۰ ″

پست زمین میں

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۶۷۵,۰,۰۰۰,۰۰۰	۱۲½ سیر
پروٹو زوآ	۱۵,۰۰۰,۰۰۰	۱۱۲½ ″
سپنجی جانور	۴۵,۰۰۰,۰۰۰	۴۰۰ ″

زمین ہر ایکڑ میں ان حیوانات کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ اگر ایک سو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔ انصافاً فرمایئے کہ کھیتی باڑی میں انسان کا حصہ کتنا ہے اور اللہ کا کتنا۔

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ (سورہ واقعہ)	اے کھیتی باڑی کرنے والو! کبھی اس امر پر بھی غور کیا کہ اصلی کسان کون ہے؟ تم یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو ذکیٹریا کا عمل روک کر تمہاری لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کر کے تمہارے حواس اڑا دیں۔

کھاد جہاں پودے کی غذا ہے، وہیں ان خوردبینی حیوانات کے لیے بھی مدارِ حیات ہے۔ تاکہ ہر سو ایکڑ کے یہ بارہ سو مزدور پورے انہماک و دلجمعی سے کام میں معروف رہیں۔ انسانی فضلہ و پیشاب پودوں کی بہترین غذا ہے۔ لیکن یہ چیزیں عموماً ضائع ہو جاتی ہیں، کچھ جلا دی جاتی ہیں اور کچھ نالیوں میں بہہ جاتی ہیں۔ اگر ہمیں نمک کی کوئی ایسی کان مل جائے جس میں نائیٹروجن بھی موجود ہو تو ہماری زمینیں بہت زرخیز بن جائیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ نائیٹروجن ایک وحشی عنصر ہے جو کسی دوسرے عنصر سے آمیزش پسند نہیں کرتا۔ کوئلے کے اٹھائیس من میں صرف ڈھائی سیر نائیٹروجن ہوا کرتی ہے۔

جنوبی امریکہ کے ساحل پر دریائی پرندوں کے پر کثرت سے جھڑتے ہیں اور کئی باراں کی وجہ سے وہیں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ حصۂ زمین نائیٹروجن کی بہترین کان سمجھا جاتا ہے اور یہاں سے اب تک تقریباً دس کروڑ ٹن کھاد استعمال کی جا چکی ہے۔ ہوا میں بے شمار نائیٹروجن موجود ہے۔ علماء کا اندازہ یہ ہے کہ زمین کے ہر مربع میل میں دو کروڑ ٹن نائیٹروجن ملتی ہے، لیکن اب تک ہمارا علم بہت ناقص ہے اور اس وسیع خزانے سے کھاد حاصل کرنے کے لیے ہم کسی طرح کے آلات ایجاد نہیں کر سکے۔

بجلی جب بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو اردگرد کی آکسیجن نائیٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش کے قطرے اس ذخیرے کو ہمراہ لے کر زمین پر اتر آتے ہیں۔ ۱۷۸۴ء میں ایک عالمِ فطرت مسٹر کیونڈش (Mr. Cavendish) نے ثابت کیا ہے کہ اگر ہوا اور آکسیجن کو برقایا جائے تو نائیٹروجن پیدا ہوگی جس میں کچھ مقدار کھار (الکلی) کی بھی ہوگی۔ نائیٹروجن دنیائے نباتات کی غذا ہے اور نباتات ہماری خوراک۔ بہ دیگر الفاظ سیاہ گھٹاؤں میں بجلی کا ہر تبسم انسانی دنیا کے لیے پیامِ حیات ہوتا ہے۔

آج کل بہت سی بیماریوں کا علاج بجلی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ لاہور اور دیگر مقامات پر بجلی کے بہت سے

ہسپتال موجود ہیں۔ انسانی بدن کی طرح زمین بھی کئی امراض کا شکار بن جایا کرتی ہے۔ آسمانی بجلی زمین کے ان تمام دکھوں کا واحد علاج ہے۔ جب بجلی کی لہریں ہوا سے گزر کر زمین کو چھوتی ہیں تو مُردہ زمین کی نس نس میں عناصرِ حیات بیدار ہو جاتے ہیں اور نئی دلہن کی طرح یہ حمل و تولید کے لیے پھر تیار ہو جاتی ہے۔ انصافاً کہو کھیتی باڑی کون کرتا ہے؟ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (تم یا ہم؟)

دہلی، کلکتہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں بجلی کے زور سے گاڑیاں (ٹریم وے) چلائی جاتی ہیں۔ آسمانی بجلی سے بھی اس قسم کا کام لیا جاتا ہے۔ ہوا بادلوں کا انجن ہے لیکن جب فضا میں کمل سکون ہو اور ہوا تھمی ہوئی ہو تو بادلوں کو کھینچنے کا کام بجلی سے لیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ، بجلی بھی کتنی بڑی الٰہی رحمت ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ اسے قہرِ الٰہی کہا کرتے تھے اور قدیم آریے اسے ایک ہولناک دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ انہیں کیا معلوم کہ اللہ کی ہر مخلوق رحمت، ہر فعل رحمت اور وہ خود بھی سراپا رحمت ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ (سورہ روم)	بجلی کی چمک (جس سے تم میں بیم و رجا کی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے) اللہ کے معجزات تخلیق میں سے ہے۔ رب کائنات آسمانوں سے بارش بھیجا کر (اور نائٹروجن کو زمین پر ڈال کر) مُردہ زمین کو حیات نو عطا کیا کرتا ہے۔ اربابِ عقل کے لیے ابر و برق میں اسباق (قوت و ہیبت) موجود ہیں۔

نائٹروجن بارود سازی کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہر سال ایک ارب ٹن نائٹروجن صرف ہوتی ہے۔ گذشتہ جنگِ عظیم کے آغاز میں جب جرمنوں نے چائل[1] (Chile) کی نائٹروجنی کانوں پر قبضہ کر لیا تھا تو اتحادیوں کو چند ماہ تک سخت پریشانی رہی۔

جرمنی کے ایک عالم فطرت ہیبر (Haber) نے کیمیاوی عمل سے نائٹروجن کی کثیر مقدار پیدا کی جس سے گیسوں کی جنگ آسان ہو گئی۔ اسی عالم نے ۱۹۲۳ء میں نائٹروجن و ہائیڈروجن تیار کرنے کے لیے ایک اتنا بڑا کارخانہ لیوناورک (Leuna werk) میں جاری کیا جس کی تعمیر پہ پچاس لاکھ پونڈ صرف ہوئے، اس میں گیارہ ہزار مزدور، دو ہزار پانچ سو صنّاع اور ایک سو پچاس علمائے کیمیا کام کرتے تھے اور ہر روز نو ہزار ٹن کوئلہ جلا کرتا تھا۔

---

[1] چائل جنوبی امریکہ میں واقع ہے۔ یہاں کی نائٹروجنی کانیں دنیا میں بہت مشہور ہیں۔

زمین کی بالائی سطح | زمین کی بالائی سطح پہاڑوں کے ٹوٹنے سے تیار ہوتی ہے۔ اس شکست و ریخت کے لیے چار عامل ہمیشہ مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ دریا، بارش، سورج اور پودے۔ پودوں کی جڑیں سخت سے سخت چٹانوں کو چیر کر رکھ دیتی ہیں۔ برفانی تودے اور آتش فشاں پہاڑ بھی اس کام میں مدد کرتے ہیں۔ ایک اچھی زمین کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چکنی مٹی، ریت، چونا اور کھاد۔ ان میں سے کوئی چیز انفراداً مفید نہیں لیکن یہ سب مل کر اکسیر ثابت ہوتی ہیں۔ چونے کے بغیر زمین "دِق" میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ نیز چونا تیزابی مادے کی شدت کو رفع کرکے زمین کو میٹھا بنا دیتا ہے۔ اگر چونا ضرورت سے زیادہ ڈال دیا جائے تو اس سے فولاد ختم ہو جاتا ہے اور زمین بے جان ہو جاتی ہے۔ چکنی مٹی بھاری اور ٹھنڈی۔ ریت بھوکی اور خشک ہوتی ہے۔ ان کے امتزاج سے نہایت قابل زمین تیار ہوتی ہے۔ چکنی مٹی نمی کو دیر تک روکے رکھتی ہے۔ ریت زمین کے بھاری پن کو دُور کرکے اس قابل بنا دیتی ہے کہ اندرونِ زمین کی گیسیں پودوں کی جڑوں تک بآسانی پہنچ سکیں۔ اگر زمین چکنی اور سخت ہوتی تو نہ یہ گیسیں باہر نکل سکتیں اور نہ گندم و جَو کے نرم و نازک پودے یوں آسانی سے سر اُٹھا سکتے۔

حیرت انگیز نظام | زمین کو چونے کے علاوہ سلفورک ایسڈ، فاسفورک ایسڈ، نائیٹرک ایسڈ اور پوٹاش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں عموماً پہاڑوں میں ملتی ہیں۔ اگر ہم خود ان چیزوں کی تلاش میں نکلتے اور کدال لے کر فرہاد کی طرح ہر پہاڑ کھودتے پھرتے تو صدیاں صرف ہو جاتیں اور پھر بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلتا۔ ہمارے رحمٰن و رحیم پروردگار نے اس مشکل کو یوں حل کیا کہ پہاڑوں پر برف جمع کر دی جو پگھل کر پہاڑی شگافوں میں چلی گئی اور جب یہ پانی چشمہ بن کر کہیں سے نکلا تو پوٹاش اور سلفر وغیرہ کی ایک دنیا ہمراہ لے آیا۔ یہ چشمے دریا بنے اور دریا نہروں میں بٹ کر ہمارے کھیتوں میں پہنچے اور اس طرح ہماری ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ۔ (سورہ زمر)	کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے فضائی بلندیوں سے پانی اتارا جو زمین کی درزوں میں داخل ہو کر پھر چشموں کی صورت میں باہر نکلا اور ان چشموں (جن میں مختلف عناصر شامل تھے) سے رنگ برنگ کھیتیاں نمودار ہوئیں۔

نر و مادہ | عموماً ایک پھول کے دو حصے ہوتے ہیں۔ نر و مادہ۔ جب تک مادہ نر سے حاملہ نہ ہو، وہ پھل یا بیج کی صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ پھول کے نر حصے میں ایک غبار سا ہوتا ہے، جسے اُردو میں مادۂ منویہ اور انگریزی میں پولن

(Pollon) کہتے ہیں اور حصّہ مؤنث پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں، جب مادۂ منویہ کا کوئی ذرّہ ان بالوں پر لگتا ہے تو یہ پھانس لیتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں مثلاً ہیزل (Hazel) کے ساتھ نر و مادہ پھول علیحدہ علیحدہ لیکن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ نر نیچے کو جھکا ہوا ہوتا ہے اور مؤنث پھول اوپر کو اُٹھا ہوا۔ مقصد یہ کہ اگر نر کا موادِ منویہ گرے تو مادہ محروم نہ رہے۔

بعض ایسے پودے بھی ملتے ہیں جن کے نر و مادہ الگ الگ ہوتے ہیں۔ نر کا غبار مادہ تک پہنچانے کا کام شہد کی مکھیاں، بھونرے اور تتلیاں سرانجام دیتی ہیں۔ اِن پودوں کے ساتھ نہایت حسین پھول لگتے ہیں جن کی خوشبو اور رنگت اِن بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جب یہ نر پر بیٹھتی ہیں تو ان کی ٹانگوں اور پروں کے ساتھ غبارِ منویہ چمٹ جاتا ہے اور پھر جب مادہ پھول پر بیٹھتی ہیں تو اس غبار کا کچھ حصّہ وہیں رہ جاتا ہے۔ اس طرح یہ پھول حاملہ ہو جاتے ہیں۔

بعض اشجار مثلاً چیل وغیرہ کے پھول نہ تو خوشبودار ہوتے ہیں اور نہ خوبصورت۔ اس لیے وہ تیتریوں اور مکھیوں کو نہیں کھینچ سکتے۔ اس لیے یہاں ہوا سے کام لیا جاتا ہے۔ ہوا نر درخت کا غبار اُڑا کر مادہ تک پہنچا دیتی ہے۔ چوں کہ ہواؤں کا رُخ بدلتا رہتا ہے اور اس غبار کی ایک کثیر مقدار ضائع ہو جاتی ہے اس لیے یہاں ہوا سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے ایسے درختوں پر غبارِ منویہ بہت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ضائع ہونے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہے۔

چیل، دیودار اور دیگر پہاڑی اشجار ہماری معاشرت کا جزوِ اعظم ہیں۔ اگر پہاڑوں پر ہوائیں نہ چلتیں تو مادہ پھول حاملہ نہ ہو سکتے، نتیجہ یہ کہ بیج تیار نہ ہوتے اور یہ ہرے بھرے پہاڑ جو آج جنت نظیر بنے ہوئے ہیں، پہاڑ کھا کو دوڑتے۔ غور فرمائیے کہ ہوا کا وسیع و عریض کرّہ انسانی خدمت میں کس انہماک سے مصروف ہے۔ شاعر نے اس سے قاصد کا کام لیا ہے۔ دہقاں نے سقّے کا اور اشجار نے دایہ کا۔ سچ ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ[1] | ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو غبارِ منویہ سے لدی ہوئی تھیں۔

---

[1] لَوَاقِح کا مادہ لقح ہے جس کے معنی ہیں (۱) لَقِحَ لَقْحًا وَاَلْقَحَ۔ حاملہ بنانا۔ ٹیکہ کرنا (۲) اَلْقَحَ۔ درختوں کو حاملہ بنانا۔ بادلوں کو پھیلانا۔ (۳) لَقْحٌ وَلَقَاح۔ کھجور کے نر درختوں کا غبارِ منویہ۔ الفرائد الدریہ ص۹۶۳ پر مذکور ہے
لَقْحٌ وَلَقَاح (Pollon of male palm-trees) (کھجوروں کے نر درختوں کا غبارِ منویہ)
لواقح کا دوسرا مفہوم (بخاراتِ آبی سے لدا ہوا ہونا) صاف ہے۔

مغرب کے علمائے نباتات نے صدیوں کی تلاش وجستجو کے بعد نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ قائم کیا اور ہمارے اَن پڑھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ۱۳۶۱ سال پہلے بہ بانگِ دہل اعلان کیا تھا:

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ - (سورہ شعرا)	کیا یہ لوگ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کتنے حسین نر و مادہ پھول اور پودے اُگا رکھے ہیں۔

قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسول عربی فداہ ابی و امی نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اُٹھایا جسے آج جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

کچھ عرصے کا ذکر ہے کہ میں نے اپنے ایک ہندو پروفیسر دوست (جس کی ساری زندگی نباتات کی چھان بین میں بسر ہوئی) سے ذکر کیا کہ پودوں میں نر و مادہ کا نظریہ قرآن میں موجود ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن ایک پرانی کتاب ہے اور یہ نظریہ بالکل تازہ ہے۔ جب میں نے پکتھال کے انگریزی ترجمے سے آیت بالا کا ترجمہ نکال کر اسے دکھایا۔ تو وہ کہنے لگا۔ اگر مجھے اطمینان ہو گیا کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں، وہ درست ہے اور پکتھال کا ترجمہ بھی درست ہے تو میں قرآن حکیم کی صداقت کا علی رؤس الاشہاد اعلان کر دوں گا، اور رسول عربی صلعم کی ثنا و تمجید سے مجھے کوئی خیال نہیں روک سکے گا۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ (سورہ حج)	تم دیکھتے ہو کہ پہلے زمین پیاسی ہوتی ہے۔ پھر جب ہم بارش برساتے ہیں تو وہ خوش ہوتی ہے، اس کے قوائے نمو بیدار ہوتے ہیں اور وہ اشجار و ازہار کے حسین زوج (نر و مادہ) اُگانے لگ پڑتی ہے۔

درخت | درخت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور زندگی میں ہمارے شریک ہیں۔ یہ ہماری طرح کھاتے، سانس لیتے، بڑھتے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔ ان کی مشینری انسانی بدن کی مشین سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ ہماری طرح یہ بھی کشمکش حیات میں اُلجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف حیرت انگیز نظام سے جنگ کرتے ہیں۔ بڑے درخت کے سائے میں چھوٹا پودا نہیں بڑھ سکتا۔ دو درخت قریب قریب لگا دو تو وہ ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر کمزور و نحیف ہو جائیں گے۔ یہ حقائق صاف صاف اعلان ہیں اس امر کا کہ دنیا میں حقِ بقا صرف طاقتور[1]

---

[1] طاقت ور سے مراد ڈنڈے مار نہیں بلکہ ایک ایسی قوم ہے جو اسلحۂ قوت (دولت، علم، اخلاق فاضلہ، عدل و احسان متاع ارضی وغیرہ) سے مسلح ہو۔ خالی درود خوان اور خیرات خور نہ ہو (برقؔ)

کو حاصل ہے اور کم زور (کاہل، بداخلاق، رسوم و عبادات ہی کو اسلام سمجھنے والے، رشتۂ تسبیح کو طاقِ عرش کی کمند خیال کرنے والے، منافق، جھوٹے، حلال و حرام میں تمیز نہ کرنے والے، بدعہد، بدقول، محض دعاؤں سے سیاسی ومعاشری انقلاب چاہنے والے، مکّار، عیّار وغیرہ وغیرہ) کو یقیناً میٹ دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ	قوانین موت وحیات کی تفصیل کے بعد ہم نے زبور میں یہ اعلان کر دیا کہ زمین کی وارث صرف وہی اقوام ہوں گی جن میں زندگی کی صلاحیت ہوگی

تنوعِ اشجار | جس طرح انسانوں میں بعض بہادر، بعض بزدل، بعض چست اور بعض سست ہوتے ہیں، اسی طرح کا تنوع نباتات میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنبیلی حسین ونازک ہے، آک بھدّا ہے، سرو سڈول ہے، پھلاہی بے ڈول ہے۔ لالہ، نرگس آپ کی خواہش کے مطیع ہیں۔ کھبّل[1] اور گوکھرو ضدی ہیں کہ جتنا اکھیڑو، اتنا ہی پھیلتے ہیں۔ ایک پودا اتنا حساس ہوتا ہے کہ موجِ نفس سے مرجھا جاتا ہے۔

اہمیت نباتات | دنیا کا تمام تر حُسن نباتات سے ہے۔ یہ سیرگاہیں، یہ چراگاہیں، یہ گلگشتیں، یہ روشیں اور یہ چمن سونے پڑ جاتے، اگر نباتات کا حُسن دنیا کو اپنی طرف نہ کھینچتا، نباتات ہی کے دم سے انسانی وحیوانی زندگی کی بہار قائم ہے۔ گندم، جَو، چاول، پھل، کوکو، کافی، بیئر، شربت اور شراب نباتات سے حاصل ہوتا ہے۔ دودھ، شکر، گھی اور شہد نباتات کی بدولت ہیں۔ تمہارے کپڑے نباتات کا کرشمہ ہیں۔ ربڑ (جو ہماری معاشرت کا ضروری جزو بن چکا ہے) درختوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پٹرول کوئلے کا پسینہ ہے اور کوئلہ مدفون[2] جنگلوں کا دوسرا نام۔ کوئلہ ایک زہر ہے۔ اگر کسی کمرے میں صرف پاؤ بھر کوئلہ جلا کر دروازے بند کر دیے جائیں تو نصف گھنٹے میں اندر کے تمام آدمی دوسری دنیا کو سدھار جائیں گے۔ غور فرمائیے کہ اس سیاہ رنگ موت (کوئلہ) کے استعمال سے قومیں آج کس قدر طاقت ور بنی ہوئی ہیں، ان کی سطوت و ہیبت کی دھاک بندھی ہوئی ہے اور دوسری طرف وہ قومیں کس قدر ذلیل و ضعیف ہیں جو کوئلے کے استعمال سے ناواقف ہیں۔ ایران پر مسلمان ۱۴۰۰ سال سے حکومت کر رہے تھے۔ لیکن اس عرصے میں کسی عقل مند کے دماغ میں یہ بات نہ آئی کہ کوئلے کو استعمال کرکے ایک محکم و پائندہ تر حیات کا انتظام کیا جائے۔ اس غفلت وسہل انگاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ گذشتہ سال (۱۹۴۱ء) اتحادی

---

[1] گھاس کی ایک قسم

[2] بہت قدیم زمانے میں کسی زلزلے وغیرہ کی وجہ سے جنگل زمین کے نیچے دب گئے تھے، لاکھوں سال کے بعد آج یہ درخت کوئلے کی صورت میں نکالے جا رہے ہیں (برق)

افواج نے صرف ایک ٹھوکر رسید کی اور اُن جاں نثارانِ حسینؓ (جو اپنی نجات دینی و اُخروی کے لیے محرم میں چند آنسو ٹپکانا کافی سمجھتے تھے اور جن کی نعش کو شیاں رسوائے زمانہ ہو چکی تھیں) کی کوئی ہڈی پسلی باقی نہ رہی۔

کوئلہ صورت کے لحاظ سے نہایت مکروہ اور اثر کے لحاظ سے موت ہے لیکن اس کے استعمال سے مردہ اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ سچ ہے:

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۔ (سورہ یونس)	موت سے زندگی، اور زندگی سے موت پیدا کرنا اللہ کے لیے از بس آسان ہے۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نباتات ہمارے لیے نہ صرف مدارِ حیات ہیں بلکہ وہ ہماری معاشرت اور تمدن تک کا جزو بن چکے ہیں۔ محض مواقع پر پودے یوں بھیس بدل کر سامنے آتے ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے۔ غسل خانے میں تم بدن کو صابن سے صاف کر رہے ہو۔ جانتے ہو یہ صابن کہاں سے آیا۔ نباتی تیلوں سے تیار ہوا۔ بہ دیگر الفاظ تم صابن استعمال نہیں کر رہے، بلکہ جسم پر ایک درخت رگڑ رہے ہو۔ ہماری یہ سلک کی قمیص، یہ ململ کی پگڑی اور یہ لٹھے کا پاجامہ دراصل چھوٹا سا جنگل ہے۔ یہ الماری میں سجی ہوئی کتابیں ایک بیشہ ہیں، یہ اخبارات، رسائل، لفافے، ٹکٹ، اشتہارات وغیرہ دراصل درخت ہیں، جنہیں مزدور کاٹ کر کارخانوں میں کاغذ بنانے کے لیے لے گئے تھے۔ امریکہ میں روزانہ اخبارات[1] کی تعداد اشاعت ۱۱۲،۰۰۰،۰۰۰ ہے۔ جانتے ہو، اس قدر کاغذ پر کس قدر درخت صرف ہوتے ہوں گے، پندرہ ایکڑ جنگل۔ جب تم کوئی اخبار خریدو تو واقعاتِ عالم کو پڑھنے کے علاوہ اُس چھوٹے سے درخت کی خاموش کہانی بھی سن لیا کرو جو کاغذ کے پردے میں اپنی داستان سنا رہا ہوتا ہے۔ اس قلبِ ماہیت پر ایک شعر یاد آگیا۔ شاعر کسی انگورستان سے گزرتا ہے، بیلوں کے ساتھ عنابی گچھے لگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف ایک درخت کے نیچے شراب کا ایک مٹکا پڑا ہوا ہے۔ شاعر کا تخیل ماضی کی سہانی فضاؤں کو چیرتا ہوا فرہاد و شیریں کے عہد تک جا پہنچتا ہے۔ یہ پرستارانِ محبت جب مر جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کے اجسام خاک بن جاتے ہیں، یہ خاک کہیں کھاد بن کر شاخِ انگور کی غذا بنتی ہے اور کہیں اس سے اینٹیں اور مٹکے بنائے جاتے ہیں ؎

خونِ دلِ شیریں است ایں مے کہ ز رز نوشی
خاکِ تنِ فرہاد است، ایں خُم کہ نہد دہقاں

حکایت | ۱۹۱۰ء کا واقعہ ہے کہ مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ شاہی مسجد کی طرف جا رہا تھا کہ راہ میں ایک

---

[1] امریکہ کا صرف ایک ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" چالیس لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ (م، ن)

برہنہ مجذوب پر نظر پڑی جو تمام راہگیروں کو چلا چلا کر بلا رہا تھا کہ آؤ تمہیں ایک کام کی بات بتاؤں۔ جب ہم پچاس ساٹھ آدمی جمع ہو گئے تو ایک عظیم الشان عمارت کی طرف اشارہ کرکے پوچھنے لگا "جانتے ہو کہ یہ محل وما صل کیا ہے" اس کے بعد یہ شعر پڑھا اور چلا گیا ؎

ہر آں پارہ خشتے کہ در منظرے است
سر کیقبادے و اسکندرے است

اس مضمون کو غالب نے یوں ادا کیا:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

حضرت بایزید بسطامی کی طرف یہ رباعی منسوب کی جاتی ہے:

ہر ذرہ کہ بر روئے زمینے بو داست　　خورشید رخے زہرہ جبینے بوداست
گرد از رخ نازنین یارم مفشاں　　کاں ہم رخ خوب نازنینے بوداست

انکیانو[1] کے دربار میں شیخ سعدی نے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کے دو شعر ملاحظہ طلب ہیں:

گِلِ فرزندِ آدم خشت گردید　　نمی جنبد دلِ فرزند آدم!
بسا خاکا بزیر پائے ناداں　　کہ گر بازش کنی دست است و معصم

الغرض سمندر کے ابتدائی صدفی جانور آج چونا بن کر نکلے، درخت کوئلہ بن گئے، انسان کی مٹی اینٹ اور پھول بن رہی ہے۔ خدا جانے یہ دنیا کہاں سے کہاں جا رہی ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ (واقعہ)	ہم نے موت کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور ہمیں کوئی نہیں روک سکتا اگر ہم تمہاری ہئیتیں بدل ڈالیں اور تمہیں کسی نامعلوم صورت میں پھر پیدا کریں۔

(۲) بابہ حباب اندر | ہندوستان میں بہت سی ایسی بوٹیاں موجود ہیں جن کے بیج خشخاش سے بیس گنا چھوٹے ہوتے ہیں۔ قدرت نے ان باریک انڈوں میں مندرجہ ذیل اشیاء چھپا رکھی ہیں (۱) دو جڑے ہوئے

---

[1] زوال آتابکہ کے بعد اباقا خان (ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا) نے انکیانو کو صوبہ فارس کا گورنر مقرر کیا تھا (برقی)۔

پتے (۲) ایک ڈوڈی جو جڑھ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے (۳) ایک گروسی، جو ڈنڈی بنتی ہے اور (۴) جڑھ پکڑنے سے پہلے چند ایام کی غذا۔

غور فرمائیے کہ یہ ننھا سا بیج کس قدر پیچیدہ مشین ہے اور کمال تخلیق ملاحظہ ہو کہ ایک باریک سا انڈا پورا درخت دامن میں لیے وبکا بیٹھا ہے۔ اگر اتنا باریک ذرّہ پورا درخت بننے کی استعداد رکھتا ہے تو اندازہ لگائیے کہ اگر انسان کچھ بننے پہ تُل جائے تو وہ کیا کچھ نہیں بن سکتا ؎

تو ہی ناداں ! چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

میزانِ عدل | سردی میں جنگل سے لکڑہارے کے کلہاڑے کی صدا سنائی دیتی ہے، کتنی بے رحمی سے درختوں کو کاٹتا ہے۔ اگلے سال بہار میں جا کر دیکھو تو وہی مقام پھول دار پودوں سے پٹا پڑا ہوگا، یہ کیوں؟ اس لیے کہ ہوائیں اور پرندے اِدھر اُدھر سے بیج لے آیا کرتے تھے۔ لیکن پہلے روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے اُگ نہ سکتے تھے۔ اب جوں ہی کہ میدان صاف ہوا، یہ جگہ سبزہ زار بن گئی۔ فطرت کا دستور ہے کہ وہ ایک چیز لے کر دوسری عطا کر دیتی ہے۔ اندھا آنکھیں کھو کر زبردست قوتِ سمع سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ مرغابیوں کی دُم چھوٹی لیکن گردن لمبی ہوتی ہے۔ جاہل کا دماغ غیر تربیت یافتہ، لیکن جسمانی طاقت میں بڑھا ہوا ہوتا ہے عالم کا دماغ اعلیٰ لیکن جسم نحیف و ضعیف ہوتا ہے۔ دولت والے علم سے اور علم والے دولت سے عموماً محروم رہتے ہیں۔ اگر شہر میں کوئی عمارت برباد ہو جائے تو قدرت اُسے گھاس سے آباد کر دیتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قوم (آج کے مسلمانوں کی طرح) سہل انگاری و تغافل شعاری کی وجہ سے صلاحیت حیات کھو بیٹھے تو قدرت اُسے میٹ کر کسی اور قوم کو وارثِ زمین بنا دیتی ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (سورہ محمد)	اگر تم نے آئینِ حیات سے منہ پھیر لیا تو یہ زمین کسی اور قوم کے قبضے میں دے دی جائے گی۔

حیف، کہ مسلمان نے اس تنبیہ پر غور نہ کیا، محض اوراد و وظائف کو مقصدِ حیات سمجھ بیٹھا اور ضوابطِ عروج و ارتقاء (قرآن) سے غافل ہو گیا۔ نتیجہ یہ کہ قدرت نے اس کی بستیاں اُجاڑ دیں، شہر بَن ہو گئے اور بَن گورستان۔ آہ، یہ غلط فہمی کا پیکر اپنے آپ کو بدستور اللہ کا لاڈلا سمجھتا ہے۔ اے میرے پیارے بھائی! ہوش کے ناخن لے، غلط بینی کی دوا ڈھونڈ، اُٹھ، جاگ، اور:

کبھی دریا سے مثلِ موج اُبھر کر   کبھی دریا کے سینے میں اُتر کر!
کبھی دریا کے ساحل سے گذر کر   مقام اپنی خودی کا فاش تر کر   (اقبالؔ)

نظامِ روئیدگی | بہ لحاظ روئیدگی پودوں کی دو قسمیں ہیں۔ اول، جن کے بیج سے دو پتے نکلتے ہیں۔ مثلاً درخت۔ دوم، جن سے صرف ایک پتہ نکلتا ہے۔ یہ ابتدائی دو پتے پودے کی غذا کا خزانہ ہوتے ہیں اور ماں کے دو پستانوں کا کام دیتے ہیں۔ جب پودا جڑھ پکڑ جائے تو یہ پتے سُوکھ جاتے ہیں۔

نباتات کی ترکیب خلیوں (Cells) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیے کی بیرونی دیوار آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربن کے مرکب سے تیار ہوتی ہے۔ جڑھ کے آخری کنارے پر سخت خلیے کی ایک ٹوپی چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جو سخت چٹانوں تک کو چیر کر نکل جاتی ہے۔ جب یہ ٹوپی گھس جاتی ہے تو نئی بدل دی جاتی ہے۔

ہر پودے میں ایک رنگ دِہ مادہ ہوتا ہے، جسے انگریزی میں کلوروفل (Chlorophyll) کہتے ہیں۔ یہ سورج کی روشنی سے تیار ہوتا ہے اور اس کی بدولت پودوں کو سبز رنگ ملتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ فضا سے کاربن لے کر اسے شکر و نشاستہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

شانِ ربوبیت | پودے کو نشوونما کے لیے نمی، ہوا، گرمی اور چند عناصر مثلاً فاسفورس، پوٹاش اور نائٹروجن وغیرہ درکار ہیں۔ یہ عناصر پانی میں حل شدہ ہوتے ہیں جنھیں پودا جڑوں سے جذب کرتا ہے۔ چوں کہ پانی میں اِن عناصر کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ اس لیے پودوں کو زیادہ مقدار آب کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض پہاڑی و جنگلی پودے ان عناصر کی بہت کم مقدار پر گذارہ کر سکتے ہیں، اس لیے وہ بہت پانی نہیں مانگتے۔ اول الذکر پودے پانی جذب کر کے اِن عناصر کو جزوِ حیات بنا لیتے ہیں اور فالتو پانی کو بذریعہ تبخیر باہر نکال دیتے ہیں۔ ایک ایکڑ زمین میں پھولوں کے پودے ایک سال میں دو ہزار ٹن پانی تبخیر سے خارج کرتے ہیں۔

ہم ریلوے اسٹیشنوں اور بڑے بڑے شہروں میں دیکھتے ہیں کہ کنوئیں کا پانی انجن کے ذریعے کئی سو فٹ کی بلندی پر ٹینکوں میں پہنچایا جاتا ہے اور دوسری طرف پودوں کی جڑیں زمین کی گہرائیوں سے پانی نکال کر درخت کی آخری بلندی تک پہنچا رہی ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کششِ ارضی کے خلاف یہ عمل کیسے ہو رہا ہے؟ تو گذارش ہے کہ یہاں "سطحی دباؤ" (Surface Tension) کا قانون کام کر رہا ہے۔ اگر ہم شیشے کی ایک باریک نالی کو پانی میں ڈال دیں تو سطحی دباؤ سے پانی اس نالی میں کافی اوپر تک چڑھ جائے گا۔ درختوں کی جڑیں باریک کھوکھلی نالیاں ہیں، جو پانی کو کھینچ کر درخت کی چوٹی تک پہنچا رہی ہیں۔ غور فرمایئے کہ اللہ سبحانہٗ نے

نباتات کو زندہ رکھنے کے لیے کیا احسن، اکمل و انسب انتظام کر رکھا ہے۔ اگر آج اللہ صرف سطحی دباؤ کے قانون کو معطل کر دے تو تمام نباتات سُوکھ جائیں اور زندگی کا کہیں نشان تک باقی نہ رہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۔	یہ ہے تمہارا پروردگار، جس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ یہ تخلیق و تکوین کے معجزات اُسی کی کارستانیاں ہیں اور صرف وہی قابلِ عبادت ہے۔ سو اُسی کی غلامی کرو۔

اوراقِ اشجار درختوں کے ساتھ پتے محض زیبائش کے لیے نہیں۔ بلکہ اِن کا عمل کچھ اَور بھی ہے، ہر پتے میں چھوٹے چھوٹے مسام ہوتے ہیں جن کے ذریعے پودا سانس لیتا ہے۔ حیوانات کی پیدا کی ہوئی زہر (کاربن)، کو آکسیجن کے ساتھ اندر لے جاتا ہے۔ کاربن کو جزوِ حیات بنا لیتا ہے اور آکسیجن کو باہر نکال دیتا ہے۔ یہ مسام رات کو بند ہو جاتے ہیں۔ گویا رات کو پودے بھی سو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی درخت سورج کی روشنی سے دیر تک محروم رہے تو تنفس گھٹ جانے کی وجہ سے وہ مر جاتا ہے۔ بعض پودے سردیوں میں کُملا جاتے ہیں، اس لیے کہ سرما کی طویل راتوں میں اُن کا دم دیر تک گھٹا رہتا ہے۔ بعض پودوں (قطب شمالی و جنوبی کے نزدیک) کی مشینری قدرے مختلف ہوتی ہے اور ان پر لمبی راتوں کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

نباتات کاربن کو شکر و نشاستہ میں تبدیل کر کے سردیوں کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں اور کچھ بیج بنانے کے لیے بچا رکھتے ہیں، چوں کہ نشاستہ پانی میں پوری طرح حل ہو کر درخت کے مختلف حصوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے پودے اس نشاستے کو شکر میں تبدیل کرتے ہیں اور پھر اس شکر کو پانی میں ملا کر اِدھر اُدھر بھیج دیتے ہیں۔ منزلِ مقصود پر پہنچ کر یہ شکر پھر نشاستے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں کے پتے رات کو سمٹ جاتے ہیں تاکہ آفتاب سے حاصل کردہ حرارت کو رات کی ٹھنڈی ہواؤں سے بچایا جائے۔ ایک برہنہ فقیر سردی کی رات میں سکڑ کر بیٹھتا یا لیٹتا ہے تاکہ جسمانی حرارت ضائع نہ ہو۔

پتوں کی مختلف شکلیں بہ لحاظِ ضرورت ہیں۔ کسی درخت کو حرارتِ آفتاب کی زیادہ ضرورت تھی تو اُسے پتلے پتلے دیئے گئے تاکہ زیادہ حرارت جذب کر سکیں اور بعض کو زیادہ روشنی کی ضرورت نہ تھی تو انہیں موٹے و بھدے پتے دیے گئے۔ بعض پتوں پر کانٹے ہوتے ہیں اور بعض زہر سا نکالتے ہیں۔ یہ غالباً ان مفید پودوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ہے۔ ہماری چائے بھی ایک پودے کے پتوں کا نام ہے[1]۔ تمباکو کا پتا مختلف عناصر و معادن زمین

---

[1] ہندوستان نے چائے نوشی کا سبق چین سے لیا پہلے ہم چین سے چائے منگواتے تھے۔ گذشتہ اسّی سال سے آسام میں بھی اس کی کاشت ہو رہی ہے۔ آج کل صرف آسام سے ہر سال دو لاکھ ٹن چائے انگلستان کو بھیجی جاتی ہے اور چین سے صرف اڑھائی ہزار ٹن منگوائی جاتی ہے۔ (برق)

ہوا سے جذب کرتا ہے۔ اسی لیے اسے ایک خاص شکل دی گئی۔ بعض علمائے نباتات کے ہاں اثمار کا تنوّع، تنوّعِ اوراق کا نتیجہ ہے۔

الغرض ہر پتہ ایک حیرت انگیز مشین ہے۔ قدرت کے یہ ارب در ارب کارخانے نہایت خوشی سے چل رہے ہیں اور ہماری غذا تیار کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ انسان کس قدر ناشکرا ہے کہ تمام کائنات کی خدمات سے فائدے اُٹھاتے ہوئے بھی اپنے فرائض کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ساڑھے نو کروڑ میل کی مسافت سے سورج کی کرنیں آتی ہیں جو بخاراتِ آبی کو ہوا کے کندھوں پر لادتی ہیں۔ بجلیاں چمک چمک کر زمین کی نس نس میں خونِ حیات دوڑاتی ہیں۔ بوندیں فضائی نائیٹروجن کا بیش بہا ذخیرہ کھیتیوں میں پہنچاتی ہیں۔ چشمے اندرونِ جبال سے معادن کی ایک دنیا ہمراہ لیے ہماری زمینوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ جڑیں ذخائرِ ارضی کو جذب کر کے جزوِ نباتات بناتی ہیں اور تب کہیں جا کر ہمیں غذا میسر ہوتی ہے۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۔ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۔ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَ	ذرا اپنی غذا پر تو غور کرو، ہم نے پہلے بارش برسائی، پھر زمین کا پیٹ چیرا۔ اور اس سے غلے، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغات، پھل اور چارہ پیدا کیا اور یہ سب اشیاء تمہارے لیے اور تمہارے حیوانات کیلئے متاعِ حیات ہیں۔

نَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۔ (سورہ عبس)

مُہیب نگرانی

پودوں کے اجزائے تکوینی نباتیے کہلاتے ہیں۔ یہ نباتیہ کہیں پتے بن رہا ہے اور کہیں ٹہنیاں، کہیں رنگ اور کہیں خوشبو، کہیں پھول اور کہیں پھل۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ چند نباتیے سازش کر کے پھول کی جگہ پھل تیار کر دیں اور کیلے کے درخت کے ساتھ کہیں آم اور کہیں سیب لگتے پھریں۔

اوراقِ گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ہر بیج میں دو گرہیں سی پیوست ہوتی ہیں، جن میں سے ایک ڈنڈی بن کر باہر نکلتی ہے اور دوسری جڑھ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے۔ آپ بیج کو کسی شکل میں دبائیں۔ جڑھ والی گرہ اوپر اور دوسری نیچے کر دیں لیکن نتیجہ وہی ہوگا کہ شاخ اوپر کو جائے گی اور جڑھ نیچے کو، یہ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ کی جہاں بیں نگاہ سے کوئی چیز، خواہ وہ ہمالہ کی عمیق و عریض وادیوں میں ہو، یا افلاک کی وسعتوں میں غائب نہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ	اللہ کا تختِ سلطنت ارض و سما کو محیط ہے (کائنات کی ہر شے اُس کی مہیب نگرانی میں ہے) اور وہ اس نگرانی سے گھبراتا نہیں (اس لیے کہ اگر وہ نگرانی کو ڈھیلا کر دے تو ہر جگہ بدنظمی پیدا

حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ○ (سورہ بقرہ)	جاتے۔ بدنظمی وہیں پھیلتی ہے، جہاں قابلیت انتظام مفقود ہو۔ یہ فقدان قابلیت بڑائی کی علامت نہیں نالائقی کی نشانی ہے۔ اللہ کی سلطنت میں بدنظمی کیوں کر پھیل سکتی ہے؟ کہ وہ ہر لحاظ سے بلند اور ارفع ہے اور اس کی ذات الزام بدنظمی سے بہت بالا ہے۔

جذبۂ افزائش نسل جب کوئی پودا قد وقامت میں مکمل ہوچکتا ہے تو اس میں ایک حسین سا تغیر آجاتا ہے کہ وہ نباتیے جو ایک شاخ و برگ بن رہے تھے۔ غنچوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ غنچے پھول بن جاتے ہیں اور پھول بیج یعنی انڈے۔ افزائش نسل کا جذبہ حیوانات و نباتات ہر دو میں نہایت شدّومد کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

بیج نباتات کے انڈے ہیں اس لیے حفاظت کی خاطر انہیں غلافوں، حجابوں اور سخت کیسوں میں چھپاکر رکھا جاتا ہے۔ ان میں سے جو بیج انسانی غذا تھے، مثلاً مٹر، لوبیا، بادام، اخروٹ، چلغوزہ وغیرہ تو ان کی بہت زیادہ حفاظت نہ کی گئی، بلکہ انہیں معمولی چھلکوں میں رکھا گیا تاکہ "لاڈلے" انسان کو نکالنے میں تکلیف نہ ہو۔ بعض مفید درختوں مثلاً سیب، رنگترہ، مالٹا وغیرہ کے بیج تعداد میں کم تھے اس لیے انہیں تلخ و ترش بنا دیا تاکہ انسان انہیں کھا نہ جائے اور نسل کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ بعض بیج ہماری یومیہ غذا تھے۔ مثلاً گندم، مکی، باجرہ وغیرہ تو قدرت نے ان کو بافراط پیدا کیا تاکہ انسانی استعمال کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

گندم، جَو اور اس قسم کی چند دیگر فصلیں صرف چھ ماہ میں تیار ہوجاتی ہیں حالانکہ آم کا درخت سات آٹھ سال کے بعد پھل دیتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فطرت ان پودوں کے کان میں چپکے سے یہ بات ڈال دیتی ہے،

"وہ دیکھو دہقان درانتی لیے آرہا ہے، جلدی کرو، بڑھو، پھولو، پھلو اور انڈے زمین پر بکھیرنے کے بعد چلتے بنو۔"

امریکہ میں زقوم کی شکل کا ایک درخت جو اگیوا (AGAVA) کے نام سے مشہور ہے، اسّی سال میں جوان ہُوا کرتا تھا۔ یہ سست رفتاری اس لیے کہ جَو و گندم کی طرح اس کو دہقان کی درانتی کا ڈر نہ تھا، اس لیے مزے مزے سے بڑھتا تھا۔ اب بعض مقامات پر کچھ عرصے سے یہ ایندھن کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ان مقامات پر وہی سست درخت صرف آٹھ دس سال میں جوان ہونے لگ گیا۔ یہ کیوں؟ قدرت نے اُس کے کان میں کہہ دیا ہے:

"تیرے دشمن بھی پیدا ہوگئے ہیں، اب سستی چھوڑ دے اور جلدی جلدی بڑھ۔"

ایک ہوشیار مالی جب دیکھتا ہے کہ شہتوت کا درخت آٹھ سال کے طویل انتظار کے بعد پھل دینا شروع کرے گا تو وہ اس کی شاخوں کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ درخت ڈر جاتا ہے کہ کہیں مٹ ہی نہ جائے، اس لیے

وہ جلدی جلدی بڑھنا شروع کر دیتا ہے تاکہ مرنے سے پہلے نسل کی بنیاد ڈال جائے۔

نباتات کے اس منظر میں ہمارے لیے یہ سبق پنہاں ہے کہ سست اقوام کی رفتار کو تیز کرنے، انہیں مفید خلائق بنانے اور ان کے ضعف کو قوت سے بدلنے کے لیے تلوار کا استعمال ازبس ضروری ہے۔ مسلمان تمام عالم کے نظم ونسق اور اقوام وملل کی بہتری و برتری کا ذمہ دار بن کر آیا ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ | تم ایک بہترین امت ہو جسے اقوامِ عالم کے بہبود پر مقرر کیا گیا ہے۔

اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ دل کھول کر تلوار کا استعمال کرے، ظلم و عدوان اور جور و عصیان کو مٹا کر رکھ دے تاکہ دنیا امن و آشتی کی لذت سے آشنا ہو جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ میں کہتا ہوں اگر ایسا ہوا ہے تو بہت اچھا ہوا ہے۔ آج کروڑوں بندگانِ خدا کو تجارتی منڈیوں اور نو آبادیوں کے لیے تباہ کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم بھی کچھ ایسے ہی ذلیل مقاصد کے لیے لڑی گئی تھی۔ اگر آج تجارت، دولت، دنیوی برتری، نو آبادیوں اور تیل کے چشموں کی خاطر تلوار کا استعمال کیا جا رہا ہے اور اس میں آپ کو کوئی برائی نظر نہیں آتی تو اسلامی تلوار کے استعمال پر آپ کیوں نعل در آتش ہوں کہ جس کا مقصد تیل کے چشمے اور ربڑ کے جنگل نہ تھے بلکہ نیکی کی ترویج اور بدی کا استیصال تھا۔ اربابِ ظلم کی ہلاکت اور عدل و انصاف کا احیاء تھا، فتنہ و شر کا خاتمہ اور امن و آشتی کا قیام تھا۔ مبارک ہے وہ تلوار جو اس قدر بلند مقصد کے لیے اٹھائی جائے، رسول اللہ صلعم کے اس اعلان کو کبھی نہ بھولیے گا:

بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ (حدیث) | میں قیامت سے ذرا پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہوں۔

پھولوں کا فرض | پھولوں میں رنگ و بُو اس لیے ہے کہ وہ بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں، بہ دیگر الفاظ یہ رنگ و بُو بھونروں کی محنت کا صلہ ہے۔ جوں ہی یہ کام (حمل) ختم ہو چکتا ہے، پھول مرجھا جاتے ہیں اس لیے کہ وہ اپنا فرض ادا کر چکے ہوتے ہیں اور اُن کا مزید باقی رہنا بے سود ہوتا ہے۔

اللہ کی حسین سرزمین میں صرف کارآمد و مفید اقوام باقی رہ سکتی ہیں۔ نکموں، نااہلوں، بے اثر عقائد کے پجاریوں اور اوراد و وظائف کے بھاوروں اور بے عمل دعا گوؤں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ | صرف مفیدِ خلائق اقوام و اشیاء دنیا میں باقی رہتی ہیں۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے (اقبالؒ)

پھلوں کی حفاظت | پھلوں کو جنگلی جانوروں اور پرندوں سے محفوظ رکھنے کے لیے قدرت نے کئی تدابیر اختیار کیں۔ مثلاً بعض (بادام و اخروٹ) کے چھلکے سخت بنا دیے اور بعض پر کڑوے غلاف چڑھا دیے۔ سنگترے و انار کا چھلکا اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ کسی حریص جانور کو منہ ڈالنے کی ہمت تک نہیں پڑتی۔ قدرت کا کمالِ صناعی دیکھیے کہ زمین وہی ہے، درخت وہی ہے اور رس پہنچانے والی شاخیں وہی ہیں، لیکن انار کا چھلکا سخت کڑوا ہے اور دانے میٹھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ چھلکوں اور دانوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ کارخانے کام کر رہے ہیں، ایک مٹھاس تیار کر رہا ہے اور دوسرا کڑواہٹ۔ یہ دونوں رس پاس پاس ہیں، لیکن ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہو سکتے۔ اس دقیق صناعی اور ایمان افروز نظم و نسق کی جس قدر داد دی جائے، کم ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ	دو دریا (ایک کڑوا، دوسرا میٹھا) پاس پاس بہہ رہے ہیں، پھر ان کے درمیان ایک
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ	ایسی دیوار حائل ہے جسے یہ پھلانگ کر ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہو سکتے۔

اخروٹ اور بادام اونچے پہاڑوں پر پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں برف وغیرہ کی وجہ سے میدانی جانور نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں صرف گلہری چوہوں کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے ان کے چھلکے اس قدر سخت بنا دیے کہ چوہے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

قدرت کا یہ بھی منشاء تھا کہ پھل دار درخت کسی ایک حصۂ زمین تک محدود نہ رہیں، اس لیے ان کی نسلوں کو دُور و دراز ممالک تک پہنچانے کے لیے کئی وسائل استعمال کیے۔

اوّل۔ ہوائیں بیج اُڑا کر دُور و دراز ممالک میں لے گئیں۔

دوم۔ بیج برساتی نالوں اور دریاؤں میں بہہ کر دیگر حصّوں میں چلے گئے۔

سوم۔ چوہے، کوے، طوطے، شارکیں اور دیگر پرندے منقاروں میں میوے لیے اِدھر اُدھر اُڑ گئے۔

چہارم۔ آدمی آموں اور سیبوں کے ٹوکرے دوسرے ممالک میں لے گئے۔

انجیر کا حمل | انجیر کے درخت کے ساتھ پھول نہیں لگتا۔ معاملہ یوں ہے کہ ابتدائی انجیر کے اندر ایک چھوٹا سا غنچہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ایک خاص قسم کی بھِڑ نر اور مادہ غنچوں میں انڈے دے جاتی ہے۔ جب بچے نکلتے ہیں تو نر انجیر کے بچے مادہ انجیر میں چلے جاتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ فطرت کی رنگینیوں کا کیا کہنا۔

حُسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن (اقبالؔ)

کھجور | صحرائے عرب سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا ہے جسے طے کرنے کے لیے اب بھی اونٹ سے کام لیا جاتا ہے۔ امکان تھا کہ مسافر راہ میں بے توشہ نہ ہو جائیں۔ اس لیے اس ریگستان میں ہر طرف کھجوروں کے درخت اُگا دیے اور انہیں بلند قامت بنا دیا، تاکہ یہ قیمتی پھل جانوروں کی رسائی سے باہر ہو جائے۔ نیز قُرب زمین کی گرمی سے نسبتاً محفوظ رہے۔ کھجوروں کے تنے ریشہ دار اور کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ریشہ دار اس لیے کہ ریگستان کی تیز آندھیوں میں لچک کی بدولت محفوظ رہیں اور کھوکھلے اس لیے کہ تھرموس بوتل کی طرح اندر کی ہوا بیرونی حرارت سے متاثر نہ ہو اور پھل گرم رس سے خشک نہ ہو جائے۔ انسانی بدن کی مشین کو دو چیزوں کی سخت ضرورت رہتی ہے۔ شکر و نشاستہ۔ یہ ہر دو اجزا کھجور میں بدرجہ کمال موجود ہیں۔

جنگل میں حفاظتِ اثمار کے مسالے کہاں مل سکتے تھے۔ کیلا صرف ایک ہفتے میں گل سڑ جاتا ہے۔ سیب پلپلا ہو جاتا ہے۔ امرود میں کیڑے چلنے لگتے ہیں، شہتوت اور لوکاٹ چند گھنٹوں میں خراب ہو جاتے ہیں لیکن کھجور کو اللہ نے کسی خاص مسالے سے یوں محفوظ کر دیا ہے کہ مہینوں خراب نہ ہو۔

کھجور کی جڑیں زمین سے دو قسم کا رس چوستی ہیں، کثیف اور لطیف۔ کثیف رس سے تنا و شاخیں بنتی ہیں اور لطیف سے پھل۔ پھل کے ہر دانے کے ساتھ ایک مصفی لگا ہوتا ہے جو رس کو مزید صاف کرتا ہے۔ گٹھلی کی ترکیب کچھ لطیف اور کچھ کثیف رس سے ہوتی ہے۔ لیکن گٹھلی کڑوی ہوتی ہے اور چھلکا میٹھا۔ اِن ہر دو کے درمیان ایک پردہ اگا دیا گیا ہے تاکہ تلخی و شیرینی خلط ملط نہ ہو جائیں۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝	یہ زمین انسانی رہائش کے لیے تیار کی گئی اور اس میں زلاڈلے انسان کے لیے، میوے اور گچھوں والی کھجوریں پیدا کیں۔

نشاناتِ منزل | درخت عموماً راہوں پر اُگتے ہیں۔ اس لیے کہ مسافر پھل کھا کر گٹھلیاں پھینک دیتے ہیں اور وہاں درخت اُگ پڑتے ہیں۔ جہاں کہیں درخت نظر آتے ہیں اور وہاں راہ موجود نہیں تو سمجھ لو کہ یہاں سے کبھی کوئی قافلہ گزرا تھا۔ اہلِ عرب پہلے سندھ پر حملہ آور ہوئے، ان کے پاس کھجوریں تھیں، جہاں کہیں اُترے، گٹھلیاں پھینکتے گئے۔ نتیجہ یہ کہ آج سندھ میں عربی نسل کی کھجوریں میلوں تک دکھائی دیتی ہیں ؎

خبر دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی   ابھی اِس راہ سے گزرا ہے کوئی

سدا بہار درخت | سدا بہار درخت خزاں میں بھی سرسبز رہتے ہیں، وجوہات یہ ہیں:

اوّل۔ بعض درختوں کے پتے چکنے ہوتے ہیں اور ان پر ایک مومی مواد موجود ہوتا ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے

کہ اس مواد سے پتوں کے مسام سردیوں میں بند ہو جاتے ہیں اور نمی محفوظ رہتی ہے نتیجۃً وہ خشک نہیں ہوتے۔

دوم۔ بعض پتوں پر سفیدسی اُون ہوتی ہے جو عمل تبخیر کو روک کر درختوں کو سرسبز رکھتی ہے۔

سوم۔ نکیلے، لمبے اور تنگ سطح والے پتے چوڑے پتوں کی نسبت سورج کی روشنی سے کم متاثر ہوتے ہیں اور ان کی نمی زیادہ ضائع نہیں ہوتی، اس لیے وہ سرسبز رہتے ہیں۔ اگر زیتون اور کھجور کے پتے چوڑے ہوتے تو خزاں میں جھڑ جاتے۔

فوائد اشجار | (۱) درختوں کی جڑیں فالتو پانی کو جذب کر لیتی ہیں، اس لیے زمین پر دلدل نہیں بن سکتی۔

(۲) درخت اپنے تنفس سے فضا کو گرما دیتے ہیں، ہوا قدرے لطیف ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً قربِ زمین کے بادل وزنی ہو کر برسنے لگتے ہیں۔

(۳) درختوں کے پت جھڑ سے زمین زرخیز بن جاتی ہے۔

(۴) اگر پہاڑوں پر درخت نہ ہوتے تو اردگرد کی زمینیں برساتی نالوں سے صحرا بن جائیں اور اگر کسی ریگستان میں درخت لگا دیے جائیں تو وہ پھر زرخیز ہو جائے۔

چند عجیب و غریب درخت

سنکونا | سنکونا (Cinchona) جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے چھلکے سے کونین تیار ہوتی ہے سب سے پہلے یہ راز چند ہسپانوی مہاجرین کو معلوم ہوا۔ پھر ۱۶۳۸ء میں پیرو (Pero) کے وائسرائے کی بیوی کونٹس اوف چنکن (Countess of Chinchon) نے اس درخت کا تعارف یورپ میں کرایا۔ اس کے بعد چند مبلغ اس درخت کا چھلکا اٹلی میں لے گئے اور مریضوں میں مفت تقسیم کیا۔ کچھ عرصے کے لیے اس چھلکے کا استعمال متروک ہو گیا۔ جب سترھویں صدی میں انگلستان کا بادشاہ چارلس دوم بیمار ہوا تو شاہی ڈاکٹر رابرٹ ٹیلبٹ (Robert Talbot) نے اس چھلکے کے سفوف سے علاج کیا اور بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔ دوسرے سال اسی ڈاکٹر نے اسی سفوف سے چند فرانسیسی امراء کا علاج کیا اور وہ صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد کونین سے ہر شخص واقف ہو گیا۔

ربڑ | ربڑ کا درخت پہلے صرف وسطی و جنوبی امریکہ میں ملتا تھا۔ انیسویں صدی میں یہ درخت سیلون، ملایا اور برہما میں لگایا گیا۔ اس کے رس سے ربڑ تیار ہوتا ہے اور ربڑ کی اہمیت ہٹلر سے پوچھیے۔

زیتون | اس کا تیل مفید ترین تیل سمجھا جاتا ہے جو مشینوں کے علاوہ صابنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ درخت

ہزار سال تک باقی رہتا ہے اور اس کی لکڑی فولاد کی طرح مضبوط ہوتی ہے۔

شہتوت | شہتوت کے پتوں کو بکری کھاتی ہے تو دودھ بنتا ہے۔ مکھی ان سے شہد تیار کرتی ہے۔ کیڑا ابریشم اور ہرن کستوری پیدا کرتا ہے۔ چیز ایک ہی ہے لیکن مختلف کارخانوں میں اس سے مختلف اشیاء تیار ہو رہی ہیں۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ | قابل صد ہزار تعریف ہے وہ اللہ جو بہترین خالق ہے۔

ناریل | ایک مسافر سخت گرمی میں ایک ایسے جھونپڑے میں جا پہنچا جس پر ناریل کے درختوں کا سایہ تھا۔ صاحب خانہ نے مسافر کو شراب، دودھ اور حلوہ نہایت عمدہ برتنوں میں پیش کیا۔ مسافر نے پوچھا کہ جنگل میں یہ غذائیں کہاں سے آگئیں، کہا، یہ سب کچھ ناریل کی بدولت ہے۔ میں کچے ناریل سے پانی، پختہ ناریل سے دودھ، پتوں سے حلوہ، شگوفوں سے شراب، پھولوں سے شکر، چھال سے برتن، لکڑی سے ایندھن، بُنے ہوئے پتوں سے چھت، ریشوں سے رسیاں اور تیل سے روشنی حاصل کیا کرتا ہوں۔ جب یہ مسافر چلنے لگا تو میزبان نے ایک شاخ کو جھاڑا جس سے غبار سا گرا۔ اس غبار سے سیاہی کا کام لے کر ایک پتے پر کسی دوست کی طرف چٹھی لکھ دی۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۔ (سورہ لقمان) | یہ ہے اللہ کا کمال تخلیق، اللہ کے بغیر کسی اور نے بھی کچھ پیدا کیا ہو تو ذرا سامنے لاؤ۔

دم الاخوین | بحر اوقیانوس کے ایک جزیرے میں آج سے پانچ سو سال پہلے دم الاخوین کا ایک ایسا درخت پایا گیا جس کا تنا دَور میں ساٹھ فٹ تھا۔ اسی نوع کے باقی درختوں کو دیکھ کر علمائے نباتات نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درخت خلق آدم سے پہلے کا ہے۔

درخت خور نباتات | بعض بیلیں براہ راست زمین میں سے غذا حاصل نہیں کرتیں بلکہ دوسرے درختوں کے رس پر پلتی ہیں اور یہ درخت رفتہ رفتہ خشک ہو جاتے ہیں۔ محکوم اقوام اسی لیے خشک ہو جاتی ہیں کہ اُن کا رس حاکم قومیں چوس لیتی ہیں۔

حیوان خور نباتات | امریکہ میں ایک ایسا پودا ملتا ہے جس کی شاخیں جال کی طرح زمین پر بچھی ہوئی ہوتی ہیں، جوں ہی کوئی جانور اوپر سے گذرتا ہے، یہ مل جاتی ہیں اور جانور گرفتار ہو کر اس کی غذا بن جاتا ہے۔

مگس خور نباتات | سنڈیو (Sundew) کے پھول پر ایک لیس دار رس ہوتا ہے، جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے تو چِپٹ کر رہ جاتی ہے۔ پھر پھول کی پتیاں اس پر پل پڑتی ہیں اور اُسے کھا جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمین میں نائیٹروجن نہیں ہوتی۔ اس کمی کو یہ پودے مکھیوں سے پورا کرتے ہیں۔

اسی طرح بٹر وارٹس (Butterwarts) کے پتوں پر ایک گوند سا لگا ہوتی ہے۔ جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے، پتا مٹھی کی طرح بند ہو جاتا ہے۔ اگر ان پتوں پر ریت کا ذرہ یا چھوٹا سا کنکر رکھ دیا جائے تو یہ متاثر نہیں ہوتے لیکن جب شکار اوپر آن بیٹھے تو نہایت پھرتی سے مل جاتے ہیں۔ بہ دیگر الفاظ ان میں اتنی عقل موجود ہے کہ اپنی غذا اور چھیڑ چھاڑ میں تمیز کر سکیں۔

بعض جوہڑوں میں ایک ایسا تھیلی دار پودا (Bladder words) ملتا ہے جس کی ٹہنیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہوتی ہیں یہ تھیلیاں چوہے کے پنجرے کی طرح صرف باہر کی طرف سے کھلتی ہیں۔ جب پانی کے حشرات آرام یا غذا کے لیے اندر داخل ہوتے ہیں تو گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک پودے پچر پلانٹ (Pitcher Plant) کے پھول صراحیوں کی طرح شاخوں کے ساتھ لٹکے ہوتے ہیں۔ اندر میٹھا رس ہوتا ہے اور دیواروں کے ساتھ ٹیڑھے کانٹے۔ جب کوئی کوڑا رس پینے کے لیے اندر داخل ہوتا ہے تو واپسی پر یہ کانٹے اُس کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ وہ بار بار چڑھتا اور گرتا ہے۔ آخر تھک کر رس کے حوض میں رہ جاتا ہے۔

صنّاعی | ایک طرف مولی، شلغم، پیاز اور دوسری طرف انجیر، کھجور، آم پر غور کیجئے۔ مقدم الذکر کے پتے اس وضع کے ہیں کہ جب بارش برستی ہے تو یہ پتے قطروں کو سمیٹ کر جڑوں میں ڈال دیتے ہیں اور آم وغیرہ کے درخت قطرات کو پھیلا کر ٹپکاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ مولی اور شلغم وغیرہ کی جڑھ صرف ایک ہوتی ہے، اس لیے قطرات باراں کو جڑھ کی طرف لے جانے کا سامان کیا گیا۔ آم وغیرہ کی جڑیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لیے قطرات بھی پھیل کر ٹپکتے ہیں ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار   ہر ورقے دفتر از معرفتِ کردگار   (سعدی)

کاربن و آکسیجن | حیوانات کی زندگی کا دار و مدار آکسیجن پر ہے اور نباتات کا کاربن پر۔ اگر آکسیجن کم ہو جائے تو حیوانات ہلاک ہو جائیں اور اگر کاربن کا ذخیرہ گھٹ جائے تو نباتات فنا ہو جائیں۔ پھر کاربن ایک نہایت زہریلی گیس ہے، اس کی بہتات حیوانات کے لیے مہلک ہوتی ہے۔ قدرت کا انتظام ملاحظہ فرمائیے کہ کاربن نباتات کی اور آکسیجن حیوانات کی غذا بنا ڈالی۔ حیوانات پودوں کے لیے کاربن اور نباتات ہمارے لیے آکسیجن پیدا کرتے ہیں، تمام حیوانات ایک سال میں ساٹھ کروڑ ٹن کاربن سانس کے ذریعے خارج کرتے ہیں جس میں بیس کروڑ ٹن خالص کوئلہ ہوتا ہے، اسی طرح حیوانات ایک سال میں آٹھ کھرب مکعب میٹر آکسیجن استعمال کرتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ دنیا میں کیا عدل و میزان ہے۔ زندگی کو قائم رکھنے کے لیے کیا حیرت انگیز نسق ہے اور اللہ کی شانِ ربوبیت کس کس رنگ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ | آؤ تعریف کریں اس اللہ کی جس کا نظام ربوبیت اس قدر حیرت انگیز ہے۔

حفاظتِ نباتات | نباتات کی حفاظت کے لیے قدرت نے کئی طرح کے انتظام کر رکھے ہیں، مثلاً

اوّل۔ ہلی (Holly) پودے کے ابتدائی و نچلے پتے خار دار ہوتے ہیں اور اوپر جا کر ہر پتے کے آخر پر صرف ایک کانٹا رہ جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ معمولی جانوروں کی جہاں تک رسائی تھی، وہاں تک حفاظت کی ضرورت زیادہ تھی۔

دوم۔ جانوروں کی دو قسمیں ہیں۔ نرم منہ والے، مثلاً گائے، بھینس وغیرہ اور سخت منہ والے جو کانٹوں تک کو چبا جاتے ہیں۔ مثلاً بھیڑ بکری وغیرہ۔ موخرالذکر جانور کمزور تھے۔ اس لیے قدرت نے بعض درختوں کو کانٹے لگا دیے تاکہ نرم منہ والے انہیں نہ کھا سکیں اور وہ سخت منہ والے کمزور جانوروں کے لیے بچ رہیں۔

سوم۔ بچھو بوٹی[1] (کشمیر میں عام ہے) کے چھو جانے سے جسم میں آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ مَیں خود بھی ایک دفعہ اس کا شکار ہوا تھا۔

چہارم۔ اسی طرح ایک پودے "برگ شیطان" (Devil's Leaf) کا ڈنک سال بھر تکلیف دیتا رہتا ہے اور بعض اوقات آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

پنجم۔ آسٹریلیا کے ایک پودے (Laportica Moroides) سے اگر گھوڑا بھی چھو جائے تو فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔

ششم۔ ایک اور پودا "زہریلی بیل" (Poison I vy) ہے جس کے چھو جانے سے ہاتھ پاؤں اور منہ سوج جاتا ہے اور آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔

ہفتم۔ بعض پودے ایسا بدبودار رس خارج کرتے ہیں کہ جانور پاس تک پھٹکنے کی جرأت نہیں کرتے۔

ہشتم۔ چھوٹی موٹی بُوٹی صرف موجِ نفس سے سمٹ جاتی ہے اور جانور بدک جاتا ہے۔

نہم۔ ایک پودا "ٹیلیگراف" (Telegraph plant) ہوا کے بغیر ہی رات دن جھومتا رہتا ہے جس سے جانور خوف زدہ ہو کر دُور بھاگتے ہیں۔

دہم۔ مضر حشرات کو پھانسنے کے لیے درختوں کے تنے اور شاخیں ایک قسم کا گوند نکالتی ہے جس میں یہ حشرات پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ یہ گوند تبھی نکل سکتا ہے کہ درخت میں سوراخ کیا جائے۔ اس کام کے لیے قدرت نے لمبی اور تیز چونچوں والے پرندے پیدا کر دیے ہیں جو درخت کا محافظ بھی ہے اور زخمِ درخت کا مرہم بھی۔

---

[1] بچھو بوٹی کے پاس ہی شلغم کی طرح ایک پودا موجود ہوتا ہے۔ ایک پتہ توڑ کر زخم خوردہ مقام پر رگڑ دیجیے، فوراً آرام آجائے گا۔

یازدہم۔ بعض پودوں کے غنچوں سے میٹھا رس نکلتا ہے۔ جسے حاصل کرنے کے لیے چیونٹیاں اوپر جاتی ہیں۔ رس بھی پیتی ہیں اور ساتھ ہی اُن حشرات کی بھی خبر لیتی ہیں جو اِن پودوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب یہ غنچے مکمل ہو کر بیج بن جاتے ہیں تو یہ رس سوکھ جاتا ہے۔ یہ رس چیونٹیوں کی نوازش کا صلہ تھا۔

دوازدہم۔ بعض درختوں پر بڑے بڑے چیونٹے گھومتے پھرتے ہیں جن کا کام چوکیداری ہے۔ یہ حشرات و حیوانات کو اس زور سے کاٹتے ہیں کہ بن بھاگے نہیں بنتی۔

غور فرمایئے کہ قدرت نے ہماری غذا کی فراہمی و حفاظت کا کیا حیران کن انتظام کر رکھا ہے۔ پھر ہر درخت اور ہر پودے میں کس قدر اسباق و آیات ہیں۔ عالم نباتات میں کتنا تنوّع ہے۔ لاکھوں پودے، ہر پودے کی ہیئت الگ، خاصیت الگ، پھل الگ، کہیں کوئی غلطی نہیں، بدنظمی نہیں، حفاظت سے غفلت نہیں، تربیت سے تساہل نہیں۔ اس حیرت انگیز نظم، اس لرزہ فگن سلسلے، اس مبہوت کن نسق اور ان دہشت انگیز آیات و معجزات کو دیکھ کر، انسانی عقل رعشہ براندام ہو جاتی ہے۔ وہم و قیاس حیرت میں کھو جاتے ہیں اور تخیل کپکپا اُٹھتا ہے، آؤ اُس خالقِ لازوال کی حمد و ثنا کے زمزمے گائیں جس نے ہماری حسین دنیا کو حُسن و جمال کا مرکز بنایا اور ہماری تفریح کے لیے جہان کو لالہ و گل سے سجایا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى۔ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى۔

اُس بلند رب کے حمد و ثنا کے ترانے گاؤ، جس نے کائنات میں حسن و جمال پیدا کیا (تسویہ)، ہر چیز کو پیدا کر کے ایک خاص دستور العمل کے نباہنے پر لگا دیا (ھدیٰ) جس چراگاہیں و مرغزاریں تیار کیں۔

(باقی دارد)

پچاس گریجویٹوں کی ضرورت

ایک مخیر مسلمان بزرگ نے دفتر البیان امرتسر کو ایک گراں قدر رقم عطا فرما کر یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ امرتسر لاہور، گورداسپور، فیروزپور اور جالندھر کے پچاس گریجویٹوں کے نام چھ ماہ کے لیے رسالہ "البیان" مفت جاری کر دیا جائے۔ معطی موصوف کے اس ارشاد کی تعمیل میں اعلان کیا جاتا ہے کہ مذکورہ اضلاع کے گریجویٹ صاحبان جلد درخواستیں بھیج کر چھ چھ ماہ کے لیے "البیان" اپنے نام جاری کرا لیں۔

مینیجر "البیان" امرتسر

معلوم ہے!

(خطیبۂ ہند سیدہ اختر حیدر آبادی)

نامِ حق پر ہم کو مرنے کی ادا معلوم ہے
زندگی کیا؟ زندگی کی انتہا معلوم ہے

راہِ حق میں سرفروشانہ چلے آتے ہیں ہم
اہلِ عالم کو ہمارا حوصلا معلوم ہے

ہم غلامانِ محمدؐ ہیں محمدؐ کی قسم
ہم کو ارشادِ رسولِ مصطفٰےؐ معلوم ہے

خدمتِ دینِ متیں پر جان دے دیتے ہیں ہم
خوب ہم کو خاطرِ عشقِ خدا معلوم ہے

ہاں یزیدی قوتوں سے ڈر نہیں سکتے ہیں ہم
اسوۂ شبیر و راہِ کربلا معلوم ہے

شعر میں اختر کے ہے تکبیر کا اندازہ بھی
یہ ترانہ ہے صداقت کی صدا معلوم ہے؟

بصائر

(۲)

(حضرت خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

۲۱۔ صحیفۂ فطرت | قرآن کیا ہے؟ صحیفہ فطرت کا بیان، اگرچہ ہر ایک شے ایک آیت ہے لیکن کسی کو اس کا شعور نہیں، انسان کو نہ صرف شعور ہے بلکہ ان آیات کو بیان بھی کرتا ہے۔ انسان کامل کی جامع تعریف یہی ہے کہ وہ صحیفۂ فطرت کا بیان ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۰) یہ صحیفۂ فطرت کی جامع آیت ہے۔

کائنات پر نظر کرو، یہ صحیفۂ فطرت تصویری خط میں رقم ہوا ہے۔ انہی صورتوں میں حقائق رونما ہوتے ہیں جن کا نقش قلب انسانی پر مثبت ہوتا ہے، جو انسان کا مافی الضمیر ہے، اس مافی الضمیر کا اظہار ایک دوسرے پر حروف کی صورت میں کرتا ہے، جو ہماری قومی زبان[1] ہے۔ کیسا حیرت انگیز یہ نظام عالم ہے کہ صورت در صورت در صورت ہے۔ اگر اشیاء فی الخارج کی صورتیں اصل ہیں تو ان کی نقل وہ صورتیں ہیں جو ہمارے قلب میں ہیں۔ اگر اشیاء ہمارے حواس کے روبرو نہ بھی ہوں، یہ نقل اصل کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اگر اس میں ہمارے ہوائے نفس کا دخل نہ ہو، تو خواب میں بھی وہی کیفیت مشاہدہ ہوتی ہے، جو بیداری میں۔ اور یہ نفسیات کا ایک اہم مسئلہ ہے کہ خیال پختہ خارج میں بھی موجود و مشہود اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح دیگر محسوسات بیداری[2] میں۔ یہ تمام صورتیں[3] جو

---

[1] وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (۱۴/۴)

[2] میرے پیر طریقت حضرت بابا محمد خلیلؒ قادری

"امی بود کہ ما از اثر صحبت او ، واقف از ستر نہاں خانہ اسرار شدیم"

میں نے اکثر آں جنابؒ کی مثالی صورت بیداری میں بلا ارادہ دیکھی اور ان سے باتیں بھی اسی طرح کرتا رہا جس طرح عام حالات میں۔

فرض کرو کہ ایک شخص نہ سنتا ہے اور نہ بولتا ہے، اس لیے کسی زبان سے واقف نہیں، دیکھتا ضرور ہے اس لیے اشیاء فی الخارج کے نقوش اس کے قلب میں ہیں، لیکن اس کے قلب کے اندر ہی رہیں گے اور ان کا بیان اس کی اپنی زبان میں اس پر واضح ہوگا۔ اگر ایک شخص کور مادر زاد ہے، لیکن سنتا اور بولتا ہے تو اس کی قومی زبان میں جسے وہ سمجھتا اور بولتا ہے۔ اہل بصیرت وہی خیال جو بصر کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے، پیدا کر سکتے ہیں، لیکن کوئی خیال بلا صورت پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

آفاق اور ذہن انسانی میں ہیں، بے حقیقت ہوتیں، اگر ان کا بیان انسان پر واضح نہ ہوتا۔ چوں کہ معرفت امثال سے ہوتی ہے اس لیے انسان عارف نہ ہوتا، اگر وہ خود خلاصہ موجودات نہ ہوتا۔ انسان کی زبان وہ ہے جس میں وہ خیال کرتا ہے اور یہی بوجہ عادت اس کی قومی زبان ہوتی ہے۔

۲۲۔ حرف و صوت اور خیال | ہم واضح کر چکے ہیں کہ حقیقت مجردہ کا احساس انسان کو نہیں ہو سکتا، اور جو کچھ قلب انسانی پر منکشف ہوتا ہے، وہ حرف و صوت میں ہی ہوگا، اس لیے ہمیں حکماء فلسفہ سے پورا اتفاق ہے کہ کوئی خیال قلب انسانی میں بلا حرف و صوت پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ الہام بے حرف و صوت ہے، وہ بقول "لوک" خیال ہی کرتے ہیں، انہیں خود اپنے خیال کا شعور نہیں ہوتا۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو، کوئی خیال بلا حرف ذہن میں آتا ہے؟ یہ تو قرین عقل ہی نہیں کہ حروف صرف کام و زبان ہی سے پیدا ہوتے ہیں: جو بے شعور ہیں۔ حروف اور خیال میں تعلق لازم ملزوم ہے۔ جن کے قلب میں الفاظ مبہم ہوتے ہیں، ان کے قلب میں معانی بھی مبہم ہوتے ہیں۔ غرض جو کچھ دل میں ہوتا ہے، وہی زبان پر آتا ہے۔ جس منافق کا دل و زبان یکساں نہ ہو وہ دل میں کچھ بات چھپاتا ہے اور کچھ بات بنا کر زبان پر لاتا ہے، دونوں اس کے قلب میں ہیں۔

اس حد تک ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسولوں کو ان کی اپنی قومی زبان میں وحی ہوتی ہے اور اسی کو وہ بلفظہٖ من و عن[1] لوگوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ چوں کہ اس حقیقت کو عام مفسرین نے نہیں سمجھا تھا، اس لیے یہ قیاس کیا کہ کوئی فرشتہ رسول وحی کرتا ہے اور غالباً غلط فہمی اس سے ہوئی کہ اسرائیلیات سے "جبرئیل" کو فرشتہ تصور کیا۔ یہ لفظ عبرانی ہے اور مرکب ہے "جبر" بمعنیٰ "قوت" اور "ایل" بمعنیٰ "اللہ" یعنیٰ "اللہ کی قوت" اور پہلی دفعہ صحف دانیال میں استعمال ہوا ہے اور ان احادیث عیسیٰ میں بھی ہے جو انجیل میں مخلوط ہو گئی ہیں۔ یہود کا بھی یہی قیاس تھا کہ وہ فرشتوں کا سردار فرشتہ ہے لیکن قرآن کے محکمات میں اس کی کوئی سند نہیں، وہ روح القدس اور روح الامین ضرور ہے، لیکن قرآن میں "روح" ملائکہ سے علیحدہ ہے، روح مخدوم اور فرشتہ خادم، روح مسجود اور فرشتہ ساجد ہے۔ روح کا اطلاق صرف انسان پر ہوتا ہے جیسا کہ واضح کیا گیا ہے اور روح القدس اور روح الامین کی مشابہت صرف رسولوں سے ہے جو "ذی قوۃ عند ذی العرش مکین" ہے۔ مفسرین نے آیات کے الفاظ میں بھی کافی

---

[1] او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء

تدبر نہیں کیا، "وحیاً او من وراء حجاب" کی مطابقت بلا تکرار "یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء" سے کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور لطف یہ ہے کہ اسی آیت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رسول کی رہنمائی اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پہ فرماتا ہے اور رسول عام لوگوں کی راہ نمائی اسی صراط مستقیم کی طرف کرتے ہیں۔ جس طرح رسول کی رہنمائی ہوتی ہے اسی طرح رسول لوگوں کی "بالوحی" کرتا ہے، یعنی، جن الفاظ میں رسول کو وحی ہوتی ہے، وہی الفاظ بے کم و کاست لوگوں کے سمع تک پہنچا دیتا ہے، اسے "بلاغ" کہتے ہیں (یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط (۵/۶۷)، هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۱۴/۵۲)) جو اس حیثیت سے قرآن ہی کا نام ہے۔ یہ لفظ "بلغ" سے مشتق ہے اس کے معنی کسی امر کی انتہا تک رسائی ہے جو

له قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ قف وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط (۶/۱۹) رسول کو بھی شہادت اللہ کی طرف سے وہی کچھ ملتی ہے جو لوگوں کو بالواسطہ رسول۔ قرآن ہر ایک کے لیے بشارت و انذار ہے۔ کچھ خصوصیت کسی زمان و مکان کی نہیں۔ چوں کہ وحی کے الفاظ محفوظ ہیں اس لیے جو کچھ کیفیت رسول کے قلب میں پیدا ہوئی وہی کچھ لوگوں کے قلوب میں بھی ہونی چاہیے، خواہ وہ اس پر ایمان نہ لائیں، اگر یہ بات نہ ہو، تو نہ کلام بلیغ ہو گا اور نہ بلاغ ——— "ہیوم" (Hume) اپنی کتاب "فطرت انسانی" (Human nature) میں "فہم" (Understanding) کے تحت لکھتا ہے کہ کسی شے کے خیال (Idea) کا لازمی جزو ایک تیقن بھی ہے، یعنی جہاں تک خیال بناتا ہے، وہ ایک یقینی امر ہے، گو اس پر ہمارا ایمان نہ ہو۔ فرض کرو کہ ایک شخص مجھ سے کہتا ہے کہ قیصر اپنے بستر پر ہی فوت ہوا اور یہ کہ چاندی سکے کی نسبت آگ کے اثر کو جلدی قبول کرتی ہے اور یہ کہ پارہ سونے سے زیادہ بھاری ہے یہ ظاہر ہے کہ خواہ کسی اور وجہ سے میں اس کی باتوں پر یقین نہ کروں، لیکن تینوں امور کی نسبت جو کچھ اس کا خیال ہے من و عن میرے دل میں بھی اس نے پیدا کر دیا اور اس خیال کا احساس مجھے بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ اُس کو۔

"بارکلے" (Bark Ley) لکھتا ہے کہ بولی (Language) کی غرض و غایت یہی نہیں کہ متکلم کے مافی الضمیر کا اظہار مخاطب پر تقریراً یا غائب پر تحریراً کر دے اور بس بلکہ اس کے اغراض اَور بھی ہیں، مثلاً بعض جذبات کا اُبھارنا، جیسے محبت و نفرت، بیم و رجا، حسن و قبح وغیرہ۔ یا دل میں خاص کیفیت پیدا کرنا مثلاً تذکر وغیرہ، بہت باتیں ہیں جو اسی زبان کے ذریعہ مخاطب حاضر و غائب پر اثر انداز ہوتی ہیں، ایک شخص کسی مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ارسطو نے یہ کیا، تو معاً سامعین کی توجہ کو جذب کر لیتا ہے، پیشتر اس کے سامعین کو معلوم ہو کہ ارسطو نے کیا کہا ہے۔ ان کے دل

مقصود و مطلوب ہو، جیسا کہ قرآن مجید کی آیات سے جن میں یہ لفظ یا اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں، واضح ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن اصل بلاغ ہے جو بالواسطہ رسول لوگوں تک پہنچتا ہے اور اس کی زبان کا فہم اتنا آسان ہے کہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے۔ اس میں کوئی لگی لپٹی بات نہیں اور سمجھنے کے لیے سہل ترین ہے۔ تعجب ہے کہ اس کے ابتدائی مخاطب کفار مکہ تو اسے سمجھتے تھے اور ان کی سمجھ میں کچھ اختلاف نہ تھا لیکن ہمارے زمانہ کے مومنین کی فرقہ بندی شاہد ہے کہ وہ تذکر و تدبر سے کام نہیں لیتے۔ بات یہ ہے کہ کوئی بھی ہو، جو خالی الذہن ہو کر پڑھے گا، وہ نہ صرف اچھی طرح سمجھے گا، بلکہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کفار مکہ نے جاہلیت کی ضد چھوڑ دی تو فوج در فوج اسلام قبول کرتے گئے۔

"بلیغ" ایسے کلام کو کہتے ہیں جو متکلم کے مافی الضمیر کو مخاطب پر من و عن واضح کر دے یا مخاطب کے فہم تک خواہ کتنا ہی بلند و پست ہو، اس کی رسائی ہو۔ چنانچہ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۲۴/۵۴) کا یہی مفہوم ہے کہ جو کچھ رسول کی طرف وحی ہوتا ہے، من و عن لفظ بلفظ لوگوں تک پہنچا دے۔ اس سے رسول اور رسول کے مخاطب کے دل میں ایک ہی کیفیت کا پیدا ہونا یقینی امر ہے، کیوں کہ بلحاظ الفاظ وحی کا خطاب رسول اور اس کے مخاطب سے ایک جیسا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح صحیفۂ فطرت کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے جو یقینی امر ہے۔ اختلاف لیل و نہار کا خیال ہر ایک قلب میں صاف صاف میسر ہے، خواہ وہ رازی یا غزالی کا ہو یا کسی جاہل کا۔ صحیفۂ فطرت کا مخاطب ہر ایک شخص ہے۔ ان میں رازی و غزالی ایسے اولوالالباب بھی ہیں، جو تذکر و تفکر سے کام لیتے ہیں۔ ہم واضح کر چکے ہیں رسول پر وہ کچھ منکشف ہوتا ہے جو عوام الناس پر نہیں ہوتا، لیکن جب بالواسطہ رسول وہی کچھ عوام الناس پر منکشف ہو تو قرآنی "بلاغت" کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ "لاسلکی" کا القاء ہر شخص کو نہیں ہوا، لیکن اب تو ہر شخص وہی کچھ سمجھ سکتا ہے جو صاحب القاء نے سمجھا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید رسول کریم کے قلب مبارک پر نازل

(بقیہ حاشیہ) قبولیت کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں جو ارسطو کو مانتے ہیں وہ اس کے مصدق کو بھی مانیں گے۔ صاحب "مختصر معانی" نے بھی بہت باتیں قرآنی زبان کے متعلق فصاحت کے ساتھ لکھی ہیں کہ جس سے کیفیتوں کا ہجوم دل و دماغ پر ہوتا ہے۔

لہ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (۳۹/۲۷-۲۸)، وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۵۴/۱۷)

لہ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا۔

ہوا لیکن اب جب کہ نازل ہو چکا ہے اور اس کی زبان صاف شستہ اور زندہ ہے تو ہر شخص جو سمجھنا چاہے' سمجھ سکتا ہے اور قرآن کے تو الفاظ ہی صاف ہیں کہ یہ بالواسطہ[۱] رسول لوگوں پر نازل ہوا ہے۔

اس آیت "قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا" میں بلاغت اور قرآن کی جامعیت کی اعلیٰ مثال ہے کہ قول بلیغ ایسا قول ہے' جو لوگوں کے نفوس میں نفوذ کرتا ہے۔ یہ بلاغت کی جامع تعریف ہے اور مثال بھی ہے اور ہدایت بھی ہے۔ بہ لحاظ "بلاغت" قرآن ایک معجزہ ہے اور زندہ معجزہ ہے۔

ہر چند تواں ز چرخ و انجم گفتن　　صد نسخہ تاخر و تقدم گفتن!

چوں بر سر انصاف روی دشوار است　　یک حرف بقدر فہم مردم گفتن! (بیدلؒ)

۲۴۴۔ **کلام اللہ اور کلام بشر** | اس حد تک ہم نے خالص کلام اللہ پر بحث کی ہے لیکن انسانی علم میں اضافہ تقابل وغیرہ سے ہوتا ہے' اس لیے مناسب ہے کہ ہم یہ بھی قرآن ہی سے واضح کریں کہ کلام اللہ اور کلام بشر میں مابہ الامتیاز کیا امر ہے؟

کلام اللہ میں اختلاف[۲] ممتنع ہے اور کلام بشر میں اختلاف کثیر واجب ہے۔ ہم اسی اختلاف کثیر پر بحث کریں گے جو کلام بشر میں واجب ہے۔ ظنیات کو اس لیے کہ "لا یغنی من الحق شیئاً" (۱۱/۴) اور تمناؤں کو اس لیے کہ ان میں شیطانی القاء ہوتا ہے (۱۷/۹) نظر انداز کرتے ہیں کہ ان پر بحث تحصیل حاصل ہے۔ ہم صرف اسی اختلاف پر بحث کریں گے جو علماء و حکماء کے کلام میں پایا جاتا ہے جو انسانی تذکر و تدبر کا نتیجہ ہے اور گو نتیجہ صحیح ہو' پھر بھی وہ کلام بشر اس لیے ہے کہ اس میں اختلاف کثیر پایا جاتا ہے۔

لفظ "خلف" سلف اور تقدم کے مقابل استعمال ہوتا ہے' اردو میں دونوں الفاظ کا "آگے اور پیچھے" صحیح ترجمہ ہے۔ "خلف" بیٹے کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے مقدم باپ ہے اور وہ باپ کے "بعد" آتا ہے۔ "خلیفہ" (نائب) وہ ہے جو کسی کی جگہ قائم ہو' رات دن کا اختلاف یہ ہے کہ رات دن کے بعد اور دن رات کے بعد آتا ہے۔ "ھوالذی جعل الیل والنھار خلفۃ"۔ یہ ظاہر ہے کہ "اختلاف لیل و نہار" نتیجہ ہے ارضی گردش کا اپنے محور پر سورج کے گرد اور اگر یہ گردش نہ ہو تو اختلاف[۳] لیل و نہار بھی نہ ہو' یعنی' لیل و نہار اور ان کا اختلاف قائم بالذات نہیں۔ یہی کیفیت انسانی بولیوں

---

[۱] وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ط (۲/۲۳۱)

[۲] أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ط وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (۴/۸۲)

[۳] وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ (۳۰/۲۲)

اور رنگتوں میں بھی ہے کہ یہ اختلاف خود عالم انسانی کے اختلاف قبائل و شعوب اور کرۂ ارض کے مختلف حصوں کے مختلف موسموں وغیرہ کا نتیجہ ہے۔ اختلاف اور کثرت لازم و ملزوم ہیں اور ارتقاء کا قانون اختلاف (Law of Variation) کے تحت ہی ممکن ہے۔ اختلاف زیر بحث کا بھی یہی مفہوم ہے۔

جو حضرات علم حیاتیات (Biology) اور نفسیات (Psychology) اور معاشرت (Socialogy) سے واقف ہیں وہ قرآن کی آیت "کل یعمل علی شاکلتہ" (۱۵) کا مطلب سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی دل و دماغ کی ساخت اور ان کے خیالات و جذبات میں جو اختلاف ہے، اس کا لازمی نتیجہ وہ اختلاف کثیر ہے جو ہمارے زیر بحث ہے۔ ایک ہی ملک و قوم کے علماء و حکماء ایک ہی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور ان کے نظریے، ان کے استدلال اور طرز استدلال میں اختلاف کثیر ہوتا ہے اور اگر اسی مسئلہ پر مختلف زمان و مکان کے علماء و حکماء کی بحث میں تدبر کیا جائے تو اختلاف کثیر اور بھی نمایاں ہوگا، اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ کسی ایک مسئلہ پر کسی زمانہ کے علماء و حکماء کا اتفاق ہے تو بقول "ہربرٹ سپنسر" یہ امر انسانی ذہنی ارتقاء کی نفی کرتا ہے۔ اگر یہ قرار دیا جائے کہ علم انسانی کی تکمیل ہو چکی ہے۔ زمانے کے علماء و حکماء کا اختلاف کسی ایک مسئلہ پر لازم ہے، خواہ ان کے اپنے زمانہ میں ان کے علوم، ان کی ضروریات کے لیے مکتفی ہوں۔ ذہنی ارتقاء کا تقاضا ہے کہ آیندہ زمانہ کی ضروریات کے لیے غیر مکتفی ہوں۔

حکماء یونان قدیم اور حکماء یورپ جدید اس موضوع پر خامہ فرسائی کرتے رہے کہ یہ ممکن ہے، اہل مذاہب کے نظریہ دربارہ ذات باری تعالیٰ کے بغیر ایسا اخلاقی دستور العمل مرتب کیا جائے جس کا نصب العین عالم انسانی کی فلاح ہو۔ لفظ "فلاح" تو قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ وہ لفظ "آنند" یا "مسرت" وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور اسی لفظی بحث پر ان کے کئی قرن بسر ہوئے۔ حکماء یونان کے دو قدیم فرقے "سٹوِاک" (Stoecs) "اپی کیوری ان" (Epicurious) مشہور ہیں، یورپ جدید کے حکماء نے بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے اور ان کے خلاف دیگر حکماء نے ان کی خام خیالی کا مضحکہ اڑایا ہے۔ ان میں سے ایک "ہربرٹ سپنسر" ان کی بنیادی غلطی کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ ان حکماء نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انسانی ایمان و عمل انسانی عقل کے تابع ہیں، حالاں کہ روزمرہ مشاہدہ ہو رہا ہے کہ انسانی احساسات

لہ اس نظریہ کا ماحصل یہ ہے کہ کسی قوم کی اکثریت کے مفاد کے لیے تمام قوم کو عملاً سعی کرنی چاہیے، اس طرح اکثریت اقلیت یا وحدت پر غالب رہے گی، حالاں کہ امر واقعہ یہ ہے کہ وحدت ہمیشہ اکثریت پر غالب رہتی رہی اور رہے گی اور یہ خیال وحدت کا ہونا چاہیے کہ اکثریت کا مفاد مد نظر رکھے۔

اور جذبات کا ان میں بہت کچھ دخل ہے، وہ اس پر مفصل بحث[1] شواہد کی بنا پر کرتا ہے۔ یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہم صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ "اختلافِ کثیر" جو ان حکماء کے کلام میں پایا جاتا ہے، تقاضائے بشریت ہے اور کل عالمِ انسانی کی متفقہ کوشش بھی کوئی ایسا دستور العمل مرتب نہیں کر سکتی جو ہر ایک زمان و مکان میں انسان کے لیے دائمی ہدایت ہو۔

کسی ایک ہی شخص کے یقین، عقیدہ اور عمل کا جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہو گا کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اختلافِ کثیر ہے۔ ایک ہی ملک و قوم میں جو کچھ اختلاف ہے وہ واضح ہے اور اگر بالفرض محال صحیح بھی ہو کہ کسی ایک زمانے کے علماء و حکماء جمع ہو کر کوئی دستور العمل مرتب کر لیں تو ظاہر ہے کہ انسانی ذہنی ارتقاء کا تقاضا ہے کہ اس میں ذہنی و خارجی حالات کے مناسب ہمیشہ ترمیم و تنسیخ کرتا رہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کل عالمِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی ادنیٰ اور اعلیٰ کسی ایک زمانے میں کسی ایسے دستور العمل کے تابع ہوں جو انسانی ذہن مرتب کر سکے اور اگر بالفرض محال یہ ممکن ہو تو آیندہ زمانے کی ارتقائی حالت کے لیے ناقابلِ عمل ہو گا، اس لیے تعامل دائمی حجتِ شرعی نہیں اور مانعِ ترقی ہے[2]۔

قرآن میں عالمِ انسانی کی بولیوں اور رنگتوں کے اختلاف کی طرف اہلِ عقل و فکر کو متوجہ کیا گیا ہے۔ بولیوں اور رنگتوں کا اختلاف، اختلافِ اقوام ہے۔ مثلاً اہلِ حبش سیاہ فام ہیں۔ اہلِ یورپ سفید رنگ کے لوگ ہیں۔ امم سامیہ سرخ کی قوم ہیں۔ امم مغلیہ زرد رنگ ہیں۔ ان کی بولیوں میں بھی اختلاف کثیر ہے۔ ہر قوم کی زبان، اُس کے دل کی

---

[1] فرض کرو کہ دریا کے کنارے لوگوں کا ہجوم ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ کشتی اُلٹ گئی اور ایک شخص ڈوبا جا رہا ہے۔ یہ علم تو ہر شخص کو ہے کہ یہ شخص ڈوب کر مر جائے گا اور یہ بھی علم ہے کہ اگر پیر کر اس کی مدد کی جائے تو بچ سکتا ہے اور اس انسانی فرض کا سبق تو انھیں از بر ہے کہ ہر شخص کی مشکل میں دست گیری کرنی چاہیے اور ہر شخص یہ بھی جانتا ہے کہ کسی کو موت کے منہ سے بچانا اپنی جان خطرے میں ڈال کر قابلِ صد تحسین ہے، باوجود اس امر کے ان میں اکثر پیرنا بھی جانتے ہیں، لیکن بعض تو ایک دوسرے کا منہ دیکھیں گے اور بعض مدد کے لیے دوسروں کو اکسائیں گے اور بعض مفید مشورہ دیں گے، لیکن ایک "دریں دریائے بے پایاں" کود پڑتا ہے۔ کیا اس میں بہ نسبت دیگر اشخاص عقل و علم میں کمی ہے؟ بالکل نہیں! اگر یہ کہو کہ اس نے علم و عمل جمع کر دیا ہے تو یہ کسی حد تک صحیح ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسے علم ہے کہ پیر کر اس شخص کی جان بچ سکتی ہے، لیکن عمل کا محرک علم نہیں بلکہ "عشق" ہے جس کی کمی ان علماء میں ہے جو دریا کے کنارے کھڑے دیکھ رہے ہیں اور عمل سے بے بہرہ ہیں بھلا علم ریاضی و ادب و جغرافیہ وغیرہم کا کیا تعلق کسی نیک عمل سے ہے۔ اگر کہو کہ اخلاقی تعلیم اخلاق کو بلند کرتی ہے تو یہ بھی غلط ہے۔

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس تو بہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

عموماً یہ لوگ جو ناز و کرشمہ بر سر منبر کرتے ہیں "چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند"۔ کیا وہ اخلاقی تعلیم سے بے بہرہ ہیں؟ قرآن کی بے مثل بلاغت ملاحظہ ہو کہ "عمل" سے مقدم "ایمان" استعمال کرتا ہے اور ایمان و عمل نورِ بصیرت اور چشم ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرا بے کار ہے۔

[2] تواتر کو حجتِ شرعی ماننے والے غور کریں (مدیر)

ترجمان ہے اور ہر ایک قوم کی ذہنیت اور تمدن کی تاریخ ہے۔ اختلاف السنہ و الوان میں وہ تمام اختلاف کثیر شامل ہے جو عالم انسانی کی زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں ہے۔ ایک مقتدر ہستی نے اختلاف مذاہب مٹانے کے لیے یہ تجویز کی کہ ایک زبان "عمومی" کل عالم انسانی کی ہو۔ لیکن یہ واضح نہ فرمایا کہ ایسی زبان کیسی ہوگی؟ آیا عالم انسانی کی زبانوں کا انتخاب ہوگی یا کوئی نئی زبان ہوگی جس سے عالم انسانی واقف نہیں؟ یہ تو ممکن ہے کہ مختلف زبانوں کے الفاظ جمع کیے جائیں اور ایک لغت مرتب کی جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی زبان کی گرامر یا قواعد صرف و نحو کس طرح مدون ہوں گے؟ کیوں کہ اس کے بغیر تو کوئی زبان سیکھی نہیں جا سکتی اور اگر بالفرض محال یہ کام بھی ہو جائے، تو عالم انسانی کو کون اور کس طرح سکھائے گا؟ بقول مسٹر "سپنسر" ہر ایک پسندیدہ تجویز ضرور نہیں کہ قابل عمل بھی ہو، تمام انسانی تمنائیں خواب پریشاں ہیں جس کی تعبیر یہی ہے کہ ایسے لوگوں کا دل و دماغ صحیح نہیں جو ایسی دور از کار باتیں بناتے ہیں، لیکن ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ ایسی عمومی زبان جو بہ صورت سراب اس مقتدر ہستی کے دیدہ تصور میں تھی، عالم انسانی میں رائج ہے اور ہر شخص اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار بے تکلف کرتا ہے۔ اس کی "عمومیت" بھی چند روزہ ہی رہ سکتی ہے۔

اصول ارتقاء یہ ہے کہ عالم انسانی کی ابتدا "نفس واحدہ" سے ہوئی اور اسی سے ذکور و اناث کا اختلاف اور ان کی کثرت ظہور میں آئی۔ علم الالسنہ کے عالم جانتے ہیں کہ امم سامیہ و آریہ و مغلیہ و حبشیہ کی زبانوں کی اصل ایک ہی زبان اور اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ان امم کی ابتدا ایک ہی اُمت تھی۔ اس لیے ان کی زبان بھی ایک ہی ہوگی۔ مثلاً امم آریہ کی زبانیں سنسکرت، پارسی، یونانی، لاطینی وغیرہم کی ابتدا ایک ہی زبان تھی۔ لیکن اب نہ کوئی یونانی ویدوں کے منتر اور نہ کوئی پنڈت، ہومر کی نظم سمجھ سکتا ہے، وقس علیٰ ھذا۔ زبانوں کی ابتدا وحدت سے ہوئی اور وحدت سے موجودہ کثرت کا ظہور ہوا۔ ہندوستان میں ہمارے آریہ بزرگوں کی زبان ایک ہی تھی، لیکن اسی واحد زبان سے اتنی زبانیں پیدا ہو چکی ہیں کہ شمار مشکل ہے۔ اگر بالفرض کوئی عمومی زبان عالم انسانی کی اختراع بھی ہو، تو بھی زبان کچھ عرصہ بعد بے شمار زبانوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ایسی بزرگ ہستی کو یہ نہ سوجھی کہ اتحاد عالم انسانی کا مانع وہ خطرہ ہے جو اس کی رنگتوں میں بعض قوموں کو کھٹکتا ہے، اس لیے کوئی ایسا "عمومی" رنگ تجویز کرتی جو "عمومی" زبان سے متحد ہو کر تمام اختلافات انسانی مٹا دیتا۔ افسوس ہے یہ لوگ نفسانی تمناؤں کو وحی رحمانی تعین کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں وحدت اور کثرت کا خیال صاف صاف متمیز نہیں ہے، للہ در لمن قال۔

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(باقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

دعوۃ الرسل

اس سے پہلے ہم "احسن الحدیث" کے عنوان سے قرآن مجید کی مصدقہ احادیث انبیاء کا سلسلہ شائع کر رہے ہیں جس کی بعض اقساط ابھی باقی ہیں۔ زیر نظر کتاب (دعوت الرسل الی اللہ) بظاہر اس سے مماثل معلوم ہوگی لیکن حقیقت میں دونوں کا انداز اور مقصد قطعاً جداگانہ ہے۔ مقدم الذکر میں محض اقوال انبیاء اور نہایت مختصر سلسلۂ ربط پر اکتفا کی گئی ہے جو بجائے خود ایک اعلیٰ علمی خدمت ہے۔ مؤخر الذکر میں مصنف علام (جو ایک جید مصری عالم و محقق ہیں) نے نہایت بلیغ عملی مقصد سامنے رکھا ہے، جس سے عہد حاضر و مستقبل کے مصلحین اُمت، قائدین سیاست اور موجدین و مخترعین علوم و فنون مستقل طور پر بے اندازہ دینی و دنیوی فوائد و مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم حضرت مترجم پروفیسر مولوی عبدالرحیم صاحب، اسلامیہ کالج پشاور کی نگاہ انتخاب کی ستائش کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انہوں نے مرض ملی کی صحیح تشخیص کر کے بہترین نسخہ تجویز کیا۔ اللہ کریم ان کی اس مخلصانہ سعی کو مشکور فرمائے اور اپنے دین کے خادموں کو اس سے بہرہ مند ہونے کی توفیق دے۔ (البیان)

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

(سورہ ہود)

اور ہم پیغمبروں کے حالات میں سے ہر قسم کا حال اور قصہ تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں جس سے ہم تمہارے دل کو تقویت بخشتے ہیں اور ان آیات میں تمہیں وہ باتیں پہنچی ہیں جو بالکل سچ اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِينَ ۝ (سورہ یوسف)

ہم بذریعہ اس قرآن کے جس کو وحی کے طور پر تمہارے پاس بھیجا ہے، تمہارے سامنے نہایت ہی اچھے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس سے پہلے تم بے خبروں میں سے تھے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ

بے شک ان (رسولوں) کا حال بیان کرنے میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ کوئی من گھڑت بات نہیں بلکہ اُس (کلام) کی تصدیق ہے جو اس کے سامنے ہے اور ہر ایک بات کی تفصیل ہے اور جو لوگ

شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ | ایمان لاتے ہیں ان کے لیے مجسم ہدایت اور رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تقاضائے حکمت یہ تھا کہ لوگوں میں بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے اور ہمارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کا آخری نبی اور رسول ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ جانتا تھا کہ کسی اصلاح کی دعوت دینا کس قدر خطرات میں گھر جانا ہے اور وہ (پھولوں کی سیج نہیں بلکہ) کانٹوں کا تاج ہے۔ یہ مشکلات جو کسی داعیٔ اصلاح کو پیش آتی ہیں، اس کی ہمت کو پست کر دینے کا باعث ہوسکتی ہیں اور ممکن ہے کہ ان پر نظر کر کے اس پر یاس مسلط ہو، اس لیے یہ ضروری تھا کہ رسول کے قلب کو اس سے محفوظ رکھا جائے اور اس کو واضح طور پر دکھا دیا جائے کہ داعیٔ اصلاح کو ان مشکلات کا پیش آنا اور ان تکالیف اور صعوبتوں کا طیب خاطر سے برداشت کرنا لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو ہمیشہ یہ مصائب پیش آتے رہے ہیں۔ سنت اللہ یہی ہے (وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا) ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (سورہ انعام)	بے شک تم سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انہوں نے اس تکذیب پر صبر کیا (خوشی سے اس کو برداشت کیا) اور انہیں تکلیف دی گئی (تب بھی انہوں نے رشتۂ صبر کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا)، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو آپہنچی اور اس کی باتوں کو کوئی بھی نہیں بدل سکتا اور بے شک تم کو رسولوں کا کچھ حال پہنچ چکا ہے۔

کسی مصلح ملت کا ان مشکلات اور ان تکالیف سے محفوظ رہنا کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے جب کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نفوس کو ان کی خواہشات سے روک دے اور دلوں کو من مانی باتیں عمل میں نہ لانے دے۔ وہ ان کو طریقِ مالوف سے ہٹا کر دوسرے راستہ پر چلانا چاہتا ہے اور ان کو شہوات نفسانی سے دُور رکھنے کا خواہش مند ہے۔ جن خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کو وہ ترک کر چکے ہیں، اُن کو ان نیک خصائل سے قریب تر لانے پر تُلا ہوا ہے مصلح ایک مربی ہے جو لوگوں کو ایک نئے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے اور ایک اتالیق ہے جو ان کو نئی زندگی بخشنے کا خواہاں ہے۔ ان کی مختلف طبائع کو آپس میں جوڑنا اور متفرق خواہشات میں موافقت پیدا کرنا اس کا کام ہے۔

بسا اوقات خواہشات نفسانی کی جڑیں مستحکم ہوچکی ہوتی ہیں اور قوم میں ایک بڑی حد تک خرابی گھر کر چکی ہوتی ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں قوم عرب کا یہی حال تھا۔ ایسے حالات میں ضرورت ہے کہ داعیٔ حق کے سامنے متعدد مصلحین کی سیرت ایسے پیرایہ میں پیش کی جائے جس سے اس کے مائل بہ یاس دل کو تسلی حاصل ہو۔

اس لیے کچھ تعجب نہیں اگر خاتم الرسل کو گذشتہ رسولوں کی سیرت سے آگاہ کیا گیا اور ان کی دعوتِ حق کو قابلِ اتباع نمونہ کے طور پر اس کے سامنے پیش کیا گیا جس سے اس کے دل کو تقویت اور جی کو اطمینان حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ رسل کرام کی سیرت سے مطلع فرماکر آپ کو یہ بتادیا کہ تقویٰ ہی کا انجام کامیابی ہے (والعاقبۃ للتقویٰ) اور حامیانِ حق ہی کو بالآخر غلبہ حاصل ہوتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ٥ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ٥ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ٥ (سورہ صافات)

بے شک ہم اپنے بندوں کو جو ہمارے رسول ہیں پہلے سے یہ قول دے چکے ہیں کہ فتح انہی کی ہوگی اور بے شک ہمارا ہی لشکر غلبہ پاتا ہے۔

ساتھ ہی اس کو یہ بھی بتادیا کہ باطل پرست جماعت کو کامیابی نہیں ہوتی اور اس کا انجام ہلاکت ہے۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ٥ (سورہ عنکبوت)

ہر ایک کو (ان اقوام میں سے) ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑا۔ کسی پر پتھر برسائے۔ کسی کو کڑاکے سے ہلاک کیا۔ کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو غرقاب کر دیا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرے، لیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ٥ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ٥ (سورہ فاطر)

انہوں نے مضبوط قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ کسی بہتر سے بہتر قوم سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا پہنچا تو ان کی نفرت ہی کو بڑھایا جس کی وجہ ان کا زمین میں تکبر کرنا اور بری سازشیں کرنا تھا، لیکن بری سازش کے ناگوار نتائج انہیں کو پیش آتے ہیں جو اس کے اہل ہوتے ہیں (اب تو کوئی بات باقی نہیں رہی) تو کیا وہ پہلی اقوام ہی کے طریقہ (سزا) کا انتظار کر رہے ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ کے قانونِ حکمت میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور خدا برتر کے قانون اور اس کے نوامیس میں ہرگز کوئی انحراف تمہیں نظر نہیں آئے گا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ (سورہ مومن)

کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ یہ دیکھتے کہ پہلی اقوام کا کیا انجام ہوا۔ ان کی تعداد ان سے زیادہ تھی، قوت میں ان پر فائق تھے اور زمین میں انہوں نے ان سے بڑھ کر یادگاریں باقی چھوڑیں ہیں لیکن ان کی تمام جدوجہد ان کے کسی کام نہ آئی۔ جب ان کے رسول واضح نشان لے کر ان کے پاس پہنچے تو وہ اپنے ہی علوم پر نازاں ہوئے اور (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) جس بات کا وہ تمسخر اڑاتے تھے وہی ان پر نازل ہوئی۔ ہمارے عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے ہم "ایک خدا" پر ایمان لائے اور جو کچھ بھی ہم نے شرک کیا اس سے (اب) ہم بیزار ہیں۔ لیکن عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا ان کے لیے کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جو اس نے اپنے بندوں پر جاری کر رکھا ہے اور اسی مقام پر (اسی قانون کے شکنجے میں پھنس کر) منکروں کو خسارہ اٹھانا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین اور نوامیس مصلحین اور مفسدین پر یکساں حاوی ہوتے ہیں اور خدائے پاک اپنے کلام میں جا بجا مختلف پیرایوں میں ہمیں اس پر توجہ دلاتا ہے تاکہ ہمارے دلوں میں اس کے متعلق راسخ عقیدہ پیدا ہو اور اہل دانش اس سے عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ کبھی تو اس مضمون کے بیان کرنے میں تفصیل سے کام لیا جاتا ہے کبھی اجمال پر کفایت کی جاتی ہے اور کئی موقعوں پر متوسط طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس تکرار اور تاکید کا مقصد یہ ہے کہ یہ اصول اچھی طرح ہمارے ذہن نشین ہو جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول ہدایت کے لیے ہوا ہے۔ اس کی تصنیف و تالیف سائنٹیفک طریقہ پر نہیں کی گئی[1]۔ وہ ہمارے دلوں پر یہ بٹھانا چاہتا ہے کہ جو سلوک صالحین کے ساتھ کیا گیا وہ بہ لحاظ اپنے اعمال کے اس کے مستحق تھے اور مفسدین کو جو کچھ پیش آیا وہ ان کی سرکشی اور طغیان کا نتیجہ تھا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے قانون حکمت کا تقاضا ہے اور تمام اقوام عالم پر وہ یکساں طور سے حاوی ہوتا ہے۔ اگر کوئی قوم اسی کے نازل کردہ شرائع اور اس کے مقررہ حدود و احکام کی پابند رہے اور ان سے تجاوز نہ کرے تو وہ اس کو اپنی زمین پر تسلط بخشتا ہے اور ہر طرح سے اس قوم پر اپنی نعمتیں بکثرت نازل فرماتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر کوئی قوم جادۂ ہدایت سے انحراف کرے اور قوانین فطرت کی مخالفت کرے تو اس پر قسم قسم کے عذاب

---

[1] کذا فی الاصل (ایڈیٹر)

نازل فرماتا اور اس پر کسی ایسی قوم کو مسلط کر دیتا ہے جو اس کی عزت اور اس کے اقتدار کو اس سے چھین لے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سورہ اعراف)	اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقوے کے لوازم پر عمل پیرا ہوتے تو ہم ان پر زمین اور آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (ہماری آیات اور احکام کو) جھٹلایا تو پھر ہم نے بھی ان کے اعمال پر مواخذہ کیا

قرآن کریم میں رسولوں کی سیرت ذکر کرنے اور ایک ہی قصہ کو کئی سورتوں میں مختلف طریقہ پر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین (جن کو قرآنی اصطلاح میں سنت اللہ کہا جاتا ہے) ہمارے ذہن نشین ہو جائیں اور ہمارے دلوں میں یہ اصول گھر کر لیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے، اس کے دل میں یاس پیدا نہیں ہونے پائے گی اور اصلاحی کوششوں میں اس کا قدم سست نہیں ہوگا اور یہ مقصود بھی ہے کہ سب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ رسولوں کی مخالفت کریں گے اور ان کی تعلیمات اور بیان کردہ شرائع سے روگرداں ہوں گے تو ان کا انجام وہی ہوگا جو دوسرے ظالموں کا ہوا۔

قرآن مجید متعدد جگہوں پر ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ رسولوں کی سیرت یاد دلا کر اس کے لیے تسلی کا سامان بہم پہنچاتا ہے جس سے اس کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کو بھی دین حق کی تبلیغ اور اشاعت میں وہی کچھ پیش آرہا ہے جو دوسرے رسولوں کو پیش آیا۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ (سورہ فصلت)	تم سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تم سے پہلے دوسرے رسولوں سے کہی گئیں۔ بے شک تمہارا رب بخشنے والا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔

رسولوں کو تکلیف دینا مفسدوں کا شیوہ ہے اور ان کی تمام نسلوں کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اختلاف زمان و مکان کے گویا انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی ہے (کہ کسی رسول کی بات نہ ماننا اور اس کو تکلیف اور اذیت دینے میں کوتاہی نہ کرنا)

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ (سورہ ذاریات)	اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جب کوئی رسول آیا تو انہوں نے یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔ کیا انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ ایک سرکش قوم ہے۔

بسا اوقات قرآن حکیم اس کو حکم دیتا ہے کہ وہ صبر کا پابند رہے (تمام تکلیفات کو جو تبلیغ کے راستہ میں پیش آئیں خوشی سے برداشت کرے) اور جو کچھ پیش آئے، اسی پر راضی رہے۔ اور پھر واضح طور پر اس کو بتاتا ہے کہ مصلحین کو کامیابی عنایت کرنے کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ایک سچا وعدہ ہے اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (سورہ روم)

تو پھر صبر کر۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام پر) یقین نہیں رکھتے وہ تم کو بے وقوف نہ بنالیں۔

یہ بھی اس کو بتایا گیا کہ عالی ہمت اور قوی الارادہ رسول ایسا ہی کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(سورہ احقاف)

عالی ہمت اور قوی الارادہ رسولوں کی طرح صبر کرو اور ان (کافروں) کے حق میں تعجیل نہ طلب کرو۔ جس دن وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو پورا ہوتا ہوا دیکھیں گے ان کو ایسا معلوم ہوگا گویا (دنیا میں) وہ گھڑی بھر ہی ٹھیرے تھے۔ (یہ کلام) تبلیغ ہے اور وہی قوم ہلاک کی جاتی ہے جو اللہ کی نافرمان ہو۔

تو اب جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولوں کی سیرت سے آگاہ کر کے اس کی تربیت فرماتا ہے، اسی طرح ان آیات سے ان علماء کی تربیت بھی مقصود ہے جو داعی الی اللہ ہیں۔ ان کو یہ جتلاتا ہے کہ ان کو دعوت الی اللہ میں اس لیے تکان نہیں محسوس کرنی چاہیے کہ لوگ ان سے ناگوار سلوک کرتے ہیں اور ان کی خواہش کے مطابق ان سے پیش نہیں آتے۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں جب کہ برے اعمال کثرت سے پھیل گئے ہوں۔ عقائد میں خرابی آگئی ہو اور بدعات نے سنن شرعیہ کو مغلوب کر لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ان داعیان حق کو یہ دکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین اور نوامیس سے آگاہی حاصل کرنا ان کا فرض ہے، ان کو جان لینا چاہیے کہ وہ اس دعوت میں انبیاء کرام کے نائب ہیں۔ انبیاء کرام کو اسی دعوت کے سبب سے ایسے حالات پیش آئے کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہوئے تاکہ اپنے دین اور اپنے عقائد کو محفوظ رکھ سکیں۔ علماء امت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ بہ حالت دعوت رسولوں کے اخلاق اور آداب کو اپنے لیے اُسوۂ حسنہ قرار دیں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ

عفو کو اپنا شعار بناؤ۔ اچھی باتوں کا حکم دو اور جاہلوں سے روگردانی

الْجٰهِلِيْنَ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○	رہو۔ اگر کبھی شیطان تم کو بہکا بھی دے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ بے شک جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان (ان کے دل میں) وسوسہ ڈالتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں اور فوراً ان کی بصیرت کھل جاتی ہے۔

رسولوں اور ان کی اقوام کے حالات بیان کر کے اللہ تعالیٰ ہمیں "اصلاح فی الارض" کی تواریخ سے مطلع فرماتا ہے اور ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس قسم کی تواریخ پڑھنے سے متعدد نصیحتیں اور عبرتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور کوئی مصلح جس قسم کی بھی اصلاح* کے راستہ میں کون سی مشکلات حائل ہوتی ہیں اور کس قسم کے عوائق اور موانع پیش آتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ لوگ ہمیشہ مصلح کے لیے سنگ راہ ہوتے ہیں اور اصلاحی دعوت کو قبول کرنے میں طبائع کیوں مختلف ہوتی ہیں۔ جب کوئی مصلح رسولوں کی دعوت اور ان کی اقوام کے اس رویہ کے حالات جو انہوں نے اس دعوت کے مقابلہ میں اختیار کیا اور جو تکلیفیں ان رسولوں کو دعوت الی اللہ کی وجہ سے برداشت کرنی پڑیں، پڑھتا ہے تو اس کو متمدن اور غیر متمدن بنی نوع انسان کے اخلاق اور ان کی ذہنیت سے کافی واقفیت حاصل ہوتی ہے اور ان کے طبائع اور عادات کا اس کو علم ہو جاتا ہے اور اس واقفیت سے اس کو بے حد فائدہ ہوتا ہے۔ اس کی اصلاحی جدوجہد بصیرت پر مبنی ہوتی ہے اور اصلاح میں کامیابی کے جو وسائل ہیں ان کو اختیار کرنے میں ان کو مدد ملتی ہے۔ کیوں کہ ہر عہد میں مفسدوں کی ذہنیت تقریباً یکساں ہوتی ہے اور دعوت حق کی مخالفت کرنے اور اس کو ناکام یاب بنانے کے ذرائع ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ بطور مثال جو کچھ نوح علیہ السلام کے سرداران قوم نے ان کی دعوت کو سُن کر کہا، آج بھی ارباب استعمار (اہل حکومت) سیاسی لیڈروں سے (جو قومی ترقی کے خواہاں ہیں) وہی کچھ کہتے ہیں، قوم نوح ع کے سرداران سے یہ کہتے تھے "ہماری رائے میں تم ہمارے جیسے آدمی ہو اور سرسری نگاہ سے بھی ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اتباع کمینہ لوگ ہیں۔" (سورہ ہود، آیت ۲۷) کمینہ لوگوں سے ان کی مراد قوم کا غریب طبقہ اور وہ پیشہ ور لوگ ہیں جن کو ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً آج کل مزدور جماعت۔ کیا تمہیں اس قول میں اور اُس قول میں کچھ فرق نظر آتا ہے جو قائدین ملت کی قدر کم کرنے اور عوام کی نظروں میں ان کو حقیر ثابت کرنے کے لیے کہا جاتا ہے؟ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی جماعت غریب لوگوں اور نیلی وردی پہننے والوں پر مشتمل ہے جو ان کے خیال میں (مستعمرین کی رائے میں) اعلیٰ عقل اور سنہری رائے کے مالک نہیں ہیں۔ اگر لوگ ان اقوال کا غور سے

*کرنا چاہے اس کے لئے اس ملک اور قوم کی تاریخ کا سمجھنا لازمی ہے۔ اس کی واقفیت ہونا چاہیئے پھر اصلاح

موازنہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ ہر ایک زمانہ میں مصلحین کے مخالف طبقہ کا ایک ہی اسلوب رہا ہے اور تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

اگر سیاسی مصلح کو یہ معلوم ہو جائے کہ قوم کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ان میں دھڑا بندی کی روح پیدا کر دینا جس کے باعث وہ اپنے حقیقی بہبود کو بھول جائے، دشمن خدا فرعون ہی کی سنت ہے (اس کا وضع کردہ اصول ہے) جو استبداد اور ظلم و تشدد کا مجسمہ تھا۔ اگر لوگ اس حقیقت کو واضح طور پر سمجھ لیں تو انہیں صاف طور سے نظر آئے گا کہ غاصبانِ ملک اپنا قدم جمانے اور اپنی (مستعمرانہ) سیاست کو تقویت پہنچانے کے لیے اسی گُر پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ایک متحد قوم میں مختلف جماعتیں پیدا کر کے اپنی شیطانی چالوں سے ان میں فرقہ آرائی کی روح پھونک دیتے ہیں اور جب پیشوایانِ قوم ان سے ملک و ملت کے بہبود کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہی عذر پیش کرتے ہیں کہ قوم میں اتحاد نہیں۔ بالفاظ دیگر "تعلیق بالمحال" (کسی چیز کو ناممکن بات پر منحصر کرنا) سے کام لیتے ہیں۔ کیوں کہ جب تک غاصب قوم کا تسلط باقی ہے اس وقت تک اتحاد ناممکن ہے۔ ان کے نفوذ اور اقتدار کا اصلی باعث یہی دھڑہ بندی اور فرقہ آرائی ہی تو ہے۔

الغرض اس اصول کی بنیاد فرعون نے رکھی ہے اور وہی ان (اہل استبداد) کا مقتدائے اعظم ہے جس کی تقلید کر کے یہ لوگ محکوم قوم پر ظلم و تشدد کرتے اور ان کو ذلیل رکھتے ہیں۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ (سورہ قصص)	بے شک فرعون نے زمین (مصر) میں اقتدار حاصل کیا اور وہاں کے باشندوں کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کیا، وہ ایک فریق کو ان میں سے ذلیل سمجھتا، ان کے بیٹوں کو قتل کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔ بے شک وہ فساد پھیلانے والوں میں سے تھا۔

سیاسی مصلح کو ہم ایک اور مشابہت پر توجہ دلاتے ہیں، وہ یہ کہ رسولوں کی امت میں جب سرداران قوم رسولوں کے دلائل سے لاجواب ہو کر ان کی دعوت کو کامیاب ہوتے ہوئے دیکھتے تو ان کے جلاوطن کرنے پر آمادہ ہو جاتے اور غاصبان ملک نے بھی گویا انہی سے یہ سبق سیکھا ہے۔ شعیب علیہ السلام کے متکبر سرداران قوم اس سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ	اے شعیب! یقیناً ہم تم کو اور جو تمہاری بات ماننے والے تمہارے ساتھ ہیں ان کو ملک بدر کریں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس

اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ ○ (سورہ اعراف)	آجاؤ۔ اس نے کہا، اگرچہ ہم اس کو ناپسند ہی کرتے ہو؟ (یعنی کیا زبردستی ہمیں جلا وطن کرو گے)[1]

لوط علیہ السلام کی قوم نے کہا:

اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○ (سورہ اعراف)	ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ لوگ بڑے پرہیزگار بن رہے ہیں۔

سورہ ابراہیم میں جہاں رسولوں کی دعوت اور ان کی اقوام کے رویہ کا عام ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ	منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا، ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین کو پھر اختیار کرلو۔

کیا غاصبان ملک کا رویہ قائدین ملت کے ساتھ یہی نہیں؟ اور کیا ان کا شیوہ یہ نہیں کہ لوگ ان کے غلام اور مسخر رہیں؟ محنت تو یہ لوگ کریں اور اس کے فوائد سے وہ لطف اندوز ہوں۔ ان کے مظالم کا مقابلہ شکر گذاری سے کریں اور ان کے طریقۂ حکومت کے گیت گایا کریں۔ کیا اس کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب ہو سکتا ہے کہ کوئی ان میں سے مطالبۂ حقوق کے لیے سر نہ اُٹھائے اور کوئی ان کے ظلم و استبداد کے خلاف آواز بلند نہ کرے۔

اسی طرح اگر سیاسی مصلح ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کو غور سے پڑھے تو اُسے معلوم ہوگا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کے دلائل نے اس کی قوم کو لاجواب کر دیا تو انہوں نے اس کے لیے زندہ آگ میں جلا دینے کی سزا تجویز کر کے قوت کا مظاہرہ کیا۔ باطل پرستوں کا ہمیشہ یہی قاعدہ رہا ہے کہ جب وہ دلیل سے عاجز آجاتے ہیں تو لامحالہ قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انہی باتوں کو پیش نظر رکھ کر میں نے یہ مناسب خیال کیا کہ رسولوں کی سیرت پر ایک کتاب لکھوں جس کا ماخذ قرآن کریم ہو اور اس کا نام دعوۃ الرسل الی اللہ تعالیٰ۔

جب ہمارے مصلح قوم استاد شیخ مراغی پہلی مرتبہ ازہر یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے، اُس وقت شعبۂ وعظ و ارشاد میں میں نے اسی نوع کی تاریخ کو اپنی ریسرچ کا موضوع قرار دیا تھا اور یہ ایک حُسنِ اتفاق ہے کہ میں نے کتاب مذکور کا مقدمہ اس عہد میں لکھا جب کہ شیخ ممدوح دوبارہ شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ اللّٰہم

---

[1] یا یہ کہ "کیا زبردستی ہمیں اپنے دین کا معتقد بنالوگے" (البیان)

آپ کو راہ راست پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اور میری اس کی ذات سے وہی امیدیں وابستہ ہیں جو ایک خیر خواہ مسلمان کے دل میں پیدا ہوسکتی ہیں۔

اپنی اس تصنیف میں مَیں نے صرف ان رسولوں کی سیرت بیان کی ہے جن کی دعوت نمایاں اہمیت رکھتی ہے۔ عبرت وبصیرت اسی نوعیت کی سیرت سے حاصل ہوسکتی ہے اور ان کا کمال اس پر منحصر ہے کہ وہ رسول جس کی سیرت بیان کی جا رہی ہے، مدت تک اپنی قوم کے ساتھ گفت وشنید کرتا رہا ہو اور اس کی عظمت شان اس قابل ہو کہ کوئی مصلح قوم اس کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ قرار دے تو ایسا کرنا اس کے حق میں سودمند ثابت ہو اور اس کے اخلاق کے بارے میں نازل کردہ آیات سے اس کی عزیمت کو تقویت پہنچے اور اپنی قوم کی فلاح و بہبود کا ارادہ اس میں راسخ ہو۔ یوسف علیہ السلام کی دعوت کا حال قرآن کریم کی صرف چند سطروں میں بیان ہُوا ہے یعنی وہ چند الفاظ جو وہ قیدخانہ کے دونوں ساتھیوں کو مخاطب کرکے زبان پر لائے۔ بایں ہمہ مَیں نے ان کے قصہ پر ایک مبسوط تبصرہ کیا ہے کیوں کہ اپنے بھائیوں کے اور عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ جو واقعات ان کو پیش آئے ان میں بیسیوں نصیحتیں اور عبرتیں مضمر ہیں۔

میں نے یہ بھی مناسب خیال کیا کہ میں اپنی اس تصنیف کو ایک نئے پیرائے میں پیش کروں اور حالات حاضرہ پر اس کو تطبیق دوں۔ میں حتی الوسع کوشش کروں گا کہ زمانۂ ماضی کی تواریخ کو عہد حاضر کے ساتھ ملاؤں اور گذشتہ زمانوں میں دعوت حق کا جس طرح مقابلہ کیا گیا اس کو زمانۂ حال کے مخالفین دعوت واصلاح کی مفسدہ پردازیوں کے ساتھ موازنہ کروں۔ گو مفسدہ پردازی کی نوعیت کتنی مختلف ہو، کیوں کہ وہ لوگ دین وملت کی تخریب میں کوشاں تھے اور یہ دوسروں کی دنیوی فلاح وبہبود کے راستہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

جو تصانیف میرے خیالات کا ماخذ ہیں ان کی فہرست مَیں نے آخر کتاب میں شامل کردی ہے لیکن سب سے بڑھ کر میرے آراء وافکار کا ماخذ یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کو نہایت غور سے پڑھا اور اس کے متضمنہ علوم اور مواعظ کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی لوگوں کے موجودہ اخلاق وعادات اور جو واقعات اور کوائف از قسم ظلم وتشدد اور نفاق وریا ظہور میں آرہے ہیں ان پر غائر نظر ڈالی اور میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ سب سے زیادہ سچی تفسیر وہ ہے جس کا لکھنے والا واقعات سے مدد لے[1]۔

اسی طرح اکثر اوقات میں اُن الفاظ کی جو کسی رسول نے اثنائے دعوت میں منہ سے نکالے اور ان الفاظ

---

[1] احسنت وصدقت (البیان)

واقوال کی جو اس کے مخالفین زبان پر لائے منطقی تحلیل کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ رسول کے الفاظ صداقت اور ادب کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے مخالفین کے اقوال سراسر حماقت اور بیہودگی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ رسول ہمیشہ اپنا تعلق اپنے رب سے قائم کرتا ہے اور اس کا تمام تر بھروسہ اپنے خالق مولیٰ برحق پر ہوتا ہے۔ ہر ایک مصلح سے میری درخواست یہ ہے کہ رسولوں کی سیرت کے ضمن میں ان کے جن پاکیزہ اخلاق کا میں نے ذکر کیا ہے انہی کو اپنے لیے نمونہ قرار دے اور اس کا اتباع کرے۔

اس بات کو واضح کرنے پر بھی میں نے خاص توجہ مبذول کی ہے کہ رسولوں کے نفوس قدسیہ میں کس قدر عاقبت اندیشی اور قوت ارادی ودیعت رکھی گئی تھی، مصالح عامہ کے وہ کس قدر دل دادہ تھے۔ جو تکلیفات دعوت کے سلسلہ میں ان کو پیش آئیں کس طرح خوشی سے ان کو برداشت کیا اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ بالآخر انہیں کامیابی ہوگی، اپنی دعوت کو جاری رکھا۔ مصلح قوم کو ایسے ہی اخلاق سے موصوف ہونا چاہیے اور اس کی قوت عزیمت میں ویسی ہی پختگی پائی جائے جو رسولوں کے آہنیں ارادہ میں تھی۔ اگر لوگ اس کو اذیت پہنچائیں تو وہ اپنے اصول پر اور زیادہ پکا ہو جائے اور اپنی رائے اور اپنے عقیدہ پر جما رہے۔ بہ طور مثال جب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو پھسلا کر اپنے عزم واثق سے ہٹانا چاہا تو وہ کہنے لگا :

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○	اے میرے خدا! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلاتی ہیں اس سے تو زندان میں رہنا مجھے پسندیدہ تر معلوم ہوتا ہے اور اگر تو ان کی عیاریوں سے مجھے نہیں بچائے گا تو میں ان کی طرف جھک ہی جاؤں گا۔ اور میرا شمار جاہلوں میں ہو گا۔ چنانچہ اس کے رب تعالیٰ

نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے ان عورتوں کی عیاریوں سے محفوظ رکھا۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اسی طرح میری کوشش یہ ہے کہ رسولوں کی سیرت کو آج کے مسلمانوں کی عام سیاست پر چسپاں کروں۔ کیوں کہ دین اور مذہب جس طرح اصلاح نفوس اور تزکیۂ اخلاق کے لیے نازل ہوا ہے اسی طرح اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ لوگوں کی سیاسی حالت کی اصلاح کرے جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ دین اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں تو وہ اس کے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے اور پھر ایک جز کو تو قبول کر لیتا ہے لیکن اس کے دوسرے جز کو ترک کر دیتا ہے۔

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی اگر میری اس کتاب سے واعظانِ دین اور سیاسیین دونوں یکساں طور پر استفادہ کریں۔ اقل الاکر جماعت کی عزیمت میں اس سے پختگی پیدا ہو اور ان کے دل روشن ہوں۔ اسی طرح

شہشوار اپنی میدان سیاست کے طبائع میں بلندی پیدا ہو کر ان کو بہبود عالم کے حصول پر متوجہ کرے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے ان کو خدائے پاک کی معرفت حاصل ہو۔ اس کے وعد اور وعید کا قانون سمجھ سکیں اور یہ بھی کہ وہ مصلح اور مفسد کے ساتھ کس قسم کا سلوک فرماتا ہے۔

مصلحین کو جان لینا چاہیے کہ وحی سماوی کی رہنمائی سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ جن حقائق اور معارف کو خدائے پاک نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے ان پر ان کو کامل عبور ہونا چاہیے تاکہ وہ عالم سیاست میں حکیم رہنما ثابت ہوں اور ان کی بصیرت اور معرفت کا سرچشمہ خدائے پاک کا مقدس کلام ہو۔

جب کہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سیاسی رہنماؤں اور قائدین ملت کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا بھر کی اقوام کی تاریخ عروج و زوال کا مطالعہ کریں اس کے رسولوں کی سیرت سے آگاہی حاصل کرنا ان کا اولین فرض ہوگا جو بہ الفاظ دیگر مصلحین کی قدیم ترین جماعت ہے اور ان کی سیرت کا ماخذ نہایت صحیح اور واضح ہے یعنی قرآن کریم۔ اور میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ رسولوں کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اس سے سبق لیں گے تو ان کی رہنمائی کی ایک انوکھی شان ہوگی جس کی بنا حکیمانہ اور عادلانہ قوانین، پاکیزہ و پسندیدہ اخلاق اور نہایت مضبوط اور راسخ عقیدہ پر ہوگی اور اس کا نتیجہ یقیناً ان رہنماؤں کی کامیابی اور اقوام کی سعادت کا موجب ہوگی۔

اگر لوگ خدائے پاک کی نازل کردہ کتاب کے پڑھنے اور سمجھنے پر ویسی ہی توجہ کرتے جو وہ انسانوں کی تصنیفات پر مبذول کرتے ہیں تو بلاشک ان کی حالت کچھ اور ہوتی لیکن اس کا کیا علاج کیا جائے کہ ادھر کوئی توجہ ہی نہیں کرتا۔ گویا ہمارے حصہ میں انکار اور روگردانی ہی لکھی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے علم برداران تہذیب و تمدن اور وہ جماعت جو اپنے آپ کو تعلیم یافتہ اور کلچرڈ کہتی ہے وہ بھی اس نعمت سے محروم ہے (فالی اللہ المشتکی وھو المستعان)

اس موقع پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا جس کا ذکر کرنا دلچسپی کا موجب ہوگا۔ اگرچہ اس کو سن کر افسوس ضرور ہوتا ہے۔ میرے مرحوم دوست شیخ عبدالعزیز خولی کا بیان ہے کہ ایک صاحب نے جن کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور مغربی تعلیم کی بڑی بڑی ڈگریاں لے چکا تھا، اس سے کہا کہ میں نے علم الاجتماع (سوشیالوجی) کی تصنیفات بکثرت پڑھی ہیں لیکن ایک خاص مسئلے کے متعلق قرآن کریم کا مسلک مجھ کو پسند نہیں آیا۔ میرے دوست نے سوال کیا، وہ کون مسئلہ ہے۔ اس نے کہا، قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے لڑو جب تک وہ یہ اقرار نہ کریں کہ لا الہ الا اللہ۔ خولی مرحوم نے اتنے بڑے تعلیم یافتہ شخص کی ایسی فاش جہالت پر تاسف کیا اور اس سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ قرآن پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنے سے پہلے تمہارے لیے مناسب تھا کہ جس طرح دوسری کتب کا مطالعہ

کیا اسی طرح قرآن کا بھی مطالعہ کرتے۔ یہ بات تاسف انگیز ہے کہ کسی موضوع پر عبور حاصل کرنے کے لیے اس کی سب تصنیفات پڑھ لی جائیں لیکن قرآن نظر انداز کیا جائے۔ تمہارا یہ خیال کہ قرآن میں یہ لکھا ہے بالکل غلط ہے اور اس قسم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں۔ البتہ اس مضمون کی ایک حدیث ہے جس کی تاویل اور توجیہ میں علماء کرام نے لمبا چوڑا اختلاف کیا ہے۔ (فاعتبروا یا اولی الالباب)

اسی ایک واقعہ سے تم سمجھ سکتے ہو کہ قرآن کریم کو فراموش اور نظر انداز کرنے سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں اور کتاب اللہ کے علوم و معارف سے لوگ کہاں تک بے بہرہ ہیں کیوں کہ تحقیق کا مروجہ عام طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کی تصنیفات سے علم حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو پس پشت ڈالے رکھیں۔ بجائیکہ اسی کو خدائے پاک نے بنی نوع انسان کے لیے قانون عام کے طور پر نازل فرمایا جو ہر ایک جگہ پر ہر ایک عہد میں یکساں بصیرت افروز ثابت ہوتی ہے۔ (ھذا بصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یوقنون)

جو کوئی بھی ان رسولوں کی تاریخ پر غور کرے گا جن کا حال (یا ان کے حالات پر تبصرہ) اس کتاب میں بیان ہوا ہے، وہ دیکھ لے گا کہ سب رسولوں کی دعوت ایک ہی چیز کی طرف ہے، یعنی یہ کہ خدائے پاک کو ایک مانو۔ بعثت اور جزا سزا پر یقین رکھو اور تمام رسولوں کو سچا سمجھو۔ ایک رسول اور دوسرے رسول میں بہ لحاظ سچائی کے کچھ فرق نہیں، جو ایک رسول کو نہیں مانتا وہ سب کی تکذیب کرتا ہے، سورۂ شعراء میں ارشاد ہوتا ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ | نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی۔

حالاں کہ انہوں نے ایک نوح علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کیا تھا (اس میں نکتہ یہ ہے کہ سب رسولوں کا مشن ایک ہے) اسی طرح عاد، ثمود اور قوم لوط کے متعلق یہی ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ قرآن کریم میں صاف لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک رسول کو تو مانتا ہے لیکن دوسرے کا منکر ہے، وہ کافر مطلق ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ	بے شک وہ لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض رسولوں کو تو ہم مانتے ہیں لیکن بعض دوسرے رسولوں کو ہم نہیں مانتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ درمیان میں (اپنا من مانا) راستہ اختیار کریں، وہ مطلقاً کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کو

مِّنْهُمْ أُولَـٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (سورہ نساء) | مانتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا کرنا چاہتے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کا اجر عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

اسی طرح سب رسولوں کی دعوت کا سنگ بنیاد اور ان کی اصولی تعلیم اعمال صالحہ اور پاکیزہ اخلاق کی تلقین تھی۔ ان باتوں پر سب کا اتفاق تھا بالفاظ دیگر تمام رسولوں کی بعثت بہ لحاظ اس کے اصول کے ایک ہے، گو ہر ایک رسول کا وجوہ عمل مسلک جداگانہ ہے۔

تم دیکھو گے کہ سب رسول اپنی امتوں کو گذشتہ تاریخ یاد دلاتے ہیں۔ ان کو جبارانہ حیثیت سے نہیں بھیجا گیا بلکہ وہ مبشر و منذر بن کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے امین (محلِ اعتماد) اور قوم کے خیر خواہ ہیں۔ دعوت کے فرائض انجام دینے سے ان کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ اپنی قوم کو سعادت سے بہرہ ور کریں اور اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔ وہ اپنی دعوت پر اپنی قوم سے کسی قسم کا اجر طلب نہیں کرتے۔ وہ اپنے اس عمل پر اپنے خالق وعزّوجلّ سے اجر کی توقع رکھتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں، انہیں خود اس پر کامل یقین ہوتا ہے۔ ایسے رسولوں کی تعلیم اور دعوت کو قبول کرنے پر لوگ کیوں آمادہ نہ ہوں؟

اگرچہ سب رسولوں کی دعوت اصولاً ایک ہے۔ بایں ہمہ ہر ایک رسول نے اپنی قوم کے اُن امراض کا علاج کرنے پر خاص توجہ کی ہے جو اس قوم میں خصوصیت سے پائے جاتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں بت پرستی کا زور تھا، اس لیے اس کے قصہ کو پڑھتے ہوئے تمہیں صاف طور پر نظر آئے گا کہ ان کی دعوت کا اہم عنصر توحید کی تلقین اور شرک کا ابطال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا توحید پھیلانا ہی آپ کی بعثت کا مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ شیخ الموحدین کہلاتے ہیں۔

لوط علیہ السلام کی قوم اَمرد پرستی میں مبتلا تھی اس لیے ان کو اسی پر زیادہ توجہ صرف کرنی پڑی۔ لوگ اس کبیرہ سے سخت مانوس تھے اور اس سے پرہیز کرنا (اور اس کو معیوب سمجھنا) ان کے نزدیک ایک جرم تھا جس کی سزا جلاوطنی تھی۔ قرآن کریم ان کا قول نقل فرماتا ہے: اَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ (اعراف)[1]

نبی اللہ شعیبؑ کا قصہ پڑھتے ہوئے تمہیں یہ نظر آئیگا۔ کہ توحید کی دعوت دے کر دوسری اہم بات ان سے یہی جاتی ہے۔ کہ ماپ تول میں کمی نہ کرو اور ترازو ٹھیک رکھو۔ کیونکہ ان کی قوم تجارت پیشہ تھی اور ماپ تول میں دھوکا کرنا انہیں عام تھا۔

بنی اسرائیل کی قوم (بہ عہد موسیٰ علیہ السلام) چوں کہ طویل مدت تک استبدادی حکومت کے محکوم رہ کر عزت نفس اور خودداری کی روح مُردہ ہو چکی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی تمام تر توجہ ان میں اس

---

[1] ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار بننا چاہتے ہیں۔

روح کو بیدار کرنے اور فرعون کے پنجۂ ظلم و استبداد سے نجات دلانے پر صرف کرنی پڑی۔

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مصلح قوم کو ہمیشہ شائع و لاحق مرض کا استیصال پیش نظر رہنا چاہیے اور اگر قوم میں متعدد امراض پائے جائیں تو اسی مرض کے علاج کو سب پر مقدم رکھا جائے جو زیادہ مہلک اور جس کے مضرات شدید ترین ہوں، اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جس طرح کسی طبیب کو ایسے مریض سے پالا پڑے جو متعدد امراض میں مبتلا ہو اور ان سب امراض کا بیک وقت علاج کرنا دشوار ہو تو یقیناً وہ سب سے پہلے اس مرض کا علاج کرے گا جو نسبتاً زیادہ خطرناک ہے۔

اپنی اس کتاب "دعوۃ الرسل" میں مَیں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر ایک رسول کے قصہ کے متعلق وہ تمام آیتیں جو قرآن کریم میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں یکجا جمع کر دی ہیں۔ البتہ بعض آیتیں جن کا مفہوم بالکل ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے، چھوڑ دی ہیں۔ قصہ میں وہی ترتیب ملحوظ رکھی ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ ہر ایک سورہ کی آیات کو الگ الگ لکھا ہے اور پھر اُن آیات پر تعلیقات اور ملاحظات (تشریحی نوٹ اور ریمارکس) لکھے ہیں۔ اگر کوئی قصہ ایک ہی سورت میں غیر معمولی طوالت کے ساتھ بیان ہوا ہے تو اس کو اجزاء میں تقسیم کر کے ہر ایک جزء کی شرح اور اس کی تعلیقات الگ لکھی ہیں۔

یہ بھی التزام کیا ہے کہ جس رسول کا زمانہ پہلے ہے اس کو پہلے ذکر کیا ہے اور تمام رسولوں کا حال بیان کرتے ہوئے تاریخ کی تقدیم و تاخیر کی بنا پر ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے، اس کے بعد بالترتیب ہود، صالح، ابراہیم، لوط، شعیب، یوسف، موسیٰ و ہارون، داؤد و سلیمان، عیسےٰ اور ہمارے اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کا حال لکھا ہے۔

اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ تعلیقات کو علمی اصطلاحات سے محفوظ رکھا جائے تاکہ وہ عام فہم ہوں اور ہر ایک ذی علم اور غیر ذی علم بآسانی اس سے استفادہ کر سکے۔ کسی آیت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ہر ایک پیراگراف کو علیحدہ نمبر دے کر دوسرے پیراگراف سے ممتاز کیا ہے تاکہ اس کا ہر ایک پہلو نمایاں رہے۔ اسی طرح مَیں نے آیات قرآن کی تشریح میں اسرائیلیات سے قطعاً پرہیز کیا ہے جس کو اکثر مفسرین اپنی تفسیروں میں بہ کثرت ذکر کر کے قارئین کرام کے ذہن کو ان سے بھر دیتے ہیں۔

جو احادیث جھوٹے طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئیں اور عوام نے ان پر اعتماد کر کے ان کو دین کا ماخذ سمجھ لیا اور وہ اسرائیلیات جو بعض یہودیوں نے مسلمانوں کے دین میں رخنہ ڈالنے کے لیے کتب

سابقہ کی طرف منسوب کرکے نقل کیں، مثلاً داؤد علیہ السلام اور ان کے سپہ سالار کا قصہ جو درحقیقت سفید جھوٹ ہے (اور انبیاء کی عصمت پر ایک ناقابلِ عفو بہتان ہے)، ان سب باتوں سے دین اور مذہب کو سخت نقصان پہنچا ہے۔

اگرچہ علماء کرام نے کچھ اصول اور قوانین احادیث کی صحت اور عدمِ صحت میں تمیز کرنے کے لیے وضع کئے ہیں جن سے ایک حد تک موضوع روایات کے پہچاننے میں مدد لی جاسکتی ہے لیکن وہ اسرائیلی خرافات جن سے عام تفسیریں بھری پڑی ہیں ان کی تردید اور ابطال میں ایک محقق اور ناقد مفسر کو بڑی کاوش کرنی پڑتی ہے۔

لہٰذا میں نے اپنی کتاب کو تمام آنکہ منقولہ سے خواہ ان کو صحیح سمجھا جاتا ہو یا سقیم وضعیف خیال کیا جاتا ہو یکسر اجتناب کیا ہے، کیوں کہ آیت کا سمجھنا ان باتوں پر موقوف نہیں، میں نے اپنی تشریحات اور تعلیقات میں یہ کوشش کی ہے کہ وہ آیات کے سیاق کے مطابق ہوں، کوئی توجیہ اور تشریح دین کے عام اصول کے خلاف نہ ہو اور اس سے رسولوں کی عصمت (جو ان کی رسالت کا لازمہ ہے) پر کوئی حرف نہ آتا ہو بلکہ ان کی جلالت شان اور منصب رفیع کے مناسب ہو۔ جب کبھی میں کسی رسول کے قصہ پر تعلیقہ لکھتا ہوں، میرا اعتماد ان صحیح اصولوں پر ہوتا ہے جن کو علماء کرام نے اسی مطلب کے لیے وضع کیا ہے چنانچہ روایات میں تعارض ہو تو میں علماء جرح و تعدیل کے قواعد کو ملحوظ رکھ کر کسی ایک روایت کو ترجیح دیتا ہوں اور جب کوئی ایسی حدیث سامنے آتی ہے جو بہ ظاہر کسی رسول کی عصمت کے مخالف ہے تو میں اپنے قارئین کرام کو علماء اُمت کے اس متفق علیہ اصول پر توجہ دلاتا ہوں کہ انبیاء کی عصمت یقینی ہے اس لیے کسی ظنی دلیل کو ہم اس کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کرسکتے۔ بہ طورِ مثال اللہ تعالیٰ اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ارشاد فرماتا ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ (سورہ مریم) "اپنی اس کتاب میں ابراہیمؑ کا حال یاد کرو، بے شک وہ ایک نہایت سچا پیغمبر تھا" اس کے مقابلہ میں بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ نے تین مرتبہ جھوٹ بولا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں کس طرح مطابقت پیدا کی جائے؟ اس کا جواب وہی ہے جس پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ آیت قطعی اور حدیث ظنی۔ اس لیے اوّل الذکر کو مقدم سمجھا جائے گا اور حدیث کو نظرانداز کردیا جائے گا۔ امام فخرالدین رازیؒ کا یہ قول مجھے بہت پسند ہے کہ "جب راوئ حدیث اور کسی پیغمبرِ خدا میں سے ایک کو خواہ مخواہ جھوٹا سمجھنا ہے تو ہم مجبور ہیں کہ راوی ہی کو جھوٹا سمجھیں۔" اسی اصول کو مدِّنظر رکھ کر ہم بہت سے اسرائیلیات کو رد کرسکتے ہو اور اسی قاعدے کے مطابق انبیاء کی عصمت پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں، ان کو باطل قرار دیا جاسکتا ہے۔

میں نے ہر ایک رسول کی سیرت کو ایسے طرز پر بیان کیا ہے جس سے اس کی جلالت شان اور اس کے اخلاقِ عالیہ کا پہلو نمایاں طور پر سامنے آجائے اس میں کچھ شک نہیں کہ رسولوں کی پاکیزہ سیرت کو قرآن کریم نے بہترین طریقہ پر بیان فرمایا ہے، بہ شرطیکہ نفس آیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اسرائیلیات کو بالکل نظرانداز کیا جائے جن کو بعض مفسرین آیات کا مفہوم

المترجم "عبدالرحیم"

تقریظات

جواہر العلوم | کتابستان، پوسٹ بکس نمبر ۴۲۱۶، بمبئی نمبر ۳ نے نہایت ہی مفید سلسلہ تالیفات اور تراجم جاری کیا ہے۔ جواہر العلوم ترجمہ ہے علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور و معروف عربی کتاب کا ترجمہ مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی فاضل پروفیسر عربی پشتو اسلامیہ کالج پشاور نے کیا ہے، یہ کتاب نہایت ہی قابل قدر مضامین علمیہ کی حامل ہے جن سے بعض آیات قرآنی کی تفسیر کی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر کی ضروریات کو کما حقہٗ پوری کرتی ہے اور ہم سفارش کرتے ہیں کہ تمام مدارس اسلامیہ میں اسے نصاب تعلیم میں داخل کیا جائے۔ اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ قرآن عظیم کی ایک ایک آیت علوم کا خزانہ ہے۔

ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ سلیس اُردو اور عام فہم عبارت میں کیا گیا ہے۔ کاغذ کی گرانی اور دیگر امور کو مدّنظر رکھتے ہوئے قیمت فی نسخہ دو روپیہ واجبی ہے۔ کاغذ دبیز چکنا اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ہے۔ (م ع ا)

شانِ خدا | کتابستان مذکورہ نے یہ مفید تالیف جس کی کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ ہے۔ قیمت ایک روپیہ، شائع کی ہے اس میں وجود خالق کے اثبات پر استدلال جدید علم کلام اور سائنس کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ دہریت کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ میں نمایاں ہے، یہ کتاب اس مذموم اثر کو زائل کرنے کے لیے لکھی گئی ہے اور ہر ایک طالب علم کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ یہ تالیف مولانا عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی کی ہے۔ (م ع ا)

محمدؐ رسول اللہ | انگلستان کے نامور ادیب اور فلسفی کارلایل کی مشہور کتاب "مشاہیر پرستی" (Hero worship) کے اس حصہ کا سلیس عام فہم اُردو ترجمہ ہے جس میں فاضل ممدوح نے آں حضرتؐ کی سیرت پر بحث کی ہے، ان ایام میں عیسائی پادریوں نے جھوٹے افسانے تراش کر اہل یورپ کو اسلام سے متنفر کرنے کی تبلیغ کی ہوئی تھی، کارلایل نے یہ کتاب لکھ کر اہل یورپ کے نظریہ درباره اسلام کو بدل دیا اور سچ تو یہ ہے کہ دنیاء اسلام پر بھی بہت بڑا احسان کیا، نہایت پُرزور الفاظ میں رسول کریمؐ کی رسالت کی صداقت کا اعلان کیا اور یہ بھی لکھا کہ میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ کتاب اُردو داں حضرات کے لیے نہایت مفید ہے۔ قیمت آٹھ آنہ۔ ترجمہ عاقل رحمانی صاحب ممدوح نے کیا ہے۔ (پتہ) کتابستان، پوسٹ بکس نمبر ۴۲۱۶، بمبئی نمبر ۳

نوٹ: یہ تینوں کتابیں (جواہر العلوم، شانِ خدا، محمدؐ رسول اللہ دفتر "البیان" امرتسر سے بھی مل سکتی ہیں۔

قرآن اور سیرت سازی | مصنفہ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، بیرسٹر ایٹ لا، استاذ فلسفہ، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد (دکن)، تقطیع ۲۶×۲۰/۸ صفحات ۲۶۔ کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت اعلیٰ قیمت ۸ر جو ہمارے صوبہ کے معیار سے بہت زیادہ ہے۔ (مصنف سے طلب فرمائیں)

اس دنیا میں مہاتما بدھ کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کا جو حشر ہوا وہ ایک ایسا عبرت انگیز سانحہ ہے جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے دفتر قاصر ہیں۔ یعنی وہ "بدھ مت" جو بت پرستی کے خلاف ایک مستقل جہاد بن کر اُٹھا تھا دنیا میں بت پرستی کا سب سے بڑا ادارہ بن کر رہ گیا، یہاں تک کہ اب خود بدھ (بد۔ بت) ہی صنم کا مترادف تسلیم کر لیا گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ـــــ لیکن تاریخ اسلام کا یہ انقلاب عظیم بھی کچھ کم تحیر خیز نہیں کہ تصوف جس کے ابتدائی علمبردار "اللّٰہ" تقدس وتعالیٰ کے سوا کسی ہستی کو نظر میں نہیں لاتے تھے۔ کائنات کی تمام ذوات و حقائق کو عکوس وظلال کہتے کہتے "لاشئی" کے گڑھے میں دفن کر دیتے تھے۔ آج انہیں کے توہم پرست اخلاف واتباع بت پرستی کی منزل سے بہت آگے، ہر اس چیز کے پرستار بن چکے ہیں جو کسی نہ کسی جہت سے اُن کے کسی محبوب و مخدوم لاشہ سے نسبت رکھتی ہے۔ بعض بزرگ اس اسفل السافلینی مخلوق کے خلاف قلمی جہاد میں مصروف ہیں۔ (شکر اللہ سعیہم) زیر نظر مقالہ جو پہلے "معارف" اعظم گڑھ میں بھی شائع ہو چکا ہے، اسی سلسلہ کی ایک مبارک کڑی ہے۔ اس میں اختصاراً قدیم اسلامی تصوف کو نہایت احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر اس کو اس ذوق کے عوام کے لیے رہنما اور خواص کے لیے رفیق راہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ حضرت مؤلف اس موضوع پر تفصیل سے اپنے معلومات قلمبند فرمائیں۔ (ع ع)

معارف القرآن | از چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی اے۔

سائز ۲۹×۲۲/۸ صفحات ۵۸۶ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت سے مجلد۔

ملنے کا پتہ: چودھری غلام احمد صاحب پرویز ۵ نورجہاں روڈ، نئی دہلی۔

چودھری غلام احمد صاحب پرویز سالہا سال سے معارف القرآن کی تالیف میں مصروف تھے، یہ کتاب کئی جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔ اس وقت پہلی جلد ہمارے سامنے ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے اسلام کی بنیادی چیز یعنی توحید کے مسائل حل کیے ہیں۔ اللہ اور اس کی تمام صفات مثلاً امر، ربوبیت، رزاقیت، نعمت، فضل، علم، غضب، قہر، قدرت، احیاء و اماتت وغیرہ پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ دوران مباحث میں، غیر مسلم اقوام ومذاہب کے عقاید وخیالات کو بھی قرآن مجید

کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے اور سائنٹیفک طریقے پر اسلام کی برتری اور فوقیت کو ثابت کیا ہے۔ شروع میں فن تفسیر کے متعلق مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کا ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ، اسلام کے بعض بنیادی مسائل کے متعلق مروجہ شکوک کی تردید کا باعث ہوگا، انداز بیان ایسا ہے کہ موجودہ پڑھے لکھے نوجوان جو خشک دینی مباحث سے جی چراتے ہیں، شوق سے اس کا مطالعہ کریں گے۔

خدا کرے کہ مؤلف کی محنت ٹھکانے لگے اور ان کی تقلید میں مسلمانوں میں اس نوع کی کتابوں کا رواج عام ہو۔ (م ا س)

غذائیات | نگران حکیم حاجی عبدالحمید صاحب، مرتب حکیم حافظ محمد سعید صاحب دہلوی۔

ضخامت ۸۰۸ صفحات، تقطیع ۲۶×۲۰/۸ کتابت، طباعت، کاغذ متوسط، قیمت ۸/

ملنے کا پتہ: ہمدرد منزل، لال کنواں، دہلی۔

یہ "ہمدرد صحت" دہلی کا خاص نمبر ہے جس میں بقول مرتب "غذا اور اس کے متعلق ہر بحث اس خوبی اور جامعیت سے پیش کی گئی ہے کہ اسے ایک حد تک غذا کا انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے اس خاص نمبر کی ترتیب میں فنی و عامی دونوں قسم کے ناظرین کے افادہ اور مذاق کا خیال رکھا گیا ہے۔"

یوں تو "ہمدرد صحت" کا کوئی نمبر بھی مفید علمی و عملی معلومات سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے مسلسل خاص نمبروں نے جو اہم طبی خدمات انجام دی ہیں وہ طبیب و غیر طبیب قدر دانانِ فن پر یکساں احسان عظیم ہے۔

زیر نظر رسالہ ۱۶ قیمتی ابواب پر مشتمل ہے جن میں غذا کی تاریخ، مقصد، اجزاء، توازن، ترکیب تیاری، مشروبات، غذا بہ حسب عمر، علاج بالغذا۔ نظام فراہمیٔ غذا، اقتصادیات غذا، مشاہیر عالم کی غذائیں، ادبیات غذا وغیرہ اہم موضوعات پر مناسب شرح و تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے یونانی اطباء کو اس میں بالخصوص بہت سی نئی اور مفید باتیں ملیں گی جن کی مدد سے وہ اپنے فن میں زیادہ کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ (ر ع)

اقبال کی پیش گوئیاں | مرتبہ حکیم محمد حسین صاحب عرشی امرتسری، صفحات ۱۶، قیمت ۲/، محصول الگ

ملنے کا پتہ: دفتر اُمت مسلمہ امرتسر

اس رسالہ میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اُردو فارسی کلام سے وہ اشعار انتخاب کر لیے گئے ہیں جن کا تعلق موجودہ حالات اور آئندہ زمانے سے ہے۔ مرتب نے اشعار کی ترتیب و تشریح میں پورے جوش، خلوص اور سلیقہ مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اقبال سے متعلق یہ اچھوتا موضوع ہے جس پر آج تک قلم نہیں اُٹھایا گیا۔ (ر ح)

حساب آمد و خرچ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

(یکم مئی ۱۹۴۲ء تا ۳۱ جولائی ۱۹۴۲ء)

البیان

میاں جلال الدین صاحب	عہ
میاں فیملی	سے
میاں عبدالرحمان صاحب انصاری	سے
حاجی محمد اسحاق صاحب	لعہ
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	ننہ
ایشیا بک ڈپو لاہور	عہ
عبدالمجید صاحب جموں توی	سے
بابو ذوالفقار علی صاحب	عا
مستری محمد اسمٰعیل صاحب	عہ
غلام محمد صاحب سابق رجسٹرار لاہور	صہ
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	سے
ملک محمد صادق صاحب	عہ
ڈاکٹر محمد شریف صاحب فتحگڑھ چوڑیاں	عا
منشی قمرالدین صاحب	عہ
خواجہ سخاء اللہ صاحب ایم اے	فہ
مستری تاج الدین صاحب	عہ
بابو نور محمد صاحب پوسٹ آفس	عہ
قاضی منظور حسین صاحب	عہ
محمد یوسف صاحب قلعہ دیدار سنگھ	سے
فیروز الدین صاحب رازی	سے
چوہدری اصغر علی خان صاحب بھوروال	ننہ
بابو غلام حسین صاحب بھروال	صہ
عبدالحکیم صاحب ڈسکہ	عہ
پہلوان خیرالدین صاحب	فہ
سید محمد حسین صاحب حسرت مسانیاں	عا
خان بہادر شیخ نور محمد صاحب ڈپٹی کمشنر لائلپور	سہ
خان صاحب عبدالوکیل خاں صاحب ایس ڈی او دھنباد	سے
شیخ غلام محی الدین صاحب انبالہ شہر	سے
محمد اسلم صاحب فیروزپور چھاؤنی	ننہ
محمد اسلم خاں صاحب موان	سے
بخشی حضور علی صاحب بیرسٹر لاہور	سے
سید منظور احسن صاحب ڈی ایف او ڈسکہ	مہ
مہر محمد عمر صاحب	صہ
محمد یٰسین صاحب شوق منٹھیال	عہ
متفرق	صہ
میزان	۲۶۳ روپیہ ۱۰

تبلیغ فنڈ

بابو چراغ الدین صاحب سدھو	سے
پہلوان خیرالدین صاحب	سے
میاں جلال الدین صاحب	لعہ
خواجہ سخاء اللہ صاحب ایم اے	فہ
محمد اقبال صاحب سلانی	عا
میزان	۶۷ روپیہ

کتب خانہ

از فروخت کتب	۶۶
تفسیر طنطاوی فنڈ	لعہ
میزان	۷۵ روپیہ ۱۴

لائبریری

مہر بخش صاحب چغتائی میران شاہ	منہ
متفرق	۲
میزان	۱۰ روپیہ ۲

عمارات فنڈ

آمدنی کرایہ کمرہ جات	لعہ
رکنیت	عہ
بقایا سابقہ	۲۴۷ روپیہ
میزان کل	۷۷۵ روپیہ

مصارف

البیان	۲۷۴ روپیہ
عمارات	۷ روپیہ ۱۱
کتب خانہ	۶۲ روپیہ
تبلیغ	۳۰ روپیہ
لائبریری	۷ روپیہ
میزان	۳۸۲ روپیہ ۳

بقایا	۳۹۳ روپیہ
میزان	۷۷۵ روپیہ

جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا [illegible] کے ٹکٹ ارسال فرمائیں

مقدمۂ زندگانیٔ محمدؐ
عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانیٔ محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیرِ تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پریس ہی میں فروخت ہوگئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر اندر ختم ہوگئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہؤا اور وہاں بھی ہزارہا کی تعداد میں شائع ہؤا۔ اب دفترِ اُمتِ مُسلمہ امرت سر نے زندگانیٔ محمدؐ کے مقدمے کا اُردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبرِ اسلام کی مقدس زندگی پر اہلِ مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱۔ زندگانیٔ محمدؐ ایک قابلِ قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانیٔ محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ مَیں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دلچسپ پایا (سر عبدالقادر)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنّف کی کوششیں مستحق اجر و قابلِ داد ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانیٔ محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوعِ اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ از بس مفید ہے (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو اہلِ مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایتِ اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیامِ نسواں)

لکھائی چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ ۱۳ ٹکٹوں کی صورت میں یا بہ ذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجئے۔

ملنے کا پتہ: دفترِ اُمتِ مُسلمہ۔ امرت سر (پنجاب)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۴۴۴۵

تفسیر بیان للنّاس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الّا ماشاءاللہ) قرآن کو کہ قول الٰہی ہے) آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اُس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں، کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں، کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

۴۔ اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا ہے۔

۶۔ قانون وراثت کا احیاء

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت وطباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر۔ یعنی: منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (سے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ: دفتر اُمت مسلمہ امرتسر (پنجاب)

الرّحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمہ البیان

نمبر ۲ م

البیان

امّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے　　　فی پرچہ چار آنے

براہین وحی

مرتبہ

محمد حسین عرشی ——— محمد اقبال سلمانی

نیاز فتح پوری نے اپنے رسالہ "نگار" میں چند مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے۔ چونکہ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف ہے اور اسے تسلیم کر لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، اس لیے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء اور اہل فکر و تحریر مسلمانوں نے نہایت مدلل اور کامیاب مضامین لکھ کر اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ "براہین وحی" ان ہی مبارک مضامین کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے آپ اس بے نظیر کتاب میں علامہ اقبالؒ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرت سری، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد اویس نگرامی، ڈاکٹر تاثیر، ڈپٹی سید مقبول احمد بی اے اور حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے بلند پایہ محققانہ مضامین یک جا پائیں گے۔ ان مقالات میں بے شمار نقلی، علمی اور تاریخی حقائق سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہر لحاظ سے، ہر پہلو سے ایک زندہ جاوید الہامی کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں محمد اقبال صاحب سلمانی کے قلم سے ایک نہایت بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے اور نیاز صاحب کے وہ تمام مضامین بھی، جن کے جواب میں یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال، مولانا تمنا عادی، حضرت اسد ملتانی اور حضرت عرشی امرت سری کی بلند پایہ نظموں نے بھی کتاب کو زینت بخشی ہے۔ یقین کیجیے کہ دنیائے اسلام کی پوری تاریخ میں "براہین وحی" اپنے موضوع و ترتیب کے لحاظ سے پہلی کتاب ہے اور اپنے اندر ان تمام دلوں کی تسکین کا سامان رکھتی ہے جو قرآن مجید کو علم و تحقیق کی روشنی میں ایک آسمانی کتاب سمجھنا چاہتے ہیں۔

ملک کے تمام بڑے بڑے دینی اور علمی رسائل بڑی عزت اور مسرت کے ساتھ براہین وحی کا استقبال کر چکے ہیں۔ معارف، صدق اور ندیم جیسے موقر جرائد نے قرآن پاک کی اس مبارک خدمت پر نہ صرف تبصرے ہی لکھے، بلکہ اپنے افتتاحیہ مقالوں میں بھی اس کو خراج تحسین ادا کیا اور بالاتفاق اسے مسلمانان ہند کی ایک بہت بڑی خدمت قرار دیا۔ ہر مسلمان کے پاس، بالعموم اور ہر مبلغ قرآن کے پاس بالخصوص "براہین وحی" کا ایک ایک نسخہ ضرور موجود ہونا چاہیے۔ یہ حسین جمیل کتاب $\frac{20\times26}{8}$ سائز کے سفید چکنے کاغذ پر، نہایت عمدہ کتابت اور طباعت کے ساتھ، ۲۸۴ صفحوں پر شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۶ؔ/ مع محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: دفتر اُمت مُسلمہ امرت سر (پنجاب)

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۴ | ستمبر ۱۹۴۲ء مطابق شعبان ۱۳۶۱ھ ہجری | نمبر ۹

فہرست مضامین

(محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر سے چھپوا کر دفتر اُمت مسلمہ امرتسر بیرون دروازہ حکیماں سے شائع کیا)

شذرات

۸ | یعنی ان آٹھ نوجوانوں کے نام جنہوں نے مورخہ ۲ اگست ۱۹۴۲ء کو شام کے وقت مسجد اُمت مسلمہ کے بھرے جلسے میں خدائے پاک کے نام پر عہد کیا کہ وہ ہر اتوار صبح کو مسجد میں حاضر ہوکر تبلیغ قرآن کے لیے تعلیم (ٹریننگ) حاصل کریں گے۔ جلسے کے محترم بانی خواجہ ثنا اللہ صاحب ام اے نے مجمع سے دس نوجوان مانگے تھے۔ اُس وقت، آٹھ صاحبوں نے برضا و رغبت اپنے آپ کو پیش کردیا۔ اس وقت تک تین ہفتہ وار درس ہو چکے ہیں۔ پہلے درس میں غالباً چند، دوسرے میں چار اور تیسرے میں پانچ بھائی حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور انہیں صراطِ مستقیم پر ثابت رکھے۔ اس وقت ہمارے مرکزِ توجہ وہ صحیح العقل، بالغ، ہوشیار، تندرست اور کارکن نوجوان ہیں جنہوں نے بڑے شوق سے اپنے آپ کو پیش کیا اور شاید مسجد سے باہر نکلتے ہی اپنی زبان سے نکلے ہوئے خدا کی مسجد میں کیے ہوئے عہد کی اہمیت کو فراموش کردیا۔ عزیزانِ من! انسانی روح کی اس سے زیادہ گراوٹ اس سے زیادہ تذلیل اور کیا ہوسکتی ہے جو آپ کے ذریعے ہو رہی ہے۔ یاد رکھو! تم نے کسی کمزور انسان سے عہد نہیں کیا جو تم پر کوئی قدرت نہیں رکھتا جو تم کو قطعاً مجبور نہیں کرسکتا۔ یہ وعدہ رب العالمین کے ساتھ تھا، یہ بیعت اس کی پاک کتاب سے تھی۔ اُس وقت جن لوگوں نے وعدہ نہیں کیا، وہ بری الذمہ ہیں۔ لیکن تم سبکدوش نہیں ہوسکتے تمہاری یہ مجرمانہ غفلت ہے جو کبھی معاف نہیں ہوسکتی۔ جو لوگ خدا کا کلام سنتے ہیں اور اس کی پروا نہیں کرتے، عمل کا اقرار کرتے ہیں اور عمل سے بیگانہ رہتے ہیں۔ وہ خدائے قدوس کی اہمیت گھٹا رہے ہیں، اس کے دین سے ٹھٹھا کر رہے ہیں، اس کے نوشتوں کو مہمل و لغو قرار دے رہے ہیں، ایسے لوگوں کا، ایسی قوم کا، ایسے جوانوں کا انجام یقیناً ہولناک ہے۔ یہ سطور تمہارے لیے آخری تنبیہ ہیں۔ دین کو دنیا پر ترجیح دو۔ خالق جل شانہ کو مخلوق سے اہم سمجھو۔ اس کی سزا و انتقام سے ڈرو، جس کی شہادت دنیا کا ماضی و حال پکار پکار کر دے رہا ہے۔ جو لوگ تم سے عمر میں بڑے اور علم میں زیادہ ہیں، ان کے معلومات کا خزانہ، ان کی زندگی کا اندوختہ، اس سے پہلے کہ وہ تم سے جدا کردیے جائیں، حاصل کرلو۔ ان کی قدر نہ سہی، ان کے سینوں میں چھپے ہوئے علمی حقائق کی قدر کرو۔ وہ تمہاری جائداد ہیں تم ان کے حقیقی وارث ہو۔ عزیزانِ من! اپنی دولت کو دستبردِ روزگار سے بچاؤ۔

ابراہیم اور محمد (سلام علیہما) کے بیٹو، اسلام کے فرزندو! اپنی اہمیت کو سمجھو، اپنے فرض کو پہچانو، اپنے اندر چھپی ہوئی الٰہی ودیعتوں سے کام لو۔ تمہیں دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ وحوش، طیور اور حشرات کی طرح

شب و روز صرف ضروریاتِ جسمانی میں ڈوبے رہو' نہیں میں نے غلط کہا، مادیات میں غرق انسان ہر ادنیٰ مخلوق سے زیادہ اسفل و اضل ہے۔ کیوں کہ وہ اپنی اپنی تسبیح میں مصروف ہیں اور افضل الخلق ہونے کے مدعی انسان کو اپنی مادی ضروریات سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے خدا کی طرف توجہ کرنے کے لیے کم سے کم وقت نکال سکے۔ اس نے سمجھ رکھا ہے کہ انسان صرف جسم کا نام ہے' زندگی صرف جسمانی زندگی ہے۔ اس کے اندر نہ کوئی روح ہے اور نہ اُسے روحانی ضروریات کا احساس۔ اسی لیے تو خدا نے اُن کو اپنے پاک کلام میں مَن فی القبور کا خطاب دیا ہے۔ گویا جسم ایک قبر ہے جس میں مردہ روح مدفون ہے۔ اسی لیے تو ان کی سماعت کو عدمِ سماعت' ان کی بصارت کو عدمِ بصارت' ان کے قلوب کو قفا بت سے خالی اور پتھر بلکہ پتھر سے اشد قرار دیا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ یہ کلمات کون کہہ رہا ہے؟ —— جس کے زندگی بخش لفظ (کُن) سے کائنات وجود حاصل کر رہی ہے جس سے کسی کو کہیں بھی مفر نہیں۔ اُٹھو اور آنے والے طوفان سے بچنے کے لیے اوپر لکھی گئی سطور سے فائدہ اُٹھاؤ۔

کچھ اَور | یہ پیغام آٹھ دس یا محض قریب رہنے والوں تک محدود نہیں۔ ہر وہ شخص جس کو خدا کی ضرورت ہے' جس کو اس بارگاہ میں حاضر ہونے کی توقع ہے' جو تسکینِ روح کے لیے دنیا کے سارے سامانوں کو ناکافی سمجھنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے' وہ جہاں کہیں ہے، جس حال میں بھی ہے' اس پیغام کا مخاطب ہے' اُسے اپنی فکر کرنا چاہیے اپنے گرد و پیش میں قرآن کو اپنے علم و عمل کے ذریعے پھیلانے کے لیے کمر باندھ لینی چاہیے۔

لاہوری احباب سو رہے ہیں' انہیں بار بار جگایا جاتا ہے' لیکن نہیں جاگتے۔ وہ ملک کے مرکز میں رہتے ہیں انہیں شمعِ راہ بننا ہوگا۔ ورنہ وہ اس نازک وقت میں اپنے آپ کو الٰہی گرفت سے محفوظ نہ سمجھیں۔ تمام وہ شہر و دیہات جہاں جہاں قرآن مجید کا پیغام "البیان" کے ذریعے پہنچتا ہے' مراکزِ تبلیغ بن جانے چاہئیں۔ جن کا تعلق براہِ راست دفترِ اُمتِ مسلمہ امرتسر سے ہو۔ وہ دفتر سے خط و کتابت رکھیں، ہدایات حاصل کریں اور اپنے حرکت و عمل سے مطلع کرتے رہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان کی مخلصانہ سعی بے کار رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین کا حامی و ناصر ہے۔

رَبَّنَا! وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا

ضرورتِ تفسیر | اگر کسی صاحب کے پاس تفسیر "الجواہر" (کامل ۲۵ جلد مصنفہ علامہ جوہری طنطاوی) موجود ہو اور وہ اسے فروخت کرنا چاہیں تو دفترِ اُمتِ مسلمہ امرتسر سے خط کتابت کریں۔

۹ **آیندہ اجلاس** | اُمتِ مسلمہ امرتسر کا آیندہ ماہانہ اجلاس ۶ ستمبر ۱۹۴۲ء بروز اتوار (جدید تعیینِ وقت کے لحاظ سے ٹھیک چھ بجے شام) مسجد اُمتِ مسلمہ (واقع اُمتِ مسلمہ بلڈنگس بیرون دروازہ حکیماں) منعقد ہوگا۔ خواجہ سنا اللہ صاحب ایم اے اپنی پُر مغز تقریر سے حاضرین کو مستفید فرمائیں گے۔ تمام احباب خود تشریف لائیں اور اپنے احباب کو بھی ہمراہ لائیں۔

روئداد

مسجد اُمتِ مسلمہ کی تعمیر قریباً پانچ ہزار روپے کے صرف سے مکمل ہوئی۔ تعمیر کے طویل عرصے میں کئی دفعہ امید دبیم کے دوراہے پر رک جانا پڑا۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض برگزیدہ بندوں کی ہمتیں اس طرف منعطف کردیں کہ اس کام کو ختم کرکے دم لیا جائے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ اس وقت مسجد کی فضا، منظر، وسعت اور ساخت وغیرہ اتنی دلکش اور جاذب ہے کہ شہر بھر میں اس کی نظیر کم نظر آئے گی۔ حالات حاضرہ کے پیشِ نظر طے کیا گیا ہے کہ مسجد میں ماہانہ اور ہفتہ وار اجتماعات کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت تک تین ہفتہ وار نشستیں ہوچکی ہیں جو صرف طالب علموں سے مخصوص ہیں اور پہلا ماہواری اجتماع مورخہ ۲ اگست ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوا۔ حاضری خاصی تھی۔ مقررین نے پورے خلوص و تحقیق سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ذیل میں خلاصہ کارروائی درج کیا جاتا ہے:

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا پہلا ماہانہ جلسہ ۲ اگست ۱۹۴۲ء بروز اتوار بوقت ۶ بجے بعد دوپہر شام منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت بابو چراغ الدین صاحب سدھوتے فرمائی۔ جلسے کا افتتاح سورۃ الفاتحہ کی تلاوت سے کیا گیا۔ تلاوت کے بعد خواجہ سخاء اللہ صاحب ایم اے نے اپنی تقریر آیات ذیل کے عنوان سے شروع فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ○ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ

(یعنی عملی اسلام ہے اس سے منہ نہ موڑنا) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا (تمہاری وسعت کے مطابق تم پر) حق ہے اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو (جو تمہیں جوڑنے اور ایک بنانے کے لیے نازل کی گئی ہے) مضبوط کرکے پکڑو اور فرقہ فرقہ مت بنو اور اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر کی گئی ہے، یاد کرو، جبکہ تم دشمن دشمن تھے۔ سو اس (خدا) نے تمہارے دلوں کے درمیان جوڑ لگا دیا، سو تم اس کے انعام سے بھائی بھائی بن گئے (یہ ہے اسلام کی حریت، و مساوات) اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے (یعنی تم آگ میں گرنے والے تھے) سو خدا نے تم کو اس (آگ) سے چھڑا دیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ اور (اس کے لیے ہمیشہ تبلیغ کو جاری رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے)

الْبَیِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ

(سورہ آلِ عمران رکوع ۱۱)

چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو، جو اصل خیر کی طرف بلاتی ہوں اور معقول بات کا حکم دیتے ہوں اور نامعقول سے روکتے ہوں اور یہ لوگ جو ہیں تو یہی فلاح پانے والے (اور کامیاب ہونے والے) ہیں اور اُن لوگوں کی مانند مت بنا (جو صورتوں اور معمولی باتوں میں اختلاف کرکے) فرقہ فرقہ بن گئے اور کھلی دلائل آنے کے بعد انہوں نے اختلاف کیا اور یہ لوگ جو ہیں تو ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ان آیات کا مفصل ترجمہ کرنے کے بعد محترم مقرر نے یہ بتلایا کہ قرآن پاک جا بجا ہمیں اُمت (منظم جماعت) بننے کا حکم دیتا ہے اور افتراق و انشقاق۔ سے منع کرتا ہے۔ اتحاد و اتفاق کے فوائد پر کچھ روشنی ڈالی گئی اور انشقاق و افتراق کے نتائج سے متنبہ کیا گیا۔

محترم مقرر نے اس چیز پر زور دیا کہ قرآن حکیم دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے کیوں کہ اس کتاب نے بنی نوع انسان کی ہدایت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت ہی تو تھی کہ جس کی بنا پر اس نے قرآن پاک کو مرجع علوم بنایا اور ہمیں اس قدر عالی شان کتاب بخشی۔ الرحمٰن کی عطا کردہ نعمت سے فائدہ نہ اُٹھانا مغضوب علیہم اور الضّالین بننا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے پر لگائے۔ اس موقع پر صاحب موصوف نے جلسے کی افتتاحی تلاوت کی طرف اشارہ کیا اور بتلایا کہ جن سات چھوٹی چھوٹی آیتوں سے جلسے کی ابتدا کی گئی ہے، وہ آیات قرآن عظیم کی فاتحہ اور کلید ہیں۔ یہ آیات ہی جماعتی تعلیم کی آئینہ دار ہیں، یہی آیات اسلام کی بنیاد ہیں اور یہی آیات اسلام کا منتہا ہیں اور ان آیات میں سیدھی سادی، صاف اور عام فہم تعلیم دی گئی ہے، جن پر ہر انسان بلا امتیازِ مذہب و ملت عمل کر سکتا ہے۔ یہ آیات تخلیقِ آدم سے آج تک ہر حامل وحی کو ملتی رہی ہیں۔ قرآن کی زبان میں ان کا نام سبعاً من المثانی ہے کیوں کہ یہ آیات پہلے صحیفوں میں موجود ہیں اور ہر صحیفے میں دہرائی گئی ہیں (اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ اور اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی) مثال کے طور پر آپ لوقا کی انجیل باب ۱۱، آیات ۱تا۴ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

"پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا۔ جب کر چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اُس سے کہا، اے خداوند! جیسا یُوحنا نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا تو بھی ہمیں سکھا، اُس نے اُن سے کہا، جب تم دعا کرو تو کہو، اے باپ! تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے، ہماری روز کی روٹی ہر روز ہمیں دیا کر اور ہمارے گناہ معاف کر کیوں کہ ہم بھی اپنے ہر قرض دار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔"

یہاں سورۃ فاتحہ کو سامنے رکھ کر انجیل شریف کی آیات بالا کے ساتھ اُس کا مقابلہ کریں۔ اس کے بعد

آپ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی تعلیم رب العالمین کی طرف سے دی گئی ہے اور جس پر تمام انسان رنگ و بو اور ملک و قوم کے امتیاز کے بغیر عمل کر کے گمراہی اور خدا کے غضب سے بچ سکتے ہیں، یعنی منعم علیہم بن سکتے ہیں، اُن کی تشریح خود اللہ پاک نے نہایت صاف الفاظ میں قرآن پاک میں خود بخود فرمادی ہے۔ آیات ذیل مع ترجمہ و تشریح ملاحظہ فرمائیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ
اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج وَاَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا ج وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ
ذَا قُرْبٰى ج وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ
هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا
تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ
ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(سورہ انعام رکوع ۹)

یعنی (اے رسول) تو کہہ دے۔ آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو باتیں تمہارے لیے تمہارے رب نے قابل احترام قرار دی ہوئی ہیں کہ تم اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو تنگی کی وجہ سے (بھی) قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو بھی رزق دیتے ہیں اور ظاہر باطن بے حیائیوں کے نزدیک نہ جاؤ اور جان کو جسے خدا نے قابل قدر بنایا ہے، ناحق قتل نہ کرو۔ خدا تمہیں یہ وصیت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور مال یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر اس (نیت اور طریقہ) سے جو از حد نیک ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول کو انصاف سے پورا کرو۔ ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب بات کرو تو عدل کرو۔ اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور جب تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عہد کرتے ہو تو یہ نہ سمجھو کہ تم نے یہ عہد محض اپنے جیسے ایک آدمی سے کیا ہے۔ اگر اسے توڑ دیں گے تو کچھ پروا نہیں۔ نہیں بلکہ یہ سمجھو کہ ہم نے یہ عہد خدا تعالیٰ کے حضور میں اور اس پر ایمان ظاہر کر کے کیا ہے، اس لیے یہ عہد خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے، تم اپنے ہاتھ پر اس آدمی کے ہاتھ کو نہ دیکھو بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر نظر کرو۔ جس پر ایمان رکھ کے عہد کیا ہے پس کسی کے ساتھ عہد کرتے وقت حقیقت میں خدا کا ہاتھ تمہارے ہاتھ پہ ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ اور اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

کے حسب الحکم تم اس عہد کو، اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ کرتے ہو، خدا تعالیٰ کا عہد سمجھو۔ یہ نہیں کہ ان انسانوں ہی کو خدا بنالو عہد کی اہمیت کو دکھانے کے لیے، بندوں کے ساتھ عہد کرنے کو خدا کا عہد فرمایا ہے۔ سوئم) اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ خدا تمہیں

یہ وصیت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور یہ میرا صراطِ مستقیم ہے۔ اس فرمان کا خلاف اصلاً حرام ہے پس اس کی پیروی کرو اور متفرق رستوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں خدا کے (اس) رستے سے الگ کر دیں گے۔ خدا تمہیں یہ وصیت (اس لیے) کرتا ہے کہ تم بچ جاؤ۔

آیات بالا میں اُن بنیادی احکام کا ذکر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے روزِ اوّل سے دائمی اور اٹل قرار دے رکھا ہے۔ تورات کے نزول سے پہلے بھی یہی احکام موجود تھے (ملاحظہ ہو آیۃ ثم اتینا موسی الکتب الخ انعام ۱۵۴)۔ اگر تورات محفوظ رہتی تو قرآن پاک کے فرمودہ نو احکام حرف بحرف اس میں مل جاتے[1]۔ اب موجودہ تورات کا انداز بھی قرآن پاک کے بیان کی بہت حد تک تصدیق کرتا ہے[2]۔

"تب اُس نے کہا، خداوند تیرا خدا جو تجھ کو ملک مصر یعنی غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔ میرے آگے تو اَور معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو اُن کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ اُن کی عبادت کرنا کیوں کہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں اُن کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں۔ اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ لینا کیوں کہ خداوند اس کو جو اُس کا نام بے فائدہ لیتا ہے، بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔ تو خداوند خدا کے حکم کے مطابق سبت کے دن کو یاد کر کے پاک ماننا۔ چھ دن تک تو محنت کر کے اپنا سارا کام کاج کرنا۔ لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے۔ اُس میں نہ تو کوئی کام کرے، نہ تیرا بیٹا، نہ تیری بیٹی، نہ تیرا غلام، نہ تیری لونڈی، نہ تیرا بیل، نہ تیرا گدھا، نہ تیرا اَور کوئی جانور اور نہ کوئی مسافر جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو تاکہ تیرا غلام اور تیری لونڈی بھی تیری طرح آرام کریں۔ اور یاد رکھنا کہ تو ملکِ مصر میں غلام تھا اور وہاں سے خداوند تیرا خدا اپنے زورآور ہاتھ اور بلند بازو سے تجھ کو نکال لایا۔ اس لیے خداوند تیرے خدا نے تجھ کو سبت کے دن کو ماننے کا حکم دیا۔ اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم دیا ہے تاکہ تیری عمر دراز ہو اور جو ملک خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے اُس میں تیرا بھلا ہو۔ تو خون نہ کرنا۔ تو زنا نہ کرنا۔ تو چوری نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر یا اُس کے کھیت یا غلام یا لونڈی یا بیل یا گدھے یا اس کی کسی اَور چیز کا خواہاں ہونا۔" (کتاب استثنا باب ۵، آیات ۶ تا ۲۱)

قرآن مجید کے احکام کا تورات شریف کے احکام کے ساتھ مقابلہ کرنے سے آپ پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ تورات کے احکام نامکمل ہیں اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے بعد ایک مکمل اور بے بدل دستور العمل آنے والا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے احکام جامع اور مانع ہیں اور ان احکام میں کسی کمی بیشی کی

---

[1] ولقد اتینا موسی تسع ایات بینات (بنی اسرائیل ۱۰۱) [2] دس میں کا دسواں حکم سبت تھا جو دائمی نہ تھا بلکہ محض وقتی اور سزائی حکم تھا۔

قطعاً گنجائش نہیں۔ میرے بھائیو! میں جانتا ہوں کہ آپ سب صاحبان قرآن پاک کا کماحقہٗ مطالعہ نہیں فرما سکتے۔ اس لیے اس وقت عام طور پر قابل عمل باتوں کو آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے تاکہ آپ کسی عذر یا تکلیف کے بغیر کم ازکم ان کو عمل میں تو لا سکیں۔ آپ آج سے یہ عہد کر لیں کہ کم سے کم ان آیات کو اپنا نصب العین بنا لیں گے۔ یہ تھا عام دوستوں کا ذکر۔ اب میں خواص کا ذکر کرتا ہوں۔ خواص سے میری مراد وہ نوجوان ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور جن کو اب زندگی کی دَوڑ میں عملی قدم اٹھانا ہوگا۔ اُن نوجوانوں سے میری استدعا یہ ہے کہ وہ کم ازکم صبح سویرے اُٹھ کر گھروں میں اپنی اپنی ہمت کے مطابق قرآن پاک کی تلاوت کیا کریں۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ یعنی، کتاب کو سوچیں، سمجھیں اور اس کا اتباع کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے جذبات پر قابو پانے کی دعا مانگیں۔ صبح کا پڑھا ہُوا دن بھر حاضر رہتا ہے (اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا) چھوٹے بھائیوں اور بزرگوں کو بھی اپنے علم سے کچھ حصّہ دیں اور قرآن پاک کی دعا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (خداوندا! ہمیں متقیوں کا امام بنا) کو سچ کر دکھائیں۔

نیز اگر ممکن ہو تو اپنے اپنے محلے کی مسجد میں قرآنی درس جاری کرائیں۔ مدرس (درس دینے والے صاحب) خواہ کوئی بھی ہوں اور ان کے خیالات کیسے بھی ہوں، قرآن پاک خود بخود اپنے صحیح مفہوم کو لوگوں پر واضح کرتا رہے گا۔ اور دردمند اور حساس نوجوانوں کی خدمت میں بھی میری درخواست ہے کہ وہ تجویز بالا کو جماعتی طور پر عمل میں لائیں اور جو تجاویز میں اس جلسے کے اختتام پر پیش کرنے والا ہوں، اُن پر غور کریں اور مستعد ہو کر اُن پر عمل کرنا شروع کر دیں۔

اس کے بعد عرشی صاحب نے تقریر فرمائی جو کسی آئندہ صحبت میں نذر ناظرین کی جا سکے گی۔ آخر میں خواجہ صاحب ممدوح نے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں جو باتفاق آراء پاس ہوئیں:

۱۔ اُمت مسلمہ امرت سر کا مقامی اجلاس مسجد میں ہر ماہ کی پہلی اتوار کے دن ہُوا کرے گا۔ جلسے کا وقت دوپہر سے پہلے یا عصر کے بعد ہوگا جس کی اطلاع جلسے سے ایک ہفتہ پہلے دی جایا کرے گی۔

ہر مقامی ممبر کا فرض ہوگا کہ حتی الوسع کوشش کرے کہ جلسے کے مقررہ دن امرت سر سے باہر نہ جائے اور شہر میں موجود ہونے کی حالت میں شمولیت کرے۔

(نوٹ) یہ تجویز مع عہد نامہ اور دستخط ارکان اُمت مسلمہ، دفتر اُمت میں محفوظ رکھی جائے۔

۲۔ زیادہ سے زیادہ دس ایسے نوجوان مہیا کیے جائیں جو کم سے کم اُردو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور انہیں ہر اتوار کی صبح قرآن پاک کا درس اس طرح سے دیا جائے کہ اُن میں سے ہر شخص اُس درس کو خود سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کے قابل بن جائے۔

۴- شہر کے ہر کٹڑے یا محلے میں جہاں جہاں قرآن پاک کو وحی کی ضروریات کے لیے کافی سمجھنے والے مسلمان بستے ہوں، وہاں ایک آدمی کو اُس علاقے کا عامل مقرر کیا جائے۔ عامل کا تقرر کم از کم تین مہینے تک اور زیادہ سے زیادہ ایک سال تک ہوا کرے گا۔ ہر سال نیا انتخاب ہوگا جس میں پرانے عامل بھی اپنے حسنِ کار کی بنا پر دوبارہ چُنے جاسکتے ہیں۔

(نوٹ) عامل کا فرض ہوگا کہ ماہانہ مقامی جلسے میں اپنے علاقے کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں لے کر پہنچے۔

جلسے کے اختتام پر حلیم سکندر خضر صاحب نے نہایت پُرزور الفاظ میں سامعین کو حقیقی عملی زندگی کے میدان میں گامزن ہونے کی دعوت دی۔

مطالعۂ حدیث

مدیر "نگار" کا تبصرہ

یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ بیرے اور اُن کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراجپوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے، اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے، اسرائیلیات، زندیقیت، دجّال، معراج، قتلِ مرتد، غلامی، اوقاتِ نماز، ایامِ صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعہ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتاً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت ۱۲/ر محصول الگ

ملنے کا پتہ: منیجر اُمتِ مسلمہ امرتسر (پنجاب)

ضروری

جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ڈیڑھ آنہ کے ٹکٹ ارسال فرمائیں

جن اصحاب کو "البیان" وقت پر نہ ملے، وہ مہینے کی پندرہ تاریخ تک دفتر سے دوبارہ منگوالیں، اس کے بعد "البیان" قیمتاً حاصل ہو سکے گا۔

مِلّتِ ابراہیمؑ

نقطۂ اولیٰ

"مِلّتِ ابراہیمؑ" مؤلفہ حکیم محمد حسین صاحب عرشی کا دوسرا ایڈیشن ۳۲ عنوانوں کے اضافے سے حسین کتابت وطباعت کے ساتھ عمدہ کاغذکی چھوٹی تقطیع پر مکرر شائع کیا گیا ہے۔ پہلے اڈیشن کو باوجود اختصار واجمال کے جو حسن قبول حاصل ہوا، اس کے لیے ہم اللہ کریم کے شکر گزار ہیں۔ توقع ہے کہ جدید اڈیشن اس سے بہت زیادہ مفید ومعنی خیز ثابت ہوگا۔ مضمون ذیل اس کا تعارفی دیباچہ ہے جو محترم سلمانی صاحب کی کاوش فکر کا جامع اور دلکش نتیجہ ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ مروجہ ادیان و مذاہب جو انسانی روح کو پستی اور درندگی کی طرف لے جا رہے ہیں، جن سے ہر سنجیدہ انسان بیزار ہوکر دہریت کو ترجیح دینے کے لیے مجبور ہو رہا ہے، بالکل انبیاء علیہم السلام کے دین کی ضد ہیں۔ اگر آج اس حقیقی دین کو پھر سے رائج نہ کیا گیا تو روح انسانی کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ وہ دین نہایت سادہ، قابل عمل اور پیچیدگیوں سے پاک ہے اور وہی اس کتاب (مِلّتِ ابراہیم) کا موضوع ہے، اس کی جتنی اشاعت کی جائے، اتنی ہی ارواح انسانی کی بھلائی ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز (منیجر)

ستارے رات کو آسمان کی بلندیوں سے چمکتے نظر آتے ہیں، چاند، اوپر فضا ہی میں نہیں چمکتا، زمین کی طرف بھی اپنے نور کا سیلاب بھیج دیتا ہے، آفتاب کی روشنی، حدت اور تمازت کو انسان کا ذہنی شعور ہی نہیں، جسمانی شعور بھی محسوس کرتا ہے ——جب سے کائناتِ ارض وسماء کا یہ کارخانہ تعمیر ہوا ہے، معلوم نہیں، اس کی تاریخ کتنی لمبی تاریخ ہے، ہزاروں لاکھوں برس کی لمبی تاریخ، اس طویل مدت کے لیل ونہار کی گنتی کا اندازہ لگانے سے ذہن انسانی عاجز ہے! یہ زمین جس پر نوعِ انسان کی بستیاں قائم ہیں، اس پر کتنے اشخاص ہر روز مرتے اور پیدا ہوتے ہیں، عہدِ حاضر کا سائنس سر بزانو ہے، اندازہ نہیں لگا سکتا کہ آفرینشِ آدم سے لے کر آج تک جتنے انسان پیدا ہوئے ہیں، ان کی تعداد کیا ہو سکتی ہے؟ کتنے سنکھ، پدم یا نیلم؟ یہ ہماری گنتی کی آخری حد ہے اور افرادِ انسانی کے سامنے اس گنتی کی حیثیت بالکل ایسی ہے، جیسے سمندر کے سامنے ایک ڈرام یا ایک اونس کا پیمانہ! کیا ان پیمانوں سے سمندر کے پانی کی مقدار دریافت کی جا سکتی ہے؟

ذہن ایک ہی لفظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے ——"بے شمار" کا لفظ—— ان بے شمار لیل ونہار کا بے شمار

انسانوں کا اور اُن کی بے شمار بستیوں اور آبادیوں کا تصوّر کرو، اس لمبے زمانے میں، ان لاتعداد انسانوں میں، ان لاکھوں اور کروڑوں بستیوں میں، صرف ایک ہی انسان اس مرتبے کا پیدا ہوا، جس نے جگمگاتے ہوئے ستاروں کو، روشن اور منور شمس و قمر کو دیکھا اور اُن کو دیکھنے کا حق ادا کر دیا!

یوں دیکھنے کو تو دنیا ازل سے ان چیزوں کی طرف دیکھتی چلی آرہی ہے اور کوئی انکار نہیں کہ بعض دوسرے انسانوں نے بھی ان اجرام فلکی کے مشاہدے سے وہی نتیجہ اخذ کیا ہو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اخذ کیا تھا کہ اس کارخانۂ فانی کی کوئی ہستی، کوئی وجود، اس قابل نہیں ہے کہ اسے معبود قرار دے لیا جائے۔ معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود ان تمام چیزوں کا مالک اور صانع ہے ۔۔۔۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اس فکر و خیال کے ساتھ اس کی زندگی کے عمل و کردار نے بھی مطابقت پیدا کی؟

صرف ابراہیمی زندگی ہی سے اس سوال کا جواب مل سکتا ہے، جب آپ کو ایک مرتبہ یہ احساس ہو جاتا ہے کہ مرقع فطرت کے پس پردہ، کوئی ہستی اس کی قلم کاری کرنے والی بھی موجود ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ یہ احساس آپ کے دل و زبان پر محض ایک عقیدے یا THEORY ہی کی صورت میں رہ گیا ہو، بلکہ یہ احساس یقین و ایمان کی مبارک قوتوں میں تبدیل ہوا، زندگی کے ایک ایک لمحے میں جادہ گر ہوا، ایک بے باک مبلّغ کی صورت میں، ایک کامیاب مناظر کے لباس میں، ایک بے خوف مجاہد کی شکل میں، ایک نڈر مہاجر کی حیثیت سے، جو زندہ و تابندہ حضرت ابراہیمؑ نے حاصل کیا، دنیا کے تختے پر، آدم کا کوئی دوسرا فرزند اس کی مثال پیش نہیں کر سکا۔

خدا کو خدا مان لینے کے بعد کسی شخص کو اپنے ایمان کے مقابلے میں اپنے والدین سے، اپنی قوم سے، اپنی گورنمنٹ سے، اپنے وطن کی سرزمین سے، اپنے اہل و عیال سے اور اُن سب سے بڑھ کر خود اپنے آپ سے جو وتیرہ اختیار کرنا چاہئے وہ حیاتِ ابراہیمؑ کا مطالعہ کرنے سے فوراً معلوم ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے مطالعے کے بغیر ایمان اور اس کے مطالبے سمجھ ہی میں نہیں آسکتے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ایمان چیز ہی کیا ہے؟ اگر تم اسوۂ ابراہیمؑ پر غور و فکر کے چند لمحے صرف کر سکو تو تم پر یہ حقیقت آشکارا ہو گی کہ ایمان وہی ایمان ہے، جو خدا کے رشتے کے مقابلے میں دنیا اور دنیا کے تمام رشتوں کو توڑ سکے اور اس راہ میں اسے جس قدر بھی قربانی دینی پڑے، دے سکے۔ سیدنا ابراہیمؑ کے نورِ ایمان کے سامنے عقیدت و احترام کا سر جھکائے بغیر چارہ نہیں رہتا، جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک سنگ تراش و بُت پرست گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود ایمان کی اس انتہائی بلندی پر سرفراز ہوئے کہ جب آپؑ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کا باپ، خدا کا دشمن ہے تو باپ سے الگ ہو جاتے ہیں۔ قوم خدا کی دشمن ہے، تو قوم سے برسرِ پیکار ہو

جاتے ہیں۔ قوم کے بُت، خدا کے دشمن ہیں، تو ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں۔ بادشاہ خدا کا دشمن ہے تو اس کے خلاف بھی دلائل و براہین کی تلوار لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں ——— "ابراہیمؑ کو قتل کر دو، ابراہیمؑ کو سپردِ آتش کر دو" کا شور بلند ہوتا ہے، تو آگ کے شعلوں سے بھی باک نہیں کرتے۔ وطن سے نکلنا پڑتا ہے، تو ارضِ شام سے ہجرت کر کے عرب کے ریگستانوں کی طرف نکل جاتے ہیں اور آخر عمر میں، اُن دنوں میں جب انسان بڑھاپے کی وجہ سے فطرۃً اپنے کسی نوجوان بیٹے کے سہارے کا، اس کی رفاقت اور خدمت گذاری کا محتاج ہوتا ہے، رات کو اشارہ پاتے ہیں اور صبح اُٹھ کر اپنے اس عزیز و گراں مایہ فرزند کے گلے پر ——— اُس فرزند کے حلقوم پر چھری رکھ دیتے ہیں، جو ایّامِ پیری میں خدا سے دعائیں مانگ مانگ کر حاصل کیا گیا ہے!

کیا ابراہیمی کیریکٹر، ایک وقتی یا ہنگامی کیریکٹر تھا؟ نہیں، ابراہیمؑ کے ایمان نے کسی عارضی کیریکٹر کے جوہر نہیں دکھائے، بلکہ اُس ایمان سے ایک ایسا فرزند پیدا ہوا جو عین عنفوانِ شباب میں خدا کی راہ میں اپنی گردن پر چھری رکھنے کے لیے تیار ہو سکتا ہے، ایک مرکز پیدا کیا جو پچھلے ہزار برس سے ملّتِ ابراہیمؑ کے بے شمار فرزندوں کی طواف گاہ ہے۔ ایک اُمّت پیدا کی جس میں اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، یوسفؑ، سلیمان اور مصطفےٰ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) جیسے جلیل القدر پیغمبر اور فرماں روا پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کی گزشتہ ایک ہزار برس کی وسیع و عظیم سلطنتیں اور ۰۷ کروڑ کی موجودہ تعداد، یہ سب ابراہیمی ایمان کا معجزہ ہے!

حسرت ہے کہ "لم یکذب قط ابراھیم الا ثلاثۃ" کی روایت کے ذکر و اذکار یا ہر سال بقرعید کے موقعہ پر جانوروں کا خون بہانے کے سوا، مسلمانوں کو حضرت ابراہیمؑ کی عملی زندگی کے ساتھ کوئی بھی شغف باقی نہیں رہ گیا۔

حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے لکھے ہوئے آیندہ اوراق، اُن کے اسی احساس کا نتیجہ ہیں۔ اس مضمون میں آپ نے، مختلف عنوانوں کے ماتحت، سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے اُسوۂ حیات اور دینِ حنیف کی نہایت کامیاب تشریح و تفسیر کی ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا اور آج پورے چار برس کے بعد نہایت قیمتی اور مفید اضافوں کے ساتھ دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ صفاتِ ابراہیمی کی ایسی جامع و مرتب تفسیر کی گئی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بے شمار پیرووں (یہود، نصاریٰ، مسلم وغیرہ) کے لیے ایک نہایت ضروری اور بالکل نئی چیز ہے۔ مستقبل کا محقّقِ مذاہب، اس چھوٹی سی کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکے گا۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) مصنّف کی یہ سعی القائے ربّانی کے زیرِ اثر عمل میں آئی ہے (۲) دینِ ابراہیمؑ ان ابدی صداقتوں کا مجموعہ ہے جو آج بھی اُتنی ہی معقول و معمول ہیں، جتنی آج سے ہزارہا سال پہلے تھیں اور ان کے دامن

پراگندگی اور بوسیدگی کا داغ کبھی نہیں لگے گا۔

ہر وہ شخص، جو اسلام کی روح کو سمجھنا چاہے۔ لَقَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْٓ اِبْرَاہِیْمَ کی تفسیر دیکھنا چاہے جو اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کو اسلام کے معمارِ اعظمؑ کے نورِ ایمان سے منور کرنا چاہے، اسے اس کتاب کا مطالعہ یقیناً مفید ثابت ہوگا۔ صاحبِ کتاب لائق مبارک باد ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کے سوا کسی دوسری کتاب کی مدد لیے بغیر اتنا دلچسپ، مؤثر اور جامع مقالہ تیار کر دیا ہے اور اس طرح یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید، بذاتِ خود ایک مفصل اور کامل کتاب ہے۔

میری آرزو ہے کہ ان کی یہ کوشش ہر لحاظ سے کامیاب ہو!

محمد اقبال سلمانی

مِلّتِ ابراہیمؑ

(جدید ایڈیشن)

(از حکیم محمد حسین صاحب قرشی)

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ دین، دراصل ابراہیمؑ ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے اور اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل سیرت یہاں تک کہ ان کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں قرآن مجید کی بیان کردہ صفات ابراہیمؑ کی تشریح و تفسیر کا مبسوط اضافہ کیا گیا ہے جو سیرت خلیلؑ سے متعلق نہایت اہم نکات اور معلومات پر مشتمل ہے۔ حجم ۸۰ صفحات۔ کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت صرف پانچ آنے علاوہ محصول الگ

ملنے کا پتہ

منیجر دفتر اُمتِ مُسلمہ امرتسر

حساب آمد و خرچ اُمتِ مسلمہ امرتسر

(یکم اگست ۱۹۴۱ء تا ۳۱ اگست ۱۹۴۲ء)

آمدنی

البیان

میاں فیملی	عہ
بابو ذوالفقار علی صاحب	ہ
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	عہ/
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ/
چوہدری غلام عباس صاحب لدھیانہ	سیے
عبدالمجید صاحب علی گڑھ	عہ/ ۱۲
میاں علی احمد خاں صاحب واشمن بی اے	نئے
مستری تاج الدین صاحب	عہ/
پیر رشید الدولہ صاحب گجرات	ے
بابو عبدالرحیم صاحب	۸ر
خلیفہ عبداللہ صاحب	۲ر
متفرق	۸ر
میزان	۲۵ روپیہ ۴ر

تبلیغ فنڈ

پہلوان خیرالدین صاحب	عہ
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ
میزان	۲ روپیہ

کتب خانہ

از فروخت کتب	۳۲ روپیہ ۲ر
تفسیر طنطاوی فنڈ	۷۱ روپیہ
میزان	۱۰۳ روپیہ ۲ر
لائبریری	۴ر
رکنیت	عہ/ ۲
کرایہ مکان	عہ/
بقایا سابقہ	۳۹۳ روپیہ ۱ر
میزان کل	۵۲۵ روپیہ ۱۱ر

مصارف

البیان	۸۲ روپیہ ۳ر
کتب خانہ	۱ روپیہ ۱۱ر
تبلیغ	۱۰ روپیہ
لائبریری	۶ روپیہ ۸ر
میزان	۱۰۰ روپیہ ۵ر
بقایا	۴۲۵ روپیہ ۶ر
میزان کل	۵۲۵ روپیہ ۱۱ر

ناظم مالیات

نئی کتابیں

جواہر العلوم | جواہر العلوم ترجمہ ہے علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور و معروف عربی کتاب کا۔ ترجمہ مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی فاضل پروفیسر عربی پشتو اسلامیہ کالج پشاور نے کیا ہے۔ یہ کتاب نہایت ہی قابل قدر مضامین علمیہ کی حامل ہے جن سے بعض آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر کی ضروریات کو کما حقہٗ پوری کرتی ہے۔ ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ سلیس اُردو اور عام فہم عبارت میں کیا گیا ہے۔ کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عٰلِ

شانِ خدا | یہ تالیف مولانا عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی کی ہے جس میں وجود خالق کے تمام حالات پر جدید علم کلام اور سائنس کی روشنی میں نہایت ہی اہم اور دلچسپ بحث کی گئی ہے، خدا کی ہستی کو نہایت مستحکم اور قطعی دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے، نیز دہریوں کے شبہات کے دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں۔ کتابت، طباعت، کاغذ اعلیٰ، سرورق دیدہ زیب۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

محمد رسول اللہ | (مترجمہ مولانا عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی) فیلسوف انگریزی طامس کارلائل نے رسول اللہ صلعم کی سیرت نہایت ہی عمدہ اور فلسفیانہ انداز میں تحریر کی ہے اور ان تمام شبہات کے بہترین اور مسکت جوابات دیئے ہیں جو آں حضرت صلعم کی سیرت مبارک پر عیسائیوں کی طرف سے کیے جاتے تھے۔ اس کا مطالعہ ہر انگریزی داں کے لیے ضروری ہے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی دیدہ زیب۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

دِل کی آواز اور آخری فیصلہ

جناب قیسی رامپوری اُردو کے اُن چند مشہور انشاپردازوں میں سے ہیں جن کے ادبی کارناموں کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ "دِل کی آواز" اور "آخری فیصلہ" آپ کے بہترین اور شاہکار ناول ہیں۔ فسانہ کا کمال یہ ہے کہ شروع سے آخر تک دل چسپ ہو، اس کے پڑھنے میں شوق اور دل چسپی یکساں قائم رہے، آخر تک اشتیاق کے ساتھ اس بات کا انتظار رہے کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ یہ تینوں باتیں ان دونوں ناولوں میں پورے طور پر پائی جاتی ہیں۔ قابل مصنّف نے ایسی خوبی کے ساتھ انھیں لکھا ہے کہ کافی ضخامت کے باوجود جس قدر آگے بڑھتے جائیں، شوق بڑھتا جاتا ہے۔ پھر ادبی لحاظ سے بھی معیاری چیزیں ہیں۔

قیمت، دل کی آواز ایک روپیہ چار آنہ۔ آخری فیصلہ ایک روپیہ (محصول الگ)

ملنے کا پتہ: **منیجر دفتر اُمتِ مُسلمہ امرتسر**

مُفت لٹریچر کی تقسیم

جناب میاں محمد احمد علی صاحب الیکٹریکل انجینئر کپورتھلہ نے جو "البیان" کے ایک قدیم معاون ہیں، ہمارے پاس چند دینی کتابوں کی ایک تعداد بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم انہیں "البیان" کے پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مسیح واحمد	(ضخامت ۸۴ صفحے)	(۴) قیامت	(ضخامت ۳۸ صفحے)
(۲) حیات وممات کا معمہ	(ضخامت ۳۲ صفحے)	(۵) تقلید و تحقیق	(ضخامت ۱۰۴ صفحے)
(۳) فلسفہ روحانی	(ضخامت ۸۴ صفحے)	(۶) صراط مستقیم	(ضخامت ۲۸۰ صفحے)

یہ کتابیں "بلاغ" کے قدیم و مرحوم معاون ڈاکٹر صادق علی صاحب ریٹائرڈ سرجن میجر کی تصنیفات سے ہیں، ہم نے ان کو سرسری طور سے دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ معطی کی خواہش کے احترام میں انہیں معاونین البیان کے ہاتھوں پہنچا دیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ سارا لٹریچر قرآن مجید کی روشنی میں تحقیق و کاوش سے لکھا گیا ہے اور ہمارے ناظرین اس کے مطالعے سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

اس سے پہلے بھی "البیان" کے نئے اور پرانے معاونوں کو "بلاغ" کے پرانے پرچوں کی صورت میں ایک رعایت پیش کی جا چکی ہے۔ یعنی، جو صاحب اپنے سالانہ چندے کے ساتھ مزید ۸؍ محصول ڈاک کے لیے بھیج دیتے ہیں، انہیں رسالہ "بلاغ" کے ۲۴ منتخب پرچے جن کا حجم ۱۳۰۰ صفحے سے زاید ہے، مفت ارسال کر دیے جاتے ہیں۔ آج ہم اس رعایت کے ساتھ ان کتابوں کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں۔ آیندہ سے جو اصحاب "البیان" کے سالانہ چندے کے ساتھ مزید ۹؍، یعنی کل للعہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال فرمائیں گے، ان کے نام ایک برس کے لیے "البیان" جاری کرنے کے علاوہ ۱۳۰۰ صفحے کے "بلاغ" کے پرانے پرچے اور ۷۰۰ صفحے کی مذکورہ بالا کتابیں مفت بھیجی جائیں گی

ہم قارئین "البیان" سے امید رکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف خود اس پیش کش سے فائدہ اُٹھائیں گے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس رعایت کی طرف متوجہ کریں گے۔ "البیان" کی اشاعت بڑھانے کے لیے یہ ایک اچھا موقع ہے، احباب کو اس طرف ضرور دھیان دینا چاہئے۔

منیجر "البیان" امرتسر

حُجّیتِ حدیث و صحتِ حدیث

(جناب مولانا تمنا صاحب عمادی مجیبی)

مذکورہ بالا عنوان سے میرا ایک مضمون رسالہ البیان کے صفحہ ۲۵ سے ۳۸ تک یعنی چودہ صفحوں پر شایع ہوا ہے جس میں صرف یہ دکھایا گیا ہے کہ حجیتِ حدیث کے لیے صحتِ حدیث شرطِ اوّل ہے جس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی، وہ حدیث ضرورِ دین میں حُجّت ہوسکتی ہے۔ پھر "حدیث" اور "سنت" کا فرق بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں پر اتباعِ سنّتِ نبویہ واجب ہے، نہ کہ اتباعِ حدیث۔ حدیث و سنت کا فرق بھی اختصار ہی کے ساتھ سہی مگر سمجھا دیا گیا ہے۔ پھر موجودہ کتبِ حدیث کی جو اہمیت پرستارانِ رُوات و روایات نے دے رکھی ہے اور جو ما انزل اللہ بہا من سلطٰن کا پورا پورا مصداق ہے۔ اس کی حقیقت نہایت سچائی کے ساتھ انہیں کی مسلّمہ کتابوں سے انھیں کے مسلّمہ ائمہ حدیث و اساطین وجرح و تعدیل کی من وعن عبارتوں سے دکھائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اگر واقعی تحزّب اور فرقہ بندی کی حمیتِ جاہلیہ مقصود نہیں ہے، بلکہ درحقیقت اطیعوا اللہ و رسولہٗ کا امتثالِ امر مدنظر ہے تو "حجیتِ حدیث" کے عوض "حجیتِ رسول" کو اپنا موضوعِ بحث بنائیے، کیوں کہ مسلم حنیف اطاعتِ رسول سے انحراف نہیں کرسکتا۔ اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہر مسلم حنیف آپ کے مجلدات روایات کو جو از اوّل تا آخر لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً کے مطابق خود اپنی زبانِ اختلافات سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہم ہرگز من عند اللہ نہیں ہیں بلکہ من عند غیر اللہ ہیں، ان سب کو قرآنِ ثانی و ثالث و رابع (وَ ھَلُمَّ جَرًّا) مان لے تو آپ کسی مسلم حنیف سے تو اس کی توقع نہیں رکھ سکتے۔

میرے مذکورہ بالا مضمون پر اخبار "اہلحدیث" (امرت سر) مورخہ ۲۷ جمادی الاول (اصل پرچہ میں اسی طرح چھپا ہے، حالانکہ معمولی عربی دان بھی جانتا ہے کہ صحیح جمادیٰ الاولیٰ ہے۔ تمنا) ۱۳۶۱ھ میں خاص جناب محترم حضرت ایڈیٹر مدظلہ العالی کے قلم افاضہ رقم سے ایک مقالہ شایع ہوا ہے۔ محترم ایڈیٹر کا فرض تھا کہ اس پرچے کی ایک کاپی خود میرے پاس بھیج دیتے۔ میرا پورا پتا اسی رسالہ البیان کے صفحہ فہرست مضامین پر مذکور ہے۔ مگر محترم ایڈیٹر کا شاید یہ مقصد بھی نہ ہو کہ صاحبِ مضمون کو ان کے تعاقب کی کوئی اطلاع ملے۔

اللہ بھلا کرے اس شخص کا جس نے وہ ایک ورق اخبار اہلحدیث کا بذریعہ ڈاک میرے پاس بھیج کر مجھ

مطلع کر دیا کہ مجھے اس کے متعلق کچھ عرض کرنے کا موقع مل گیا، ورنہ جو چاہتے ایڈیٹر اہلحدیث لکھا کرتے اور وہ ناظرین "اہلحدیث" کے نزدیک "تنہا پیش قاضی روی راضی آئی" کے مطابق مفت کی سرخروئی حاصل کرتے رہتے۔ مگر اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخروئی حاصل نہیں کر سکتے۔

ایڈیٹر اہلحدیث نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ مجھ سے واقف نہیں ہیں مگر یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ وہ مجھ سے خوب واقف ہیں مگر جب وہ تجاہل عارفانہ فرما رہے ہیں تو مجھے کیا پڑی ہے کہ میں خواہ مخواہ یاد دلاتا رہوں کہ مجھ سے آپ سے فلاں فلاں جگہ ملاقات رہی ہے اور میں خود آپ کے درِ دولت پر دوبار حاضر ہو چکا ہوں اور آپ کے ہاں دعوت بھی کھائی ہے اور آپ نے اپنی تفسیر اور بعض دوسری تصنیفات بھی تحفۃً دی تھیں۔

سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ چودہ صفحوں کے مضمون میں صرف ڈیڑھ سطر کی عبارت ایڈیٹر اہلحدیث کو ایسی ملی جس کی طرف ان کی توجہ مبذول ہو سکی۔ باقی سارے کا سارا مضمون ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پڑھا ہی نہیں۔

ایڈیٹر اہلحدیث نے آغاز مضمون کی ڈیڑھ سطر مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

"حجیتِ حدیث والے یہ نہیں سمجھتے کہ ہم مجموعۂ روایات کو کس طرح قطعیت کے ساتھ منسوب برسول صلعم ثابت کر سکتے ہیں؟ بلکہ خود بھی اگر سمجھتے ہیں تو بلا دلیل ہی سمجھتے ہیں۔"

مگر میری اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد کیا ایڈیٹر اہلحدیث اس الزام کی تردید کی؟ اس کا کوئی جواب دیا؟ نہیں۔ اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا گیا:

"آج کل کے منکرین حدیث نبوی کہنے کو تو بہت کچھ کہتے ہیں اور لکھنے کو بھی بہت کچھ لکھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بعض اوقات فرطِ تعصب سے اپنے مذہب کو بھی نہیں سمجھتے۔"

کیا اس کے جواب میں، ایڈیٹر اہلحدیث کو میں بھی "منکرِ قرآن" کہہ کر مخاطب کروں تو وہ اس کو پسند کریں گے؟ میرا مضمون "حدیث کے دو رُخ" "رسالہ بلاغ" اور رسالہ البیان" میں شایع ہو چکا ہے جس کا ذکر اسی زیرِ بحث مضمون میں موجود ہے۔ ممکن نہیں کہ ایڈیٹر اہلحدیث کی نظر سے نہ گزرا ہو، اس لیے کہ یہ سارے پرچے "امرت سر" ہی سے نکل رہے ہیں۔ ایک فریق دوسرے فریق کی ہر تحریر کو ضرور غور کی نظر سے دیکھتا ہے۔ "بلاغ" جب تک رہا، "اہلحدیث" کا حریف رہا اور آج بھی "اہلحدیث" "البیان" کا حریف ہے۔ اس لیے مجھ کو "منکرِ حدیث" اگر کہا جا سکتا ہے تو سارے ائمہ حدیث منکرِ حدیث تھے اور سب سے بڑے منکرِ حدیث امام بخاری تھے جنھوں نے کئی لاکھ حدیثوں کو رد کر دیا،

اور قبول نہ فرمایا، اسی طرح سارے محدثین۔ اس لیے میں "ایڈیٹر المحدیث" کو ولا تنابزوا بالالقاب کی نہی ربانی یاد دلاتا ہوں، ورنہ وہ مجھے اس کی اجازت دیں کہ میں فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم کی تعمیل کرنے لگوں۔

ایڈیٹر اہلحدیث لکھتے ہیں کہ

"اصل مبحث یہ ہے کہ صحابہ کرام آں حضرت علیہ السلام سے کوئی حکم شرعی رنگ میں سُنیں جو قرآن مجید میں نہ ہو وہ ان کے لیے واجب العمل ہے یا نہیں"؟

میں یہ عرض کرتا ہوں، ایک فرضی بات جو خلافِ عقل اور قطعاً خلافِ عقل ہے، کبھی اصل مبحث نہیں بن سکتی۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی "شرعی حکم" ہو اور "وہ قرآن مجید میں نہ ہو"۔ اور اگر آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے، تو سب سے پہلے میرے آپ کے درمیان اصل موضوع بحث یہی ہونا چاہیے "کہ کوئی شرعی حکم ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں جو قرآن مجید میں نہ ہو"۔ جب آپ یہ ثابت کر دیں گے "کہ کوئی شرعی حکم قرآن مجید سے باہر بھی ہو سکتا ہے" تو پھر آپ کا مذکورہ بالا مبحث زیر بحث آجائے گا۔ اور آسانی سے اس کے متعلق بات طے ہو جا سکتی ہے۔

ایڈیٹر اہلحدیث نے مثال کے طور پر رضاعت کا ایک مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن مجید سے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت ثابت ہے۔" اس کے علاوہ دودھ ماں کے خاوند کی وہ لڑکی جو اس کی دوسری عورت سے ہو۔ یعنی سوت کی لڑکی بھی دودھ پینے والے لڑکے پر حرام ہے۔ کیوں کہ حدیث میں آیا ہے انما اللبن من الفحل یعنی دودھ کے رشتہ کی حرمت میں مرد کا اعتبار ہوتا ہے، اکیلی عورت کا نہیں۔"

مجھے بے حد افسوس ہے کہ ایڈیٹر اہلحدیث حدیثوں سے بھی ویسے ہی بے خبر ہیں جس طرح قرآن سے

اہل حدیث کے امام الائمہ علامہ قاضی شوکانی نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۵۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

وروی عن عائشۃ وابن عمر وابن الزبیر ورافع بن خدیج وزینب بنت ام سلمۃ وسعید بن المسیب وابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن والقاسم بن محمد وسالم وسلیمان بن یسار وعطاء بن یسار والشعبی والنخعی وابی قلابۃ وایاس بن معاویۃ القاضی انہ لا یثبت حکم الرضاع للزوج حکی ذلک عنھم ابن ابی شیبۃ وسعید بن منصور

(خلاصہ ترجمہ) یعنی حضرت عائشہ صدیقہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر، رافع بن خدیج، زینب بن ام سلمہ، سعید بن المسیب، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، قاسم بن محمد۔ سالم (ابن عبد اللہ بن عمر بن الخطابؓ)، سلیمان بن یسار، عطاء بن یسار، شعبی، نخعی، ابو قلابہ، قاضی ایاس بن معاویۃ، ان سب سے مروی ہے کہ رضاعت کا حکم شوہر کے سبب سے نہیں ثابت ہوتا۔ اس اجماع کو ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، عبد الرزاق، ابن المنذر نے بیان کیا ہے

وعبد الرزاق وابن المنذر۔ وروى ايضا هذا القول عن ابن سيرين وابن علية و الظاهرية وابن بنت الشافعي۔ وقد روى ما يدل على انه قول جمهور الصحابة فاخرج الشافعي عن زينب بنت ابي سلمة انها قالت كان الزبير يدخل علىّ وانا امتشط اراى انه ابي وان ولده اخوتي كان امرأته اسماء ارضعتني۔ فلما كان بعد الحرة ارسل الى عبد الله بن الزبير يخطب ابنتي ام كلثوم على اخيه حمزة بن الزبير وكان للكلبية فقلت وهل تحل له فقال انه ليس لك باخ۔ انما اخوتك من ولدت اسماء دون من ولد الزبير من غيرها۔ قالت فارسلت فسألت والصحابة متوافرون وامهات المومنين فقالوا ان الرضاع لا يحرم شيئا من قبل الرجل۔ فانكحتها اياه۔

(نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۵۶)

اور یہی قول ابن سیرین، ابن علیہ اور طبقہ ظاہریہ کے سب لوگوں سے اور امام شافعی کے نواسے سے بھی مروی ہے اور انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ جمہور صحابہ کا یہی قول تھا اور خود امام شافعی نے زینب بنت سلمہ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت زبیر بن العوامؓ میرے سامنے آتے تھے اور میں کنگھی کرتی ہوتی تھی، میں اُن کو باپ سمجھتی تھی اور اُن کے لڑکوں کو بھائی۔ کیوں کہ ان کی بیوی اسماءؓ نے مجھ کو دودھ پلایا تھا، تو حادثہ حرہؓ کے بعد عبداللہ بن الزبیرؓ نے اپنے بھائی حمزہ بن الزبیرؓ کی نسبت میری لڑکی ام کلثوم سے بھیجی اور وہ حمزہ بن الزبیر کلبیہ سے تھے (یعنی زبیر کی پہلی بیوی اسماء سے نہ تھے بلکہ دوسری بیوی کلبیہ سے تھے) تو (زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ) میں نے عبداللہ بن الزبیر سے کہا کہ کیا میری لڑکی حمزہ بن الزبیر کے لیے حلال ہوگی؟ تو عبداللہ بن الزبیر نے کہا کہ وہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔ تمہارے بھائی وہ ہیں جو اسماء سے پیدا ہوئے، زبیر کی اُن اولاد کے سوا جو اسماء کے سوا کسی اور عورت سے ہیں (زینب بنت ابی سلمہ راوی سے کہتی ہیں کہ) تو میں نے اس مسئلہ کو (دوسرے لوگوں کے پاس) بھیجا اور سوال کیا اور صحابہ اس وقت کثرت سے موجود تھے اور اُمہات المومنین بھی تھیں تو سب نے کہا کہ مرد کی طرف سے رضاعت کسی چیز کو بھی حرام نہیں کرتی، تو میں نے اپنی لڑکی ام کلثوم کو حمزہ بن الزبیر سے بیاہ دیا۔

اس تصریح کے بعد ایڈیٹر اہلحدیث فرمائیں کہ دودھ ماں کی سوت کی لڑکی بھی دودھ پینے والے بچے کے لیے حرام ہے، ان کا یہ قاعدہ کلیہ کہاں گیا؟ اور کیا انما اللبن من الفحل والی وحی خفی ان تمام صحابہ واکابر تابعین سب سے مخفی ہی تھی؟ اور کیا ام کلثوم مذکورہ کا نکاح حمزہ بن الزبیر سے ناجائز تھا اور نعوذ باللہ وہ دونوں تا عمر حرام کاری کے مرتکب رہے؟

پھر ایڈیٹر اہلحدیث لکھتے ہیں کہ "پس کوئی ایسا حکم جس کو سامعین زبان رسالت سے سنیں واجب العمل ہے یا نہیں؟ یہ ہے اصل نزاع" میں عرض کرتا ہوں کہ کس ملعون کے نزدیک واجب العمل نہیں۔ مگر آپ بخاری و

مسلم کے اوراق کو رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک کس طرح ثابت کریں گے؟ ہمارے آپ کے درمیان یہی تو حقیقی نزاع ہے کہ یہ مرویات متعارفہ اور یہ اقوال متناقضہ واقعی ارشادات نبویہ ہیں یا نہیں؟ میں تو جس قول کو بھی حدیث رسول مان لیتا ہوں اور اس کو سنت نبویہ سمجھتا ہوں تو پھر اس کا اتباع اپنے لیے اور ہر مسلم کے لیے واجب جانتا ہوں اور اس سے انکار و انحراف کو کفر سمجھتا ہوں۔ مگر آپ ہر وضاع وکذاب اور ہر مفتری و مرتاب کے مفتریات و مکذوبات کو خواہ مخواہ منسوب بر سول بلا دلیل یقین کر کے خود بھی ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون کے مورد بنتے ہیں اور دوسروں کو بھی مورد بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے۔

پھر ایڈیٹر اہلحدیث لکھتے ہیں:

"پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خدا کی طرف سے ذریعہ علم صرف قرآن مجید ہی تھا یا اس کے سوا کوئی اور ذریعہ بھی تھا؟ ہمارا مذہب اور دعویٰ یہ ہے کہ اور ذریعہ بھی تھا۔"

میں عرض کرتا ہوں کہ عام باتوں کا علم اگر مراد ہے تو بے شک قرآن مجید کے علاوہ بہتیرے ذرائع علم تھے۔ جنگ میں اپنے شہر کے گرد دشمن کے حملے سے بچنے کے لیے خندق کھودنے کا طریقہ آپ کو قرآن مجید سے نہیں معلوم ہوا۔ بلکہ روایتیں اگر صحیح ہیں تو حضرت سلمان فارسی سے معلوم ہوا۔ اسی طرح دنیاوی کاروبار کی بہتیری باتیں آں حضرت صلعم کو مختلف ذرائع سے معلوم ہوتی رہیں۔ من جانب اللہ القاء فی القلب یا خواب کے ذریعہ بھی آپ کو بعض باتیں معلوم ہوئیں۔ بعض آیندہ کے واقعات معلوم ہوئے۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ غور و خوض اور تفکر و تدبر سے بھی بعض مسائل آپ حل فرما لیتے تھے اور غیر معلوم بات آپؐ کو معلوم ہو جاتی تھی۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس سے کوئی انکار کرے۔

مگر یہاں بحث معلومات عامہ سے نہیں بلکہ احکام شرعیہ اور اوامر و نواہیِ دینیہ سے ہے۔ اس کے حصولِ علم کا ذریعہ آں حضرت صلعم کے لیے صرف اور قطعاً صرف قرآن مجید ہی تھا۔ جیسا کہ خود قرآن مجید میں آپ کو حکم ہوا کہ قُلِ اللّٰہُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ (کہہ دو اے رسول کہ اللہ میرے تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہی قرآن وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے ہم تمہیں (تمہارے اعمال بد کے نتائج بد سے) ڈرائیں اور جس کے پاس یہ قرآن پہنچ جائے، اس کو بھی ڈرائیں (سورہ انعام) اس لیے "وحی تشریعی" قرآن مجید کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی اور اسی اعتبار سے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ۔ یعنی اس کتاب میں ہم نے کوئی کمی نہیں چھوڑی (انعام ۴) اور ارشاد ہوا

کہ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (یعنی، اور ہم نے (دین کی) ہر چیز کو صاف بیان کر دینے کے لیے اس کتاب کو (اے رسول) تم پر اُتارا ہے اور ہدایت و رحمت و بشارت بنا کر مسلمین کے لیے۔ (سورہ نحل ۱۴-۱۲) جس دن قرآن کا سلسلہ نزول پورا ہو کر ختم ہوا، اسی دن فرما دیا گیا، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (آج (قرآن کو مکمل کر کے) میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور اسی اسلام کو تمہارے لیے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔ (مائدہ ۱) اس لیے جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ بعض احکام دین قرآن مجید میں نہیں ہیں اور وہ صرف حدیث سے ثابت ہیں، کیا وہ ان آیات پر واقعی ایمان رکھتا ہے؟ بَيِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا

محترم ایڈیٹر اہلحدیث پھر لکھتے ہیں:

"اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا۔ الی قولہ تعالیٰ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ (تحریم ع ۱)

اس آیت میں آں حضرت کی اپنی بیوی کے ساتھ کسی پوشیدہ بات چیت کا ذکر ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

جب نبی علیہ السلام نے اپنی بیوی کو کوئی پوشیدہ بات کہی اور اس نے وہ بات دوسری بیوی کو بتا دی تو خدا نے نبی علیہ السلام پر اس کا اظہار کر دیا۔ تب آں حضرت نے بات کا ایک حصہ اس بیوی کو جتلا دیا اور دوسرے حصے سے چشم پوشی کی۔ اس پر بیوی نے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتلا دیا؟ حضورؐ نے فرمایا، اللہ علیم و خبیر نے مجھے اطلاع دی ہے۔"

ترجمہ تک لکھ کر ایڈیٹر اہلحدیث پہلے اپنے ترجمہ کی صحت کو مدلل فرماتے ہیں۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ اظہار قرآن مجید کی وحی کے ذریعے کیا گیا یا کسی اور ذریعہ سے؟ اگر قرآن مجید کی وحی کے ذریعہ کیا گیا تو وہ الفاظ کہاں ہیں"؟

محترم ایڈیٹر اہلحدیث نے اس بحث کے آخر میں مشہور مصرعہ لکھا ہے۔ میں وہی مصرعہ عطائے خواجہ بلقائے خواجہ کے اصول پر اپنے محترم کے سامنے پیش کرتا ہوں:

سخن شناس نۂ دلبرا! خطا اینجا است

زن و شو کے گھریلو معاملات کو احکام دین و اوامر و نواہی پر قیاس کرنا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے! ہدایت و تبلیغ کی باتیں جو اصل دین ہیں، ان کو رسول اللہ صلعم کبھی بعض ازواج کو بطور راز نہیں بتا سکتے تھے، اس لیے کہ آپ مامور تھے، بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور قرآن مجید میں صاف فرما دیا گیا ہے، ان الذین یکتمون ما انزلنا

مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (بقرہ پ ۱۹) اور قرآن وحی تشریعی کا نام ہے کہ قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ سارے معلومات نبویہ سب کے سب قرآن ہی سے ہیں۔ قرآن صرف یہ کہتا ہے کہ احکام دین و اوامر و نواہی سب کے سب قرآن ہی میں ہیں، قرآن سے باہر نہیں۔ اوامر و نواہیِ شرع اور احکامِ دین کے علاوہ ہزار طرح کی وحی بھی قرآن سے باہر رسول اللہ صلعم پر اگر آتی ہو تو قرآن کو اس سے انکار نہیں۔ نہ مومنین بالقرآن کو اس سے انکار پر کچھ اصرار۔ جو لوگ اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب پر واقعی ایمان رکھتے ہیں اور فرقہ بندی و تحزّب کے بتوں کو توڑ چکے ہیں، وہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول میں کسی طرح کی بھی مخالفت کا امکان بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ وہ ایک کو دوسرے کا مصدق مانتے ہیں۔ اور دونوں کو سچا یقین کرتے ہیں۔ ہر مسلم حنیف کا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلعم پر قرآن مجید کا اتباع فرض تھا نہ کہ قرآن مجید کے علاوہ احکام نافذ کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا اور نہ یہ ممکن ہے کہ قرآن مجید میں تو احکام کچھ بتائے جائیں اور دوسری وحی کے ذریعے قرآن مجید کے خلاف احکام نازل کیے جائیں۔

محترم ایڈیٹر اہلحدیث سے آخر میں پھر عرض ہے کہ وہ البیان جلد ۳ نمبر ۵ مورخہ مئی ۱۹۴۲ء مطابق ربیع آخر ۱۳۶۱ھ میں میرا مضمون صفحہ ۲۵ سے ۳۸ تک بغور مگر بہ نگاہ انصاف ملاحظہ فرمائیں اور اپنی صحیح رائے سے مجھے مطلع فرمائیں اور برائے خدا پرچہ اہل حدیث میں میرے خلاف کوئی مضمون لکھیں تو میرے پاس بھیج بھی دیں کہ میں اس کو دیکھ سکوں۔ یہ کیا ظلم ہے کہ جس پر اعتراض کیا جائے، اس غریب کو معترض کے اعتراض کی خبر تک نہ ہو۔

والسلام علی من اتبع الھدٰی۔ (تمنّا عمادی مجیبی، دار الادب، پھلواری شریف، ضلع پٹنہ)

تعلیماتِ قرآن

(مصنفہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں جملہ اصول و عقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے

حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت فی نسخہ دو روپے، علاوہ محصول ڈاک۔ (دفترِ اُمتِ مسلمہ امرتسر)

ذوقِ قرآن

(۶)

کتابِ الٰہی و صحیفۂ فطرت

(ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ام اے پی ایچ ڈی)

سیرِ افلاک | وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ | ہم نے آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا ہے۔
وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّ زَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ | ہم نے آسمان میں بروج بنا کر اُسے دیکھنے والوں کے لیے حسین بنا دیا ہے

آسمان ہماری زمین کی طرح قدرت کا ایک دل کش نگارستان ہے جس میں الٰہی کبریاء و جبروت کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ ان مناظر کو اگر چشمِ دل سے دیکھا جائے تو انسانی عقل کپکپا اُٹھتی ہے۔ آؤ، ان آیات کی قدرے تفصیل بیان کریں۔

ایک مثال | فرض کرو ایک خوب صورت عورت کے یہاں دس لڑکیاں ہیں جو ماں سے کم خوب صورت ہیں۔ یہ لڑکیاں ماں کا طواف کر رہی ہیں۔ پھر ہر لڑکی کے یہاں دس لڑکیاں ہیں۔ جو ماں سے حُسن و جمال میں کم ہیں۔ اور ماں کے گرد چکّر کاٹ رہی ہیں۔ بس یہی حال سیاروں کا ہے۔ ان کی پہلی ماں کہکشاں تھی جو لاتعداد شموس و اقمار کا مسکن ہے۔ ان میں سے ہر سورج کے ہاں دس لڑکیاں ہیں جو ان کے گرد چکّر کاٹ رہی ہیں۔ ہمارا سورج آخری ماں ہے جس کے آٹھ نو بچے پیدا ہو چکے ہیں۔ یعنی زحل، مشتری، عطارد، زمین وغیرہ اور ایک دو کا انتظار ہے ہماری زمین کی بھی ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے۔ یعنی چاند۔ جو زمین سے کم خوب صورت ہے اور اپنی ماں کے ارد گرد چکّر کاٹ رہا ہے۔

سبع سمٰوات | آسمان ہم سے بہت دُور ہے۔ اس لیے ہمارا علم اس کے متعلق ناقص و نامکمل ہے۔ لیکن جو کچھ علمائے ہیئت نے معلوم کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظاہری نگاہ سے ہمیں آسمان کے سات طبقے نظر آتے ہیں۔ طبقہ اوّل میں صرف چار بڑے بڑے ستارے ہیں۔ طبقہ دوم میں ستائیس سوم میں تہتّر، چہارم میں ایک سو اناوے، پنجم میں چھ سو پچاس، ششم میں دو ہزار دو سو اور ہفتم میں تین ہزار سے زیادہ ستارے ہیں۔ یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ بیسویں طبقے میں سات کروڑ ساٹھ لاکھ ستارے پائے جاتے ہیں۔ اب تک ہمیں تقریباً دس کروڑ ستارے نظر

آچکے ہیں۔ قرآن حکیم میں جن سات طبقوں کا ذکر ہے وہ غالباً وہی ہیں جو ہمیں دُوربین کے بغیر نظر آتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ ۝ | ہم نے تمہارے اوپر سات گذرگاہیں (ستاروں کی) بنائیں اور ہم تخلیق سے غافل نہ تھے۔

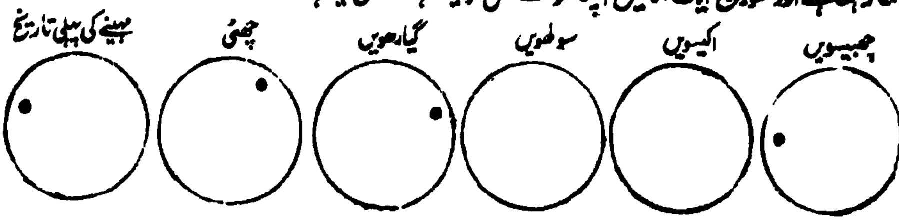
آفتاب اگر ہم آفتاب کے زیادہ قریب ہوتے تو گرمی سے جھلس جاتے، اگر زیادہ دُور ہوتے تو سردی سے مر جاتے۔ اللہ نے ہمیں ایک خاص فاصلے پر رکھا ہوا ہے تاکہ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہیں۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ۔

جب ہم بُعدِ آفتاب وطوفانِ نور کو دیکھتے ہیں اور پھر یہ سوچتے ہیں کہ آفتاب صرف زمین ہی کو روشنی نہیں دے رہا بلکہ اس کی روشنی ہر طرف جا رہی ہے اور زمین پر اس کی روشنی کا صرف ۱/۲،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ حصّہ پڑ رہا ہے تو ہم اس کرۂ نور کی عظمت وجلال سے کانپ اُٹھتے ہیں۔

بُعدِ آفتاب سورج ہم سے ۹۳،۰۰۰،۰۰۰ میل دُور ہے۔ اس فاصلے کا صحیح تصور معلوم کرنے کے لیے کمرے میں کلاک لگائیے۔ ان ہندسوں کے گِننے کا کام اس کے حوالے کر دیجئے اور اس کی ہر ٹک کو ایک ہندسہ سمجھئے۔ یہ کلاک ایک منٹ میں ساٹھ ایک گھنٹے میں ۳۶۰۰ اور چوبیس گھنٹوں میں ۸۶۴۰۰ ہندسے گِنے گا اور سورج کے اس فاصلہ کو شمار کرنے کے لیے ۱۰۷۶ دن یعنی تقریباً تین سال صرف ہوں گے۔

اگر ایک گاڑی ۴۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف روانہ ہو تو ۲۶۵ سال کے بعد وہاں پہنچے گی۔

گردشِ آفتاب سورج اپنے گرد گھومتا ہے۔ دُوربین سے معلوم ہوا ہے کہ سورج میں چند داغ ہیں جن کا مقام بدلتا رہتا ہے اور سورج ایک ماہ میں اپنا طواف مکمل کر لیتا ہے۔ شکل یہ ہے:



سولھویں و اکیسویں تاریخ کو یہ داغ نظر نہیں آتا اور چھبیسویں کو پھر دکھائی دینے لگتا ہے۔ علمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ سورج اپنی جگہ پر گھوم رہا ہے۔ لیکن قرآن حکیم اس نظریہ کو باطل ثابت کرتا ہے۔ انسانی علم اس پہلو میں اس قدر ناقص ہے کہ باوجود انتہائی کوششوں کے الہام کا ساتھ نہیں دے سکا۔ موجودہ منجموں میں صرف ہرشل ایک ایسا عالم ہے جس نے سورج کو متحرک تسلیم کیا ہے۔ ایک ایسا زمانہ آئے گا، جب انسانی تحقیق

وجستجو الہام ربانی کی تصدیق کرتے ہوئے اعلان کرے گی کہ

اَلشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝	سورج ایک مستقر کی طرح محو حرکت ہے۔ یہ عالم و غالب خدا کی تعین ہے۔

حرکتِ زمین علمائے مغرب نے زمین کو متحرک مانا ہے اور مشرق میں زمین ساکن تسلیم کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں حرکت زمین پر کئی آیات موجود ہیں۔ مثلاً

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا	کیا ہم نے زمین کو گہوارا نہیں بنایا؟

مہد۔ گہوارے کو کہتے ہیں۔ گہوارت کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو میلوں وغیرہ میں لگائے جاتے ہیں اور دوم جو گھروں میں بچوں کے لیے لٹکائے جاتے ہیں۔ ہر دو قسم کے گہواروں میں حرکت موجود ہے۔

وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ	ہم نے زمین پر پہاڑ ڈال دیئے ہیں کہ وہ تمہیں لے کر بھاگ نہ جائے۔

زمین کی حرکت میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کے لیے وزنی پہاڑ ڈالے گئے۔ اگر زمین ساکن ہوتی تو یہ بھاگنے کا سوال کیسے پیدا ہوتا۔ بھاگنے کا خوف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ زمین کو متحرک تسلیم کیا جائے اور مانا جائے کہ یہ فضا کی مختلف گذرگاہوں سے گذرتی ہوئی آگے چلتی ہے۔ اگر وزن کم ہوتا تو ڈر تھا کہ کوئی وزنی ستارہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا اور زمین بھاگ کر دور نکل جاتی۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۔	تم پہاڑوں کو بظاہر ساکن دیکھتے ہو لیکن یہ دراصل بادلوں کی رفتار سے چل رہے ہیں۔

اگر زمین کو ساکن تسلیم کیا جائے تو یہ آیت بے معنی ہو جاتی ہے۔ پہاڑوں کی حرکت کے یہ معنی ہیں کہ یہ زمین کے ساتھ سرگرم رفتار ہیں جس طرح کہ گاڑی کے ساتھ مسافر چل رہے ہوتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۔	اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کیا اور آفتاب و قمر کو مسخر کیا۔ یہ تمام کے تمام ایک معین میعاد تک محو حرکت رہیں گے۔

کس قدر صریح اعلان ہے حرکت ارض کا۔

زمین سورج کے گرد ۵۸,۵۰۰,۰۰۰ میل کا دائرہ بناتی ہے۔ اس کی رفتار فی سیکنڈ ۱۸ میل فی منٹ ۱۰۸۰ میل فی گھنٹہ ۶۴,۸۰۰ میل اور رات دن میں ۱۶,۰۰۰,۰۰۰ میل ہے، فرض کرو تم سینما میں تماشہ دیکھنے گئے تھے

اور تین گھنٹے کے بعد واپس آئے ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس عرصہ میں تم تقریباً دو لاکھ میل فضا میں آگے نکل چکے ہو۔

چاند | چاند کا قطر ۲۱۶۰ میل اور زمین کا ۷۹۰۰ میل ہے۔ چاند زمین سے ۱۴ ۱/۲ گنا چھوٹا ہے۔ چاند تیز رفتار زمین کے اردگرد گھومتا ہے۔ اس کا یہ فرض ازبس مشکل ہے کہ وہ ایک تیز گھومنے والی زمین کے اردگرد اس صفائی سے گھوم رہا ہے کہ نہ تو زمین سے اور نہ کسی اور ستارے سے ٹکراتا ہے۔ زمین ۳۶۵ ۱/۴ دن میں اور چاند صرف ۲۷ دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔

کسوف وخسوف | جب سورج اور ہمارے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے تو سورج کو گرہن ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ہندوستان میں مکمل سورج گرہن ہوتا ہے۔ لیکن سائبیریا میں نصف نظر آتا ہے۔ وجہ صاف ہے کہ ہم اور اہل سائبیریا مختلف زاویوں سے سورج کو دیکھ رہے ہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ اس وقت چاند پوری طرح اہل سائبیریا اور سورج کے درمیان حائل نہ ہو۔ چاند گرہن اس لیے ہوتا ہے کہ زمین سورج اور چاند کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور اس کا سایہ چاند پر پڑتا ہے

چاند کا بُعد | چاند ہم سے ۲۴۰،۰۰۰ میل دُور ہے۔ اگر ایک گاڑی ۴۰ میل کی رفتار سے روانہ ہو تو وہ ۲۵۰ دنوں کے بعد چاند میں جا پہنچے گی۔ یا یوں سمجھئے کہ اگر آپ ایک دھاگہ اتنا لمبا تیار کریں کہ اس سے خط استوا کے اردگرد دس بل دیے جا سکیں اور اس دھاگے کو چاند کی طرف پھینک دیں تو اس کا ایک سرا زمین پر ہو گا اور دوسرا چاند تک جا پہنچے گا۔ اگر ہم ایک ایسی توپ بنائیں جس کے چھوٹنے کی آواز لاکھوں میل تک سنائی دے تو یہ آواز چاند میں ۱۴ دن کے بعد سنائی دے گی۔ آواز ایک منٹ میں تقریباً ۵ میل سفر کرتی ہے۔

چاند کی اندرونی دنیا کا ہمیں پورا پورا علم حاصل نہیں۔ گو چاند ۲۴۰،۰۰۰ میل دُور ہے اور دُور بین کی مدد سے کھچ کر صرف ۲۴۰ میل کی مسافت پر آجاتا ہے لیکن جو آنکھ کہ ایک میل پر بھی کسی چیز کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکتی وہ ۲۴۰ میل پر کیا خاک دیکھ سکے گی۔ اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ چاند میں پہاڑ ہیں جو قدیم زمانے میں آتش فشاں تھے اور جن کا لاوا سرد ہو کر منجمد ہو جاتا ہے۔ اگر سینڈوچ Sandwich جزیرہ کے آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا آج منجمد ہو جائے تو یقیناً قمری پہاڑوں کی طرح نظر آنے لگیں۔

زمین اندر سے گرم ہے اگر ہم لوہے کے دو گولوں (ایک بڑا دوسرا چھوٹا) کو گرم کر کے کچھ دیر کے لیے رکھ دیں تو چھوٹا گولہ جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ چاند زمین کا بچہ ہے اور اس وقت زمین سے نکلا تھا جب یہ پگھلے ہوئے

وہے کی طرح اُبل رہی تھی۔ اگر ہم اُبلتے ہوئے پانی کو چولھے سے اُتار لیں تو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ جب یہ پانی ذرا ذرا گرم ہو تو ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ چند منٹ پیشتر یہ پانی زیادہ گرم تھا۔ اس سے پہلے بہت زیادہ گرم اور کچھ عرصہ پیشتر کھول رہا تھا۔ بس یہی حال زمین کا ہے کہ وہ کسی وقت کھول رہی تھی۔ اب اس کا بیرونی قشر ٹھنڈا ہو گیا ہے اور ایک ایسا وقت آجائے گا کہ چاند کی طرح اس کا باطن بھی سرد ہو جائے گا۔

چاند کے اندر ہوا موجود نہیں، اس لیے رہائش کے قابل نہیں اور نہ کہیں پانی ملتا ہے۔ وہ ایک خشک بیابان ہے۔ چوں کہ چاند کا حجم زمین سے ۱۲½ گنا کم ہے۔ اس لیے اس کی کشش بھی بہت کم ہے۔ اشیاء کا وزن درصل کشش زمین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پتھر اس لیے وزنی معلوم ہوتا ہے کہ زمین اسے کھینچ رہی ہے۔ جب ہم کوئی پتھر زمین سے اُٹھاتے ہیں تو زمین اسے ہمارے ہاتھوں سے چھیننے کی کوشش کرتی ہے اور وزن کا احساس ہوتا ہے علمائے نجوم نے ثابت کیا ہے کہ چاند میں کشش ثقل زمین سے ۶ گنا کم ہے۔ اس لیے جو آدمی زمین پر غلہ کی ایک بوری اُٹھا سکتا ہے وہ چاند میں چھ بوریاں اُٹھائے گا۔ وہاں کرکٹ کی گیند بلے کی چوٹ سے چھ گنا دور جائے گی۔ اور فٹ بال چھ گنا اونچا۔ چاند کی دنیا میں جیبی گھڑی کا احساس تک نہ ہوگا۔ لیکن اگر ہم اسی گھڑی کو ساتھ لے کر کسی ایسے ستارے پر چلے جائیں جو زمین سے ایک لاکھ گنا بڑا ہو۔ تو ایک چھٹانک گھڑی ۵۰ من وزنی ہو جائے گی۔ اور ہم اس کے بوجھ سے پس جائیں گے۔

اللہ کی رحمت دیکھیے کہ ہماری زمین نہ تو اتنی وزنی ہے کہ پاؤں تک اٹھانا دشوار ہو جائے اور پانی کا ایک گھڑا چالیس من بھاری ہو جائے اور نہ اتنی ہلکی ہے کہ معمولی آندھی سے مکانات اُڑ جائیں، درخت اُکھڑ جائیں، ہمارے بچے تنکوں کی طرح ہوا میں اُڑتے پھریں۔ ہوا کا معمولی سا جھونکا سبزی فروش کے ٹوکرے اُٹھا کر نالی میں پھینک دے۔ کھیل کے میدان میں ایک ضرب سے کرکٹ کی گیند میلوں نکل جائے اور اس طرح یہ زمین ایک مصیبت بن جائے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ	ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔

علماء نے ثابت کیا ہے کہ تیزئ رفتار سے کشش ثقل میں فرق آجاتا ہے اس لیے اگر زمین کی رفتار زیادہ ہو جائے تو تمام اشیاء کا وزن گھٹ جائے اور اگر زمین اپنی موجودہ رفتار سے صرف سترہ گنا تیز حرکت کرنے لگے تو کسی چیز میں وزن باقی نہ رہے۔ اگر فضا میں ہوا کی جگہ سیماب بھر دیا جائے جو ہوا سے ۱۰۴۶۰ گنا وزنی ہے تو ہم پس جائیں۔ زمین و آسمان کے یہی وہ اسباق ہیں جن کے مطالعہ کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُوْقِنِیْنَ | ارض وسما میں یقین پیدا کرنے والوں کے لیے اسباق موجود ہیں۔

ستارے | ۱۔ زہرہ۔ یہ ستارہ ہماری زمین جتنا بڑا ہے۔ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اس کی شکل چاند جیسی ہے اور چاند ہی کی طرح گھٹتا بڑھتا ہے۔ یہ سورج کے گرد ایک چکّر ایک سال اور سات ماہ میں پورا کرتا ہے۔

۲۔ عطارد۔ عطارد سورج سے ۳۷،۰۰۰۰۰ میل دُور ہے لیکن ہمیں سورج کے پاس نظر آتا ہے۔ یہ بھی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔

۳۔ مریخ۔ مریخ کی حرکات کچھ عجیب سی ہیں۔ جاتے جاتے رُک جاتا ہے۔ واپس لوٹ پڑتا ہے اور پھر اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔ اس کا ایک چکّر ۶۸۷ ایام میں ختم ہوتا ہے اور اپنے گرد ۲۴ ساعت ۳۷ دقیقہ اور ۲۲۰۷ ثانیہ گھومتا ہے۔ اس کی سطح پر پانی نظر آتا ہے۔ اس کے شمالی و جنوبی حصّوں میں بڑے بڑے سفید دھبّے نظر آتے ہیں جو گرمیوں میں گھٹ جاتے ہیں اور سردیوں میں بڑھ جاتے ہیں۔ علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ دھبّے دراصل برف ہے جو سردیوں میں بڑھتی اور گرمیوں میں گھٹ جاتی ہے۔

۴۔ مشتری۔ نیپٹون۔ زحل۔ یورانس۔ یہ ستارے ہماری زمین سے بہت بڑے ہیں۔ مشتری زمین سے بہت گُنا بڑا ہے جو اپنے اردگرد ۹ ساعت ۵۵ دقیقہ اور ۲۱ ثانیہ میں گھومتا ہے۔ اور سورج کے اردگرد ایک چکّر ۱۲ سال میں پورا کرتا ہے۔ اس میں گاہے گاہے بادل نظر آتے ہیں۔

سورج سے فاصلہ | چند اہم ستاروں کا بُعد سورج سے:

نام	بُعد		نام	بُعد
۱۔ عطارد	۳۶۰۰۰۰۰۰ میل		۶۔ زُہرہ	۶۳۰۰۰۰۰۰ میل
۲۔ زمین	۹۳۰۰۰۰۰۰ ؍		۷۔ مریخ	۱۴۴۰۰۰۰۰۰ ؍
۳۔ مشتری	۴۹۷۰۰۰۰۰۰ ؍		۸۔	۲۵۲۰۰۰۰۰۰ ؍
۴۔ زُحل	۹۰۰۰۰۰۰۰۰ ؍		۹۔ یورانس	۱۴۱۴۰۰۰۰۰۰ ؍
۵ نیپٹون	۲۵۹۲۰۰۰۰۰۰ ؍			

حجمِ کواکب | (۱) زمین کا محیط ۴۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ میٹر ہے اور نصف قطر ۶۳۷۸۴۰۰ میٹر ہے۔ زمین کی سطح ۵۰،۹۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ میٹر ہے اور زمین کی سطح پر خشکی صرف ۱۲،۶۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ میٹر ہے۔ (میٹر کی لمبائی تقریباً ۳۹ اِنچ ہوتی ہے)

۲۔ مریخ کا حجم زمین سے چھ گنا کم ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۶۸۷ دنوں کا ہوتا ہے۔

۳۔ مشتری زمین سے ۱۲۰۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۱۲ سالوں کے برابر ہوتا ہے۔

۴۔ زحل زمین سے ۷۰۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۹۲۹۹۰۰۰۰۰ میٹر ہے۔

۵۔ یورانس کو ہرشل نے ۱۷۸۱ء میں دریافت کیا تھا۔ یہ زمین سے ۶۴ گنا بڑا اور سورج سے ۱۷۵۰۰۰۰۰۰۰ میل دور ہے۔ ایک چکر ۸۴ سال میں ختم کرتا ہے۔

۶۔ نیپٹون کا حجم زمین سے ۵۵ حصے بڑا ہے اور ایک چکر ۱۶۵ سال میں کاٹتا ہے۔

۷۔ چاند کی سطح زمین سے چودہ گنا اور حجم ۱/۵۰ گنا کم ہے۔ اس میں ۳۰ پہاڑ ہیں جن میں بعض کی بلندی ۸۰۰۰ میٹر سے زیادہ ہے۔

۸۔ آفتاب زمین سے ۱۲,۸۰,۰۰۰ گنا بڑا ہے اور روشنی کا یہ عالم کہ ۴,۰۰,۰۰۰ کامل چاند (بدر) مل کر دوپہر جتنی روشنی پیدا کر سکتے ہیں۔ پھر ہمارے آفتاب کی روشنی ایک اور آفتاب سے جو ہم سے ۵۰,۱۰,۶۸,۸۰,۰۰۰ ۰۰۰ میل ہے، آٹھ ہزارواں حصہ کم ہے۔

اللہ کی ہیبت و باعظمت دنیا پر غور کرو۔ شموس و اقمار کی بہتات کا کیا عالم ہے۔ پھر کس حیرت انگیز نظام سے اپنے مداروں پر گھوم رہے ہیں کہ کہیں کوئی تصادم نہیں، ٹکراؤ نہیں، کھنبلی نہیں اور بدنظمی نہیں۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (سورہ یٰس)	نہ تو سورج چاند کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے اور نہ لیل و نہار کے سلسلے میں کہیں بدنظمی موجود ہے۔ یہ تمام شموس و اقمار نہایت باقاعدگی کے ساتھ فضا میں تیر رہے ہیں۔
وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ (سورہ حج)	اللہ نے آسمانوں کو یوں تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر بلا حکم نہیں گر سکتے۔

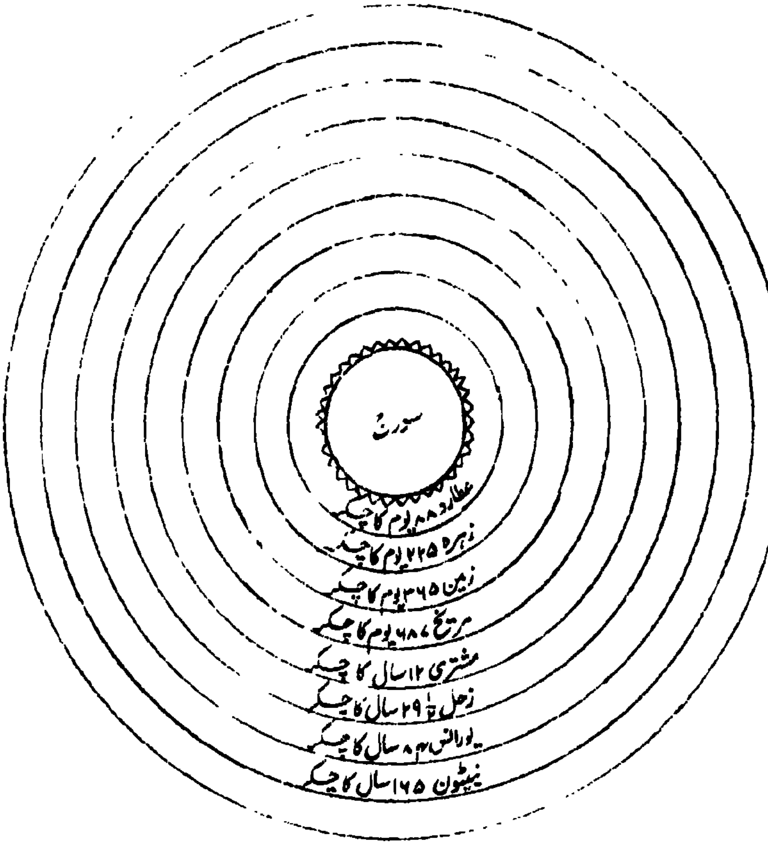
ہندوستان میں ریلوے کا انتظام دیکھیے کہ کنٹرولر موجود ہیں۔ کانٹا بدلنے والے پٹڑی کے نگہبان، سگنل دینے والے وغیرہ وغیرہ بیسیوں آدمی مختلف فرائض پر متعین ہیں، لیکن آئے دن گاڑیوں میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ جانیں ہلاک ہوتی ہیں اور ہفتوں تک آمدورفت بند رہتی ہے۔ دوسری طرف کروڑوں عظیم الشان کرّے فضا میں بجلی کی رفتار سے گھوم رہے ہیں۔ کوئی سگنل دینے والا نہیں، کوئی کانٹا بدلنے والا نہیں، لائن کلیئر کا سلسلہ نہیں لیکن پھر بھی یہ نظام نہایت شان و شوکت سے چل رہا ہے، صحت و اعتدال سے چل رہا ہے اور عظمت و رفعت

سے چل رہا ہے، کیوں؟ اس لیئے کہ ایک آنکھ ہے جو دیکھ رہی ہے اور جو کبھی غلطی نہیں کرتی۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ | کائنات کی ہر چیز اپنی صلوۃ و تسبیح (انتظام) سے آگاہ ہے۔

ادوارِ کواکب | زحل، مشتری، عطارد وغیرہ سورج کے گرد گھوم رہے ہیں اور چاند زمین کے گرد۔ ان میں سے ہر کواکب کے اردگرد کئی چاند چکر کاٹ رہے ہیں۔

نظامِ شمسی کی شکل یہ ہے



نکتۂ یوم و ماہ | ڈاکٹر شابلی کا خیال ہے کہ فضا میں ایک مرکزِ نور ہے جس کے اردگرد تمام شموس چکر کاٹ رہے ہیں اور ان کا ایک چکر ۳۰۰،۰۰۰،۰۰۰ سال میں ختم ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ ہمارے تیس کروڑ سال ان شموس کے ایک سال کے برابر ہوتے ہیں اور ان کا ایک دن ہمارے تیس کروڑ دنوں یعنی ۸۲۱،۹۰۲ سال کے برابر۔ چوں کہ آسمان میں نظام ہائے شمسی کی کوئی انتہا نہیں اور ہر سورج کی حرکت اپنے مرکز کے اردگرد دوسرے سے مختلف

ہے۔ اس لیے ہر نظام کے لحاظ سے یوم و ماہ کی مدت بھی مختلف ہے۔ ہمارے ہاں ایک دن رات زمین کی محوری گردش (۲۴ ساعت) کا نام ہے اور سال زمین کی آفتابی گردش (۳۶۵ دن) کا نام۔ لیکن دوسرے نظاموں کے سال و ماہ ہم سے مختلف ہیں۔ عطارد کا سال صرف ۸۸ دن کا ہوتا ہے۔ زہرہ کا سال ۲۲۵ یوم کا۔ لیکن مشتری کا سال ہمارے ۱۲ سال، زُحل کا ہمارے ۲۹½ سال اور نیپٹون کا سال ہمارے ۱۶۵ سال کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح کہیں کوئی ستارہ ہزار سال میں اور کہیں پچاس ہزار سال میں اپنے مرکز کے ارد گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ اس لیے اللہ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے:

إِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ	اللہ کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر وارد ہے:

......فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ	......ایسے دن میں جو تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

ستارے اور ان کے بچے | ہر ستارے کے کئی بچے ہیں جو اس کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ تفصیل جداولِ ذیل میں ملاحظہ ہو:

جدول اوّل (دادا اور پوتا)

	بُعد از ارض	قطر	گردش	
سورج	۹۳۰۰۰۰۰۰ میل	۸۶۵,۰۰۰ میل	اپنے گرد	۲۶ یوم
چاند	۲۴۰۰۰۰ "	۲۱۶۰ "	زمین کے گرد	۲۷ "

جدول دوم (سورج کے بچے)

نام	بُعد از آفتاب	آفتابی گردش (ایام)	قطر میلوں میں	گردش اپنے گرد (گھنٹے - منٹ)
عطارد	۳۵۰۰۰۰۰۰ میل	۸۸.۹۶۹	۲۹۹۲	۲۴-۵
زہرہ	۶۷۰۰۰۰۰۰ "	۲۲۴.۷۰	۷۶۶۶۰	۲۳-۲۱
زمین	۹۳۰۰۰۰۰۰ "	۳۶۵.۲۶	۷۹۱۸	۲۳-۵۶
مریخ	۱۴۱۰۰۰۰۰۰ "	۶۸۶.۹۸	۴۲۰۰	۲۴-۳۷
مشتری	۴۸۲۰۰۰۰۰۰ "	۴۳۳۲.۶	۸۵۰۰۰	۹-۵۵
زُحل	۸۸۴۰۰۰۰۰۰ "	۱۰۷۵۹	۷۱۰۰۰	۱۰-۱۴

یورانس	۱۷۸۰,۰۰۰,۰۰۰	۳۰۶۸۷	۳۱,۷۰۰	نامعلوم
نیپٹون	۲۷۸۰,۰۰۰,۰۰۰	۶۰۱۲۹	۳۴,۵۰۰	〃

جدول سوم (مریخ کے بچے)

نام		بُعد از مریخ	گردش گردِ مریخ گھنٹے	منٹ	سیکنڈ
Phobus	نوبس	۵۸۰۰ میل	۷	۳۹	۱۴
Deimos	ڈیموس	〃 ۱۴۵۰۰	۳۰	۱۷	۵۴

جدول چہارم (مشتری کے بچے)

نام	بُعد از مشتری	گردش گردِ مشتری دن	گھنٹے	منٹ	سیکنڈ
نامعلوم	۲۶۲,۰۰۰ میل	۱	۱۸	۲۷	۳۴
〃	〃 ۴۱۷,۰۰۰	۳	۱۳	۱۳	۴۲
〃	〃 ۶۶۴,۰۰۰	۷	۱۳	۴۲	۳۳
〃	〃 ۱۱۷۰,۰۰۰	۱۶	۱۶	۳۲	۱۱

جدول پنجم (زحل کے بچے)

نام		بُعد از زحل	گردش گردِ زحل ایام	گھنٹے	منٹ	سیکنڈ
Ilenias	ایلینیس	۱۱۸,۰۰۰ میل	۰	۲۲	۳۷	۲۷.۷
Encelandus	اینسیلینڈس	〃 ۱۵۲,۰۰۰	۱	۸	۳۵	۶.۷
Tithys	ٹیتھیس	〃 ۱۸۵,۰۰۰	۱	۲۱	۱۸	۲۵.۷
Dione	ڈائیونی	〃 ۲۴۱,۰۰۰	۲	۱۷	۴۱	۸.۹
Rhea	ریا	〃 ۳۳۷,۰۰۰	۴	۱۲	۲۵	۱۰.۸
Titan	ٹیٹن	〃 ۷۸۱,۰۰۰	۱۵	۲۲	۴۱	۲۵.۲
Hyperion	ہائپیرین	〃 ۹۴۶,۰۰۰	۲۱	۷	۷	۴۰.۸
Japetus	جیپٹس	〃 ۲۲۸۰,۰۰۰	۷۹	۷	۵۴	۴۰.۴

جدول ششم (یورانس کی اولاد)

نام		بُعد از یورانس	گردش گرد یورانس
ایریئل	Arial	۱۱۹,۰۰۰ میل	۲.۵۲۰۳۸۳ دن
امبیریئل	Umberial	۱۶۶,۰۰۰ 〃	۴.۱۴۴۱۸۱ 〃
ٹیٹانیا	Titamu	۲۷۲,۰۰۰ 〃	۸.۷۰۵۸۹۷ 〃
اوبیران	Oberon	۳۶۳,۰۰۰ 〃	۱۳.۴۳۶۲۶۲ 〃

جدول ہفتم (نیپٹون کی اولاد)

گردش (یوم)	بُعد از نیپٹون	نام
۵.۸۷۶۹۰	۲۲۰ ۰۰۰ میل	نامعلوم

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ | اللہ کے لشکروں کا علم اللہ ہی کو ہو سکتا ہے۔

حرکتِ کواکب | اگر ہم ایک ایسی بلندی پر پہنچ جائیں۔ جہاں ہوا کی مقاومت اور کششِ زمین نہ ہو اور وہاں ایک پتھر زور سے پھینکیں تو وہ پتھر خطِ مستقیم میں ابدالآباد تک چلتا جائے گا۔ اس لیے کہ اس کی حرکت کی راہ میں کشش و مقاومت ہوا حائل نہیں۔ یہی حال ستاروں کا ہے کہ آج سے ارب کھرب سال پہلے دنیائے کہکشاں سے چند شعلے ٹوٹے جو اب تک ہوا میں محوِ پرواز ہیں۔ مختلف آفتابوں نے انہیں کھینچ کر ان کی حرکات کو دوری بنا دیا ہے۔ اگر آفتاب یہ خدمت انجام نہ دیتے تو یہ سیارے بھاگ کر خدا جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے۔ راہ میں کتنی دنیاؤں سے ٹکراتے اور کس قدر تباہی پیدا کرتے۔ جس طرح کولھو کے بیل کو ایک خاص رسی ایک خاص دائرے میں پھراتی ہے۔ اسی طرح سورج کی کشش نے مشتری و عطارد کیوان و زمین کی گذرگاہیں متعین کر رکھی ہیں، جہاں سے یہ سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔

لطیفہ | حضرت موسیٰ ؑ نے اللہ سے پوچھا کہ تُو سوتا کس وقت ہے۔ اللہ نے کہا کہ یہ دو بوتلیں ہاتھ میں تھام رکھ اس کے بعد ٹھنڈی ہوا چلائی۔ حضرت موسیٰ ؑ کو اونگھ آگئی، ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور معاً بوتلیں گر کر چُور چُور ہو گئیں۔

سبحان اللہ! کیا بہترین رنگ میں حضرت موسیٰ ؑ کو یہ نکتہ سمجھایا گیا کہ اگر اللہ ایک لمحہ کے لیے بھی سو جائے تو زمین و آسمان کی کروڑوں دنیائیں ایک دوسرے پر گر کر پاش پاش ہو جائیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ...... وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۔

اس کائنات میں صرف ایک ہی خدا ہے جو قائم و دائم ہے جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھتا ہے۔ اس لیے کہ زمین و آسمان کا انتظام اس کے سپرد ہے ..... وہ بلند و برتر رب ارض و سمائی حفاظت سے ہرگز نہیں تھکتا۔

نکتہ | یورپ اور ایشیا ہر دو میں یہ خیال رائج تھا اور ہے کہ ہفتہ کے ہر دن پر ایک خاص سیارے کا اثر یا حکومت ہوتی ہے۔ اسی خیال سے ان لوگوں نے بعض دنوں کو مسعود اور بعض کو منحوس قرار دیا اور ان دنوں کے نام بھی ستاروں کے نام پر رکھے۔ مثلاً

(۱) Sunday (اتوار) Sun یعنی آفتاب کی طرف منسوب ہے۔

(۲) Monday (سوموار) Moon یعنی چاند کی طرف منسوب ہے۔

(۳) فرانسیسی میں منگل وار کو Marsday (مریخ کا دن۔ مریخ = Mars) کہتے ہیں۔ اصلی لفظ (فرانسیسی زبان میں) Mardi ہے۔

(۴) اسی طرح فرانسیسی زبان میں بدھ وار کو Mercredi (MercuryDay) یعنی عطارد کا دن کہتے ہیں۔

(۵) Thurs کے معنی ایک مغربی لغت میں مشتری اور Fri کے معنی زہرہ دیئے ہوئے ہیں تو Thurs day کے معنی مشتری کا دن اور Friday کے معنی زہرہ کا دن ہوں گے۔

(۶) زحل کو انگریزی میں Saturn کہتے ہیں تو Saturday (سنیچر) کے معنی یوم زحل ہوں گے۔

اسلام ان توہمات سے آزاد تھا۔ اس لیے ان ایّام کو کواکب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے یوم الاحد (پہلا دن، دوسرا دن) وغیرہ کہا تاکہ مسلم ستاروں سے نہ ڈرتا پھرے۔

ثوابت | ثوابت دراصل مہیب آفتاب ہیں جو ہم سے بہت دور ہیں اور یہ دوری بھی کئی طرح سے الٰہی رحمت ہے۔ اوّل۔ اگر یہ نزدیک ہوتے تو ہم مختلف شموس کی حرارت سے جل جاتے۔ دوم۔ یہ بڑے بڑے آفتاب ہماری زمین اور نظام شمسی کو کھینچ کر درہم برہم کر دیتے۔

یہ ثوابت اس قدر دور ہیں کہ اگر ہم ان میں سے کسی ایک پر کھڑے ہو کر نیچے دیکھیں تو سورج ایک چھوٹا سا روشن ذرّہ نظر آئے گا اور زمین کے دکھائی دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنی آنکھ سے ۶۰۰۰ ستارے نظر آتے

ہیں۔ دُور بین سے ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کیمرے (آلۂ تصویر) کی پلیٹ (لوحِ تصویر) بے حد حساس چیز ہے جو ایسے ستاروں کی تصویر بھی لے سکتی ہے جو کسی دور بین سے نظر نہیں آسکتے۔ مسٹر اسحاق رابرٹ (لورپول) نے ایک دفعہ آسمان کے $\frac{1}{1000}$ حصے کی تصویر لی، تو سولہ ہزار ستارے لوحِ تصویر میں اُترے۔ اس حساب سے کل ستاروں کی تعداد سولہ کروڑ ہونا چاہیے۔ لیکن اللہ کے بغیر اس تعداد کا علم کسے ہو سکتا ہے۔

علومِ طبیعی کے چند سرپھرے لونڈے گاہے بہ گاہے یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ "اجی، یہ قیامت و یامت مولویوں کے وضعی قصے ہیں، انسانی حیات کی منزل موت ہے، آگے کچھ بھی نہیں، مر کر ب کوئی جیا۔ بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈالنا کوئی کھیل نہیں" ان جاہلوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس فضائے آسمانی میں ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑی دنیائیں گھوم رہی ہیں، کروڑوں شموس و اقمار ہیں، لاتعداد زمینیں سرگرمِ پرواز ہیں اور ہر طرف ایک مبہوت کن سلسلہ موجود ہے۔ تو جس اللہ نے یہ عظیم الشان دنیائیں بنائیں، جہاں نور و ظلمت کا یہ قیامت انگیز نظام قائم ہے، کیا اُس اللہ کے لیے چند ہڈیوں میں جان ڈالنا مشکل ہے۔ کیا آپ کو الٰہی صنّاعی و تخلیق پر اتنا بھی اعتماد نہیں؟

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا۔ (سورہ النّٰزعٰت)	کیا تمہاری ساخت مشکل ہے یا آسمانوں کی تخلیق۔ کس دھڑلّے سے فضاؤں میں کئی دنیائیں بنا کر ان میں توازن و اعتدال پیدا کیا۔ نور و ظلمت کا سلسلہ جاری کیا۔

مطلب یہ کہ جو اللہ ظلمت سے نور نکال سکتا ہے۔ وہ موت کی تاریکیوں سے آفتابِ حیات کو بھی طالع کر سکتا ہے۔
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

دم دار ستارے یہ ستارے کافی تعداد میں آسمان پر موجود ہیں، ان کی حرکات کا کچھ علم نہیں۔ بسا اوقات یہ سورج سے دُور ہٹ جاتے ہیں اور پھر قریب آ کر گھومنے لگ جاتے ہیں۔ ان کی رفتار سورج کے پاس ۲۰۰ میل فی ثانیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ستارے کسی شفاف مادے سے بنے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ نظر ان سے گزر کر ان ستاروں کو بھی دیکھ لیتی ہے جو ان کی آڑ میں ہوتے ہیں۔ ان کی دم دراصل ان ستاروں کے مادۂ تکوینی کے بخارات ہیں جو تپشِ آفتاب سے نکلتے ہیں۔ جوں ہی کہ یہ سورج سے دُور ہٹ جاتے ہیں تو دُم غائب ہو جاتی ہے۔

شہاب یہ ستارے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جو صرف ٹوٹتے وقت نظر آتے ہیں۔ یہ ٹوٹنا دراصل ان کی موت ہوتی ہے اور یہ صرف مرتے وقت نظر آتے ہیں۔ ان کی رفتار تقریباً بارہ ہزار میل فی دقیقہ ہوتی ہے، یعنی، بندوق کی گولی سے ۱۰۰ گنا زیادہ۔ اور زمین کے اردگرد صرف اڑھائی گھنٹے میں چکر کاٹ سکتے ہیں۔

یہ چھوٹا سا ستارہ بے نور ہوتا ہے۔ اس میں سورج سے روشنی حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ جب یہ چلتے چلتے کہیں زمین کے قریب آجاتا ہے تو زمین اسے کھینچتی ہے۔ نتیجۃً یہ کرۂ ہوا میں سے نہایت تندی کے ساتھ گزرتا ہے اور خاکی ذرات سے رگڑ کھا کر پہلے گرم پھر مشتعل ہو جاتا ہے۔ اسے آگ لگ جاتی ہے اور گیسی صورت میں تبدیل ہو کر ہوا ہی میں پریشان ہو جاتا ہے۔ یہ ہے حقیقت شہاب کی۔

بندوق سے گولی نکل کر سامنے کسی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ اگر آپ اس گولی کو ہاتھ لگائیں گے تو گرم پائیں گے۔ یہ گرمی خاکی ذرات کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ شہاب کی رفتار چونکہ گولی سے ۱۰۰ گنا زیادہ ہے اس لیے ہم حساب کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کا درجہ حرارت ۱۰،۰۰۰ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے جو اسے پگھلانے کے لیے کافی ہے۔

اگر شہاب کی رفتار کم ہوتی تو وہ پگھل نہ سکتا۔ نتیجۃً ہم پر دن رات پتھر برستے رہتے۔ اس لیے کہ سینکڑوں شہاب روزانہ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اللہ کا کمال عنایت دیکھیے کہ ہمیں اس مصیبت سے محفوظ رکھا۔ ورنہ اگر وہ چاہتا تو شہابوں کی رفتار کو کم کر کے ہم پر اس قدر پتھر برساتا کہ ہم تباہ ہو جاتے۔

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ

تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھے بیٹھے ہو لیکن اگر اللہ آسمانی بلندیوں سے تم پر پتھر برسانا شروع کر دے تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

آج ہم پر طیارے آسمان سے پتھر (بم) برسا رہے ہیں اور اللہ کا یہ قول لفظ بہ لفظ درست ثابت ہو رہا ہے۔ سبحان اللہ! قرآن کی ہر آیت میں کس قدر اسباق پنہاں ہیں۔ لیکن یہ آیات علماء و حکماء کے لیے ہیں، جہال کے لیے نہیں۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۔ (سورہ الانعام)

اللہ نے ستارے اس لیے بنائے کہ تم بحر و بر کی تاریکیوں میں سفر کے قابل ہو سکو۔ ہم نے یہ آیات علماء کے لیے تفصیلاً بیان کی ہیں۔

غور فرمایا آپ نے کہ قرآن حکیم نے علماء کی تعریف یہ کی ہے کہ جو علوم کائنات و ارض و سما کے ماہر ہوں۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں اور ایسی سرزمینوں سے جہاں انسانی قدم آج تک نہیں پہنچے، فولاد کے کچھ ٹکڑے دستیاب ہوتے ہیں جن کا معائنہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ ٹکڑے شہابِ ثاقب سے گرے تھے۔

ہوا میں ذراتِ خاکی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اوّل اس لیے کہ آفتاب کی حرارت کو صرف ذرات ہی قبول کر سکتے ہیں اور ہوا غیر موصل ہے۔ ظاہر ہے کہ حرارتِ آفتاب کے بغیر کوئی چیز نشو و نما نہیں پا سکتی۔ دوم۔ اس لیے کہ بارش کی تکوین ان ذرات کی بدولت ہوتی ہے۔ بارش کے قطرے بن ہی نہ سکتے، اگر ان ذرات کا سہارا نہ ہوتا چونکہ

ان کی کثیر تعداد قطرات باراں کے ساتھ مل کر زمین پر آجاتی ہے اور فضا میں کمی ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے شہاب توڑے جاتے ہیں۔ اللہ اکبر! ربوبیت کی کیا شان ہے! تخلیق کا کیا نظام ہے اور الٰہی رحمت کس کس رنگ میں ہماری پرورش کر رہی ہے۔

چند سال ہوئے کہ ایک طیارہ باز نے اپنا تجربہ یوں بیان کیا (سول ملٹری گزٹ ۸ جنوری ۱۹۳۹ء) کہ اس کا طیارہ کافی بلندی پر جا رہا تھا کہ اچانک پتھر برسنا شروع ہو گئے اور وہ واپس بھاگا۔ تو کیا اس حقیقت کے اعتراف میں انکار ہو سکتا ہے۔ کہ

...... وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى ... اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۔

...... ہم نے آسمانوں کو شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔ جب کوئی شیطان فلکی بلندیوں تک پہنچ کر کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے تو شہاب ثاقب اسے بھگا دیتا ہے۔

فرعون و نمرود، قیصر و کسریٰ و دیگر شیاطین الانس انبیاء کے ہاتھوں ہمیشہ رسوا ہوتے رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نظام وحی و فلک الہام کے شہاب (انبیاء) ان ظالم لوگوں کا ہمیشہ پیچھا کرتے رہے اور اپنی شیطنت کی بدولت انہیں کلام الٰہی سے فائدہ اٹھانے کی توفیق میسر نہ ہوئی۔ انبیاء کا مقصد انسانی دنیا کو شیطانی حملوں سے بچانا تھا۔
اس لیے یہ اولوالعزم ستارے دنیائے شیطنت پر ہمیشہ شہاب بن کر ٹوٹتے ہیں۔ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ

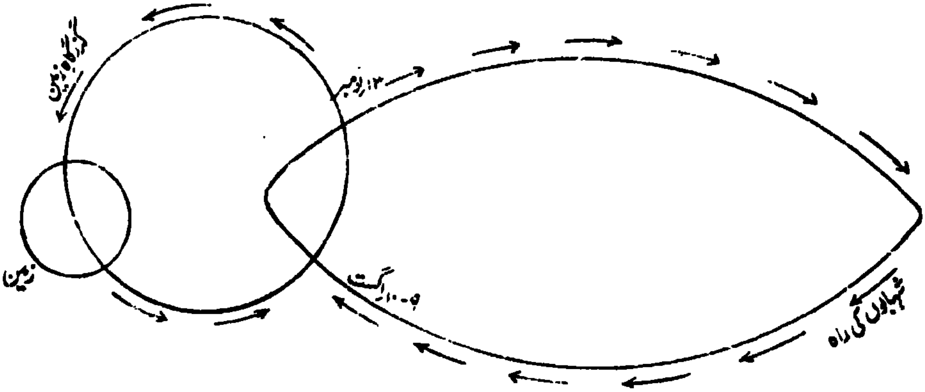
جب زمین سورج سے پیدا ہوئی تھی تو قدرے چھوٹی تھی۔ ان شہابوں کی بدولت جو کروڑہا صدیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ہماری زمین میں اضافہ کر رہے ہیں قدرے بڑی ہو گئی۔ آپ کہیں گے کہ ایک چھوٹا شہاب زمین میں کیا اضافہ کر سکتا ہے۔ تو گزارش یہ ہے کہ قطرے مل کر سمندر بنتے ہیں اور شہابوں کی تعداد تو اس قدر زیادہ کہ اللہ کے بغیر کسی اور کو علم نہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

۱۲ ستمبر ۱۸۶۲ء کو ایک شہاب ...۱ میل تک دوڑتا گیا اور چکاگو اور سینٹ لوئی کے درمیان جا کر پھٹا جس سے چھوٹے چھوٹے ستارے نکل کر کچھ فاصلے پر غائب ہو گئے۔ نیز اس سے ایک زبردست آواز پیدا ہوئی جو پندرہ منٹ کے بعد زمین پر پہنچی۔ آواز بارہ سیکنڈ میں تقریباً پانچ میل سفر کرتی ہے تو گویا یہ شہاب زمین سے ۸۰ میل دور تھا۔

سر رابرٹ ایس بال ایل ایل ڈی کہتا ہے کہ ۱۳ نومبر ۱۸۶۶ء کی رات کو دو ستارے ٹوٹے، جو پھٹ کر پہلے چار پھر آٹھ پھر سولہ اور پھر سینکڑوں کی تعداد تک پہنچ گئے۔ فضا روشنی سے جگمگا اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر آتش بازی ہو رہی ہے۔ یہ تماشہ تین گھنٹے تک جاری رہا۔ .. ..

یہ منظر ہر ۳۳ سال کے بعد آسمان پر نظر آیا کرتا ہے۔ ۱۲ ر نومبر ۱۹۰۲ء کو . . . .
اس قدر شہاب باری ہوئی تھی کہ لوگ ڈر گئے تھے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۳۲ء کو یہ تماشہ مسٹر کرک وڈ Kirkwood نے افریقہ میں دیکھا تھا۔ مسٹر وڈ کہتے ہیں کہ آدھی رات کے وقت حبشیوں نے شور مچا دیا "بچا ٹیو مارے گئے، دنیا کو آگ لگ گئی"۔ میں تلوار لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ شہاب کی وجہ سے گویا آسمان کو آگ سی لگی ہوئی ہے۔ یہ تماشہ ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۲-۱۳ ر نومبر کی درمیانی رات کو ہوا کرتا ہے۔ ۱۸۶۶ء، ۱۸۹۹ء اور ۱۹۳۲ء کو یہ منظر دیکھا گیا۔ اب بہ شرط زندگی ۱۹۶۵ء میں پھر دیکھیں گے۔

اس شہاب باری کی وجہ یہ ہے کہ شہاب فضا میں سورج کے اردگرد یوں گھومتے ہیں کہ ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۳ ر نومبر کی رات کو زمین شہابوں کی راہ (راہِ گردش) کاٹتی ہے تو جس قدر شہاب قریب ہوتے ہیں، وہ کششِ ارض سے زمین کی طرف دوڑتے ہیں اور مشتعل ہو کر روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یوں تو زمین ہر سال اسی راہ سے گذرتی ہے، لیکن شہاب صرف ۳۳ سال کے بعد یہاں موجود ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی اِکّا دُکّا شہاب ہر سال پاس موجود ہو تو وہ بھڑک اٹھتا ہے۔ زمین شہابوں کی گذرگاہ سے سال میں دو دفعہ گزرتی ہے۔ شکل یہ ہے:



بعض اوقات ۹-۱۰ اگست کی رات کو بھی شہاب باری ہوتی ہے۔

شہاب کی پیدائش | جنگ عظیم کے معاً بعد امریکہ کے ایک موجد نے اتنی زبردست توپ بنائی کہ جب اس کا گولہ پھینکا گیا تو وہ حدودِ زمین سے باہر نکل گیا اور کششِ زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگ گیا۔ اسی طرح کسی وقت آتش فشاں پہاڑوں نے اپنا لاوا اس قوت سے نکالا تھا کہ کافی مقدار کششِ زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگ گئی۔ اب زمین کو جس وقت موقع ملتا ہے تو مفرور بچوں کو کھینچ کر جذب کر لیتی ہے۔

بُعدِ نجوم | زمین سے ستاروں کا فاصلہ ناپنے کے لیے ہمارے پیمانے، سال و ماہ ناکافی ہیں۔ اس لیے علمائے

ہیئت نے سالِ نوری کی اصطلاح وضع کی ہے۔ ایک آدمی ایک سیکنڈ میں صرف ایک قدم یا اس سے کم مسافت طے کرتا ہے اور روشنی ایک سیکنڈ ۱۸۶,۰۰۰ میل مسافت طے کرتی ہے۔ اگر ایک آدمی روزانہ بیس میل سفر کرے تو اسے ۱۸۶,۰۰۰ میل طے کرنے کے لیے ۹۳۰۰ ایام کی ضرورت ہوگی۔ بہ دیگر الفاظ روشنی کا ایک ثانیہ ہمارے ۲۵ سال کے برابر ہے۔ ایک منٹ میں روشنی ۱۱۱۶۰۰۰۰ میل سفر کرتی ہے۔ ایک گھنٹے میں ۶۶۹۶۰۰۰۰ میل، ایک دن رات میں ۱۰۸،۰۷،۰۴،۰۰۰۰ میل، ایک ماہ میں ۵۴۲،۱۱۲،۰۰۰،۰۰۰ میل اور ایک سال میں ۵،۰۵۳۴۴،۰۰۰،۰۰۰ میل سفر کرتی ہے اور یہ ہے سالِ نوری۔ ایک انسان روزانہ بیس میل کے حساب سے سال میں صرف ۹۳۰۰ میل مسافت طے کرے گا اور روشنی اس مسافت کو صرف $\frac{1}{20}$ سیکنڈ میں طے کرتی ہے۔ ایک سال میں تقریباً ۳۱۰۰۰۰۰۰ سیکنڈ ہوتے ہیں۔

قریب ترین ستارے کا فاصلہ | سورج ہم سے ۹۳۰۰۰۰۰۰ میل دُور ہے۔ جہاں سے روشنی تقریباً ۸ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے اور قریب ترین ستارہ ۲۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ میل دُور ہے اس بُعد کا اندازہ یوں لگائیے کہ لنکا شائر میں روزانہ سوت کا دھاگہ اس قدر تیار ہوتا ہے کہ جس سے زمین کے اردگرد سات چکر دیے جا سکیں۔ اگر ہم اس قدر دھاگا تیار کرنا چاہیں کہ وہ قریب ترین ستارے تک پہنچ سکے تو چار سو سال خرچ ہوں گے۔ اگر ہم ایک کلاک کو ان ہندسوں کے گننے پر لگا دیں تو تین لاکھ سال صرف ہوں گے۔

شہاب کی رفتار گولی سے سو گنا زیادہ ہے اور روشنی کی رفتار شہاب سے دس ہزار گنا تیز ہے۔ یہ روشنی قریب ترین ستارے سے تین سال کے بعد ہم تک پہنچتی ہے۔ چوں کہ دیکھنا صرف روشنی سے ہو سکتا ہے اس لیے اس ستارے کی جو حالت ہم آج دیکھ رہے ہیں، وہ تین سال پہلے کی ہے۔ بہ دیگر الفاظ اگر ہم اُڑ کر اس ستارے پہ جا بیٹھیں تو ہمیں زمین کے صرف وہ واقعات نظر آئیں گے جو یہاں تین سال پہلے ہو چکے تھے۔ اگر یہ ستارہ آج مٹ جائے تو تین سال تک ہمیں نظر آتا رہے گا۔

ویگا Vega ستارے سے جو روشنی آج ہم تک پہنچ رہی ہے وہ سو سال پہلے کی ہے۔ اگر ہم اس ستارے میں چلے جائیں تو ہمیں زمین پر موجودہ نسل کا کوئی آدمی نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ گذشتہ نسل کے انسان نظر آئیں گے۔ بعض ستارے اس سے بھی دُور ہیں۔ کہکشاں کا قریب ترین ستارہ دس لاکھ سالِ نوری اور بعید ترین ستارہ پندرہ کروڑ سالِ نوری کی مسافت پر واقع ہے۔ بہ دیگر الفاظ کہکشاں کا قریب ترین ستارہ ہم سے ۵،۰۵۳۴۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰ میل دُور ہے۔ اگر ہم اس ستارے پر جا پہنچیں تو ہمیں تخلیق آدم سے پہلے کے واقعات نظر آئیں گے۔ چوں کہ اللّٰہ

ستاروں سے بھی دُور ہے اور پھر ہماری شاہرگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس لیے وہ تمام ماضی و حال کا تماشہ دیکھ رہا ہے اور اس کے پاس ماضی وحال کی تمام شعاعیں پہنچ رہی ہیں۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ | اللہ ماضی وحال (شہادہ) کو جانتا ہے۔

فرض کرو کہ ہم نے یہاں سے قریب ترین ستارے تک ایک ریلوے لائن بنائی اور ہر سو میل کا کرایہ ایک آنہ مقرر کیا۔ اب تم ریلوے سٹیشن سے ٹکٹ لینا چاہتے ہو۔ آنوں کو روپوں اور روپوں کو پونڈوں میں بدل لو۔ پونڈ صندوقوں میں ڈالو اور اُٹھا کر اسٹیشن کی طرف چلو۔ صندوق بھاری ہیں، اُٹھائے نہیں جاتے تو قلی منگاؤ۔ ایک قلی سے کام نہیں چلتا تو دس بیس منگاؤ۔ معلوم ہوا کہ صندوق اب بھی نہیں اُٹھتے، گاڑی لے لو۔ ارے یہ تو ایک گاڑی میں نہیں سما سکتے۔ ٹھہرو، حساب کر لیں۔ حساب کے بعد معلوم ہوا ۵۰۰ بیل گاڑیاں درکار ہوں گی۔ بعض ایسے ستارے بھی ہیں جن کی روشنی ابتدائے عالم سے اب تک ہمارے ہاں نہیں پہنچی۔ بعض پیدا ہو کر مٹ گئے لیکن روشنی کا بدستور انتظار ہے۔

شعریٰ کی روشنی نو سال نوری میں، نسر الطائر کی چودہ سال میں، نسر الواقع کی چالیس سال میں، عیوق کی بتیس سال میں اور سماک رامح کی پچاس سال نوری میں زمین تک پہنچتی ہے۔

ستاروں کے رنگ | بعض ستارے سفید، بعض سنہری، بعض سبز، بعض نیلے اور بعض سُرخ ہیں اور تقریباً اسی مادہ سے تیار ہوتے ہیں جس سے ہماری زمین بنی تھی۔ بعض ستارے سورج سے ۱۶ لاکھ گنا زیادہ روشن ہیں اور ان کا قطر ۴۰۰,۰۰۰,۰۰۰ میل ہے۔

نیبولا یا سدیم | آسمان میں چند روشنی کے گول ٹکڑے بادلوں کی طرح مدہم سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شکل اس طرح سے ہے۔ اس دائرے کے طول و عرض کا اندازہ لگانے کے لیے ہم اس دائرے میں ریلوے لائن بچھاتے ہیں۔



گاڑی ایک کنارے سے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روانہ ہوتی ہے تو دوسرے کنارے تک ایک لاکھ سال میں پہنچے گی۔ اس طرح کے سدیم ہزاروں کی تعداد میں دریافت ہو چکے ہیں۔

غور فرمائیے کہ آسمانوں میں کس قدر مہیب دنیائیں کس توازن سے چکر کاٹ رہی ہیں۔ کتنے بڑے بڑے کُرے لاکھوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محوِ پرواز ہیں۔ جب ہم ان دنیاؤں پر ایک چھچھلتی سی نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنی بے مقدار سی ہستی کا زبردست احساس پیدا ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ اُس خالقِ ارض وسما کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ

انسانی ہدایت کے لیے اس قدر پیمبر اس قدر رہنما و رہبر بھیجتا رہا۔ ادھر انسان کو دیکھو کہ ان دنیاؤں کے مقابلے میں اس کی ہستی ایک حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں۔ نافرمانی و بدعملی میں چوٹی تک ڈوبا ہوا ہے اور پھر خدا کا پیارا اور لاڈلا ہونے کا گھمنڈ ہے، وہ در مانگتا پھرتا ہے لیکن جنت کے ٹھیکیدار ہونے کا پندار ہے۔ چیتھڑے اور جوئیں سنبھال نہیں سکتا لیکن اُمت رسول ہونے کا غرور ہے۔ مسکنت و ذلت کا مجسمہ بن چکا ہے لیکن تقدس و پاک بازی کا دعویٰ ہے۔ اس بر تو و غلط انسان کو کیا معلوم کہ اس پُر جبروت رب کے ہاں جس کی فضاؤں میں زمین جیسی ارب کھرب دنیائیں نہایت شکوہ و عظمت سے گھوم رہی ہے۔ انسان کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔ بھلا اس ہیچ میرز کیڑے کی ان لرزہ انگیز کُروں کے سامنے ہستی ہی کیا ہے ؟ تو پھر یہ نشہ کیوں۔ یہ غرور و پندار کیسا ؟ اور انا و لاغیری کا دعویٰ کس لیے ؟

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔	زمین و آسمان اسی کی کبریا و جبروت کی داستانیں سنا رہے ہیں۔ وہ رب غالب، بلند، برتر اور صاحب الحکمت ہے۔

مقابلہ | ہماری زمین فضا میں ایک حقیر سا کُرہ ہے۔ کروڑوں کُرے ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے فضا میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ فرض کرنا کہ ان کُروں میں زندگی نہیں، غلط ہے۔ یہ زمین اُن کُروں کے مقابلے میں ایک کھلونا ہے۔ صرف مشتری ہماری زمین سے ۱۲۰۰ حصے بڑا ہے تو کیا یہ تمام دنیائیں صرف زینت کے لیے بنائی گئیں، محض کھیل کے لیے پیدا کی گئیں، کوئی اور مقصد نہ تھا؟ ضرور ہے۔ لیکن ابھی ہمارا علم بہت ناقص ہے۔ اُن دنیاؤں کے راز معلوم کرنے کے لیے ابھی کئی ہزار صدیاں اور صرف ہوں گی اور تب کہیں معلوم ہوگا کہ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ (سورہ دخان)	ہم نے آسمان و زمین کو محض ایک تماشے کی خاطر پیدا نہیں کیا۔

علم | اس وقت صرف اہل زمین کے تمدن، حکومت، طبعیات، جغرافیہ، تاریخ، اخلاق وغیرہ پر آٹھ کروڑ سے زیادہ کتب لکھی جا چکی ہیں۔ اگر ہمیں دوسرے کُروں کا علم بھی زمین کی طرح حاصل ہوتا تو ہم ان کے متعلق بھی کتابیں لکھتے۔ چوں کہ آسمانی کُروں کی تعداد دس کروڑ ہے اس لیے علم میں دس کروڑ گنا اضافہ ہو جاتا۔ اگر ہم اس تمام ذخیرہ کتب کو ایک لائبریری میں رکھنا چاہتے اور لائبریری کے ہر کمرے میں ۱۰ ہزار کتب سما سکتیں تو ہمیں ۸۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ کمروں کی ضرورت ہوتی۔ اگر لاہور میں ۳ لاکھ مکانات تسلیم کیے جائیں تو ہماری یہ لائبریری لاہور جیسے ۲۶۶۶۶۷ شہروں میں سماتی۔ اگر ایک آدمی روزانہ ایک کتاب پڑھ ڈالتا تو اسے تمام کتب ختم کرنے کے لیے ۲۱۹۱۷۸۰۸۲۱۹۲ سال درکار ہوتے۔

اللہ کے بندو! کیا ان تفصیلات کے بعد آپ کی جلال و عظمت سے تمہارے دماغ متاثر ہوئے؟ کیا تمہاری طبیعتیں مرعوب ہوئیں؟ کیا تمہارے دلوں میں وہ خشیت کی کیفیت پیدا ہوئی؟ جو ان تفاصیل کا مقصد ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو آؤ مل کر کہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | قابل تعریف ہے وہ رب جس نے زمین و آسمان پیدا کیے۔

اہل انگلینڈ کو اپنے بادشاہ کی عظمت و شوکت پر ناز ہے۔ اہل جرمنی کو ہٹلر پر اور اہل روس کو سٹالن پر لیکن مسلم کو اس قہار و جبار کی سلطنت پر ناز ہے جو يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِي لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ

رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے۔ جس کی مشیت کے سامنے شمس و قمر مجبور و مقہور ہیں اور یہ گویے ایک معین مدت تک سرگرم رفتار رہیں گے۔ یہ ہے تمہارا رب اور فرماں روا۔ اس کے بغیر تم جن معبودوں کی خوشامد کرتے پھرتے ہو۔ وہ ایک ذرے تک کے ملک نہیں۔

(باقی آئندہ)

یاجوج ماجوج

بحوالہ "البیان" بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۲۲ء مخدومنا (س م ا) تحریر فرماتے ہیں:

خواجہ عباد اللہ اختر کا نوٹ دیکھنے کے بعد بعض دل چسپ باتوں کا مجھے خیال آیا جس پر غالباً وہ زیادہ روشنی ڈال سکیں گے، کیا "ما" صفت نہیں ہے جو یونانی میں "مسا" اور سنسکرت اور قدیم پارسی میں "مہا" یعنی بزرگ کے معنی میں آتا ہے؟ "جتی" "یا" "گاتی" جس کا ہیرودوٹس نے ذکر کیا ہے اس کے لیے قرین قیاس یہی ہے کہ یہی قوم یورپ میں "گاتھ" اور ہندوستان اور مغربی ایشیا میں "جاٹ" کے نام سے موسوم ہے اور گاتھ قوم یورپ میں اب "نارڈک" یا "ٹیوٹن" کہلاتی ہے جس میں جرمن، ناروے، سویڈن، ڈنمارک، ہالینڈ اور انگریزی قوم کے لوگ (اینگلوسکسن) شامل ہیں، یورپ کی دوسری قوم رومن یا لاطینی ہے اور تیسری قوم سلافی ہے، اول الذکر میں اطالین، فرنچ، ہسپانوی، رومانوی شامل ہیں، اور آخر الذکر میں روسی، پول، چک، سربی، بلغاری وغیرہم۔ گاتھ قوم نے رومن ایمپائر کو پامال کر کے اپنی سلطنت یورپ میں قائم کی تھی اور اسی قوم نے ہسپانیہ میں عربوں کا مقابلہ ہوا تھا۔ اس زمانہ میں یا اس سے قبل و بعد تاتار سے اٹلا اور چنگیز اٹھے اور اسی کی ذریات سے ہنگرین یا تاتار روس، ترک اور اہل فن لینڈ ہیں، اس لیے جس قوم کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور جس کے لیے ذوالقرنین نے سد دربند بنوائی تھی وہ گاتھ یا جاٹ کی قوم تھی، یا دوسرے لفظوں میں نارڈک قوم، اور یہ قوم جو کچھ آج کل کر رہی ہے، خصوصاً یہودیوں کے ساتھ جو کچھ اس کا سلوک ہے، وہ درحقیقت اسی پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، جس کا اختر صاحب نے اپنے پُراز معلومات بیان میں ذکر کیا ہے، اب صرف سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قرآن کی اس آیت کی تفسیر تاریخ کی روشنی میں کس طرح کی جائے۔ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ (پ ۱۶)

یعنی ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی (عظیم الشان) رحمت ہے پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آئے گا، تو اس کو دبا کر زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے اور ہم اس کی اور ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا الی آخرہ؛ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سد ایک زمانہ میں برابر کر دی جائے گی اور یاجوج ماجوج نکل آئیں گے۔ یہ ممکن ہے کہ اس سد سے مراد فرانس کی

مینگولائن (Maginot Line) ہو؛ اگر موجودہ جنگ کا لحاظ کیا جائے۔ مگر اس کو ذوالقرنین نے کب بنوایا تھا۔ لیکن کیا ذوالقرنین کی سد واقعی برابر کردی گئی یا آئندہ ہوگی۔ بہ ظاہر قرآن کے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قیامت سے کچھ پہلے ہوگا یعنی اس کے بعد ہی صور پھونکا جائے گا۔ اگر ایسا ہے تو سد ذوالقرنین کا جغرافیہ کیا ہے؟ اور تاریخ میں کون سا واقعہ اس کی تائید میں ہے؟ لیکن اگر ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج انسان نہیں ہے بلکہ دوسری مخلوق ہیں جو ہم سے اس وقت مستور ہیں تو پھر بائیبل ماجوج کا جو ذکر ہے اس کی مطابقت قرآن سے کس طرح کی جائے۔ آخری صورت میں یہ فرض کیا جائے گا کہ ذوالقرنین بھی کوئی بادشاہ تھا جس کا ذکر تاریخوں میں بھی پایا جاتا ہے اور سد وہی چیز ہے جس کو ملوک یمن نے اپنے ملک میں سیلاب روکنے کے لیے بنوائی تھی جس کے آثار اب بھی عرب اور سبا میں پائے جاتے ہیں اور یاجوج ماجوج تمثالاً پانی کی امواج کے لیے آیا ہے اور جب سد ٹوٹ جائے گی تو یہ پانی اونچی پہاڑیوں سے بہتا ہوا کرے گا اور ویران بستیوں کو آباد کرے گا، بعض عربی مفسرین نے "حدب ینسلون" کو "جدث ینسلون" پڑھا ہے یعنی قبر سے اس طرح نکلیں گے جیسے آبشار اونچائی سے گرتا ہے مگر اس کے لیے قرآن کو محرف کرنا پڑے گا۔ بہرحال مجھے اختر صاحب کی قابلیت سے امید قوی ہے کہ اس مضمون پر کچھ اور مفید باتیں لکھیں گے۔"

البیان | مخدومی (س م ا) نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، مجھے بڑی حد تک اس سے اتفاق ہے۔ لفظ "جاٹ" جسے پنجابی میں "جٹ" کہتے ہیں۔ اکثر محققین کے نزدیک لفظ زیر بحث "جاتی" (Getae) ہی ہے۔ لیکن یہ قوم نہ صرف ہندوستان بالخصوص شمالی ہند اور بلوچستان میں اس نام سے پائی جاتی ہے بلکہ ایران اور عراق میں بھی تاریخی ایام میں اس کا سراغ ملتا ہے اور اہل میڈیا (عراق، عجم اور گیلان) سے اس کا رابطہ رہا ہے، بعض محققین کی رائے ہے کہ یہ ابتدائی آریہ ہندو قوم کا بقیہ ہے جو پنجاب میں داخل ہوئے اور یہیں رہ گئے اور ان کی زبان "جٹاکی" جس کو پنجاب میں "جٹکی" بولی کہتے ہیں اور دراصل پنجابی زبان ہے، بہت کچھ ابتدائی سنسکرت سے ملتی ہے۔ میری رائے میں یہ ممکن ہے کہ یہ قوم پنجاب میں سکندر اعظم کے ساتھ داخل ہوئی، کیوں کہ جب سکندر یونانی نے کرۂ ارض کی تسخیر کا ارادہ کیا تو یہ قوم بحیرہ اسود اور یونان کے حدود پر آباد تھی اور ابتدا میں یونان اور دیگر متمدن ممالک پر قزاقانہ (کوسک) تاخت کرتی رہی۔ اس کے بعد یونانی قوم سے اس کا اختلاط شروع ہوا اور اسی قوم سے زیادہ تر سکندر نے فوج آراستہ کی تھی اور مفتوحہ ممالک میں کہیں کہیں چھاؤنی ڈال ان کو آباد کیا، بہرحال مخدومی کی یہ تحقیق صحیح ہے کہ جاٹ بھی گاتھ ہی کا شاخسانہ ہے۔

لفظ یاجوج ماجوج کا مادہ "اج" ہے، موج نہیں۔ لیکن جب پانی میں تموج ہو اور اس سے سان سان کی آواز

اس طرح پیدا ہو جس طرح آگ سے بھڑکتے ہوئے ہوتی ہے تو اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ عربی میں "اجّ" اور ہندی میں "آگ"، اور لاطینی میں اگنائٹ (Agnite) "اجّ" ہی سے ماخوذ ہیں بلکہ الفاظ ایسڈ (Acid) اور اکیوٹ (ACUTE) وغیرہ وغیرہ اسی سے مشتق ہیں۔ قرآن میں بھی "ماٗ اجاج" استعمال ہوا ہے۔ حرف "س" یا "ک" (C) دراصل حرف "ج" (G) ابجد کا تیسرا حرف ہے۔ یونانی حروف ابجد جو سامی فنیقی حروف ابجد ہیں اس کی تائید میں ہیں اس لیے چین کی سد کا سد ذوالقرنین سے بہ ظاہر کوئی تعلق نہیں۔

میں نے اپنے گذشتہ مضمون میں سد ذوالقرنین کے متعلق لکھا تھا کہ حکیم محمد حسن ترکمانی امروہی اور اس کے بعد دیگر محققین نے ذوالقرنین کیانی بادشاہ کیقباد یا کیخسرو لکھا ہے۔ میں نے اس موضوع پر دانستہ بحث نہیں کی، ورنہ میری رائے ہے کہ یہ شخص شرقین اعظم ہے جو تاریخ میں سرغون (Sargon) کے نام سے مشہور ہے اور سلطنت عصابیہ کا بانی تھا۔ ذوالقرنین کوئی نام نہیں بلکہ ایسا ہی خطاب ہے جیسا فرعون، قیصر و کسریٰ وغیرہم۔ اس موضوع پر "البیان" کے کسی پرچہ میں میں نے بحث کی ہے اور اس شخص کا مقابلہ ہمیشہ یاجوج و ماجوج سے رہا! جو ایک طرف بحیرۂ اسود کے کناروں سے بڑھ کر قفقاز سے نکل کر دجلہ اور فرات کی زرخیز وادیوں میں اتر آئے اور دوسری طرف سواحل بحر (ایشیاء کوچک) سے اتر کر سامی ممالک پر تاخت کرتے رہے۔ سرغون اعظم اور اس کے بیٹے نے ان کو دونوں طرف سے روکا اور ایک سد بھی تعمیر کی جس کا ذکر تاریخوں میں ہے، کتبوں میں اسے شرقین لکھا ہے اور غالباً لفظ سرسین (Saracen) بھی یہی ہے جس سے عرب مراد ہے۔ میری رائے ہے کہ یاجوج ماجوج کو بہ تعلق امم سامیہ دیکھنا چاہیے۔ موجودہ جنگ میں یہی یاجوج ماجوج باہم ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اور انہی کے بھائی ہنگری، فنی و جاپانی اولاد یافث بھی لپیٹ میں آگئے، لیکن امم سامیہ اور ترک بوجہ اسلام علیحدہ ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (پ۱۷)

یاجوج ماجوج ہمیشہ آگ سے کھیلتے رہے اور اب بھی آتشیں ہولی منا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخدومی جوہرات ان کے دل میں ہے، میرے منہ سے کہلوانا چاہتے ہیں:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ رندان جہاں را خبرے نیست کہ نیست

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امید رکھیں کہ موجودہ جنگ کا نتیجہ عالم انسانی کے لیے بہتر ہی ہوگا بلکہ عالم انسانی کا "قیام بالحق" ہوگا اور تمام قومی حکومتیں فنا ہو جائیں گی اور حکومت ایک اللہ واحد القہار کی ہوگی اور عالمگیر اخوت و مساوات کا دور دورہ ہوگا اور اسی کی طرف قرآن عظیم ہدایت فرماتا ہے۔ (اختر)

(اور کام میں تقلید) کیا کرتے تھے (دنیا میں ہمارے سیاہ وسفید کے تم ہی واحد اجارہ دار بنے ہوئے تھے) پھر کیا تم ہم سے عذاب (دوزخ) کا کچھ حصّہ دُور کر سکتے ہو؟ (اندھی تقلید کا یہ کتنا عبرت ناک انجام ہے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن سے تخفیف عذاب کی امید رکھتے ہیں، وہ خود اس میں گرفتار ہیں۔ مگر ان کے دماغ اس سانچے میں ڈھل گئے ہیں، گویا ان سے غور وفکر کا مادہ ہی سلب ہو گیا ہو)

۴۸۔ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝

ان لوگوں نے جو متکبر بنے تھے، کہا (تمہیں نظر نہیں آتا کہ ایسی حالت میں ہم تمہاری تو کیا اپنی بھی کوئی مدد نہیں کر سکتے، کیوں کہ) تحقیق ہم سب (ضعیف اور قوی) اس (جہنم کی تکالیف) میں ہیں (کسی کا کچھ بس نہیں چل سکتا۔ جانتے ہو کہ ہمارے کاموں کے صحیح نتائج نکال کر ہمیں کس نے مناسب مقام پر رکھا ہوا ہے؟) تحقیق اللہ نے (کامل مطلق اور بے غلط احکم الحاکمین) نے حق فیصلہ بندوں کے درمیان کر دیا ہے (جو شخص جس لائق تھا اس سے ویسا ہی سلوک کیا گیا ہے۔ چون وچرا کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ مگر انسان پرستی کی پرانی بیماری کا پھر دَورہ ہوا کہ ابھی ایک صورت باقی ہے، اس کی بھی کوشش کر دیکھو۔ براہِ راست خدا کو پکارنے کی انہیں دنیا میں عادت ہی نہ تھی، جو یہاں بھی ظاہر ہو رہی ہے، یعنی خیال آیا کہ جہنم کے داروغوں سے شفاعت کے طالب بنو اور انہیں مخاطب کرو، شاید کچھ رعایت ہو جائے۔ یہ خیال کر کے سب اس باطل خیال پر مستعد ہو گئے۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

۴۹۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ اور ان لوگوں نے جو آگ میں ہیں جہنم کے داروغوں سے کہا کہ اپنے (نہ کہ ہمارے)

رب کو کہو کہ ایک دن (ہی) ہم سے (مقررہ) عذاب سے کم کر دے (عذاب محدود ہے، جب ہی تو کم وبیش ہو سکتا ہے۔ پس یہ گنتی اور احتساب کے حساب سے ہوتا ہے، نہ کہ ابدی ودائمی۔ مگر وہاں کا مستقر اور مقام دونوں اپنی شدت کے لحاظ سے بُرے ہیں۔ اب وہ کارندے ان کو عجیب طریقہ سے خاموش یا نادم کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

۵۰۔ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (وہ چوکیدار) بولے : کیا تمہارے پاس تمہارے رسول (یا رسولوں کے رسول یعنی مبلغین) بینات (کھلے اور واضح دلائل) لے کر نہیں آتے تھے ؟ (اس سوال کا آخر کیا جواب دیتے۔ کچھ بن نہ آئی اور اقرار کرنا پڑا کہ) کیوں نہیں (آئے) اور ضرور آئے۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سارے رسول بینات لے کر ہی آئے۔ مگر لوگ ہمیشہ شرک کی حمایت میں واضح باتوں کا انکار کرتی رہی۔ بس آخر حق سے گریز و مخالفت کا انجام یہ نکلا کہ وہ بہت بُری طرح عذابِ الیم میں ڈھکیلے گئے۔ غرض جب انہوں نے اقرار کیا کہ پیغام حق آیا تھا مگر ہم نے نہ مانا تو جہنم کے کارندوں نے) کہا، پس دعا مانگو (اب کیا ہو سکتا ہے، زندگی کی مہلت ہاتھ سے کھو کر بے موقعہ پکار کا کیا فائدہ ؟ بس خاموش رہو، چیخو، چلاؤ برابر ہے) اور کفار کی دعا بے کار ہوگی (کیوں کہ دنیا میں کبھی انہوں نے خدائے واحد کی طرف رجوع ہی نہیں کیا تھا۔ اس لیے اب جہنم میں عذاب کو دیکھ کر چیخنا چلانا بے کار محض تھا۔ انہیں حق و باطل کے راستے الگ الگ دکھا دیے گئے تھے، مگر وہ شرارت سے باز نہ آئے، انہوں نے خدا کے وعدوں کو غلط جانا، بدیہات سے منہ موڑا۔ وہ خدا حق کو ہمیشہ غلبہ اور باطل کو تباہ کرتا رہا ہے۔ یہ اس کا دائمی دستور ہے کہ نیکوں کی مدد کی جائے۔ دنیاوی انتظام میں دولت یا طاقت والے کفار مومنین کو دھمکاتے ڈراتے اور ایذائیں وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ یہ دنیاوی انتظام الگ ہے اور دینی انتظام الگ۔ جس پر مصلح مومنین چل کر ترقیاں حاصل کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی طرف سے بحیثیت مجموعی مدد اور غلبہ ملتا ہے۔ اگرچہ انفرادی رنگ میں بھی مدد مل جاتی ہے جیساکہ مومن آلِ فرعون کو اشرار کی مکاریوں سے محفوظ رکھا، مگر وہ غلبہ مجموعی رنگ میں قوم کو تو ضرور ہی حاصل ہوتا ہے۔ الغرض بھروسہ صرف ذاتِ واحد پر رکھنا اور صلاحیت والے کام کیے جائیں تو خدا ضرور سنتا ہے۔ مومن خالص کی دعا ثمر آور اور ناقدردان کی پکار باطل ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے مومن فائدے میں رہتے ہیں۔ ویسے تو دنیا میں بھی ان کی مدد ہوتی ہے مگر آخرت کی بھلائیاں تو ساری کی ساری انھیں کو حاصل ہوتی ہیں۔ غرض دنیا اور آخرت دونوں ہی مصلحین مومنین کے لیے فائدہ بخش ہیں۔ دنیا میں مومنین کو کارکنان قدرت بحکم خداوندی میں تسلیاں ڈالتے اور خوشخبریاں دیتے اور عاقبت کے متعلق پوری تسکین دیتے ہیں۔ غرض نیکوں کو خدائی نصرت ضرور ملتی رہتی ہے۔ اتحاد انتظام بڑی خوبی والی چیز ہے اور اس پر خدائی بھروسہ اور ایمان باللہ ہو تو وہ نوراً علیٰ نور ہے، جیساکہ ارشاد الٰہی ہے)

رکوع ۶ | ۵۱۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (۵۱) ۵۲۔ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ ہم (خدا) اپنے رسولوں کی اور (ان کے علاوہ) ان لوگوں کی جو ایمان دار ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بھی) ضرور مدد کرتے ہیں (جیسے اس مومن پر اشرار کا داؤ نہ چلنے دیا اور ان کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ پیغمبروں اور دوسرے مومنین کو دنیا میں ہی خدا کی طرف سے ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بس یہی ثبوت کافی ہے کہ دوسرے عالم میں یقیناً نیکی اور بدی کا بدلہ ملتا رہتا ہے جیسا کہ فرمایا کہ نیکوں کو اس پر بس نہیں بلکہ) اور اس دن (بھی ہم مدد و انعام وغیرہ دیتے ہیں اور جنات عنایت فرماتے ہیں) جب گواہ کھڑے ہوتے ہیں (صدیق و شہید وغیرہ کو وہی خدا بلاتا ہے جو ہر چیز کو بلانے کی طاقت رکھتا ہے۔ دنیوی حکماء حالانکہ ناقص العلم ہوتے ہیں پھر بھی مریض کی آنکھوں، زبان، نبض، بول و براز، ہاتھ پاؤں جلد کی خرابی وغیرہ سے کچھ نہ کچھ مرض کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر ایسے حکیم مطلق اور علیم کل خدا سے کیا پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ آتشک زدہ کا بدکار ہونا یا منہ کے داغوں سے چیچک زدہ ہونا تو دنیوی حکیم پر ظاہر ہو جائے تو کیا عالم الغیب والشہادۃ ہی سے کوئی بیماری چھپائی جا سکتی ہے، ہرگز نہیں! عقبٰی میں لعنتی حالت کو روسیاہی وغیرہ ظاہر کر دیتی ہے۔ اسی طرح دست و پا وغیرہ کی حالت جرائم پر زندہ شہادت موجود ہوتی ہے۔ وہاں مجرمین کی طرف سے لاکھ حیلہ تراشا جائے بے سود ثابت ہوتا ہے۔ وہ وقت مشرکین پر بہت کٹھن ہوتا ہے) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت (یہاں جھوٹ، انکارِ جرم کوئی) فائدہ نہیں دیتا (مریض تو حلیے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے، عذر وغیرہ کرنے سے کیا ہو سکتا ہے؟ بس ان مجرمین کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ) اور ان کے واسطے لعنت (یعنی پھٹکار رحمت سے دُوری) ہے (اسی پر بس نہیں) اور ان کے واسطے اس گھر (جہنم) کی مصیبت (یعنی پے در پے تکالیف طرح طرح کے عذاب کا سامنا) ہے (غرض دنیا اور عقبٰی میں مومنین کو ضرور مدد ملتی ہے اس کی سند موسیٰ ؑ کی کتاب ہدایت لاتے ہیں۔ خواہ کئی کتابیں ہوں مضمون ایک ہی ہوتا ہے۔ الکتب کا مطلب ہے کہ ایک ہی کتاب سب کو مشترک ہے، جیسا کہ فرمایا)

۵۳۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ○

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت (کی کتاب) دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب (ہدایت) کا وارث بنایا۔

۵۴۔ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ٥ عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے (یہ ذکر عقل مندوں اور غور و فکر والے متقیوں ہی کو فائدہ دیتا ہے نہ کہ لفظ پرست یا فرعون جیسے متکبر اور سرکشوں کو۔ غرض کتاب سے نیکوکار معقول پسند ہی فائدہ اٹھا کر سعادت دارین حاصل کر سکتے ہیں نہ کہ شریر و نامعقول لوگ۔ یہ تو حق سُن کر اور بھی بھڑک اٹھتے اور نیکوکاروں کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔ پس اے رسولؐ! تو اپنا کام احسن طریق پر شروع رکھ۔ ان کی ایذارسانی کی پروا نہ کر اور جلدبازی سے کام نہ لے، یہ ہمارا اور ان کا معاملہ ہے، ہم مناسب موقع پر پوچھ لیں گے اور تو اپنے کام سے غرض رکھ تُو ان پر داروغہ نہیں ہے، صرف مبلغ ہے، ان کی حرکتوں سے تجھے قلق نہیں ہونا چاہیئے)

۵۵۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ٥ پس صبر کر تحقیق اللہ کا وعدہ حق ہے (وہ پورا ہو کر رہے گا، کبھی ٹلنے والا نہیں) اور تُو (اے رسولؐ) اپنے گناہوں کی (ہم سے نہ کہ کسی اور سے) معافی مانگ (انسانی طبائع کا تقاضا ہے کہ دل میں کئی طرح کے خیال آجاتے ہیں، یا جلدبازی سے کسی کام کو قبل از وقت ہی پورا ہوتے دیکھنا چاہتا ہے، یا غلطی سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ غرض، آدم کی اولاد سے گناہ ہو جانا بعید نہیں، مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انبیاء شرارت سے گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے، ماحول میں گھر کر بھول جانا یا سخت مصائب میں پھنس کر لغزش کھا جانا فطرت انسانی کا خاصہ ہے۔ کئی باتیں جو نہ کرنی چاہئیں مایوسی وغیرہ کے تحت ہو جاتی ہیں۔ غرض انبیاء صاحب اختیار انسان ہوتے ہیں، بے حس کٹ پتلیاں نہیں ہوتے۔ اگر ایسا ہو تو جذبات پر قابو وغیرہ رکھنے کی وحی کرنا بے محل ٹھہرے گی اور معافی مانگنے کا حکم بے سود ہوگا۔ مگر ایسا نہیں ہے کیوں کہ ان کے اختیارات کو سلب نہیں کیا گیا۔ غرض انسان خواہ کوئی ہو، بھولنے والا ہے اور پھر فرماں بردار وہ ہے جو بھولنے پر نادم ہو کر معافی کا طلب گار ہو۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اے رسولؐ! ہماری عظمت و کبریائی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے رکھ) اور صبح و شام

اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو (صبح وشام کے وقت' احسن وقت ہیں' ان وقتوں میں خدا کی حمد وتعریف بڑی مبارک ہے خدا تعالیٰ کا ہر کام مناسب موقعے پر ہوتا ہے' بے موقعہ کام کرنے سے پاک اور بے عیب ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کے سارے وعدے تیری زندگی ہی میں پورے ہو جائیں۔ ہاں وقت مقررہ پر ضرور پورے ہوں گے تو ایسے مناسب موقعہ محل پر کام کرنے والے کی تعریف کر اور صبح وشام اس کی خوبیاں بیان کر کہ اے خدا تیرا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں۔ تو کسی کے کہنے سے اپنے کام کو آگے پیچھے نہیں کرتا۔ ہم سارے کمزور ہیں' بھولنے والے ہیں' ہمارے گناہوں کو معاف کر' ہم تیرے عاجز بندے ہیں' تیرے بغیر ہمارا کوئی بھی سہارا نہیں۔ ہم نے تجھی پر توکل کیا اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اب آگے نامعقول جھگڑالو انسانوں کا ذکر آتا ہے جو خدا کی آیات پر معترض ہوتے ہیں کہ خدا مدد مانگتا ہے' قرض چاہتا ہے وغیرہ۔ غرض یہ نامعقول لوگ آیات کے معنی بھی نامعقول طریق پر ہی کرتے ہیں یہ مغرور ومتکبر امراء کا طبقہ اپنے ماتحت لوگوں پر بھی یہی رنگ چڑھانا چاہتا ہے اور ان کو صراط مستقیم سے متزلزل کرتا رہتا ہے' مگر خدا کے سامنے افلاس یا امارت کا سوال ہی غلط ہے' وہاں تو زیادہ ڈرنے والا ہی زیادہ اکرام کے لائق ہے۔ غرض آیات کے معانی بگاڑنے والوں کی اور بے سند باتیں کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے۔ وہ نیک نیتی سے غور کرتے کہ ضرورت مندوں کی مدد' محتاجوں سے حسن سلوک' یتیموں' مسکینوں کی پرورش اور مقروضوں کی حسب استطاعت مدد کر کے قرضخواہوں کے پنجہ سے چھڑانا اور ایسے ہی دوسرے کام خدا کی مدد کہلاتے ہیں نہ کہ وہ نامعقول معنیٰ جو تم شرارت' ضد وعناد سے کرتے ہو' یہ شریر لوگ جانتے ہیں کہ ہر ایک کی پرورش وغیرہ خدا ہی مختلف ذرائع سے کرتا ہے مگر قرآن سے بغض اور بتوں کی بے جا حمایت کی وجہ سے بغیر دلائل کے آیات الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنے سے وہ کامیاب ہو سکتے ہیں؟ کیا حق پر باطل کا غلبہ ہونا ممکن ہے' قطعاً نہیں! حق کی ہمیشہ فتح ہوئی ہے اور اب بھی ہو کر رہے گی۔ شریروں کا غرور وتکبر مٹی میں مل جائے گا۔ ایسی صریح حقیقت کا جو ان کے پاس آگئی' انکار کرنا ان کے حق میں اچھا نہ ہوگا اور یہ اس تکبر کی وجہ سے تباہ و برباد ہو کر رہیں گے۔ ابھی موقعہ ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں سر نیاز خم کریں اور خدائے قدوس کے احکام و آیات کا بہ دل وجان احترام کر کے اس کے حکموں پر سر تسلیم خم کر دیں' ورنہ انجام بد سے بے خوف نہ رہیں

نامراد و مایوس کر کے جہنم رسید کیے جائیں گے۔ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے)

۵۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىہُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِہِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا ہُمْ بِبَالِغِیْہِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ۭ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ تحقیق وہ لوگ جو بغیر کسی دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات میں (نہ کہ انسانوں کی اپنی باتوں میں کسی معقول بنیاد پر نہیں، بلکہ محض حق کی مخالفت کی بنا پر) جھگڑتے ہیں۔ انکے سینوں میں اور کچھ نہیں ہے مگر تکبر (اور یہ یقینی چیز ہے کہ تکبر اچھا پھل نہیں لاتا اور متکبر کبھی اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہوتے ان کا نامراد رہنا قانون خداوندی کا اٹل فیصلہ ہے جیساکہ فرمایا) یہ نا ہنجار لوگ) اس (اپنے مقصود یعنی کامیابی) تک پہنچنے والے نہیں (تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ زمانہ گواہ ہے کہ وہ لوگ خسرالدنیا ہوتے اور یہ خسرالآخرت کا بے غلط ثبوت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا سند دی جا سکتی ہے ؟ وہ ہلاک ہوتے اور ضرور ہوتے۔ پس اے رسولؐ تجھے چاہیے کہ) پس اللہ کامل مطلق کی پناہ میں آجا (وہی مددگار اور لائق پناہ ہے، دوسرے تمام بھروسے، سہارے فضول محض ہیں اور کل پناہیں باطل ہیں۔ پس خدا ہی اصل ولی و ناصر، دانا و بینا ہے) تحقیق وہی ہے اصل سننے والا (ہماری تمام التجاؤں دعاؤں کا اور) اصل دیکھنے والا (ہماری اندرونی بیرونی حالت کا۔ اُس سے ہماری کوئی حرکت اور خیال تک پوشیدہ نہیں ہے۔ دیکھو اپنے خالق و متصرف حقیقی ہونے کی خدا خود صحیفہ فطرت سے دلیل دیتا ہے کہ چاند سورج ستاروں، دن رات، سردی گرمی وغیرہ کا منظم طریق پر اپنے اپنے موقع پر ظاہر ہونا اور دوسری لاتعداد چیزوں کو آپس میں ربط و نظم دینا کیا تمہارے مزعومہ شفعاء کا کام ہے یا اللہ کامل مطلق کا ؟ غور و فکر سے کام لو اور یاد رکھو کہ غلط امیدیں، جھوٹی روایتیں اور مشرکانہ عقیدے یقیناً نقصان دہ ہیں۔ غور کرو اور اللہ کی تعریف پر کمربستہ ہو جاؤ کہ وہ تمام طاقتوں کا واحد مالک ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا)

۵۷۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ البتہ پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے (امکان سے خارجی وجود دینا بڑا کام ہے جو لمبے عرصہ میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ موجد ہے۔ اس کا یہ فعل اکبر بہ نسبت) انسانوں کے

پیدا کرنے سے (زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے انسانوں کا پیدا کرنا نسبتاً آسان ہے۔ تم اس آسان کام میں ہی فکر دوڑاؤ کہ کتنا باریک، بے غلط اور حکیمانہ کام ہے۔ کم از کم مٹی سے شروع کرو، پھر نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ کی منزلیں طے کراتا ہوا اپنی نگرانی میں خدا انسان کو کس حالت تک لاتا ہے؛ مگر افسوس ہے اس انسان پر جب کہ یہ سب مہربانیوں کو یکسر فراموش کر کے اپنے جیسی مخلوق کو اس حکیم مطلق اور خالق کل شے کا شریک بناتا اور بڑے ناقدردان ہونے کا عملی ثبوت دیتا ہے۔ ایسے محسن حقیقی سے اعراض کتنے بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے؛ مگر اس پر غور کون کرے۔ یہاں تو حالت یہ ہے) ولیکن اکثر انسان (خاص کر وہ لوگ جو عقل جیسی نعمت سے یکسر متنفر اور ضد و عناد اور بغض و حسد سے ملوث ہیں، اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے (اصلیت سے بیزار، عجائب پرستی میں محو، شرک کے شیدائی، صداقت سے بے پروا، اوہام باطلہ پر مٹنے والے عقل کو قفل لگا کر دوسروں کو بھی تباہی کے گھاٹ اتارنے والے یہی اندھے ہیں جو معقول پسندوں کی برائی کرنے اور ان کے خلاف جہلاء کو مشتعل کرنے میں خوفِ خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ ان کی ستم ظریفی دیکھئے کہ خود تو آنکھیں بند کر کے نعمت عقل سے محروم رہ جائیں اور اہل بصیرت کو عجیب عجیب ناموں سے مشہور کر کے ان کی پھبتیاں اڑائیں، اسی لیے فرمایا)

۵۸۔ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ۝ نہیں برابر ہوتا اندھا (جاہل اندھی تقلید کرنے کرانے والا) اور آنکھوں (یعنی سوچ سمجھ کر حق بات کو ترجیح دینے) والا (کیسی صاف اور واضح بات ہے کہ اندھا دھند کوئی کام نہ کرنا چاہیئے، بلکہ آنکھیں کھول کر غور و فکر سے کام لینا چاہیئے اور فرمایا) اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور (جنھوں نے) صلاحیت والے کام کئے اور نہ برے کام کرنے والے (برابر ہیں۔ کیسی کھلی ہوئی بات ہے جس میں کوئی اینچ پیچ نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ صالح اور بدکار یا شریف و بدمعاش یکساں نہیں ہیں، پھر بھی اندھے پن سے کام لے کر اسی بے ڈھب رَو میں بہے جاتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے۔ حقیقت یہ ہے کہ) تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو (یاد رکھو نیکوں کی جزاء و انعام اور بدکاروں کی سزا کا دن ضرور آتا ہے اور پھر اندھیر گردی نہیں ہے کہ ظالم و مظلوم

فاجر و مومن ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیئے جائیں، بلکہ یوم الدین میں ذرّے ذرّے کا حساب ہو کر اعمال کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ نیکوں کو زائد انعام واکرام بھی ملتا رہتا ہے، مگر بدوں کو بدی کے برابر ہی سزا ملتی ہے، نیکوں کو بڑھ چڑھ کر جو کچھ ملتا ہے وہ فضل خداوندی ہے۔ پس چاہئے کہ آخرت کے ان احکام کی پابندی کی جائے، جو ہم پر نازل ہوئے اور جن سے بچتے رہنے کا حکم دیا گیا، ان سے اجتناب کریں، کیوں کہ)

۶۰۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

تحقیق البتہ (وہ) گھڑی آنے والی (اور ہر ایک کی موت کے ساتھ ہی آتی رہتی) ہے اس میں (ذرہ بھر) شک نہیں ہے (لوگوں کو اس کا پورا یقین ہو، تو خدا پر بھروسہ رکھ کر صلاحیت والے کام کرکے اپنے مالک سے اپنی بہتری کی دعائیں مانگتے رہیں) ولیکن اکثر آدمی (اس بازپرس اور جزاء وسزا کی گھڑی پر) ایمان نہیں لاتے (دیکھو اس الرحم الرحمین کی مہربانیاں، جو عذاب دینا نہیں چاہتا، مگر تم ہو کہ خود عذاب مول لیتے ہو اور ایسے خدا سے روگردانی کرتے ہو، جو تم پر اکرام کرنا چاہتا ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ ضرور ایسے کریم کی طرف بصدق دل متوجہ ہو کر اپنی حاجات اور اس کی کبریائی بیان کرے اور سب سے کٹ کر اسی کا ہو رہے، ارشاد ہے)

۶۱۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ اور تمہارے رب نے کہا ہے (یاد رکھو کسی اور نے نہیں کہا بلکہ اس نے کہا ہے جو تمہاری جسمانی اور روحانی ربوبیت کرتا ہے کہ) تم (اے میرے بندو!) مجھے ہی پکارو (اپنی حاجات مجھی سے طلب کرو۔ میرے بغیر کوئی سمیع الدعا اور حاجت روا نہیں) میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا (اگر تمہارے مانگنے کے عین مطابق نہ بھی ملے تو کسی اور رنگ میں ملے گا، کیونکہ مانگنا، پکارنا عبادت تو ہے ہی۔ پس وہ حکیم مطلق مناسب بدلہ ضرور عنایت فرمائے گا) تحقیق وہ لوگ جو میری عبادت میں تکبر کرتے ہیں (غیروں کو مشکل کشا، غوث اعظم وغیرہ جانتے ہیں، سخت تکلیف اٹھانے والے اور بہت رسوا کئے جانے والے ہیں، کیونکہ غیر کو پکارنا شرک ہے۔ پس ان کا کیا انجام ہوگا

مقدمۂ زندگانی محمدؐ

عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانی محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اِس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پریس ہی میں فروخت ہو گئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر اندر ختم ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر اُمتِ مُسلمہ امرت سر نے زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اُردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبرِ اسلام کی مقدس زندگی پر اہلِ مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلّل اور معقول جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱۔ زندگانی محمدؐ ایک قابلِ قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دلچسپ پایا (سر عبدالقادر)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابلِ داد ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگا[illegible] بیش بہا) درجہ رکھتی ہے۔ (طلوعِ اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ از بس مفید ہے (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو اہلِ مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیامِ نسواں)

لکھائی چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ ۱۳ ٹکٹوں کی صورت میں یا بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجئے۔

ملنے کا پتہ: دفتر اُمتِ مُسلمہ۔ امرت سر (پنجاب)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۲۲۵

تفسیر بیان للنّاس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر، تفسیرِ قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیاتِ قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلّہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الّا ماشاء اللہ) قرآن کو۔ کہ قول الٰہی ہے) آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے)، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اُس کے مصنّف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیشِ نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس کے مخاطب بلالحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

۶۔ قانونِ وراثت کا احیاء

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر۔

یعنی: منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلّد سنہری (سےؔ) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ)

منزلِ چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ: دفتر اُمّتِ مُسلمہ امرتسر (پنجاب)

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمہ البیان

البیان

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

مطبوعات اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

تعلیماتِ قرآن

(مرتبہ مولانا اسلم جیراج پوری) یہ کتاب اس نقطۂ نگاہ کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت دو روپے (محصول الگ)

مطالعۂ حدیث

ایک ممتاز گریجویٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس قابلِ قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ صفحات ۱۰۵ کے قریب۔ قیمت ۱۲ار۔ (محصول الگ)

برہان القرآن

یہ کتاب اُن تحریری مباحث پر مشتمل ہے جو مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب اور حضرت خواجہ احمد الدینؒ کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہلِ حدیث پر ابد تک کے لیے اتمامِ حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر (محصول الگ)

ریحان القرآن

مولوی حبیب الرحمٰن مئوی کے رسالہ "نصرۃ الحدیث"۔ مولوی قاسمی کے "عقائدِ کفریہ" اور مولوی عبداللہ کے "عقائدِ بے حدیثہ" وغیرہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۴ر۔ (محصول الگ)

براہینِ وحی

نیاز فتحپوری نے اپنے رسالہ "نگار" میں چند مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے چوں کہ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی تصوّر کے خلاف ہے اور اسے تسلیم کر لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا اس لیے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء اہلِ فکر و تحریر مسلمانوں نے نہایت مدلّل اور کامیاب مضامین لکھ کر اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ "براہینِ وحی" ان ہی مبارک مضامین کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ قیمت عہ مع محصول۔

مقدمہ زندگانیٔ محمدؐ

"زندگانیٔ محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیرِ تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں پریس ہی میں فروخت ہوگئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہُوا اور وہاں بھی ہزارہا کی تعداد میں شائع ہُوا۔ اب دفتر اُمّتِ مسلمہ امرتسر نے "زندگانیٔ محمدؐ" کے مقدمے کا اُردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ قیمت ۱۳ار مع محصول

عِلمِ حدیث

مولانا اسلم جیراج پوری کی ایک نہایت پُرمغز، مؤثر اور مفید کتاب جس میں علمِ حدیث کے متعلق سات عنوان قائم کرکے حدیث کی صحیح اور حقیقی حیثیت پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی گئی ہے قیمت ۲ر

البیان

اُمتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۴	اکتوبر ۱۹۴۲ء مطابق رمضان ۱۳۶۱ھ	نمبر ۱۰

فہرست مضامین

(محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس سنتوکھ سر امرتسر میں چھپا کر دفتر اُمت مسلمہ (بیرون دروازہ حکیماں) امرتسر سے شائع کیا)

شذرات

لات ومنات | آج کی ملاقات میں ہم آپ کو کرامات وتصرفات کی شعبدہ زاد دنیا میں لے جانا چاہتے ہیں۔ حیدر آباد کے ایک صاحب علم، جو ادبی اور تاریخی حلقوں میں خاصی شہرت کے مالک ہیں —— ایک ادبی ماہنامے کے ایڈیٹر، ایک نامور یونیورسٹی کے پروفیسر، ایک ممتاز ادبی ادارے کے روحِ رواں، تعلیمی سندوں کے لحاظ سے ایم اے، پی ایچ، ڈی —— اپنی ایک کتاب میر محمد مومن کے حالات لکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"میر صاحب نے تو روحانیت، تسخیر اجنہ اور علوم نجوم میں بھی مہارت پیدا کرلی تھی...... "در فنِ عزیمت وتسخیر جنات ید طولیٰ داشت۔"

جب شہر حیدر آباد کی بنا ڈالی گئی اور محمد قلی کے دولت خانۂ عالی کی تعمیر ہونے لگی تو میر صاحب نے ایک پتھر کا ستون تیار کیا، جس میں طلسم وتعویذ اور رقوم تکسیر کے ذریعے سے بڑے بڑے جادو کو باطل کرنے کے اثرات پیدا کر دیے گئے۔ اس پتھر کو دروازہ شاہی کے پیش گاہ میں نصب کرادیا تھا، تاکہ اگر کوئی شخص کسی فاسد خیال یا مخفی ارادے کے ساتھ اس دروازے میں سے بادشاہ کے یہاں پہنچے، تو اس کا سحر وعزیمت باطل ہوجائے۔

جب اس پتھر کی خصوصیتوں کا عام طور پر علم ہوا تو شہر کے بیمار اور سقیم لوگ اس کے معانقے کے لیے آنے اور اپنی اپنی بیماریوں سے شفا پانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طبیبوں کا بازار سرد ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ تمام اطبائے شہر نے اتفاق کر کے ایک رات اس طلسمی پتھر کو وہاں سے اکھیڑا اور شہر سے باہر لے جاکر موضع اولال کی ایک باؤلی میں ڈال دیا۔

لیکن اس پتھر نے باؤلی میں بھی اپنا اثر دکھانا شروع کیا چنانچہ جو لوگ اس میں غسل کرنے جاتے اپنی بیماریوں سے بھی شفا پا جاتے تھے۔ آخر کار لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ سحر باطل ستون اسی باؤلی میں پوشیدہ ہے۔ طبیبوں نے اس پتھر کو وہاں سے بھی نکال لیا اور کسی نامعلوم جگہ پوشیدہ کردیا۔" (صفحہ ۲۳۲)

میر صاحب کو تسخیر اجنہ میں بڑی مہارت حاصل تھی اور اس مخلوق پر بھی ان کی حکومت

تھی......؎

تسخیرِ جنات کا ایک اور واقعہ دائرہ کی تعمیر کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ دائرے کو مقدس بنانے کے لیے کربلائے معلیٰ سے جو خاک پاک منگائی گئی، وہ میر صاحب نے اپنے ماتحت اجنہ ہی کے ذریعہ سے منگوائی اور دائرہ میں بچھوائی تھی۔" (صفحہ ۲۴۰)

تسخیرِ اجنہ ہی پر بس نہیں، میر صاحب، صاحبِ کرامت بھی تھے، ان کی ایک دلچسپ "کرامت" ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

"صاحب گلزارِ آصفی لکھتے ہیں: یہ واقعہ میر عالم کی دیوانی کا ہے اور خود میر عالم کے علاوہ ہم سبھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ میر شہسوار علی ایک پریشان روزگار سید صحیح النسب تھے جو ہمیشہ سبز پوشی رہا کرتے تھے، کیوں کہ ذی مقدور لوگ محرم میں ماتمی سبز لباس ان ہی کو دے دیا کرتے تھے اور یہ اس کو سال بھر پہنتے رہتے۔ خود میر عالم ان کو پانچ روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ اہل و عیال کے لیے کافی نہ ہوتے لیکن صاحب غیرت تھے اس لیے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک وقت آدھی رات گئے دائرہ میر محمد مومن صاحب کے راستہ سے اپنے مکان کو آرہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ دائرہ میں کوئی نہیں۔ البتہ ایک شخص بزرگ منش عربی لباس پہنے شان و شوکت کے ساتھ اپنے گنبد کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی آواز دی کہ "میر شہسوار علی ادھر آ"۔

مجھے یقین ہوگیا کہ یہ خود میر مومن صاحب ہیں۔ بڑے اشتیاق کے ساتھ نزدیک گیا اور کہا:

"پیر و مرشد! خدا نے آج کی رات کو غلام کے لیے شبِ معراج بنا دیا ہے کہ آپ کے قدم میسر آئے۔

انہوں نے فرمایا: تمہارے اخراجات کیسے چل رہے ہیں؟

مَیں نے عرض کیا: قبلۂ عالم! باوجود قدیم دوستی کے میر عالم ماہانہ پانچ روپے دیتے ہیں، اس میں بڑی مشکل سے بسر ہوتی ہے۔

؎ اس مقام پر مؤلف نے ایک طویل قصہ بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک آدمی کو جنوں نے پکڑ کر غائب کر دیا اور پھر اس کو قتل کرنا چاہا، مگر میر محمد مومن نے اپنی کرامت کے زور سے جنوں کے شہر کو آگ لگا دی اور اس آدمی کو رہائی دلائی۔ ہم نے بخوفِ طوالت اس قصے کو نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

فرمایا: اگر تم کو ایک پیسہ یومیہ مل جائے تو کافی ہے؟

میں نے عرض کیا: اے حضرت! بس بہت ہے، پھر کبھی زمانہ کے شکوہ و شکایت میں منہ نہ کھولوں گا۔

یہ سن کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سلطان محمد قلی قطب شاہ بانی حیدرآباد کے وقت کا ایک روپیہ نکالا اور مجھے عنایت کر کے فرمایا: اس روپیہ کو اپنے تھیلدان یا صندوقچہ میں احتیاط و امانت کے ساتھ مقفل رکھو اور لال کپڑے یا لال کاغذ میں باندھ کر الگ رکھنا، تاکہ دوسرے روپیوں کے ساتھ نہ مل جائے۔ ان شاء اللہ اس روپے کے ساتھ ہر روز دو روپے تمہیں ملتے رہیں گے۔ ان دو روپیوں کو اپنے خرچ میں لاتے رہو اور اس روپے کی بہت حفاظت رکھو۔ اگر میرا دیا ہوا یہ روپیہ کھو جائے تو پھر کوڑی بھی نہ ملے گی۔

غرض مجھ پریشان حال کے ہاتھ میں روپیہ دے کر رخصت فرمایا۔ میں نے اسی طرح حسب ارشاد لال کپڑے میں باندھ کر اپنے کپڑوں کے صندوقچہ میں مقفل کر دیا۔ دوسرے روز جوں ہی کہ میں نے صندوقچہ کے خانے میں ہاتھ ڈالا، دو روپے اور نظر آئے جو سکہ رائج الوقت کے تھے۔ میں نے ان کو لے لیا اور روز اسی طرح دو روپے لیتا اور اپنے خرچ میں لا لیتا.......

مولف کتاب ہذا کے ایک دوست جو اس وقت جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر ہیں اور ملک کے لائق اور فاضل ادیبوں میں سمجھے جاتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ان کے بزرگوں نے بچپن میں ان کو میر صاحب کی قبر پر لے جا کر سنگِ مزار چٹوایا تھا اور کہا تھا، جو بچہ میر صاحب کی قبر ایک وقت چاٹتا ہے، عمر بھر اس کا ذہن تیز رہتا ہے اور قوتِ گویائی بھی ترقی کرتی رہتی ہے۔

یہ انتخاب ہے اُن کرامات و تصرفات کا، جنھیں مولف نے بڑی عقیدت کے ساتھ اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ ہم سرِدست اس بحث میں تو نہیں پڑنا چاہتے کہ آیا اس قسم کے واقعات عقل و فطرت کی رو سے ممکن بھی ہیں یا نہیں، البتہ اسی کتاب کے دو ایک اقتباسات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ صفحہ ۲۲ پر میر محمد مومن کی تعلیم و تربیت اور ان کے علمی و روحانی کمالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

علی ابن طیفور بسطامی نے لکھا ہے:

در ایام جوانی کہ بہارِ زندگانی است، تحصیل کمالاتِ نفسانی از خدمت خال بزرگوار خود نمودہ در علوم معقول و منقول نقش مہارت بر صفحۂ ضمیر طلبۂ علوم می کاشت۔ بصفت تواضع و فروتنی و کسرِ نفسی و خوش خوئی اتصاف داشتہ دراں باب مبالغہ می نمود ــــــ

حدیث کے علاوہ علم جفر، نجوم، فنِ عزیمت اور تسخیرِ جنات میں انتہائی کمال حاصل کیا۔"

یہی میر مومن جو اپنی جوانی ہی میں اتنی خوبیوں کے مالک ہوگئے تھے، آخرکار ایران سے نکلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، چنانچہ عالم آرائے عباسی کے حوالے سے لکھا ہے:

"در زمان استیلائے اسمٰعیل مرزا تاب توقف ایران نیاوردہ۔"

پھر اگلے صفحے پر لکھا ہے:

"ہم چشموں میں ممتاز رہنے کی وجہ سے یوں تو ابتدا ہی سے وہ محسود ہوگئے تھے، لیکن جب شاہزادہ کا انتقال ہوگیا، تو اُن کے مخالفوں کی بن آئی۔ چوں کہ یہ علم معقول میں عدیم المثال سمجھے جاتے تھے اور علم جفر اور عملیات میں بھی دلچسپی لیتے تھے، اس کے علاوہ بڑے عقیل و فہیم تھے، اس لیے حاسدین نے اُن کے خیالات کو دہریت اور الحاد کی طرف منسوب کیا اور ان کے اخراج کے درپے ہوئے۔

آخرکار میر صاحب خود ان مخالفتوں کے باعث ایران سے دل برخواستہ ہو گئے اور ۹۸۶ھ میں قزوین سے تہیۂ سفر کیا اور عراق و عرب کی طرف نکل کھڑے ہوئے، جہاں حج اور زیارتوں سے فارغ ہونے کے بعد ہندوستان کا رُخ کیا۔"

ان عبارتوں کی موجودگی میں یہ بحث کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ میر محمد مومن کو رمل و نجوم میں کیا ملکہ اور جنوں پر کیا قبضہ حاصل تھا؟ جو شخص لوگوں کی مخالفتوں کی تاب نہ لاکر، ایران سے ہجرت کرکے ہندوستان آ کر پناہ حاصل کرے، اس کے قبضے میں جنوں کے کتنے لشکر ہوں گے؟ اس کا سمجھنا مشکل نہیں ہے۔

اور "یہ کرامت" بھی خوب رہی کہ میر محمد مومن ایک شخص کو ہر روز، غیب سے دو روپے دلایا کرتے تھے! حالاں کہ غور کیا جائے تو یہ کرامت اخلاق اور قانون، دونوں کے نقطۂ نظر سے ایک مجرمانہ[1] فعل ہے ــــــ اس کی تنقیح یوں ہوگی: خدا نے اس شخص کو ہاتھ، پاؤں اور حواس و قویٰ اس لیے بخشے تھے کہ وہ خود کما کر کھائے مگر میر محمد مومن نے اس شخص کو جسمانی اور دماغی مشقتوں کے بغیر روزی مہیا کرکے اُسے یہ عملی تعلیم دی کہ وہ خدا

---

[1] یہ مطلب نہیں کہ میر صاحب مرحوم اس جرم کے مرتکب تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ان کی طرف "یہ کرامت" منسوب کی ہے، اس نے در اصل ان کی زندگی پر ایک ایسا اتہام لگایا ہے، جو اخلاق و شریعت اور عقل و فطرت کے ضابطوں کی رُو سے جرم سمجھا جانا چاہیے۔

کی بخشی ہوئی طاقتوں سے قطعاً کام نہ لے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک بغاوت ہے اصول فطرت، احکام شریعت اور رضائے الٰہی کے خلاف!

پھر یہ فعل، خلاف قانون بھی ہے۔ دنیا کی ہر سلطنت میں، وہ عہد حاضر کی حکومت ہو، یا قرون ماضیہ کی سلطانی، یہ قانون برابر چلا آیا ہے کہ جعلی سکّے بنانے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ مالیات کا نظم و نسق، کسی بھی گورنمنٹ کے لیے وہ امریکہ کی گورنمنٹ ہو، یا حیدرآباد دکن کی، ریڑھ کی ہڈی سے کم نہیں۔ جو شخص جعلی سکّے بناتا ہے، وہ بلاواسطہ حکومت کے مالی نظام کو توڑنے کی جرأت کرتا ہے۔ پھر کیا یہ مان لیا جائے کہ میر محمد مومن سلطان محمد قلی قطب شاہ کے وفادار وزیر نہیں تھے؟ یہ الگ سوال ہے کہ وہ کسی لوہے یا پیتل کی بنی ہوئی ٹکسال کے بجائے کسی غیبی ٹکسال سے روپے تیار کرتے تھے، مگر جرم کی نوعیت میں یوں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ——— حکومت کے نظام مال میں، دونوں ہی طرح برابر رخنہ اندازی ہوتی ہے!

رہ گئی یہ بات کہ میر صاحب کی قبر چاٹی جائے تو ذہن تیز ہوجاتا ہے، اس گھناؤنی اور مکروہ کرامت کا تجربہ کرنا تو ایک طرف رہا، کوئی ذوق سلیم ان باتوں کو سننا بھی گوارا کرے گا؟ اس ہزار بار چاٹے ہوئے سنگ مزار کو چاٹنا، یا تو مصنّف کا دل گردہ اس مہم کے لیے تیار ہو، یا اُن کے دوست کا، ورنہ دیانت داری کی بات تو یہ ہے کہ ان لفظوں کو نقل کرنے سے بھی جی متلایا جارہا ہے۔

حیرت ہے دلیل اور سائنس کے اس دور میں، کسی کم علم یا جاہل نے نہیں، بلکہ جناب مصنّف جیسے روشن دماغ ادیب و محقق نے "ستون سحر باطل" اور "سنگ مزار" جیسے اصنام کو کہاں سے ڈھونڈھ نکالا؟ پتھر کی مورتیاں، جادو، ٹونے ٹوٹکے، جنتر منتر اور کرامات و تصرفات کے بت، تہذیب جدید کی آبادیوں سے چُن چُن کر نکالے جاچکے ہیں۔ اب اُن میں کوئی کشش نہیں رہ گئی، نہ اُن پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، یہ نذریں گزاری جاتی ہیں، نہ قربانیاں دی جاتی ہیں اور نہ پرستش کی جاتی ہے ——— انھیں پھر سے کیوں مسند عقیدت پر کھڑا کیا جائے؟ کیوں اقبال کو ان الفاظ میں تلخ نوائی پر مجبور کیا جائے:

بدل کر بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

آل انڈیا ریڈیو کی زبان | اُردو کو نیست و نابود کردینے کے لیے برادران وطن، بسر متحد طاقت اور منظم سازش کے ساتھ ہلّہ بول رہے ہیں۔ اخبارات کا مطالعہ کرنے والے اصحاب اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ

بجائے خود ایک بڑی مصیبت ہے، لیکن اس سے بھی بڑی مصیبت یہ ہے کہ اب آل انڈیا ریڈیو بھی اُردو دشمنی میں ان کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔ یہ محکمہ مرکزی حکومت کے ماتحت ہے اور اسے ہندی پرچارنی سبھا، یا ہندی ساہتیہ سمیلن جیسی کٹر فرقہ پرست ہندوؤں کی، ہندی پرست جماعتوں سے کوئی ملی وظیفہ نہیں ملتا، لیکن اس کے باوجود اس نے یہ وتیرہ اختیار کر لیا ہے کہ ملک کی عام فہم زبان سے قطع نظر کر کے ہندی زبان کے فروغ کی کوشش کرے ـــــ سیدھے سادے، عام فہم اور روزمرہ کے بے شمار اُردو الفاظ ترک کیے جا رہے ہیں اور اُن کے بجائے انگریزی اور ہندی کے ایسے ایسے الفاظ، "اُردو ہندی" اور "انگریزی اُردو" کی ایسی ایسی مضحکہ خیز ترکیبیں استعمال کی جا رہی ہیں کہ خود ہندی اور سنسکرت کے حامی بھی اُنھیں سن کر شرمندہ ہوتے ہوں گے۔ ذیل میں الفاظ کی ایک مختصر فہرست دی جاتی ہے، جو اُردو کے نہایت مروج اور مقبول الفاظ ترک کر کے محض ہندی کی نشر و اشاعت کی خاطر آل انڈیا ریڈیو نے اختیار کر لیے ہیں:

سندیسہ	کے بجائے	پیغام
سنتوش	"	پُرامن
ودیارتھی	"	طالب علم
بدھائی	"	مبارک باد
سواگت	"	استقبال
آنکڑے	"	اعداد و شمار
لیکھک	"	نامہ نگار
جزیرہ نما	"	ٹاپو نما
ربط ضبط	"	تال میل

آبنائے	کے بجائے	جل گھاٹی
تین طاقتوں کا اتحاد	"	تگڈم
خاکنائے	"	تھل گھاٹی
مشترکہ پروگرام	"	ساجھا پروگرام
حق خود اختیاری	"	آتم نرنے
پیغام	"	سندیسہ
وقت	"	سمے
مجمع الجزائر	"	ٹاپو منڈل

مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے الفاظ ایسے ہیں کہ ہندوستان کے مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک برابر بولے اور سمجھے جاتے ہیں، مگر کارکنان ریڈیو نے ان حد درجہ عام فہم اور سادہ الفاظ کو درخورِ استعمال نہیں سمجھا اور ان کے بجائے پورب، پچھم، دکھن اور اُتر جیسے فرسودہ الفاظ اختیار کر لیے ہیں۔

انگریزی الفاظ و اصطلاحات کے استعمال میں بھی ایسی ہی بے عنوانی اختیار کی گئی ہے۔ محاذ کے بجائے

فرنٹ، مرکز کے لیے سنٹر، وزیر خارجہ کے لیے فارن منسٹر، وزیر اعظم کے لیے پریمیر، اجلاس کے لیے سیشن اور وزیر قانون کے لیے لاء ممبر اور اسی طرح کے دیگر بے شمار الفاظ یوں بے تکلف استعمال کیے جاتے ہیں، گویا ریڈیو کے لاکھوں سننے والے مرکز، محاذ، وزیر اعظم اور وزیر قانون جیسے الفاظ کو جانتے تک نہیں۔ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ ریڈیو نے ایک خبر سنائی، مگر اس میں ایک تہائی اُردو، ایک تہائی ہندی اور ایک تہائی انگریزی کے الفاظ یوں خلط ملط کر دیے کہ سننے والا کسی ایک زبان کے الفاظ نہ سمجھنے کے باعث ساری خبر کے مطلب سے اس طرح محروم رہ گیا، گویا اس کے سامنے ہندوستانی میں نہیں، بلکہ کسی اجنبی زبان میں گفت و گو ہو رہی ہے۔

اُردو کی جڑوں کو آخری طور پر اکھاڑ پھینکنے کے لیے یا بالفاظ دیگر ہندوستانی زبان کو وسیع کرنے کے لیے آل انڈیا ریڈیو نے چند عجیب و غریب ترکیبیں اور اصطلاحیں بھی وضع فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر ملے جُلے سیشن (متحدہ اجلاس)، وزیر بچاؤ، اٹلانٹک سمندر اور پچھمی فرنٹ ایسی بھونڈی ترکیبوں پر غور فرمائیے اور اس شخص کی دماغی قابلیت کی داد دیجیے، جس نے یہ "اینگلو انڈین" اصطلاحیں، لچر ترکیبیں اور بھدے مرکبات ایجاد کر کے اُردو کے علمی اور ادبی ذخیرے میں ایک گراں قدر اضافہ کر دیا ہے۔ کانگریس نے اُردو کے استیصال کے لیے پچھلے کئی برس سے جو مہم شروع کر رکھی ہے، اس کا مطلب تو خیر سمجھا بھی جا سکتا ہے، یعنی، وہ ہندو مہا سبھائیوں کی جماعت ہے اور فرقہ پرستی کی ذلیل ذہنیت نے اس کو ہندی اور سنسکرت جیسی مُردہ زبانوں کی دوبارہ ترویج و احیاء پر مجبور کر دیا ہے، مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ریڈیو کیوں اُردو کی جان کا لاگو ہو گیا ہے۔ گورنمنٹ کے بعض دوسرے محکموں کی طرح یہ بھی ایک کاروباری محکمہ ہے، اُسے چاہیے کہ وہ ہندوستانیوں کے فرقہ وار تنازعوں سے بالاتر رہ کر صاف اور عام فہم اُردو میں اپنا کام کرتا جائے۔ اُردو کے بگاڑنے، اس میں بے جوڑ ترکیبوں اور اصطلاحوں کے استعمال اور سنسکرت زدہ ہندی کے ثقیل اور پوچ الفاظ کے اضافے کا اُسے کیا حق حاصل ہے؟

مسٹر گاندھی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے اور قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اس پر اسلامی پریس نے جواب دیا تھا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان نہیں، بلکہ وہ ہندوستان کی ساری قوموں کی مشترکہ زبان ہے۔ میرے خیال میں وہ مسلمان غلطی پر ہیں جو اُردو کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان سمجھتے ہیں۔ اگر ہندوؤں نے بھی اُردو کو اپنی ہی زبان سمجھا ہوتا، تو وہ اسے اپنے صوبوں اور ریاستوں سے

جلاوطن کرنے کی مہم شروع نہ کرتے ــــــــ ہمارے عزم و اعتقاد کی بنیاد یہ ہونا چاہیے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے اور جب تک مسلمان زندہ ہیں، دنیا کی کسی بھی طاقت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُردو کو بگاڑنے یا ختم کردینے کی جرأت کرے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ جب تک ہم بنیادی طور پر اُردو کو اپنی اور صرف اپنی زبان تسلیم نہ کریں گے، اس وقت تک اس کی حفاظت کے لیے کوئی مؤثر قدم نہیں اُٹھا سکتے۔

اب آل انڈیا ریڈیو بھی اُردو کے قتل و استیصال پر پوری طرح آمادہ نظر آتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر وہ مسلمان، جس کے دل میں اُردو کی عزت اور ہمدردی موجود ہے، موجودہ صورت حال میں اپنا فرض ادا کرے اس سلسلے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص آل انڈیا ریڈیو دہلی کے نام فرداً فرداً خطوط لکھ کر اس کو اطلاع دے کہ اس نے اُردو کو کچلنے اور ہندی کو فروغ دینے کی جو مہم شروع کر رکھی ہے، وہ ہر لحاظ سے قابل نفرت ہے اور اُسے کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ احتجاج کا دوسرا مؤثر پہلو یہ ہے کہ ہماری علمی، ادبی مجالس اپنے اپنے اجلاس طلب کریں اور ریڈیو کے اُردو کش رویے کے خلاف ریزولیوشن پاس کرکے اس محکمے کے ڈائرکٹر کے پاس بھیجیں اور ایسے اجتماعات کی اطلاعیں مقامی اخبارات و رسائل میں بھی چھپوائیں۔ احتجاج کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ سارا اُردو پریس متفقہ آواز سے ریڈیو کی ہندی نوازی کی پُرزور مذمت کرے۔ اگر ہم لوگوں نے اس وقت حالات کے تقاضے کو نہ سمجھا تو آپ یقین کیجئے کہ رنج و افسوس کا وقت بھی دُور نہیں ہے

محمد اقبال سلمانی

روئداد جلسہ | اُمت مسلمہ امرت سر کا ماہانہ جلسہ بروز اتوار مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۴۲ء بوقت ۴ بجے شام، دفتر اُمت مسلمہ امرت سر (بیرون دروازہ حکیماں، نزد بھگتاں والا اسٹیشن) میں منعقد ہوا۔ بارش بڑی شدت سے ہو رہی تھی، تاہم صاحب دل حضرات تشریف لے ہی آئے۔

جلسہ شروع ہوا۔ ۴ بجے سے ۱/۲ ۶ بجے تک خواجہ عباد اللہ صاحب اختر اور حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے درمیان علمی و ادبی مذاکرہ ہوتا رہا، جسے حاضرین نے بڑی دلچسپی سے سنا۔

اب شام ہونے میں بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا، خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر صدر جلسہ نے خواجہ سجاد اللہ صاحب سے کہا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ صاحب صدر کے حکم کی تعمیل میں خواجہ سجاد اللہ صاحب نے "توحید" کے مضمون پر تقریر کی، جس میں انہوں نے کتاب اللہ (یعنی قرآن پاک اور

کتاب فطرت سے، ایک ایک دلیل پیش کی۔ محترم مقرر نے وقت کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی اختصار سے کام لیا اور اپنی تقریر کو ذیل کی تجویز پر ختم کردیا:

"میری تجویز ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا مملوکہ خطہ (مسجد، عمارات، گراؤنڈ وغیرہ) واقعہ بیرون دروازہ حکیماں امرت سر، نزد بھگتاں والا سٹیشن، "توحید باغ" کے نام سے موسوم کیا جائے۔"

جملہ حاضرین نے اس نام کو ازحد پسند کیا اور یہ تجویز بالاتفاق منظور کی گئی۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں "توحید" پر ثابت قدم رکھے اور توحید کے سب سے بڑے معلّم (یعنی قرآن پاک) کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

ایک عطیہ | محترم جناب ڈاکٹر عبدالغفور صاحب پشاور نے مبلغ دس روپیہ اُمتِ مسلمہ امرتسر کو بطور عطیہ ارسال فرمائے ہیں، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ہمارے مغفور ایڈیٹر جناب حکیم شہاب الدین علیہ الرحمۃ کے نبیرہ ہیں، آپ کو اُمتِ مسلمہ سے بہت اُنس ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "امید ہے کہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ بھیجتا رہوں گا۔" ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک ڈاکٹر صاحب مکرم کو قرآن پاک کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے۔

آئندہ اجلاس | اُمتِ مسلمہ امرتسر کا آئندہ ماہانہ اجلاس ۴ اکتوبر ۱۹۴۳ء بروز اتوار ٹھیک آٹھ بجے صبح مسجد اُمتِ مسلمہ (واقع توحید باغ بیرون دروازہ حکیماں) میں منعقد ہوگا۔ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے اپنی پُرمغز تقریر سے حاضرین کو مستفید فرمائیں گے۔ تمام احباب خود تشریف لائیں اور اپنے احباب کو بھی ہمراہ لائیں۔

اے آدمی!

کردیا قوت سے تُو نے سینۂ کہسار شق
دُور بیں سے پڑھ لیے سات آسمانوں کے ورق
علم تیرا نکتہ پرور، فلسفہ تیرا ادق
تیرے پامالِ خرامِ فکر یہ چودہ طبق
پَر لیا اب تک نہ تُو نے آدمیت کا سبق

چار وید از بر ترے سینے میں اور چھ شاستر
تُو نے دفتر لکھ دیے تورات اور انجیل پر
کر لیے معلوم سب اسرارِ قرآن و خبر
اور پہنچا ارتقائے علم کی معراج پر
پَر لیا اب تک نہ تُو نے آدمیت کا سبق

لامکاں کی وسعتوں کا ایک تو شہباز ہے
علم و عرفاں کی فضاؤں میں تری پرواز ہے
تیری تحریروں کا ہر لفظ انکشافِ راز ہے
تیری تقریروں میں کتنا سحر، کیا اعجاز ہے
پَر لیا اب تک نہ تُو نے آدمیت کا سبق

تیری کوشش نے کیا اظہار ہر اخفا کا علم
روح کے احوال کا اور جسم کے اعضاء کا علم
جزو جزوِ خلق کا، خاصیتِ اشیاء کا علم
بن گیا آئینہ تیرے سامنے دنیا کا علم
پَر لیا اب تک نہ تُو نے آدمیت کا سبق

تیری صنعت کی ترقی سے جہاں حیرت میں ہے
یہ زمیں حیرت میں ہے یہ آسماں حیرت میں ہے
تیری رنگینی سے رنگ گلستاں حیرت میں ہے
فکر و قوت سے تیری پیر و جواں حیرت میں ہے
پَر لیا اب تک نہ تُو نے آدمیت کا سبق

عقل کی پرواز سے تُو ہے فضا پر حکمراں
بحر و بر پر حکمراں، آب و ہوا پر حکمراں
ہر طلب میں کامراں، ہر مدعا پر حکمراں
کون ہے تیرے سوا ارض و سما پر حکمراں
پَر لیا اب تک نہ تُو نے آدمیت کا سبق

عرشی

یعنی چہ؟

(سیّد مقبول احمد صاحب بی اے)

البیان ماہ ستمبر پیش نظر ہے۔ "حجیت حدیث وصحت حدیث" کے قیل وقال میں مدعی نے سوال کیا ہے کہ کیا کوئی شرعی حکم ایسا ہو سکتا ہے جو قرآن مجید میں نہ ہو اور پھر شروع میں نہایت زور دے کر کہا ہے کہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ کوئی شرعی حکم ہو اور قرآن مجید میں نہ ہو۔ اس کا جواب مدیر "الحدیث" جو کچھ بھی دیں لیکن میرے نزدیک تو اسلام کے ستّر فی صدی عقائد و اعمال کا ذکر قرآن میں بالکل نہیں ہے۔

لیجیے میں اس کی ایک مختصر فہرست گنائے دیتا ہوں:

۱۔ عذاب قبر و سوال نکیرین (جس کی بنیاد صرف ایک ابوہریرہ کی روایت ہے)

۲۔ ختنہ و عقیقہ

۳۔ رجم زانیہ

۴۔ رجم مرتد

۵۔ قتل ساحرہ

۶۔ جواز غلامی

۷۔ تحریم تماثیل و سماع

۸۔ دجّال

۹۔ نزول مسیح و مہدی

۱۰۔ مسئلہ دارالحرب وجواز ربٰو فی دارالحرب

۱۱۔ احکام ریش و بروتؑ ازار (جس پر مولویت کا سارا زور اور دارومدار ہے)

۱۲۔ قربانی

۱۳۔ نماز پنجگانہ

۱۴۔ درود آل محمدؐ

۱۵۔ نصاب زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ

زیادہ تفصیل کے لیے کتاب مطالعہ حدیث[1] ملاحظہ ہو

اگر آپ کے نزدیک میرا دعویٰ غلط ہے تو قرآن کی ایک آیت اس کی تردید میں پیش کر دیجیے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ ہم دنیا میں کوئی نرالے انسان نہیں ہیں۔ انسانوں نے ہمیشہ اولیاء و صوفیاء کے گروہ سے دھوکا کھایا اور شرک اور بت پرستی جو اگر انسان کی فطرت نہ ہو تو ایک قسم کی عادت ضرور ہے، میں مبتلا

---

[1] قیمت ۱۲ (پتہ) دفتر اُمّت مسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر

ہوتے۔ اگر ہندو اپنے مُردے نہ جلاتے تو جتنے شہر کے دیوتا آپ کو ہندوستان میں دکھائی دیتے ہیں، وہ سب ان کے گورو اور رشیوں کے مقبرے ہوتے، اور اس پر وہ ویسے ہی معتکف ہوتے، جیسا ہم مسلمان کر رہے ہیں۔

اس لیے مسلمان بہ حیثیت انسان کے لازمی طور سے اسی گڑھے میں گر رہے جس میں ان سے پہلے کے مسلمان گر چکے تھے اور اپنے لیے نئی کتاب، نیا طریقہ اور نیا خیال پیدا کیا۔ کیا ہمارے بزرگ نے کبھی صوفیاء کے ملفوظات پڑھے ہیں۔ کیا ان کی نظر سے راحت القلوب شاہ نظام الدین اولیاء اور سفرنامہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت گزرا ہے۔ اس کے متعلق ان کا حسن ظن کتاب یا صاحب کتاب کے بارے میں باقی رہا؟ اگر رہا ہے تو ذرا مجھے بتادیں، ورنہ میری زبان نہ کھلوائیں۔ البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب ہدایت ہمارے پاس باقی رہ گئی ہے اور دوسروں کے پاس نسیاً منسیاً ہو گئی۔ مگر بایں وصف کتنے مسلمان قرآن کی طرف درحقیقت رجوع ہوتے ہیں۔

میں اکثر خدا سے مجادلہ کیا کرتا تھا کہ اے خدا! تیرا وعدہ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۙ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ (۹:۳۳) کہاں گیا؟ کیوں کہ میں اپنے کو تو اس حالت میں پاتا ہوں جو اس کے بالکل برعکس ہے۔ لیکن ہاتف غیب نے یہ ہی جواب دیا کہ ذرا اپنے دل کو ٹٹولو، کیا تم واقعی مسلمان ہو؟ اور اگر تم ہو بھی تو تمہارا شمار کمزور دل مسلمانوں میں کیا ہے؟

البیان | مخدومنا سید مقبول احمد صاحب نے جو فہرست پیش کی ہے، ان میں سے نمبر ا تو قرآن میں مذکور نہیں اسرائیلی روایات میں ہو تو ہو۔

۲۔ سنت ابراہیمی ہے اور توراۃ میں اس کا مذکور ہے اور تمام امم سامیہ میں اس کا رواج رہا ہے، لیکن قرآن نے اسے جزو دین قرار نہیں دیا۔ ختنہ عام صحت کے لیے مفید ضرور ہے۔ ایک دفعہ عامل مصر نے اموی خلیفہ عمر ثانی کو لکھا کہ یہاں کے لوگ فوج فوج اسلام قبول کر رہے ہیں تاکہ جزیہ سے بچ جائیں، اگر ارشاد ہو تو اس کا امتحان ختنہ سے کروں۔ جواب دیا کہ کم بخت، آں حضرت صلعم تو لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے نہ کہ ختنہ کرانے کے لیے۔ اگر تو نے کوئی ایسی ناشائستہ حرکت کی تو ایسے شخص کو تجھ پر مامور کروں گا جو تیرے حواس خمسہ درست کر دے۔

(۳ تا ۶) رجم و قتل و جواز غلامی، ہنگامی اور وقتی احکام توراۃ کے تھے جو قرآن نے منسوخ فرمائے (وما ننسخ)

۷۔ حلت تماثیل و سماع حضرت سلیمانؑ و داؤدؑ سے قرآنی آیات کی رُو سے ثابت شدہ ہے۔ البتہ توراۃ میں تحریم میں تماثیل جو کسی معبود کی ہو، ثابت ہوتی ہے، یعنی بغرض بُت پرستی ممنوع ہے، نہ کہ ہر ایک تصویر یا تصویر کشی۔

۸۔ دجال کا مذکور مقدس یوحنا کے مکتوب میں ہے اور اشارہ پولوس کی طرف ہے جس نے دجالیت کو فروغ دیا جس میں مسیح کی الوہیت اور تثلیث اور کفارہ نے توبہ کی جگہ لی۔

۹۔ نزول مسیح و مہدی کا مذکور قرآن میں نہیں اور آمد مسیح کے متعلق صرف ایک حدیث بخاری میں ہے اور وہ بھی مبتدا اور خبر کے بغیر۔ مہدی کی آمد اس لیے لازمی ہے کہ ہولیوں کے مقابلہ میں عشرہ محرم نہ ہو تو اسلام بے رونق ہے۔

۱۰۔ مسئلہ دارالحرب و جواز ربا کے متعلق گذارش ہے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس سے واضح ہو کہ ایک مسلمان مومن بھی کبھی محکوم و مغلوب ہو سکتا ہے اور ایسی حالت میں اسے کیا کرنا چاہیئے۔ خدا کا بندہ کب غیر خدا کا بندہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے بالکل سچ کہا کہ ہم مسلمان مومن نہیں ورنہ اسلام تو حرب کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دیتا ہے تاکہ حرب ہتھیار رکھ دے اور عالم انسانی میں امن ہو۔ سود خود حرب کا ممد ہے اسلام اس کی اجازت کب دے سکتا ہے؟

۱۱۔ احکام ریش و بروت کے متعلق محقق بے بدل میرزا بیدلؒ کی رباعی جو اکبر و عالمگیر کے احکام کے بارہ میں ہے۔ یاد آئی:

دی بادشہے تراش ریشش خوش بود　　امروز شہے دگر در منع کشود
در دیدۂ اعتبار از حکم دو شاہ　　جز پشم نہ بود کہ کاہید و فزود

اسی موضوع پر میرزا کی ایک غزل بھی ہے جس کا مطلع ہے:

ایں قدر ریش چہ معنی دارد　　غیر تشویش چہ معنی دارد

معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دراز ریش ملا میرزا صاحب سے دوچار ہوا، فرماتے ہیں:

آدمی خرس چہ ظلم است آخر　　مرد حق میش، چہ معنی دارد
حذر از زاہد مسواک بسر　　عقرب و نیش چہ معنی دارد
یک نخود کلہ و دہ من دستار　　ایں کم و بیش چہ معنی دارد
بیدل ایں جا ہمہ ریش است فش است　　ملت و کیش چہ معنی دارد

۱۲۔ قربانی پر البیان میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ (۱۳) نماز پنجگانہ پر مفصل بحث خواجہ احمدالدینؒ کی تفسیر "بیان للناس" میں ملاحظہ ہو (۱۴) درود آل محمدؐ، اگر آل سے مراد تمام اُمت مسلمہ ہے تو خیر، مگر درود کے معنی محض زبانی چند "الفاظ" کا تکرار نہیں بلکہ عملی ہمدردی ہے (۱۵) نصاب زکوٰۃ، حضرت عمرؓ نے شوریٰ میں مقرر فرمایا تھا اور محض وقتی تھا حضرت ابی ذرؓ نے خود اعتراض کیا تھا، وہ بالکل بجا ثابت ہوا کہ آج یہی محکم آیت بن گیا۔ (اختر)

قرآن اور ابجد

(جناب چوہدری بشیر احمد صاحب بی اے)

سید منظور احسن صاحب کا ایک مقالہ "البیان" کے جون جولائی نمبر میں شائع ہوا ہے۔ محترم مقالہ نگار نے اس حقیقت کو کہ قرآن اپنا معلّم آپ ہے، نہایت قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے صاحب مقالہ کی روشن ضمیری اور حق پژوہی قارئین پر پوری طرح روشن ہوجاتی ہے۔

لیکن اس مقالہ میں مجھے ایک ایسی بات نظر آئی جس کی توقع ایسے حقیقت شناس مقالہ نگار سے نہ تھی۔ انہوں نے اپنے اس خیال کو کہ حضرت رسول اکرم صلعم کے بعد فلاح کا زمانہ ۲۸۰ سال تک رہا، ایک ایسے طریقہ سے ثابت کیا ہے جو میرے خیال میں تفسیر بالرائے کے مرادف ہے۔ انھوں نے اس مدت کو جو آن کے اپنے خیال کی تخلیق ہے، دلائل کے فقدان کی وجہ سے ابجد کے حساب سے ثابت کیا ہے۔

صفحہ ۲۶ کے وسط میں موصوف آیت والذین اٰمنوابہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل منہ اولئٰک ھم المفلحون (اعراف) سے فلاح کے زمانہ کو متعین کرنا چاہتے ہیں، چوں کہ ان کے ذہن میں حدیث خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اور تاریخ کے شواہد سے ۲۰۰-۲۵۰ سال دل نشین ہوچکی ہے۔ اس لیے اس مدت کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں انہوں نے آیت مذکورہ کے الفاظ "ھم المفلحون" کے اعداد بحساب ابجد ۲۸۰ نکال کر یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کی پیش گوئی کے مطابق فلاح کا زمانہ ۲۸۰ سال رہا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ زمانہ صحیح ہے یا غلط، مگر قرآنی حقائق کو بیان کرنے میں حساب ابجد کا سہارا لینا مصنّفِ قرآن جل ذکرہ کے منشاء سے دُور جا پڑنا ہے۔ مسلمانوں کی گمراہی اور قرآن سے بُعد کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کے بیّنات کو ترک کرکے اس میں سے رمز اور کنایہ کی باتیں نکالنے لگے اور ان کو معارف و حقائق قرآنیہ کا نام دینے لگے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنے دعاوی کے ثبوت میں حساب ابجد کا استعمال کیا اور ان کے مریدین ان کی کوششوں کو قرآنی معارف سمجھ کر ان پر وجد کرتے ہیں اور علوم باطنہ کے اسرار تصور کرتے ہیں۔ مثلاً مرزا صاحب نے اپنے آنے کا وقت آیت اِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ (۲۳) کے اعداد سے اس طرح ثابت کیا کہ ان الفاظ کے اعداد ۱۲۷۴ بنتے

ہیں جو ۱۸۵۷ عیسوی کے غدر کا زمانہ تھا۔ ان کے قول کے مطابق اس وقت قرآن اٹھا لیا گیا تھا اور وہ اس کو واپس لانے کے لیے پیدا ہوئے۔ مخالفین نے بھی بعض دفعہ ان کو انہی کے ہتھیار سے جواب دیا اور خوب نکتہ آفرینیاں کیں۔

لطیفہ | مرزا صاحب نے ایک دفعہ اپنے نام کے اعداد کی رعایت سے قرآن کی ایک آیت کے جزو (غالباً ان اللہ مع الصادقین) کو جس کے اعداد اُن کے نام کے اعداد کے برابر تھے، پیش کیا۔ ایک مخالف نے وہی اعداد قرآن کی ایک آیت کے ایک دوسرے جزو فلعنت اللہ علی الکاذبین (یا الکافرین) سے نکال دیئے۔

اس مثال سے میرا مقصود یہ ہے کہ صاحب موصوف کو ایک سنجیدہ مضمون میں ایسے احتمالی دلائل سے اجتناب لازم تھا۔ سوال ہو سکتا ہے کہ "ھم المغلوبون" کے الفاظ کیوں لیے جائیں، اس زمانہ کو کم کرنے کے لئے کیوں نہ "مغلوبن" پر اکتفا کیا جائے۔

مدیر البیان نے اس ابجدی دلیل پر کوئی نوٹ نہیں لکھا۔ اکثر بزرگان دین نے بھی بعض اوقات نکاتِ قرآنیہ کے بیان کرنے میں اعداد کو مطالب کی توضیح میں استعمال کیا ہے۔ اس علم کی حقیقت اور اس کا قرآنی معارف کی عقدہ کشائی کے لیے استعمال، ایک ایسا موضوع ہے جس پر اظہار خیال البیان میں ہونا غیر موزوں نہ ہوگا۔

البیان | محترم مقالہ نگار (نشاۃ ثانیہ) نے اپنے مسودے میں جا بجا علم ابجد کو استعمال کیا تھا، جس کو ہم نے حذف کر دیا۔ یہ ٹکڑا سہواً رہ گیا ہے جو آپ کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا۔ اس معاملے میں ہم آپ سے دو قدم آگے ہیں اور ہمارے نزدیک ایسی چیزوں کا استعمال کتابِ مبین کو چیستان بنانے کے مترادف ہے۔

اقبالؒ کی پیش گوئیاں

اس رسالہ میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو، فارسی کلام سے وہ اشعار انتخاب کر لیے گئے ہیں جن کا تعلق موجودہ حالات اور آیندہ زمانے سے ہے۔ مرتب نے اشعار کی ترتیب تشریح میں پورے جوش، خلوص اور سلیقہ مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اقبال سے متعلق یہ اچھوتا موضوع ہے جس پر آج تک قلم نہیں اٹھایا گیا۔ قیمت ۱۲ (اُمت مسلمہ امرتسر)

عِلم السّمٰوات وَالارض

(حضرت خواجہ محمد عباداللہ صاحب اختر بی اے)

"پیامبر" بہائی ماہوار میگزین (ماہ جنوری ۱۹۴۲ء) میں ایک مقالہ زیرعنوان "علم السمٰوات والارض" شائع ہوا تھا۔ "البیان" (مارچ ۱۹۴۲ء) میں اس پر تنقید کی گئی۔ حضرت علمی مدیر "پیامبر" نے (اپریل ۱۹۴۲ء) میں تنقید کا جواب شائع فرمایا جو پانچ فقروں میں میگزین کے تین صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے تحریر فرمایا تھا کہ قرآن میں سبع سمٰوات اور سبع مثانی اور سبع طرائق ہم معنی الفاظ ہیں اور ان سے مراد "سبع شداداً" یعنی سات مضبوط ادیان عالم یا سات شریعتیں ہیں اور یہ باہم مطابق ہیں جیساکہ سبع سمٰوات طباقاً کا مفہوم ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے کی تسبیح سمجھ نہیں سکتا اور ارض سے مراد سات اُمتیں ہیں جو ان شریعتوں کے تحت واقع ہوئی ہیں اور یہ مسلمان اور یہود اور صابی اور عیسائی اور مجوس ہیں جیساکہ آیہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے واضح ہوتا ہے۔ یہ ہیں پانچ اُمتیں۔ دو اور اُمتیں ہندو اور بدھ ہیں جیساکہ اسی آیت کے آخری حصہ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا سے ظاہر ہوتا ہے اور چھ سمٰوات ادیان اور ان کے تحت چھ ارض امم رسول کریمؐ کی بعثت سے پیشتر چھ یوم میں نازل اور جاری ہیں، یوم ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

تنقید میں اس نظریہ کو اس لیے غلط ثابت کیا گیا تھا کہ قرآن کا ارشاد ہے "لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ" اور بروئے نصوص قرآنی رسل بے شمار مبعوث ہوئے اور اصولاً بعض کا مذکور قرآن میں کیا گیا اور بعض کا نہیں، یہ اُمتیں کچھ تو مٹ چکی ہیں اور کچھ موجود ہیں اور ان کی تعداد سات سے زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں آیہ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا صیغہ تثنیہ نہیں، جمع ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ تعداد مشرکین دو سے زیادہ ہو۔ جواب میں فرماتے ہیں کہ "قرآن کی کسی آیت سے آپ اس سے زیادہ ثابت فرما دیجئے۔" کیا لاجواب بات ہے!

فاضل مقالہ نگار کے دعویٰ اور دلیل سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ کی بعثت سے پیشتر چھ یوم (ریشتہ ایام) میں چھ سمٰوات ادیان یا شرائع مکمل ہو کر جاری ہو چکے تھے اور آیہ لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ کی رُو سے چھ اُمتیں چھ رسولوں اور ان کی رسالت سے وابستہ ہیں، گویا ایک رسول ایک اُمت اور ایک دین ایک یوم یا ہزار سال میں جاری رہا۔ نصوص قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ "سماء" جو ابتدا میں "دخان" تھا، اس کا تسویہ ہو کر سبع سمٰوات

میں" فی یومین" یعنی دو یوم یا دو ہزار سال میں منقسم ہوا. یعنی سبع سمٰوات کی تخلیق دو یوم میں ہوئی اور یہ سب کچھ آں حضرتؐ کی بعثت سے پیشتر ہو چکا تھا، یعنی سات ادیان بعثت سے پیشتر نازل اور جاری تھے۔ اس لیے فاضل مقالہ نگار کا دعویٰ اور دلیل دونوں غلط ہیں۔ نیز ہم نے فاضل ممدوح کی توجہ توراۃ (پیدائش باب اور ۲) کی طرف مبذول کی کہ وہاں ارشاد ہے کہ سمٰوات والارض و ما بینہما کی تخلیق "ستۃ ایام" میں ہوئی۔ سمٰوات توراۃ میں بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے اور قرآن کی ہر ایک آیت سے جہاں تخلیق کا مذکور فی ستۃ ایام توراۃ ہی کے الفاظ میں کیا گیا ہے اور قرآن نے صراحتاً بیان فرما دیا ہے کہ سبع سمٰوات کے تسویہ سے پیشتر" الارض" خلق ہو چکی تھی اور اس کی تخلیق بھی دو یوم میں ہوئی (۴۱/۹)۔ اس لیے اگر ایک یوم میں ایک اُمت جاری ہوئی تو یوم میں دو اُمتیں ہی موجود ہوں گی، اب سبع سمٰوات کے تحت دو اُمتیں رہ جاتی ہیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہود و نصاریٰ اور صابئین اور مسلمانوں کا بوقت نزول توراۃ ظہور نہ ہوا تھا، بوقت تخلیق سمٰوات تو کسی اُمت کا وجود نہ تھا، یہود بحیثیت قوم حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے دور دورہ میں نمودار ہوئے۔ غرض کسی پہلو سے جو حضرت علی نے اپنے مقالہ میں پیش کیے ہیں، دیکھا جائے، یہ نظریہ سمٰوات ادیان وارض اُمم غلط ثابت ہوتا ہے، لیکن حضرت علی جواب میں فرماتے ہیں کہ "توراۃ میں کہاں لکھا ہے کہ سات آسمان بنائے، جبکہ آسمان ایک فضائے بسیط کا نام ہے تو پھر سات عدد کیا معنی"؟ ہم سے دریافت کرنے سے پیشتر اگر حضرت علی اپنے حافظہ سے کام لیتے یا اپنی شائع شدہ تحقیق انیق کو ایک نظر پھر سے دیکھ لیتے تو اپنے ہی حواس کو غیر معتبر نہ ٹھہراتے۔ دعویٰ تو آپ کا ہے کہ چھ یوم میں چھ سمٰوات خلق ہوئے اور یہ کہ ساتواں آسمان (شریعت) اور ارض (اُمت) ساتویں یوم میں خلق ہوئی اور پوچھتے آپ ہم سے ہیں کہ یہ اور وہ کہاں لکھا ہے؟ حق تو ہمارا ہے کہ آپ سے پوچھیں کہ چھ یوم میں چھ سمٰوات وارض آپ نے کہاں سے کس کتاب مقدسؑ سے اخذ کیے اور یہ کہ سبع سمٰوات سات یوم میں خلق ہوئے، کہاں سے لکھے ہیں؟ کیا امریکا ئیہ نے نئے اصول مناظرہ وضع کیے ہیں کہ دعویٰ تو ہماری کریں اور اثبات کے لیے دلیل فریق مخالف سے طلب کی جائے۔ آپ کے دونوں دعوے کہ سمٰوات اور فضاء بسیط ایک دوسرے پر دلیل ہیں، ایک دائرہ میں چکر لگاتے ہیں۔ اگر سمٰوات فضائے بسیط ہیں تو سبع بے معنی اور اگر سمٰوات سبع ہیں تو فضاء بسیط نہیں ہو سکتے۔

ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ دین تو ایک ہی ہے جو دین اللہ اور دین الحق ہے اور قرآن میں اسلام سے تعبیر کیا گیا ہے اور کل کائنات کا دین الفطرت۔ ہے "لہٗ اسلم من فی السمٰوات والارض" اس لیے قرآن میں اگر نظریہ "سمٰوات ادیان" صحیح ہوتا اور یہ "سبع شداد" ہوتے، "ادیان" بصیغہ جمع استعمال ہوتا۔ لیکن کہیں نہیں ہوا، تمام قرآن میں

دین بصیغہ واحد استعمال ہوا ہے، البتہ لوگوں نے اس دین میں شاخسانے نکالے ہیں جو مذاہب سے تعبیر ہوتے ہیں جس کی سند قرآن میں نہیں۔ یہ مذاہب فانی ہستیوں اور انسانی شخصیتوں سے موسوم ہیں، جنہیں ضرورۃً الوہیت کا درجہ الّٰہ حیّ و قیوّم کے ساتھ دیا گیا ہے جن سے اسلام وابستہ اس کی مثال ایک بہائیت بھی ہے، قرآن میں ہمارا نام اُمّت مُسلمہ رکھا گیا ہے جو کسی شخصیت غیر اللہ سے وابستہ نہیں۔ دیگر اہل مذاہب جن کی اکثریت عجمی ذہنیت کو لیے ہوئے ہے، ہمیں بھی اپنے ہی حالات پر قیاس کرتے ہیں، کل حزب بمالدیھم فرحون

حضرت علی نے اس حقیقت کو تسلیم تو کیا ہے لیکن دبی زبان سے اور بظاہر پس سخن ہی کہنا چاہیے' ارشاد فرماتے ہیں: "دین خداوندی اپنی حقیقت میں ازل سے ابد تک ایک ہی دین ہے۔ لیکن اختلاف تشکیلات کی بنا پر یہ سات دین (ادیان ۹) ہیں جن کے ماتحت اقوام (امم ؟) عالم بڑی بڑی ترقیات کر چکی ہیں اور قرآن مجید میں سبع سمٰوات سے مراد یہی سات ادیان عالم ہیں اور ان سمٰوات وارض (وما بینھما ؟) کا بنایا جانا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ یہ سات ادیان اور ان کے زیر سایہ اُمتوں کا ظہور چھ ہزار سال کے عرصہ میں ہوا ہے اور اسی کو قرآن مجید میں ستّۃ ایام فرمایا ہے" ——— اس بدحواسی کا کیا علاج کہ ایک ہی سانس میں یہ دعوٰی کہ آں حضرت کی بعثت سے پیشتر چھ سمٰوات ادیان اور چھ امم فی ستّۃ ایام ظہور میں آ چکی تھیں اور یہ کہ سات ادیان اور ان کے زیر سایہ اُمتوں کا ظہور چھ ہزار سال کے عرصہ میں ہوا جس کو قرآن مجید میں ستّۃ ایام فرمایا ہے"۔

ہم نے لکھا تھا کہ سمٰوات والارض وما بینھما مادی محسوسات ہیں۔ فاضل مدیر جواب میں فرماتے ہیں کہ "اس کی بھی توضیح ہونی چاہیے کہ محسوسات کیا شے ہیں؟ کیا وہ کوئی ٹھوس چیز ہیں؟ کیا یہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے"؟ جو شخص اپنے حواس سے کام لیتا ہے اسے تو غالباً سمجھانے کی ضرورت نہیں، آج ایک طفلِ مکتب بھی جانتا ہے کہ جو کچھ محسوس ہوتا ہے، مادہ ہے جس کی مختلف صورتیں اور تین حالتیں ہیں جن میں سے ایک ٹھوس بھی ہے، یہ امر کہ سمٰوات محض فضا، بلند و وسیع و لامتناہی و بسیط" ہیں جسے حضرت علی بطور حقیقت ثابتہ سمجھتے ہیں، مَیں (جہاں تک میری ذاتی رائے ہے) ایسا نہیں سمجھتا، یہ منصب تو حضرت علی کا ہے کہ واضح فرماتے کہ آپ فضا کسے کہتے ہیں؟ کیا یہ محض "خلا" ہے یا مادہ کی خاص حالت جو ہوا اور "ایتھر" اور اس سے بھی لطیف اور لطیف تر صورتوں میں پائی جاتی ہے، بلند و وسیع و لامتناہی و بسیط لفظوں کی بھرمار سے سمٰوات کی گتھی سلجھنے سے رہی۔

حضرت علی کا یہ ارشاد کہ کیا یہ "قرآن سے ثابت ہوتا ہے"؟ ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے خواہ وہ بُرا ہی مانیں

کہ آپ پر قرآن عظیم کا عالی شان مقام واضح نہیں۔ "بلاغت" قرآن حکیم کا زندہ دائمی معجزہ ہے جو کتاب فطرت کی طرح جس کا یہ بیان ہے اور جس کا مصنف اللہ تعالیٰ ہے، ہر ایک نفس میں نفوذ کرتا ہے اور ہر ایک فہم تک خواہ کتنا ہی بلند و پست ہو، ہر ایک زمان و مکان میں رہنما ہے، ویضل به کثیرا ویھدی به کثیرا وما یضل به الا الفسقین۔ بلاغت کی تعریف قرآن کی ایک ہی آیت سے سمجھ میں آسکتی ہے، ارشاد الٰہی ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِیْغًا ○ (سورۂ نساء آیت ۶۳) یہ قرآنی آیات کی جامعیت کی مثال بھی ہے اور ہدایت بھی ہے اور بلاغت کی تعریف بھی ہے۔ علمی مشاہدات ہمیشہ قرآن حکیم کی تائید میں ہوں گے۔ ان سے جو کچھ نتائج تصورات علوم کی ترتیب سے اخذ کیے جاتے ہیں، جنہیں "نظریہ" کہتے ہیں "ویضل به کثیرا ویھدی به کثیرا" کے تحت آتے ہیں۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "بے شمار دنیائیں اس فضائے لامتناہی میں اس طرح گشت لگا رہی ہیں جیسے پرندے فضاء میں گھومتے ہیں یا جیسے ابر کے ٹکڑے تیزی سے حرکت کرتے ہیں۔" لامتناہی کا تصور آپ کے ذہن میں خواہ کتنا ہی بلند ہو آ ہی نہیں سکتا۔ رہی "بے شمار دنیائیں" اور ان کی گردش، آپ نے حسب عادت "سماء" اور "جو سماء" اور "فلک" کو بھی ہم معنی الفاظ سمجھا ہے، ارشاد الٰہی ہے کہ اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ (نحل آیت ۷۹) "السَّمَآء" اس آیت میں سماء دنیا ہے، آپ اسے شوق سے فضاء بسیط کہیں لیکن ہے یہ بھی مادہ۔ ہمارے ایک محترم فاضل دوست نے آیہ "کل فی فلك یسبحون" قرآنی آیات کی جامعیت اور بلاغت کی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے، "کل فی فلك" کے لفظوں میں بھی وہی تیز حرکت (سبح) اور گردش ہے جو اجرام سماوی اور ہمارے کرہ ارض کی گردش میں محور اور مدار پر ہے۔ علم ہیئت کے عالم تو اپنے نظریوں کو ظنی ہی کہتے ہیں لیکن حضرت علمی سنی سنائی باتوں کو حقیقت ثابتہ سمجھتے ہیں۔ کوئی نظریہ حقیقت ثابتہ نہیں جب تک کسی علمی شہادت سے تائید نہ ہو اور یہ بھی آخری علمی تحقیق نہ ہوگی۔[۱] جو حضرات زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، "اشھد وا خلقھم"[۲]۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار قوتیں حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، کچھ ان سے بھی کام لینا چاہیے، جو امور ان سے حاصل ہو سکتے ہیں، ان کی طرف صحیح ہدایت قرآن فرماتا ہے۔

---

۱ ما اشھدتم خلق السمٰوات والارض وخلق انفسھم

۲ کیا وہ زمین و آسمان کے بننے کے وقت موجود تھے۔

ارشادِ الٰہی ہے: خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ[1] ○ (سورہ الملک آیت ۳) قوانینِ فطرت میں کہیں اور کبھی تفاوت نہیں، جس طرح زمین کی تخلیق طبقات سے ہوئی ہے جیسا کہ "علم طبقات والارض" سے تشریح ہوتی ہے، اسی طرح اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ (سورہ تحریم آیت ۱۲) سموات بھی طبقًا علیٰ طبقٍ واقع ہیں۔ یہ قانون طبق کائنات کی ہر ایک شے میں نافذ ہے، درخت کی چھال اور بال کی کھال میں بھی یہی طبقات ہیں۔ حضرت علی کے ذہن رسا نے یہ بات پیدا کی ہے، ارض السمٰوات میں مماثلت سبع طبقات میں ہے۔ قرآن آپ کے ذہن رسا تک بھی رسا ہے۔

حضرت علی کا ارشاد تھا کہ سماء اور ارض کے لغوی معنی بلندی و پستی ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ علم الالسنہ کی رو سے ہر ایک زبان کے ہر ایک لفظ کا ابتدائی یا لغوی مفہوم محسوسات کو تعبیر کرتا ہے۔ جواب میں فرماتے ہیں کہ علم الالسنہ کے حقائق میں سے یہ بھی ہے کہ "جس وقت جو الفاظ محسوسات کے لیے رائج ہوئے وہ محسوسات کے لیے اور جس وقت جو الفاظ معنوی اور روحانی چیزوں کے لیے جاری ہوئے وہ اپنی جگہ استعمال کیے گئے"۔ علم الالسنہ کی رو سے یہ فقرہ بالکل مہمل ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک زبان کے مفرد الفاظ Radical بہت تھوڑے ہوتے ہیں، اہلِ زبان اپنی الفاظ کی ترکیب سے مرکب الفاظ قوانین تصریف کے تحت وضع کرتے ہیں، جن کا اصطلاحی مفہوم خواہ کچھ ہو اصل لفظ کے ابتدائی مفہوم سے مناسبت ضرور رکھتا ہے، جس علم کے مبادیات کا بھی علم نہ ہو اس پر بحث کا حصر اہلِ تحقیق کی پسندیدہ روش نہیں۔

فاضل مدیر نے تحریر فرمایا تھا کہ سماء قرآن میں بادل کے لیے بھی استعمال ہوا ہے: ہم نے لکھا تھا کہ یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے، قرآن میں لفظ "سحاب" استعمال ہوا ہے۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ "اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ جس کتاب کے الفاظ زیر بحث ہیں وہ کتاب ان الفاظ کو کن معنوں میں استعمال کر رہی ہے"، آپ لغت کی دو کتابوں "منجد" اور "کلیات ابی البقاء" کا حوالہ دیتے ہیں کہ "سماء" کے معنی "سحاب" (بادل) اور "مطر" (بارش) بھی ہیں۔ یہ منجد اور کلیات کیا بلا ہیں؛ نصوص قرآنی کی رو سے سماء کے معنی نہ سحاب ہیں اور نہ سحاب اور مطر ہم معنی الفاظ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ قرآن میں بادل کے لیے لفظ "سحاب" ہے۔ آپ کو اس امر کی ضرورت محسوس

---

[1] اگر کائنات میں کسی جگہ ذرہ بھر بھی فطور یا فروج یعنی خلا ہوتا جو محال ہے تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا اور لازمًا قانونِ فطرت میں بھی تفاوت ہوتا۔

ہوئی کہ اگر سحاب اور سماء ہم معنی ثابت نہ ہوئے تو آپ کا تمام دعویٰ غلط ٹھہرے گا، لیکن جملہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہ ملی جو "انزل من السماء ماء" کی طرح "انزل من السحاب ماء" ہو، اس لیے آپ نے آیہ "افرأیتم الماء الذی تشربون ءانتم انزلتموہ من المزن" کی آڑلی کہ مزن اور سحاب مترادف الفاظ ہیں چونکہ سماء سے بھی پانی نازل ہوتا ہے، مزن سے بھی، اور مزن اور سحاب دونوں برابر ہیں، اس لیے اصول متعارفہ کے تحت سماء اور سحاب بھی برابر ہیں، الحق قرآن آپ کے ذہن تک بھی رسا ہے۔

آپ منجد اور کلیات وغیرہما کو تھوڑی دیر کے لیے طاق نسیان پر رکھ دیں اور جس اصل اصول کو آپ نے دانستہ یا نادانستہ تسلیم کیا ہے، اسے مدنظر رکھتے ہوئے دیکھیں کہ قرآن ان الفاظ کو کن معنوں میں استعمال کرتا ہے اور علمی مشاہدات اور اکتشافات سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ نے لغت کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سماء کے معنی ہر بلند شے، گھوڑے کی پیٹھ، بادل اور بارش۔ بادل اور بارش بھی ایک ہی چیز نہیں اور گھوڑے کی پیٹھ سے دُور کی نسبت بھی نہیں۔ قرآنی آیات بیّنات کی عربی مبین غیر ذی عوج کی بلاغت سے یہ امر بہت بعید ہے کہ الفاظ کو اس طرح استعمال کرے۔ علم الالسنہ کی رو سے کسی زبان میں ایک سے زیادہ الفاظ جو مترادف سے تعبیر ہوتے ہیں، بالکل ہم معنی نہیں ہوتے، ان کے استعمال اور مفہوم میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ سماء، وسحاب ومزن ومطر وغیرہم کے الفاظ ہیں۔

جس طرح ارض پر بحر وبر یعنی تر وخشک موجود ہیں، اسی طرح سطح زمین سے اوپر کرّہ ہوا بھی خشک وتر کا حامل ہے۔ ایک ہوا خشک ہے۔ جسے قرآن میں "ریح العقیم (۵۱/۴۱) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں ہوا کے اجزاء آکسیجن اور نائٹروجن ہوتے ہیں اور یہ ہمیشہ "غاز" Gas ہی ہوتی ہے اور اس کی مقداروں میں کمی بیشی نہیں ہوتی، دوسری صورت میں ہوا میں آبی اجزاء کم وبیش ہوتے ہیں جو ہمیشہ سطح سمندر اور دیگر آبی سطحوں اور یخ اور برف اور نباتات اور دیگر نم دار اشیاء سے بخارات بن کر ہوا میں ملتے رہتے ہیں اور حرارت کی کمی بیشی کے مناسب پھیلتے اور سکڑتے ہیں، ان کی مقدار اور صورت (تصریف الریح ۲/۱۶۴) ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لیے قرآن میں یہ سب حالتیں "ریاح" کے تحت آجاتی ہیں اور مختلف حالتوں کے لحاظ سے ان کو الریح لواقح (۱۵/۲۲) وغیرہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ جوں جوں حرارت بڑھتی ہے۔ ہوا میں بخارات کی مقدار بھی بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن ہر ایک شے کی حد و نہایت ہے، دنیا میں کوئی شے لامتناہی نہیں۔ جب ہوا سیر ہو کر قدر کی حد تک آجاتی ہے تو بخارات کا عمل رُک جاتا ہے۔

سطحِ زمین سے قریب تر طبقہ میں بخاراتِ آبی دھند اور کہر کی صورتوں میں نظر آتے ہیں اور بلند اور بلند تر طبقات میں بادلوں کی صورت میں رونما ہوتے ہیں۔ محققین لیوک ہورڈ Luke Howord وغیرہ نے بادلوں کو "سبع طبقات" میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے تین مفرد اور چار مرکب ہیں، ان ساتوں میں سے ایک مفرد "السحاب" Cirru ہے۔ یہ نسبتاً بہت ہلکے بادل ہوتے ہیں اور ہوا کے بلند تر طبقہ میں ایک طرف یا ہر طرف اڑتے نظر آتے ہیں، انہی کے تعلق سے ہمیں کرۂ ہوا میں مختلف حرکات اور اوپر کے طبقات کا علم ہوا ہے، ان کا تعلق طوفان باد اور دیگر فضائی تغیرات سے بہت گہرا ہے۔ اس موضوع پر محققین یورپ نے خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ دوسری مفرد صورت "السحاب الثقال"[1] Cumulus ہے۔ یہ بھاری بادل محدب اور مخروطی شکل میں افق سے اُٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کرۂ ہوا کے نچلے طبقہ میں پائے جاتے ہیں۔ تیسری مفرد صورت "سحاب بسیط"[2] Stratus ہے۔ یہ عموماً وادیوں اور نشیب زمین کے اوپر سیلاب کی طرح ہوا میں بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، چوتھی مرکب صورت "سحاب مرکوم" Cirro-Cumulus ہے۔ بلند تر طبقہ میں بادلوں کے ٹکڑے ایک دوسرے سے علیٰحدہ دکھائی دیتے ہیں اور ان کے مابین آسمان کے حصے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ ٹکڑے پانچویں مرکب صورت "سحاب کسیف"[3] Cirro-Stratus سے موسوم ہے۔ یہ ٹکڑے دراصل "السحاب" کے تار و پود پر بکھرنے سے بنتے ہیں اور "سحاب مرکوم" کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بادل زمین کی طرف جھکے ہوئے نظر آتے ہیں "سحاب کسیف" صرف ٹکڑوں کی صورت میں دکھائی دیتے جب یہ باہم ملتے ہیں تو چھٹی مرکب صورت "سحاب مولف" Cumulo Stratus میں آ جاتے ہیں۔

اس کے بعد یہ پیوستہ بادل ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہو کر پھیل جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ "سحاب مرکوم" تعبیر ہوتے ہیں، ان سات قسموں میں سے یہ چھ قسمیں ایسے بادل ہیں جن سے مینہ کا پانی نہیں برستا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں سحاب کو برسانے والا نہیں کہا گیا۔ ساتویں مرکب قسم "المزن" Nimbus تینوں مفرد قسموں سے مرکب ہوتی ہے اور یہ ابر بارندہ یا بادل برسنے والا ہے، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔

لفظ "ماء" جس میں حضرت علمی نے بہت غوطے کھائے ہیں (معاف فرمایئے، محض سخن گسترانہ بات ہے) قرآن میں ایسے پانیوں کے لیے استعمال ہوا ہے جن میں نباتات اور حیوانات کی زندگی اور پرورش کے خواص میں یہ پانی کرۂ

---

[1] هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ (رعد ۱۲-۱۳)

[2] اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ (روم ۴۸)

[3] أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ (نور ۴۳)

ارض پر بحر و بر اور ہوا میں پایا جاتا ہے۔ کرۂ ہوا میں اوّل تو بخارات بن کر بہت کچھ صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے پھر مختلف ہواؤں اور بجلی کی رو میں آکر مضر جراثیم سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن میں اس پانی کو جو برستا ہے "ماءً طهورا" (۲۵/۴۸) کہا گیا ہے اور چوں کہ طبقہ نباتات وحیوانات کے لیے بے شمار برکتوں کا حامل ہے اس لیے "ماءً مبارکا" (۵۰/۹) بھی کہا گیا ہے "ماء" کا اطلاق ایسے پانی پر بھی ہے جو پہاڑوں اور پتھروں سے پھوٹتا ہے (۲/۷۴) جو دریاؤں، ندی نالوں میں بہتا ہے (۲/۱۴ و ۱۶/۱۵) پھر اس کی اور بھی قسمیں ہیں۔ ایک وہ پانی ہے جو جھیلوں اور تالابوں اور جوہڑوں میں کم و بیش بحالت سکون پایا جاتا ہے اس کے لیے خاص لفظ "یم" ہے (۷/۱۳۶) وہ بھی "ماء" ہے جسے حقیر اور مذموم معنوں میں "ماءٍ مهين" (۷۷/۲۰)، "ماءٍ صدید" (۱۴/۱۶)، "ماءٍ کالمهل" (۱۸/۲۹) اور "ماءٍ دافق" (۸۶/۶) بھی ہے یہ ظاہر ہے کہ پانی کا منبع خواہ ان میں کوئی ہو، "سماء" نہیں اور نہ سماء کے معنی بادل ہے۔ قرآن میں بارش کے پانی کے لیے لفظ "الودق" استعمال ہوا ہے۔ لفظ "مطر" ہمیشہ مذموم معنوں میں استعمال ہوا ہے، اس کا مفہوم بارش ہے خواہ یہ تکلیف دہ بارش کا پانی ہو (۴/۱۰۲) یا پتھراؤ (۱۱/۸۲)۔ من جانب اللہ پانی برستا ہے، سماء سے برستا ہے، مزن سے برستا ہے، کیا اللہ اور سماء اور مزن مترادف الفاظ ہیں؟

حضرت علی ہم سے دریافت فرماتے ہیں کہ "سموات" کی نسبت ہمارا اپنا کیا خیال ہے؟ وہی کچھ ہے جو "اولی الالباب" (۳/۱۹۰) "تذکر و تفکر" سے خیال کرتے ہیں کہ سموات والارض وما بینهما کی تخلیق باطل نہیں جو اولی الابصار (۳/۱۳) واقعات اور حوادث سے جو اس عالم اضداد میں کائنات کی قوتوں کی متحدہ اور متفقہ عمل سے رونما ہوتے ہیں، "عبرت" حاصل کرتے ہیں اور اہل یقین خیال کرتے ہیں، وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (انعام ۷۶)، یہ وہ مشاہدات ہیں جن سے قلب سلیم پر خالق کی عظمت چھا جاتی ہے اور فانی ہستیوں کی پوجا پاٹ سے مخلصی حاصل ہوتی ہے اور انسان اپنے منصب جلیلہ یعنی "خلافت" سے آگاہ ہو کر سموات والارض پر حکومت کرنے کا اہل ہو جاتا ہے اور ہر ایک شے کو جو آسمانوں اور زمین میں اور اس کے احاطہ علم میں آچکی ہے۔ اپنے فائدہ کے لیے مسخر شدہ یقین کرتا ہے۔ غالباً شیخ سعدیؒ سے بھی کسی نے سموات کے متعلق اپنا نظریہ بیان کیا تو فرمایا:

تو کار زمیں را نکو ساختی، کہ بر آسماں نیز پرداختی

آخر میں ہم اپنی پہلی گذارش مودبانہ دہراتے ہیں کہ آپ اپنے نظریہ کو اپنی کتاب کے الفاظ میں واضح فرمائیں امید ہے کہ تیسری دفعہ اسے دُہرانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ذوقِ قرآن

(۷)

کتابِ الٰہی و صحیفۂ فطرت

(ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برقؔ ایم اے پی ایچ ڈی کیمبل پور)

حیوانات | اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ۝

(سورہ یٰس آیت ۷۱ تا ۷۳)

کیا دیکھتے نہیں کہ حیوانات ہم نے پیدا کیے۔ لیکن ان کے مالک تم بنے ہوئے ہو۔ ہم نے (ہاتھی، گھوڑے) اونٹ اور گھوڑے جیسے جانوروں کو تمہارا یوں مطیع کر دیا کہ تم ان پر سوار ہوتے ہو اور انہیں کھاتے بھی ہو۔ ان کے بالوں، چمڑوں، ہڈیوں اور گوبر وغیرہ میں تمہارے لیے کس قدر فوائد ہیں اور پھر غور کرو کہ ہم خون سے کیوں کر دودھ تمہارے لیے مہیا کرتے ہیں کیا تم اب بھی ناشکرے رہو گے؟

ایک چوہے کو ہاتھ میں پکڑو تو کاٹتا ہے۔ بھڑ کے قریب جاؤ تو ڈنک مارتی ہے۔ ہرن میل بھر سے دوڑ جاتا ہے۔ بھیڑیئے یا پلنگ پر سواری ناممکن ہے، حالانکہ یہ گھوڑے سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر اونٹ کسی وقت باغی ہو جائے تو مالک کو گھٹنوں کے نیچے پیس ڈالتا ہے۔ کینۂ شتر مشہور ہے۔ اگر بیل یا بھینسا سرکش ہو جائے تو تمام گھر آناً فاناً مسمار کر دے۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی نوازش ہے کہ اونٹ، گھوڑے، بیل، بھینس اور ہاتھی جیسے شہ زور حیوان ہمارے اشارۂ نگاہ کے مطابق کام کر رہے ہیں، ہمارے بوجھ اٹھا رہے ہیں، ریگستانوں میں سے ہمیں اٹھا کر پار لے جا رہے ہیں اور کان تک نہیں ہلاتے۔ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ۝

پھر ہر گائے اور ہر بھینس ایک مشین ہے جو ہمارے لیے اکمل الاغذیہ یعنی دودھ مہیا کرتی ہے۔ اگر دودھ کا رنگ سرخ، سبز یا سیاہ ہوتا تو ہمیں نفرت سی آتی۔ چاندنی کی طرح شفاف نہریں تھنوں سے بہ رہی ہیں۔ ہمارے علم اور کاریگری کے بغیر چل رہی ہیں۔ بسا اوقات بچھڑے تک کے لیے دودھ نہیں بچتا۔ گوالن تمام دودھ دوہ لیتی ہے۔ لیکن گائے خاموش کھڑی رہتی ہے۔ یہ اس لیے کہ گائے ہماری پرورش کو بچے کی پرورش پر ترجیح دیتی ہے۔

اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ

ہندوؤں نے گائے کی اس قربانی سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں اس قدر دل کش مناظر ہر سُو بکھرے ہوئے ہیں اور ان سے جُود و سخا کی وہ تجلّیاں چھن رہی ہیں کہ

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

حضرت ابراہیمؑ کو درخشاں ستارے پر خدا ہونے کا دھوکا لگ گیا تھا:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج (سورہ الانعام آیت ۷۶)	جب رات چھاگئی اور فضا کی وسعتوں میں ایک حسین ستارہ دیکھا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ یہی میرا رب ہے۔

صابئین نے سورج کو خدا تسلیم کیا۔ زرتشت اور موسیٰؑ نے آگ میں الٰہی تجلیاں دیکھیں۔ صوفیائے کرام کو ہر گل میں گلستان کا منظر دکھائی دیا۔ شیدایانِ دیدانت نے ہر ذرّہ میں صحرا کا تماشہ دیکھا۔ اس حسین دنیا میں ہر سُو نور و تجلّی کے وہ حیرت انگیز مناظر موجود ہیں کہ ہر چیز پر مظہرِ خدا ہونے کا دھوکا لگتا ہے۔

ایک بچہ باپ کے ساتھ بازار میں جاتا ہے جس مٹھائی کو پہلے دیکھتا ہے، اس کے خریدنے کی تمنّا ظاہر کرتا ہے لیکن والد ساتھ ہے، وہ بہترین چیز خرید کر دیتا ہے۔ اگر ہماری انگلی رسولؐ کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو ہم اس نادان بچے کی طرح ہر چیز کی پرستش پر اُتر آتے۔ ہر رسول نے ببانگِ دہل اعلان کیا تھا کہ دیکھو، ان مناظر میں کہیں اُلجھ کر نہ رہ جانا۔ تمہارا مسجود وہ قادر و برتر رب ہے جو ان کھلونوں کا خالق ہے اور یہ مناظر تمہارے غلام و مطیع ہیں، نہ کہ معبود و مسجود:

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (سورہ بقرہ آیت ۲۲) یہ زمین تمہارا بستر اور آسمان تمہاری چھت ہے۔

اقسامِ حیوانات | حیوانات کی مختلف قسمیں ہیں۔ وحوش، طیور، حیوانات وغیرہ۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ

لہ یہ واقعہ نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہم ہ گھنٹوں میں اللہ کے سوا تین رب تسلیم کر لیے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کھلے میدان میں ایک مناظرہ تھا جس کی روئداد بیان کی جا رہی ہے او حضرت ابراہیمؑ بطور احتجاج و استدلال گفتگو فرما رہے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ط قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ط (الانعام آیت ۸۱) قوم نے آپ سے بحث کی، آپؑ نے فرمایا، تم میرے ہدایت کرنے والے خدا کے بارے میں مجھ سے بحث کرتے ہو...... وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ط نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط اور یہ (اجرام سماوی کے غروب ہو جانے کی دلیل) ہماری (ربّانی) دلیل تھی۔ جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلے پر دی تھی۔ جسے ہم چاہتے ہیں، درجوں میں بلند کرتے ہیں۔ (البیان)

جن میں صرف لمس کی حس ہے اور بس۔ مثلاً اصداف، دلدلی جراثیم اور بطونِ حیوانات کے کیڑے۔ بعض دیگر میں صرف ذوق و مس ہے مثلاً پھلوں اور پھولوں پر پلنے والے چھوٹے چھوٹے کیڑے۔ بعض میں تین حواس ہیں، لمس ذوق اور شم۔ مثلاً وہ حیوانات جو سمندر کی گہرائی یا دیگر تاریک مقامات میں پلتے ہیں۔ بعض میں چار حواس ہیں، اور صرف بصر سے محروم ہیں۔ مثلاً تاریک غاروں میں بسنے والے حیوانات جو روشنی نہ ہونے کی وجہ سے نظر سے بے نصیب رہتے ہیں۔ پانچ حواس والے حیوانات سے ہر کوئی آگاہ ہے۔ قدرت کا کمال دیکھیے کہ ان میں سے ہر جانور اپنی تخلیق میں مکمل ہے۔

خوردبینی اجرام (Protozoa) یہ حیوانات صرف ایک خلیہ سے بنے ہیں اور سب سے پہلے یہی جانور عالمِ وجود میں آئے تھے۔ آج ان جانوروں کے خول ان پہاڑوں میں ملتے ہیں جو لاکھوں سال تک پانی کے نیچے رہے جس سے لازماً ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ ابتدائی کیڑے موجودہ ارتقا یافتہ انواع کے آبا و اجداد تھے۔ بہت سے پتھر اور خصوصاً چونے کے پتھر انہی جانوروں سے تیار ہوتے۔ اہرامِ مصری پر ان جانوروں کی کئی انچ موٹی تہیں ملتی ہیں۔ ملیریا وغیرہ امراض انہی اجرام کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ یہ خوردبینی اجرام اپنی حفاظت مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ ایک گھنٹے میں لاکھوں بچے دیتے ہیں۔ بسا اوقات سبزیوں کے نیچے اور پانی کے جوہڑوں میں پناہ لیتے ہیں۔ ہیضہ کا جرثومہ ایک دن میں ۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ بچے پیدا کرتا ہے تاکہ تباہی کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

تنوع بعض حیوانات چلتے نہیں، لوٹتے ہیں، مثلاً برف کے کیڑے۔ بعض سرکتے ہیں جیسے کہ اصداف۔ بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں مثلاً سانپ۔ بعض دوڑتے ہیں مثلاً چوہا۔ بعض دو پروں سے اڑتے ہیں بعض چار پروں سے مثلاً ٹڈی۔ بعض کے دو پاؤں ہوتے ہیں بعض کے چار، بعض کے چھ بعض کے اس سے بھی زیادہ۔ یہاں تک کہ ہزار پاؤں والے جانور بھی موجود ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورہ نور آیت ۴۵)	اللہ نے ہر جانور کو سمندر سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض پیٹ کے بل اور بعض دیگر دو اور بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ اس قسم کے تنوع و اختلاف پر قادر ہے۔

اللہ نے حیوانات کی لاکھوں انواع بنائیں اور ہر نوع کے افراد لاانتہا تعداد میں پیدا کیے۔ ہر نوع کا

ل، عملی ہیئت وغیرہ دوسری نوع سے مختلف رکھا۔ پھولوں اور سبزوں پر بعض چھوٹی چھوٹی مکھیاں اس قدر تی ہیں کہ اگر پکڑ کر دیکھنا چاہو تو انڈے کی طرح پھٹ جاتی ہیں۔ لیکن کمال یہ ہے کہ ان میں باقاعدہ گردے، پھیپھڑے، معدہ، انتڑیاں، دماغ، آنکھیں، پر، ٹانگیں وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور اسی چھوٹے سے انجن میں ی بھرا ہوا ہے کہ باقاعدہ اُڑ رہا ہے۔ اللہ کا کمال دیکھنا ہو تو کوہ ہمالیہ مت دیکھو، بلکہ یہ چھوٹے چھوٹے اُڑتے ن دیکھو۔ ان کے رنگ پر غور کرو۔ منہ، پاؤں، آنکھیں اور سر دکھائی تک نہیں دیتے۔ لیکن پھر بھی یہ مکمل جسم ہم میں چھوٹی چھوٹی رگیں ہیں جن میں خون دوڑ رہا ہے۔ ایک چھوٹا سا پیٹ ہے جس میں غذا جا رہی ہے۔ یہ جسم اللہ نے کس طرح تیار کیا ہوگا۔ شانہ فطرت کا کتنا باریک، نازک اور ادق تخیل ہے کہ انسانی عقل تھرتھرا ہے۔ یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ

ناوری | جنگلی جانور اپنی حفاظت خود کرتے ہیں اس لیے چست، چالاک، تیز، تندرست، درّاک اور حیلہ باز ہے لیکن گائے، بھینس، گدھے وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ انسان نے لے رکھا ہے۔ اس لیے یہ کاہل، بھدے ت ہوتے ہیں۔ جو قوم اپنے قواء کو استعمال نہیں کرتی، اللہ اس سے قوائے عمل چھین لیتا ہے۔ مسلمانوں کو ، اندھا اور بہرا بنا رکھا ہے، اس لیے کہ اس قوم نے قوائے مفکرہ کا استعمال چھوڑ دیا ہے۔ اللہ نے اس قتیں ہی چھین لیں۔ آج جس مُلّا کو دیکھو، افلاطون وارسطو، ابوحنیفہ و شافعی، بوعلی سینا اور ابنِ رشد کے ے رہا ہے۔ اور خود سوچنا گناہ خیال کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سیاسی رہنما ہر بات میں مغربی نظریوں سے ہے ہیں۔ مغربی وطنیت، مغربی جمہوریت اور مغربی قومیت پر نظامِ عالم کی تعمیر ہو رہی ہے۔ سٹالن، ہٹلر، ن، نولڈکے، کارلائل اور روسو کی تحریرات کو اخلاقی و روحانی پہلوؤں کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ، ایک غلام دماغ سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں ہو سکتی ؎

مکتب از تدبیر او گیرد نظام

تا بکامِ خواجہ اندیشد غلام (اقبالؒ)

ا حیوانات | حرکت تلاشِ غذا کے لیے ہے۔ چوں کہ درختوں کو غذا ہوا و زمین سے مل جاتی ہے اس ی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض درخت بھی تلاشِ غذا کے لئے چلتے پھرتے تو دنیا میں بڑی بدنظمی ی۔ ہر روز ہزاروں درخت سڑکوں کے درمیان آجاتے، آمدورفت بند ہو جاتی۔ زید کے کھیت سے ، کر عمر کے کھیت میں چلے جاتے اور باغوں سے بھاگ کر پہاڑوں پہ چڑھ جاتے۔

چوں کہ حیوان کی خوراک دنیا میں ہر سو پھیلی ہوئی ہے، اس لیے وہ چلتا پھرتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو وہی خصوصیات عطا کیں جن کی اسے ضرورت تھی۔ مثلاً سپنج ایک ایسا جانور ہے جو اپنے مقام کو نہیں چھوڑتا۔ اس لیے کہ اس کی غذا وہیں موجود ہوتی ہے۔ سی سکرٹ (Sea-squirt) غذا کے لیے صرف اتنی ہی تکلیف کرتا ہے کہ اپنے خول سے سر باہر نکالتا ہے اور بس۔

حالات کے مطابق مختلف جانوروں کی حرکات مختلف ہیں۔ بعض دن کو سوتے ہیں اور رات کو نکلتے ہیں وبالعکس۔ بعض جانور سخت گرمی یا سردی میں مکان کی چھتوں اور سوراخوں میں مہینوں نہاں رہتے ہیں اور مرتے نہیں۔ جوہڑ خشک ہونے کے بعد مینڈک زمین کی ایک تہ سے چپک جاتا ہے اور برسات میں باہر نکل آتا ہے۔ مہینوں اور بسا اوقات برسوں بغیر غذا کے مینڈک کا زندہ رہنا تخلیق کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ جن جانوروں کی غذا سہل الحصول اور زیادہ ہوتی ہے، وہ موٹے اور بھدّے بن جاتے ہیں۔ مثلاً ہاتھی۔ بھینسا۔ مینڈک وغیرہ وجہ یہ کہ انہیں تلاشِ غذا کے لیے دوڑ دھوپ کم کرنا پڑتی ہے اور ان کے دشمن بھی کم ہوتے ہیں۔ ہرن کی خوراک ہر جگہ بافراط ہے لیکن اس کے دشمن اس قدر زیادہ ہیں کہ ذرا سی آہٹ پر اسے میلوں بھاگنا پڑتا ہے۔ اس لیے بے حد پھرتیلا اور چست ہوتا ہے۔ کثرتِ اعداد بھی الٰہی رحمت ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے بازاروں میں موٹے موٹے بھدّے بیل نظر آتے ہیں جنہیں ہندو متبرک سمجھ کر مرغن غذائیں کھلاتے ہیں۔ اس کاہلی اور کم کوشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں چلنا تک گراں ہوتا ہے۔ خاندان مغلیہ اور عباسیہ کے آخری فرماں روا بے حد کاہل اور سست ہو چکے تھے۔ اس لیے اللہ نے انہیں بے کار سمجھ کر دنیا سے رخصت کر دیا۔

مینڈک کے دشمن خشکی پر کم ہوتے ہیں۔ اس لیے پانی کی نسبت خشکی پر اس کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ اسے صرف سانپ کا کچھ خطرہ رہتا ہے۔ اس لیے اللہ نے اسے کودنا سکھلا دیا کہ رینگتے ہوئے سانپ کی زد سے بچ جائے۔

مرجان کا گذارہ اس بکٹیریا پر ہوتا ہے جو بحری پانی میں بافراط موجود ہوتا ہے۔ مرجان صرف پانی پی لیتا ہے اور اس کی تسلّی ہو جاتی ہے۔

مادہ مچھر | مادہ مچھر انڈے دے کر کمزور ہو جاتی ہے اور اسے تقویت کے لیے انسانی خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ نے اسے ایک نشتر اس کام کے لیے عنایت کیا ہے۔ نر مچھر جوہڑوں وغیرہ پر گذارہ کر لیتا ہے۔ چوں کہ مچھر گرمیوں میں انڈے دیتا ہے۔ اس لیے گرمیوں میں ہی وہ انسانی خون کا پیاسا رہتا ہے۔ مادہ مچھر کو انسانی

خون کی اس لیے بھی ضرورت ہوتی ہے کہ بقاء نسل کے لیے اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔

حیوانات کی عمریں | کچھوا سو سال، بعض مچھلیاں ۱۵۰ سال، عقاب ۱۱۰ سال، کتا ۳۵ سال، گھوڑا ۴۰ سال گائے ۲۵ سال، بلی ۴۰ سال، مرغی ۳۰ سال، بطخ ۵۰ سال اور مگرمچھ ۴۰ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

چند عجائبات | ایک جانور ہیمسٹر (Hamster) چھ ماہ سوتا ہے۔

۲۔ بعض سمندروں میں ایک ایسا گدھا ملتا ہے جو ڈوبتے انسان کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ساحل پہ چھوڑ آتا ہے۔

۳۔ موتی ایک ایسا جانور ہے جو صدف کی کشتی میں سوار ہوکر پہلے سطح دریا پر تیرتا رہتا ہے اور اس کے بعد گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس کے منہ کے آگے ایک جالی ہوتی ہے جس سے صاف غذا چھن کر اندر جاتی ہے اس جالی کے پیچھے کئی منہ اور ہر منہ کے چار ہونٹ ہوتے ہیں۔ موتی کی پیدائش خورد بینی حیوانات اور ریت کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ یہ حیوانات ایک لیس دار مادہ خارج کرتے ہیں جو ریت کو منجمد کرکے پتھر بنا دیتا ہے اور اسی کا نام موتی ہے۔

۴۔ گرگٹ کا سر بڑا، گردن چھوٹی اور دُم سانپ کی طرح ہوتی ہے۔ جب وہ درخت پر ہو تو اس کا رنگ سبز ہوتا ہے اور کبھی زرد نظر آتی ہے۔ ہیجان کی صورت میں اس کی پشت پر خطوط متقاطعہ نمودار ہو جاتے ہیں جو آہستہ آہستہ تمام جسم پر پھیل جاتے ہیں اور غصے میں اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔

۵۔ ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بیمار ہتھنی کا علاج کیا اور وہ اچھی ہوگئی۔ پندرہ سال کے بعد اتفاقاً وہی ہتھنی راہ میں مل گئی اور دوڑ کر میرے پاس آگئی۔ اپنا خرطوم میرے اردگرد ڈال دیا اور یوں محبت سے پیش آئی جس طرح دو دوست مدت کے بعد ملیں۔

۶۔ ایک اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں نے ایک درخت کے نیچے ایک ٹیکہ کیا، اوپر چند بندر دیکھ رہے تھے۔ میں سامان وہیں چھوڑ کر کسی ضرورت کے لیے اِدھر اُدھر چلا گیا۔ مڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بندر ایک چھوٹے بندر کا ٹیکہ کر رہا ہے۔

۷۔ مادہ مینڈک پانی میں انڈے دیتی ہے۔ نر اُن انڈوں پر مادہ منویہ ڈال دیتا ہے۔ یہ انڈے ایک بدذائقہ جھلی میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ کوئی آبی جانور منہ نہ ڈال سکے۔ اس جھلی میں خورد بینی حیوانات داخل ہوکر نائٹروجن خارج کرتے ہیں تاکہ انڈوں کی نشوونما ہوسکے۔ یہ جھلی آہستہ آہستہ سانس بھی لیتی ہے۔ اسی تنفس کی بدولت انڈے گہرائی سے ابھر کر سطح پر آجاتے ہیں۔ ایک مینڈک کے انڈوں کی تعداد ۱۰۰۰ سے ۲۰۰۰ تک ہوتی ہے۔ جب

بچے پیدا ہوتے ہیں تو وہ پہلے اپنی لمبی دُم سے تیرتے رہتے ہیں۔ جب ان کے پنجے (چپّو) نکل آتے ہیں تو یہ دُم غائب ہوجاتی ہے۔ مینڈک نتھنوں کے علاوہ جلد سے بھی سانس لے سکتا ہے۔

۸۔ اونٹ کے عجائبات | (۱) اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو گول پاؤں دیے تاکہ ریگستانوں میں آسانی سے چل سکے۔

(۲) لمبی ٹانگیں دیں تاکہ سفر جلدی طے ہو۔

(۳) لمبی گردن دی تاکہ زمین اور درخت ہر دو سے غذا بآسانی حاصل کرسکے۔

(۴) کوہان میں پانی اور چربی کی اتنی مقدار جمع کردی کہ چار ہفتوں تک بے آب و گیاہ رہ سکے۔

(۵) اگر شتربان بے توشہ ہوجائے تو ناقہ کا دودھ پی سکے۔

(۶) اونٹ کی غذا تمام وہ جنگلی پودے اور درخت بنائے جنہیں دوسرے جانور عموماً چھوتے تک نہیں۔

(۷) اسے سخت منہ دیا کہ بیاباں میں کیکر تک کو کھا سکے۔

(۸) بہت بھاری بوجھ اٹھانے کی طاقت دی اور کوہان کے پاس شتربان کے لیے علیحدہ جگہ بنا دی کہ شتربان کو چلنا نہ پڑے۔

(۹) مطیع و فرماں بردار بنا دیا کہ صحیح معنوں میں اس سے فائدہ اُٹھایا جاسکے۔

(۱۰) اونٹ اگر ایک دفعہ راہ دیکھ لے تو اسے برسوں تک یاد رکھتا ہے، خواہ اس کے تمام نشانات مٹ گئے ہوں۔ اونٹ کے انہی عجائبات کی طرف یوں متوجہ کیا گیا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ۝ (غاشیہ ۱۷-۱۸)	دیکھتے نہیں کہ اونٹ کس طرح پیدا کیا گیا اور آسمان کیوں کر اُٹھایا گیا۔

الغرض قرآن حکیم میں بار بار انعام و دواب کی طرف مسلم کی توجہ منعطف کرائی گئی۔ لیکن یہ کچّی روٹی پڑھا ہُوا مسلمان ان چیزوں کی طرف توجہ دینا گناہ سمجھتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ قدرت نے لاعلمی و جہالت کی وجہ سے اسے چوپاؤں سے بدتر بنا دیا۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۹/۳)	یہ لوگ چوپاؤں سے بھی بدتر بنا دیے گئے۔

دنیائے طیور | وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (۶)	یہ چوپائے اور اُڑنے والے پرندے تمہاری طرح اُمتیں ہیں۔

ان اُمتوں کو بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ ان پر آثارِ پیری بہت کم مترتب ہوتے ہیں، یہ آخرِ عمر تک چُست چالاک اور پھرتیلے رہتے ہیں۔ انہیں زکام اور ملیریا نہیں ہوتا۔ انہیں کھانسی اور نمونیا کی شکایت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ اُمتیں ایک خاص نظامِ حیات کی پابند ہیں۔ مناسب غذا کھاتی ہیں، مناسب ورزش کرتی ہیں اور مناسب لذت اندوزی کی حدود سے آگے نہیں بڑھتیں۔ شیر اپنی بیوی کی سال میں ایک دفعہ خبر لیتا ہے۔ لیکن انسان .... پرندے ماحول کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن انسان عموماً نہیں بدلتا۔ مذہب، وضع اور رسوم کی آڑ لے کر ایک مقام پر ڈٹا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ زمانے کا ساتھ دینے والی اقوام اُن اقوام پر چھا جاتی ہیں جو سطحِ زمین پر خیالات، اطوار و اخلاق میں اپنے ابدی جمود کے سبب "گل محمد" بنی ہوئی ہیں۔ ان طیور میں ہمارے لیے ہزاروں اسباق موجود ہیں۔ یہ ہم ہی جیسی اُمتیں ہیں جو آئینِ قوت کو نباہنے اور نظامِ صلاحیت پر عمل پیرا ہونے کے بعد زندگی سے چھلک رہی ہیں اور انسان نظامِ فطرت سے ہٹ کر زیاں کار و خاسر بنا ہوا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ ط (۲۴/۴۱)	کیا تم دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان کی ہر چیز ایک آئین پر عمل پیرا ہے اور پرندے بھی ایک نظام کو نباہ رہے ہیں۔ ان میں ہر ایک اپنی نماز اور اپنے دستور العمل سے آگاہ ہے۔

بدقسمت ہیں وہ پرندے اور چوپائے جو انسانی قرب و جوار میں آ بسے ہیں۔ مثلاً گائے بھینس، گدھا، گھوڑا، مرغا، کبوتر وغیرہ۔ انسان کافی غلیظ واقع ہوا ہے۔ اِدھر تھوکتا ہے، اُدھر قے کرتا ہے اور ہر طرف کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگا رکھتا ہے۔ اس غلیظ ماحول میں یہ چوپائے و پرندے بیمار ہو جاتے ہیں، ورنہ جنگلی جانوروں کو دیکھو، ان کے گھونسلوں اور نشیمنوں میں کس قدر صفائی پائی جاتی ہے۔ بلّی پاخانہ کرنے سے پہلے زمین میں ایک گڑھا کھودتی ہے اور اپنا فضلہ اس میں چھپا دیتی ہے۔ بہ دیگر الفاظ انسان کو ہر روز بلّی یہ زندگی بخش سبق دیتی ہے کہ

وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ہ (۷۴/۵)	اے انسان! میل کچیل اور غلاظت سے دُور رہ۔

لیکن یہ سرکش انسان جو پیمبر کی بات نہیں سنتا اور الٰہی حکم تک کی پروا نہیں کرتا، وہ بھلا بلّی سے کیوں سبق سیکھنے لگا۔ اشرف المخلوقات جو ٹھیرا۔

زندہ اقوام میں جہاں دیگر نفاستیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہیں صفائی، نفاست اور پاکیزگی اُن کی نس نس

میں دھنس جاتی ہے۔ وہ بہت اُجلے، نہایت لطیف المذاق اور بے حد صفائی پسند ہوتے ہیں۔

لطیفہ | ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر مسٹر روس کیپل نے امراءِ وزیرستان کا ایک جرگہ بلایا۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد ایک وزیری پٹھان نے چیف کمشنر سے کہا، "صاحب بہادر! خو چہ ہم تم پر بہت خوش ہے، لیکن چہ صرف ایک بات کا کمی ہے کہ اگر تم مسلمان ہوتا تو خو کیا اچھا ہوتا!"

روس کیپل نے پوچھا کہ "مسلمان ہونے کا فائدہ؟" تو کہا کہ "خو چہ تم دوزخ میں نہ جلتا۔ تم جیسا اچھا ستھرے (آدمی) بہشت میں اچھا لگتا ہے۔"

روس کیپل نے کیا ایمان افروز جواب دیا: "خان صاحب! ہم ڈوزخ میں جائے گا تو اپنا صفائی وگیرہ (وغیرہ) سے اس کو بہشٹ بنا ڈالے گا اور تم گندا لوگ جو بہشٹ میں پہنچے گا تو ہر طرف نسوار کا تھوک ڈالے گا۔ کھانسی کرے گا، میلا شلوار پہنے گا، اِدھر اُدھر تمام کیلے کا چھلکا پھینکے گا تو وہ بہشٹ کو ڈوزخ کرد ے گا۔"

گئے جنت میں اگر اپنے یہ مُلّا "اے ذوقؔ
تو یہ سمجھو، رہے دوزخ ہی میں جنت والے

غلام قوم پر جہاں دیگر بداخلاقیاں مسلّط کردی جاتی ہیں۔ وہیں اسے نفاست، لطافت، صفائی اور پاکیزگی کے احساس سے محروم کردیا جاتا ہے۔ اس میں پرندوں کا اُجلاپن، ہرن کی چستی، شیر کی پرہیزگاری، شہباز کی جھپٹ اور عقاب وشاہیں کا رعب نہیں رہتا۔ وہ بھینسے کی طرح بھدّی، گدھ کی طرح غلیظ اور اُلّو کی طرح بدحواس بن جاتی ہیں۔

چوں کہ اہلِ عرب کو آں حضرت صلعم کی بدولت دنیا کا حکمران بنانا منظور تھا، اس لیے صفائی کے متعلق نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے:

یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ ۷۴/۵ (سورۂ مدثر)	اے جسم کو لباس سے زینت دینے والے رسول! اُٹھ، قوم کو غلاظت کے نتائج سے خبردار کر۔ اللہ کی عظمت کو واضح کر۔ اُجلے کپڑے پہن اور ہر قسم کی میل کچیل سے دُور رہ۔

قرآن کا ہر حکم فرض ہے۔ لیکن مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کے صرف پانچ احکام فرض ہیں یعنی نماز، روزہ وغیرہ اور باقی ساڑھے چھ ہزار احکام کچھ مستحب ہیں، کچھ مستحسن ہیں اور کچھ غیر ضروری۔ اگر اللہ کا ہر حکم فرض کہلاتا ہے تو پھر ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ کو فرائض کی فہرست سے خارج کرنا کہاں تک

جائز ہے۔ غور کرو کہ غلیظ مکانات اور ناپاک ماحول کی وجہ سے مسلمانوں کی صحت کا کیا حال ہو چکا ہے اور میلے کچیلے کپڑوں کی وجہ سے ان کا وقار کتنا کم ہو گیا ہے۔

دیگر تمام اہل مذاہب کے یہاں مذہب ایک پرائیویٹ (شخصی) عقیدہ بن چکا ہے جس کا دائرہ اثر صرف عبادات اور چند دیگر رسوم تک ہے اور بس۔ دوسری طرف اسلام ہماری زندگی کا مکمل دستور العمل ہے یہودیوں اور دیگر سیاست دانوں کی آغازِ اسلام سے یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کو بھی اجتماعی، تمدنی، سیاسی معاشرتی، منزلی وسعتوں سے نکال کر چند شخصی عقائد و رسوم تک محدود کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسی احادیث وضع کی گئیں جن کی رُو سے اسلام فرائض خمسہ کا نام رہ گیا اور زندگی کے باقی تمام پہلو اس کے حلقۂ اثر سے باہر نکل گئے۔ مولوی نے ان فرائض میں ایک چھٹے فرض یعنی ڈاڑھی کا بھی اضافہ کر لیا اور ہمارے بعض سیاسی رہنماؤں نے ایک اور اصول کہ "میں پہلے ہندوستانی ہوں اور پھر مسلمان"۔ تراش لیا اور باقی تمام قرآن دھرے کا دھرا رہ گیا۔

غور کرو کہ اصولِ صفائی میں کیا کچھ آجاتا ہے۔ بدن اور کپڑوں کی صفائی، گھر بار کی صفائی، تمام سامان و اسباب کی صفائی، غلاظت، کوڑا کرکٹ، امراض، جراثیم، نحیف کرنے والی غذائیں اور کمزوری پیدا کرنے والے کاموں سے نفرت، کثیف ماحول سے نفرت، ان مکانوں سے نفرت جہاں ہوا اور روشنی داخل نہ ہو سکے۔ چیتھڑوں اور جوؤں سے نفرت۔ بدبودار کپڑوں اور میلے دانتوں سے نفرت، مٹی سے اٹے ہوئے بالوں سے نفرت، وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانو! یاد رکھو کہ کھلے اور صاف مکانات میں رہنا، اُجلے کپڑے پہننا، دانتوں کو روزانہ صاف کرنا۔ نہانا، کمروں میں روشن دان رکھنا، کوڑا کرکٹ دُور پھینکنا، بالوں کو دھونا و سنوارنا، ورزش کر کے صحت کو قائم رکھنا، جراثیم مرض اور بیمار کن ماحول سے بچنا عین اسلام ہے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت کے مطابق یہ بھی نماز اور روزے کی طرح فرض ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ قرآن کے صرف اس ایک حکم کی نافرمانی سے ہم کس قدر خوف ناک نتائج بھگت رہے ہیں۔ ہمارے مکانوں میں غلاظت کے کس قدر ڈھیر لگے ہوئے ہیں، ہمارے منہ سے کتنی بدبُو آتی ہے، ہمارے بال کس قدر پریشان و گرد آلود ہیں۔ جسم پر کتنا میل جما ہوا ہے۔ ہمارے بچے کس قدر مہلک امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہمارے چہرے کاربن کی زیادتی اور صاف ہوا کی کمی کی وجہ سے زرد ہو رہے ہیں اور یہ نحیف و لاغر، زرد رُو اور قبیح الشکل قوم دنیا کی نگاہ میں کتنی ذلیل ہو چکی ہے؟ انصافاً

کہو کہ قرآن کی اس آیت پر انگریز عمل کر رہا ہے یا مسلمان؟ ہر گاؤں میں مسٹر برین تو پھر پھر کر صفائی وغیرہ کی تبلیغ کرے اور مولوی صاحب مسجد میں لوگوں کو ناک جھاڑتا دیکھے اور منع نہ کرے۔ مسجد کے ساتھ پیشاب گاہ تیار کرے اور نہ شرمائے۔ مولوی صاحب اللہ کا یہ فرمان بھول گئے ہیں۔

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (پ۸)	ہر مسجد میں صاف اور اُجلے ہو کر جایا کرو۔

رسول اللہ کی ایک حدیث کے مطابق تمام زمین مسلم کی مسجد ہے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس زمین پر اُجلے اور صاف بن کر رہیں۔

حضرت آدمؑ کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا اور پھر اسے اتنا بھی نہ سوجھتا تھا کہ اس بدبودار لاش کو کہاں پھینکے۔ اللہ نے ایک پرندہ بھیج کر اسے یوں ہدایت کی:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ (پ۶)	تو ہم نے اس کی طرف کوا بھیجا تاکہ اسے نعش دفن کرنے کا طریقہ سکھلائے۔

یہ قصہ دراصل ایک طرح کی ہدایت ہے کہ تمام غلیظ و بدبودار اشیاء کو زمین میں گاڑ دیا جائے۔

آں حضرت صلعم کی بعثت مسلم کو ہر قسم کی جسمانی، دماغی، روحانی و اخلاقی نجاست سے نجات دلانے کے لیے ہوئی تھی۔ آج ہمارا مُلا جسمانی صفائی پر کچھ کہنا اپنے علم کی ہتک سمجھتا ہے۔ وہ ایسی تمام آیات میں غلاظت سے مراد روحانی و اخلاقی غلاظت لیتا ہے۔ اچھا ایسا ہی سہی، لیکن انصافاً فرمائیے، کیا ایسے آدمی کے اخلاق میں ذرا سی بھی نفاست ہو سکتی ہے جس کے منہ کپڑوں اور جسم سے سنڈاس کی سی بُو آ رہی ہو، جس کی شلوار میں سیر بھر جوئیں چل رہی ہوں، جس کی چارپائی کے نیچے تھوکوں کا ڈھیر لگا ہُوا ہو۔ گندے چیتھڑے، پھٹے پرانے کاغذات، صدیوں کے ٹوٹے ہوئے بادیے اور میل سے اٹی ہوئی کنگھیاں ہر طرف بکھری پڑی ہوں، دیواروں پر ناک جھاڑ جھاڑ کر پلستر کیا ہُوا ہو۔ ہر طرف ہول ناک غلاظت، تعفن، ویرانی تاریکی اور ظلمت ہو۔ اگر اخلاقی دنیا میں بدکاری ظلمت ہے تو مادی دنیا میں غلاظت اور کثافت کیوں ظلمت نہیں۔ یاد رکھو کہ معلّم کائنات حضرت محمدؐ عربی فداہ ابی و امی مسلم کو تمام جسمانی و روحانی غلاظتوں سے نجات دلانے کے لیے آیا تھا۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (پ۱۳)	اے رسول! ہم نے تمہیں یہ بلند کتاب اس لیے دی کہ تو دنیا کو غلاظت و کثافت کی تاریکیوں سے نکال کر نفاست، پاکیزگی اور لطافت کی روشنیوں

کی طرف رہنمائی کرے۔

اللہ کی زمین کس قدر حسین ہے، یہ پھول کتنے خوبصورت ہیں، یہ سبزہ کیا جنت نگاہ بنا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ کیا پیام دے رہا ہے؟ یہی کہ اللہ خود حسین و جمیل ہے اور صرف ایسے افراد و اقوام کو پسند کرتا ہے جو صفائی، نفاست و لطافت کی دل دادہ ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے خوشبو سے عشق ہے، کیوں عشق نہ ہو، جمیل خدا کا جمیل پیغمبر، بھلا خوشبو کو کیوں نہ پسند کرے۔

ان اللّٰہ جمیلٌ و یحب الجمال | اللہ خود حسین ہے اور حسینوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے لباس کو ایک نعمتِ عظمیٰ قرار دیا ہے:

اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ (۷؍۲) | ہم نے تمہیں لباس کی نعمت دی ہے جس سے تم جسم کو ڈھانپتے ہو۔

کیا اس لباس سے وہ لباس مراد ہے جسے ابتدا سے انتہا تک دھویا نہ گیا ہو اور جس سے تعفّن کی لپٹیں اُٹھ اُٹھ کر دل و دماغ پر بجلیاں گرا رہی ہوں، یا وہ لباس مراد ہے جو اوراق شجر کی طرح صاف اور برگِ گل کی طرح منزّہ و پاکیزہ ہو۔

گرمی کے ایّام میں مسجدوں میں ایسے نمازی جمع ہو جاتے ہیں جن کے کپڑوں سے سخت بدبو آیا کرتی ہے لیکن مولوی صاحب انہیں کچھ نہیں کہتے، اس لیے کہ حضرت مولانا کے ہاں والرجز فاھجر کا حکم بالکل غیر ضروری سا ہے۔ سردی میں کشمیری، تو اپنی "نفیس" پوشاکوں کے ساتھ گل کدۂ کشمیر سے تشریف لاتے ہیں، کس حسین سرزمین سے آتے ہیں اور لباس کس قدر غلیظ ہوتا ہے؟ اس حسین خطّے میں یہ بد مذاق انسان۔ واللہ قدرت کی بہت بڑی ستم ظریفی ہے۔ میں جب کسی غلیظ مسلمان کو دیکھتا ہوں تو اس کے غیر اسلامی ظاہر پر طیش سا آجاتا ہے کہ جو شخص کپڑوں تک صاف نہیں رکھ سکتا، وہ دل و دماغ کو کیا خاک صاف رکھے گا؟

ہاں تو حضرات! ہمارے لیے ان طیور کی نفاست، چستی، سیر تی، صحت، صلاحیتِ حیات اور پرواز وغیرہ میں بے حد اسباق موجود ہیں، لیکن ہم ہیں کہ اندھوں کی طرح پاس سے گذر جاتے ہیں۔

جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق

خلوتیانِ مے کدہ کم طلب و تہی کدو (اقبال)

چند عجائباتِ طیور (۱) بعض پرندے ۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتے ہیں۔

(۲) ایک پرندہ ٹٹ (Tit) پورے ۲۳۷۹ پروں سے اپنا گھونسلہ تیار کرتا ہے۔

۳۔ مشرقِ اقصیٰ میں ایک پرندہ (See Swift) اپنی تھوک سے گھونسلا تیار کرتا ہے۔

۴۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا تھا کہ چند چیزیں میری سمجھ میں نہیں آئیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اتنا بڑا گدھ بازوؤں کو ہلائے بغیر پہروں ہوا میں کس طرح تیرتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کو یہ چیز معلوم نہ تھی، مطلب یہ ہے کہ آپ کا علم ان چیزوں کے متعلق اتنا زیادہ تھا کہ آپ حیرت زدہ ہو گئے۔ علم کی انتہا حیرت ہے۔

لطیفہ | علامہ اقبال مرحوم سے کسی نے پوچھا، علم کی انتہا کیا ہے، فرمایا، حیرت۔ پھر پوچھا، عشق کی انتہا کیا ہے؟ کہا، عشق لا انتہا ہے۔ سائل نے فوراً اعتراض کیا تو پھر آپ کے اس مصرع کا مطلب کیا ہے:

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

اقبالؒ فرمانے لگے، دوسرا مصرع نہیں دیکھتے کہ اپنی حماقت کو بے نقاب کر رہا ہوں:

مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

کولرج (Coleridge) ایک مغربی مفکر کہتا ہے:

(Knowledge ends with wonder) (علم کی انتہا حیرت ہے)

۵۔ مسٹر سی ٹی ہڈسن (C. T. Hudson) کہتے ہیں کہ میں نے سردیوں کے دنوں میں بھٹ تیتروں کا ایک جوڑا دیکھا کہ نر اُڑ کر مادہ کے قریب آتا ہے۔ غیظ و غضب سے بھری ہوئی چند آوازیں نکالتا ہے اور مادہ کو اُڑنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہزارہا میل کا سفر سامنے ہے، ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا ملال ہے لیکن مادہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مادہ کا پَر ٹوٹا ہوا ہے اور نر اُس کی محبت میں پابستہ ہے۔

۶۔ ایک دریائی پرندہ (Stormy Petrel) دن رات دریا کی لہروں میں اُڑتا رہتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی خشکی پر غذا کے لیے آجاتا ہے۔

۷۔ ککو اپنے انڈے چونچ میں پکڑ کر ایک اور پرندے کے گھونسلے میں رکھ دیتا ہے اور خود چلا جاتا ہے، یہی پرندہ ان انڈوں کو سینتا اور پالتا ہے۔

(۸) لہ۔ ایک سائنس دان نے مرغی کے انڈوں کو موزوں حرارت پہنچائی، لیکن بچے نہ نکلے کئی بار تجربہ کیا لیکن ناکام رہا۔ پھر ایک دیہاتی سے اتفاقاً ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ تم انڈوں کو الٹتے پلٹتے نہیں ہو گے۔ مُرغی

تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد انڈوں کو الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔ چنانچہ سائنس دان نے ایسا ہی کیا اور کام یاب ہوگیا۔

(ب) اگر کسی پرندے کی دُم کاٹ دی جائے تو اسے اُڑنے میں دقّت محسوس ہوتی ہے، اس لیے کہ توازن قائم نہیں رہتا۔ جن پرندوں کی گردن لمبی اور دُم چھوٹی ہوتی ہے تو وہ اُڑتے وقت پنجوں کو دُم کی طرح پیچھے پھیلا لیتے ہیں تاکہ پرواز میں آسانی رہے۔

(۹) شتر مرغ ۲۰ سے ۳۰ تک انڈے دیتا ہے۔ پھر ان کے تین حصے کر دیتا ہے، ایک حصہ زمین میں دفن کر دیتا ہے، دوسرا حصہ دھوپ میں رکھ دیتا ہے اور تیسرے حصہ کو سینتا ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں، تو دھوپ والے انڈوں کو توڑ کر بچوں کو بلاتا ہے۔ جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو مدفون انڈے نکالتا ہے، ان میں سوراخ کر دیتا ہے۔ اس مواد کو کھانے کے لیے چیونٹیاں اور دیگر حشرات جمع ہو جاتے ہیں، جنہیں پکڑ پکڑ کر بچوں کے آگے ڈالتا ہے۔ جب بچوں کے معدے کافی قوی ہو جاتے ہیں تو وہ پتھر تک کھا جاتے ہیں۔

(۱۰) کبوتر، چڑیا اور فاختہ وغیرہ انواع میں نر اور مادہ مل کر بچوں کو پالتے ہیں۔ حالانکہ بچے صرف دو دو ہوتے ہیں۔ مرغی کے بچے بہت سے ہوتے ہیں لیکن مرغا کسی قسم کی مدد نہیں کرتا۔ وجہ یہ کہ چڑیا اور کبوتر کے بچے بہت نحیف ہوتے ہیں جن کی تربیت کے لیے نر اور مادہ کا تعاون ضروری ہوتا ہے اور مرغی کے بچے انڈوں سے نکلتے ہی چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ نیز پروں سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یعنی، قدرت ان کی تربیت پہلے ہی کافی حد تک کر چکی ہوتی ہے۔ اس لیے مرغا تعاون نہیں کرتا۔

(۱۱) چمگادڑ کی ایک قسم سوئے ہوئے انسان کو پہلے پروں سے ہوا دیتی ہے۔ جب آدمی نیند میں مدہوش ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں سوراخ کر کے خون پینا شروع کر دیتی ہے، یہاں تک کہ آدمی مر جاتا ہے۔

(۱۲) اُلّو کی پرواز میں آواز نہیں ہوتی، اسی لیے تو وہ پرندوں کو چپکے سے دبوچ لیتا ہے۔ اس کی غذا بلی سے چھ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ دہقان غلہ بوتا ہے لیکن اس میں ہلاک حشرات کی طاقت نہیں ہوتی۔ اللہ نے کچھ پرندے دن کو اور کچھ رات کو مسلّط کر رکھے ہیں جو فصلوں کے دشمن حشرات کی خبر لیتے ہیں۔ ان میں الّو اور چمگادڑ بھی شامل ہیں۔

(۱۳) کوّا ہمارا چوہڑا ہے جو غلاظت کو صاف کرتا ہے اور اس طرح چیل اور گدھ وغیرہ بھی۔

(۱۴) ایک آبی پرندہ شکار کو آتا دیکھ کر کالے رنگ کا ایک مواد خارج کرتا ہے جس سے پانی سیاہ ہو جاتا ہے

اور خود اس میں غوطہ لگا کر چھپ جاتا ہے۔ جب شکاری پاس آجاتا ہے تو باہر نکل کر اسے دبوچ لیتا ہے۔

(۱۵) ایک اور آبی پرندہ ساحل دریا پر انڈے دیتا ہے اور اوپر نمک بکھیر دیتا ہے۔ تاکہ ساحل کی زمین اور اس مقام میں کچھ فرق نہ رہے اور انڈے محفوظ رہیں۔

(۱۶) سمندر کے ساحل پر دو ایسے پرندے ملتے ہیں کہ ان میں سے ایک مچھلیاں کھاتا ہے لیکن تیر نہیں سکتا۔ دوسرا ہریاول وغیرہ پر گذارہ کرتا ہے لیکن تیر سکتا ہے۔ یہ مچھلیاں پکڑ لاتا ہے اور اول الذکر کے منہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ کچھ ہریاول بطور معاوضہ منہ میں جمع کر رکھتا ہے جو موخرالذکر کو دے دیتا ہے۔

(۱۷) برازیل میں ایک پرندہ ۱۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتا ہے یعنی ۲۴ میل فی منٹ یا ۴۰۰ گز فی ثانیہ۔ بندوق کی گولی فی ثانیہ ۹۰۰ گز جاتی ہے۔ اس کی رفتار گولی سے تقریباً نصف ہوتی ہے۔ یہ ایک ثانیہ میں کئی ہزار دفعہ بازو ہلاتا ہے۔ حالانکہ ہوائی جہاز کے پنکھے کی رفتار فی منٹ صرف ۲۰,۰۰۰ ہوتی ہے۔ اگر ایک انسان اس پرندے کی رفتار سے اڑنا شروع کرے تو وہ تمام زمین کا چکر صرف ۱۷ گھنٹوں میں کاٹ لے گا ——— تو ہیں یہ پرندوں کے چند عجائبات۔ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (باقی آیندہ)

ابو جعفر محمد ابن جریر الطبری

صاحب التفسیر والتاریخ

(مولانا تمنا عمادی مجیبی، دارالادب پھلواری شریف، پٹنہ)

ماہ مئی سال رواں کے البیان میں بضمن "شذرات" محترم ایڈیٹر نے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی سے متعلق کچھ ارشاد فرماتے ہوئے علامہ فراہیؒ کی تنقید تفسیر ابن جریر طبری صفحہ ۵ پر نقل فرمائی ہے۔ یہ دیکھ کر مناسب نظر آیا کہ اپنی کتاب (جو زیر تالیف ہے) "اسفار المتوّرین فی تراجم المفسرین" سے جس میں اب تک تین سو راویان تفسیر اور مفسرین قدیم کے حالات قلبند ہو چکے ہیں اور پوری کتاب عربی زبان میں ہے۔ ابن جریر کے حالات سے ناظرین البیان کو روشناس کروں تاکہ عام ناظرین کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ وما توفیقی الا باللہ

اصحاب رجال و تاریخ لکھتے ہیں کہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری ایک ہی زمانے میں دو شخص تھے اور دونوں ہی بڑے قابل، بڑے عالم اور صاحب تصانیف۔ مگر ان میں سے ایک تو کٹر رافضی تھے اور دوسرے صرف شیعہ تھے۔ دونوں کا نام ایک، ولدیت ایک، کنیت ایک، وطن ایک اور زمانہ ایک۔ پھر تقریباً مشرب بھی ایک ہی۔ فرق اگر تھا تو صرف دادا کے نام کا۔ یعنی، صاحب تفسیر و تاریخ جو صرف شیعہ تھے، ان کے دادا کا نام "یزید" تھا۔ اور دوسرے جو کٹر رافضی تھے، ان کے دادا کا نام "رستم" تھا۔

شیعوں کی کتب رجال میں ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری کا ذکر کافی شدومد کے ساتھ موجود ہے اور ان کی تصانیف کا بھی ذکر ہے۔ اہل سنت کی کتب رجال میں بھی محض تمیز کے لیے "ابن رستم" کا ذکر بھی "ابن یزید" کے بعد آجاتا ہے جس میں مختصر حال کے بعد یہ بتا دیا جاتا ہے کہ یہ محمد بن جریر بن رستم صاحب نہایت غالی رافضی تھے۔

باقی رہے اصل صاحب ترجمہ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری جن کی تفسیر اور تاریخ مشہور و معروف ہے، ان کے متعلق بھی بعض کتب رجال شیعہ میں مختصر ترجمہ ہے مگر لکھ دیا ہے کہ یہ عامی المذہب تھے یعنی اہل سنت تھے۔ لیکن سنیوں کی کتب رجال میں ان کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ ملتا ہے اور باوجود اس کے کہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں ان کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ فیہ تشیع مگر پھر بھی ان کے تشیع کو ہلکا کرنے کی حد سے زیادہ کوشش کرتے ہیں چنانچہ امام ذہبی ......

[redacted]

فیہ تشیعٌ کے بعد وَ مُوَالاۃٌ لا تَضُرُّ تحریر فرماتے ہیں کہ ان میں تشیع تھا اور حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ (غیر مولی) موالات تھی جو ضرر رساں نہیں ہے۔ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب میں امام ذہبی کی عبارت نقل کرتے ہیں تو فیہ تشیع کے بعد اپنی طرف سے "یسیرٌ" کا لفظ بڑھا دیتے ہیں یعنی، ایک ہلکا سا تشیع ان میں تھا۔

اس کے بعد امام ذہبی نے علامہ حافظ احمد بن علی السلیمانی پر الزام دیا ہے کہ انہوں نے بڑا ظلم یہ کردیا کہ ابن جریر بن یزید کے متعلق لکھ دیا کہ کان یضع للروافض یعنی ابن جریر رافضیوں کی حمایت میں حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ یہ لکھ کر سخت تماشا کیا ہے کہ ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے سلیمانی نے ان پر محض اتہام کیا اور بڑا غضب کیا۔ پھر خود ہی امام ذہبی لکھتے ہیں کہ علماء کا کلام جو بعض کا بعض کے متعلق ہو، اس میں توقف کرنا چاہئے۔ یعنی، یہ لوگ برابر کے تھے۔ ان میں باہم چشمکیں بھی رہتی تھیں۔ اس لیے اگر ایک دوسرے کے متعلق کچھ کہہ جائے تو دوسروں کو ان کی آپس کی باتوں سے متاثر نہ ہونا چاہئے پھر امام ذہبی یہ بھی کہتے ہیں کہ شاید علامہ سلیمانی نے ایسا جملہ دوسرے ابن جریر یعنی ابن رستم کے متعلق کہا ہو جن کا ترجمہ ان کے بعد لسان المیزان میں آتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ابن جریر بن یزید صاحب التفسیر والتاریخ کے ترجمے میں امام ذہبی کی پوری عبارت من و عن نقل کرکے اور صرف فیہ تشیع کے بعد یسیرٌ کا لفظ بڑھا کر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر میں قسم کھاؤں کہ علامہ سلیمانی نے جو الزام ابن جریر پر لگایا ہے، اس سے ان کی مراد وہی ابن جریر بن رستم رافضی ہے (ابن جریر ابن یزید مفسر نہیں)، تو میں اپنی قسم میں نیک کار رہوں گا، یعنی، میری قسم جھوٹی نہ ہوگی۔ کیونکہ

فائدہ: امام ذہبی کی میزان الاعتدال اور ابن حجر کی لسان المیزان ضعفاء و مجروحین ہی کے حالات میں تالیف کی گئی ہے۔ امام ذہبی نے ثقہ راویوں کے حالات میں تذکرۃ الحفاظ اور ابن حجر نے ثقہ راویوں کے حالات میں تہذیب التہذیب لکھی ہے۔ اگرچہ ان کتابوں میں بھی چند غیر ثقہ راویوں کے تراجم ہیں مگر عموماً ان میں ثقہ ہی راوی ہیں۔ تعجب ہے کہ نہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابن جریر کا تذکرہ کیا اور نہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں۔ دونوں ہی ابن جریر کا ترجمہ ضعفاء و مجروحین ہی کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

علامہ سلیمانی حافظ حدیث ہیں، متقن ہیں، وہ خوب سمجھتے تھے کہ ان کے دماغ سے کون سی بات نکل رہی ہے، اس لیے میں ہرگز یہ اعتقاد نہیں رکھ سکتا کہ انہوں نے ایسے امام پر ایسا باطل حملہ کیا ہوگا۔ اتنا لکھ کر ابن حجر لکھتے ہیں کہ واللہ اعلم[1]۔

پھر ابن حجر لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ الشیوخ ابوحیان کو بھی علامہ سلیمانی کے قول نے دھوکے میں ڈال دیا کہ انہوں نے اپنی تفسیر کے اوائل میں لفظ صراط پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قال ابوجعفر الطبری وھو امام من ائمۃ الامامیۃ الصراط بالصاد لغۃ قریش، الخ یعنی ابوجعفر طبری جو مذہب امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں، انہوں نے کہا کہ "صراط" صاد سے قریش کا لغت ہے۔ پھر ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابن جریر طبری مفسر کو اشتراک نے نقصان پہنچایا، نام کا اشتراک، کنیت کا اشتراک، باپ کے نام کا اشتراک، نسبت کا اشتراک اور پھر معاصرت اور ان سب پر کثرت تصانیف۔ اس کے بعد پھر ابن حجر لکھتے ہیں کہ والعلم[2] عند اللہ اور اس قول کو ابن حجر علامہ خطیب بغدادی کی طرف منسوب فرماتے ہیں۔

اور یہ بھی علامہ ابن حجر نے تحریر فرمایا ہے کہ وانما نبز بالتشیع لانہ صحح حدیث غدیر خم یعنی ابن جریر بن یزید الطبری مفسر جو شیعیت میں بدنام ہوئے تو اس لیے کہ انہوں نے "غدیر خم" والی حدیث (مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ) کو صحیح قرار دیا۔ اس لیے کہ یہ حدیث اگلے تمام محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع تھی اور شیعوں کے سوا کوئی فرقہ بھی اس روایت کو صحیح نہیں مانتا تھا۔ اور آج بھی محققین اس حدیث کو موضوع ہی سمجھتے ہیں۔ مگر شیعوں اور صوفیوں کے پروپاگنڈے نے اس جھوٹی حدیث کو بہت فروغ دیا، یہاں تک کہ غیر محقق علماء اور ائمہ متصوفین اور تفضیلیے اس کو صحیح سمجھنے لگے۔

اس کے بعد ابن حجر نے لسان المیزان میں ابن جریر مفسر کے متعلق جو فیہ میل کا تشیع کہا گیا ہے اس کے ثبوت میں ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ واخرج ابن عساکر من طریق محمد بن علی بن محمد بن سہل بن الامام قال سمعت یا جعفر الطبری وجری ذکر علی رض۔ فقال ابوجعفر من قال ان ابابکر و عمر لیسا بامامی ھدی ایش ھو؟ فقال ابن الامام مبتدع۔ فقال لہ الطبری منکراً علیہ

---

[1] اس "واللہ اعلم" میں بھی ایک رمز ہے۔

[2] پہلا "واللہ اعلم" اور یہ دوسرا "والعلم عند اللہ" کچھ کہہ رہا ہے اور ابن حجر کی پوشیدہ قلبی کیفیت کی طرف کچھ اشارہ کر رہا ہے۔

مبتدع، مبتدع ھذا؟ یقتل من قال ان ابابکر وعمر لیسا بامامی ھدیٰ۔ یقتل یقتل۔ یعنی،

ابن عساکر بطریق محمد بن علی بن محمد ابن سہل ابن الامام روایت کرتے ہیں (ابن عساکر کی ولادت ۴۹۹ھ میں اور وفات ۵۷۱ھ میں ہوئی) اور ابن الامام کی ولادت ۲۱۰ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ اس لیے ابن الامام کی وفات کے ایک سو بیالیس سال کے بعد ابن عساکر پیدا ہوئے ہیں، پس درمیانی راوی کا حال جب تک معلوم نہ ہو یہ روایت بہت حد تک محل نظر ہے۔ خصوصاً جب کہ واقعہ بے جوڑ اور عبارت مخدوش ہو) ترجمہ: غرض ابن عساکر بطریق ابن الامام روایت کرتے ہیں کہ ابن الامام نے کہا کہ میں نے ابوجعفر طبری سے سنا: دراں حالیکہ تذکرہ حضرت علیؓ کا چھڑا ہوا تھا، انہوں نے کہا کہ جو شخص کہے کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) امام ہدایت نہ تھے، وہ کیا ہے؟ ابن الامام نے کہا کہ مبتدع ہے۔ ابن جریر نے کہا، ابن الامام کے قول کا انکار کرتے ہوئے کہ وہ مبتدع ہے، مبتدع ہے؟ قتل کیا جائے گا جو کہے کہ ابوبکر و عمر امام ہدایت نہ تھے، قتل کیا جائے گا، قتل کیا جائے گا۔

میں نے براکٹ میں اس عبارت کو مخدوش لکھا ہے۔ اس لیے کہ یہی عبارت یوں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ ابن جریر نے پوچھا، من قال ان ابابکر وعمر لیسا بامامی ھدیٰ ایش ھو۔ فقال لہ ابن الامام مبتدع۔ قال لہ الطبری منکراً علیہ مبتدع، مبتدع ھذا؟ یقتل من قال۔ ان ابا بکر وعمر لیسا بامامی ھدیٰ۔ یقتل یقتل (ترجمہ) ابن جریر نے پوچھا کہ جو شخص کہے کہ ابوبکر و عمر امام ہدایت نہیں، وہ کیا ہے؟ ابن الامام نے کہا کہ مبتدع ہے۔ ابن جریر نے ابن الامام کے قول کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص مبتدع ہے، مبتدع ہے؟ جو شخص ایسا کہے وہ قتل کیا جائے گا۔ بے شک ابوبکر و عمر امام ہدایت نہیں تھے قتل کیا جائے گا، قتل کیا جائے گا۔ یعنی مبتدع کہنے والا۔

تو جو عبارت ایسی دو پہلو ہو جس سے پورا رفض بھی صاف طریقے سے نکل رہا ہو، اس کو عدم رفض کے ثبوت میں پیش کرنا صرف عبارت کے ایک ہی پہلو کو مدنظر رکھ کر کیسی کھلی سادہ لوحی ہے۔

شیعوں کا یہ دیرینہ طریقۂ گفتگو ہے کہ وہ ایسے مواقع پر اسی قسم کے دو پہلو الفاظ ہمیشہ بولا اور لکھا کرتے ہیں۔ شیخ حلّی نے اپنی کتاب خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال کے صفحہ ۱۲۱ میں محمد بن شہاب الزہری کے متعلق لکھا ہے، من اصحاب علی بن الحسین عَدُوٌّ۔ یعنی ابن شہاب زہری کو لوگوں نے حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ مگر اس عبارت میں عَدُّوْہُ کو عَدُوٌّ بھی

پڑھ سکتے ہیں جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ابن شہاب زہری حضرت علی بن الحسین کے اصحاب میں تھے مگر اُن کے دشمن تھے۔ حضرت علی رض سے کسی نے حضرت صدیق اکبر رض وحضرت فاروق اعظم رض کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا انهما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علی الحق۔ یعنی وہ دونوں، دو عادل اور انصاف ور امام تھے۔ برابر حق پر رہے اور حق ہی پر دنیا سے گذرے۔ یہ روایت شیعوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔ مگر متاخرین شیعہ نے آخر کا جملہ تو حذف کردیا اور صرف هما امامان عادلان قاسطان تک رکھ کر "عادل" کو عدول سے مشتق کرکے "حق سے روگردانی والا" اس کا ترجمہ کیا اور "قاسط" کو "قسط" بمعنی "ظلم" سے مشتق قرار دیا۔ اس لیے ابن عساکر کی یہ روایت (جو معلوم نہیں کس سے سن کر انہوں نے لکھی ہے اس لیے کہ ابن الامام ان کی پیدائش سے ایک سو بیالیس سال پہلے مرچکے تھے) کسی طرح بھی ابن جریر کے عدم رفض اور عدم غلو کی دلیل نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ یہی روایت ابن جریر کو پورا رافضی ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ جیساکہ اس عبارت کے دوسرے پہلو سے ظاہر ہے۔

شیعوں کا ایک اور دستور شیعوں کا اگلا دَور جب ان کو سیاسی طاقت حاصل نہ تھی اور نہ ان کی کوئی باضابطہ منظم جماعت تھی، وہ دَور "اجمال" کا دَور تھا، جیسے کسی موضع یا کسی گاؤں کے کئی مالک ہوں، کوئی بڑا اور قوی حصّہ دار ہو، کوئی چھوٹا اور ضعیف، تو پورے گاؤں پر باوجود اس کے مشترک ہونے کے شریک اعظم وشریک قوی کا اثر حاوی رہتا ہے اور چھوٹا شریک جہاں کچھ موقع پالیتا ہے، کچھ نہ کچھ اپنا اثر ضرور قائم کردیتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ شریک اعظم کے خلاف وہ علانیہ کوئی کارروائی نہیں کرسکتا۔ چوری چھپے کچھ کرجاتا ہے، کچھ بول جاتا ہے، مگر الزام مخالفت کے بچنے کے پہلو کو بھی ہمیشہ مدنظر رکھتا ہے۔ لیکن جب وہ شریک ضعیف کچھ قوت حاصل کرلیتا ہے اور گاؤں میں بٹوارہ دائر کرکے اپنا تختہ الگ کرلیتا ہے تو پھر کھُل کھیلتا ہے اور زمانہ اجمال میں جو کمزوریاں اس سے ہوئی تھیں، یا تو ان کمزوریوں سے قطعی انکار کردیتا ہے یا اُن کی خلاف حقیقت تاویلیں کرنے لگتا ہے۔

بالکل یہی حال فرقہ شیعہ کا ہے کہ دَورِ اوّل میں تو یہ اہل سنت کے ساتھ گھُل مل کر رہے اور ہمیشہ تقیہ وکتمان کی نقاب اپنے چہروں پر ڈالے رہے۔ کبھی کبھی فضیلت شیخین کا راگ بھی آواز دہل الاپتے رہے یہاں کہ بعضوں نے حضرت علی رض کی شان میں گستاخیاں علانیہ طور سے کرکے اپنے کو خارجی بھی مشہور کرایا، مگر تھے وہ درحقیقت شیعہ۔ اس لیے روایتیں ہمیشہ شیعوں کے موافق بیان کرتے رہے تاکہ عوام اور ناواقف یا

سادہ لوح محدثین یہ سمجھیں کہ ایک خارجی ہو کر جب یہ ایسا کہہ رہا ہے تو ضرور یہ روایت سچی ہوگی۔

آپ شیعوں کی کتب حدیث کو ملاحظہ فرمائیں، ایک مستقل باب "باب الکتمان" آپ کو ملے گا، جس میں ان کے ائمہ کی تاکیدی تصریحات موجود ہیں کہ ہر شیعہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے دین، اپنے عقیدہ کو دوسروں سے پوشیدہ رکھے۔ چنانچہ اصول کافی میں یہ حدیثیں موجود ہیں کہ لَا تبثّوا سِرَّنَا وَ لَا تُذِیْعُوْا امرنا یعنی ہمارا راز فاش نہ کرو اور ہمارا دین شائع نہ کرو۔ انکم علی دین من کتمہ اعزّہ اللہ ومن اذاعہ اذلّہ اللہ تم لوگ ایسے دین پر ہو کہ جس نے اس دین کو پوشیدہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کو عزت دے گا اور جو شائع کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا۔ اگرچہ میرا ایمان ہے کہ ایسے لغو اقوال جو خلاف قرآن ہیں، کبھی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما یا ان کے ابناء و احفاد رضی اللہ عنہم کے نہیں ہو سکتے۔ مگر اس جماعت کے محدثین نے اپنے عوام اور سادہ لوح افراد کو اور نیز اپنے تلامذہ کو اس اس طرح کے اقوال کہہ کہہ کر کتمان عقائد کا خوگر بنا دیا اور جب تک ان کو سیاسی طاقت حاصل نہ ہوئی تھی، اس وقت تک علمائے اہل سنت پر ان کا صحیح عقیدہ کبھی واضح نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ابان بن تغلب جیسے غالی رافضی کے متعلق جس کے کٹر رافضی ہونے کی شہادت شیعوں کی کتب رجال سے مل رہی ہے۔ امام ذہبیؒ میزان الاعتدال میں کان غالیا فی التشیع اور ذائغ مجاھر، لکھنے کے بعد بھی وثقہ احمد بن حنبل و ابن معین وابو حاتم لکھتے ہیں اور پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ایک مبتدع کی توثیق کیوں کر جائز ہو سکتی ہے تو پھر اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو بدعت صغریٰ جیسے غلو فی التشیع یا تشیع بلا غلو و بلا تحرق تو یہ اکثر تابعین میں تھا اور تبع تابعین[1] میں باوجود ان کے دین، ورع اور صدق کے تو اگر ان سب لوگوں کی حدیثیں رد کر دی جائیں تو سارے آثار نبویہ[2] جاتے رہیں گے اور یہ مفسدۂ عظیمہ ہے۔ اور دوسری بدعت کبریٰ ہے مثل رفض کامل اور غلو فی الرفض کے اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر حملے۔ اور اسی مسلک کی طرف لوگوں کو

---

[1] مگر وہی تابعین و تبع تابعین، جو راویان حدیث تھے جو یقیناً سو میں دس پانچ سے زیادہ نہ تھے۔

[2] آثار نبویہ تو ان سے حاصل نہ ہوتے۔ مگر البتہ ان کی روایتوں کے ذریعہ تمام صحیح آثار نبویہ مٹا دیے گئے، یہاں تک کہ اس کا بھی آج پتہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز کس طرح کی تھی اور آپ نے آخری نماز میں تحریمہ کس طرح باندھا تھا۔ ۱۲ منہ (تمنا عمادی)

دعوت دینا۔ تو ایسی بدعت کبریٰ والوں کی سند نہیں لی جائے گی اور ان میں سے کوئی بزرگی نہیں ہے"...... پھر آگے چل کر امام ذہبی لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ایسا کوئی سچا آدمی اس جماعت کا نہیں ہے جو کذب سے محفوظ ہو بلکہ کذب ان کا شعار اور تقیہ ونفاق ان کا دثار ہے تو جس کا یہ حال ہو، اس کا قول کیوں کر قبول کیا جائے گا۔ مگر زمانہ سلف میں شیعہ غالی وہ تھا جو حضرات عثمان وطلحہ وزبیر ومعاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں کچھ گفتگو رکھتا تھا اور جن لوگوں نے حضرت علی رضہ سے محاربہ کیا، ان کو کچھ برا بھلا کہہ جاتا تھا۔ مگر اس زمانے کے شیعے تو حضرات شیخین رضہ سے اظہار بیزاری کرتے ہیں اور حضرات عثمان وطلحہ وزبیر ومعاویہ رضہ کی تکفیر کرتے ہیں غرض امام ذہبی آخر میں فرماتے ہیں کہ ابان بن تغلب ایسے نہ تھے وہ شیخین رضہ کی شان میں کچھ تعرض نہیں کرتے تھے صرف حضرت علی رضہ کو ان دونوں سے افضل سمجھتے تھے"

حالانکہ وہ زمانہ شیعوں کی بالکل سیاسی بے طاقتی کا تھا۔ کس کی مجال تھی کہ حضرات شیخین رضہ کی شان میں علانیہ گستاخی کرتا۔ اور اگر کرتا تو پھر اس کی "شیخیت" کب باقی رہتی اور اس سے کون حدیثیں لیتا، اس لیے وہ اپنے مسلک کتمان کے مطابق ہمیشہ اپنے عقائد فاسدہ کو پوشیدہ ہی رکھتے رہے اور کبھی حضرات شیخین رض کی شان میں کھلم کھلا بے موقع نہ بول سکے۔ بلکہ اپنی بے تعصبی دکھانے کو فضیلت شیخین کی روایتیں بھی کبھی کبھی بیان کرتا رہے۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن صالح الازدی العتکی ابو صالح و یقال ابو محمد الکوفی، جو کہا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد افضل اُمت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں، حالانکہ محترق فی التشیع تھا اور اصحاب رسول اللہ صلعم کی ہجو وتنقیص میں کتاب تصنیف کر رکھی تھی۔ حضرات امہات المومنین ازواج نبی صلی اللہ علیہ و علیہن وسلم کی ہجو ومنقصت بیان کیا کرتا تھا۔ مگر جن لوگوں کے سامنے ایسی ناشائستہ باتیں بیان کرتا تھا اور جنہوں نے اس کی کتاب ہجو ومنقصت دیکھی، انہوں نے اس کو رجل سوء (نہایت برا آدمی) کہا اور محترق فی التشیع کہا اور اس سے جو حدیثیں لی تھیں، ان سب کو جلا دیا اور جن کے سامنے یہ کتمان کرتا رہا، وہ اس کو نہایت ثقہ اور سچا سمجھتے رہے۔ چنانچہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہما اس کے بڑے معتقد اور مداح تھے، باوجود اس کے کہ اس کو شیعہ سمجھتے اور جانتے تھے۔

یہی حال سلیمان بن مہران الاعمش اور ابو اسحاق السبیعی اور زبید الیامی اور منصور بن معتمر وغیرہم کا ہے۔ عبداللہ بن المبارک فرمایا کرتے تھے کہ افسد حدیث اھل الکوفۃ ابواسحٰق والاعمش کم ھذا، یعنی اہل کوفہ کی حدیثوں کو ابواسحاق نے اور تمہارے اس اعمش نے برباد کیا اور قریب قریب اسی کے معن بن عیسیٰ ابو یحییٰ

القزاز المدنی نے بھی کہا کہ افسد حدیث اھل الکوفۃ الاعمش و ابو اسحاق ۔ یہ سارے اقوال تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں منقول ہیں۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں جس کو ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بھی نقل کیا ہے کہ کان من اھل الکوفۃ قوم لا یحمد الناس مذاھبھم ۔ ھم رؤوس محدثی الکوفۃ مثل ابی اسحٰق و منصور وزبید الیامی والاعمش وغیرھم من اقرانھم ۔ یعنی اہل کوفہ میں ایک قوم تھی جن کا مذہب لوگوں میں ناپسندیدہ تھا اور وہی محدثین کوفہ کے سرداروں میں تھے ۔ مثل ابواسحٰق اور منصور اور زبید الیامی اور اعمش کے اور ان کے سوا ان کے اقران ۔ مگر باوجود ان تحریروں کے احادیث اہل سنت کے دفاتر آج انہیں لوگوں کی روایتوں سے بھرے پڑے ہیں جس کی وجہ وہی ہے جس کو امام ذہبی نے لکھا کہ اگر ان لوگوں سے روایتیں نہ لیں تو پھر بزعم الیشاں آثار نبویہ کا ایک بہت بڑا حصہ جاتا رہتا ہے ۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں بضمن ترجمۂ قتادہ بن دعامہ لکھتے ہیں کہ قال ابن المدینی لیحیی بن سعید ان عبد الرحمٰن یقول : ترک کل من کان راسًا فی البدعۃ یدعوا بھذ قال کیف تصنع بقتادۃ وابن ابی رواد وعمر و بن ذر ۔ وذکر قوما ۔ ثم قال یحیی ان ترکت ھذا الضرب ترکت ناسا کثیرا ۔ یعنی علی ابن المدینی یحیی بن سعید سے کہنے لگے کہ عبد الرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں (یہ تینوں کبار ائمہ حدیث اور اساطین وجرح وتعدیل ہیں)، کہ ہر وہ شخص جو بدعت میں سردار ہو اور دوسروں کو بدعت کی طرف دعوت دے، اس کو ترک کردو تو یحیی بن سعید نے کہا کہ تو پھر قتادہ، اور ابن ابی رواد اور عمرو بن ذر وغیرہم (ایک جماعت کا نام لے کر کہا) ان لوگوں کے ساتھ تم کیا کروگے؟ پھر یحیی بن سعید نے کہا کہ اگر اس قسم سے ہم ترک کرنے لگیں تو ایک بڑی جماعت کو ترک کردینا پڑے گا۔" اتنی تفصیل سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ راویان حدیث میں کثرت اہل بدعت کی تھی ۔ تابعین و تبع تابعین میں سے جو راویان حدیث تھے، ان میں متشیعین بہت تھے اور مبتدعین بے حد ۔

اتنی تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ روایتوں کے لالچ میں آکر شیعوں اور روافض کے تشیع ورفض کو کمزور ثابت کرکے ائمہ حدیث ان سے روایتیں لے لیا کرتے تھے اور یہ شیعی راویان حدیث شہد میں زہر گھول گھول کر رکھتے تھے ۔ ہر دس پندرہ روایت میں سے کم از کم ایک دو روایت ایسی ضرور ہوا کرتی تھی جس سے کوئی نہ کوئی نہ کوئی فساد ضرور پیدا ہو ۔ چاہے وہ فساد عقائد میں ہو یا عبادات میں ۔ اخلاق میں ہو یا معاملات میں ۔ مگر چونکہ وہ زہر شہد میں ملا ہوتا تھا، اس لیے شہد کی ظاہری صورت دیکھ کر بھولے بھالے شہد کے خریدار اس

کو لے لیا کرتے تھے، انہیں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ شہد میں زہر بھی ملا ہوا ہے۔

بالکل اسی طرح ابن جریر طبری کی تفسیر ہے کہ تفسیری روایات جس کا زیادہ تر سرمایہ انہیں وضاعین و کذابین وضعفاء، ومتروکین اور روافض و صوفیہ کے مفتریات ومکذوبات ہی سے مہیا ہوا ہے، سب کو تقریباً انہوں نے جمع کر دیا ہے اور بقول علامہ حافظ احمد بن علی السلیمانی بطور خود بھی روافض کے موافق بیسیوں روایتیں وضع کر کرکے اپنی تفسیر میں درج کر دی ہیں۔ مگر اتنا بڑا ذخیرہ تفسیری روایات کا ان سے متقدم کوئی بھی نہیں گزرا۔ اگر ابن جریر کو رافضی و وضاع تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان کی تفسیر سے ہاتھ دھو لینا پڑے گا اور یہ مایہ جس سے ہر فرقہ اپنے اپنے موافق تفسیری روایتیں لے لے کر اپنے اپنے فرقے کی پشتیبانی کرتا رہتا ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ بس صرف اسی لیے امام ذہبی اور ابن حجر دونوں نے ان کو صرف شیعہ تک تو رہنے دیا، وہ بھی مجبوراً چونکہ اس سے انکار نہ کر سکے۔ باقی رہا رفض تو اس سے امام ذہبی اور حافظ ابن حجر دونوں نے سختی کے ساتھ انکار کیا کہ ابن جریر ہرگز رافضی نہ تھے۔ حالانکہ دونوں لکھتے ہیں کہ علامہ حافظ سلیمانی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ابن جریر روافض کے لیے جھوٹی حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ مگر اس کو نقل کرنے کے بعد حافظ سلیمانی کے علم فضل و اتقان کے تسلیم کرنے کے باوجود بھی اس الزام کو اتہام قرار دیتے ہیں۔ پھر ابن حجر کے شیخ الشیوخ ابوحیان اپنی تفسیر میں ان کو مذہب امامیہ کا ایک امام لکھتے ہیں اور انہوں نے کوئی حوالہ علامہ سلیمانی کا نہیں دیا ہے۔ مگر ابن حجر اپنے شیخ الشیوخ پر بھی رَجْماً بِالْغَیْبِ الزام دیتے ہیں کہ ان کو علامہ سلیمانی کے قول سے دھوکا ہوا جو ایسا لکھ دیا۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابن جریر نے حدیث غدیر خم کی تصحیح کی حالانکہ سارے ائمہ حدیث اس کو موضوع اور من گھڑت یقین کرتے تھے۔ ان سب باتوں کے علاوہ ابن حجر لسان المیزان میں طلاق کے ایک فتوے کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں ابن جریر نے مذہب شیعہ کے مطابق فتویٰ دیا تھا اور حضرت علی رضؓ اور ان کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل میں ایک خاص کتاب بھی لکھی تھی جس میں اہل کوفہ کے تمام مزخرفات کو یکجا کر دیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ طرح طرح کے ثبوت ابن جریر کے رفض کے مل رہے ہیں مگر صرف ان کی تفسیر کی خاطر ان کو فقط شیعہ تک تو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں مگر رفض سے انکار کیے جا رہے ہیں۔ اس "حمیت جاہلیۃ" کا کیا جواب ہے۔

اگر واقعہ کے اعتبار سے ان کی تفسیر کو دیکھیے تو ہر اس مقام پر جہاں شیعوں نے اپنا مطلب نکالنا چاہا ہے، ایک نہ ایک تفسیری روایت شیعوں کے مطابق ضرور موجود ہے۔ سورہ احزاب کی آیہ تطہیر ہی کو دیکھ لیجیے، پورا رکوع اور اس کی ایک ایک آیت بزبان خود پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس کے ہر جملے کی مورد امہات

المومنین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وعلیہن وسلم ہیں۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ ہاں پورا رکوع ضرور ازواج النبی صلعم کے متعلق ہے اور وہ آیت جس کا آخری ٹکڑا ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطہرکم تطھیرا۔ یہ آیت بھی ازواج ہی کے متعلق ہے۔ مگر صرف آنا ٹکڑا حضرت علیؓ و فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کے متعلق ہے۔ اگرچہ اس کے بعد بھی پھر ازواج مطہراتؓ ہی کی طرف مخاطبت ہے۔ یہ قول خلاف سیاق وسباق اور خلاف عقل و درایت جس قدر ہے، معمولی سی عقل وفہم والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ مگر غلو بغیر الحق کی وجہ سے ایسی خلاف عقل بات پر خواہ مخواہ کا اصرار کیا جارہا ہے۔ شیعان کوفہ نے اس کے لیے واقعۂ کساء والی روایتیں[1] گھڑ گھڑ کر اس کی خوب خوب اشاعت کی۔ یہاں تک کہ مسند احمد وغیرہ میں بھی اس کی روایتیں نظر آنے لگیں۔ مسند احمد کیا ہے؟ اس موضوع پر میرا ایک مستقل مضمون تیار ہے۔ ان شاء اللہ کبھی شائع ہو جائے گا۔ میں سردست اس سے قطع نظر کرتا ہوں۔ غرض مسند احمد اور ابن ابی حاتم کی کتاب میں اس واقعہ کی چند موضوع روایتیں ملتی ہیں۔ مگر تفسیر ابن جریر میں آپ دیکھ لیجئے، سولہ روایتیں اس واقعۂ کساء کے متعلق انہوں نے ایسی ایسی درج کی ہیں جن میں سے زیادہ سے زیادہ چار پانچ ہی روایتیں ایسی ہونگی جو کسی اور کتاب میں بھی مذکور ہوں اور کم سے کم دس روایتیں تو یقیناً ایسی ہیں جو صرف ابن جریر ہی کی خاص طبع زاد ہیں۔ ہرگز ہرگز کسی دوسرے کے پاس نہ ملیں گی۔ اسی طرح اور دوسرے مقامات کو بھی دیکھ لیجئے علامہ سلیمانی کے اس قول کی صاف تصدیق ہو جاتی ہے کہ ابن جریر شیعوں یا رافضیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔

مجھ کو تو یقین ہے کہ شیعوں نے جب سیاسی طاقت پیدا کی اور بٹوارہ کر کے اپنے مذہب کی الگ تدوین شروع کر دی اور اپنی حدیث وتفسیر وغیرہ کی کتابیں بھی الگ کرلیں اور ان کا حصۂ رسدی جو اہل سنت کی کتابوں میں رہ گیا تھا۔ یعنی ان کی حدیثیں جو اہل سنت نے اپنی کتابوں میں صرف اس لیے درج کرلی تھیں کہ الگ الگ دو فرقے نہ ہو جائیں اور ان کی دل جوئی بھی ہوتی رہے۔ وہ ان کی پیش کردہ ساری حدیثیں

---

[1] یہ روایتیں اپنے اختلاف مضامین واضطراب بیانات کی وجہ سے خود ایک دوسرے کی تردید کر رہی ہیں۔ میرا ایک مستقل رسالہ ہے "تطہیر آیۃ التطہیر من دنس ھفوات الرواۃ فی التفسیر"۔ میں نے اس رسالہ میں ان تمام روایات مکذوبہ کی پوری قلعی کھول دی ہے۔ (تمنا)

اہل سنت کے سر پڑ گئیں۔ جن کے متعلق اب شیعہ حضرات کہا کرتے ہیں کہ تمہاری کتابوں میں بھی تو فلاں فلاں روایتیں موجود ہیں۔ حالانکہ وہ زمانہ اجمال کا انہیں کا حصہ رسدی ہے۔ ورنہ وہ بتائیں کہ جب بخاری و مسلم مدوّن ہو رہی تھی یا ہو چکی تھی، اس وقت ان کی کون سی کتاب تھی؟ یہاں تک کہ مستدرک حاکم جو خالص شیعہ کی کتاب ہے اور صاحب مستدرک بالاتفاق تھے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن حجر نے لسان المیزان میں ان کا ترجمہ لکھتے ہوئے رافضی خبیث۔ کان شدید التعصب فی التشیع فی الباطن وکان یظھر التسنن فی التقدیم والخلافۃ الخ یعنی ابوعبداللہ الحاکم صاحب مستدرک رافضی خبیث تھے۔ شیعیت کے تعصب میں بباطن بہت سخت تھے اور سُنّی ہونا ظاہر کرتے تھے۔ شیخین رضی اللہ عنہما کو مقدم ظاہر کرکے اور خلافت کا اقرار کرکے، الخ۔ مگر یہ بھی اپنی کتاب مستدرک کے ساتھ اہل سنت ہی کے سر رہے۔ بعض شیعہ راویان حدیث کے نام ہی بدل دیئے گئے۔ کہیں حروف کا فرق، کہیں نقطوں[1] کا فرق، کہیں نسبت کا فرق، کہیں ولدیت کا فرق پیدا کر دیا اور کتنے شیعہ راویان حدیث سے شیعوں نے انکار کر دیا کہ وہ ہمارے راوی ہی نہیں۔ اس لیے کہ اب اُن کو اِن سے کوئی کام تو رہا نہیں۔ وہ تو ان کا کام کر گئے کہ اُن کتابوں میں جو اَب اہل سنت کے سر پڑ گئی ہیں، شیعوں کی حمایت میں حدیثیں بھر گئے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے:

ٹہ یہ دھوکا دے دیا گیا کہ ہمارا ابوجعفر طبری تو ابن جریر بن رستم ہے اور وہ جو مفسر و مورخ ہے وہ ابن جریر بن یزید ہے اور وہ تمہارا ہے۔ ہم کو اُس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس میں شیعوں کا بہت بڑا فائدہ یہ ہُوا کہ ابن جریر کی تفسیر اور تاریخ میں جو روایتیں شیعوں کے موافق ہیں، وہ سنّیوں کے خلاف سنّیوں کے سامنے پیش کی جاتی ہیں کہ دیکھو تمہارے مفسر اور تمہارے مورخ ایسا لکھ رہے ہیں۔ مگر یہ الزام اور اس طرح کی ترکیبیں جب کی گئیں کہ اہل سنت ان چیزوں کو اپنے گلے لگا چکے۔ اس لیے حقیقت حال یہی ہے کہ دونوں ابن جریر ایک ہی ہیں ہرگز دو نہیں اور بالفرض دو ہوں بھی تو عین و غین کی صورت ایک ہی ہے۔ اس لیے بہرحال دونوں ایک ہی ہیں۔

ابن جریر مفسر کے شیوخ | ابن جریر مفسر کے شیوخ تو بہت ہیں مگر کیسے کیسے شیوخ ہیں، ان کو وہی خوب جانتے ہیں جنہوں نے کتب رجال کی کافی سیر کی ہے۔ اسی لیے ابن حجر و امام ذہبی نے ان کے محض

---

[1] مثلاً مندل بن علی العنزی و حبان بن علی العنزی وغیرہما۔ کتب رجال شیعہ اور کتب رجال اہل سنت میں ان کے حالات دیکھ لیجئے۔

ٹہ سنیوں کو ... کرکے صرف والد کے نام کا فرق پیدا کرکے ایک ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کو دو کر دیا ...

چند ہی شیوخ کے نام گنائے ہیں جن میں محمد بن عبد الملک متوفی ۲۴۴ھ، اسحاق بن ابی اسرائیل متوفی ۲۴۵ھ ہناد بن سری متوفی ۲۴۳ھ۔ ابوکریب متوفی ۲۴۳ھ۔ فلاس متوفی ۲۴۹ھ اور ابوموسی محمد بن المثنی متوفی ۲۵۰ھ یا ۲۵۱ھ یا ۲۵۲ھ باختلاف اقوال ایسے ہیں جن کو ائمہ حدیث و رجال ثقہ تسلیم کرتے ہیں۔

مگر تعجب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے ترجمے میں فہرست تلامذہ جہاں لکھی ہے وہاں ابن جریر طبری کا نام نہیں لکھا ہے۔ مگر ابن جریر کے ترجمہ میں ابن جریر کے شیوخ میں ان حضرات کے اسمائے گرامی ضرور ملتے ہیں۔ بہرحال ابن جریر طبری کی ولادت ۲۲۴ھ کی ہے اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ اس لیے مذکورہ بالا اساتذہ میں سے صرف ابوموسی محمد بن المثنی ہی کا وقت یہ ایک حد تک پا سکے۔ اس لیے کہ ابوموسی کی وفات کے وقت ان کی عمر چھبیس یا ستائیس یا اٹھائیس برس کی تھی۔ باقی لوگوں میں سے فلاس کی وفات کے وقت بھی یہ پچیس سال کے ٹھہرتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ تو کسی کی وفات کے وقت سولہ برس کے کسی کی وفات کے وقت اٹھارہ انیس برس کے کسی کی وفات کے وقت انیس بیس برس کے ہوتے ہیں اس لیے ان ثقہ حضرات سے ان کو روایتیں لینے کا فی الحقیقت موقع ہی کم ملا۔ اگرچہ ابوکریب سے یہ بہت روایت کیا کرتے ہیں، مگر ابوکریب کی وفات کے وقت یہ ہرگز انیس سال سے زیادہ کے نہ تھے۔

محمد بن حمید حبان الرازی | ابن جریر کے شیوخ میں ان کا نام لکھا ہے۔ ان کے متعلق امام بخاری کہتے ہیں، فیہ نظر۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں، ان کے پاس منکر روایتیں بہت ہیں۔ امام نسائی نے کہا کہ غیر ثقہ ہیں۔ علامہ جوزجانی نے کہا کہ ردی المذہب ہیں، غیر ثقہ ہیں۔ صالح بن محمد الاسدی مشہور محدث فرماتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس قدر ڈھیٹ کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ دوسروں کی حدیثوں کو لے لیا کرتے تھے اور ان میں اُلٹ پلٹ کر لیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا کہ مشاق جھوٹا دو آدمیوں جیسا میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ ایک تو سلیمان الشاذکونی، دوسرے محمد بن حمید۔ امام ابوزرعہ نے اپنے بھتیجے سے ان کے متعلق کہا کہ یہ قصداً جھوٹی روایت کرتے تھے اور متعدد ائمہ رجال وحدیث نے ان کو کذاب کہا ہے۔ تفصیل لسان المیزان ومیزان الاعتدال میں طوالت کے ساتھ موجود ہے۔

اسمٰعیل بن موسی الفزاری | ابومحمد وابواسحاق الکوفی۔ یہ بھی ابن جریر کے مذکورہ اساتذۂ خصوصی میں سے ہیں۔ ان کو لوگوں نے اسمٰعیل بن ابی کریمۃ السدی مشہور مفسر مگر غالی شیعہ اور معروف کذاب کا نواسہ لکھا ہے۔ بالاتفاق ان کو بھی سب نے شیعہ ہی تسلیم کیا ہے۔ مگر کوئی غالی شیعہ لکھتا ہے، کوئی

خالی شیعہ۔ ابوبکر بن شیبہ اور ہناد بن سری اس کو فاسق کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس سلف کو گالیاں دینے والے سے لوگ کیا حدیثیں لیتے ہیں۔ یہ شریک بن عبداللہ الکوفی جو تشیع مفرط میں مشہور تھے ان کے شاگرد تھے۔ مگر اُن سے بھی ایسی روایتیں کیا کرتے تھے جو کوئی دوسرا اُن کا شاگرد نہیں جانتا تھا۔

اور بعض اساتذۂ ابن جریر کا نام ابن حجر وغیرہ نے نہیں لکھا ہے وہ تو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں اس مختصر سی تحریر میں کہاں تک لکھا جائے۔ اہل حق کو چاہیے کہ تفسیر ابن جریر کو اگر دیکھیں تو رجال کی کافی چھان بین کے بعد قرآنی سیاق و سباق سے ملاتے ہوئے تفسیری روایتوں کو دیکھیں اور ہرگز ہرگز کسی تفسیری روایت پر بلاتحقیق یقین نہ کریں۔ یہ واقعہ ہے کہ تفسیری روایات میں اسی فیصدی روایات محض کذب و افترا ہیں۔ میرا یہ دعویٰ قیاسی نہیں ہے بلکہ میرے پاس اس کے نہایت واضح دلائل موجود ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں تفسیری روایات پر ایک مستقل مضمون عن قریب لکھ کر ناظرین البیان کی ضیافت طبع کا سامان کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل

مطالعۂ حدیث

مدیر "نگار" کا تبصرہ

یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ میرے اور اُن کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے، اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے، اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقات نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے وہ فن مجموعہ احادیث ہے جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتاً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت ۱۲ر محصول الگ

ملنے کا پتہ: دفتر اُمت مسلمہ۔ توحید باغ۔ امرت سر

تقریظات

کامیاب زندگی | یہ کتاب ترجمہ ہے ہربرٹ این کیسن کی انگریزی کتاب' (Climbing up) کا۔ ترجمہ اُردو میں جناب محمد اقبال صاحب سلانی نے کیا ہے۔ سلانی صاحب کا نام ہی کافی ضمانت اس امر کی ہے کہ اصل کتاب جس کا انتخاب کیا گیا ہے، واقعی ہیں اہل صنعت وحرفت وتجارت و ملازمت کے لیے فائدہ بخش اور نفع رساں ہے اور یہ کہ ترجمہ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اصل میں ہیں، قیمت بالکل واجبی ہے یعنی عہ۔ دفتر البیان، توحید باغ امرتسر سے مل سکتی ہے، کتاب مجلد ہے اور لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ ہے۔

"کامیاب زندگی" اگرچہ لفظی ترجمہ (Climbing up) کا نہیں ہے لیکن کتاب کا موضوع کامیاب زندگی ہی ہے۔ لفظی ترجمہ "ترقی درجات" یا "رفع درجات" ہوسکتا ہے۔ اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح انسان ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف عروج کرسکتا ہے۔ مثلاً معمولی کاریگر یا مستری فورڈ یا لارڈ نفیلڈ کے درجہ تک اسی طرح ترقی کرسکتا ہے جس طرح یہ دونوں شخصیتیں حاصل کرچکی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کتاب ایک سرمایہ دار نے سرمایہ داروں کی حمایت اور مفاد کے لیے لکھی ہے اور مزدوروں کو دل لبھانے والے سبز باغ بھی دکھائے ہیں جو زیادہ سے زیادہ محنت اور جدوجہد سے ممکن الحصول ہیں۔ ایک طرف سرمایہ داروں کو یہ نصیحت کی ہے کہ "مزدور خوش دل کند کار بیش" اور دوسری طرف مزدوروں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ مالکان کو خوش کرنے کا ڈھب یہی ہے کہ وہ کام کرو جس سے مالکان کو زیادہ سے زیادہ منافع ہو۔

یہ مسئلہ ادق ہے اور اس موضوع پر اہل الرائے بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور کم وبیش ان کی ہدایات پر عمل بھی ہوتا رہا۔ لیکن رازِ زندگی ایسی گتھی ہے جو آج تک سلجھائے نہ سلجھی۔ چونکہ کامیاب زندگی کا موضوع یہی کچھ ہے کہ کس طرح دولت کمائی جاسکتی ہے، اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ قومی دولت کی تقسیم کس طرح ہو کہ قوم میں افلاس نہ رہے۔ اس موضوع پر متاخرین میں سے کارل مارکس اور دیگر اہل الرائے نے جو کچھ لکھا ہے، کیسن نے اتنا کہہ کر کہ یہ نظریے جو سرمایہ داری کے خلاف ہیں، بیہودہ اور لغو ہیں، روسیوں کی ذہنیت کا مضحکہ اڑایا ہے جن کے نزدیک کارل مارکس کی کتاب "سرمایہ" (Capitol) مزدوروں کی بائبل ہے۔

کسی قوم کی "قومی زندگی" بمقابلہ دیگر اقوام کی زندگی میں وہی جذبات کارفرما ہیں جو کسی سرمایہ دار کے دل و دماغ پر قابض ہوتے ہیں، جب وہ مزدوروں کی محنت و مشقت جسمانی و ذہنی سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس ہنگامہ گیرو دار کا ایک ہی نتیجہ ہے جو بالبداہت ثابت شدہ امر ہے کہ حرب کا بازار گرم ہے بحر و بر میں فساد برپا ہے اور عالم انسانی کی اکثریت انقلاب انقلاب کا نعرہ لگا رہی ہے۔

خالص "اسلامی نظریہ" یہ ہے کہ تمام عالم انسانی میں عالمگیر اخوت کا جذبہ ہو اور عالمگیر اخوت اور فلاح سے بہرہ ور ہو، قرآن ان حالات کو نظرانداز نہیں کرتا جس سے عالم انسانی گذر رہا ہے اور گذرے گا۔ اس لیے اصلاح کا مشورہ دیتا ہے کہ بتدریج اور معتدل ہو۔ ہربرٹ سپنسر لکھتا ہے کہ انقلابی تحریکات عموماً اس لیے ناکام یاب ہوتی ہیں کہ ان میں افراط و تفریط کا پہلو ہوتا ہے، وہی مصلح اعظم ہے جو اصلاح کا رنگ بنیاد رکھ دیتا ہے اور اس پر عمارت آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑ دیتا ہے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی ہی میں سب کچھ ہو جائے وہ ایک معاشری اصلاح کے لیے سو معاشری خرابیاں پیدا کر دیتا ہے اس لیے نیک مشورہ یہی ہے کہ اعتدال کو ہاتھ سے نہ دو۔ مثلاً قرآن میں کوئی حکم ایسا نہیں کہ غالب قوم مغلوب قوم کو لونڈی اور غلام بنائے اور غیر اقوام سے شودروں سا سلوک کیا جائے۔ قرآن صاف صاف الفاظ میں اسیران جنگ کو جنگ کے بعد آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ غلامی جو تجارت کی صورت میں ہو، یک لخت نہیں مٹاتا کیوں کہ اس سے صدہا معاشری خرابیاں پیدا ہوتیں اور ہوئیں، جو کچھ اس بارہ میں ہدایات فرماتا ہے، وہ ہندوستان کے خاندان غلاماں اور مصر کے شاہان مملوک کی زندگی میں نمایاں ہے اور کفارہ میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے، غرض یہ ہے کہ رفتہ رفتہ غلامی کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن موجودہ سرمایہ داری نے غلامی کی نہایت مذموم اور فطرۃً مکروہ رسم کی طرح ڈال دی ہے اور عالم انسانی کا جان و مال بے دریغ عبث صرف ہو رہا ہے۔

اگر تمول ہی زندگی کو کام یاب بنا سکتا ہے جو انفرادی یا زیادہ سے زیادہ قومی زندگی میں ممکن ہے تو یہود کی مثال سبق آموز ہے۔ سود خوار قوموں کو دیکھو اور ان کے انجام پر نظر کرو، کامیاب زندگی کچھ اور ہی ہے قرآن کا مطالعہ کرو تو سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ ملک خدا اور بندگان خدا میں علو اور برتری کی خواہش نہایت مذموم ہے، مال کی کثرت فتنہ ہے جس میں ایک دنیا مبتلا ہے، عالم انسانی کی ترقی امن سے وابستہ ہے، پہلے امن پیدا کرو، پھر فوز و فلاح کی باتیں کرو۔

رومۃ الکبریٰ کے عروج کے دنوں میں ایک محکوم ریاست کا نواب روم میں آیا، جس طرح آج کل کے مہاجے اور نواب لندن جایا کرتے ہیں، اور اس رومی جرنیل سے ملا جس نے اس کا ملک مسخّر کیا تھا۔ نواب یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جرنیل اپنے ہاتھ سے مزدوروں کی طرح اپنے کھیت پر کام کر رہا ہے۔ خوشامدانہ لہجہ میں کہا کہ حضور اتنی تکلیف کیوں اٹھا رہے ہیں، اگر روپیہ پیسہ کی ضرورت ہو تو حاضر ہے، جواب ملا کہ ان لوگوں پر قبضہ ہزار درجہ بہتر ہے جن کے قبضہ میں مال و زر ہو، بہ نسبت اس کے کہ محض مال و زر پر قبضہ ہو جیساکہ میرا اور آپ کا حال ہے۔

دل کی آواز اور آخری فیصلہ | یہ دو خیالی افسانے جناب قیسی رام پوری نے لکھے ہیں۔ قیمت علی الترتیب ۱۲ اور ۸ ہے، لکھائی چھپائی سب کچھ اچھی، ہر ایک فقرہ میں شاعرانہ تخیل بلند ہے۔ کتابستان پوسٹ بکس نمبر ۳۱۶، بمبئی ۳ سے دستیاب ہو سکتے ہیں

فسانہ نگار کے پہلو میں دل اور سر میں دماغ ہے مناسب تو یہ ہے کہ وہ ان سے کوئی ایسا کام لیں جو ملک و ملت کے لیے مفید ہو۔ پیران جاہل اور شیخان گمراہ بندگان خدا کی کمائی پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، مسجد کے ملا اور واعظان شہر جو منبر پر ناز و کرشمہ کرتے ہیں، لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں، اگر جناب قیسی کے ناولوں کا موضوع ہوں تو مفید ہو سکتے ہیں۔ ایسے قصے کو جو دنیا کے واقعات سے اخذ کیے جائیں اور سبق آموز ہوں، جناب قیسی کو لکھنے چاہئیں۔ خیالی دنیا کی بھول بھلیوں میں سرگرداں ہونا کہاں کی عقل مندی ہے۔ ناول نویسی یورپ سے ہندوستان میں آئی۔ چوٹی کے ناول نویس وہاں بھی تھوڑے ہیں، لیکن انہوں نے جو کچھ لکھا، کسی مقصد کے لیے لکھا اور وہ پورا ہوا۔ پوپ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، خود ساختہ مسیحی مذہب بیخ و بن سے اکھڑ گیا۔ جمہوریت کا دَور دورہ ہوا وغیرہ وغیرہ۔ قیسی صاحب بہت اچھا لکھتے ہیں اور امید ہے بہتر لکھیں گے۔

(نوٹ) یہ دونوں ناول دفتر البیان، توحید باغ، امرتسر سے بھی مل سکتے ہیں۔

ضروری اطلاع

۱۔ جن اصحاب کو "البیان" وقت پر نہ ملے، وہ مہینے کی پندرہ تاریخ تک دفتر سے دوبارہ منگوالیں، اس کے بعد البیان قیمتاً حاصل ہو سکے گا۔

۲۔ جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ڈیڑھ آنہ کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

نئی کتابیں

جواہر العلوم | جواہر العلوم ترجمہ ہے علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور و معروف عربی کتاب کا۔ ترجمہ مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی فاضل پروفیسر عربی پشتو اسلامیہ کالج پشاور نے کیا ہے۔ یہ کتاب نہایت ہی قابل قدر مضامین علمیہ کی حامل ہے جن سے بعض آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر کی ضروریات کو تمام پوری کرتی ہے۔ ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ سلیس اُردو اور عام فہم عبارت میں کیا گیا ہے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت عما

شانِ خدا | یہ تالیف مولانا عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی کی ہے جس میں وجود خالق کے تمام حالات پر بحث علم کلام اور سائنس کی روشنی میں نہایت ہی اہم اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ خدا کی ہستی کو نہایت مستحکم اور قطعی دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے، نیز دہریوں کے شبہات کے دندان شکن جوابات دیے گئے ہیں۔ کتابت طباعت کاغذ اعلیٰ، سرورق دیدہ زیب۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

محمد رسول اللہ | (مترجمہ مولانا عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی) فیلسوف انگریزی ٹامس کارلائل نے رسول اللہ صلعم کی سیرت نہایت ہی عمدہ اور فلسفیانہ انداز میں تحریر کی ہے اور ان تمام شبہات کے بہترین اور مسکت جوابات دیے ہیں جو آں حضرت صلعم کی سیرت مبارک پر عیسائیوں کی طرف سے کیے جاتے تھے۔ اس کا مطالعہ ہر انگریزی دان کے لیے ضروری ہے۔ کاغذ، لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

دل کی آواز اور آخری فیصلہ

جناب قیسی رامپوری اُردو کے اُن چند مشہور انشا پردازوں میں سے ہیں جن کے ادبی کارناموں کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ "دل کی آواز" اور "آخری فیصلہ" آپ کے بہترین اور شاہکار ناول ہیں۔ فسانہ کا کمال یہ ہے کہ شروع سے آخر تک دلچسپ ہو، اس کے پڑھنے میں شوق اور دلچسپی یکساں قائم رہے۔ آخر تک اشتیاق کے ساتھ اس بات کا انتظار رہے کہ دیکھیے نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ یہ تینوں باتیں ان دونوں ناولوں میں پورے طور پر پائی جاتی ہیں۔ قابل مصنف نے ایسی خوبی کے ساتھ انہیں لکھا ہے کہ کافی ضخامت کے باوجود جس قدر آگے بڑھتے جائیں، شوق بڑھتا جاتا ہے۔ پھر ادبی لحاظ سے بھی معیاری چیزیں ہیں۔

قیمت - دل کی آواز ایک روپیہ چار آنہ۔ آخری فیصلہ ایک روپیہ۔ (محصول الگ)

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمتِ مُسلمہ توحید باغ امرتسر**

ملت ابراہیمؑ (از حکیم محمد حسین صاحب قرشی) (جدید ایڈیشن)

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ دین، دراصل ابراہیمؑ ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے اور اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مکمل سیرت یہاں تک کہ اُن کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں جو کاملاً ۱۱ عنوانوں پر مشتمل ہے، قرآن مجید کی بیان کردہ صفات ابراہیمؑ کی تشریح و تفسیر کا مبسوط اضافہ کیا گیا ہے جو سیرت خلیلؑ سے متعلق نہایت اہم نکات اور معلومات پر مبنی ہے۔ قیمت ۵ر (محصول الگ)

الوراثت فی القرآن

حضرت خواجہ احمد الدینؒ کے اُن مضامین کا مجموعہ جن میں قرآنی اصول وراثت پر نہایت بصیرت افروز بحث کی گئی ہے اور مروجہ اصول فقہ میں علم وراثت کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، قرآن مجید کی روشنی میں اُن کی احسن طریقے سے تردید کی گئی ہے۔ ضخامت ۲۴۴ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ قیمت ۱۲ر (محصول الگ) برگ سبز ۲ر

قول احسن

مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سب سے بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے۔ قول احسن میں قرآن مجید کے مضامین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور پر فرقہ بندی کا مخالف ہے۔ ہمیں صرف مسلم کہلانا چاہیئے باقی تمام نام، شیعہ، سُنی اور اہل حدیث وغیرہ بدعتی ہیں، جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔ قیمت ۲ر (محصول الگ)

قربانی

یہ مختصر کتاب، مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات کی تالیف ہے۔ اس میں آپ نے قرآن مجید کی رو سے یہ ثابت کیا ہے کہ مروجہ قربانی محض ایک رسمی چیز ہے دین کے ساتھ اسے کوئی تعلق نہیں، اصل چیز تقویٰ ہے جو خدا کے ہاں مقبول ہے۔ قیمت ۲ر (محصول الگ)

صفات القرآن۔ قیمت ۴ر — محصول الگ
تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ قیمت ۲ر — "
ختم نبوت۔ قیمت ۲ر — "
حقیقۃ الصلوٰۃ۔ قیمت ۸ر — "
اوصاف رسول کریم۔ قیمت ۸ر — "
حریت و مساوات۔ قیمت عہر — "
حضرت محمد رسول اللہ۔ قیمت ۲ر — "
اقبال کی پیش گوئیاں۔ قیمت ۲ر — "
دعوت الرسل الی اللہ (مقدمہ) قیمت ۲ر — "
جنت کا گہنا (نظم) قیمت ار — "

ملنے کا پتہ: دفتر اُمت مسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۳۲۰

تفسیر بیانٌ للنّاس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عموماً ہر تفسیر، تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اُس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیشِ نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چوں کہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں۔ کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں۔ کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم وتجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر ممتاز کرتی ہیں۔

۱۔ اس کے مخاطب بلالحاظ فرقہ ومذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

۶۔ قانونِ وراثت کا احیاء

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت وطباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری وباطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر

یعنی: منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (۸؍) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ)

منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمّتِ مُسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر**

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

نومبر ۲۳ء

البیان

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے — فی پرچہ چار آنے

مطبوعاتِ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

تعلیماتِ قرآن
(مرتبہ مولانا اسلم جیراج پوری) یہ کتاب اس نقطۂ نگاہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت دو روپے (محصول الگ)

مطالعۂ حدیث
ایک ممتاز گریجویٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس قابل قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ صفحات ۱۰۵ کے قریب۔ قیمت ۱۲ار۔ (محصول الگ)

برہان القرآن
یہ کتاب ان تحریری مباحث پر مشتمل ہے جو مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب اور حضرت خواجہ احمد الدینؒ کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہل حدیث پر ابد تک کے لیے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر (محصول الگ)

ریحان القرآن
مولوی حبیب الرحمٰن مؤی کے رسالہ "نصرۃ الحدیث"۔ مولوی قاسمی کے "عقائد کفریہ" اور مولوی عبداللہ کے "عقائد بے حدیثہ" وغیرہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۴ر۔ (محصول الگ)

براہین وحی
نیاز فتحپوری نے اپنے رسالہ نگار میں چند مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے چونکہ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف ہے اور اسے تسلیم کر لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا اس لیے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء اہل فکر و تحریر مسلمانوں نے نہایت مدلل اور کامیاب مضامین لکھ کر اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ "براہین وحی" ان ہی مبارک مضامین کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ قیمت ۴ر مع محصول۔

مقدمہ زندگانی محمدؐ
"زندگانی محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں پریس ہی میں فروخت ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزارہا کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر اُمت مسلمہ امرتسر نے "زندگانی محمدؐ" کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ قیمت ۱۳ر مع محصول

علم حدیث
مولانا اسلم جیراج پوری کی ایک نہایت پُرمغز، مؤثر اور مفید کتاب جس میں علم حدیث کے متعلق سات عنوان قائم کرکے حدیث کی صحیح اور حقیقی حیثیت پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی گئی ہے قیمت ۲ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

نمبر ۱۱	نومبر ۱۹۴۲ء مطابق شوال ۱۳۶۱ھ	جلد ۴

فہرست مضامین

(محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس ستو کی سرا امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمتِ مسلمہ تحصیلداراں باغ امرتسر سے شائع کیا)

شذرات

بشارت | تفسیر "بیان للناس" سورۃ فاتحہ سے سورہ قصص کے رکوع ہفتم تک یعنی تقریباً ۴½ منزلیں اور سورہ ق سے والناس تک یعنی ساتویں منزل حضرت خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی میں مرتب ہو کر شائع ہو چکی ہے، درمیانی پانچویں منزل کا کچھ حصہ اور چھٹی منزل بالکل غیر مرتب و غیر مطبوعہ تھی، اس کے لیے حضرت مرحوم کے خطبات جمعہ کے اشارات جو پہلوان عبداللہ صاحب نے جمع کر رکھے تھے، ہمارے سامنے تھے، ان سے مسلسل استفادہ شروع کیا گیا، البیان کے ساتھ آٹھ صفحات ماہانہ شائع کرنے کا التزام کیا گیا جو بعض خاص نمبروں کے سبب روک بھی دیا جاتا تھا، اس صورت میں تکمیل کار کے لیے طویل مدت درکار تھی، جس کا انتظار اکثر طبائع پر شاق گزرا، اگر ہم یہاں ان تمام خطوط کی نقل اور پیہم زبانی تقاضوں کا ذکر کریں، جو بقیہ تفسیر کی فوری طلب پر مشتمل ہیں، تو شاید سارا رسالہ اسی کی نظر ہو جائے۔ ہمارے پاس ان مشتاقانہ مطالبات کا ایک ہی متفقہ جواب تھا، "اپنی بے سرمایگی اور کاغذ کی گرانی"۔ اب یہ ناؤ پار ہو تو کیوں کر؟

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی!
نہ ٹھہرا جاتا ہے مجھ سے، نہ بھاگا جاتا ہے مجھ سے

پچھلے دنوں میاں مہر بخش صاحب چغتائی، امرت سر میں تھے۔ باتوں باتوں میں اسی طلب و تقاضا اور مجبوری و معذوری کی داستان شروع ہو گئی، ہم نے حالات آپ کے سامنے رکھ دیے، دلوں کے مالک نے آپ کے دل کو اس طرف متوجہ کر دیا۔ آپ روز بروز دینی امور میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے رہے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق کے بغیر ناممکن ہے۔

آپ کے ایما پر خرچ کا حساب لگایا گیا۔ ۳۵۰ روپے کا تخمینہ ہوا۔ آپ نے اسی وقت یکصد[1] روپیہ کی گراں قدر رقم پیش کر دی۔ اللہ کریم آپ کو دینی و دنیوی برکات سے مالا مال فرمائے اور مومنین قرآن کو ایسے حوصلہ، ایثار اور قربانی کی توفیق عنایت فرمائے۔

پہلوان صاحب ممدوح نے تمام مسودات مرتب کر کے سلمانی صاحب کے سپرد کر دیے ہیں ان کی خدمت میں عرض کر دی گئی ہے کہ جلدی جلدی دو دو تین تین کاپیاں نظر ثانی کر کے کاتب کے سپرد کرتے جائیں تاکہ ساتھ

---

[1] ۱۲/۴/۴۸ کو آپ کی طرف سے مبلغ یکصد روپیہ اسی کام کے لیے مزید موصول ہوا۔ یا اللہ! اس نیک بندے کا خلوص و ایثار قبول فرما۔ ادیم

ساتھ طباعت بھی ہوتی رہے۔ بقیہ رقم کے لیے امرت سری احباب کی خدمت میں گزارش کی گئی، جس کا نتیجہ آئندہ نمبر میں پیش کیا جاسکے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

بیرونی دوست بھی اپنے فرض کو پہچانیں اور جلدی ہی اس امر اہم کو انجام سے ہم کنار کرنے میں کوشش کریں۔ جو اصحاب مزید امداد نہ کریں، وہ کم از کم قیمت تفسیر پیشگی ارسال کر دیں جو تقریباً ۸؍ ہوگی۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل (صافات، ص، زمر، مومن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمد، فتح، حجرات) سورتوں کی تفسیر قریباً ۷۰۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہوگی۔ اس کی بدولت، آپ کے پاس حضرت خواجہ مرحوم کی قرآنی تحقیقات اور عمر بھر کی کاوش و تفکر کا مکمل ذخیرہ موجود ہو جائے گا۔ آپ ہر آیت کے متعلق ان کے غور و تعمق کا نتیجہ دریافت کرسکیں گے اور ساتھ ہی یہ خزانہ علم و دین، دست برد روزگار سے محفوظ ہو کر زمانہ آئندہ کے آزاد محققین کے لیے چراغ راہ کا کام دے سکے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

رودادِ جلسہ | اُمت مسلمہ امرت سر کا ماہانہ جلسہ مورخہ ۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء بروز اتوار بوقت ۸½ بجے صبح زیر صدارت بابو چراغ الدین صاحب سدھو منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کے بعد سائیں فیروز الدین صاحب عارف نے عرشی صاحب کی قلب و روح میں اتر جانے والی ایک نظم "تیرا نام" نہایت دل کش لَے میں پڑھی۔ اس کے بعد حفیظ صاحب نے بھی انہیں کی ایک نظم "اللہ کے ذکر پاک سے ہے جانوں کو، دلوں کو اطمیناں" اپنے خاص انداز میں پڑھ کر سنائی۔ اس کے ساتھ ہی "لم تقولون ما لا تفعلون" پر ایک معنی خیز تقریر کی اور بتایا کہ قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کا طغرائے امتیاز یہی تھا کہ ان کے دل اور زبان میں کبھی تفاوت نہیں ہوتا تھا۔

آخر میں عرشی صاحب نے آغاز اسلام کے مسلمانوں کا صبر، استقلال اور راہِ حق میں ستم کشی اور مظلومیت پر ایک مفصل تقریر فرما کر عصر حاضر کے مسلمانوں کا جمود، راحت پسندی اور دین سے بے پروائی کا تذکرہ کیا۔

درسِ رمضان | گذشتہ رمضان میں نماز فجر کے بعد بالالتزام پارہ عم کی آخری سورتوں میں سے روزانہ ایک سورت کی تفسیر کا سلسلہ جاری رہا۔ چوں کہ یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں بہت سے عمیق حقائق پر مبنی ہیں اور علاوہ نماز کے کثیر الاستعمال بھی ہیں، اس لیے ان کے مفہوم سے شناسائی ضروری تھی۔ پورے مہینے میں سورۃ فاتحہ سمیت ۲۴ سورتوں کی تفسیر و توضیح کی گئی۔ الحمد للہ کہ یہ آغاز بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔

آئندہ اجلاس | اُمت مسلمہ امرت سر کا ماہانہ اجلاس یکم نومبر ۱۹۴۲ء بروز اتوار بوقت ۵ بجے شام مسجد اُمت مسلمہ واقع توحید باغ میں منعقد ہوگا۔ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر اپنی پُر مغز تقریر سے حاضرین کو مستفید فرمائیں گے۔

کیا امام اعظمؒ شیعہ تھے؟

(مولانا محمد عباس صاحب طالب صفوی)

خداوند عالم و عالمیان جزائے خیر کرامت فرمائے سر سید علیہ الرحمہ، خواجہ احمد الدین علیہ الرحمہ اور دوسرے عاشقانِ قرآن حکیم کو جن کی سعیٔ پیہم کا یہ نتیجہ ہوا کہ جمہور کا ایک حصہ تو بلاخوف لومۃ لائم یہ کہنے لگا کہ قرآن مجید ہدایت کے لیے کافی ہے اور روایات بہر نہج مطیع قرآن ہیں نہ کہ مطاع، اور دوسرے لوگ بھی جو کسی مصلحت یا افتادِ طبع کی وجہ سے قرآن مجید کو ہدایت کے لیے ناکافی سمجھ کر روایات کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں، کم از کم اتنے روشن خیال ضرور ہو گئے ہیں کہ موطا شریف کو امام شافعی علیہ الرحمہ کی تقلید میں ما علی وجہ ادیم الارض[1] بعد[2] کتاب اللّٰہ[3] اصح من موطا (روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد موطا صحیح ترین کتاب ہے) نہیں کہتے، نہ رئیس المحدثین ابوزرعہ کی طرح یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ "اگر شخصے بطلانِ زن خود سوگند خورد کہ آنچہ در موطا است بلاشک و شبہ صحیح است حانث نشود" (بستان المحدثین مصنفہ مولانا شاہ عبدالعزیز، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۸) نہ علامہ ابوعلی نیشاپوری کی طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آسمان کے نیچے امام مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی (کیا قرآن بھی نہیں؟ طالب) کتاب نہیں (تاریخ الحدیث مصنفہ قاضی عبدالصمد ص۱۲۷) نہ صحیح

---

[1] معلوم نہیں ان بزرگوں کا "ادیم الارض" کیا تھا، جس کتاب کو چاہتے تھے، آسمان پر چڑھا دیتے تھے۔ بخاری تو من اولہ الیٰ آخرہ ہے ہی کتاب رسول۔ مسلم کا پایہ بھی کچھ کم نہیں۔ جس کے گھر میں ابوداؤد ہے، اس کے گھر میں گویا رسول اللہ جلوہ فرما ہیں۔ حد ہے کہ فصوص الحکم ایسی غیر متعلق کتاب بھی گفتۂ رسول وحی خفی بن گئی۔ کہاں تک گناؤں، دینیات میں اتنا مبالغہ! الامان (البیان)

[2] بلکہ بنا بر بعض روایات امام شافعی علیہ الرحمہ نے بعد کتاب اللہ کی قید بھی اٹھا دی اور صاف صاف فرمایا ہے "ماتحت ادیم السماء اصح من موطا" یعنی آسمان کے نیچے موطا شریف سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو "الموطا للامام المالک مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۳۹۲۔ طالب)

[3] یہ امر تعجب کا باعث ہے کہ اصحاب حدیث اب تک یہ فیصلہ نہ فرما سکے کہ صحاح ستہ میں صحیح ترین کونسی کتاب ہے اور کیوں؟ (طالب)

بخاری شریف کو عوام کی طرح از اوّل تا آخر صحیح مانتے ہیں بلکہ سلفِ صالح کی تقلید سے کلیتہً آزاد ہوکر فرماتے ہیں کہ بدعقیدہ اور خصوصاً شیعہ راویوں نے اپنے مکر و فریب سے کام لے کر احادیث وضع کرلیں، ورنہ حقیقتہً احادیث میں قرآن مجید کی طرح ہادئ مطلق اور اصل مطاع بننے کی صلاحیت ہے لیکن وہ اپنے جوش میں یہ بھول جاتے ہیں کہ تمام فاسد العقیدہ راویوں کا کیا ذکر اگر صرف شیعہ راویوں کی روایات نکال دی جائیں تو بقول علامہ ذہبی "سارے آثار نبویہ جاتے رہیں گے اور یہ مفسدۂ عظیمہ ہے"۔ (ملاحظہ ہو البیان بابت اکتوبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۵)

اور بعض لوگوں کو معاصرین کی جرح سے شیعہ ثابت کرنے کی دھن میں یہ بات فراموش کر جاتے ہیں کہ حضرات اہل حدیث کے یہاں یہ عجیب و غریب اصول موجود ہے کہ ایک محدث کی جرح معاصر محدث پر قابل قبول نہیں۔ (تاریخ الحدیث صفحہ ۱۶۳)

اکتوبر کے البیان میں، البیان کے فاضل نامہ نگار مولانا تمنّا عمادی مجیبی نے تفسیری روایات سے گھبرا کر ابن جریر طبری کو شیعہ ثابت کرنا چاہا ہے اور اپنے والہانہ جوش میں یہ امر بھی نظرانداز فرما دیا ہے کہ تعدیل کرنے والوں کی تعداد جرح کرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے؛ حالانکہ "جرح اور تعدیل کرنے والوں کی تعداد پر بھی نظر کی جاتی ہے۔ یہی علامہ سبکی نے طبقاتِ شافعیہ میں لکھا ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ امر علاوہ اس کے کہ عقل و انصاف کے خلاف ہے، اس کی زد سے کوئی امام بھی نہیں بچ سکتا، نہ امام مالک، نہ امام اعظم، نہ امام بخاری۔" (تاریخ الحدیث صفحہ ۱۶۴)

حضرت مولانا تمنّا نے ابن جریر طبری کا تشیع مندرجہ ذیل امور سے ثابت فرمانا چاہا ہے:

۱۔ امام ذہبی کی میزان الاعتدال اور ابن حجر کی لسان المیزان ضعفاء و مجروحین ہی کے حالات میں تالیف کی گئی ہے اور دونوں ہی ابن جریر کا ترجمہ ضعفاء و مجروحین ہی کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔

۲۔ علاوہ اس تذکرے کے امام ذہبی اور ابن حجر نے ابن جریر طبری کے رفض سے تو انکار کیا مگر شیعہ ہونے سے انکار نہ کر سکے۔

۳۔ ابن جریر طبری نے شیعوں کے مسلک توریہ (اخفائے حقیقت) پر عمل کرتے ہوئے حضرات شیخین کے حق میں ذومعنی الفاظ استعمال کیے۔

امر اوّل تو اس لیے قابلِ اعتنا نہیں ہے کہ خود مولانا تمنّا کو اعتراف ہے کہ امام ذہبی اور ابن حجر کو ابن جریر طبری سے اتنی عقیدت تھی کہ "حالانکہ دونوں لکھتے ہیں کہ علامہ حافظ سلیمانی نے ان کے متعلق

لکھا ہے کہ ابن جریر روافض کے لیے جھوٹی حدیثیں وضع کیا کرتے تھے مگر اس کو نقل کرنے کے بعد حافظ سلیمانی کے علم فضل واتقان کے تسلیم کرنے کے باوجود بھی (کذافی الاصل) اس الزام کو اتہام قرار دیتے ہیں۔ پھر ابن حجر کے شیخ الشیوخ ابوحبان اپنی تفسیر میں ان کو مذہب امامیہ کا ایک امام لکھتے ہیں اور انہوں نے کوئی حوالہ علامہ سلیمانی کا نہیں دیا ہے مگر ابن حجر پنے شیخ الشیوخ پر بھی رجماً بالغیب الزام دیتے ہیں کہ ان کو علامہ سلیمانی کے قول سے دھوکا ہُوا جو ایسا لکھدیا" (البیان بابت اکتوبر ۱۹۴۲ء ص۳۹) خود غور فرمائیے کہ ایک شخص کی توثیق دنیائے اسلام کرتی ہے اور اس شخص پر صرف دو عالم جرح کرتے ہیں اور ان میں دو عالموں کی جرح کو خود ان کے شاگرد ناقابلِ اعتنا سمجھتے ہیں تو اس شخص کی جلالتِ قدر میں کیا فرق آسکتا ہے؟

امر ثانی اس لیے محتاج توجہ نہیں ہے کہ خود مولانا تمنا تسلیم فرماتے ہیں کہ امام ذہبی فیہ تشیع کے بعد وَ موا لاۃ لا تضر تحریر فرماتے ہیں کہ ان میں تشیع تھا اور حضرت علی رضہ اور ان کے اہل بیت[۱] (کذافی الاصل رضی اللہ عنہم کے ساتھ (غیر معمولی) (یہ لفظ مولانا تمنا نے بڑھایا ہے۔ طالب) موالات بھی جو ضرر رساں نہیں ہے۔ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب میں امام ذہبی کی عبارت نقل کرتے ہیں تو فیہ تشیع کے بعد اپنی طرف سے "یسیر" کا لفظ بڑھا دیتے ہیں، یعنی ایک ہلکا سا تشیع ان میں تھا" (البیان اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۱-۴۰)

یہ بھی واضح رہے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی تحقیق کے مطابق کتبِ قدیمہ میں "من الشیعۃ اومن شیعۃ علیؓ" تحریر ہونے کا یہ مطلب تھا کہ وہ شیعۂ اولیٰ تھا۔

فرض کیجئے کہ مولانا تمنا شیعۂ اولیٰ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تو اب راویوں کے تین طبقے ہو جائیں گے، ایک وہ جنہیں رافضی یا شیعہ کہا گیا ہے۔ ایک وہ جنہیں اہل سنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایک وہ .. .. جنہیں ناصبی یا خارجی بتایا گیا۔ ظاہر ہے کہ مولانا تمنا کے عقیدے کے مطابق پہلے طبقے کی روایات تو تسلیم کی ہی نہیں جا سکتیں۔ رہا دوسرا اور تیسرا طبقہ تو بقول مولانا تمنا "وہ (یعنی شیعہ) اپنے مسلک کتمان (تقیہ) کے مطابق ہمیشہ اپنے عقائد فاسدہ کو پوشیدہ ہی رکھتے رہے" (البیان ص۳۶) بلکہ "کبھی کبھی فضیلت شیخین کا راگ بھی بآوازِ بل الاپتے رہے، یہاں تک کہ بعضوں نے حضرت علیؓ کی شان میں گستاخیاں علانیہ طور سے کر کے اپنے کو خارجی بھی مشہور کرایا مگر تھے وہ درحقیقت شیعہ" (البیان اکتوبر ۱۹۴۲ء ص۳۷)

غرض روایات کا راوی کھلا ہُوا شیعہ ہو یا سنّی یا ناصبی یا خارجی، یقین کے طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی روایت

---

[۱] یہ کتابت کی غلطی تھی، اصل مسودہ میں "بیت" لکھا ہے۔ (البیان)

شیعوں کے دست برد سے محفوظ رہی، اس صورت میں کیا یہ مخلصانہ مشورہ بے جا ہوگا کہ مولانا تمنّا ایسی غیر یقینی شے کو چھوڑ کر کلیتہً قرآن حکیم کے ہو رہیں؟

ممکن ہے کہ حضرت مولانا یہ ارشاد فرمائیں کہ اکثر روایات میں شیعوں کے تغلب و تصرف کا امکان ہے لیکن بعض روایات ایسی بھی ہیں جن میں شیعوں کی دست برد کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اگر اس طرح کی کچھ روایات ملتی بھی ہیں تو ان میں شیعوں کی روایات سے بڑھ کر ندرت ہوتی ہے، مثلاً موطا شریف مطبوعۂ مطبع مجتبائی دہلی صہ پر ارشاد ہوتا ہے:

مالك انه سال ابن شهاب عن قول الله تبارك وتعالى يا ايها الذين امنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله فقال ابن شهاب كان عمرؓ بن الخطاب يقرأها اذا نودى للصلوة فامضوا الى ذكر الله۔ انتهى بلفظه	مالک نے ابن شہاب سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد یا ایها الذين امنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله کے متعلق سوال کیا تو ابن شہاب نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب تو اسے یوں پڑھتے تھے، اذا نودى للصلوة فامضوا الى ذكر الله

کہا جاسکتا ہے کہ چوں کہ قرآن مجید سات قرأتوں پر نازل ہوا تھا اس لیے حضرت عمرؓ کی قرأت بھی انہی سات قرأتوں میں سے ایک قرأت ہوگی لیکن اول تو سات قرأتوں کا مسئلہ خود ہی محتاج تأمل ہے، دوسرے یہ کہ فرق صرف فاسعوا اور فامضوا کا نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی موجودہ قرأت سے نمازِ جمعہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ ایسے جلیل القدر صحابی کی قرأت سے (یعنی من یوم الجمعۃ کی عدم موجودگی کی وجہ سے) نمازِ جمعہ تشریف لیے جاتی ہے۔ دل بے اختیار چاہتا ہے کہ امام مالک یا حضرت ابن شہاب کو شیعہ ثابت کرکے اس روایت سے نجات حاصل کی جائے مگر مشکل یہ ہے کہ علم رجال کی کسی کتاب میں ان دونوں بزرگوں کے متعلق رفض کیسا تشیع کا بھی الزام نہیں لگایا گیا ہے۔ ہاں ایک صورت ہو سکتی ہے کہ چوں کہ مالکی حضرات روافض کی طرح ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں، اس لیے یہ فرض کرلیا جائے کہ ان کے امام بھی شیعہ یا کم از کم مائل بتشیع ہوں گے!

امر ثالث یعنی حضرات شیخین کی بدگوئی کو مولانا تمنّا نے ابن جریر طبری کی ایک عبارت کو استفہامیہ صورت میں پیش کرکے ثابت فرمایا ہے لیکن اول تو بعض اصحاب کو حضرت مولانا کے اس تصرف سے اختلاف ہوگا اور دوسرے یہ کہ اس دلیل سے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ سب سے بڑے رافضی بن جائیں گے۔ مولانا

محمد صاحب مرحوم بانی اخبار محمدی دہلی نے "تاریخ بغداد للامام العلامۃ المحدث ابی بکر الخطیب[1] البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ" کے ایک حصے کا ترجمہ کر کے "امام محمدیؒ" کے نام سے بار دوم ۱۳۴۵ھ میں جید برقی پریس دہلی میں چھپوایا ہے، اس کے بعض اقتباس مولانا تمنا کے ملاحظہ کے لیے پیش کرتا ہوں:

(۱) ذکر لہ قضاء من قضاء عمر او قول من قول عمر فی الولاء فقال هذا قول شیطان (امام محمدی ص۱۰۱)	ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فیصلہ اور ان کا ایک قول ابو حنیفہ کے سامنے ولاء (دوستی) کے بارے میں پیش کیا گیا تو کہنے لگے، یہ شیطان کا قول ہے۔ (امام محمدی ص۱۰۱)

یقین فرمایئے کہ اس دور میں ہر کس و ناکس اس گستاخی کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور اگر سبِّ[2] شیخین ہی معیار رفض ہے تو یقیناً حضرت امام اعظمؒ سب سے بڑے شیعہ تھے۔

(۲) "ابراہیم بن محمد فزاری کہتے ہیں کہ میرے بھائی ابراہیم فاطمی کے ہمراہ بصرے میں قتل کیے گئے، میں ان کے ترکہ کو لینے کی غرض سے چلا، امام صاحب سے ملاقات کی تو کہنے لگے، کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے ان سے واقعہ بیان کیا تو کہنے لگے، کیا اچھا ہوتا کہ تو بھی اس کے ساتھ قتل کیا جاتا، تیرے لیے بھی وہی بہتر تھا، اس مکان سے جس سے تو آ رہا ہے۔ میں نے کہا، حضرت! پھر آپ کو کس چیز نے روکا ہے؟ کہنے لگے، اگر میرے پاس لوگوں کی امانتیں نہ ہوتیں تو مجھے اس میں کوئی تامل نہ تھا۔" (امام محمدی صفحہ ۱۰۳-۱۰۴)

اگر خلیفۂ وقت کے مقابلے میں ایک فاطمیؒ کو ترجیح دینا بھی دلیلِ تشیع نہ بن سکے تو آئینہ مذاہب امامیہ ترجمہ اردو تحفۂ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی مطبوعہ مطبع رفیق عام لاہور کے مندرجہ ذیل دو اقتباسات بہرحال حضرت امام اعظم کو شیعہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں:

(الف) جب ابو حنیفہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی

---

[1] خطیب بغدادی کی جلالت قدر اسی سے ظاہر ہے کہ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (جو بقول مولانا تمنا ثقہ رواۃ کے لیے مختص ہے) جلد ۳ ص۳۱۲ پر ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے، الخطیب الحافظ الکبیر الامام محدث الشام والعراق یعنی خطیب بغدادی بڑے حافظ امام اور شام و عراق کے محدث تھے (امام محمدی ص۳) طالب

[2] کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت امام اس قول کو امیر المومنین عمرؓ سے منسوب کرنا ہی گوارا نہ فرماتے ہوں، یعنی یہ کسی شیطان کا قول ہے، عمرؓ کا نہیں۔ (البیان)

زیارت کی، پھر صادق کے گھر کو آئے۔ ان کا خوردسال بیٹا آیا، پھر اُٹھے اور تعظیم کی، پھر کہا کہ مسافر تمہارے شہر میں اپنی حاجت کا کہاں قصد کرتے ہیں، پس اسے وہی جواب دیا جو اوپر[1] بیان کیا گیا ہے، پھر ابوحنیفہ نے کہا، خدا اس جگہ کو بہتر جانتا ہے جو اپنی رسالت کے لیے مقرر کرتا ہے۔" (صفحہ ۱۰۴)

(ب) ابوحنیفہؒ ہمیشہ حضرت صادق علیہ السلام کی صحبت و خدمت پر فخر کرتے اور لولا السنتان لھلک النعمان اگر دو سال[2] نہ ہوتے تو نعمان ضائع ہو جاتا۔ یہ کلمہ ان کی طرف سے مشہور ہے۔" (صفحہ ۱۰۳-۱۰۲)

ہم حقیقۃً حضرت مولانا تمنّا کے ممنون ہوں گے، اگر وہ کوئی ایسا حدیث یا ایسا سلسلۂ رواۃ پیش فرمائیں جو ہر طرح کی جرح سے محفوظ ہو۔ فانتظروا وانا معکم من المنتظرین۔

---

[1] روضہ نبوی یا بیت صادق؟ (البیان)

[2] اگر امام ابوحنیفہؒ دو سال امام صادقؒ کی صحبت میں رہے ہوں گے ــــ ہمیں تو صادق علیہ السلام اور ان کے بزرگوں (حضرت علی اور ان کی اولاد علیہ السلام) میں بھی کوئی شیعہ نظر نہیں آتا، پھر ابوحنیفہؒ ان کی صحبت میں رہ کر کس طرح شیعہ بن گئے؟ حقیقت یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار اپنے عنوان مضمون کو نباہنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

ان کان رفضاً حب آل محمد   فلیشھد الثقلان انی رافض   (امام شافعیؒ)

(البیان)

مسئلہ خلقِ قرآن

(حضرت علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

ذیل کے گراں قدر مضمون میں عبارت کے تسلسل کی خاطر آیات بغیر ترجمہ ہی لکھنی مناسب تھیں، اس لیے حضرت علامہ نے یہی التزام رکھا ہے۔ لیکن ہم نے عام ناظرین کے افادے کے لیے حاشیے پر اپنی طرف سے ترجمہ دے دیا ہے۔ ترجمے میں استدلال سے متعلقہ الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ (مدیر)

مسلمانوں میں جب دینی عقائد کے متعلق موشگافیاں ہونے لگیں، اُس وقت معتزلہ نے نفیِ صفات اور تنزیہہ ذات کا عقیدہ نکالا۔ اِنھیں بحثوں کے سلسلہ میں ذاتِ باری سے صفتِ کلام کی نفی کے بعد قرآن کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کا سوال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے دوسری صدی ہجری کے آغاز میں جعد بن درہم نے قرآن کے مخلوق ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد جہم بن صفوان نے اس کا تتبع کیا۔ جعد کو خالد بن عبداللہ قسری والیٔ عراق نے عید اضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا اور جہم کو سلمہ بن احوز نے مرو میں قتل کیا۔ لیکن اس خیال کے پیرو باقی رہ گئے اور جہم کی نسبت سے ان کی جماعت فرقۂ جہمیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

مامون الرشید خلیفۂ عباسی کے عہد میں اس مسئلہ نے بہت اہمیت اختیار کر لی۔ کیوں کہ خلیفہ خود اور اس کے درباری علماء اسی خیال کے ہو گئے اور اُنھوں نے علماء اہل سنت کے خلاف اپنی قوت سے کام لینا شروع کیا۔ بہت سے محدثین کو کافر قرار دے کر قتل اور قید کی سزائیں دیں اور سینکڑوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں۔ اسی معاملہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے چوتھے امام بھی ابتلا میں ڈالے گئے۔ ان کو روزانہ خلیفۂ معتصم کے دربار میں لا کر قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار لیے جانے کی کوشش کی جاتی تھی اور جب وہ اس سے انکار کرتے تھے تو کوڑے لگائے جاتے تھے۔ ۲۸ ماہ تک اس قید و بند اور امتحان و آزمائش میں مبتلا رہے۔ لیکن اللہ نے ان کو ثابت قدم رکھا اور وہ اپنے عقیدہ سے نہیں پلٹے، یہاں تک کہ خلیفۂ متوکل کا زمانہ آگیا۔ وہ اہل سنت کا ہم خیال تھا، اس لیے اس نے اس جھگڑے کو ختم کر کے علماء اور ائمہ کو اس مصیبت سے رہائی دلائی۔

اردو زبان میں اس بحث کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ خود ہم نے "تاریخ الامت" میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، لیکن آج ہم خود امام احمد بن حنبلؒ کے رسالہ "ردّ جہمیہ" سے جو انہوں نے جہمیوں کی

تردید میں لکھا تھا، اس حصّہ کو نقل کرتے ہیں جو خاص اس مسئلہ سے متعلق ہے۔ ہم لفظی ترجمہ نہیں کریں گے، بلکہ اپنے الفاظ و انداز میں ان کے بیان کا مطلب اختصار کے ساتھ لکھ دیں گے۔ یہ بحث سوال و جواب کی صورت میں ہے۔

امام احمدؒ۔ کیا تم کتاب اللہ کی کوئی آیت یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث پیش کر سکتے ہو جس سے ثابت ہو کہ قرآن مخلوق ہے؟

جہمی۔ قرآن میں ہے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (زخرف ۳) جب اللہ نے قرآن کو عربی بنایا، تو بنائی ہوئی چیز مخلوق کے سوا اور کیا ہوگی؟

امام۔ جعل کو خلق کے معنی میں لے کر تم غلطی میں پڑ گئے۔ یہ لفظ تو خلق سے عام ہے۔ یعنی، ان معنوں میں بھی آتا ہے، جن میں خلق نہیں آتا۔ مثلاً: جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ[1] (حجر ۹۱) کفار نے قرآنی آیات کو شعر، سحر، اساطیر الاولین[2]، اضغاث و احلام[3] وغیرہ کہا۔ یہاں جعلوا کے معنے سمّوا کے ہیں، یعنی: انہوں نے نام رکھا۔ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ (بقرہ ۱۹) وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالتے تھے، اُن کو پیدا نہیں کرتے تھے۔ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا[4] (کہف ۹۶) میں بھی جَعَلَ کے معنی خَلَقَ کے نہیں ہیں۔ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا[5] (بقرہ ۱۲۴) یہاں بھی جاعل خلق کے معنے میں نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ کی تخلیق، آن کے امام بننے سے پہلے ہو چکی تھی۔ علیٰ ہذا، قرآن میں بہت سی آیتیں ہیں جن میں جعل خلق کے معنے میں نہیں لیا جا سکتا۔ بے شک کہیں کہیں جعل خَلق کے معنے میں لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا[6] (اعراف ۱۸۹) وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ[7] (نمل ۶۱) وغیرہ۔ لیکن جو آیت تم نے پیش کی ہے، اس میں جعل خلق کے معنے میں ہرگز نہیں ہے۔

جہمی۔ آپ یہ بتایئے کہ قرآن اللہ ہے یا غیر اللہ۔ اگر اس کو اللہ کہتے ہیں تو یہ کفر ہے اور اگر وہ غیر اللہ ہے تو اس کے مخلوق ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

امام۔ قرآن میں اللہ نے نہیں کہا ہے کہ میں قرآن ہوں، بلکہ اس کو اپنا کلام فرمایا ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ تم جو اس کو غیر اللہ قرار دے کر مخلوق کہتے ہو تو بتاؤ کہ کیا جملہ غیر اللہ پر اس لفظ کا اطلاق صحیح ہے؟ اللہ نے

---

[1] جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ [2] اگلے لوگوں کی کہانیاں [3] خواب ہائے پریشاں
[4] یہاں تک کہ جب اس (لوہے کے ٹکڑوں) کو اس (ذوالقرنین) نے آگ (کی طرح) کر دیا۔
[5] (اے ابراہیمؑ!) میں (خدا) تجھ کو لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں۔
[6] آدم سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ [7] زمین کے لیے پہاڑ پیدا کیے۔

فرمایا ہے: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[۸] (اعراف ۵۵) دو[۹] چیزیں الگ الگ ہیں، ایک خلق اور ایک امر۔ قرآن کو اس نے خلق نہیں کہا ہے بلکہ امر قرار دیا ہے۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ[۹] (طلاق ۵) اگر تم یہ کہو کہ خلق اور امر میں بلحاظ مخلوق ہونے کے کوئی فرق نہیں ہے تو ہم اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔ کیوں کہ ہم قرآن میں یہ اصول مقرر پاتے ہیں کہ جب وہ ایک ہی چیز کو دو یا تین مختلف الفاظ میں ذکر کرتا ہے تو ان کے درمیان واؤ عاطفہ نہیں لاتا۔ مثلاً اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ[۱۰] (حشر ۲۳) اور جب دو مختلف چیزیں ہوتی ہیں تو ان کے درمیان فصل کے لیے واؤ داخل کرتا ہے، جیسے وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ[۱۱] (فاطر ۱۹-۲۰-۲۱-۲۲) ایک ہی آیت میں دیکھو۔ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا[۱۲] (تحریم ۵) جہاں تک ایک ہی چیز کے مختلف اسماء یا صفات تھے، وہاں تک بلا فصل رکھا، لیکن ثیّبہ اور بکر دو مختلف صفتیں ہیں جن کا باہم اجتماع نہیں ہو سکتا، اس لیے ان میں فصل کر دیا۔ لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ کہ قرآن اگر اللہ نہیں ہے تو مخلوق ہے، صحیح نہیں۔ قرآن وحی ہے اور صرف وحی ہے اور غیر مخلوق۔ اللہ فرماتا ہے: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ۝ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی[۱۳] (نجم ۱-۲-۳-۴) کفار قریش کہتے تھے کہ قرآن شعر ہے، افترا ہے، اضغاث واحلام ہے، اساطیر الاولین ہے، سحر ہے، سنی سنائی بات ہے۔ اللہ نے قسم کھا کر کہا کہ وہ وحی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی، یعنی، جبریل نے وہی کچھ اللہ کے بندے کو وحی کی جو اللہ نے وحی کی تھی۔ یہاں بھی قرآن کو وحی کہا، مخلوق نہیں کہا۔

ہ جہمیہ کا اصلی جواب یہی ہے، لیکن اس آیت کی پوری تفصیل امام کے سامنے واضح نہ تھی، جس کی وجہ سے وہ بعض چیزوں کا صحیح حل نہ کر سکے، جیسا کہ آگے ظاہر ہوگا۔ (اسلم)

---

[۸] خلق اور امر، اللہ ہی کے لیے ہے [۹] یہ امر الٰہی ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا [۱۰] بادشاہ، پاک، امن دینے والا، نگران

[۱۱] اندھا اور آنکھوں والا یکساں نہیں۔ اور نہ تاریکیاں اور نہ روشنی۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔ اور نہیں یکساں زندے اور نہ مردے

[۱۲] اے نبی کی بیویو! تم سے بہتر بیویاں، اسلام والیاں، ایمان دار، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گذار، روزہ رکھنے والیاں، بیوہ اور کنواریاں۔

[۱۳] ستارے کی قسم، جب گرے، تمہارا ساتھی نہیں بھولا اور نہ بہکا۔ اور نہ وہ خواہش نفس سے بولتا ہے۔ یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔

جہمی۔ اچھا یہ فرمائیے کہ قرآن شے ہے یا نہیں؟

امام۔ بے شک وہ شے ہے۔

جہمی۔ پھر تو وہ مخلوق ہے۔ کیوں کہ اللہ نے اپنی صفت میں کہا ہے: خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ[۱۴] (زمر ۶۲)

امام۔ تم الفاظ کے ہیر پھیر سے لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہو۔ سنو! کیا اللہ نے اپنے لیے نفس کا لفظ نہیں استعمال کیا ہے۔ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي[۱۵] (طٰہٰ ۴۱) يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ[۱۶] (آل عمران ۲۸) كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ[۱۷] (انعام ۱۲) پھر قرآن میں وہ کہتا ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ[۱۸] (آل عمران ۱۸۵) کیا تمہارے خیال میں نفس الٰہی کے لیے بھی موت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم گو قرآن کو شئی کہیں لیکن خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ میں قرآن جو امر، وحی، کلام اور قول الٰہی ہے، داخل نہیں ہے۔ اسی طرح جیسے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ میں نفس الٰہی شامل نہیں ہے۔ قرآن میں اللہ نے سخت تاکید کے ساتھ کہا ہے: اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ[۱۹] (اعراف ۱۶۹) پھر دوسری جگہ حرام کیا ہے کہ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[۲۰] (بقرہ ۱۶۹) اور اس کی سزا یہ لکھی ہے کہ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ[۲۱] (زمر ۶۰) ان وعید کو دیکھتے ہوئے بے جانے اور بے سمجھے ایسے الفاظ کو مستعمل کرنا جن کو اللہ یا اس کے رسول نے کلام الٰہی کے لیے استعمال نہیں کیا ہے، سخت جرأت ہے۔

جہمی۔ قرآن میں تو اللہ نے کہا ہے: مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ[۲۲] (انبیاء ۲) محدث وہی مخلوق ہے۔

امام۔ (بہت دیر تک سوچنے، اللہ سے مدد مانگنے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کے بعد) قرآن کا اصول

---

[۱۴] اللہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے [۱۵] (اے موسیٰ!) میں نے تجھے اپنے نفس یعنی اپنے خاص کام کے لیے تیار کیا [۱۶] اللہ تعالیٰ تم کو اپنے نفس (یعنی اپنے آپ) سے ڈراتا ہے [۱۷] اس نے اپنے نفس یعنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ [۱۸] ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے [۱۹] کیا ان سے کتاب کے ذریعے عہد نہ لیا گیا تھا کہ اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہیں گے۔ [۲۰] ایسا نہ ہو کہ اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جس کا تمہیں علم نہیں [۲۱] اور قیامت کے دن تو ان لوگوں کو دیکھے گا، جنھوں نے اللہ پر جھوٹ بولا (کہ) ان کے منہ کالے ہیں۔

[۲۲] ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نیا (محدث) ذکر نہیں آتا۔ مگر وہ اس کو سن لیتے ہیں، اس حال میں کہ وہ کھیل میں لگے ہوتے ہیں۔

یہ ہے کہ جب وہ ایسا کوئی لفظ استعمال کرتا ہے جو عام ہو اور اس میں اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں قسم کے افراد ہوں تو جہاں مدح کے ساتھ ذکر ہوگا، وہاں اعلیٰ افراد اور جہاں ذم کے ساتھ ہوگا، وہاں ادنیٰ افراد مراد ہوں گے۔ مثلاً: عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ[۲۲] (دہر ۶) عباد کا لفظ ہر قسم کے عباد پر مشتمل ہے۔ لیکن مراد یہاں صرف نیکوکار ہیں کیونکہ دوسری جگہ تصریح ہے کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ[۲۳] (انفطار ۱۳) اور لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ[۲۴] (شوریٰ ۲۶) عباد سے مراد اشرار ہیں، کیوں کہ مومنوں کی شان میں ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا[۲۵] (شعراء ۶۷) اور قارون کے بارے میں ہے: كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ[۲۶] (قصص ۷۶) اب آیت مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ میں جو تم نے پیش کی ہے، وہ ذکر بھی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور وہ ذکر بھی ہے جو نبی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ یہ محدث کا لفظ اس ذکر کے بارے میں ہے جو نبی کی وساطت سے ہوتا ہے، جہاں صرف قرآن کا ذکر ہوگا وہاں محدث یا مخلوق کا لفظ بولنا صحیح نہ ہوگا۔[۵]

جہمی - اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں اور عیسیٰؑ تو سب کے نزدیک مخلوق ہیں۔ پھر قرآن جو کلمۂ الٰہی ہے، کیوں مخلوق نہیں؟

امام - اللہ نے تمہارے دلوں اور قرآن کے درمیان پردہ ڈال دیا ہے، وہ تمہاری سمجھ میں کیسے آئے۔ قرآن حضرت عیسیٰؑ کو مولود، صبی، ذریۃ نوحؑ، اولاد ابراہیمؑ اور کھانا کھانے والا بتاتا ہے۔ کیا تم ان میں سے کوئی لفظ بھی قرآن کے متعلق استعمال کر سکتے ہو؟ دراصل وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ[۲۷] (نساء ۱۷۱) سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کلمۂ کُن سے پیدا کیے گئے۔ وہ خود کُن یعنی کلمۃ اللہ نہیں ہیں۔ لہٰذا کُن مخلوق نہیں بلکہ قول اور کلمۂ الٰہی ہے اور عیسیٰ مخلوق ہیں۔

---

[۵] یہ جواب سراسر تکلف ہے۔ آیت زیر بحث سے اقوال نبی مراد لے کر ان کو محدث کہنا صحیح توجیہہ نہیں ہے۔ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ سے قرآنی آیات ہی مقصود ہیں۔ اس کا جواب قرآن کی رُو سے یہی ہے کہ وہ محدث ہے مگر مخلوق نہیں ہے۔ آخر میں ہم اس کی تفصیل کر دیں گے۔ (اسلم)

---

[۲۲] چشمہ (ہے) جس سے اللہ کے بندے پیتے ہیں [۲۳] یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے

[۲۴] اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دے تو وہ زمین میں سرکش ہو جائیں۔

[۲۵] اور وہ لوگ جو خرچ کرنے کے موقع پر نہ بے جا خرچ کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں۔

[۲۶] قارون موسیٰ کی قوم سے تھا اور ان پر زیادتی کرتا تھا۔

[۲۷] مسیح عیسیٰ بن مریمؑ صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف القا کیا۔

جہمی۔ قرآن کو یہ تو آپ آسمان میں تسلیم کریں گے یا زمین میں، یا ان دونوں کے درمیان۔ اور اللہ نے تصریح کی ہے کہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا[29] (فرقان ۵۹) اس لیے قرآن کو بھی لازمی طور پر مخلوق ماننا پڑے گا۔

امام۔ مافوق السماء بھی کچھ موجودات ہیں جن کو اللہ نے مخلوقات میں نہیں گنایا۔ اس لیے تم نے جو مکانی حدود و قیود سے استدلال کرکے قرآن کو مخلوق قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ[30] (حجر ۸۵) وہ حق جس سے اس نے ان کی تخلیق کی ہے، کلمۂ کن ہے[ــه]۔ اَللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ[31] (احزاب ۴) وَالْحَقَّ اَقُوْلُ[32] (ص ۸۴) وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ[33] (انعام ۷۳)، قَوْلُهُ الْحَقُّ[34] (انعام ۷۳)، اس لیے کلمۂ حق آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے سے تھا، جو اس کا قول ہے اور مخلوق نہیں ہے۔

توضیحِ مسئلہ ان سوالوں اور جوابوں کو دیکھ کر جہمیہ کے طفلانہ* اعتراضات پر سخت افسوس ہوتا ہے، انہوں نے فلسفیانہ غلو اور قرآن سے ناواقفیت کے باعث ملّت میں تشتت اور افتراق کا بیج بویا اور بہت سے بزرگوں کو مصیبت میں مبتلا کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ غیر مخلوق کہہ دینے قرآن قدیم ہو جاتا ہے جس سے قدماء کا تعدد لازم آتا ہے۔ اس لیے خلیفۂ اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے عقیدہ کا جو توحید کے خلاف ہے، انسداد کرے۔ دوسری طرف بھی دلائل اس قدر واضح نہ تھے جو ان کی تشفی کرکے ان کو مطمئن کر سکتے۔ اس لیے عصبیت پیدا ہوئی اور معاملہ بہت

ــه امام رحمۃ اللہ علیہ نے بالحق سے امر تکوینی جو مراد لیا ہے، بہت کچھ بحث کے قابل ہے اور میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ یہ لفظ دراصل مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (انبیاء ۱۶۔ نہیں پیدا کیا ہم نے زمین اور آسمان کو کھیلنے والے البیان) اور وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (ص ۲۶۔ ہم نے زمین، آسمان اور ان کی درمیانی چیزوں کو باطل نہیں بنایا۔ البیان) کے مقابل میں مستعمل ہوا ہے، جس سے اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ ان کی تخلیق ایک نتیجہ اور انجام رکھتی ہے جو جزا و سزا کی صورت میں ہوگا۔ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ (جاثیہ ۲۲۔ اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، حق کے ساتھ اور تاکہ ہر جی کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے۔ البیان) باقی جہمی کے اعتراض کا جواب جو انہوں نے دیا کہ کچھ چیزیں ہیں جن کو اللہ نے مخلوقات میں نہیں گنایا، اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔ (اسلم)

[29] وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ وقتوں میں پیدا کیا۔

[30] ہم نے زمین، آسمانوں اور ان کی درمیانی چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے [31] اللہ حق کہتا ہے۔

[32] اور میں حق ہی کہتا ہوں [33] اور جس دن کہتا ہے کہ ہو، تو وہ ہو جائے گا۔ [34] اس کا قول حق ہے

* یا للعجب! (البیان)

بڑھ گیا۔ عوام کو مطمئن کرنے کے لیے محدثین کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پیش کر کے ان کے ایمان کو تازہ رکھیں۔ چنانچہ متعدد روایتیں اس مضمون کی کہ "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئیں اور وعظ و تذکیر کے ذریعہ سے لوگوں میں پھیلائی گئیں۔ لیکن اگر قرآن میں زیادہ غور کیا جاتا تو یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا اور روایات کی مطلق ضرورت نہ پڑتی۔

امام رحمۃ اللہ علیہ نے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ سے یہ جواب تو بالکل صحیح دیا کہ قرآن امر ہے، خلق نہیں۔ لیکن عالم امر کی مزید حقیقت ان کے سامنے واضح نہ تھی کہ وہ حادث ہے اور محدث کا لفظ اس کے لیے بولا جا سکتا ہے، اس لیے جہمی کے استدلال مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ کا ٹھیک جواب وہ نہ دے سکے۔

اصلیت یہ ہے کہ امر کا لفظ قرآن کریم میں متعدد معانی میں مستعمل ہوا ہے۔ بمعنے حکم جیسے اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۳۵ (یوسف ۴۰) بات، یا کام یا معاملہ جیسے شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۳۶ (آل عمران ۱۵۹) اور فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۳۷ (محمد ۲۱) امارت یا حکمرانی جیسے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۳۸ (شوریٰ ۳۸) اختیار جیسے لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۳۹ (آل عمران ۱۵۴) امر تکوینی جیسے اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۴۰ (یٰس ۸۲) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آیت زیر بحث یعنی اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ میں جو امر مذکور ہے، وہ امر تدبیری ہے۔ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ نے ان کے تدبیر نظام کے لیے اپنے اوامر نافذ فرمائے۔ اس طرح دو عالم الگ الگ ہو گئے۔ عالم خلق اور عالم امر۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۴۱ (یونس ۳) سورۃ حٰم سجدہ میں تفصیل کے ساتھ بتایا کہ ہم نے دو دن میں زمین پیدا کی۔ پھر دو دن میں پہاڑ اور زمین کے جملہ اندرونی ذخائر بنائے۔ پھر دو دن میں ساتوں آسمان کھڑے کیے۔ اس کے بعد اَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۴۲ (حٰم سجدہ ۱۱) ساتوں

---

۳۵ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو۔ ۳۶ کام میں ان کا مشورہ لیتے رہو۔ ۳۷ پھر جب معاملہ پختہ ہو گیا۔ ۳۸ اور ان کی حکمرانی آپس میں مشورہ سے ہوتی ہے۔ ۳۹ اگر ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ ۴۰ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، صرف یہی ہوتا ہے کہ اسے کہتا ہے، ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے ۴۱ آسمانوں اور زمین کو چھ زمانوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر غالب ہے، ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ ۴۲ ہر آسمان میں اس کا امر (انتظامی) وحی کیا۔

بلندیوں میں اوامر تدبیری وانتظامی نافذ فرمائے۔ اسی طرح ساتوں پستیوں کے متعلق فرمایا کہ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ[43] (طلاق ۱۲) جس طرح ساتوں بلندیوں میں اوامر تدبیری نافذ ہیں، اسی طرح ساتوں پستیوں میں بھی۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ[44] (سجدہ ۵) اب واضح ہو گیا کہ عالم امر عالم خلق کے بعد ہے۔ اور دونوں حادث ہیں اور دونوں کی ہر چیز پر محدث کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔

عرش[45] اور استواء علی العرش سب تخلیق عالم کی بعد کی چیزیں ہیں جن کی قرآن میں متعدد مقامات پر تصریح ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ[46] (سجدہ ۴) عرش وہی جہاں سے اوامر تدبیری نافذ ہوتے ہیں جن کا نفاذ رحمت کی تجلی سے ہوتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى[47] (طٰہٰ ۵) عرش یا استواء علی العرش کو قدیم سمجھنا جیسا کہ بعض نافہم مفسروں نے لکھ ڈالا ہے، خود قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔

اسی امر تدبیری کے ذیل میں امر تشریعی ہے جو تخلیق عالم کے بعد کی چیز ہے۔ بنی اسرائیل کے بارے میں ہے: وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ[48] (جاثیہ ۱۶) خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ[49] (جاثیہ ۱۸) وحی اور کلام الٰہی اسی امر تشریعی میں داخل ہے۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا[50] (شوریٰ ۵۲) اس لیے قرآن کریم جو امر تشریعی ہے، حادث اور محدث ہے، مگر عالم امر سے ہے، عالم خلق سے نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو مخلوق کہنا قرآن کے خلاف ہے۔

---

[43] سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے انہیں کی مانند، اُن کے درمیان (انتظامی) حکم نازل ہوتا ہے۔

[44] وہ اس امر کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرتا ہے۔

[45] استواء علی العرش تو واقعی بعد کی چیز ہے لیکن عرش کا بعد کی چیز ہونا ثبوت طلب ہے (البیان)۔

[46] جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ وقتوں میں پیدا کیا۔ پھر (اس کے بعد) وہ عرش (حکومت) پر متمکن ہوا۔ [47] وہ رحمٰن ہے جو عرش (نظام سلطنت) پر غالب ہے

[48] اور ہم نے انہیں امر (شریعت) کے متعلق کھلی دلیلیں دیں۔

[49] پھر ہم نے تجھے اس امر میں ایک کھلی راہ (شریعت) پر لگا دیا۔

[50] اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح (قرآن) وحی کیا۔

موت

(ڈاکٹر صادق حسین صاحب، پروفیسر طبیہ کالج، لاہور)

موت زندگی کا لازمی نتیجہ ہے، ہر ذی حیات کو موت کا مزا چکھنا پڑتا ہے۔ ہر عملِ تعمیر کے بعد تخریب کا جاری ہونا ضروری اور موت بھی اسی عملِ تخریب کی انتہا ہے۔ اسی لیے موت کبھی بھی یک لخت واقع نہیں ہوتی اور موت اور زندگی کے درمیان کوئی حدِ فاصل قرار نہیں دی جاسکتی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جسم خلیات کے مختلف مجموعوں سے بنتا ہے۔ ان خلیات میں تخریبی اور تعمیری عمل جاری رہتا ہے۔ چنانچہ خون کے خلیات متواتر ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی تازہ بہ تازہ بنتے بھی ہیں۔ اعضاء کی اندرونی و بیرونی سطحوں کے خلیات متواتر جھڑتے رہتے ہیں اور نئے خلیات ان کی جگہ اپنا سکہ جماتے ہیں جو خود بھی اپنے وقت پر معدوم ہوجاتے ہیں۔ البتہ بعض خلیات میں قوتِ تولید کم اور بعض میں زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ معلوم کیا گیا ہے کہ جب عضلات کا نشو و نما ہوتا ہے تو عضلاتی خلیات کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی بلکہ موجودہ خلیات کا حجم بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال اعصابی اور دماغی خلیات کا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جسم کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جو مستقل ہوتے ہیں اور ضائع ہو جانے پر ان کی تخلیق ناممکن۔ اس کا ثبوت انسان کی نفسیاتی زندگی سے بھی ملتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچپن کے بعض واقعات انسان کو مرتے دم تک یاد رہتے ہیں، یا بچے نے جو کچھ حفظ کیا ہو، وہ اسے نہیں بھولتا۔ اس کے برعکس جوانی اور بڑھاپے کے اکثر واقعات ذہن سے جلد اتر جاتے ہیں اور کچھ حفظ کرنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دماغ کا زرد حصہ فوٹو کی ایک پلیٹ کی مانند ہے جس پر آواز کی لہریں گہری لکیریں بنا دیتی ہیں جو مدت العمر قائم رہتی ہیں۔ یہ پلیٹ جوانی اور ادھیڑ عمر میں ذرا سخت ہو جاتی ہے، اس لیے آسانی سے اثر قبول نہیں کرتی۔ عمر کی زیادتی اور قوتِ تولید سے عاری ہونا ہی موت کا سب سے بڑا سبب ہے اور جن اعضاء میں قوتِ تولید بہت کم یا بالکل نہیں ہوتی، انسان کی زندگی کا دارومدار انہی پر ہوتا ہے۔ پس ہم اس فیصلہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہیں کہ جن اعضاء پر زندگی کا دارومدار ہے۔ جب وہ بڑھاپے یا کسی مرض کی بنا پر اپنے افعال کی سرانجام دہی کے قابل نہیں رہتے تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

اس مرحلے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے اعضاء ہیں جن پر زندگی کا دارومدار ہے۔ اردے اور گردے

وغیرہ سائنس دانوں کے تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ دماغ، پھیپھڑے اور قلب زندگی کے لیے لازمی ہیں۔ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے کہ ان تینوں اعضاء میں سے کون سا عضو پہلے معطل ہوتا ہے، یعنی، کس کی قوت مزاحمت زیادہ ہے اور کس کی کم، یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ مختلف اعضاء کو جسم سے کاٹ کر زندہ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ گردوں، انتڑیوں، جگر اور ہر قسم کے عضلات میں اگر مصنوعی دوران خون جاری رکھا جائے تو وہ جسم سے علیحدہ ہو کر بھی کافی مدت زندہ رہ سکتے ہیں۔ قلب کے متعلق تجربات اور بھی قابل قدر ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ مرنے کے کئی گھنٹے بعد بھی حیوان یا انسان کے قلب کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس دماغ جو جسم کے لیے ایک مرکزی حکومت کا درجہ رکھتا ہے، جسم کے اندر معمولی سے تغیر و تبدل سے بھی بہت متاثر ہوتا ہے اور خصوصاً آکسیجن کی کمی کو تو وہ ذرا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

مینڈک پر تجربات کیے گئے ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے:

(۱) مینڈک کو ۲۴ گھنٹے آکسیجن سے محروم رکھنے کے بعد اگر اس کے پھیپھڑوں میں مصنوعی تنفس سے ہوا کچھ دیر تک پہنچائی جائے تو اس کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) عضلات ۲۶ گھنٹے بعد بھی زندہ ہو سکتے ہیں۔

(۳) اس سے بھی زیادہ وقت گزرنے پر نخاع کی حرکات معکوسہ پیدا کی جا سکتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نخاع کے عصبی خلیات دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں۔

(۴) اس سے بھی کافی دیر بعد تنفس جاری کیا جا سکتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نخاع مستطیل کے خلیات میں بھی دوبارہ جان آ سکتی ہے۔

(۵) اختیاری حرکات جن کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے، کبھی بھی دوبارہ نہیں لائی جا سکتیں اور یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ دماغ آکسیجن کی کمی کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس کا دوبارہ احیاء ناممکن ہوتا ہے۔

ان تجربات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موت خواہ طبعی ہو یا غیر طبعی، ہمیشہ دماغ کے معطل ہونے سے واقع ہوتی ہے۔ بڑھاپے کی بعض علامتیں مثلاً غنودگی، حواس کا بتدریج کند ہونا وغیرہ وغیرہ بھی اسی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ قلب کی حرکات بند ہونے سے پہلے دماغ بالکل جواب دے بیٹھتا ہے۔

دنیا میں ایسے خوش قسمت انسانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، جو طبعی موت مرتے ہیں۔ ورنہ بالعموم کسی نہ کسی غیر طبعی حالت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ طبعی موت مرتے ہیں کیا ان میں موت

کی خواہش پیدا ہوتی ہے؛ بعض ابتدائی جانداروں پر تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی عمر طبعی کو پہنچتے ہیں تو ان میں زندہ رہنے کی خواہش بالکل نہیں رہتی۔ چنانچہ جب وہ اس حالت پر آتے ہیں تو آسانی سے پکڑے جا سکتے ہیں۔ نہ وہ بھاگتے ہیں اور نہ اس آفت سے بچنے کے لیے کوئی حرکت ہی کرتے ہیں۔ لیکن انسان کا حال اس کے بالکل برعکس ہے، وہ جوں جوں بوڑھا ہوتا ہے، اس میں زندگی کی ہوس زیادہ ہوتی ہے، وہ موت سے ڈرتا ہے اور اس کو ملتوی کرنے کے لیے سیکڑوں جتن کرتا ہے۔ زندگی کی یہ خواہش اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا شعور ان کو نسلاً بعد نسل ملا ہے، اس لیے یہ بہت سے انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی تربیت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ وہ موت کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہنسی خوشی کھیلتے ہیں۔ بچوں میں موت کا ڈر نہیں ہوتا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کا خیال، اس کا ڈر انسانی جبلت میں نہیں، بلکہ بعد کی ایک اکتسابی شے ہے۔

اب اس مرحلے پر پہنچ کر ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ مرنے سے ذرا پہلے انسان کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ کئی ایک طبی تجربات کے دوران میں ان لوگوں کی زبانی جو مرتے مرتے بچ گئے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ اس حالت میں کوئی درد یا جسمانی تکلیف نہیں ہوتی۔ نیز موت اور نیند کے احساس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بعض لوگ جو ڈوب گئے لیکن مرے نہیں، ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ نازک ترین لمحات میں بھی ان کو کچھ محسوس نہیں ہوا اور بعض تو بڑے خوش گوار احساسات کا ذکر کرتے ہیں اور کچھ لوگ غیر مبہم سے ناخوش گوار احساسات بیان کرتے ہیں جو یقینی دردناک نہیں ہوتے، مثلاً یہ کہ میرے سینہ پر بڑا بوجھ تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض لوگوں کو ایسے ایسے پرانے واقعات یاد آئے ہیں جو ان کے ذہن سے بالکل ہی اُتر چکے تھے۔ اسی طرح جو لوگ پہاڑوں پر سیر کرتے کرتے گر پڑتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ وہ قلابازیاں کھاتے ہوئے ایک دفعہ بھی بے ہوش نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے دماغ میں تیزی کے ساتھ ماضی و مستقبل کے متعلق خیالات گزرتے رہتے ہیں، انہوں نے بڑی سُریلی آوازیں سُنی ہیں اور بعض اوقات ان میں تندرستی کا ناقابل بیان احساس پیدا ہو گیا۔ ان خوش قسمت انسانوں کے متعلق جو بڑھاپے میں طبعی موت مرے ہیں، پتہ چلا ہے کہ وہ بغیر کسی کشمکش اور ڈر کے چپکے سو گئے ہیں اور پھر کبھی نہیں اُٹھے۔ ایک ۹۳ سال کے بوڑھے آدمی نے مرتے وقت پانی مانگا اور پینے کے بعد شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اگر تمہاری زندگی نے وفا کی اور تم میری طرح بوڑھے ہوئے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ "موت بھی نیند کی طرح ایک ضروری شے ہے"۔ مرنے سے ذرا پہلے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح انسان کی ذہنی قوتیں جگمگا اٹھتی ہیں اور بسا اوقات

دیکھا گیا ہے کہ مالیخولیا اور مانیا کے مریضوں میں حافظہ، ذہنی قوتیں اور شعور عود کر آیا ہے۔

مندرجہ بالا سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ انسان کی موت ضعف دماغ سے واقع ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے مرتے وقت تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ بعض کا خیال ہے کہ مرتے وقت انسان کی ذہنی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں جس سے اس میں خوش فہمی اور دلجمعی پیدا ہو جاتی ہے۔ بہرحال وہ کچھ بھی ہو، لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مرتے وقت انسان کو تکلیف نہیں ہوتی۔ جسمانی تکلیف کے علاوہ اگر ہم اس ذہنی کوفت کو بھی دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو موت کے تصور سے پیدا ہوتی ہے تو پھر اچھی، خاموش اور خوش گوار موت کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ انسان مرنے سے اس لیے نہیں ڈرتا کہ اس کا جسم فنا ہو جائے گا۔ بلکہ اس کو اپنی شخصیت کے تباہ ہو جانے کا خدشہ ہر وقت بے قرار رکھتا ہے اور اس لیے موت کا ڈر اعلیٰ طبقے کے انسانوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے نجات پانے کے لیے ماہرین نے دو راہیں تجویز کی ہیں، ایک فلسفہ اور دوسرا مذہب۔ اس لیے کہ اگر ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ موت کے ساتھ کسی قسم کی جسمانی یا ذہنی مصیبت وابستہ نہیں ہے تو ہم زیادہ دلجمعی کے ساتھ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیں گے۔ احساسات کے کند اور شعور کے دھندلا ہو جانے سے "موت کا ڈر" زندگی کے آخری لمحات میں نسبتاً بہت ہی کم ہوتا ہے۔ لیکن زندگی میں ہر سفید بال اور سوانح حیات کا ہر پریشان کن واقعہ اس کی یاد کو تازہ کر دیتا ہے۔ فلسفہ نے اس معاملہ میں انسان کی کہاں تک مدد کی ہے، اس کا اندازہ چند فلسفیوں کے اقوال سے ہو سکتا ہے، جن کو ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں:

(۱) خوشی کی زندگی بسر کرنے کا اصول یہ ہے کہ خدا سے مت ڈرو، موت تمہیں کسی صورت میں بھی پریشان نہیں کرے گی۔ حق کی پیروی کرنا بڑا آسان ہے اور برائی کو برداشت کرنا بڑا سہل۔

(۲) موت کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں، کیوں کہ جو شے مردہ ہے، وہ احساسات نہیں رکھتی، جو بے حس ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

(۳) ہر اچھائی اور برائی احساسات کا نتیجہ ہے۔ موت احساسات کو تباہ کر دیتی ہے اور اس کے ساتھ حق و باطل کو بھی۔ اس بنا پر ہمارا اصول یہ ہونا چاہیے کہ موت کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ کیوں کہ جب ہم ہوتے ہیں، وہ نہیں ہوتی اور جہاں وہ ہوتی ہے، ہم نہیں ہوتے۔

مذہب نے اس سے بہتر شے پیش کی ہے۔ چنانچہ مہاتما گوتم بدھ نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ وہ موت کو بالکل بھول جائیں اور اپنے آپ کو ناقابل فنا سمجھیں۔ تقریباً تمام مذاہب نے آیندہ زندگی کی بشارت دی ہے، لیکن سوائے

اسلام کے ہر مذہب نے دنیاوی زندگی کو بُرا کہہ کر دوسرے جہان کی زندگی کے لیے راستہ صاف کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موت کا ڈر جاتا رہا، لیکن اس کے ساتھ اصل مقصد یعنی دنیاوی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور رہبانیت عام ہو گئی۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یعنی آخرت میں نیکی کا بدلا جنّت اور بدی کے بدلے دوزخ ملے گی۔ اس لیے دنیاوی زندگی کو دنیا میں رہ کر بسر کرنے کی ترغیب دی اور پُرزور الفاظ میں جتلا دیا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس میں پل بھر بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس نظریے کے ماتحت بادشاہوں نے فقیری کی ہے جن کے کارناموں سے دنیا دنگ ہے اور موت کا ڈر ان کی راہ میں کبھی حائل نہ ہوا۔

ذیل میں چند برگزیدہ ہستیوں کے اقوال جو نزع کے وقت ان کی زبان پر جاری ہوئے، نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "ربِ کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہو گیا۔" (حضرت علیؓ)

۲۔ "اگر ہم مر جائیں گے تو کیا کوئی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہے۔" (امیر معاویہ)

۳۔ "دنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا پیالہ منہ سے لگا ہوا ہے۔ نہیں معلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ اسے مبارک باد کہوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ تعزیت پیش کروں۔" (امام شافعیؒ)

۴۔ "اگر میں نے خدا کو اپنے سے راضی پایا تو بس میری مراد پوری ہو گئی۔ الٰہی مجھے بخش دے، کیوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔" (حجاج بن یوسف)

۵۔ "اے وہ جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اس پر رحم فرما، جس کی بادشاہی ختم ہو رہی ہے۔" (مامون رشید)

۶۔ "ہر مخلوق مرجانے والی ہے۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اتر رہا ہوں۔" (ہارون رشید)

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید　　　نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے　　　دگر دانائے راز آید کہ ناید　　　(ڈاکٹر اقبالؒ)

موت کے ڈر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہمیں یقین کرنا پڑے گا کہ مادہ پرستی انسانی زندگی کے اس معرکۃ الآراء مسئلہ کو حل کرنے میں بالکل بے بس ہے۔ زندگی کی قدر و قیمت جاننے اور اپنے آپ کو برضاء و رغبت نہ سہی تو کم از کم چپ چاپ اور امید بھرے دل سے موت کے سپرد کر دینے کے لیے ضروری ہے کہ ہم روحانیت پر ایمان لائیں اور اس کی قائم کردہ راہوں سے سرمو انحراف نہ کریں۔ (سائنس)

اُسوۂ ابراہیمؑ

چوہدری خیرالدین صاحب صدر اُمت مسلمہ نے ارکانِ اُمت کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اپنی فرصت کے لحاظ سے جمعہ (۱۴ نومبر) یا اتوار (۱۵ نومبر) کو پورے دن کے لیے توحید باغ میں جمع ہوں اور مسجد اُمت مسلمہ کی دیوار سے ملحقہ گڑھے کو پاٹنے کے لیے اپنے سروں پر مٹی اُٹھا کر لائیں۔ جو صاحب خود یہ خدمت انجام نہ دے سکیں وہ اپنی ایک دن کی کمائی نذرِ مسجد کر دیں۔ اس آواز پر نہایت خوش دلی سے لبیک کہی جا رہی ہے

تصحیح

غلطیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں، مگر گزشتہ ماہ کے شذرات بُری طرح مسخ ہوئے ہیں۔

صفحہ ۲ کی چوتھی سطر کا آخری جملہ یوں ہونا چاہیے: "اپنی ایک کتاب میں میر مومن کے حالات..... الخ

صفحہ ۴ کا تیسرا پیرا "مؤلف کتاب ہٰذا سے لے کر، ترقی کرتی رہتی ہے" تک میرا لکھا ہوا نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اقتباس ہے اور ایسی صورت میں چھپ گیا ہے گویا یہ بھی میری ہی تحریر ہے۔

صفحہ ۶ کی اٹھارھویں سطر کا پہلا لفظ "یہ" کے بجائے "نہ" ہونا چاہیے۔

صفحہ ۷ میں اُردو ہندی الفاظ کے دائیں کالم کے پہلے سات لفظ آلٹے چھپ گئے ہیں۔ انھیں دوسری لائن میں آنا چاہیے تھا اور دوسری لائن کے لفظوں کو پہلی لائن میں۔

ناظرینِ کرام ان سب غلطیوں کی تصحیح فرمالیں۔ (محمد اقبال سلمانی)

نئی کتابیں

جواہر العلوم | جواہر العلوم ترجمہ ہے علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور و معروف عربی کتاب کا۔ ترجمہ مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی فاضل پروفیسر عربی پشتو اسلامیہ کالج پشاور نے کیا ہے۔ یہ کتاب نہایت ہی قابل قدر مضامین علیہ کی حامل ہے جن سے بعض آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر کی ضروریات کو کما حقہٗ پورا کرتی ہے۔ ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ سلیس اُردو اور عام فہم عبارت میں کیا گیا ہے۔ کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت عہ

شانِ خدا | یہ تالیف مولانا عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی کی ہے جس میں وجود خالق کے تمام حالات پر جدید علم کلام اور سائنس کی روشنی میں نہایت ہی اہم اور دل چسپ بحث کی گئی ہے۔ خدا کی ہستی کو نہایت مستحکم اور قطعی دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ نیز دہریوں کے شبہات کے دندان شکن جوابات دیے گئے ہیں۔ کتابت، طباعت، کاغذ اعلیٰ، سرورق دیدہ زیب، قیمت صرف ایک روپیہ۔

محمد رسول اللہ | (مترجمہ مولانا عبیدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی) فیلسوف انگریزی ٹامس کارلائل نے رسول اللہ صلعم کی سیرت نہایت ہی عمدہ اور فلسفیانہ انداز میں تحریر کی ہے اور ان تمام شبہات کے بہترین اور مسکت جوابات دیے ہیں جو آں حضرت صلعم کی سیرت پاک پر عیسائیوں کی طرف سے کیے جاتے تھے۔ اس کا مطالعہ ہر انگریزی داں کے لیے ضروری ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

دِل کی آواز اور آخری فیصلہ

جناب قیسی رامپوری اُردو کے اُن چند مشہور انشا پردازوں میں سے ہیں جن کے ادبی کارناموں کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ "دل کی آواز" اور "آخری فیصلہ" آپ کے بہترین اور شاہکار ناول ہیں۔

فسانہ کا کمال یہ ہے کہ شروع سے آخر تک دل چسپ ہو، اس کے پڑھنے میں شوق اور دل چسپی یکساں قائم رہے۔ آخر تک اشتیاق کے ساتھ اس بات کا انتظار رہے کہ دیکھیے کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ یہ تینوں باتیں ان دونوں ناولوں میں پورے طور پر پائی جاتی ہیں۔ قابل مصنف نے ایسی خوبی کے ساتھ انہیں لکھا ہے کہ کافی ضخامت کے باوجود جس قدر آگے بڑھتے جائیں، شوق بڑھتا جاتا ہے۔ پھر ادبی لحاظ سے بھی معیاری چیزیں ہیں۔

قیمت "دل کی آواز" ایک روپیہ چار آنہ۔ آخری فیصلہ ایک روپیہ۔ (محصول الگ)

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمت مسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر**

ذوقِ قرآن

کتابِ الٰہی و صحیفۂ فطرت

(۸)

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ام اے، پی ایچ ڈی)

عالمِ حشرات | اوراق گذشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کی بعض سورتیں حشرات، مثلاً نحل، نمل و عنکبوت وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔ اللہ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اُس کے جمیل کارناموں پر نگاہِ بصیرت ڈالنے کے بعد اس کی حمد و ثنا کے ترانے گائے۔ اگر خالقِ ارض و سماء کا مقصد صرف اولاد و اغذیہ وغیرہ کی بنا پر اپنی تعریف کرانی ہوتی تو غالباً قرآن حکیم کی پہلی آیت کچھ اس قسم کی ہوتی:

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا واعطانا ولدا انا۔	قابلِ ستائش ہے وہ رب جس نے ہمیں کھانا دیا، پانی پلایا اور بچوں کی نعمت عطا کی۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہہ کر ہماری توجہ تمام دنیاؤں کی طرف منعطف کر دی اس لیے ہمارا فرض ہے کہ صحیفۂ فطرت کا ہر ورق اُلٹ کر ہر سطر کا مطالعہ کریں تاکہ ہمارے دل و دماغ انوارِ الٰہیہ کے نشیمن بن جائیں۔

چیونٹی | حضرت سلیمانؑ چیونٹیوں کے ایک بل کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایک چیونٹی کہتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ (نمل ۱۸)	اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہ کہیں سلیمان کا لشکر تمہیں مسل نہ ڈالے[1]۔

---

[1] نمل چیونٹی کے علاوہ ایک قوم کا نام بھی ہے جو یمن کے قریب وادی نمل میں بستی تھی۔ اسی طرح مازن جس کے معنی چیونٹی کا انڈا ہیں، عرب کی ایک مشہور قوم کا نام تھا۔ منتہی الارب میں نمل کے متعلق لکھا ہے "واز اعلام است" نمل، نظم یعنی خاص نام Proper Noun کے طور پر بھی بولا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ابرقہ نملہ کے چشموں سے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نملہ ایک قوم کا نام ہے۔ اس وادی پر ایک ملکہ حکمران تھی، وہ حضرت سلیمانؑ کے استقبال کو آئی (باقی صفحہ ۔۔ پر)

اللہ نے چیونٹی کا ذکر کر کے ہماری توجہ اس بے مقدار کیڑے کی طرف مبذول کرائی۔ آیئے، اس کے اعمال پر غور کریں۔

شیر جسمانی طاقت کی وجہ سے شاہِ حیوانات کہلاتا ہے۔ لیکن اگر عقل و دانش کی بنا پر بادشاہ کا انتخاب ہوتا تو یقیناً چیونٹی بادشاہ ہوتی۔ چیونٹیاں بڑی عقل مند ہوتی ہیں۔ جماعتیں بناتی ہیں، ذخیرے جمع کرتی ہیں۔ معماری، نجاری، گاؤ پروری، سپاہ گری، کاشت کاری اور غلام گیری کے فرائض نہایت عقل مندی سے سرانجام دیتی ہیں۔

ہر بل میں چار قسم کی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ ملک، ملکہ، مزدور اور سپاہی۔ مزدور تعداد میں زیادہ اور سپاہی جسامت میں بڑے ہوتے ہیں۔ ملک اور ملکہ ہر دو کے پر ہوتے ہیں اور ملکہ بادشاہ سے زیادہ موٹی ہوتی ہے۔

حواسِ خمسہ کے علاوہ ہر چیونٹی کے چار جبڑے، آنتڑیاں، دُم میں ایک چھوٹا سا ڈنک۔ پاس ہی زہر کی ایک تھیلی اور پہلوؤں میں سانس لینے کے لیے دو سوراخ ہوتے ہیں۔ ہوا ان سوراخوں سے داخل ہو کر بے شمار نالیوں میں چلی جاتی ہے۔ ان نالیوں کا جال چیونٹی کے جسم میں اسی طرح بچھا ہوا ہے جس طرح ایک پتے میں رگیں۔

چیونٹی کا گھر پندرہ سے بیس فٹ تک گہرا ہوتا ہے۔ اندر فنِ تعمیر کا حیرت ناک کمال دکھائی دیتا ہے۔ سب سے نیچے کچھ کمرے، اوپر بالاخانے، گیلریاں اور ملاقات و مشورہ کے ہال مٹی کے ستونوں پر بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔
چیونٹی کی اسی صناعی سے متاثر ہو کر حضرت سلیمانؑ نے ایک شخص کو کہا تھا:

Go to the ant, consider her ways and be wise. (بائبل)

"چیونٹی کے پاس جا، اس کے اعمال کا مطالعہ کر اور دانا بن۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵ | اور ان کو ان کی فوج سمیت اپنی وادی میں لے گئی اور اپنی رعایا کو حکم دیا کہ اپنے مکانوں میں داخل ہو جاؤ اور سلیمانؑ اور اس کی فوج کے لیے راستہ خالی کر دو، ایسا نہ ہو کہ تم ان سے آ الجھ پڑو اور وہ تمہیں کچل ڈالیں۔ حضرت سلیمانؑ اس کی بات سن کر مسکرائے کہ ہم سلیمان ہیں، یعنی، سلامتی پھیلانے والے حاکم۔ ہم عاجزوں سے ایسا برتاؤ نہیں کرتے۔ (بیانٌ للنّاس ملخصاً) سوچنے کی بات یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی رفتار میں کیڑوں مکوڑوں کو کچلے بغیر زمین پر چل سکتا ہے؟ پھر سلیمانؑ جو کثیر التعداد لشکروں کو لے کر طویل سفر طے کر رہے تھے، کیوں کر ممکن ہے کہ ان کے پاؤں تلے کوئی چیونٹی نہ روندی گئی ہوگی۔ (مدیر)

المانیہ کا ملک الشعراء گوئٹے کہتا ہے:

"محنت، صبر اور استقلال سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ ہر سہ صفات چیونٹی میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں"۔

عملِ تولید و تربیت | ملکہ بل میں اِدھر اُدھر انڈے ڈال دیتی ہے۔ مزدوروں کی جماعت اِن انڈوں کو اکٹھا کر کے ایک محفوظ کونے میں رکھ دیتی ہے۔ اِن کی تربیت پر دائیاں مقرر ہو جاتی ہیں اور جب بچے نکل آتے ہیں تو آغاز میں اُنہیں نصف ہضم شدہ غذا کھلاتی ہیں۔ ان بچوں کو بلحاظِ عمر ایک قطار میں رکھتی ہیں، انہیں تھپکاتی، چاٹتی اور نہلاتی ہیں۔ اگر کوئی دشمن بل پر حملہ کر دے تو انہیں اٹھا کر کسی محفوظ مقام پر لے جاتی ہیں اور اگر بارش میں بھیگ جائیں تو دھوپ میں نکال کر انہیں خشک کرتی ہیں۔

کاشت کاری | چیونٹیاں بل کے قریب بعض غلے بو دیتی ہیں، جب فصل پک جاتی ہے تو اٹھا کر بلوں میں لے جاتی ہیں۔

بعض پودوں سے رس نکال لاتی ہیں، کچھ پی لیتی ہیں اور باقی ماندہ بعض مُردہ چیونٹیوں کے جسم میں بھر دیتی ہیں جسے وقتِ ضرورت استعمال کرتی ہیں۔

مفت خورے | ملکہ و ملک ہر دو بہت سست و عیاش ہوتے ہیں۔ اگر دوسری چیونٹیاں انہیں غذا لا کر نہ دیں تو یہ تلاشِ غذا کی کبھی کوشش نہ کریں اور بھوک سے مر جائیں۔ سپاہی چیونٹیوں کا گذارا اپنے شکار پر ہوتا ہے۔ یہ عادات میں افریقہ کے وحشیوں سے ملتی جلتی ہیں کہ جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں اور تلاشِ معاش میں کسی کی دست نگر نہیں بنتیں۔

گائے | چیونٹیاں ایک کوڑے افس کو پکڑ لاتی ہیں۔ کسی کیمیادی عمل سے اس کی تربیت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے تھنوں سے (جو سُرین پر ہوتے ہیں) دودھ بہنے لگ جاتا ہے جسے یہ نہایت شوق سے پیتی ہیں۔ جب افس انڈے نکالتا ہے تو چیونٹیاں ان کی پرورش کرتی ہیں۔

بعض چھوٹے چھوٹے حشرات چیونٹیوں کے بل کے پاس گھومتے دکھائی دیتے ہیں، ان سے چیونٹیاں یوں کھیلتی ہیں جس طرح ہم بلی سے۔

عجائبات | (۱) چیونٹیوں کے اقسام ہزار سے زائد ہیں۔

(۲) چیونٹی کی عمر سات سال ہوتی ہے۔

(۳) اگر مختلف بلوں کی چیونٹیاں کہیں سیلاب میں پھنس جائیں تو ہر بل کی چیونٹیاں اپنے ساتھیوں

کو سونگھ کر پہچان لیتی ہیں اور اٹھا کر گھروں کو چل دیتی ہیں۔

(۴) چیونٹیاں بعض دیگر حشرات کو پکڑ کر لے جاتی ہیں۔ صلاح و مشورہ کے بعد بڑوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور بچوں کو رکھ لیتی ہیں۔ یہ اس لیے کہ بچے ہر سانچے میں ڈھل سکتے ہیں اور بڑے آخر تک سرکش رہتے ہیں۔

(۵) چیونٹیاں بعض درختوں کے پتے توڑ لاتی ہیں اور پھر انہیں بھگو کر بطور فرش گھر میں بچھاتی ہیں۔

(۶) چیونٹی اپنے بوجھ سے تین سو گنا زیادہ وزن اٹھا سکتی ہے۔ اگر انسان ایسا کر سکتا تو ۴۰۹۰ من بوجھ اٹھا سکتا۔

(۷) اگر کوئی چیونٹی زخمی ہو جائے تو فوراً دوسری چیونٹی کسی کیمیاوی عمل سے اپنی تھوک کو دھاگے کی شکل میں بدل لیتی ہے اور اس سے زخم کو سی دیتی ہے۔

(۸) اگر کوئی چیونٹی مر جائے تو پہلے اس کا باقاعدہ جنازہ اٹھتا ہے اور پھر پوری رسوم کے ساتھ دفن کی جاتی ہے۔

(۹) چیونٹی کی آنکھ دراصل دو سو آنکھوں کا مجموعہ ہے۔ بعض حشرات ایسے بھی ہیں جن کی آنکھیں ۲۷۰۰۰ آنکھوں سے تیار ہوتی ہیں۔

عنکبوت | مکڑی اپنا گھر (جالا) تاروں سے بناتی ہے۔ ہر تار دراصل چار باریک تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ پھر ہر ایک تار ہزار تاروں سے تیار ہوتا ہے۔ بدیگر الفاظ جالے کا ہر تار چار ہزار باریک تاروں سے بنتا ہے۔ مکڑی کے جسم میں چار ہزار باریک نالیاں ہیں۔ ہر نالی سے ایک تار نکلتا ہے۔ ذرا آگے چار سوراخ ہیں۔ ہر سوراخ میں ایک ہزار تار داخل ہو کر ایک تار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ دُم کے آخر میں صرف ایک نالی ہے جس میں سے یہ چار تار گزر کر ایک دھاگہ بن جاتے ہیں۔

مکڑی چھت کے شہتیروں سے گوند نکال کر تاروں پر لگاتی ہے اور پھر ان تاروں سے اتنا مضبوط گھر بناتی ہے کہ باوجود اوہن البیوت (ضعیف ترین گھر) ہونے کے طوفانوں اور تند آندھیوں سے نہیں ٹوٹتا۔

مکڑی مسدس شکل کا ایسا مکمل جالا تیار کرتی ہے جس کا ہر ضلع نصف قطر کے برابر ہوتا ہے۔ انسان نے مسدس شکل اسی مہندس (مکڑی) سے سیکھی۔

مکڑی جالا بُنتے وقت ہر تار پر پانچ چھ مرتبہ آتی جاتی ہے اور ہر بار ایک نئے تار کا اضافہ کرتی ہے اس طرح جالے کا ہر تار اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ مکڑی سے آٹھ گنا زیادہ وزن کو بھی بآسانی تھام سکتا ہے۔

جب کوئی مکھی اس جالے میں پھنس جاتی ہے تو مکڑی فوراً اسے ایک زہر سا پلا کر بے ہوش کر دیتی ہے تاکہ یہ تڑپ تڑپ کر جالے کو نہ توڑ ڈالے۔

مکڑی چھ ماہ تک بھوکی رہ سکتی ہے اور اس کی آٹھ آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ ایک وقت میں دو ہزار انڈے دیتی ہے جنہیں ملائم و سنہری تاروں میں لپیٹ کر رکھتی ہے۔ مکڑی ایک ہی ہے لیکن ضروریات کے مطابق مختلف رنگ کے تار نکال سکتی ہے۔ ہر تار ریشم کے تار سے نوّے گنا کم باریک ہوتا ہے۔

ہم ابھی تک مکڑی کے جالے کا استعمال معلوم نہیں کر سکے۔ جاپان میں ایک دفعہ اس سے جرابیں و دستانے تیار کیے گئے تھے لیکن دیرپا نہ نکلے۔ صرف ایک فائدہ معلوم ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ زخم سے بہتا ہوا خون اس سے روکا جا سکتا ہے۔

مکڑی کے اقسام مکڑی کی ایک قسم جوہڑوں کے نیچے سفید گنبد نما گھر بناتی ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پانی سے سر نکالتی ہے۔ تنفس کی خاطر ایک تھیلی ہوا سے بھر لیتی ہے اور پھر نیچے چلی جاتی ہے۔ مکڑی کی ایک اور قسم صرف پھلوں پر جالا تنتی ہے۔ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ پھل کے دشمن حشرات کو پھل کے قریب نہ آنے دے۔ گویا یہ مکڑی خیمے میں رہنے والا ایک سنتری ہے جو رات دن درخت پر پہرہ دیتا رہتا ہے۔

مکڑی کی ایک قسم "مائیگیل" Mygale زمین میں ۱/۲ انچ گہرا اور ایک انچ گول گھر بنا کر اوپر مٹی کا ایک دروازہ لگا دیتی ہے تاکہ گھر اور باقی زمین میں تمیز نہ ہو سکے۔ پھر گھر کے ارد گرد سبزیوں کے بیج لا کر بو دیتی ہے تاکہ گھر پر سایہ رہے۔ اس دروازے میں سوراخ ہوتے ہیں جن میں پنجے ڈال کر دروازہ کھولتی ہے اور اگر کوئی دشمن حملہ کر دے تو انہی سوراخوں میں پنجے ڈال کر بڑی طاقت سے اندر کی طرف کھینچتی ہے تاکہ دروازہ کھل نہ سکے۔ ایک لمبی چونچ والا پرندہ اسی مکڑی کی تاک میں رہتا ہے، جونہی مکڑی گھر سے باہر نکلتی ہے، پرندہ فوراً وہاں پہنچتا ہے اور لمبی چونچ ان سوراخوں میں ڈال کر بچوں وغیرہ کی تلاش کرتا ہے۔ چوں کہ مکڑی اس خطرے سے پہلے ہی آگاہ ہوتی ہے، اس لیے وہ انڈوں اور بچوں کے لیے پہلو میں ایک الگ کمرہ تیار کرتی ہے، جہاں اس پرندے کی چونچ نہیں پہنچ سکتی۔

اِن حشرات کی اس عقل و دانش سے متاثر ہو کر ایک مغربی حکیم کہتا ہے:

"اِن بے مقدار اشیاء کی تکوین میں اللہ نے عقل و دانش، قوتِ تخلیق اور کمالِ صناعی کا کیا حیرت آفریں مظاہرہ کیا ہے۔"

حقیقتاً اعمالِ الٰہیہ پر غور کیے بغیر اللہ کی عظمت کا صحیح تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ ایک یورپی مفکر کہتا ہے:

"مظاہرِ تکوین پر غور کرنے کے بعد ہم بمدارج اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔"

قرآن حکیم میں عنکبوت کے ذکر کے بعد معاً یہ آیت آتی ہے:

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ○ (عنکبوت ۴۳)	ہم یہ امثال لوگوں کی خاطر بیان کر رہے ہیں اور انہیں صرف اربابِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ ربِ العرش نے اعمالِ عنکبوت پر غور کرنے کا نام علم رکھا ہے۔ یہی وہ ایمان افروز علم ہے جس سے محروم رہ کر آج ہم پِٹ رہے ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ (یونس ۱۰۱)	اے رسول! اہلِ ایمان کو زمین و آسمان کے معجزات پر غور کرنے کا حکم دے۔ ایک بے ایمان (کائنات پر غور نہ کرنے والی) قوم کو کوئی ہدایت اور کوئی تنبیہ فائدہ نہیں دیتی۔

اس آیت میں کائنات پر غور نہ کرنے والی اقوام کو بے ایمان کہا گیا ہے۔

ایک مغربی عالم کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"جو آدمی اپنے آپ کو فطرت کی حسین اور دودھ بھری چھاتیوں پر ڈال دیتا ہے۔ وہ ایک ایسے چشمے سے غذا اور پانی حاصل کرتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔"

جو لوگ معجزاتِ تخلیق سے غافل رہتے ہیں، وہ اللہ کی صحیح عظمت و رفعت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ نتیجہ یہ کہ ایک چھوٹی سی ترغیب انہیں رہِ راست سے منحرف کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ یہ لوگ آز و ہوا کے ہاتھ میں کھلونا بن کر دولت پرستی و حکام پرستی پر اترتے ہیں اور نہایت ذلیل مقاصد کی تکمیل میں شب و روز سرگرداں رہتے ہیں۔ مکڑی کی طرح اِن کا کام مکھیوں کا شکار ہوتا ہے اور بس۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ (عنکبوت ۴۱)	جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلقات گانٹھ لیتے ہیں وہ اس مکڑی کی طرح ہیں جو (مکھیوں کے شکار کے لیے) جالا تن لیتی ہے۔ کاش انہیں معلوم ہوتا کہ مکڑی کا گھر دنیا میں کمزور ترین گھر ہے۔

ترجمانِ ملّت ہمیں کس بلند مقامی کا پیام دیتا ہے:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے ۔۔۔ یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ! (اقبالؒ)

شہد کی مکھی

شہد کی مکھی بہت حریص ہوتی ہے۔ ہر دکان اور ہر چھابے سے شہد چرا لاتی ہے۔ بعض اوقات حلوائی کی کڑاہی میں گر کر ہلاک ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اس قدر بوجھ اٹھا لیتی ہے کہ منزلِ مقصود سے ورے ہی مر جاتی ہے۔

ہر چھتے میں ایک ملکہ ہوتی ہے جو چھتہ تیار ہونے کے بعد اس پر اس شان سے ٹہلتی ہے کہ ساتھ ساتھ چند کنیزیں ہوتی ہیں اور ہر خانے میں منہ ڈال کر دیکھتی ہے کہ آیا مکمل ہو چکا ہے یا نہیں۔ اطمینان کرنے کے بعد انڈے دینا شروع کرتی ہے۔ اس کے انڈے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک میں سے ملکہ۔ دوسری قسم میں سے ملک اور تیسری سے کارکن (مزدور) پیدا ہوتے ہیں۔ مکھی ایک ہی ہے اور انڈے تین قسم کے دیتی ہے۔

اگر کسی حادثہ کی وجہ سے ملکہ مر جائے اور چھتے میں کوئی شہزادی موجود نہ ہو تو مکھیاں کسی مزدور زادی ہی کو ملکہ مقرر کر کے تربیت دینا شروع کر دیتی ہیں۔ اگر تمام چھتے میں کوئی انڈا موجود نہ ہو تو مکھیاں دل شکستہ ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتی ہیں۔ چھتہ اُجڑ جاتا ہے اور تمام مکھیاں ہلاک ہو جاتی ہیں۔

کارکن مکھیوں میں نر و مادہ ہر دو ہوتے ہیں۔ نر تلاشِ شہد میں جاتے ہیں اور مادہ مکھیاں گھر کو سنبھالتی ہیں۔

ملکہ کی موت پر مکھیوں میں زبردست ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے نہایت بے تابی کے ساتھ سرگوشیاں کرتی نظر آتی ہیں۔

چھتے میں دو طرح کے خانے ہوتے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے۔ چھوٹے خانوں میں کارکن جنم لیتے ہیں اور بڑے شاہی نسل کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ سفید و نیلگوں انڈوں (جن میں سے ہر انڈا $\frac{1}{12}$ انچ لمبا ہوتا ہے) سے کارکن مکھیاں پیدا ہوتی ہیں۔

جب ملکہ کسی خانے میں انڈا رکھ دیتی ہے تو دایہ مکھی نہایت احتیاط سے اس کی تربیت کرتی ہے۔ جب ذرا بڑا ہو جاتا ہے تو خانے پر ایک سفید غلاف چڑھا دیتی ہے اور جب بچہ جوان ہو جاتا ہے تو خانے کا منہ کھول دیتی ہے۔ بچہ باہر آ جاتا ہے۔ دایہ پہلے اسے چلنا پھرنا سکھاتی ہے اور پھر پھولوں تک اپنے ساتھ اڑا کر لے جاتی اور واپس لاتی ہے۔

شاہی انڈوں کی تربیت نہایت احتیاط سے کی جاتی ہے۔ اگر کسی وقت کوئی ایسی شہزادی پیدا ہو جائے جس کی ضرورت نہ ہو تو ملکہ اسے ڈنک لگا کر فوراً ہلاک کر دیتی ہے۔ اگر ملکہ بوڑھی ہو جائے اور انڈے دینے کے قابل نہ رہے تو تمام مکھیاں مل کر اسے تختِ سلطنت سے علیحدہ کر دیتی ہیں۔ ماتحت مکھیوں کی بدسلوکی سے گھبرا کر ملکہ بین کرتی ہے جو کئی گز کے فاصلے تک سنائی دیتے ہیں۔ ان فریادوں میں اس قدر سوز ہوتا ہے کہ ہر مکھی خاموش،

طول اور بے حرکت ہو جاتی ہے۔ جونہی کہ یہ بین ختم ہوتے ہیں، تمام کھیاں ملکہ کے گرد جمع ہو کر اسے ڈنک لگاتی ہیں، دھکیل کر چھتے سے باہر پھینک دیتی ہیں اور ملکہ نہایت ذلت و رسوائی میں جان دے دیتی ہے۔

دنیا میں نااہل، بے ہمت اور بے کار اقوام کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب تک کہ مسلمانوں میں صلاحیتِ حیات باقی تھی، وہ آسٹریا، ممالک بلقان، جنوبی روس، نصف فرانس، سپین، شمالی افریقہ، سسلی، سائپرس، عرب، شام عراق، ایران، ارضِ روم، افغانستان، ہندوستان اور بحرالکاہل جزائر پر حکم ران رہے۔ اور جب صلاحیتِ حیات کھو بیٹھے۔ خالی عقائد اور بے معنی اوراد و وظائف کو زندگی کا دستور العمل بنالیا، محنت و مشقت سے کنارہ کشی کرلی، تلاش و طلب سے ہاتھ کھینچ لیا اور بے پناہ جذبۂ عمل سے بے گانہ ہو گئے تو اللہ نے ان کی بنیادیں ہلادیں، اپنی حسین سرزمین سے اکھیڑ کر باہر پھینک دیا اور تخت سے اٹھا کر فرش پر دے مارا۔ لیکن اِدھر ہم ہیں کہ خیرالامم ہونے کا پندار دماغوں میں بدستور باقی ہے۔ اللہ اس قوم کو آنکھیں عطا کرے کہ یہ اپنی بُری حالت کا مشاہدہ کرسکے۔

کائنات کا ہر منظر حیات و صلاحیت کا بانگِ دہل درس دے رہا ہے لیکن مسلم کے کان بند ہیں اور دماغ ماؤف۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ○ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ○ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ○ مدثر ۴۹	یہ لوگ اسباق و آیات سے یوں دُور بھاگتے ہیں، جس طرح بدکے ہوئے گدھے شیر کو دیکھ کر دوڑ پڑیں۔

رجوع بمطلب بعض اوقات ایک فالتو شہزادی کو اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے تاکہ کسی نئے چھتے کی بنیاد ڈالی جائے، جہاں یہ شہزادی ملکہ کے فرائض سرانجام دے۔

شہد کی مختلف قسمیں عام طور پر لوگ صرف زرد رنگ شہد سے واقف ہیں لیکن ماہرینِ نحل کہتے ہیں کہ سبز، سرخ اور ہلکے گلابی رنگ کے شہد بھی گاہے ماہے دیکھنے میں آتے ہیں۔

مغرب کے ایک حکیم مسٹر کیٹی آر لوول Kate.. R. Lovell نے جب قرآن کی یہ آیت دیکھی:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ○ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ (نحل ۶۸-۶۹)	تیرے رب نے شہد کی مکھی کو یہ پیغام بھیجا کہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں میں اپنا گھر بنا۔ تمام پھلوں سے شہد حاصل کر اور اپنے رب کے دیے ہوئے دستور العمل کو باقاعدگی سے نباہ۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ اس مکھی کے پیٹ سے ایک شربت نکلتا ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور جس میں امراض کی شفا بھی ہے۔ مکھی کے ان اعمال میں اُن لوگوں کے لیے کئی اسباق موجود ہیں، جو

صحیفۂ فطرت میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

تو حیرت زدہ ہو گیا کہ عرب کا یہ اُمّی (فداہ ابی و اُمّی) فطرت کا کتنا بڑا عالم تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"محمد (علیہ السلام) ایک زبردست فرماں روا۔ مہیب فاتح، بہت ہوشیار و باعلم انسان تھا۔ قرآن سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ فطرت کا شیدائی، مکھیوں کے اعمال کا عالم اور شہد کے افادی پہلوؤں سے آگاہ تھا۔ وہ مکھیوں کے گھر بنانے اور مختلف اللون شہد تیار کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ یہ علم تلاش و مشاہدۂ کائنات کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔"

آں حضرت صلعم کو جس رنگ میں اس مغربی مفکر نے پیش کیا ہے، وہ کسی مُلّا کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ مُلّا کے نزدیک آں حضرتؐ کی انقلاب آفریں ہستی کا تخیل بس اتنا ہی ہے کہ شفاعت سے اُمت کے گناہ معاف کرا رہے ہیں اور ایک دفعہ درود شریف پڑھنے پر دس دس نیکیاں تقسیم کر رہے ہیں اور بس۔

شہد کی تلاش | مکھی کا نچلا ہونٹ لمبا ہوتا ہے، یوں تو وہ سمٹا رہتا ہے لیکن پھول سے رس نکالتے وقت پھیل جاتا ہے اور پھول کی اندرونی تہوں تک سے رس سمیٹ لیتا ہے۔ مکھی اس رس کا کچھ حصہ تو پی جاتی ہے اور کچھ غذائی نالی کے قریب ایک تھیلی میں بھر لیتی ہے۔ چھتے میں پہنچ کر اس رس کو جس پر کچھ کیمیائی عمل بھی ہو چکا ہوتا ہے، خانوں میں انڈیل دیتی ہے۔

جب مکھی پھولوں سے رس نکال رہی ہوتی ہے، اس وقت پھولوں کے ذرّات منویہ Pollon مکھی کے پروں اور لاتوں سے چمٹ جاتے ہیں اور یہ ذرات (جن میں میٹھا رس بھی ہوتا ہے) اُن مکھیوں کی غذا بنتے ہیں جو چھتے سے باہر نہیں جاتیں، ان گھریلو مکھیوں کے پاس غذا والی تھیلی نہیں ہوتی، اس لیے کہ انہیں پکی پکائی مل جاتی ہے۔ مکھیاں پھول کی جڑ میں ڈنک لگا کر بھی رس حاصل کرتی ہیں۔

جب موسم سرما میں عموماً پھول جھڑ جاتے ہیں اور ان کے پاس غذا کے لیے چھتے کے سوا کچھ نہیں ہوتا تو نکمی و سست مکھیوں کی شامت آ جاتی ہے۔ کارکن مکھیاں انہیں ڈنک سے ہلاک کر دیتی ہیں۔ سچ ہے:

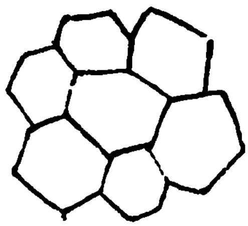
وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ (قارعہ ۸-۹)	جس کے اعمال کا وزن تھوڑا ہو (یعنی کاہل و بیکار) اسے جہنم کے سپرد کیا جاتا ہے۔

موم | مگسِ شہد تازہ کونپلوں سے ایک قسم کا گوند نکال لاتی ہیں جسے موم کے ساتھ ملا کر خانے تیار کرتی ہیں۔ اگر شہد کی آمد بڑھ جائے اور خانے کم ہوں تو موم بنانے کے لیے مکھیوں کو بڑی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ وہ

یوں کہ درجن بھر مکھیاں ایک دوسرے کے پروں کو اگلی ٹانگوں سے مضبوط تھام کر چوبیس گھنٹوں کے لیے لٹک جاتی ہیں۔ اس عرصے کے بعد کسی کیمیاوی عمل سے ان کی تھیلیاں جو پیٹ کے نیچے ہوتی ہیں، موم سے بھر جاتی ہیں۔

تھوڑی جگہ اور تھوڑے سے وقت میں زیادہ خانے تیار کرنے کے لیے مکھی چھ کونے خانے بناتی ہے۔

شکل ملاحظہ ہو:



"یہ ہیں مگس شہد کے اعمال، یہ ننھی سی مخلوق الہامِ الٰہی کے طفیل انسانی دنیا کو ضبط و باقاعدگی کا سبق سکھلاتی ہے۔" (مغرب کا ایک حکیم)

نحل کے پَر | نحل کے چار پَر ہوتے ہیں۔ اُڑتے وقت پچھلے پَر اگلے پَروں کے ساتھ چند گنڈیوں کے ذریعے پھنس کر ایک پَر کی طرح بن جاتے ہیں، ان پر ملائم سی پشم ہوتی ہے تاکہ بارش کے قطرے اوپر سے بہ جائیں اور پَر نہ بھیگنے پائیں۔ پَروں کے نیچے نالیوں میں ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے تاکہ پرواز میں آسانی رہے۔

جب گرمیوں میں چھتہ تپ جاتا ہے اور شہد کے بہ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو چند مکھیاں پَروں سے ہوا دے کر چھتے کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔

آنکھیں | نحل کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔ تین سر کی چوٹی پر اور دو سر کے دائیں بائیں۔ ان میں سے ہر آنکھ ۳۵۰۰ آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یعنی، اس میں ہر چیز کی ۳۵۰۰ تصاویر اُترتی ہیں۔ یہ آنکھیں ہماری آنکھوں کی طرح اِدھر اُدھر حرکت نہیں کر سکتیں۔ یہ غالباً اس لیے کہ تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے بغیر گردش کیے ہر طرف دیکھ سکتی ہیں۔

سر والی آنکھوں کا تعلق کچھ پرواز سے بھی ہوتا ہے۔ اس مکھی کا قاعدہ ہے کہ پہلے آسمان کی طرف اُڑتی ہے اور پھر ایک طرف کو خط مستقیم بناتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک شیدائی فطرت نے چند مکھیوں کے سر پہ رنگ چھڑک دیا، تاکہ سر والی آنکھیں بے کار ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکھیاں سیدھی آسمان کی طرف اڑتی گئیں اور ایک جانب کو خط مستقیم نہ بنا سکیں۔

ڈنک | جب مکھی کسی جسم میں ڈنک چبھو دیتی ہے تو ڈنک اندر ہی رہ جاتا ہے، مکھی اُڑ جاتی ہے اور بعد میں ہلاک ہو جاتی ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ آلۂ حفاظت سے محروم ہو جاتی ہے اور قدرت کے اُس اٹل آئین کے مطابق (کہ جو اقوام اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتیں، وہ میٹ دی جاتی ہیں) وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔

ایک مغربی مفکر مدتوں اعمالِ نحل پر غور کرتا رہا۔ ذرا اس عالمِ فطرت کے تاثرات ملاحظہ ہوں، اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اے رب! تیرے اعمال کس قدر مہیب و لرزہ فگن ہیں، جو ہماری روح میں ایک خوش گوار خوف (خشیہ) پیدا کر کے اسے اور بلند بنا دیتے ہیں"

اس انگریز کے یہ تاثرات مندرجۂ ذیل آیت کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) | اللہ کا خوف صرف عالمِ فطرت کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔

یادِ خدا | قرآن حکیم میں اللہ کو یاد کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ مولوی کے ہاں اس حکم کی تفسیر یہ ہے کہ ایک لمبی تسبیح لے کر روزانہ ایک ہزار مرتبہ "اَللّٰہُ اَللّٰہُ" جپ چھوڑو اور خلاصی ہوئی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اس بے کیف و بے لذت ذکر کا کوئی فائدہ؟ ہم غالب و اقبال کے اشعار پڑھتے ہیں تو ہر شعر پر بے ساختہ آہ یا واہ نکل جاتی ہے۔ یہ صحیفۂ کائنات اللہ کا ایک دیوان ہے ؎

خندۂ شبنم، بہارِ گل، فروغِ مہر و ماہ
واہ کیا اشعار ہیں دیوانِ فطرت کے لیے (جوش ملیح آبادی)

جہاں ہر طرف رنگین، وجد آور اور حسین شعر بکھرے پڑے ہیں۔ حیرت ہے کہ اِن سے متاثر ہوئے بغیر ایک مولوی کیوں کر پاس سے گزر جاتا ہے اور پھر حجرے کے تاریک گوشے میں کون سی نیرنگیاں موجود ہیں جن سے تاثر لے کر یہ "اَللّٰہُ" کے نعرے لگاتا ہے۔ اللہ کے اشعار تو بحر و بر میں، دشت و جبل میں اور اس حسین ارض و سما میں بکھرے ہوئے ہیں۔ لیکن حضرت مولوی صاحب کا ذکرِ خدا ایک تاریک کونے میں آدھی رات کو شروع ہوتا ہے:

لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (سورہ حج آیت ۴۶) | آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

میرے نزدیک ذکرِ خدا اُس خشیہ، اُس رعب، اُس کیف اور اُس آہ و واہ کا نام ہے جو اُس کے اعمال پر غور

کرنے کا حتمی نتیجہ ہے اور جس میں کسی ہُوہُو کی قطعاً گنجائش نہیں۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (اعراف ۲۰۵)

تم اپنے رب کو دل میں یاد کرو۔ یہ یاد اُس خشوع و خشیہ کا نتیجہ ہوتی ہے جو اعمالِ الٰہی کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صبح و شام اونچے اونچے نعرے لگانے کی ضرورت نہیں، اور دیکھو کہیں الٰہی اعمال سے غافل نہ ہو جانا۔

یہی وہ ذکرِ خدا ہے جس سے دِل دہلتے ہیں:

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال ۲) الٰہی اعمال کا ذکر سُن کر اُن کے دِل کانپ جاتے ہیں۔

اور یہی وہ آیات ہیں جن سے ایمان بڑھتا ہے:

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (") اور ہماری آیات سُن کر اُن کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

ایک دفعہ کفارِ عرب نے آں حضرت ؐ سے کوئی معجزہ طلب کیا۔ جواب میں ارشاد ہُوا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ (انعام ۳۷-۳۸)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ، رسول پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں کرتا۔ اے رسول! انہیں کہہ دے کہ اللہ کو معجزات اتارنے کی طاقت حاصل ہے لیکن یہ لوگ بڑے بے علم و جاہل ہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ زمین پر چوپاؤں کی ایک دنیا آباد ہے اور ہوا میں رنگ برنگ پرندے اُڑ رہے ہیں جن کی فنا و بقا کا آئین تمہاری ہی طرح ہے۔

تو کیا یہ طیور و حیوانات معجزے نہیں؟ یقیناً ہیں۔ لیکن جہالت و اندھے پن کا کوئی علاج نہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف ۱۰۵)

ارض و سما میں معجزات کی ایک دنیا موجود ہے۔ لیکن یہ لوگ غافلوں کی طرح منہ پھیر کر پاس سے گذر جاتے ہیں۔

مچھر مچھر کے منہ کے سامنے ایک مُو دار نالی سی ہوتی ہے جس سے جسم میں سوراخ کر کے اندر زہر داخل کیا کرتا ہے۔ اس کے انڈوں کی غذا خوردبینی حیوانات ہوتے ہیں۔ یہ انڈے ہوا حاصل کرنے کے لیے سطحِ آب پر آجاتے ہیں۔ منہ پانی کے اندر اور دُم باہر رکھتے ہیں۔ دُم میں تنفس کے لیے ایک سوراخ ہوتا ہے۔ جب مچھر انڈوں سے نصف باہر آجاتے ہیں تو پھر تنفس کے لیے ان کی پیٹھ میں ایک سوراخ بن جاتا ہے۔ ولادت کے وقت انڈے سطح پر آجاتے ہیں۔ حرارتِ آفتاب سے انڈوں کے خول خشک ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور مچھر باہر آجاتے ہیں۔ جب سورج کی گرمی سے پَر خشک ہو جاتے ہیں تو اُڑ جاتا ہے۔

ولادت کے وقت ہر انڈا ایک طرف سے کھل جاتا ہے۔ اگر مچھر ذرا بھی حرکت کرے تو اس خول میں پانی بھر جائے اور مچھر ہلاک ہو جائے۔ مچھر کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے، اس لیے بے حس سا ہو کر نہایت سکون سے پڑا رہتا ہے۔ اگر اس وقت آندھی چل پڑے تو یہ تمام خول دفعۃً ڈوب جاتے ہیں۔ ہوا کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر روز سینکڑوں من مچھروں کے بچے جھیلوں اور جوہڑوں میں غرق کر دیتی ہے، ورنہ یہ حقیر سی مخلوق انسانی زندگی کو وبال بنا دیتی۔

انسان جیسی مدبر و ذی عقل مخلوق کا مچھر سے مغلوب ہونا الٰہی کار فرمائی کا ایک عظیم الشان کرشمہ ہے رات کے وقت یہ تمام مخلوق کا ناک میں دم کر دیتا ہے۔ تمام بستیوں پر اسی کی حکومت ہوتی ہے۔ بادشاہ تک اس سے کانپتے ہیں اور مچھر دانیوں کے قلعوں میں چھپتے پھرتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اس کے پاس طاقت کا ایک اوزار یعنی زہریلا پمپ ہے۔ اور دنیا کی حاکم ایسی ہی اقوام ہوا کرتی ہیں جن کے پاس اپنوں کے لیے تریاق اور اعداء کے لیے زہر ہلاہل موجود ہو:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (سورہ فتح آیت ۲۹)	مومن اللہ کے نافرمانوں کے مقابلے میں سخت اور اپنوں کے سامنے بہت نرم ہوتا ہے۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (اقبالؒ)

ایک بت تراش کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ سنگِ مرمر سے ہاتھی، گھوڑے یا اونٹ کا مجسمہ تراش لے لیکن یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ مچھر کا مجسمہ تیار کر سکے۔ اس کی آنکھیں، سر، سونڈ، ٹانگیں، رگیں، انتڑیاں، پر اور بال تیار کرنا اس صانع کی طاقت سے وراء الوراء ہے۔ اُدھر اللہ کا کمالِ صنّاعی دیکھئے کہ مچھر سے سینکڑوں گنا چھوٹے حشرات خلق کر کے انہیں ہر لحاظ سے مکمل بنا دیا۔ وہ چل رہے ہیں، دوڑ رہے ہیں اور اُڑ رہے ہیں۔ الٰہی خلاقی کا کمال دیکھنا ہو تو ان حقیر چیزوں کو دیکھو۔ انصافاً فرمایئے کہ اگر خلق و تکوین کے ان شاہکاروں کا ذکر قرآن حکیم میں آجائے تو کون سی عیب کی بات ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ	اللہ سبحانہٗ مچھر وغیرہ کے ذکر سے کیوں شرمائے۔ کائنات کے عالم جانتے ہیں کہ اللہ حقیقت بیان کر رہا ہے لیکن جاہل نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں "ارے یہ قرآن میں مچھر کا ذکر کیوں آگیا"۔

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝

(سورہ بقرہ آیت ۲۶)

ان حقائق پر غور کرنے والے ہدایت پا جاتے ہیں اور باقی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ یہ بھٹکنے والے فاسق ہوتے ہیں۔

مکھی | مکھی کئی لحاظ سے مفید ہے۔ یہ دنیا کی صفائی پر متعین ہے۔ ہم انسان سطح زمین کو غلیظ بناتے ہیں اور یہ غلاظت کو چاٹ کر صاف کرتی ہے۔ جہاں غلاظت زیادہ ہو، وہاں قدرت کے یہ جاروب کش بھی زیادہ ہوجاتے ہیں صاف کمروں میں مکھیاں نہیں ہوتیں، اس لیے کہ وہاں ان کی خدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جو کام کہ میونسپلٹی کے خاکروب نہیں کرسکتے، اسے مکھی سرانجام دیتی ہے۔ جس طرح کہ خاکروب کی ذات میں ناپاکی نہیں بلکہ اس کے کام میں ہوتی ہے، اسی طرح مکھی خود کوئی بُری چیز نہیں بلکہ انسانی غلاظت کو صاف کرنے کی وجہ سے اس کی لاتیں اور پَر گندے ہوجاتے ہیں۔ مُردار کو کھانے والے سفید کیڑے مکھی ہی کے انڈوں سے نکلتے ہیں۔

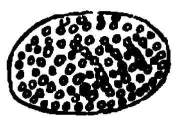
بعض جانور انڈوں کو کچھ عرصہ تک سیتے رہتے ہیں۔ لیکن مکھی کو انڈوں پر بیٹھنے کی فرصت نہیں ہوتی، اس لیے یہ انڈے دے کر چلتی بنتی ہے اور قدرت خود اس کے بچے نکالنے کا انتظام کرتی ہے۔

مکھی ایک سیکنڈ میں ۶۰۰ مرتبہ پَر مارتی اور پانچ فٹ کی مسافت طے کرتی ہے۔ ایک گھنٹے میں ۱۸۰۰۰ فٹ اُڑتی ہے۔ اگر مکھی ڈر جائے تو اس کی رفتار بیس میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے۔

تنفس کے لیے مکھی کے پیٹ میں دو سوراخ ہوتے ہیں جو بالوں سے ڈھکے رہتے ہیں تاکہ گرد و غبار اندر نہ جاسکے۔ مکھی میں سونگھنے کی طاقت بہت تیز ہوتی ہے۔ لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کہاں سے سونگھتی ہے۔

مکھی اُلٹی ہوکر چھت پر کیسے چلتی ہے۔ ہنوز ایک معمہ ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اس کی لاتوں کے ساتھ باریک کنڈیاں سی لگی ہوتی ہیں، جنہیں لکڑی وغیرہ کے مساموں میں پھنسا لیتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی لاتوں سے ایک لیس دار رس نکلتا ہے جس کی بدولت یہ چھت وغیرہ سے چپکی رہتی ہے۔

مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں اور ہر آنکھ چار ہزار چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مرکب ہوتی ہے۔ شکل تقریباً یہ ہے:



جب انڈے میں بچہ تیار ہوجاتا ہے تو مکھی سر کی ٹکر سے انڈے کو چھوڑ دیتی ہے۔ بچہ باہر آجاتا ہے، اس کے پَر بھیگے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ اگلی لاتوں سے پَروں کو خشک کرتا ہے اور پھر اُڑ جاتا ہے۔

مکھی کی عمر صرف ایک مہینہ ہوتی ہے۔ اس عرصے میں یہ بے شمار انڈے دیتی ہے۔ علمائے فطرت نے اندازہ لگایا ہے کہ صرف ایک موسم میں ایک مکھی کی نسل ۲۰ لاکھ افراد تک پہنچ جاتی ہے۔

قدرت کی پاکیزہ اشیاء کو انسان کھاتا ہے۔ انسان کی خارج کردہ غلاظت مکھیوں کی غذا بنتی ہے۔ مکھیوں کو دوسرے حشرات وطیور کھا جاتے ہیں۔ بدیگر الفاظ نباتات حیوانات کی غذا ہیں، حیوانات ہماری غذا۔ اور ہم مرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی غذا بن جائیں گے۔ اس اندوہناک انجام سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہم حدودِ زمان و مکاں کو توڑ کر جاوداں بن جائیں ؎

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام (اقبالؒ)

انسان طیارے بنا سکتا ہے، لیکن درخت سے گرے ہوئے پتے کو اپنی جگہ پر نہیں چپکا سکتا۔ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتا۔ محکمۂ خلق اللہ کا نام "ہوم ڈیپارٹمنٹ" ہے جس میں انسان دخل نہیں دے سکتا۔

طاقت کو اعترافِ شکست مکھی کے پاس پر ہیں، کئی ہزار آنکھیں ہیں، لیکن عنکبوت جیسا بے بس جانور اس پر قابو پالیتا ہے۔ دوسری طرف مکھی ہمیں تمام دن ستاتی ہے، نہ آرام سے سونے دیتی ہے اور نہ کام کرنے دیتی ہے۔ ہماری غذا کی پاکیزگی و نفاست ہم سے چھین لے جاتی ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر انسان مکھی کے سامنے یوں بے بس ہے تو الٰہی قوانین کی مخالفت کرکے اللہ سے کیسے بچ سکے گا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (حج ۷۳-۷۴)	اے لوگو! سنو، ہم تمہیں ایک کام کی بات سناتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے بغیر تمہارے معبود بنے بیٹھے ہیں، وہ تمام مل کر ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ واپس نہیں لے سکتے۔ عابد و معبود ہر دو بے بس ہیں کائنات میں صرف اللہ ہی غالب و طاقت ور ہے۔

زنبورِ سیاہ یہ زنبور مٹی کے گھر بناتی ہے اور اپنے بچوں کے لیے کیڑے مکوڑے پکڑ لاتی ہے۔ انہیں ڈنک سے بے ہوش کر دیتی ہے تاکہ بھاگ نہ جائیں اور ڈنک صرف اتنا لگاتی ہے کہ وہ جیتے رہیں۔ اس لیے کہ اگر مر جائیں تو اس کے گھر میں بدبو پھیل جائے۔

کرائیسس Chrysis | یہ ایک خوبصورت مکھی ہے۔ دُم سنہری اور پَر سبز ہوتے ہیں، اس کا رنگ ہر موسم میں بدلتا رہتا ہے۔ یہ مکھی اپنے انڈے ایک اور قسم کی مکھی کے گھر میں دیتی ہے۔ جب گھر کی مالکہ باہر سے آکر ایک اجنبی کو اپنے آشیانے میں دیکھتی ہے تو اسے ڈنک سے فوراً ہلاک کر ڈالتی ہے۔ اس خیال سے کہ اس کی نسل باقی رہ گئی، یہ مکھی بخوشی جان دے دیتی ہے۔ جب اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی گھر والی کے بچے بھی نکل آتے ہیں تو کرائیسس کے بچے ماں کا انتقام لینے کے لیے آشیانے کی تمام غذا جلدی جلدی ختم کر ڈالتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالکہ کے بچے بھوک سے مرجاتے ہیں۔

بلیک بیٹل Black Beetle | اس کی مادہ جب انڈوں پر آتی ہے تو اپنے جسم سے ایک رس نکال کر ایک ٹوپی سی بناتی ہے جس میں چھوٹے چھوٹے سولہ کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں ایک انڈا رکھ دیتی ہے اور اوپر سے بند کر دیتی ہے۔ جب بچے تیار ہو جاتے ہیں تو اپنی تھوک سے اس غلاف کو بھگو کر نرم کرتی ہے۔ غلاف پھٹ جاتا ہے اور بچے باہر آجاتے ہیں۔ یہ بچے چار سال میں کامل بنتے ہیں اور اس عرصے میں سات دفعہ جلد بدلتے ہیں ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ لیکن جلد بدلنے کے بعد چند دن تک سفید رہتے ہیں۔ یہ کھٹملوں کو کھاتے ہیں اور خود چوہوں، بلیوں اور بعض پرندوں کی غذا بن جاتے ہیں۔ زرد رنگ کے پیراسائٹ Parasites تمام عمر ان کی پیٹھ پر سوار رہتے ہیں اور ان کا خون چوستے ہیں۔

یہ مکوڑا بہت پرانے زمانے سے چلا آتا ہے۔ پہاڑوں سے اس کی اسّی انواع کے قشر دستیاب ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس کا نافع پہلو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ اور علمائے حشرات کی رائے بدستور یہی ہے کہ یہ غیر اصلح کا بقا ہے۔ ممکن ہے کہ چند صدیوں کے بعد علم کی ترقی اس غلط فہمی کا ازالہ کرسکے۔

کرین فلائی Cranefly | یہ اپنی دُم نرم زمین میں ڈال کر اندر دو انڈے رکھ دیتی ہے اور سو انڈے دینے کے بعد مرجاتی ہے۔

ٹڈی | یہ خاکی رنگ کا مونچھوں والا جانور ہمارے ریشمی کپڑوں کا دشمن ہوتا ہے۔ شام کے وقت کان لگا کر سنو کیا سریلی آواز آرہی ہے۔ یہ آواز نر کی ہے جو مادہ کو گیت سنا رہا ہے۔ اس کا دماغ گردن کے پیچھے ہوتا ہے۔ اس کی بعض انواع اُڑتی بھی ہیں، بعض کے کان ٹانگوں کے ساتھ اور سوراخ ہائے تنفس پہلو میں ہوتے ہیں حشرات عموماً بہرے ہوتے ہیں لیکن ٹڈی سُن سکتی ہے۔ دلیل یہ کہ جب گا رہی ہو اور پاس سے کوئی آدمی بول اُٹھے تو فوراً چُپ ہو جاتی ہے۔

اگر کسی کیڑے وغیرہ سے اس کی لڑائی ہوجائے تو اپنے تیز دانتوں سے اُس کا گلا کاٹ ڈالتی ہے اور نوش جاں کرکے پھر گانے لگ جاتی ہے۔

دیمک کی ایک قسم | یہ چیونٹیاں جنوبی افریقہ اور امریکہ کے بعض حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ ۱۲½ فٹ اونچا گھر بناتی ہے۔ ان کے اونچے اونچے مخروطی الشکل گھر دُور سے یوں نظر آتے ہیں، گویا دہقانوں کے گلی جھونپڑے ہیں۔ ہر گھر چار محرابوں پر اٹھایا جاتا ہے۔ چھتیں اس قدر مضبوط ہوتی ہیں کہ کئی آدمیوں کا بوجھ سہار سکتی ہیں۔ ہر گھر کے مرکز میں ملک وملکہ رہتے ہیں۔ اِردگرد مزدوروں کے کمرے ہوتے ہیں، ان سے آگے دایہ جماعت کے، اور پھر گودام۔ اس گھر کا کوئی دروازہ نہیں ہوتا اور نہ ان چیونٹیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اسی لیے مٹی کے نیچے رہتے ہیں تاکہ پرندوں کا شکار نہ ہوجائیں۔ اگر کہیں سفر کا ارادہ کریں تو مٹی کی ایک سرنگ بناکر اندر اندر چلتی ہیں۔ ان کے بعض افراد روشنی میں چلنے پھرنے کی وجہ سے صاحبِ نظر ہوتے ہیں۔

مزدوروں کے دانت اتنے تیز ہوتے ہیں کہ لکڑی کو چند دقیقوں میں ریزہ ریزہ کردیتے ہیں۔ ان کی ملکہ ایک چھوٹے سے کمرے میں بند رہتی ہے، اس کمرے کا دروازہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ملکہ باہر نہیں نکل سکتی۔ اسے غذا اندر ہی پہنچا دی جاتی ہے۔ چوں کہ یہ ساری قوم اندھی ہوتی ہے اور انہیں خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ملکہ آگے پیچھے نہ ہوجائے، اس لیے اسے اس کمرے میں بند کردیتے ہیں۔ ملکہ روزانہ اسّی ہزار انڈے دیتی ہے اور آرام طلبی کی وجہ سے انسانی انگوٹھے جتنی موٹی ہوجاتی ہے۔

اگر ان چیونٹیوں کو انسانی قد وقامت دے کر بقدرِ جُثّہ مینار بنانے کی طاقت بھی بڑھا دی جائے تو یہ ۲۸۸۲ فٹ اونچا مینار تیار کرسکیں گی۔ مصر کا سب سے بڑا مینار ۴۷۰ فٹ بلند ہے۔

جگنو | صرف مادہ کے دُم سے روشنی نکلتی ہے۔ یہ نر سے بڑی ہوتی ہے۔ نر بے نور اور مادہ بے پَر ہوتی ہے۔ نر کی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں تاکہ کافی فاصلے سے مادہ کو دیکھ سکے۔ مادہ اپنی روشنی سے حملہ آوروں کو ڈرا سکتی ہے اور نر کے پاس یہ حفاظتی ٹارچ نہیں ہوتا، اس لیے اسے پَر عطا ہوئے۔

مادہ دُم کی روشنی سے تین فائدے اُٹھاتی ہے (۱) دشمنوں سے حفاظت؛ (۲) روشنی میں تلاش غذا (۳) اور یہ کہ دُور سے نر کو نظر آتی رہے۔

روشنی حرارت سے علیحدہ نہیں ہوسکتی۔ لیکن جگنو کی روشنی اس کُلیہ سے مستثنیٰ ہے۔ اگر اس کی روشنی میں حرارت ہوتی تو یہ ہر خشک وتر کو آگ لگا دیتا اور ہر روز آتش زدگی کے لاکھوں افسوسناک واقعات رونما ہوتے۔

اگر اللہ آج جگنو کی چمک میں حرارت بھر دے تو ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں اور یہ حسین کائنات جل کر خاکستر بن جائے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر ۴۵)	اگر اللہ انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا دینا چاہے تو سطح زمین پر کوئی جان دار باقی نہ رہے۔

پسّو اہل شام سقراط سے مذاق کیا کرتے تھے کہ یہ تمام دن پسّو کی چھلانگ ماپتا رہتا ہے۔ یہ مذاق کی بات نہیں بلکہ مقام حیرت ہے کہ اتنا چھوٹا سا پسّو اتنی اونچی چھلانگ کیسے لگاتا ہے۔ یہ اپنے جسم کی لمبائی سے دو سو گنا زیادہ کود سکتا ہے۔ اگر ایک آدمی بھی اتنا کود سکتا تو وہ گیارہ سو فٹ تک ہوا میں اونچا جاتا۔

جنوبی امریکہ میں ایک پسّو جسم میں سوراخ کر کے جلد کے نیچے چھپ جاتا ہے اور بے حد دُکھ کا باعث بنتا ہے۔ سنا ہے کہ اگر ایک پودے وَرم وُڈ Worm Wood کو کمرے میں رکھا جائے تو پسّو بھاگ جاتے ہیں۔

کالی بھڑ گوبر وغیرہ پر آپ نے کالی کالی بھڑ دیکھی ہوں گی جو گوبر کی گولیاں بنا کر اِدھر اُدھر جا رہی ہوتی ہیں۔ اگر راہ میں کوئی چٹان وغیرہ آ جائے اور یہ گولی گر جائے تو بھڑ نیچے آکر پھر کوشش کرتی ہے اور آخر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس گولی میں ایک انڈا ہوتا ہے اور یہ گوبر سے پیدا ہونے والے بچے کی خوراک بنتا ہے۔

قدیم مصریوں نے اس بھڑ کی محنت و مشقت سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ قیمتی پتھروں، زیوروں، عمارتوں اور سِکّوں پر اس کی تصویر بناتے اور اسے شب و روز، سال و ماہ اور آفتاب و زمین کا پیکر خیال کرتے تھے۔

اس بھڑ کے سر پر پانچ قلغیاں سی ہوتی ہیں جنہیں سورج کی کرنوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس کی گولی بنانے کو یوں سمجھا جاتا تھا کہ گویا خدا زمین بنا رہا ہے۔ اس کی چھ ٹانگوں اور ایک سر (۶+۱=۷) کو ہفتہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی ہر لات پر پانچ دندانے سے ہوتے ہیں جنہیں (۵×۶=۳۰) ایک ماہ قرار دیا جاتا تھا۔

یہ جانور دو مفید کام کرتا ہے۔ اوّل سطح زمین کو صاف کرتا ہے۔ دوم، اِن گولیوں کو زمین میں دفن کر کے زمین کو زرخیز بناتا ہے۔

اس غریب مخلوق کو مدافعت کے لیے نہ ڈنک دیا گیا ہے اور نہ تیز دانت۔ ہاں ایک فریب ضرور

دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جونہی اسے چھیڑا جائے، یہ فوراً سانس کھینچ کر زمین پر یوں بے حس لیٹ جاتی ہے کہ گویا غریب کا دم نکل چکا ہے۔ حملہ آور اسے مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور چوں کہ داؤ کھیلتے وقت یہ زمین پر چت لیٹ جاتی ہے اس لیے اس کی گندی لاتوں کی بدبُو سے بھی حملہ آور دُور ہٹ جاتا ہے اور کچھ دیر کے بعد اُٹھ کر اپنی راہ لیتی ہے۔

کوچی نیل Cochineal | مشرقی اندلس میں اس کیڑے سے سُرخ رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی نوع کا ایک کیڑا درختوں کی ٹہنیوں اور تنوں کو منہ سے کاٹتا ہے۔ درخت سے ایک رس نکلتا ہے، جسے یہ کیڑے بطورِ غذا اور انسان لاکھ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کیڑوں کی ولادت سے پہلے ان کی ماں مرجاتی ہے۔ بچے مُردہ ماں کے پیٹ میں پلتے رہتے ہیں اور جوان ہو کر باہر آجاتے ہیں۔

بیلوں کی مکھی | یہ مکھی بیل کے جسم کو کاٹ کر اندر انڈے رکھ دیتی ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو یہ اپنی دُم سوراخ سے باہر رکھتے ہیں تاکہ زخم مل نہ جائے اور یہ اندر ہی پھنس کر نہ رہ جائیں۔ جب نیم جوان ہوجاتے ہیں تو بیل کے جسم سے گر کر مٹی کے نیچے چھپ جاتے ہیں اور پھر مکمل ہو کر باہر آجاتے ہیں۔

ان مکھیوں کی ایک نوع بھیڑ کے ناک میں انڈے دیتی ہے۔ بچے غذا کے لیے دماغ میں چلے جاتے ہیں۔ اس عرصے میں بھیڑ بہت زیادہ چھینکتی اور دُکھ اٹھاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد زمین پر گر پڑتے ہیں اور کامل بن کر اُڑ جاتے ہیں۔

درختوں کی مکھی | یہ مکھی درخت کی شاخوں کو زہر بھرا ڈنک لگاتی ہے اور معاً ایک انڈا بھی دے دیتی ہے۔ اس زہر سے شاخ کا یہ حصہ سُوج جاتا ہے اور بعد میں یہی سُوجا ہُوا حصہ بچے کی غذا بنتا ہے۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ (سورہ سبا آیت ۹)	کیا یہ لوگ ارض و سما کے عیاں و نہاں معجزات پر غور نہیں کرتے؟ اگر ہم چاہیں تو اسی جُرم میں انہیں زمین میں دھنسا دیں یا بامِ فلک کو ان کے سروں پر گرا دیں۔ ارض و سما میں خدا پرستوں کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں۔ (باقی دارد)

دو باتیں

(جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے)

ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق مدفیوضہ کے علمی مضمون "دو قرآن" کا میں بہت شوق سے انتظار کر رہا ہوں کہ وہ جلد کتاب کی شکل میں آئے اور میرے کتب خانے کی زینت ہو۔ اردو میں بہت کم کتابیں ہیں جن کو میں نے اس قدر دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہے اور پڑھنے کے بعد مصنف کو دل سے دعا دی ہے۔ یہ کوئی منافقانہ گفتگو نہیں الحمدللہ میں کسی کی علمیت سے مرعوب ہوتا ہوں بلکہ واقعہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس علمی ضیافت سے آج میں بھی کچھ لقمہ ربائی کروں۔

ستمبر ۱۹۵۱ء کے البیان میں انہوں نے دمدار ستارے کا ذکر کیا ہے۔ شائد ان کو معلوم ہوگا کہ دمدار ستارے آسمان سے خالص لوہا بھی برساتے ہیں۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ لوہا جو اپنی اصلی حالت میں زمین میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ اس کو وحشی انسانوں نے زمین سے کب اور کیسے نکالا اور صاف کیا اور اس سے اپنے لیے سلاخ اور آلات کشاورزی بنائے۔ مگر شائد ہی آں حضرتؐ کے زمانے میں لوہے کو شہاب ثاقب میں پایا ہوگا اور جب میں قرآن کی یہ آیت پڑھتا ہوں،

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (حدید ۲۵) تو اَنْزَلْنَا[1] کے لفظ میں (جس کا ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب نے "ناحق پیدا کیا" کر دیا ہے مگر ان بچارے کو آسمان سے لوہا برسنے کا کیا علم ہو سکتا ہے) تو مجھے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا

---

[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ نزول کے اصل معنی "انحطاط من علو" ہی ہیں، لیکن بعد میں اسی معنی میں جو وسعت پیدا ہو گئی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ امام راغب لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا خلق پر نعمت و نقمت نازل فرمانا "عطا" کے مترادف ہے اور یہ دو طرح ہے (۱) کسی شے کا ذاتی نزول جیسے تنزیل قرآن، (۲) کسی شے کے اسباب کا نزول اور اس کی طرف رہنمائی، جیسے اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ۔ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ (حدید ۲۵)، وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (زمر ۶)، اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ (اعراف ۲۶) اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ (بقرہ ۹۰) ان آیات میں لوہے کا اتارنا، کتاب کے ساتھ میزان کا اتارنا، مویشیوں کا اتارنا، لباس و پوشاک کا اتارنا اور فضل کا اتارنا ارشاد

ایک اور قوی ثبوت ہاتھ آجاتا ہے۔ کاش ڈاکٹر صاحب کچھ تھوڑا سا حال لوہے کا بھی لکھتے جس کو مفید "بَأْسٌ شَدِيدٌ" ہوتے دنیا نے جتنا اب جانا ہے، کبھی نہ جانا تھا، یا جتنا قرآن نے تیرہ سو برس پہلے بتایا ہے۔ "وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ میں" لِلنَّاسِ" کے ساتھ باقی آیت کا کیا ربط ہے۔ "وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ" تاکہ انسانوں میں سے خدا ان قوموں کو پالے جو خدا اور رسول کی مددِ غیبی کرتے ہیں۔ مددِ غیبی عجیب جملہ ہے۔ اگر یہ انسانوں سے متعلق ہے جن کے لیے لوہا مفید بنایا گیا ہے تو خیر، ورنہ مجھے کوئی بتائے کہ کیا یورپ، امریکہ اور جاپان کے سوا کوئی اور قوم ہے جنہوں نے لوہے کو مفید بنایا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو اسلام اور اس کے رسول سے کیا مطلب، وہ ان کی تائیدِ غیبی کیسے کرنے لگے۔ یہ ایک منطقی استحالہ ہے یا Paradox کہیے کہ درحقیقت ان لوگوں سے اسلام کی تائیدِ غیبی ایک بار نہیں، کئی بار ہوئی ہے اور انہوں نے اسلام کو ان کے دشمنوں سے پناہ دی ہے جو اسلام کا خاتمہ کرنے کی قسم کھا چکے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں میں کردستان کے پہاڑوں ہی میں جادہ عشائر کا نائب حاکم سیاسی تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ کوہستان اوراماں پر جو میرے مستقر حلبچہ سے چند میل کی دوری پر تھا، ایک فقیر بہت سن رسیدہ رہتے ہیں جن کی عمر ۱۲۰ سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ میں ان کی درویشی کا قائل تو نہ تھا مگر ان کی عمر اس مبالغے سے بیان کی گئی تھی کہ مجھے ان کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ میں اس زمانے میں ترکوں کی پامالی سے سخت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر رہتا تھا۔ جب میں ان فقیر سے ملنے گیا تو ان کو اچھا خاصا پڑھا لکھا آدمی پایا اور جو بات فقیری میں بالعموم نہیں ملتی، وہ ان میں تھی، یعنی صاف ستھرے تھے۔ سلسلہ گفتگو میں ترکی کا ذکر آیا اور میں اور وہ دونوں آب دیدہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا، گھبراؤ نہیں، ان شاء اللہ خدا مسلمانوں کی مدد ان کے دشمنوں سے کرے گا اور یہ اللہ کی سنت ہے۔ چند سال میں میں نے خود دیکھ لیا کہ ترکی کی حمایت یونانیوں اور انگریزوں کے علاوہ ان روسیوں نے کی جو ترکی کے سب سے بڑے دشمن تھے، جیسا اس سے پہلے ان کے علاوہ ترکوں کی تائید انگریزوں نے کی۔ تاتاریوں سے جو تائیدِ غیبی اسلام کو پہنچی، وہ تو تاریخی بات ہے بلکہ ہندوستان کا اسلام اسی کا مرہون منت ہے، حالانکہ تاتاریوں سے بڑھ کر ایک وقت میں اسلام کا کوئی دشمن نہ تھا۔

فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں بالخصوص گلے جینس، کرتے پاجامے وغیرہ آسمان سے نہیں برستے۔ لہٰذا جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ بھی صحیح ہے، لیکن وہ ہی صحیح نہیں، مولانا اشرف علی صاحب کا ترجمہ بھی صحیح ہے۔ اس مضمون کے بعض دوسرے حصوں سے بھی اختلاف کی گنجائش ہے، لیکن ہم اس کو مخاطبِ مضمون جناب ڈاکٹر برق صاحب پر چھوڑتے ہیں (البیان)

تائیدِ غیبی پر مجھے ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ۱۹۲۰ء میں جبکہ جاپان گمنامی کے گوشے میں پڑا ہوا تھا، شہنشاہ مائجی Meiji کی ۳۳ ویں سالگرہ کے روز جاپان کی سب سے بڑی اور زبردست سیاسی جماعت جس کے ممبر رونن Ronin کہلاتے ہیں، ان کے بعض بڑے اراکین نے جس میں بہت سے نوجوان فوجی افسر بھی شامل تھے ایک جلسہ کر کے یہ طے کیا کہ جاپان مذہب اسلام کی تائید کرے گا، حالانکہ اس وقت جاپان کا اسلام سے دُور کا تعلق نہ تھا اور یہ وہی جاپان تھا جس نے پندرھویں صدی میں عیسائیت کو جاپان میں نیست نابود کرتے وقت کہا تھا کہ پورتگیز اور ڈچ اور ان کے خدا کو معلوم ہو کہ اگر انہوں نے جاپان میں پھر قدم رکھا تو ان کا خدا بھی ہمارے ہاتھوں فنا کر دیا جائے گا۔ ۱۹۱۰ء میں مولانا عبدالحق صاحب مفسر حقانی الٰہ آبادی میرے دادا سے ملنے آئے۔ انہوں نے سلسلۂ گفتگو میں اپنا خواب جاپان کے متعلق بیان کیا۔ گرچہ کہ اس کی تعبیر ابھی تک پوری نہیں ہوئی، اس لیے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایک بڑی طاقت اور سیاسی جماعت کے لوگ جن کے نام سے جاپان لرزہ براندام تھا، وہ یکایک اسلام سے ایسی دلچسپی لینے لگے تو اس کو تائیدِ غیبی کے سوا اور کیا کہا جائے۔ میں نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس کو میں نے جاپان میں خود بہت سے مستند لوگوں کی زبانی سنا تھا اور مجھے یقین نہ آیا۔ مگر ابھی دو ہفتہ کی بات ہے کہ دہلی کے امپیریل انفارمیشن بیورو کے ہفتہ وار بلیٹن نے ایک مضمون کے سلسلے میں جو جاپان اور اسلام کے متعلق تھا، اس واقعہ کی حرف بہ حرف تائید کی۔ بلکہ اس رزولیوشن کے وہ آخری الفاظ نقل کیے جس میں یہ تھا کہ "اگر ہم ایسا نہ کریں تو خدا واحد و قہار ہم کو سخت سزا دے۔" خدائے واحد و قہار کا اعتراف جاپانیوں کی زبان سے جو میکاڈو کے سوا کسی کو نہیں مانتے، عجیب ہے۔ اس مضمون میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جاپانی اسلام کو ملانے کے لیے کس طرح مسلمان بن کر حج کرنے گئے۔ مگر اس وقت جبکہ جاپانی ایسا کر رہے تھے، نہ وہ چین و ملایا کے مسلمانوں کو جانتے تھے اور نہ ان کو ان کی تالیف قلوب کا خیال تھا۔ پھر یہ بھی عجیب معجزہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں جو کچھ ترقی نصیب ہوئی اور جس قدر زیادتی کے ساتھ وہ افریقہ، ہندوستان اور ملایا میں پھیلے ہیں، وہ ان قوموں کی ماتحتی میں جو درحقیقت ان کے اور ان کے مذہب کے دشمن تھے۔

عرصہ ہوا، میں نے ایک مضمون انگریزی میں "اسلامک ریویو" کے لیے Age of Steel کے عنوان سے لکھا تھا اور اس میں میں نے اس آیت کی تفسیر کی تھی، مگر اس وقت میرے ذہن میں انزلنا الحدید کے معنی وہی تھے جو مولوی اشرف علی صاحب نے کیے ہیں، حالانکہ میں جانتا تھا کہ خالص لوہا زمین سے پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جب میں نے انسائیکلوپیڈیا میں لوہے پر مضمون پڑھا تو معلوم ہوا کہ قرآن کی اس آیت (انزلنا الحدید)

کے اصل معنی کیا ہیں۔ کیوں کہ دنیا میں یہ ہی ایک ایسی دھات ہے جو آسمان سے خالص حالت میں برستی ہے۔ یعنی، مثل "وانزلنا من السماء ماء"۔

اکتوبر کے البیان میں ان کے سلسلۂ مضمون سے مجھے ایک جگہ ذرا سا اختلاف ہے۔ جہاں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ مذہب اسلام ایک سیاسی و معاشرتی یعنی قومی مذہب ہے۔ ایک سیاسی معاشرتی و قومی مذہب کبھی عمومی نہیں ہو سکتا تو پھر اسلام کی تبلیغ بے معنی۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (فرقان ۱) غلط اور مہمل (نعوذ باللہ) اور میں تو یہ کہوں گا کہ پھر اسلام کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی کیوں کہ اسلام کی یہ ہی صورت یہودیت کہلاتی ہے۔ اس پر وہ ذرا پھر تامل و غور فرمائیں اور اگر میری کتاب "فلسفہ مذہب" ہاتھ آ جائے تو اس کا دوسرا باب مذہب اور قومیت بھی ایک نظر دیکھ لیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں کے اثر و تعصب سے البتہ اپنے مذہب کو بھی ہندوؤں کی طرح معاشری و سیاسی و قومی مذہب بنا لیا ہے اور اپنی قومیت بھی جدا بنالی ہے مگر اور ملکوں میں اسلام کی ایسی مذہبی قومیت نہیں ہے اور نہ جاپانی، چینی، انگریزی مسلمانوں کو کوئی شخص سوائے جاپانی، چینی اور انگریزی قوم کے دوسری قوم جانتا ہے۔ افغان، عرب، ترک، ایرانی کی قوم کی قوم مسلمان ہے، مگر ان کی بھی زبان و معاشرت جدا، اور وطنی ہے، نہ مذہبی۔ لہٰذا مذہبِ اسلام درحقیقت ذاتی عقیدہ کا نام ہے اور معمولات مذہب درحقیقت وہی ہیں جہاں تک اس کا تعلق خدا اور اس کے بندے میں ہے۔ "جو خدا کا ہے، وہ خدا کو دو، جو قیصر کا ہے، قیصر کو دو"۔ حضرت مسیحؑ کا قول غلط نہیں اور اس قول نے عیسائیوں کی ترقی کی راہیں کھول دی ہیں۔ اس کے برخلاف ہماری ترقی کی راہیں تمام جکڑ کر "اغلال شریعت" کے ماتحت یہودیوں اور ہندوؤں اور پارسیوں کی طرح مسدود ہو گئی ہیں۔ مگر کاش ہم اسلام کو ویسا ہی سمجھیں جیسا قرآن نے سمجھا ہے تو یہ آج نہ ہم مسٹر جناح کے پاکستان سے دھوکا ہوتا اور نہ ہندوؤں کے رام راج سے۔ ہم خود دنیا میں آزادیٔ انسان کے علم بردار ہوتے اور اس وقت ہم اسلامی تبلیغ کے اس مفہوم کو سمجھتے ہوتے جو ہماری گفتار سے زیادہ کردار کی محتاج ہے۔

بصائر

(۳)

(حضرت خواجہ محمد عبادالله صاحب اختر بی اے)

۲۵۔ وحدت و کثرت | حقیقت یہ ہے کہ ایک ذات باری تعالیٰ ہی ہے کہ "یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ" اور ہر ایک شخص کے دل میں یہ صحیح فطری جذبہ موجود ہے کہ "وحدت" کا مشاہدہ ہو۔ "وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ" اور جن کو اس کا شعور ہے، ان میں سے اکثر نہیں جانتے کہ یہ مشاہدہ کثرت ہی میں انسان کے لیے ممکن ہے، یعنی "من وراء حجاب"۔ عملاً اس کثرت کو مٹانا جو اختلاف کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، دعوٰی خدائی کرنا ہے، لیکن علماً ممکن ہے ؎

چہ ممکن است رود داغ بندگی ز جبیں

زمیں فلک شود و آدمی خدا نشود (بیدل)

اس کو تو وہی مٹا سکتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ہر آن مٹاتا اور پیدا کرتا ہے ؎

یہاں ہر چشمک ذرہ میں محشر خیز جلوہ ہے

نیا ہر آن ہوتا ہے زمانے میں جہاں پیدا (اختر)

اگر زمانہ ایک ہی حال پر رہتا تو نہ اختلاف ہوتا اور نہ ذہنی ارتقاء، اس لیے ناممکن ہے کہ انسانی کلام اس اختلاف کثیر کا حامل نہ ہو، بس کا تصور اس کے ذہن میں اس کا اپنا پیدا کردہ نہیں اور جس کو وہ مٹا بھی نہیں سکتا۔ اگر اللہ کا منشاء ہوتا تو تمام عالم انسانی کو اُمت واحدہ[1] ہی بنا دیتا تو یہ اختلاف نہ ہوتا لیکن جبکہ یہ اختلاف کثیر موجود ہے اور اس کا تصور صاف صاف ذہن انسانی میں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی نفی خیال باطل ہے۔ انسان تو وہ شر انگیز اختلاف بھی آج تک نہ مٹا سکا جو اس کا اپنا پیدا کردہ ہے، اگرچہ یہ بھی بے مصلحت نہیں۔

۲۶۔ فطری اور مصنوعی صنعت | بیکن لکھتا ہے کہ ہمیں قوانین فطرت کے حضور سر تسلیم خم کرنا چاہئے لیکن

---

[1] وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود ۱۱۸-۱۱۹)

اس طریقہ سے کہ ان پر حکومت کریں"[1] ایک اور مشہور ادیب لکھتا ہے کہ قوانین فطرت انسان کے بنائے ہوئے نہیں کہ اپنی آسائش کے لیے اپنے وضع کردہ قوانین کی طرح ترمیم و تنسیخ کرتا رہے۔ اگر ہمیں اشیاء کے خواص کا صحیح علم ہو تو ایک قانون فطرت کے ضرر سے بچنے کے لیے دوسرے قانون فطرت کی پناہ لے سکتے ہیں[2]۔ انسانی صنعت Art اور فطرت Nature کا مفہوم "خلاف" ہی سمجھا گیا ہے۔ لیکن انسانی صنعت فطرت ہی کا عمل ہے، جیسے فطرت کے اور اعمال ہیں، فطری قوتیں ہی انسانی صنعت کا تار و پود ہیں، انسان کا صرف اس میں اتنا دخل ہے کہ اپنے مقصد کے لیے فطری ذرائع کو کام میں لاتا ہے اور اگر اس میں اس کے ذہنی شعور کا دخل نہ ہو تو یہ بھی فطرت ہی کا عمل و دخل ہوگا۔ شہد کی مکھی کا پھولوں سے شہد بنانا کہ فیہ شفاء للناس[3] فطری عمل ہے اور انسان کا پھلوں سے نشہ آور اشیاء کا پیدا کرنا کہ جس سے عقل ہی زائل ہو جائے، انسانی صنعت ہے اور ان سے پاکیزہ رزق حاصل کرنا بھی صنعت انسانی ہے۔ ایک مذموم اور دوسری محمود۔

(۴۰) تمام عالم انسانی کی متفقہ طاقت بھی مادہ میں کوئی نیا خواص پیدا نہیں کر سکتی[4]۔ ہم صرف یہی کچھ کرتے ہیں کہ ان کے خواص معلومہ سے اپنا کام نکالتے ہیں، ایک جہاز بھی انہی قوانین کے تحت سطح بحر پر رواں ہے، جن کے تحت طوفان باد ایک درخت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر سمندر میں پھینک دیتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس۔ ان تمام انسانی صنعتوں میں انسانی دخل صرف اتنا ہے کہ اشیاء کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت دیتا ہے اس نقل و حرکت سے اشیاء ایک دوسرے سے جدا ہوتی اور ملتی ہیں اور اس سے ان کے فطری خواص جو پہلے ہی ان میں بالقوہ موجود ہیں، فعل میں آتے ہیں اور نتائج خاطر خواہ پیدا ہوتے ہیں۔ فطرت بھی یہی کام وسیع پیمانہ پر کر رہی ہے۔ انسان بھی اس کا ایک آلۂ کار ہے، انسانی ارادہ، اس کی ذہنی اور جسمانی قوتیں بھی فطرت کی

---

[1] وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (جاثیہ ۱۲)

[2] حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ نفرّ من قدر اللہ الی قدر اللہ" ہم ایک قانون قدر سے بھاگ کر دوسرے قانون قدر کی طرف پناہ لیتے ہیں۔ مثلاً جہاں وبائی بیماری کا زور ہو، وہاں سے نکل کر ایسی جگہ جانا چاہیے جہاں یہ خطرہ نہ ہو۔

[3] وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (نحل ۶۷) يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (نحل ۶۹)

[4] قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ۸۸)

قوتیں ہیں۔ اگر انسانی صنعت میں تدبر کیا جائے تو بالآخر فطرت ہی کا کرشمہ ثابت ہوگی، لیکن ہم امتیاز پیدا کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ فطری عمل وہ ہے جو انسانی ارادہ واختیار کے بغیر ظہور میں آتا ہے، اس لیے کلام اللہ وہ ہے جو اللہ کے علم وارادہ اور کلام بشر خواہ اس کا پایہ کیسا ہی بلند ہو اور کسی رسول یا نبی سے منسوب کیوں نہ ہو، وہ ہے جس میں بشر کے علم وارادہ کا دخل ہو۔[1]

۲۸۔ وصل القول حکماء کا اتفاق اس امر پر ہے کہ خیالات Ideas دو قسم کے ہیں: ایک وہ نقش جو قلب انسانی پر ہوتا ہے، دوسرے اسی نقش سے بذریعہ تذکر پیدا ہوتا ہے۔ اول الذکر صاف صاف ممیز اور روشن ہوتا ہے اور دوسرا اسی کا دھندلا سا نقشہ ہوتا ہے۔ مثلاً ہم آسمان پر ایک سنہری گیند درخشاں دیکھتے ہیں، جسے سورج کہتے ہیں۔ یہ صورت "باصرہ" میں محسوس ہوتی ہے۔ "لامسہ" میں اس کی حرارت محسوس کرتے ہیں، یہ دوسری صورت ہے اور دونوں اوران کا تعلق باہمی جو لازم وملزوم اور لاینفک ہے (جسے اصطلاح میں "وصل القول"[2] Necessary Connection کہتے ہیں) انسان کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ یہ سب کچھ انسانی علم وارادہ واختیار کے بغیر محسوس ہوتا ہے۔ ناممکن ہے کہ ہم آنکھیں تو کھولیں اور اشیاء فی الخارج محسوس نہ ہوں اور نہ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اس "وصل القول" کو جو اشیاء میں فطری ہے، علیحدہ علیحدہ کردیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سورج کو دیکھیں اور اس کی حرارت محسوس نہ کریں، جب تک حواس کی نفی نہ ہو، احساس کی نفی نہیں ہوسکتی۔

۲۹۔ احساس، خیال اور تذکر اب فرض کرو کہ سورج ہمارے حواس کے سامنے نہیں ہے اور ہم اسے بالارادہ محسوس کرنا چاہتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ وہ خیال Idea جس کا احساس اول الذکر صورت میں ہوا تھا، تذکر کو کام میں لاتے ہوئے انہی حواس کے عمل کے ساتھ ویسا ہی روشن اور صاف صاف ممیز ہو، البتہ اس کی ایک صورت ہے کہ ہمارے حواس معطل ہوں اور وہ نقش Impression جو ہمارے قلب میں پہلے ثبت ہو چکا ہے، ہمارے دیدہ تصور میں سامنے آجائے، جیسا کہ "محویت" Trance یا بحالت اضطراری خواب یا رؤیا یا سراب میں ہوا کرتا ہے، لیکن یہ کوئی نیا خیال نہیں۔ یہ تو وہی ہے جو پہلے ہی محسوسات سے پیدا

---

[1] احادیث کو اگر وحی خفی کا درجہ دیا جائے تو ظاہر ہے کہ رسول کریم کے علم وارادہ کی مطلق نفی کے مترادف ہے۔

[2] وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (قصص ۵۱)

پیدا ہو چکا ہے، ہم صوتیت یا خواب ارادۃً وارد کر سکتے ہیں لیکن ارادۃً وہی خیال جو محسوسات سے پیدا ہوا تھا، جو کے ہوتے تذکر سے پیدا نہیں کر سکتے۔ اب فرض کرو کہ ہم نے ارادۃً اس کا دھندلا سا نقشہ جیسا کہ ممکن ہے تذکر سے پیدا کر ہی لیا، پھر بھی کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ اگرچہ تمام فیلسوف متفق الرائے ہیں کہ گو یہ کوئی نیا خیال نہیں لیکن پہلے کا غیر ضرور ہے، مگر مجھے ان سے اتفاق نہیں۔ درحقیقت یہ اصل خیال ہی ہے جس پر حواس کا پردہ پڑا ہوا ہے، جیسے سورج کے سامنے بادل۔ اگر یہ پردہ اُٹھا دیا جائے تو اصل خیال ویسا ہی صاف صاف میز اور درخشندہ ہوگا، جیسا کہ وہ پہلی بار محسوس ہوا تھا:

حجاب و پردہ ندارد نگار دلکش ما

تو خود حجاب خودی حافظا ازمیان برخیز

یہ عجیب بات ہے کہ اول الذکر حالت میں یہی حواس محسوسات کے خیال کا واسطہ ہوتے ہیں اور آخر الذکر حالت میں یہی حجاب بن جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ خود فطرت مانع ہے اور انسان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہے کہ کائنات تو "سیر آفاقی" کے بعد اب تمہارے قلب میں سما چکی ہے، اب "سیر انفسی" کی طرف آ۔ اشیاء فی الخارج اور نقوش فی الذہن میں سر مو فرق نہیں، حقائق اِدھر آفاقی صورتوں میں اور اُدھر حواس میں محجوب ہیں، اور جب تک یہ پردہ نہ اُٹھے، جلوہ حقیقت منظر پر نہیں آسکتا۔

۴۰۔ تجربہ اور فطری احساس | حقائق کا علم انسان کو کس طرح ہوتا ہے؟ اہل استدلال یہ کہتے ہیں کہ "تجربہ" سے تجربہ اشیاء فی الخارج کے عمل کا اعادہ ہے، جس کا شعور انسان کو ہو یعنی کسی نتیجہ کا مشاہدہ ہے جو ایک ہی اسباب سے ہو، اس لیے یہ ضرور ہے کہ انسانی شعور کا تعلق کچھ نہ کچھ اشیاء فی الخارج سے ہو، اور اگر یہ نہ ہو تو ہمیں نہ اشیاء اور نہ ان کے عمل کا احساس ہو سکتا ہے۔ ایک حکیم نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جد امجد حضرت آدم ع کو پانی کے خواص کا علم تجربہ ہی سے ہوا ہوگا۔ حالانکہ ایک گدھا بھی فطرۃً اس کے فطری خواص سے آگاہ ہے۔ ہوا اور پانی ضروریات زندگی میں مقدم ہیں، کیا ہوا کے خواص کا علم بھی تجربہ سے ہوا ہے جو ہم بلا ارادہ ہر ایک سانس میں استعمال کرتے ہیں، جس کی ضرورت پانی سے بھی مقدم ہے، اگر ان ضروریات زندگی کا احساس ہمیں فطرۃً نہ ہوتا تو زندگی ناممکن ہو جاتی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادنیٰ زندگی کی ضروریات کی تسکین کے لیے ہمیں ان اشیاء کا احساس کو فطرۃً ہوتا ہے لیکن ان اشیاء کے اور بھی خواص ہیں، جن کا علم ہمیں تجربہ سے ہوتا ہے اور جو اعلیٰ مقصد کے لیے کام کرتے ہیں، تجربہ اور اس کے فوائد سے ہمیں انکار نہیں، لیکن اس کی حیثیت ثانوی ہے

اور دراصل وہی فطری احساس ضروریات زندگی کا ہے، خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ، جو سنگ بنیاد ہمارے علوم کا ہیں، جادۂ تحقیق پر جوں جوں قدم آگے اٹھتا ہے خود بخود وہ امور آنکھوں کے سامنے آتے جاتے ہیں جو پہلے پوشیدہ تھے۔ ہم جتنے نزدیک اور نزدیک تر کسی شے کے ہوں گے، اتنے ہی اس کا انکشاف واضح اور واضح تر ہوگا۔

اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ کلام اللہ وہ ہے جو اللہ ہی کے علم[1] و ارادہ سے انسان کی طرف وحی ہوتا ہے اور کلام بشر وہ ہے جو اسی وحی سے بشر اپنے علم و ارادہ سے اخذ کرتا ہے۔ کیوں کہ ناممکن ہے کہ انسان کوئی نیا خیال جس کا نمونہ[2] پہلے ہی موجود نہ ہو، پیدا کر سکے۔ "بدیع" اور "مبدئ" اللہ ہی ہے۔ ہمارے علوم و فنون کی عمارت میں وہی خیالات کام میں آتے ہیں، جو محسوسات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ انسان اپنے رہنے کے لیے مکان تو تعمیر کر سکتا ہے، لیکن ہر ایک شے جو تعمیر میں صرف ہوتی ہے، اس کی پیدا کردہ نہیں، اس حد تک تو حکماء کے ساتھ ہمارا بھی اتفاق ہے لیکن یہ کہنا کہ انسان نے تجربہ ہی سے عالی شان قصر تعمیر کرنا سیکھا ہے، خیال خام ہے۔ ہوا کے ننھے ننھے پرندے بھی اپنا گھونسلہ جب انہیں فطرۃً اس کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے، خاروخس سے بنا لیتے ہیں، انہیں کون سکھاتا ہے؟ اگر یہ کہو کہ "تجربہ" سے مراد ذہنی شعور انسانی ہے، جو دیگر حیوانات میں مشاہدہ نہیں ہوتا تو یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ نظریہ صحیح بھی ہو، پھر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ[3] ہمارے علوم کا اصل اصول وہی احساس ضروریات ہے جس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔

---

[1] لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (نساء ۱۶۶)

[2] قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل ۸۸) اگر قرآن کلام بشر ہے تو معارضہ بالکل ممکنات میں ہے کہ نمونہ تو موجود ہے، اب کوئی اس کی ایک سورت کی مثل کسی زبان میں جس پر وہ قادر ہو، بنا کر دکھائے، کیوں کہ انسان کسی شے کی مثل ہی بنا سکتا ہے، وہ کسی شے کی ابتدا بلا خارجی اشیاء کے تصور معلوم کے نہیں کر سکتا اور جب انسان یہ نہ کر سکے تو نتیجہ واضح ہے کہ قرآن کلام بشر نہیں۔ جو حضرات قرآن لفظاً یا معناً یا دونوں رسول کریمؐ کی تصنیف خیال کرتے ہیں، انہیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے نفوس کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ اختلاف کثیر کا تصور جو ان کے ذہن ان کا اپنا پیدا کیا ہوا نہیں، کسی طرح محو کر سکتے ہیں؟

[3] حکماء نے "علم" اور "عمل" کی تعریف میں اس فطری احساس کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ اصل شے ہے۔ "علم" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ معلوم کا انکشاف ایسا صاف صاف میسر ہو کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی شے کا ایسا احساس "علم" ہے اور "عمل" وہ سعی ہے، جس سے اس احساس کی تسکین کا سامان ہو۔ ممکن ہے کہ یہ جامع تعریف نہ ہو لیکن ہمارے علم و عمل کا سنگ بنیاد یہی احساس فطری ہے۔

۴۱۔ فطرت انسانی کا تقاضا | حقیقت یہ ہے کہ دیگر حیوانات فطری استعداد کے مناسب اتنا ہی ضروریات زندگی کا احساس رکھتے ہیں، جس سے ان کی تسکین ہو جاتی ہے، یا یہ کہو کہ وہ اتنے ہی پر فطرۃً قناعت کرتے ہیں، جس پر ان کی تسکین ہو جاتی ہے، لیکن انسان کی فطری استعداد غیر محدود ہے اور فطرت کا منشاء ہے کہ وہ کسی بات پر قانع نہ رہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی بات پر مطمئن نہیں ہوتا،[1] مگر ذکر الٰہی ہی سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور یہی انسانی زندگی کا اعلیٰ مقصد ہے۔ باقی سب ذرائع و وسائل ہیں، جو اس اعلیٰ مقصد کے لیے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ جو لوگ غلط فہمی سے انہی وسائل کو مقصد بالذات سمجھتے ہیں، ان کے دل کبھی اطمینان حاصل نہیں کر سکتے۔ چوں کہ فطرت کا منشاء ہے کہ انسان ان وسائل کو حاصل کرتا ہوا ان پر قانع نہ رہے، اس لیے وہ بزور آگے کی طرف حرکت دیتی ہے اور جو قناعت پیشہ اڑ بیٹھتے ہیں وہ مغلوب و مقہور و محکوم رہتے ہیں۔ ان کی بہت بری گت بنتی رہتی ہے۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان خاک مذلت[2] پر نہ گرا رہے، یہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے، اس کے مشاہدہ میں وہ کچھ آتا ہے جو بوجہ دوری پوشیدہ تھا، اس کے معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے ذہنی درجات بلند اور بلند تر ہوتے جاتے ہیں، اس لیے صحیح یہی ہے کہ جب ہم حیوانی زندگی پر مطمئن نہیں ہوتے یا نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (نازعات ۴۰) کرتے ہیں تو اعلیٰ زندگی کی ضروریات کا احساس بروئے کار آتا ہے، اس کی تسکین کے لیے ہم "سعی" کرتے ہیں، یعنی ان فطری قوتوں کو کام میں لاتے ہیں، جو ظاہر و باطن ہیں: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت ۶۹)

۴۲۔ حق و باطل | اعلیٰ زندگی کی ضروریات میں مقدم "حق" کا انکشاف ہے اور یہی کلید تمام معارف کی ہے۔ اگر حق کا انکشاف انسان پر ہو جائے تو باطل کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ "حق" کی تعریف میں حکماء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ حق وہ ہے، جس کی نفی کا خیال باطل[3] ممتنع ہے اور یہی ثبوت کسی امر واقعہ کی حقانیت

---

[1] اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ (رعد ۲۸-۲۹)

[2] وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ (اعراف ۱۷۵-۱۷۶)

[3] وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (ص ۲۶)

کا ہے کہ اس کا بطلان ناقابل خیال ہے، لیکن واقعات کئی قسم کے ہیں۔ اکثر ہنگامی اور خصوصی اور بعض عمومی اور بعض ہمہ گیر ناقابل تغیر و تبدل ہیں اور یہی وہ "کلمات" ہیں جو ہرگز ہرگز تبدیل نہیں ہوتے، جو یقینی ہیں جن کا بطلان خیال میں بھی نہیں آتا، لیکن ایک مشہور حکیم یہ بھی کہتا ہے کہ "جو کچھ ناقابل خیال ہے، باطل ہے"۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ "عدم موجود گردد ایں محال است"۔ لیکن "مسٹر مل" جیسے مشہور منطقی کا لفظی مغالطہ میں الجھنا تعجب انگیز ہے۔ بے شک ہم عدم کا تصور نہیں کر سکتے، لیکن بقول "ہربرٹ سپنسر" یہ ضرور نہیں کہ ہر ایک ناقابل خیال بات عدم ہو۔ علم عدم اور بات ہے، عدم علم اور شے ہے۔ ہمارے معلومات میں جوں جوں اضافہ ہوتا جاتا ہے ایسے امور کا مشاہدہ ہو رہا ہے جو اس سے پیشتر خیال میں بھی نہ تھے۔ میرزا عبدالقادر بیدلؒ "وہم" کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

دبستان کمالات محالی | خلش بطلان احکام خیالی
خیالے راکہ درخاطر درآورد | محالے کرد و از جیبش برآورد
تہ مژگاں نشتر آزار فہمی | زگیسو پیچ و تاب مار فہمی
طنینش پشہ و ناخوردہ پرگوش | خروش طبل رعدش بردہ از ہوش
غبارے گر بہ پیش چشم بالید | گمانش چوں صدا بر کوہ پیچید
خود رفتی ز طبع وحشت اندیش | بکام اژدر از خمیازہ خویش
ہماناچشم او صفر رقم بود | کہ ہر نقشے از و دہ برکے افروز
زہر رنگے تو ہم ساز صد رنگ | محال اندیش چوں کیفیت بنگ

"حافظہ" کی تعریف میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صفائی طینت او لوح محفوظ | کز و نقش دو عالم بود محفوظ
ولیکن در دبستان مراتب | منقش لوح ش از کلک ۲ کاتب
درو ، ہم نقش تصویر خیالی | ہم از وہمش اثر ہائے محالی

اس محقق بے بدل نے مثنوی "طلسم حیرت" میں نہ صرف داد سخن دی ہے، بلکہ حکیمانہ تفکر کو اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ اس اقتباس کا مطلب یہ ہے کہ خیال یا محسوسات کا نقش لوح حافظہ پر محفوظ رہتا ہے، لیکن خیال کوئی بھی ہو جو محسوسات سے لیا گیا ہے اور جس کی نفی ممتنع ہے "وہم" اسے خیال بنا کر چھوڑتا ہے۔ یہ سمجھنا چاہیے

کہ اس "لوح محفوظ" پر "خیال" اور "وہم" "کرام کاتبین" کا "قلم" مشقِ کتابت کرتا رہتا ہے۔ "وہم" کسی کے مژگان کے خیال کو نشتر آزار اور کسی کی زلف کو مارِ پیچیدہ بنا دیتا ہے۔ اس "وہم" سے ہمارے شعراء نازک خیال اکثر کام لیتے ہیں۔ اگر کبھی مچھر سمع نوازی کرتا ہے تو کاٹنے سے پہلے ہی حواس باختہ اس طرح ہو جاتے ہیں، گویا طبل رعد کے شور و غل سے کان کے پردے پھٹ گئے۔ انگڑائی لی تو ایسا تصور بندھا گویا اژدہے کے منہ میں آ رہے۔ تمام اشعار کی جان یہ دو شعر ہیں:

ہمانا چشم او صفر رقم بود ۔۔۔ کہ ہر نقشے از و دہ بر یکے افزود
زہر رنگے توہم ساز صد رنگ ۔۔۔ محال اندیش چوں کیفیتِ بنگ

آنکھ کی صورت بھی صفر کی ہے، اس لیے چشمِ وہم جس نقشِ خیال پر پڑتی ہے، یہ صفر ایک پر زیادہ ہوتا رہتا ہے، اس طرح ایک دس اور دس سو اور سو ہزار لا انتہا۔ حقیقت وجود وحدت ہے لیکن وہم کثرت دکھا رہا ہے:

عالم ہمہ یک جلوہ ذات احد است ۔۔۔ ایں خانہ ہیولیٰ نہ صورت جدا است
کثرت آثار چشم واکردنِ ماست ۔۔۔ ایں صفر چو محو شد ہماں یک عدد است

"وہم" کوئی نیا خیال تو پیدا نہیں کر سکتا، صحیح خیال کی ترتیب یا اس فطری تعلق کو جو اشیاء میں ہے، بدلتا ہے۔ اسی وہم کی وجہ سے انسان اپنے سایہ سے بھی ڈرتا ہے اور یہ وہم آیاتِ متشابہات[1] میں اکثر گمراہ کرتا ہے۔

۴۳۔ اختلاف اور کثرت | اختلاف اور کثرت لازم ملزوم ہیں، عالمِ انسانی پر نظر کرو جس کی ابتداء "نفس واحدہ" سے ہوئی۔ اُس کی بولیوں اور رنگتوں میں کتنا اختلاف ہے، اسی پر تمام کائنات کو قیاس کر لو۔ یہ آیات متشابہات ہیں کہ ان میں اختلاف کثرت سے پایا جاتا ہے اور مشابہت بھی ہے۔ کسی ایک درخت کے دو پتے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے، لیکن ان میں مشابہت بھی ایسی ہے کہ بادی النظر میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ایک باپ کے دو بیٹے بھی ایک جیسے نہ ہوں گے اور علیٰ ہذا القیاس، وہ اہل علم جو قانون اختلاف سے واقف ہیں، جانتے ہیں کہ یہ کثرت جو مشاہدہ ہو رہی ہے، اس کی حقیقت وحدت ہے،

---

[1] هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ؔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران ۷)

لیکن حواس کثرت میں محجوب ہیں، وہ اسی میں سرگرداں ہیں، حق کا اظہار ان پر نہیں ہوتا :

سواد نسخہ تحقیق بیدل وقفے دارد !
دو عالم جلوہ باید خواندن و بے رنگ فہمیدن

آں جلوہ بے نشاں کہ نے رنگ نہ بوست — پیدائے و پنہانی او حرف نکوست
پنہاں زانسانکہ آنچہ اندیشی نیست — پیدا چندانکہ ہرچہ بینی اوست

(۳۴) "حق" کی تعریف "لوئیس" G. H. Lewes اس طرح کرتا ہے کہ "حق خارجی اور ذہنی امور کی ترتیب میں عین مطابقت ہے جس کے شعور میں غلطی ممتنع ہو"۔ میرزا بیدلؒ بھی علم کی تعریف یہی کچھ کرتے ہیں:

چیست علم اصل قدرت بیچوں — نظم جمعیت ظہور و بطون
حسن مرآت عالم و معلوم — نور تمیز حاکم و محکوم
تانہ گیری زعلم خامہ بدست — صورت ہیچ چیز نتواں بست
غیر علم آنچہ کردہ اند رقم — نیست جز جہل و جہل جملہ عدم
نزد اہل حقیقت ایجاد — ہیچ چیزے بغیر علم نزاد
ہرچہ بینی ز مفرد و ترکیب — دارد از علم جوہر ترتیب

(باقی دارد)

ملت ابراہیمؑ (از حکیم محمد حسین صاحب عرشی) (جدید ایڈیشن) اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ دین، دراصل ابراہیمؑ ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے اور اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مکمل سیرت یہاں تک کہ اُن کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں جو کاملاً ۱۰ عنوانوں پر مشتمل ہے' قرآن مجید کی بیان کردہ صفات ابراہیمؑ کی تشریح و تفسیر کا مبسوط اضافہ کیا گیا ہے جو سیرت خلیلؑ سے متعلق نہایت اہم نکات اور معلومات پر مبنی ہے۔ قیمت ۵/ (محصول الگ)

الوراثت فی القرآن حضرت خواجہ احمد الدینؒ کے اُن مضامین کا مجموعہ جن میں قرآنی اصول وراثت پر نہایت بصیرت افروز بحث کی گئی ہے اور مروجہ اصول فقہ میں علم وراثت کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، قرآن مجید کی روشنی میں اُن کی احسن طریقے سے تردید کی گئی ہے۔ ضخامت ۴۴۲ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ قیمت ۱۲/ (محصول الگ)

برگ سبز ۲/

قول احسن مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے۔ قول احسن میں قرآن مجید کے مضامین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور پر فرقہ بندی کا مخالف ہے۔ ہمیں صرف مسلم کہلانا چاہیئے باقی تمام نام، شیعہ، سنی اور اہل حدیث وغیرہ بدعتیں ہیں، جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔ قیمت ۲/ (محصول الگ)

قربانی یہ مختصر کتاب مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات کی تالیف ہے۔ اس میں آپ نے قرآن مجید کی رو سے یہ ثابت کیا ہے کہ مروجہ قربانی محض ایک رسمی چیز ہے دین کے ساتھ اسے کوئی تعلق نہیں، اصل چیز تقویٰ ہے جو خدا کے ہاں مقبول ہے۔ قیمت ۲/ (محصول الگ)

صفات القرآن۔ قیمت ۴/ — محصول الگ
تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ قیمت ۲/ — "
ختم نبوت۔ قیمت ۲/ — "
حقیقۃ الصلوٰۃ۔ قیمت ۸/ — "
اوصاف رسول کریمؐ۔ قیمت ۸/ — "
حریت و مساوات۔ قیمت عہ — "
حضرت محمد رسول اللہؐ۔ قیمت ۲/ — "
اقبال کی پیش گوئیاں۔ قیمت ۲/ — "
دعوت الرسل الی اللہ (مقدمہ)۔ قیمت ۲/ — "
جنت کا گھنا (نظم)۔ قیمت ۱/ — "

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمتِ مسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر**

رجسٹرڈ [illegible]

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن غور تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عموماً ہر تفسیر، تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفہ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چوں کہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں۔ کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں۔ کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم وتجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر ممتاز کرتی ہیں۔

۱۔ اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ ومذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

۶۔ قانون وراثت کا احیاء

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت وطباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری وباطنی محاسن کے قیمتیں [illegible]

یعنی: منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری ([illegible]) منزل دوم ([illegible])

منزل چہارم ([illegible]) منزل پنجم ([illegible]) منزل ششم ([illegible])

ملنے کا پتہ: دفتر امت مسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر

منزل سوم ([illegible])
منزل ہفتم ([illegible])

DECEMBER 1942

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ہ

دسمبر ۴۲ء

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چھ آنے

مطبوعاتِ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

تعلیماتِ قرآن (مرتبہ مولانا اسلم جیراج پوری) یہ کتاب اس نقطۂ نگاہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت دو روپے (محصول الگ)

مطالعۂ حدیث ایک ممتاز گریجویٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس قابل قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ صفحات ۱۰۵ کے قریب۔ قیمت ۱۲ر۔ (محصول الگ)

برہان القرآن یہ کتاب ان تحریری مباحث پر مشتمل ہے جو مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب اور حضرت خواجہ احمد الدینؒ کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہل حدیث پر ابد تک کے لیے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر (محصول الگ)

ریحان القرآن مولوی حبیب الرحمٰن مئوی کے رسالہ "نصرۃ الحدیث"، مولوی قاسمی کے "عقائد کفریہ" اور مولوی عبداللہ کے "عقائد بے حدیثہ" وغیرہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۴ر۔ (محصول الگ)

براہین وحی نیاز فتح پوری نے اپنے رسالہ نگار میں چند مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے چوں کہ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف ہے اور اسے تسلیم کر لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا اس لیے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علمائے اہل فکر و تحریر مسلمانوں نے نہایت مدلل اور کامیاب مضامین لکھ کر اس گمراہ کن خیال کی تردید کی۔ "براہین وحی" ان ہی مبارک مضامین کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ قیمت عہ مع محصول۔

مقدمہ زندگانی محمدؐ زندگانی محمدؐ علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں پریس ہی میں فروخت ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر اُمت مسلمہ امرتسر نے زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ قیمت ۱۳ر مع محصول

عِلم حدیث مولانا اسلم جیراج پوری کی ایک نہایت پُر مغز، مؤثر اور مفید کتاب جس میں علم حدیث کے متعلق سات عنوان قائم کرکے حدیث کی صحیح اور حقیقی حیثیت پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی گئی ہے قیمت ۲ر

البیان

اُمّت مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

نمبر ۱۲	دسمبر ۱۹۴۲ء مطابق ذیقعدہ و ذوالحجہ ۱۳۶۱ھ	جلد ۴

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس، سنتوکھ سر امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمت مسلمہ توحید باغ (بیرون دروازہ حکیماں) امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

کاغذ، کاغذ، آہ! کاغذ | جی چاہتا ہے کاغذ کے فراق میں غزلوں کا ایک پورا دیوان لکھ ڈالوں، جو عشق کے فراق سے زیادہ حقیقی جذبات پر مبنی ہوگا۔ کاغذ کی تلاش میں سرگردانی، دربدری، سفارشیں، خوشامدیں، ایسے لوگوں کی آستانہ بوسی جن کا کبھی نام بھی نہیں سنا تھا ؎

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری رہگزر کو مَیں

اور پھر یہ سب کچھ کرنے کے بعد ناکامی و محرومی ؏

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل

ہمارے ناظرین اس تکلیف و تذلیل کا اندازہ نہیں کر سکتے ——— اگر کوئی دن سورج کے بغیر چمک سکتا ہے، اگر کوئی دریا پانی کے بغیر رواں ہو سکتا ہے، اگر کوئی ذی روح غذا و ہوا کے بغیر جی سکتا ہے تو "البیان" بھی کاغذ کے بغیر نکلتا رہے گا ——— کاش آپ ہماری مجبوریوں کو محسوس کر سکتے ——— جب ہم اس کاغذ کی ناؤ کو ڈوبتا ہؤا دیکھتے ہیں تو ہمیں اپنا مستقبل بھیانک اور خوف ناک نظر آتا ہے ——— البیان کی قیمت بڑھانے کا ہم حوصلہ نہیں رکھتے، صفحات کو کم کر دینا بھی ہمیں ناگوار ہے۔ جب تک پاؤں میں طاقت رفتار ہے، چلیں گے ؎

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

آپ اس مشکل کے وقت میں ہمارے لیے، دوسرے لفظوں میں اپنے لیے کیا کر سکتے ہیں ——— صرف یہی کہ مصمم عزم کر لیجئے کہ ہماری آپ کی یہ ماہانہ ملاقات جاری رہے۔ کوئی قوت اس نصف صدی کے قدیم تعلق کو نہ توڑ سکے۔ اس کے بقاء و استحکام کے لیے سب سے پہلے دعا کیجئے کہ یہ چند اوراق جو ہمارے جماعتی جسم کی جان ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں پائندہ و استوار رکھے۔ پھر ممکن مالی امداد کی طرف توجہ فرمایئے۔ سب سے آخری درجہ پر سالانہ چندہ دفتر میں بھجوا دیجئے۔ اگر آپ خورد و نوش کی چیزوں کے بڑھتے ہوئے نرخوں کے حساب سے اپنی

خوشی اور دلی انصاف سے مقررہ چندے سے کچھ زیادہ (دوگنا یا ڈیڑھ گنا) بھیج سکیں تو آپ کے حساب اعمال میں یہ ایک اعلیٰ نیکی شمار کی جائے گی۔ جو دوست اتنا امکان نہ رکھتے ہوں، وہ صرف مقررہ تین روپے بھیجنے میں درنگ نہ کریں اور یقین کریں کہ یہ ان کے ساتھ انتہائی رعایت ہے۔ اور اس اپیل کو دل سے نکلی ہوئی دردبھری آواز سمجھیں۔

تحقیق قربانی" (نیا ایڈیشن) اس کتاب کا پہلا ایڈیشن فروری ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا، تحقیق پسند حلقوں میں مؤلف کی کوشش کو قدر کی نظر سے دیکھا گیا۔ جامد طبقہ حسب توقع اپنے تمام زنگ خوردہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان مقابلہ میں اتر آیا، مؤلف نے پورے سکون سے ہر مخالف و موافق تحریر کا مطالعہ کیا، لیکن مولوی صاحبان اتنے عرصے میں جمود و تقلید کی حمایت، اور طنز و طعن کے سوا کوئی قرآنی و عقلی دلیل پیش نہ کر سکے۔ آج چھ سال کے بعد جب کہ پہلا ایڈیشن بالکل ختم ہو چکا ہے اور ملک میں اس کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے، باوجود کاغذ کی سخت گرانی کے ادارہ کو دوبارہ اشاعت کے بوجھ کا متحمل ہونا پڑا۔ زیر نظر ایڈیشن میں گزشتہ ایڈیشن کی نسبت مندرجہ ذیل اضافے کیے گئے ہیں:

۱- آغاز کتاب میں حضرت مولانا اسلم جیراج پوری کا عالمانہ دیباچہ مندرج ہے جو باوجود پورے ایجاز و اختصار کے نفس موضوع کی روح و حقیقت پر حاوی ہے۔

۲- بہت سے نئے مؤید حوالے مزید درج کیے گئے ہیں۔

۳- آخر میں بطور ضمیمہ ان تمام اعتراضات کے مسکت جواب دیے گئے ہیں جو اہل علم نے تحقیق قربانی پر کیے، بالخصوص مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے اشکالات کو تفصیلاً حل کیا گیا ہے۔

مؤلف اللہ تعالیٰ کے شکر اور دلی مسرت سے اعلان کرتا ہے کہ وہ مخالفین کے ضعف استدلال کو دیکھ کر اپنے اس عقیدے پر پہلے سے زیادہ مضبوط ہے کہ مروجہ رسم قربانی یقیناً اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، قرآن مجید کا منشاء نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں، کوئی سچا مذہب اس قسم کے غیر مفید بلکہ مضر فعل پر فخر نہیں کر سکتا، مستقبل کا محقق مسلمان ایسے لایعنی اعمال و عقائد کو ہضم نہیں کر سکے گا۔

صاحب ثروت اشخاص اور ترقی پسند اسلامی مجالس کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب کو کثیر تعداد میں خرید کر ملک میں پھیلائیں اور ان لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچائیں جو اسلام سے صرف اس لیے بدگمان ہیں کہ اس کو

قبول کرنے سے پہلے (بقول علماء) عقل و تجربہ کو رد کرنا پڑتا ہے۔ اُمت مسلمہ کا تمام لٹریچر اسی کوشش سے معمور ہے کہ خلاف فطرت اور خلاف عقل ہونے کا الزام صرف اُس اسلام پر ہے جو انسانی قلب و دماغ کی ساخت ہے، خدائی اسلام جو پوری عصمت و تنزیہہ کے ساتھ قرآن محفوظ میں موجود ہے، اس سے بلند ہے کہ کوئی ہاتھ اس کے دامن تقدس کو آلودہ اعتراض کر سکے، یہ کتاب[*] اسی نوع کی قرآن مجید کی ایک جاذب توجہ خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اسوۂ ابراہیمؑ | گزشتہ نمبر کے اعلان کے مطابق ۱۲ جمعہ کو مسجد اُمت مسلمہ واقع توحید باغ امرت سر میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔ خطبے میں انبیاء علیہم السلام بالخصوص معمار کعبہ حضرت خلیلؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام اور ان کے بعد حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی پر روشنی ڈالی گئی کہ آپ آج کل کے دینی رہنماؤں کی طرح اپنے عقیدت مندوں سے خدمت لینے اور ان کی کمائی پر بسر کرنے کرنے کے روادار نہ تھے۔ آپ نے ایک مخلص مزدور کی طرح اپنے اور قوم کے کام اپنے مبارک ہاتھوں سے انجام دیے۔ آپ کو محنت سے کبھی عار نہیں ہوئی، یہی طرز عمل آپ کے صحابہ کرام کا تھا۔

نماز کے بعد نمازیوں نے دیوار مسجد سے ملحقہ گڑھے میں اپنے سروں پر اُٹھا کر مٹی کی ٹوکریاں ڈالیں اور اس دن سے یہ تجویز منظور کی گئی کہ مسجد کے قریب رہنے والے تمام اصحاب مٹی کی پانچ ٹوکریاں روزانہ گڑھے میں ڈالتے رہیں۔ الحمد للہ کہ اس پر عمل ہو رہا ہے۔ ہمارے بچے اور بزرگ، غریب و خوش حال، اہل علم و اُمی سب کے سب اپنے محبوب پیغمبر کی سنت میں کدال اور ٹوکری سے خانۂ خدا کی اس خدمت کو خوشی سے بجالاتے ہیں، وہ بھی جنھوں نے اپنی ایک دن کی کمائی اس فنڈ کے لیے پیش کی ہے، طوعاً اس کام میں شریک ہوتے ہیں؛ جن دوستوں نے اب تک اس طرف توجہ نہیں کی، انہیں یقین کرنا چاہیئے کہ دینی خدمت کے ایسے عزیز موقعے کم ہی میسر آتے ہیں۔ آؤ کہ ہم اللہ کے دربار میں غریب مزدور کی طرح قبول کیے جائیں۔

تفسیر منزل ششم | تفسیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ البیان کے نومبر نمبر میں پورا اندازہ لگانے کے بغیر اس کی قیمت عہ لکھی گئی ہے، بازار کے حالات معلوم کر کے صحیح اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ فی نسخہ دو روپے سے بھی زیادہ لاگت آئے گی۔ اس لیے اب دو روپے ہی قیمت رکھ دی گئی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کاغذ کی دستیابی

---

[*] قیمت ۱ر دفتر اُمت مسلمہ امرت سر سے طلب فرمائیں۔

پر موقوف ہے۔ حکومت نے ۹۰ فیصدی کاغذ اپنے مصرف میں لے آنے کا اعلان کردیا ہے، باقی دس فیصدی تمام تجارتی، تعلیمی اور تصنیفی ضروریات کے گلے پر چھری رکھ دینے کے مترادف ہے۔ ایسے یاس انگیز حالات کے پیش نظر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی۔ معلوم نہیں کل کیا ہونے والا ہے۔

اس وقت تک ۲۸۳ روپے اس فنڈ میں وصول ہو چکے ہیں، الحمد للہ۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ میاں مہر بخش صاحب چغتائی، بنوں ۲۰۰ روپیہ

۲۔ میر محمد اسمٰعیل صاحب، گوجرانوالا ۵۰ روپیہ

۳۔ بیگم صاحبہ چوہدری خیرالدین ۲۰ روپیہ

۴۔ بابو ظہور احمد صاحب، بحرین ۱۰ روپیہ

۵۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری ۲ روپیہ

۶۔ جناب برکت علی صاحب ایک روپیہ

مندرجہ ذیل اصحاب نے پیشگی قیمت ادا کر دی ہے:

۱۔ مولانا محمد عباس طالب صاحب صفوی ۲۔ بابو عبداللہ خاں صاحب اوورسیر

جو دوست ابھی تک اس طرف متوجہ نہیں ہوئے، انہیں اس کار خیر میں سبقت کرنی چاہیے۔

جلسہ | اُمت مسلمہ امرتسر کا ماہانہ جلسہ یکم نومبر ۲۰۰۲ء بروز اتوار ۵ بجے شام اُمت مسلمہ ہال واقع توحید باغ امرتسر میں زیر صدارت حکیم سردار خاں صاحب نشاط امرتسری منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کے بعد خواجہ عبدالحفیظ صاحب نے "قرآنی نظریۂ سیاست" پر مقالہ پڑھا۔ اس کے بعد راقم سطور نے حضور رسالت مآب کی گھریلو زندگی کی سادگی اور فعالیت پر روشنی ڈالی۔

شیعہ سنی کی بحث | "البیان" کی گذشتہ دو ایک اشاعتوں سے مولانا صفوی اور مولانا تمنا عمادی کے مضامین، ابن جریر، امام اعظم، اور حضرت ابن عباس کے مذہب کے بارے میں شائع ہو رہے ہیں۔ چوں کہ شیعہ سنی کی اس بحث سے خاص خاص دوست تو حظ حاصل کر سکتے ہیں مگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس سے عام ناظرین کی حق تلفی ہو رہی ہے، اس لیے آیندہ اس موضوع پر کہ فلاں بزرگ شیعہ تھے یا سنی، ایک حرف نہیں لکھا جائے گا۔ زیر نظر اشاعت کی بحث کو آخری سمجھنا چاہیے۔

اعتراف والتماس

(مولانا محمد عباس صاحب طالب صفوی)

نومبر کے البیان میں میرا ایک مضمون "کیا امام اعظم شیعہ تھے؟" شائع ہوا تھا۔ البیان کے فاضل مدیر نے اس مضمون کے متعلق بجا طور پر فرمایا: "حقیقت یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار اپنے عنوان مضمون کو نباہنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔" لیکن شاید فاضل مدیر نے غور نہیں فرمایا کہ میرے مضمون کا عنوان استفہامیہ تھا یعنی میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ جن ضعیف دلائل سے ابن جریر طبری کا تشیع ثابت کیا گیا، اسی قسم کے دلائل سے حضرت امام اعظمؒ کا تشیع ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ *

اگر امعان نظر سے دیکھا جائے تو اس امر کا سمجھنا دشوار نہیں ہے کہ حضرات اہل حدیث کچھ عرصے سے یہ کوشش فرما رہے ہیں کہ ایک حد تک "امت مسلمہ" کی ہم نوائی کرکے خود البیان کے ذریعے سے یہ بات ناظرین البیان کے ذہن نشین کردی جائے کہ روایات ہیں تو صحیح مگر علویوں اور عباسیوں کی وجہ سے ذرا مشکوک سی ہوگئی ہیں۔ ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ خلفائے بنی اُمیّہ نے حدیث کی کیا شاندار خدمات انجام دیں، ہمیں اس سے بحث نہیں کہ عباسی بادشاہوں کی وجہ سے کیا تخریب ہوئی، ہمیں اس سے غرض نہیں کہ شیعوں نے سنی اور خارجی بن کر کتنی روایات داخل کردیں، ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ امام جعفر صادقؒ، امام اعظمؒ یا ابن جریر کا کیا مذہب تھا۔ ہمیں صرف یہ پوچھنا ہے کہ، جب کہ تمام صحاح بنی امیہ کی خالص عربی حکومت کے بجائے بنی عباس کی نیم عجمی حکومت میں مدون ہوئے، جب کہ شیعوں کے کتمان و تقیہ کی وجہ سے یہ بات حتمی طور پر نہیں معلوم ہوسکتی کہ فلاں راوی سنی تھا یا خارجی یا تقیہ باز شیعہ، جب کہ کتب رجال کی یہ کیفیت ہے کہ ان کی زد سے کوئی امام بھی نہیں بچ سکتا۔" (تاریخ الحدیث مصنفہ قاضی عبدالصمد ۱۹۴) تو پھر صاف طور سے

---

* آپ بجا فرماتے ہیں، لیکن ہمارے اشارہ کا مقصود یہ تھا کہ ہمارے نزدیک مولانا تمنا کے شواہد نسبتاً قوی ہیں۔ باقی رہا آپ کے مضمون کا اصل مقصود جسے آپ نے اِس مضمون میں زیادہ وضاحت سے لکھا ہے، اس سے کوئی محقق انکار نہیں کرسکتا۔ (البیان)

اقرار کیوں نہیں کر لیا جاتا کہ صحاح ستہ کی کوئی حدیث بھی قابل اعتماد نہیں ہے ؟ ہمیں صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ جب کسی روایت کو حتمی طور پر صحیح نہیں کہا جا سکتا تو اجماع[1] اُمت کی آڑ میں قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر کی موجودگی میں حرام و حلال کی ایک طویل فہرست کیوں تیار کی جاتی ہے ؟ ناسخ و منسوخ کے انکار کے باوجود مفروضہ آیۂ رجم کو صرف منسوخ التلاوۃ سمجھ کر زنا کی سزا رجم کیوں سمجھا جاتا ہے ؟ فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر (اور پھر جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ روزوں کی قضا دوسرے دنوں میں رکھ لے) کی اجازت کے باوجود سفر میں روزے کیوں رکھے جاتے ہیں ؟ توریت اور انجیل کو الہامی کتابیں ماننے کے بجائے مستدرک حاکم بلکہ نورنامہ وغیرہ سے بھی فرومایہ کیوں سمجھا[2] جاتا ہے ؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو من المھد الی اللحد معصوم کیوں مانا جاتا ہے ؟ فضلتکم علی العالمین کی موجودگی میں صرف کنتم خیر اُمۃ کی رو سے مسلمانوں کو یہودیوں سے بہتر کیوں

---

[1] اجماع اُمت کی یہ کیفیت ہے کہ آج تک یہ بھی نہ ہو سکا کہ رسول خدا نماز کس طرح سے پڑھتے تھے۔ حنفی کہتے ہیں، ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر، حنبلی کہتے ہیں، ناف کے اوپر شافعی کہتے ہیں، سینے کے اوپر شیعہ اور مالکی کہتے ہیں کھول کر! کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ دو فرقے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور تین فرقوں کے ہاتھ باندھنے کی ترکیب مختلف ہے۔ لہٰذا ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا اجماع اُمت سے ثابت ہے اور کیا حضرات اہل حدیث ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں ؟ (طالب)

[2] آپ کا مطالبہ نہایت معقول ہے، ہم آج سے ۱۲ سال پیشتر اپنے رسالہ "علوم اسلام اور انکار حجیت حدیث" میں بہ الفاظ ذیل یہ مفہوم واضح کر چکے ہیں: "جس صورت میں ہم قرآن کریم کے ہوتے ہوئے خود خدا کی دوسری کتابوں (توریت و انجیل وغیرہ) سے بے نیاز ہیں، یا ہر ایک الٰہی کتاب کو قرآن کا ہم مرتبہ ماننے سے قطعاً انکار کرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر الٰہی، غیر محفوظ انسانی مؤلفات کو محض اپنی عقیدت آبائی کی بنا پر وحی واجب الاطاعۃ الی یوم القیامۃ قرار دے لیں۔

میرے دوست منکرین کفایت قرآن سن رکھیں کہ اگر کوئی شخص توریت و انجیل وغیرہ کو قرآن کا مثیل و نظیر یا اس سے بڑھ کر بھی کہے تو وہ عنداللہ کسی مواخذہ کا مستوجب نہیں۔ کیوں کہ اس نے اپنے علم و خیال کے مطابق دو الٰہی کتابوں میں موازنہ و مراجحہ کیا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ خطاء فی الفکر کا احتمال ہو سکتا ہے۔

لیکن غیر الٰہی تصنیف کو کسی الہامی کتاب کا ہم پایہ (مثلہ معہ) کہنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نبی کی قبر کو یا کسی رشی منی کے مجسمے کو یا لات و ہبل و سومنات میں سے کسی ایک کو قادر مطلق، حی قیوم خدا کے ساتھ "مثلہ معہ" تسلیم کر لینا۔" (البیان)

سمجھا جاتا ہے اور خود اجماعِ اُمت کو کس نصِ قرآنی سے حجت ثابت کیا جاتا ہے؟

ان حقائق کی موجودگی میں اوپرے دل سے حجیت حدیث کا انکار کرنا ظاہر میں غلط روایات کو عجمیوں کا پروپیگنڈا بتلانا باطن میں بقیہ روایات کو قرآن کی طرح مطاع ماننا "منکر ے بودن وہمرنگ یاراں زیستن" کے مرادف ہے۔ ان تمام بزرگوں کی خدمت میں بصد عجز و ادب التماس ہے کہ یا تو وہ کوئی ایسا سلسلۂ رواۃ اور محدث بتائیں جس پر نہ تو کسی طرح شیعہ ہونے کا شبہ ہو سکے، نہ اس امر پر کسی نے جرح کی ہو اور نہ اس کی کوئی روایت خلافِ قرآن ہو اور یا پھر "اُمت مسلمہ" کی طرح صاف الفاظ میں حجیت حدیث سے انکار فرمادیں اور قطعی طور سے اعلان فرمادیں کہ خلفائے بنی عباس کی عجم پرستی اور شیعوں کے کتمان و تقیہ کی وجہ سے صحاح ستہ کی کوئی ایک حدیث بھی یقینی طور سے قابل اعتماد نہیں رہی، اس لیے ہم عقائد و عبادات و معاملات میں صرف قرآن حکیم کے پیرو ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور اس کے بجائے عمر، بکر، زید کو شیعہ ثابت کر کے باقی ماندہ روایات کو حجت بتایا گیا تو یہ سلسلہ لامتناہی کبھی ختم نہ ہوگا اور ان باقی ماندہ رواۃ اور محدثین کو شیعہ یا مجروح ثابت کیا جائے گا۔ وما علینا الا البلاغ

٭ حضرت مولانا تمنا عمادی دام مجدہ کی رائے میں یہ امر مستبعد بلکہ خلافِ عقل بلکہ ناممکن الوقوع ہے، اس لیے کہ "وہ (یعنی شیعہ) اپنے مسلکِ کتمان کے مطابق ہمیشہ اپنے عقائد فاسدہ کو پوشیدہ ہی رکھتے رہے" بلکہ "کبھی کبھی فضیلت شیخین کا راگ بھی بآواز دہل الاپتے رہے، یہاں تک کہ بعضوں نے حضرت علیؓ کی شان میں گستاخیاں علانیہ طور سے کرکے اپنے کو خارجی بھی مشہور کرایا مگر تھے وہ درحقیقت شیعہ"۔ (البیان اکتوبر ۱۹۵۶ء) (طالب)

رسالہ "ندیم" گیا | ندیم میں (DICTIONARY OF THONGHTS) کا ترجمہ "لغت خیالات" کے نام سے نومبر کے شمارہ سے شروع کردیا گیا ہے۔ ترتیب اس کی ایسی رکھی گئی ہے کہ بعد تکملہ بآسانی اس کی علٰحدہ جلد بندی ہو سکے گی۔

کتاب کے بحیثیت ترجمہ کامیاب ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ کتب خانوں، ادبی اور تعلیمی اداروں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، لیکن مسلم یونیورسٹی اور کلیہ عثمانیہ کو خاص طور پر ادارہ ندیم کی ہمت افزائی فرمانا چاہیے۔

ہم اپنے معزز معاصر کی اس سعی کا پورے خلوص سے خیر مقدم کرتے ہیں اور حریصانہ شوق سے اس کی تکمیل کے آرزو مند ہیں۔ (ح)

ذوقِ قرآن

کتابِ الٰہی و صحیفۂ کائنات

(۹)

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم اے، پی ایچ ڈی)

دنیائے آب | وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○

(فاطر آیت ۱۲)

زمین کے ہر دو سمندر برابر نہیں۔ ایک تو میٹھا اور پیاس کو بجھانے والا ہے، جس کا پینا آسان ہے۔ اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے۔ ان ہر دو سمندروں سے تم تازہ گوشت حاصل کرتے ہو اور سامانِ زینت (موتی وغیرہ) نکال کر پہنتے ہو۔ تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ پانی کی سطح کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہیں کہ تم تجارت کر کے اللہ کی رحمت (دولت) کما سکو۔ اور پھر اس دولت کو قوم کے قیام و استحکام پر صرف کر سکو۔ تشکرون۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے اوپر ایک کھاری سمندر ہے اور زمین کے اندر میٹھا۔ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ یہ میٹھا سمندر کھاری سمندر سے متاثر نہیں ہوتا۔ سمندر کا پانی کڑوا ہے۔ لیکن اگر ہم ساحل پر کوئی کنواں کھودیں تو پانی میٹھا نکلے گا۔ ان ہر دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل ہے کہ ایک کا اثر دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا۔

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ ۚ (نمل آیت ۶۱)

اللہ نے اِن دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی ہے۔ کیا یہ کام کوئی اور خدا کر سکتا ہے؟

بادل سمندر سے بنتے ہیں، سمندر کھاری ہے اور بادل کا پانی میٹھا۔ ارب کھرب ٹن پانی کی دنیا بادل بن کر فضا میں تیر رہی ہے۔ زمین پر کھاری پانی ہے اور ہوا میں میٹھا۔ ان میں ایک پردہ حائل ہے کہ آبِ شور آبِ شیریں کو متاثر نہیں کر سکتا۔

دنیا کے مشرق میں بحرالکاہل ہے اور مغرب میں اوقیانوس۔ یہ شمال و جنوب میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ درمیان میں خشکی کا قطعہ ہے۔ یہ سمندر میلوں گہرے ہیں۔ اگر آج سطحِ زمین کو برابر کر دیا جائے تو تمام روئے زمین پر

دس ہزار فٹ اونچا پانی چڑھ جائے۔ دنیا کے بڑے بڑے شہر سمندر کے ساحل پر آباد ہیں، لیکن غرق ہونے سے محفوظ ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ ہر چیز الٰہی حکم کی پابند ہے۔ جب تک سمندر کو حکم نہ ملے، اُسے خشکی پر چڑھ دوڑنے کی جرأت کیسے ہو؟

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ (الرحمٰن آیت ۱۹-۲۰)	اللہ نے دو سمندروں کو آپس میں ملا دیا اور ان کے درمیان ایک بند (خشک قطعہ) ہے جس پر یہ دست درازی نہیں کر سکتے۔

اگر ہم پیالے میں پانی ڈال کر اُسے کھلا رکھ دیں تو اس میں ہوائی بکٹیریا، جراثیم امراض و ذرات غبار شامل ہو جائیں گے اور وہ ناقابل استعمال بن جائے گا۔ غیر محفوظ کنوؤں اور تالابوں کا پانی اسی لیے ناقابل استعمال ہوتا ہے۔

اللہ نے پینے کا پانی زمین کی تہوں میں چھپا کر ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اگر ہم جوہڑوں وغیرہ سے پانی لے کر اُسے اُبالتے یا صاف کرنے کے دیگر وسائل استعمال کرتے تو ایک مسلسل مصیبت میں گرفتار رہتے۔ اللہ نے مقدس زمین کی پاکیزہ و معدنی تہوں میں شیریں و شفاف پانی کے دریا یوں جاری کر دیئے کہ ہمیں ہر مقام پر لذیذ، منزّہ و مصفّا پانی دستیاب ہو رہا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ (زمر آیت ۲۲)	کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور وہ زمین کی رگوں میں چشمے بن کر دوڑ رہا ہے۔
وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ	ہم نے ایک معین مقدار میں پانی برسا کر اُسے زمین میں محفوظ کر دیا اور ہم اس ذخیرۂ آبی کو خشک کر دینے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔

سمندر | زمین کے ۳/۴ حصے پر پانی اور ۱/۴ خشکی ہے۔ آغازِ تخلیق میں جب زمین سورج سے نکلی تھی تو سخت گرم تھی۔ حکمائے حاضرہ نے ثابت کیا ہے کہ تکوینِ کائنات سے پہلے فضا میں دھواں ہی دھواں تھا۔ اس دھوئیں (ذرّاتِ برقیہ) میں زمین و آسمان و آب و باد بننے کی مکمل صلاحیت موجود تھی۔ چنانچہ اسی سے آفتاب و کواکب تیار ہوئے اور آفتاب سے زمین نکلی۔ جب زمین قدرے ٹھنڈی ہوگئی۔ تو اِرد گرد کا دھواں (بخارات) پانی بن کر زمین پر ٹپک پڑا اور سمندر کہلایا۔ زمین کا اندرونی مواد اُبل اُبل کر باہر نکل آیا۔ ہر طرف مٹی اور پتھروں کے ڈھیر (پہاڑ) لگ گئے۔ زلزلوں نے زمین کو ناہموار بنا دیا۔ چنانچہ پانی پستیوں میں جمع ہوگیا۔ بلندیاں زندگی کے استقبال کے لیے تیار ہوگئیں اور سمندر سے زندگی کا آغاز ہوا۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ (حٰمٓ سجدہ آیت ۱۰)	پھر اللہ نے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور فضا میں ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

یہ دنیا آخر میں فنا ہو کر ایک مرتبہ اور ذرات برقیہ میں تبدیل ہو جائے گی اور فضا پھر دُخان سے بھر جائے گی۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (دُخان آیت ۹)	اُس دن کا انتظار کر جب فضا میں ہر طرف دھواں ہی دھواں دکھائی دے گا۔
وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ (ہود آیت ۷)	اللہ کی حکومت پانی پر تھی۔

رگ وید باب دہم منترا ۱۲ میں مذکور ہے:

"سنہرے انڈے یعنی سچائی سے دنیا کی تخلیق ہوئی۔ پہلے پانی پیدا ہوا اور پانی سے نر کی تولید ہوئی۔ پھر نر دو حصوں میں بٹ گیا اور اسی سے اس کی مادہ نکلی" (نیز ملاحظہ ہو منو شاستر باب اوّل شلوک ۳۲)

علمائے حاضرہ کی تحقیق یہ ہے کہ آغاز میں سمندر کے اندر یا ساحل پر ایک جرثومۂ حیات نے جنم لیا۔ جو تقسیم و متضاعف ہو کر نر و مادہ کی تکوین پر منتج ہوا۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (نساء آیت ۱)	ہم نے آغاز میں تمہیں ایک ذی حیات جرثومہ سے پیدا کیا، اس سے اس کی مادہ بھی نکلی اور پھر اس مادہ و نر سے ہم نے بے شمار مرد و عورتیں پیدا کیں۔

جس طرح زوجہ و شوہر کے مادۂ منویہ کے امتزاج سے کبھی مادہ اور کبھی نر پیدا ہوتا ہے، اسی طرح اُس ابتدائی جرثومے کے تضاعف سے مادہ و نر کی تکوین ہوئی۔ رفتہ رفتہ سمندر میں مرجانوں، مچھلیوں اور جونکوں کا ایک طوفان آگیا۔ پھر زندگی نے خشکی پر قدم رکھا۔ مختلف ماحول میں مختلف اشکال اختیار کیں، جس طرح کہ اختلافِ آب و ہوا و ماحول کی وجہ سے ایک انگریز اور ایک حبشی کی شکل و ہیئت میں بہت فرق آگیا ہے۔ اسی طرح مختلف مناطقوں میں زندگی نے مختلف روپ بدلے۔ کہیں چلنے، کہیں رینگنے اور کہیں اُڑنے لگی۔

ہم انسانوں میں صرف شکل و رنگ ہی کا امتیاز نہیں دیکھتے، بلکہ مختلف خطوں میں آلاتِ صوت و مخارج میں بھی بڑا فرق پاتے ہیں۔ ایک عرب چ، گ، ڈ، ڑ، ژ اور پ کے تلفظ سے قاصر ہے اور ایک انگریز ت اور د نہیں بول سکتا۔ حقیقتاً ماحول ایک زبردست طاقت ہے، جس سے رنگ، زبان، آواز اور قد و قامت تک بدل جاتے ہیں، اس لیے قطعاً تعجب کی بات نہیں۔ اگر دریا میں تیرنے والے جانور خشکی پر دوڑنے یا اُڑنے لگے۔

ہمیں بعض پہاڑوں سے جو کروڑہا سال تک زیرِ آب رہے، ایسے جانور ملے ہیں جن کی لمبائی ۳۰ تا ۴۰ فٹ تھی۔ منہ نہنگ کی طرح، جسم مچھلی کی مانند، تیرنے کے لیے دو بازو اور فٹ بھر چوڑی آنکھیں تھیں۔ نیز بعض ایسے

جانوروں کے پنجر دستیاب ہوئے ہیں جو پینتالیس فٹ اونچے تھے اور بڑی بڑی مچھلیوں کو دو حصوں میں کاٹ کر پھینک دیتے تھے۔ خشکی و تری ہر دو کی فضا ان جانوروں کو سازگار نہ آئی، اس لیے یہ مٹ گئے۔ جس طرح کہ قوم کی کمائی پر پلنے والے نکمے پیر آج مٹ رہے ہیں۔

وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ (یونس آیت ۱۰۱)	صحیفۂ فطرت کی یہ ہدایات و تنبیہیں اُس قوم کے لیے مفید نہیں، جس کا سینہ نورِ ایمان سے خالی ہو۔
امواجِ بحری — وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ (لقمان)	اور جب وہ لوگ سمندر کی کوہ پیکر امواج میں گھر جاتے ہیں تو نہایت خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں۔

قرآن حکیم کے اسلوب بیان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کہیں کوئی مبالغہ نہیں۔ سرمُو حقیقت سے انحراف نہیں۔ ہر حقیقت کو نپے تلے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ اس ضبط اور اس متانتِ بیان پر داد دیے بغیر نہیں بنتی۔

قرآن حکیم اس وقت نازل ہوا، جب انسانی دنیا اللہ سے کٹ کر ذلت و نکبت کی وادیوں میں سرگردان تھی اور طول و عرضِ گیتی میں کہیں روشنیٔ ایمان و عرفان موجود نہ تھی۔ بگڑی ہوئی انسانی فطرت کا تقاضا یہ تھا کہ ایک ایسی کتاب الہامی بلندیوں سے اتاری جاتی جس میں شاعرانہ مبالغہ و تخیل ہوتا۔ سطوتِ الفاظ و شوکتِ تراکیب ہوتی، جلالتِ اسالیب و شکوہِ بیان ہوتا۔ لیکن جو کتاب ہمیں دی گئی، اس میں باقی تو سب کچھ موجود ہے، صرف ایک چیز نہیں۔ یعنی شاعرانہ مبالغہ و تخیل۔ آیتِ مذکورہ میں امواجِ بحری کو امواج کوہ پیکر کہا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ ہے، بلکہ یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ تفصیل یہ ہے:

سمندر کی سطح کبھی پُرسکون نہیں رہتی، بلکہ اس پر ہوا سے موجیں اٹھتی رہتی ہیں، چوں کہ لہریں ہوا سے زیادہ تیز چلتی ہیں، اس لیے بسا اوقات آندھی سے چوبیس گھنٹے پہلے ساحل پر نمودار ہو جاتی ہیں۔ گہرے پانی میں کم محسوس ہوتی ہیں۔ لیکن ساحل کے قریب یا کم گہرے پانی میں دہشت ناک صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

بحرِ ہند میں اکثر ایسی لہریں دیکھنے میں آئیں جن کی بلندی ۲۹ تا ۳۷ فٹ۔ چوڑائی ۷۰۰ تا ۱۲۰۰ فٹ اور رفتار ۲۵ تا ۳۲ میل فی گھنٹہ تھی۔ ان کی طاقت کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک تجارتی جہاز ان لہروں کی زد میں آگیا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔

بعض اوقات یہ لہریں زلزلے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ساحلِ چالی Chile پر اور ۱۹۲۵ء

میں جزیرہ یاپ Yapp (ایک بحرالکاہلی جزیرہ) کے اردگرد ایسی امواج دیکھی گئیں جن کی بلندی پچاس فٹ تھی۔ چاُلی کی بندرگاہ کگمبو Coquimbo کے باشندے ڈر کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ انہی امواج میں سے ایک کی بلندی ۱۰۰ فٹ تھی، جس نے جہازوں کو تنکوں کی طرح اُٹھاکر ۵۰۰ گز دُور خشکی پر پھینک دیا۔ اوران کا اثر ۵۰۰۰ میل دُور جزیرہ ہوائی Hawii میں بھی محسوس کیا گیا۔

۱۷۳۷ء میں ایک لہر کیپ لوپٹکا Cape Lopatka کے جنوب میں اُٹھی جو دوسو دس فٹ اونچی تھی۔

بخاراتِ آبی | علمائے آب نے اندازہ لگایا ہے کہ ہر سال تمام سمندروں سے چودہ فٹ پانی بادلوں کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

سامانِ حیات | سمندر کا پانی ہمیشہ زیروزبر ہوتا رہتا ہے۔ گرم اوپر آجاتا ہے اور ٹھنڈا نیچے چلا جاتا ہے۔ یہ اس لیے تاکہ اوپر کا پانی ہوا سے آکسیجن لے کر اُن حیوانات تک پہنچائے جو سمندر کی تہ میں مقیم ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ (عنکبوت آیت ۶۰)	بہت سے ایسے جانور ہیں جو اپنے رزق کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اُنہیں اور تمہیں اللہ رزق پہنچاتا ہے۔

سمندر کی تباہ کاریاں | سمندروں نے ہماری خشکی پر کس کس طرح دست درازیاں کیں، تفاصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) انگلستان کا ریونسپر Ravenspur شہر، جس سے دو ممبر پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوا کرتے تھے، اب غائب ہو چکا ہے۔

(۲) کارنوال کا علاقہ پہلے ۱۵۰۰۰۰۰ ایکڑ تھا۔ اب بحری حملوں سے صرف ۸۲۹۵۰۰ ایکڑ رہ گیا ہے اور تقریباً ۷۰۰۰۰۰ ایکڑ رقبہ آب بُرد ہو چکا ہے۔

(۳) جزیرۂ سسلی اور سرزمین اٹلی کا درمیانی حصہ لیونس Lyoness کہلاتا تھا۔ اس میں ۱۴۰ گرجے اور تقریباً اتنی ہی بستیاں موجود تھیں۔ آج یہ خطہ زیرِ آب ہے۔

(۴) مونٹس بے Mount's Bay پہلے خشکی تھی۔ دلیل یہ کہ اس کی تہ سے ہمیں درخت، جنگل اور صحرائی جانوروں کے لاتعداد ڈھانچے ملے ہیں۔ اس علاقہ پر چودھویں صدی میں پانی چڑھ آیا۔

(۵) شمالی ویلز پر آج سے چھ سو سال پہلے پانی چھا گیا اور چودہ گاؤں غرقاب ہو گئے۔ اس تباہی کی وجہ یہ

بحر جس سے درمیان ایک دروازوں والا بہت بڑا بند تھا جس پر سیتھنم Seithenym نامی ایک محافظ مقرر تھا۔ ایک دن اس نے فرودت سے زیادہ شراب پی لی اور نشے میں بند کے دروازے کھول دیئے، جس سے چودہ بستیاں بہہ گئیں۔

(۶) کسی زمانے میں ڈنوچ Dunwich مشرقی انگلیا Anglia کا دارالخلافہ تھا۔ اس میں ایک ٹکسال، ۵۲ گرجے اور ۲۳۶ مدارس تھے۔ عروج روما کے وقت یہ روما کی سلطنت میں شامل تھا۔ بعد میں ہنری دوم کے چالیس جہازییاں رہتے تھے۔ ایڈورڈ دوم کے عہد میں اس شہر پر پانی نے حملہ کیا اور ۴۰۰ گھر بہ گئے۔ پھر ۱۳۲۵ء اور ۱۴۰۰ء کے درمیان چار گرجے ڈوب گئے۔ ۱۷۰۲ء میں سینٹ پیٹر کا بڑا گرجا منہدم ہوگیا۔ اور ۱۸۱۲ء میں سارا شہر ڈوب گیا۔ اب یہ شہر شمالی سمندر کے ساحل سے کہیں دور زیرِ آب ہے۔

(۷) اکلیس Ecles وِمپرل Wimperell شپڈن Shipden اور نورفوک Norfolk بڑے بڑے قصبے تھے جو مدت سے ڈوب چکے ہیں۔

(۸) آبرن Auburn ہارٹ برن Hartburn اور ہائڈ Hyde کی جگہ آج صرف ریت کے ٹیلے دکھائی دیتے ہیں اور بس۔

(۹) فریس لینڈ Friesland کا دوتہائی حصّہ شمالی سمندر میں غائب ہوچکا ہے۔

(۱۰) جزیرۂ ہلیگولینڈ Heligoland جس کا گذشتہ جنگِ عظیم میں بڑا چرچا تھا اور جو بقول ایڈم ڈی برمسی Adam de Bremse ۱۰۷۲ء میں ۱۰۰ میل لمبا تھا۔ اب صرف ایک میل باقی رہ گیا ہے۔

(۱۱) ہالینڈ میں آبی تباہ کاریاں اور زیادہ افسوس ناک ہیں۔ یہاں ۱۲۸۲ء میں جھیل ڈالرٹ نمودار ہوئی جس کی وجہ سے بہت سا رقبہ پانی کے نیچے آگیا۔ ۱۲۸۷ء میں زیڈر Zaider دریا میں طغیانی آئی اور اسّی ہزار نفوس ہنگِ اجل کا لقمہ بن گئے۔ ۱۴۲۱ء میں بہتّر اور گاؤں بہ گئے۔ ہالینڈ کے شمال کی طرف تئیس بڑے بڑے جزیرے پہلی صدی عیسوی میں موجود تھے۔ اب یہ چھوٹے چھوٹے دھبے رہ گئے ہیں، جنہیں ریت کے ڈھیر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

(۱۲) جزیرۂ وان جروج Wangerooge جو کبھی ایک نہایت آباد جزیرہ تھا اور ڈیون Devon، علاقے سے بڑا تھا۔ اب ریت کا ایک ٹیلا رہ گیا ہے۔

انگریزوں کی قسمت کا ستارہ ہر پہلو میں عروج پر ہے۔ گذشتہ ہزار سال میں ہالینڈ، جرمنی، اٹلی اور دیگر ممالک ریائی دستبرد سے کافی نقصان پہنچا، لیکن انگلستان فائدے میں رہا۔ چند سال ہوئے کہ برطانیہ نے ایک کمیٹی اس غرض

کے لیے مقرر کی تھی کہ وہ جزائر برطانیہ کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس رپورٹ کا ملخص یہ تھا:

گذشتہ تیس سال میں جزائر برطانیہ کے رقبے میں مندرجہ ذیل کمی بیشی ہوئی:

نام	رقبہ دریا برد	رقبہ جو دریا سے نکلا
(۱) انگلستان و ویلز	۴۶۹۲ ایکڑ	۳۵۴۴۴ ایکڑ
(۲) سکاٹ لینڈ	۸۱۵ "	۴۷۰۷ "
(۳) آئرلینڈ	۱۱۳۲ "	۷۸۵۳ "

ان اعداد کا ماحصل یہ ہے کہ جزائر برطانیہ میں ہر سال ۱۲۰۰ ایکڑ زمین کا اضافہ ہو رہا ہے۔

انگلستان کے مشہور طوفانی مقرر ایڈمنڈ برک Admund Burke نے ایک دفعہ کہا تھا:

("Even Gods cannot annihilate space and time")

"کہ خود خدا بھی زمان و مکان کو نابود نہیں کر سکتے۔"

اگر برک آج زندہ ہوتا اور سمندری تباہ کاریوں کی حکایات سنتا تو اُسے اپنے اس نظریے پر نظرثانی کرنا پڑتی۔

سمندر کی گہرائی انگلینڈ اور امریکہ کے درمیان بعض مقامات بارہ ہزار سے اکیس ہزار فٹ تک گہرے ہیں۔ یہ حصے پہلے خشکی تھے، یہاں بعض پہاڑ بیس بیس ہزار فٹ اونچے تھے، جن میں سے ایک لارا Laura تھا۔ اس پہاڑ کا ذکر مصر کے قدیم کتبوں میں ملتا ہے اور آج جہاز اس کی چوٹی پر سے گزر رہے ہیں۔ ایک اور دس ہزار فٹ اونچا پہاڑ چوسر Chaucer آج چھ ہزار فٹ پانی کے نیچے ڈوبا ہوا ہے۔

نیوفونڈلینڈ کے جنوب میں سمندر کی گہرائی اکیس ہزار فٹ (تقریباً چار میل) اور جزائر شرق الہند (جاوا سماٹرا وغیرہ) کے مشرق میں دو مقامات پر بیس ہزار فٹ ہے۔

دو ہزار فٹ سے کم گہرائی میں ریت اور معمولی کنکر۔ بارہ ہزار کی گہرائی میں سفید چاک۔ بارہ ہزار سے چودہ ہزار تک کی گہرائی میں خاکستری چاک اور زیادہ گہرائیوں میں کہیں سرخ مٹی اور کہیں آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا ملتا ہے۔

نیوزی لینڈ کے شمال میں ایک مقام پر سمندر کی گہرائی ۲۸۸۷۸ فٹ اور جزائر فلپائن کے شمال مشرق میں ایک مقام پر ۳۴۱۰۰ فٹ ہے اور غالباً دنیا کا یہ عمیق ترین حصہ ہے۔ اگر اس ہولناک کھڈ میں ماؤنٹ ایورسٹ (ہمالہ کی سب سے اونچی شاخ) کو ٹپکا دیا جائے تو ہمیں اسے چھونے کے لیے تین ہزار فٹ گہرا غوطہ لگانا پڑے۔

جاپان اور امریکہ کے درمیان سمندر تقریباً پانچ میل گہرا ہے۔ بہ دیگر الفاظ جاپان کا چھوٹا سا جزیرہ ایک مہلک

کھڈ کے عین کنارے پر واقع ہے اور ممکن ہے کہ کبھی کوئی زلزلہ اس ملک کو اُٹھا کر ایک چھوٹے سے پتھر کی طرح اسی کھڈ میں پھینک دے۔

دنیا کے تقریباً تمام بڑے بڑے شہر سمندر کے ان بھیانک گڑھوں پر واقع ہیں جنہیں تباہ کرنے کے لیے معمولی سا زلزلہ کافی ہے۔ مقامِ تعجب ہے کہ یہ لوگ موت سے جس قدر نزدیک ہیں، اللہ سے اتنے ہی دور ہیں، سچ ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○ (اعراف)	ہر قوم کی تباہی کا ایک وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آ جائے گا تو ایک لمحے کی ڈھیل نہیں دی جائے گی۔
فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ○ (عنکبوت آیت ۶۵)	جب یہ لوگ جہازوں پر سوار امواجِ بحری کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں تو نہایت خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں اور جب خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو ہوا و ہوس کے غلام بن کر اللہ کو بھول جاتے ہیں۔

سمندروں میں مینارِ روشنی بحری گذرگاہوں پر جہازرانی میں سہولتیں پیدا کرنے کے لیے جا بجا مینارِ روشنی نصب کیے گئے ہیں۔

وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ○ (نحل آیت ۱۶)	ستاروں کے علاوہ کچھ اور علامات بھی ہیں جن سے رہنمائی کا کام لیا جاتا ہے۔

اس وقت دنیا میں تقریباً بارہ ہزار مینارِ روشنی ہیں۔ انگلستان کے اردگرد تین سو ہیں اور امریکہ کے ساحل پر تین ہزار۔ ان میں سے بعض سمندر کے وسط میں چٹانوں پر بنے ہوئے ہیں اور بعض ساحل پر۔

دنیا میں سب سے پہلا مینار اسکندریہ میں آج سے بائیس سو سال پہلے تیار کیا گیا تھا۔ ایک صدی بعد رومنوں نے مختلف مقامات پر مینار بنائے۔ ۱۸۰۰ء میں ساحلِ انگلستان پر صرف پچیس مینار تھے۔ سمندر کے درمیان پہلا مینار ۱۶۹۸ء میں بنایا گیا تھا جو ۱۷۰۳ء میں دریا بُرد ہو گیا۔ اٹھارھویں صدی کی ابتدا تک یہ مینار لکڑی سے بنائے جاتے تھے۔ جان سمیٹن John Smeaton پہلا انجینئر ہے جس نے پتھر استعمال کیا۔ ۱۸۱۰ء میں رابرٹ سٹیونسن Robert Stevenson نے بل راک Bell Rock پر (جو انچکیپ Inchcape کا حصہ ہے) ایک عظیم الشان مینار بنایا، جس پر چار سال اور چھ لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔

انیسویں صدی کے آخر تک ایک تیل لارڈ آئل Lard Oil ان میناروں میں استعمال ہوتا رہا۔ اس کے بعد انجن کے ذریعے بجلی پیدا کر کے بعض میناروں میں روشنی کا سامان کیا گیا۔ بہت سے میناروں میں ایڈیسٹ

بھی رکھ دیئے گئے، تاکہ محافظین (جن کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہوتی) کا دل بہلا رہے۔

بعض میناروں میں بدستور تیل جلتا ہے۔ مثلاً مغربی آسٹریلیا کے جزیرۂ اکلپس Eclipse کا مینار۔ اس کی روشنی میں گیارہ لاکھ ساٹھ ہزار موم بتیوں کی طاقت ہے۔ فرانس کا ایک مینار جو کیپ، ڈی، ہیو Cape. de-Heve میں نصب ہے، بجلی سے روشن ہے اور اس کی روشنی میں دو کروڑ پچیس لاکھ موم بتیوں کی طاقت ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے (اقبالؒ)

سفینے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ ...... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بقرہ آیت ۱۶۴)	ارض و سماء کی تخلیق، اختلاف لیل و نہار اور کشتیوں میں جو سمندروں میں چلتی ہیں ...... ارباب دانش کے لیے اسباق حیات و قوت موجود ہیں۔
فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت آیت ۱۵)	ہم نے نوح اور دیگر کشتی نشینوں کو بچا لیا۔ اور کشتی کو علماء کے لیے ایک سبق بنا دیا۔

ان دو آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کشتیاں عروجِ ملی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور علماء کا فرض ہے کہ وہ قوم کو جہاز سازی و جہاز رانی کا درس دیں، تاکہ اللہ کی یہ آیات ہمارے قیام و استحکام کا وسیلہ بن سکیں۔

رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مئے مغانہ (اقبالؒ)

ابتدائے بحر پیمائی ابتدا میں لوگ سمندر کو دنیا کا آخری کنارہ سمجھتے تھے اور اس میں قدم دھرنے سے ڈرتے تھے۔ ہومر کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ بارھویں اور تیرھویں صدی ق م تک لوگ سمندر سے ڈرتے رہے، اس لیے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ پہلی کشتی جھیل میں ڈالی گئی ہوگی۔ آغاز میں بھاری لکڑیوں اور گھاس کے گٹھوں کو عبورِ آب کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ یہ گیاہی ذرائع دریائے نیل کے بعض مقامات پر آج تک استعمال ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد بڑے بڑے تنوں کو کھوکھلا کر کے استعمال کیا گیا۔ افریقہ کی بعض جھیلوں اور دریاؤں نیز برٹش کولمبیا و جزائر سلیمان میں آج تک کھوکھلے تنے استعمال ہو رہے ہیں۔ رابنسن کروسو نے ایک کھوکھلے تنے کو بطور کشتی استعمال کرنا چاہا، لیکن گھسیٹ کر پانی تک نہ لا سکا۔ ۱۹۰۱ء میں برٹش کولمبیا کی ایک جماعت نے ایک کشتی تیار کی، جس سے کپتان وِاس Voss نے تین سال میں تمام دنیا کا چکر کاٹا۔ دریائے دجلہ میں ایک بڑے سے

ٹوکرے پر چمڑہ چڑھا کر اسے بطور کشتی استعمال کرتے ہیں۔ اس میں بیک وقت بیس آدمی سوار ہو سکتے ہیں۔

قدیم جہازران | قدیم تاریخ کی سب سے بڑی کشتی حضرت نوح نے تیار کی تھی جو ۴۵۰ فٹ لمبی، ۷۵ فٹ چوڑی ۴۵ فٹ اونچی اور پندرہ ہزار ٹن بھاری تھی۔

۱۰۰۰ ق م میں فنیقیوں نے ایسی کشتیاں تیار کیں جن کے ذریعے وہ نہ صرف بحیرۂ روم کے ساحلی شہروں سے تجارت کرتے تھے، بلکہ جنوب میں ساحلی افریقہ اور شمال میں کارنوال تک جاتے تھے۔

فنیقیوں سے پہلے جزیرۂ کریٹ Crete بحری مرکز تھا اور ان سے بھی صدیوں پہلے اہلِ اطلانطس[۵] جہازرانی میں ماہر تھے۔ فنیقیوں کے بعد کارتھیجی مشہور ملاح ہو گذرے ہیں۔ ارسطو کہتا ہے کہ یہ لوگ پہلے جہاز ساز تھے۔ جن کے جہازوں کے ساتھ آٹھ آٹھ چپو تھے۔

ہمیں مصر کے بعض قدیم مقبروں پر جہازوں کی تصاویر ملی ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں پروفیسر فلنڈرس پٹری Flenders Petrie نے ریفہ کے ایک مقبرے پر سے ایک ایسی تصویر کا عکس لیا جو سلاطینِ مصر کے بارھویں سلسلے یعنی ۲۰۰۰ ق م سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی شکل کی بعض کشتیاں ساحلِ ملایا تک پہنچیں اور دریائے نیل کے بعض حصوں میں استعمال ہو رہی ہیں۔ یہ کشتیاں تقریباً ۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتی تھیں۔ ۱۸۶۱ء میں اسی قسم کی ایک کشتی نپولین سوم نے بنائی جو ۱۲۰ فٹ لمبی اور سترہ فٹ چوڑی تھی۔ اس کا نمونہ پیرس کے عجائب خانہ لووری Louvere میں موجود ہے۔

ارتقاء | کچھ مدت بعد کشتی کے بعض حصوں میں لوہا استعمال ہونے لگا۔ اس قسم کے جہاز پہلی مرتبہ ایرانیوں اور پیلو پونیسیز Peloponnessians کی جنگ میں استعمال ہوئے تھے۔ پھر جنگِ ایکٹیم Actium میں انٹنی نے ایسے جہاز استعمال کیے، جن کے ساتھ بیس بیس چپو تھے اور جن جہازوں میں بادشاہ یا امیر البحر سوار

---

۵ جرمنی کے ایک محقق نے ثابت کیا ہے کہ آج سے بہت پہلے افریقہ و امریکہ باہم ملے ہوئے تھے۔ درمیانی خطہ مملکت اطلانطس کہلاتا تھا جو کہ کسی زلزلے وغیرہ کی وجہ سے ڈوب گیا۔ یہ محقق کہتا ہے کہ مصر کی طرح میکسیکو سے بھی اہرام برآمد ہوئے ہیں نیز افریقہ کے مغربی اور امریکہ کے مشرقی ساحل کی نباتات میں کلی مشابہت ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی وقت یہ دونوں برِاعظم آپس میں ملے ہوئے تھے اور ان پر صدیوں کسی ایک قوم کی حکومت تھی جن کے آثارِ تمدن کچھ افریقہ اور کچھ امریکہ میں آج ملتے ہیں۔

ہوتا تھا۔ ان کی رسیاں اور چپو زنگ دار تھے۔ ان جہازوں کے بقیۃ الآثار جھیل نیمی Lake Nemi سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ان کے بعض حصے تانبے اور سکے سے تیار کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز ۹۰ فٹ اور دوسرا ۲۵۰ فٹ لمبا تھا۔ یہ تجارتی جہاز تھے جن میں ۲۵۰ ٹن غلہ سما سکتا تھا۔ جنگی جہاز قدرے چھوٹے ہوا کرتے تھے۔

جب روم کا مشہور بادشاہ جولیس سیزر گال Gaul پر حملہ آور ہوا تو ساحل انگلستان پر چند جہاز دیکھ کر کہنے لگا کہ "یہ جہاز ہمارے جہازوں سے زیادہ مضبوط ہیں"۔ بحر اوقیانوس کی سطح بحرہ روم کے مقابلے میں زیادہ شورش رہتی ہے۔ یہاں صرف مضبوط جہاز ہی کام دے سکتے ہیں۔ یہ برطانوی جہاز کھوکھلے تنوں سے تیار کیے گئے تھے۔ آج سے پچاس سال پہلے ایک دوسری قسم کا جہاز لنکن شائر میں برگ Brigg کے پاس ملا جو ساڑھے اڑتالیس فٹ لمبا اور چھ فٹ چوڑا تھا۔ یہ ایک ایسے تنے سے تیار ہوا تھا جس کا محیط ۱۸ فٹ تھا۔ یہ جہاز زمانہ حجری (۳۵۰۰ ق م) سے تعلق رکھتا ہے۔ ان لوگوں نے پتھروں سے اتنا بڑا درخت گرا کر کیسے کھوکھلا کیا ہوگا؟ ہنوز ایک معمہ ہے۔

جب سیزر نے ۵۶ ق م میں وینیٹی Veneti قوم پر حملہ کیا اور ان کے زنجیروں سے بندھے ہوئے بڑے بڑے جہاز دیکھے تو کہنے لگا:

"ہمارے جہاز ان کے مقابلے میں کھلونے ہیں"۔

نارسیمین Norsemen اپنے سرداروں کو مرنے کے بعد دو طرح رخصت کیا کرتے تھے، اول کہ لاش کو جہاز میں رکھ کر اور اسے آگ لگا کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیتے تھے۔ دوم کہ اس جہاز کو ساحل کے پاس لاش سمیت دفن کر دیتے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں سینڈف جورڈ Sandef Jord کے پاس اس قسم کا ایک جہاز برآمد ہوا جو ۹۰.۴ فٹ لمبا، ۱۶½ فٹ چوڑا اور ۵۶۰ من وزنی تھا۔

ایک مرتبہ اہل ڈنمارک نے اپنے جہازوں کی بدولت تمام انگلستان کو فتح کر لیا تھا۔ الفریڈ نے کچھ عرصے کے بعد ایک جنگی بیڑا تیار کر کے اہل ڈنمارک کو شکست دی۔ ان کے چھ جہاز پکڑ لیے اور اٹھارہ ڈبو دیے۔ الفریڈ برطانوی جہازوں کا بابا آدم سمجھا جاتا ہے۔

۱۱۸۰ء میں اہل انگلستان نے ایک ایسا جہاز تیار کیا جس میں ۴۰۰ آدمی سفر کر سکتے تھے۔ رچرڈ پہلا فرماں روا ہے جس نے جہازوں کے متعلق ایک ضابطۂ قوانین تیار کیا۔ اس کے پاس ۲۰۳ جہاز تھے۔ کنگ جان

نے ملاحوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور جب ایڈورڈ سوم نے کیلے کا محاصرہ کیا تو اس بیڑے میں ۷۰۰ جہاز اور ۱۰ ہزار ملاح تھے۔ جہازوں کا وزن ۳۰۰ تا ۱۰۰۰ ٹن تھا۔

جہازوں میں پہلے منجنیق ہوا کرتے تھے۔ پندرھویں صدی میں توپیں لگ گئیں۔ ہنری ہشتم نے دو ایسے جہاز تیار کرائے جن میں سے ہر ایک کے اندر ۲۲ توپیں تھیں۔ ہنری کے عہد میں وہ مشہور جہاز سینٹا ماریا تیار ہوا جس میں سفر کرتے کولمبس نے نئی دنیا تلاش کی تھی۔ ملکۂ الزبتھ کے عہد میں آرک رائل Ark Royal تیار ہوا۔ اس میں تین قطب نما اور ۴۰۰ ملاح تھے۔ سترھویں صدی کے آخر میں یورپ کی تمام اقلیم کا بیڑا بیس لاکھ ٹن تھا (اور آج صرف انگلستان کے پاس ۵ اکروڑ ٹن وزن کے جہاز موجود ہیں) جس میں سے ہالینڈ کے پاس نو لاکھ، انگلستان کے ہاں پانچ لاکھ اور فرانس کے پاس صرف ایک لاکھ ٹن تھے۔

بہ دیگر الفاظ آج سے دو سال پہلے انگلستان ایک کمزور ترین ملک تھا، بہادر، جوانمرد اور جفاکش انگریزوں نے اسے مہیب ترین سلطنت بنا ڈالا۔ دوسری طرف ہم آج سے چند سو سال پہلے ایک مہیب ترین قوم تھے۔ ہمارے ناخداؤں، ست ست کوششوں، عیاشوں اور وظیفہ خوانوں نے ہمیں تباہ کر کے رکھ دیا۔ لیکن دماغوں میں محبوبِ خدا ہونے کا گھمنڈ بدستور باقی ہے۔ دنیا کے کسی کونے میں جائے پناہ نہیں ملتی۔ ضاقت علیہم الارض بما رحبت (زمین آج ان پر تنگ کر دی گئی ہے) لیکن خیر سے خیر الامم ہونے کے بدستور مدعی ہیں۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل　　　یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست　　　یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات　　　(اقبال)

آہ، کبھی وہ زمانہ بھی تھا کہ بحر و بر میں ہماری طاقت کی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ سلاطینِ زمانہ ہمارے نام سے لرز جاتے تھے۔ بڑے بڑے سرکشانِ گیتی آستانِ خلافت پر جبیں گھسا کرتے تھے۔ یورپ ہمارا غلام بن کر اینٹھتا تھا۔ مصر و شام کو ہماری حکومت پر ناز تھا۔ ہم جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے، اقوام و ممالک کی تقدیریں بدل جاتی تھیں اور ہماری ضربِ شمشیر سے مشرق و مغرب لرزہ براندام تھے۔ لیکن آج نحوست، فلاکت نکبت، ادبار، جنت کے نشے، شفاعت کے خمار، وظیفوں کا پندار اور تسبیحوں پر گھمنڈ۔ مردِ مومن! سوچ، جاگ، دیکھ، اٹھ، بڑھ کہ رحمتیں بدستور تیری منتظر ہیں۔ قوت کا سامان ڈھونڈ کہ ضعف موت ہے، اپنی حقیقت پہچان کہ اس نادانی میں تو لٹ گیا۔

تیری زمین بے حدود، تیرا افق بے ثغور　　　تیرے سمندر کی موج، دجلہ و ڈینیوب و نیل

ساقیِ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق   بادہ ہے تیرا رحیق، تیغ ہے تیری اصیل

مردِ سپاہی ہے تو، تیری زرہ لا اِلٰہ

سایۂ شمشیر میں تیری پناہ لا اِلٰہ   (اقبال)

رجوع بمطلب | ۱۶۹۲ء میں فرانس نے انگلستان پر حملہ کرکے اس کی جہازی طاقت فنا کردی، لیکن باہمت انگریزوں نے صرف نو سال میں ۱۸۲۳ نئے جہاز بنالیے ۔ دوسری طرف دیکھیے کہ مسلمان ایران پر ۱۳۴۱ سال سے قابض ہیں اور اس تمام زمانے میں یہ شیدائیانِ حسین ایک لکڑی کی کشتی بھی تیار نہ کرسکے ۔ جاہل مجتہدوں نااہل ملاؤں، شکم پرست واعظوں اور بے بصیرت پیروں نے انھیں ہمیشہ یہی سمجھایا ہوگا کہ محرم کے دن ایک آنسو ٹپکانے سے آپ کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس لیے تمام سال عیش اڑائیے، رکنا باد کے کنارے محفلیں جمائیے، ساقیِ مہوش کے خالِ سیاہ پر سمرقند و بخارا قربان کرڈالیے اور ساز و چنگ کے ساتھ گائیے:

پدرم خلدِ بریں، واللہ گندم بفروخت

ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم   (حافظ)

دخانی جہاز | سب سے پہلی دخانی کشتی ۱۷۳۶ء میں جونیتھن ہلز نے بنائی لیکن پوری کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ نقائص باقی رہ گئے تھے ۔ ۱۸۰۶ء میں ایک امریکی موجد رابرٹ فلٹن نے ایک سٹیم کشتی بنائی جو ہوا کے خلاف ساڑھے چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلی۔ اسی موجد نے ۱۸۱۷ء میں پانچ سو ٹن کا ایک دخانی جہاز بنایا جس پر ۲۲ ہزار پونڈ خرچ ہوئے۔ دخانی جہاز اس قدر مقبول ہوئے کہ صرف ۱۸۳۶ء میں جس قدر جہاز انگلستان کی بندرگاہوں پر بغرضِ تجارت پہنچے، اُن میں تیرہ ہزار دخانی تھے ۔ اطمینان فرمائیے کہ ان میں اسلامی سلطنتوں کا ایک جہاز بھی شامل نہ تھا۔ اس لیے کہ مسلمان یا تو ذکرِ خدا ''ہو'' اور یا پرستشِ صنم میں مصروف تھے ۔ ان غریبوں کو جہاز سازی کی فرصت کہاں تھی اور ضرورت بھی کیا تھی۔ بھلا کسی کی شامت آئی تھی کہ خدا کے پیاروں پر حملہ کرنے کی ہمت کرتا۔ جس اللہ نے مکہ و کعبہ کو بچانے کے لئے ابابیلوں سے ابرہہ کے پرخچے اڑادیے تھے، وہ ایران و عرب کے مسلمانوں پر حملہ کرنے والوں کا تو خدا جانے کیا حال بنائے گا۔

نَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَھُوْنَ (انعام آیت ۱۱۱) | انہیں اپنی گمراہی میں بھٹکنے دو۔

کاش کہ اس قدر مار کھانے کے بعد بھی مسلمان یہ سمجھ جاتا کہ اللہ بدعمل اقوام کو مٹانے میں نہایت بے نیاز واقع ہوا ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (آل عمران آیت ۹۶) | اگر تم نا اہل، کام چور اور قانون شکن بن گئے تو یاد رکھو کہ ہمارا کسی قوم کوئی خاص رشتہ نہیں (غنی) اور ہم نا اہلوں کو مٹانے میں بہت دلیر واقع ہوئے ہیں

تو تعمیرِ مستقبل کی کوئی صورت نکل سکتی تھی، لیکن اس کج فہم قوم کا کج دماغ ملا ہر روز مغفرت، شفاعت اور تسبیح و تہلیل کے وہ سہ آتشہ جام قوم کو پلاتا ہے کہ اُمید ہوش معلوم

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی (اقبال)

رجوع بمطلب | اہلِ انگلستان نے ۱۹۰۶ء میں چار ہزار ٹن کا ایک اتنا تیز رفتار جہاز تیار کیا جس نے بحر اوقیانوس کو چار دن اور سترہ گھنٹوں میں عبور کر لیا۔ ۱۹۳۳ء میں فرانس نے ۸۰ ہزار ٹن کا ایک جہاز بنایا۔ اسی سال انگریزوں نے ۷۳ ہزار ٹن کا ایک جہاز تیار کیا، جس کے انجن میں ۸۰ ہزار گھوڑوں کی طاقت تھی۔ ایک اور جہاز اولمپک کی لمبائی ۸۵۲ فٹ، چوڑائی ۹۲ اور اونچائی ۱۷۵ فٹ تھی۔ اس میں نوّے ہزار گھوڑوں کی طاقت کا انجن لگا ہوا تھا۔ اور اس پر ۸۶۰ ملاح کام کرتے تھے۔

یہ ہے وہ طاقت جس کی بدولت اقوام زندہ رہ سکتی ہیں اور یہی وہ آیات ہیں جن سے زندہ اقوام کا ایمان زندہ رہتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ (شوریٰ آیت ۳۲) | سمندر کی سطح پر کوہ پیکر جہاز اللہ کی آیات ہیں۔

کم کوش کاہل مسلمان ان آیات سے غافل ہو کر پٹ رہا ہے۔ سلطان ابن سعود کے پاس بندرگاہیں تو موجود ہیں لیکن ایک کشتی تک کہیں نظر نہیں آتی۔ خلیج فارس میں ایرانیوں کا کوئی ٹوٹا ہوا جہاز بھی نہیں ملتا۔ بحیرۂ روم و قلزم میں مصریوں کی کوئی دخانی کشتی تک دکھائی نہیں دیتی۔ انصافاً کہو کہ نا اہل اقوام جو دانت کے بدلے دانت نہیں توڑ سکتیں، زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل ہے؟

اللہ نے ہمیں قوت و ہیبت کا بار بار درس دیا تھا۔

۱۔ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (توبہ ۱۲۳) ــــ تم دنیا میں یوں رہو کہ لوگ تمہاری تندی کو محسوس کریں۔

۲۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (فتح ۲۹) ــــ خدائی سرکشوں کے ساتھ سخت بنو۔

۳۔ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ (حدید ۲۵) ــــ ہم نے فولاد بھیجا، جو ایک پُرہیبت دھات ہے۔ اسے استعمال کر کے پُرشوکت بنو۔

۴۔ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ (شوریٰ ۳۲) ــــ جہاز اللہ کی آیات ہیں۔

وَمِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال آیت ۶۰) | ..... تو اپنے اندر وہ قوت پیدا کرو اور تمہاری چھاؤنیوں میں گھوڑے اس شان سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن اور اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

لیکن ہم ان اسباق کو بھول گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا کا سب سے بڑا عمل دو نفل ہیں، سب سے بڑا جہاد مسجد کے تاریک گوشے میں "اللہ" کی گردان ہے اور ان معادن و مخازن ارضی کا استعمال نہ تو مستحب ہے اور نہ مستحسن بلکہ خلاف اسلام ہے "متاع غرور ہے"، فانی ہے، یہ ہے، وہ ہے۔ دیکھا آپ نے کہ اس "متاع غرور" کے ترک سے ہم کیوں کر تباہ ہوئے اور ہماری شوکت کی لذیذ داستان کس طرح افسانہ بن کر رہ گئی۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (صافات آیت ۲۱) | یہ ہے تمہارے اعمال کے فیصلے کا دن، جس پر تمہیں اعتبار نہ آتا تھا۔

پانی کے چند جانور سمندر میں نمک کیوں ہے؟ یہ سوال علمائے طبیعی کے ہاں صدیوں زیر بحث رہا۔ حال ہی میں ایک مغربی عالم نے اس کی ایک دل چسپ وجہ بیان کی ہے۔ نمک میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گوشت کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ قدیم مصری اقوام اپنے فرماں رواؤں کی لاشوں کو نمک سود کر دیتے تھے، تاکہ قبروں میں گل سڑ نہ جائیں۔ ہم اپنے گھروں میں بھی آٹھ دس رات کے گوشت کو صبح تک محفوظ رکھنے کے لیے نمک لگا دیا کرتے ہیں۔

چوں کہ سمندر میں ہر روز کروڑوں مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کی موت واقع ہوا کرتی ہے اور ایام جنگ میں ہزاروں انسان سمندر کی بھینٹ چڑھتے ہیں، اس لیے اللہ نے سمندر کو تعفن سے محفوظ رکھنے کے لیے نمک کی کثیر مقدار پانی میں شامل کر دی۔

اگر خشکی کے کسی جانور کو پانی میں پھینک دیا جائے تو وہ گل سڑ جاتا ہے۔ قدرت کا کمال ملاحظہ فرمائیے کہ سمندر میں کروڑہا آبی جانور موجود ہیں اور وہ گلتے سڑتے نہیں۔ بلکہ ہر وقت تازہ رہتے ہیں۔ اللہ نے اس معجزۂ تخلیق کی طرف یوں متوجہ فرمایا ہے:

وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا (فاطر آیت ۱۲) | اور تم سمندروں سے تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔

ماہی گیری ابتدائی انسان سمندروں کے کنارے پر آباد تھے اور مچھلیوں سے گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم یمن کے ایک باغ میں رکھے گئے تھے، جب وہاں سے نکالے گئے تو

غالباً انہوں نے بحیرہ قلزم کا رُخ کیا ہوگا اور اُس مقام پر آئے ہوں گے، جہاں آج جدّہ آباد ہے، اور ممکن ہے کہ مکہ میں بھی پہنچے ہوں۔ تاریخ مکہ میں درج ہے کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا۔ جب مرورِ ازمنہ سے یہ تعمیر تباہ ہوگئی تو اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر کعبہ بنایا۔ یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟ مورخ ہماری رہنمائی نہیں کرسکتا۔ ہاں مختلف سیاحوں نے ہمیں اتنا بتلایا ہے کہ جدّہ میں جناب حوّا علیہا السلام کی قبر موجود ہے اور جدّہ کا نام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ۔ جدّہ عربی زبان میں دادی کو کہتے ہیں۔ چوں کہ یہاں نوعِ انسان کی دادی کی قبر تھی، اس لیے یہ مقام جدّہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ علمائے نوعِ انسانی کا خیال یہ ہے کہ حضرت آدمؑ بھی عموماً مچھلیوں پر گزر اوقات کرتے ہوں گے۔

ابتدا میں لوگ تیروکمان سے مچھلی کا شکار کھیلتے تھے، اس کے بعد جال اور پھر کانٹا منظرِ عام پر آیا۔ اہلِ روم و یونان پہلی اقوام ہیں جو مچھلیوں کو برسوں محفوظ رکھنے کا طریقہ جانتے تھے اور دور دراز ممالک کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انگلستان نے ماہی گیری میں شہرت حاصل کی۔ ۱۶۰۳ء میں انگلستان کے ۴۵۰ جہاز ماہی گیری میں مصروف تھے۔ شکار کے لیے ساحل سے چھ سو میل دور نکل جاتے تھے اور بیس لاکھ پونڈ سالانہ ماہی گیری سے وصول کرتے تھے۔ کینیڈا اور ریاست ہائے متحدۂ امریکہ میں ایک دوسرے کے ہاں مچھلیاں پکڑنے پر برسوں جنگ رہی۔ آخر ۱۸۱۸ء میں معاہدۂ واشنگٹن ہوا جس کی رُو سے ان ممالک کو ایک دوسرے کے ہاں ماہی گیری کی اجازت مل گئی۔

چوں کہ کینیڈا کی مچھلی زیادہ اچھی ہوتی ہے، اس لیے پھر لڑائی چھڑ گئی اور ۱۸۵۴ء میں برطانیہ نے امریکہ سے پچپن کروڑ پچاس لاکھ پونڈ معاوضہ لے کر کینیڈا کے پانی میں صیدِ ماہی کی رعایت دے دی۔ لیکن ۱۸۹۵ء میں پھر کسی امر پر اختلاف ہوگیا۔ اور امریکہ اس رعایت سے محروم کردیا گیا۔

ماہی گیروں نے برطانوی بیڑے کو دنیا کا مہیب ترین بیڑا بنا دیا ہے۔ یہ ملاح چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ساتھ سمندر کی مہیب موجوں میں شکار کھیلتے ہیں۔ یہ اوقیانوس کے چپے چپے سے واقف ہیں، انہیں علم ہے کہ چٹانیں کہاں ہیں اور دیگر خطرناک مقامات کس طرف ہیں اور آج یہی لوگ برطانوی بیڑے میں ملاحی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مختلف ممالک میں ماہی گیروں کا تناسب

انگلستان ——— ہر ۱۱۲ آدمیوں میں سے ایک ماہی گیر ہے۔

۲۔ آئرلینڈ ——— ہر دو سو آدمیوں میں سے ایک ماہی گیر ہے

۳۔ سکاٹ لینڈ ——— ہر ۴۷ 〃 〃 〃 〃

۴۔ ناروے ——— ہر ۱۶ 〃 〃 〃 〃

جاپان ماہی گیری میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہاں ہر سال ایک کروڑ اسّی لاکھ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ چند دیگر ممالک کے اعداد یہ ہیں:

۱۔ امریکہ ——— ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ

۲۔ فرانس ——— ایک کروڑ تیرہ لاکھ پونڈ

۳۔ انگلستان ——— ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ

دنیا میں ہر سال بیس کروڑ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ اگر ایک پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہو تو یہ رقم تین ارب روپیہ بنتی ہے جو مرکزی حکومتِ ہند کے سالانہ محاصل سے دوچند ہے۔

صید ماہی کے لیے جو کشتیاں استعمال ہوتی ہیں ان کو ٹرالر کہا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ۱۳۰ فٹ لمبے، ۱۰۰ فٹ چوڑے اور ۲۵ فٹ گہرے جال ہوتے ہیں۔ یہ ٹرالر معمولی بادبانی جہازوں سے اتنی گنا زیادہ مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ایسے ٹرالر برطانیہ کے پاس تقریباً ۱۰۰۰، جرمنی کے ہاں ۵۰۰، فرانس کے پاس ۳۰۰، ڈنمارک، ہالینڈ اور بلجیم کے پاس کل ۴۰۰ ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں صرف انگلستان نے اٹھارہ لاکھ بارہ ہزار پانچ سو من مچھلی پکڑی تھی۔

یہاں شاید یہ عرض کردینا بے جا نہ ہوگا کہ دنیا میں اسلامی سلطنتوں کا وجود بھی ہے جو تمام کی تمام سمندروں کے سواحل پر واقع ہیں، لیکن ان لوگوں نے کبھی کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ بچارے کیا کریں، کمبخت [illegible] بھاگ جاتی ہیں۔

وہیل مچھلی وہیل پانی میں منہ کھول کر تیرتی ہے۔ جب اس "سرنگ" میں کئی جانور داخل ہو جاتے ہیں تو منہ کو بند کرلیتی ہے۔ ایک وہیل کی چربی سے اتنا تیل نکلتا ہے کہ اٹھارہ اٹھارہ سیر کے دو سو کچھ ٹین بھر جاتے ہیں۔

وہیل پکڑنے کی کشتیاں خاص قسم کی ہوتی ہیں جن کی تعداد کچھ عرصہ پہلے مختلف ممالک کے پاس یہ تھی:

سال	ملک	تعداد
۱۶۸۰ء	ہالینڈ	۲۶۶

۱۸۱۵ء	برطانیہ	۱۶۴
۱۸۴۹ء	امریکہ	۶۷۸
۱۹۴۲ء	اسلامی سلطنتیں	سکیم زیرِ غور ہے ؟؟؟

۱۸۹۵ء میں ایک جہاز آرکٹک Arctic نے دس ویل مچھلیاں پکڑیں جن کی ہڈیاں چودہ من نکلیں جو بیس ہزار پونڈ پر فروخت ہوئیں اور ان کی چربی سے ۲۵۲۰ من تیل نکلا۔

ویل گھنٹہ بھر سانس لیے بغیر پانی کی تہ میں رہ سکتی ہے۔ جب شکاری دُور سے ویل کو دیکھ پاتے ہیں تو دوڑ کر پاس آجاتے ہیں۔ جونہی کہ سانس لینے کے لیے دوبارہ سر باہر نکالتی ہے تو شکاری توپ سے فائر کر دیتے ہیں۔ گولہ (جو مضبوط تاروں سے جہاز کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے) ویل کے جسم میں گھس جاتا ہے یہ بھاگ نکلتی ہے اور کئی سو میل تک جہاز کو بھی گھسیٹے لیے پھرتی ہے۔ شکاری لگاتار فائر کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ نڈھال ہو کر رہ جاتی ہے۔

ویل کے چمڑے سے مشینوں کے پٹے بنتے ہیں اور خون سے کھاد کا کام لیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو ویل کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ان کے پاس مشینیں ہیں اور نہ اتنی "بلند مزاج" زمینیں۔

جنوبی افریقہ میں آج کل سولہ ویلیں روزانہ پکڑی جاتی ہیں اور ان کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ ایک ویل ایک وقت میں ایک ہی بچہ دیتی ہے اور وہ بچہ پچاس سال میں جوان ہوتا ہے۔ ہر ویل کم از کم اسّی فٹ لمبی اور ساٹھ فٹ موٹی ہوتی ہے۔

دریائی سانپ ڈیڈلیس Deadalus جہاز کے کپتان نے ۱۸۴۸ء میں ایک ساٹھ فٹ لمبا سانپ دیکھا۔ ۱۸۷۷ء میں سسلی کے پاس اسبورنی Osborne جہاز کے کپتان نے ایک سانپ دیکھا جس کی پیٹھ پندرہ سے بیس فٹ تک چوڑی تھی اور اس کا جسم پچاس فٹ تک نظر آرہا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں امریکہ کے ایک جہاز ڈرفٹ Drift کے ملاحوں نے کیپ کاڈ Cape Cod کے پاس ایک سانپ دیکھا جو پانی سے ابھرا اور چالیس فٹ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

عجائبات ۱۔ برٹش سٹار فش (ایک قسم کی مچھلی) ایک سال میں بیس کروڑ انڈے دیتی ہے۔

۲۔ ناروہل کا ایک دانت چھ فٹ لمبا ہوتا ہے۔

۳۔ کچھوے کی عمر تقریباً سو سال ہوتی ہے۔

۴۔ پلیو ایک بیس فٹ لمبے سانپ کا نام ہے۔ یہ ساحلی پہاڑوں میں رہتا ہے۔ ہر سال اکتوبر میں ساحل پر آکر کسی چٹان کو منہ سے پکڑ لیتا ہے اور اپنی لمبی دُم کو پانی پر پھیلا دیتا ہے۔ لہروں کے ہچکولوں سے یہ دُم ٹوٹ جاتی ہے اس میں انڈے ہوتے ہیں جو کہیں دُور جاکر بچے بن جاتے ہیں۔ اس کا زخم مندمل ہو جاتا ہے اور دوسرے سال پھر اس مشق کا اعادہ کرتا ہے۔

۵۔ بحرِ چین کی ایک مچھلی میں یہ خوبی ہے کہ اگر کوئی اسے کھالے تو ہنستے ہنستے مر جاتا ہے۔ اس مچھلی کی فروخت ممنوع ہے۔ قدیم زمانے میں جب کسی امیر کو موت کی سزا دی جاتی تھی تو وہ اس مچھلی کو کھالیا کرتا تھا۔

۶۔ ایک مچھلی ایسی بھی ہے جس کی دُم کو موم بتی کی طرح جلایا جاتا ہے اور اس میں سے ۵۰۰ موم بتیوں کی روشنی نکلتی ہے۔

۷۔ مچھلی کے جسم میں ایک پمپ لگا ہُوا ہوتا ہے۔ جب وہ ہوا کو اندر کھینچتی ہے تو پانی سے ہلکی ہوکر سطح پر آجاتی ہے اور جب ہوا کو خارج کر دیتی ہے تو بھاری ہوکر نیچے چلی جاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنا کر اپنی قوم کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً زندگی کا سبق دیا تھا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (شوریٰ آیت ۱۱)

ہم نے تمہیں وہی (قوت اور ہیبت والا) دین عطا کیا ہے جو نوح کو دیا تھا۔

لیکن کسی نے فائدہ نہ اُٹھایا۔ قوم نوح کو مٹا دیا گیا اور قوم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) مِٹ رہی ہے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝
وَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝
وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ
الْمُنْزِلِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ
ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مومنون

ہم نے نوح کو کہا تھا کہ ظالموں کی سفارش ہمارے ہاں مت
کرنا کہ وہ غرق ہوکر رہیں گے۔ جب تم اور تمہارے ہمراہی
جہاز میں سوار ہو جائیں تو سب کہو "اُس اللہ کا شکر ہے جس
نے ظالموں سے ہمیں نجات دلائی۔ اے رب! اب ہمیں کسی
مبارک مقام پر اُتارنا" نوح کے اس واقعہ میں کچھ اسباق
پنہاں ہیں۔ قوموں کو ابتلاء میں ڈالنا ہمارا کام ہے۔

(اور اس لیے ہم مسلمانوں کو بھی اس ابتلا میں ڈالیں گے۔ اگر ان لوگوں نے سمندروں پر قبضہ کرکے نجات حاصل کر لی تو فبہا۔ ورنہ ہم اسے میٹ دیں گے جس طرح کہ قوم نوح کو مٹا دیا تھا) اور ہم نے قوم نوح کا وارث ایک اور قوم کو بنا دیا تھا۔

(باقی دارد)

مدیر "اہلحدیث" سے

(جناب مولانا تمنا عمادی مجیبی پھلواری شریف)

محترم ایڈیٹر اہلحدیث نے میری تحریر شاعہ رسالہ البیان ماہ مئی ۱۹۴۲ء پر جو حملۂ ناروا پرچہ اہلحدیث مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۴۲ء میں کیا تھا، اس کا جواب رسالہ البیان ماہ ستمبر ۱۹۴۲ء میں میری طرف سے چھپ گیا۔ اس کا جواب الجواب پھر اہلحدیث مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۴۲ء میں محترم ایڈیٹر نے تحریر فرمایا ہے۔ ان کے پاس اپنا اخبار ہے اور یہی کام ہے، جو کچھ چاہیں اور جب چاہیں اور جب تک چاہیں لکھتے رہیں ؎

لقد وجدت مکان القول ذاسعۃ　　فان وجدت لسانا قائلا فقل

میرے پاس نہ وہ مواقع ہیں، نہ اس کا دماغ کہ فضول مجادلوں میں اپنا وقت صرف کرتا رہوں۔ مگر چونکہ مجھ پر بعض غلط الزامات عائد کیے گئے ہیں، اس لیے مختصراً کچھ لکھ دینا ضروری ہے، تاکہ ناظرین کی غلط فہمی دور ہو جائے۔

رسول اللہ صلعم نے اُمت مسلمہ کو اعزازاً و تشریفاً اہل القرآن فرمایا تھا اور آپ طنزاً و تشنیعاً فرما رہے ہیں۔ فیا للعجب۔ قرآن مبین نے اپنے ماننے والوں کو اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقہ بندی پیدا نہ کرو) کہہ کر ہمیشہ کے لیے فرقہ بندی سے منع کر دیا ہے۔ اُمت مسلمہ یا رسول اللہ کے بخشے ہوئے خطاب کے مطابق اہل القرآن میں کبھی کوئی فرقہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ البتہ جن کے ہاں اختلاف امتی رحمۃ حدیث مانی جاتی ہے، جن کے ہاں تقریباً سارے اصول و فروع دین کے متعلق متضاد اور متعارض حدیثیں مروی چلی آتی اور وحی خفی مانی جاتی ہیں اور انہیں قرآن کے علاوہ مثلہٗ معہٗ مان کر واجب الاتباع یقین کیا جاتا ہے، ان کے ہاں ضرور آئے دن نئے نئے فرقے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ

میں نے ہرگز کوئی نیا عقیدہ نہیں پیش کیا ہے۔ یہ وہی عقیدہ ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ فرما کر ابتدا ہی سے ڈال دی تھی، جبھی تو رسول اللہ صلعم نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ لا تکتبوا عنی سوی القرآن اور حضرت امیر المومنین اعظم صدیق اکبرؓ نے پانسو حدیثیں جمع کرنے کے بعد جلا ڈالیں اور حضرت فاروق اعظمؓ تازندگی حسبنا کتاب اللہ کا ایمان افروز نعرہ لگاتے رہے اور حضرت اسد اللہ الغالب نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ قرآن کے حلال کو حلال اور قرآن کے حرام کو حرام سمجھو۔

غیر تشریعی وحی جب غیر رسول پر ہو سکتی ہے تو پھر انبیاء و رسل پر کیوں نہ ہوگی؟

محترم ایڈیٹر اہلحدیث لکھتے ہیں: "میں نے حدیث نبوی پیش کی تھی۔ حدیث نبوی کی تردید کے لیے قول صحابی یا صحابہ کا فعل پیش کرنا اہل علم کا پیشہ نہیں ہے" میں کہتا ہوں کہ حدیثیں تو موضوع بھی ہوا کرتی ہیں اور صحیح بھی۔ اس لیے حدیث کی صحت کا پتا صحابہؓ کے تعامل ہی سے مل سکتا ہے۔ تعامل صحابہ جس حدیث کے خلاف ہو وہ حدیث اگر صحیح ہے تو منسوخ ہے ورنہ موضوع۔ اس لیے کہ نا ممکن ہے کہ صحابہ کا عمل حکم رسول کے خلاف یا صحابہ کا قول، قول رسول کے برعکس ہو۔ جب صحابہ ہی مخالفت حکم رسول کریں گے تو کیا اتباع کی امید ہم اس وقت کے فرقہ اہل حدیث سے رکھیں؟ لا یکادون یفقھون حدیثا کے مصداق ہو رہے ہیں۔

تعجب ہے کہ نص قرآنی کے خلاف تو یہ لوگ بخاری و مسلم کی روایتیں پیش کر دینے میں کوئی باک نہیں سمجھتے۔ مگر حدیث کے خلاف صحابہ کا تعامل پیش کرنے پر الزام دیتے ہیں۔ فیاللعجب!

محترم ایڈیٹر اہلحدیث کا ہم لوگوں سے ایک سوال بقول ان کے برابر رہا کہ "فرض کرو کہ رسول اللہ صلعم بزبان مبارک، صحابہ کرام کو کوئی ایسا شرعی حکم فرماتے جو قرآن میں نہ ہوتا، تو اس حکم سے ان کو مجال انکار ہو سکتا"؟ محترم ممدوح کا یہ سوال قیامت تک علی حالہ باقی رہے گا، اگرچہ مومنین بالقرآن اس سوال کا روز اول سے یہ جواب دیتے آرہے ہیں کہ کوئی حکم شرعی ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو قرآن میں نہ ہو، اس لیے ہم یا کوئی صاحب عقل و ہوش خواہ مخواہ فرض محال کیوں کرے؟

محترم ممدوح فرماتے ہیں: "ہم نے جو حدیث حرمت رضاعت پیش کی تھی، وہ حکم شرعی ہے، دنیاوی نہیں الخ" میں اس کے جواب سے ستمبر کے "البیان" میں فارغ ہو چکا کہ یہ حکم شرعی نہیں ہے۔ حکم شرعی ہوتا تو اتنے صحابہ و امہات المومنین جن کو نیل الاوطار میں جمہور الصحابۃ کہا گیا اور وہ صدیقہؓ بھی جن سے آپ کی پیش کردہ حدیث مروی ہے، وہ خود سب کے سب اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے اور اس حکم شرعی سے بے خبر نہ ہوتے۔ آپ جس کو کبھی "حدیث نبوی" کبھی "حکم شرعی" اور کبھی نص کہہ رہے ہیں، یعنی وہ افلح والا واقعہ، اس کے متعلق اگر مجھ سے مزید "فراغت" چاہتے ہیں تو اور سن لیجئے۔ یہ روایت عموماً عروۃ بن الزبیر سے کی جاتی ہے اور ان سے یا تو ان کے بیٹے ہشام بن عروۃ روایت کرتے ہیں یا ابن شہاب زہری۔ ہشام کی سب روایتیں محدثین کے نزدیک معتبر ہیں۔ بجز انہیں روایتوں کے جن کو یہ اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۸ - ۵۰ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: قال یعقوب ابن شیبۃ ثقۃ ثبت لم ینکر علیہ شیئی الا بعد

ماساد الی العراق فانہ انبسط فی الروایۃ عن ابیہ فانکر ذٰلک علیہ اھل بلدہٖ۔ پھر لکھتے ہیں کہ بلغنی ان مالکانقم علیہ حدیثہ لاھل العراق الخ پھر لکھتے ہیں: کان ابوالاسود یعجب من حدیث ھشام عن ابیہ و بماکث سنۃً لایکلمہٗ۔ باقی رہ گئے ابن شہاب زہری۔ ان کے متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۵۰ میں لکھتے ہیں: ولکن لا یثبت لہ السماع من عروۃ وان کان قد سمع ممن ھو اکبر منہ۔ غیران اھل الحدیث قد اتفقوا علی ذٰلک واتفاقھم علی الشیئ یکون حجۃً۔ تو اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ابن شہاب کی یہ حدیث مُرسل ہے اور جو روایت بھی یہ عروہ سے کرتے ہیں وہ مُرسل ہی ہوتی ہے اور ابن حجر تہذیب التہذیب ہی میں اُنہیں کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ کان یحییٰ بن سعید لا یری ارسال الزھری وقتادۃ شیئاً ویقول ھو بمنزلۃ الریح۔ تو محترم ممدوح انہیں بمنزلۃ الریح روایات مرسلہ یا منکرہ کو "حکم شرعی" اور "نص" فرما فرما کر حکم قرآنی کی مخالفت فرما رہے ہیں اور خوش ہیں۔

اسی قدر نہیں کہ ان روایتوں کے رُوات میں سے صرف طبقۂ ثانیہ یا ثالثہ ہی میں فتور واقع ہے، یہ تو تقریباً ان سب روایتوں کا حال ہے بعض روایتوں میں ابتدا ہی سے روات مجروح ہیں۔ مثلاً بخاری میں جو باب وَاُمَّھَاتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ ہے اس میں جو روایت امام بخاری اپنے شیخ اسمٰعیل سے کر رہے ہیں۔ یہ اسمٰعیل ابن ابی اویس ہیں، جن کا پورا نام اسمٰعیل بن عبداللہ بن عبداللہ بن ابی اویس ہے اور یہ متہم بکذب ہیں۔ ابن حجر تہذیب التہذیب (جلد اول ص۳۱۱) ان کو حدیثوں کا چور، ضعیف العقل، ایسا کہ حدیثوں کو اچھی طرح ادا نہ کرسکے، خلط ملط کر دینے والا، جھوٹا، غیر ثقہ، قابل ترک، کذاب، دو پیسے کے برابر اور وضاع لکھتے ہیں۔ اور یہ سب لکھنے کے باوجود چونکہ بخاری و مسلم کے شیخ ہیں۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان کا یہ حال جوانی کے ایام میں ہو اور پھر یہ درست ہوگئے ہوں۔ کیونکہ بخاری و مسلم سے یہ گمان نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان سے غیر صحیح حدیثیں اُنہوں نے لے لی ہوں گی جن میں ثقہ روات ان کے شریک نہ ہوں تو یہ تو ابن حجر کا ایک حسن ظن ہے جو بخاری و مسلم کے طفیل میں اسمٰعیل بن ابی اویس کے ساتھ ہوگیا۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ مختصر یہ ہے کہ نہ یہ حدیثیں احکام شرعی ہیں، نہ نص قطعی۔ محض روایتیں ہیں، وہ بھی بہت زیادہ مشتبہ اور مشکوک، اگر صحیح ہیں تو منسوخ ہیں، ورنہ موضوع۔

محترم ایڈیٹر اہلحدیث مجھ پر الزام رکھتے ہیں کہ میں نے نیل الاوطار کی عبارت حکی ذٰلک عنھم ابن ابی شیبۃ (وغیرہ) کا ترجمہ یوں کیا کہ "اُس اجماع کو ابن ابی شیبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے"۔ یعنی "اجماع" کا لفظ میں

کہاں سے لے آیا۔ جواباً عرض ہے کہ میں یہ لفظ وہیں سے لایا، جہاں کی عبارت آپ نے نقل کی ہے کہ وکلا یعلم دعوی الاجماع۔ آپ کے مجیب کے نزدیک ان کے حریف کو دعویٰ اجماع تھا، جب تو اجماع کے دعوے کو وہ غیر صحیح کہہ رہے ہیں۔ مترجم کا فرض ہے کہ ضرورت کے وقت اسم اشارہ کے مشارالیہ کو یا ضمیر کے مرجع کو واضح کر دے اس لیے میں نے مشارالیہ کو واضح کر دیا۔ اس پر الزام کیسا؟ مدعی جب کہہ رہا ہے: وقد روی ما یدل علی انہ قول جمھور الصحابۃ پھر اجماع اور کس کو کہتے ہیں؟

محترم ایڈیٹر اہلحدیث فرماتے ہیں کہ میں تو قرآن کو حجت شرعی مانتا ہوں، اس لیے میں قرآن کا منکر نہیں ہو سکتا، اور آپ لوگ حدیث کے حجت شرعیہ سے منکر ہیں۔" اس لیے میں آپ کو منکر حدیث کہتا ہوں، آپ صرف وجود حدیث کے معترف ہیں، حجیت کے معترف نہیں ہیں۔ (ملخصاً) جواباً عرض ہے کہ باللہ العظیم ہم لوگ حدیث رسول کو حجت شرعیہ مانتے ہیں۔ مگر حدیث رسول کو، نہ کہ حدیث اسمٰعیل بن ابی اویس یا حدیث زہری و حدیث ہشام کو۔ جس حدیث کا حدیث رسول ہونا بہ دلائل قطعیہ ثابت ہو جائے وہ یقیناً ہر مسلم حنیف کے لیے حجت شرعیہ ہے ومن ابی فقد کفر۔ مگر آپ قرآن مبین کی مبینیت کے منکر ہیں اور ما فرطنا فی الکتٰب من شیئ اور نزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیئ وغیرہما من الآیات کے منکر ہیں۔ اس لیے میں اگر آپ کو منکر قرآن کہوں تو بجا ہے، کیونکہ تومنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض کا مصداق بننا کب ایمان بالکتاب کی دلیل ہے؟

محترم ممدوح جو یہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ بھی انہیں کی طرح رُوات پرست ہو جائیں، ورنہ منکر حدیث کا خطاب ہمیں دے دیا جائے گا تو یہ ایسی ہی دھمکی ہے جیسے شیعے اہل سنت کو دیا کرتے ہیں کہ ان کے مفروضہ و مزعومہ ائمہ کو اسی طرح مبعوث من اللہ و معصوم عن الخطاء مان لو جس طرح وہ مانتے ہیں ورنہ تم دشمن اہل بیت رسول ہو اور معاند خاندان نبویہ ہو اور عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح بن مریم کو خدا، یا خدا کا بیٹا مان لو ورنہ اگر تم نے عبدہ و رسولہ کہا تو ہم تمہیں منکر مسیح بن مریم کہیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اعملوا ما شئتم انہ بما تعلمون خبیر۔

محترم ایڈیٹر اہلحدیث کا سب سے بڑا الزام مجھ پر یہ ہے کہ میں نے نیل الاوطار کی پوری عبارت کیوں نقل نہیں کر دی۔ یہ میں نے خیانت کی اور اس شریف قوم کا اتباع کیا جس نے توریت دکھاتے وقت آیت رجم پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ مگر خود محترم ممدوح نے وہی کام کیا۔ یعنی بعد کی پوری عبارت یہ سمجھتے ہوئے نقل نہیں کی کہ راز فاش ہو جائے گا۔ اور میں نے کیوں چھوڑ دی، اس کی وجہ اہل علم مضمون عبارت سے سمجھ لیں گے۔ یہاں تک کہ عدم صحت

دعویٰ اجماع کی جو وجہ بتائی ہے اس تک کو نقل نہ کیا صرف ولا یصح دعوی الاجماع تک لکھ کر چھوڑ دیا۔ میں نے اسی لیے تو کتاب کا نام صفحہ کے ساتھ بتا دیا تھا کہ اہل علم دیکھ کر سمجھ لیں۔ مگر میرے محترم کو تو کچھ نہ کچھ جواب دے دینا تھا۔ اس لیے موقع مل گیا، چاہے لغو اور مہمل ہی سہی۔ میں نے تو قصداً وہ عبارت چھوڑ دی تھی اس لیے کہ مجھ کو تو صرف یہ دکھا دینا تھا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث حکم شرعی نہیں ہے، اس لیے کہ جمہور الصحابہ اس کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں، یہ غیر ممکن ہے کہ جمہور صحابہ وامہات المومنین کا فتویٰ حکم شرعی کے خلاف ہو۔ باقی رہا اختلاف، اور مخالفین کا جواب، تو یہ مخالفین نہ صحابہ میں سے ہیں نہ امہات المومنین میں سے۔ خدا محفوظ رکھے احادیث موضوعہ کے ذخائر کو۔ کون سا مسئلہ شرعیہ ہے جس کے متعلق متضاد اور متعارض ومتناقض حدیثیں موجود نہیں ہیں۔ آپ کسی روایت بلکہ کسی آیت کے مطابق ایک فتویٰ پیش کر کے دیکھ لیجیے اس کے خلاف بھی کوئی نہ کوئی روایت ضرور مل جائے گی۔

محترم ممدوح نے محض ذرا سی عبارت نقل کی ہے۔ ہم مکمل عبارت آخر باب تک نقل کیے دیتے ہیں۔ ناظرین پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ دیکھیے پوری عبارت یہ ہے: واجیب ٥ بان الاجتهاد من بعض الصحابة والتابعين لا يعارض النص ولا يصح دعوى الاجماع لسكوت الباقين۔ لانا نقول نحن نمنع اولاً ان هذه الواقعة بلغت كل المجتهدين منهم۔ وثانيا ان السكوت فى المسائل الاجتهادية لا يكون دليلا على الرضاء۔ واما عمل عائشة رض بخلاف ماروت، فالحجة روايتها لا رايها۔ وقد تقرر فى الاصول ان مخالفة الصحابى لما رواه لا تقدح فى الرواية۔ وقد صح عن على رض القول بثبوت حكم الرضاع للرجل۔ وثبت ايضا عن ابن عباس كما فى البخارى (انتهى بعبارته) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس جواب کو علامہ شوکانی نے خود ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی لیے بصیغۂ تمریض واجیب کہہ کر ذکر کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جواب دینے والوں کا مطلقاً پتہ نہیں کہ وہ کون حضرات ہیں، تاکہ ان کی شخصیت معلوم ہو۔ تیسری بات یہ ہے

---

٥ (ترجمہ) اور یوں جواب دیا گیا ہے کہ بعض صحابہ وتابعین کا اجتہاد نص کا معارض نہیں ہو سکتا اور باقی لوگوں کے سکوت کی وجہ سے اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم پہلے تو یہی نہیں مانتے کہ یہ واقعہ تمام مجتہدین صحابہ تک پہنچا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ مسائل اجتہادیہ میں سکوت دلیل رضا نہیں ہے۔ باقی رہا حضرت عائشہ رض کا اپنی روایت کے خلاف عمل۔ تو حجت ان کی روایت ہے نہ کہ رائے۔ اور علم اصول حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابی اپنی روایت کی مخالفت کرے تو اس سے روایت میں قدح نہیں واقع ہوتا اور حضرت علی رض کا قول ثبوت حکم رضاع بسبب مرد کے متعلق صحیح طریق سے آیا ہے اور ابن عباس سے بھی یہ ثابت ہے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ ۱۲ منہ

کہ جواب دینے والا حد سے زیادہ دلیر اور ہٹ دھرم ہے کہ جمہور الصحابۃ وامہات المومنین کو بعض الصحابۃ والتابعین کہہ رہا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ نص قرآنی کے خلاف ایک ایسی ناقابل اعتبار روایت جس کے خلاف خود وہی فتوٰی دے رہی ہیں جن کی طرف وہ روایت منسوب کی جا رہی ہے، ایسی روایت مکذوبہ یا منسوخہ کو نص کہہ کر عوام کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔ لغتہً تو نص کا لفظ قرآن مبین کی عبارت، حدیث صحیح بلکہ موضوع تک کی عبارت اور علامہ شوکانی و مولانا ثناء اللہ کی عبارت سب کو نص کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ صرف نص کے لفظ سے کوئی صاحب علم دھوکا کھا جائے گو عوام تو ضرور مرعوب ہو جا سکتے ہیں۔ پانچویں بات یہ کہ عدم صحت اجماع کی دلیل سکوت الباقین کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ سکوت الباقین کو علمائے اصول نے ہرگز ہرگز عدم صحت اجماع کی دلیل نہیں مانا ہے۔ بلکہ دنیا جانتی ہے کہ سکوت رضامندی ہی کی دلیل ہو سکتا ہے۔ جبھی تو نکاح باکرہ میں صرف سکوت باکرہ سے بوقت ایجاب وقبول نکاح ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ سکوت دلیل رضا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے کہ کس جسارت کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ واقعہ تمام مجتہدین صحابہ تک پہنچا ہو۔ اس لیے واقعہ حرہ کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر امیر حجاز ہو گئے تھے اور یہ اپنے علاتی بھائی کا نکاح اپنی رضاعی بہن کی لڑکی سے کرنا چاہتے تھے۔ ان کی رضاعی بہن کو صحتِ نکاح میں شبہ تھا۔ یہ کہتی ہیں کہ فارسلت فسألت والصحابۃ متوافرون و امہات المومنین، فقالوا ان الرضاع لا یحرم شیئا من قبل الرجل۔ فانکحتہا ایاہ یعنی میں نے اس مسئلہ کو بھیجا اور لوگوں سے پوچھا اور صحابہ (اس وقت) بہت تھے اور امہات المومنین بھی تو سب نے کہا کہ مرد کی طرف سے کچھ بھی رضاعت کے سبب سے حرام نہیں ہوتا تو میں نے اپنی بیٹی کو (اپنے رضاعی بھائی) عبداللہ بن الزبیر کے علاتی بھائی سے بیاہ دیا۔ ایسے اہم ترین واقعہ کے متعلق جو امیر حجاز کے گھر واقعہ ہو۔ امیر حجاز کے بھائی کا نکاح رسول اللہ صلعم کی ربیبہ کی صاحبزادی سے، پھر اس نکاح کی حلت وحرمت کا سوال، جس کو رسول اللہ صلعم کی ربیبہ تمام صحابہ اور امہات المومنین کے پاس استفتا کے لیے بھیجیں؛ اس وقت کون مجتہد صحابی ایسا تھا جو کسی کنج خمول میں اتنے بڑے اہم واقعہ سے بالکل بے خبر بیٹھا ہوا تھا؟ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ساتویں بات یہ کہ قرآن مبین نے محرمات کی تفصیل بیان فرما کر صاف ارشاد فرما دیا کہ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ یعنی ان مذکورہ عورتوں کے ماسوا سب عورتیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں۔ مرضعہ کی سوتن کی بیٹی بھی مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ میں ضرور داخل ہے، اس لیے جمہور صحابہ اور امہات المومنین نے قرآن مبین کی عبارۃ النص کے

مطابق اس کی حلت کا فتویٰ دے دیا۔ اس مطابق نص قرآنی فتویٰ کو اس مجیب ضعیف نے صحابہ کا اجتہاد قرار دیا؟
اور کہتا ہے کہ ان السکوت فی المسائل الاجتہادیۃ لا یکون دلیلا علی الرضاء یعنی مسائل اجتہادیہ میں سکوت
رضاء کی دلیل نہیں ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہی نہیں بلکہ صاف صاف تعمیل حکم صریح قرآن ہے۔ اس کو
اجتہاد سے کیا سروکار؟ آٹھویں بات یہ کہ باوجود اس کے کہ اس مجیب ضعیف کو یہ اعتراف ہے کہ حضرت عائشہ
صدیقہ رضہ نے اپنی روایت کے خلاف عمل کیا۔ مگر محض عوام کو دھوکا دینے کے لیے لکھتا ہے کہ غالجحۃ روایتھا
لا درایتھا۔ یعنی سند اُن کی روایت ہے نہ کہ اُن کی رائے۔ اس کے بعد یہ مجیب ضعیف لکھتا ہے کہ "اصول حدیث
میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ صحابی اگر اپنی روایت کی مخالفت کرے تو اس کی روایت میں کوئی قدح نہیں"
حالانکہ یہ سب محض فریب ہے، کوئی صحابی جس کا علم و تقویٰ مسلم ہے کبھی حکم رسول صلعم کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا
چہ جائیکہ حکم رسول کے خلاف فتویٰ دے اور جس کو رسول صلعم حرام فرما دیں، اس کو وہ حلال کہہ دے! کیا حضرت
عائشہ صدیقہ رضہ سے اس کا امکان متصور بھی ہو سکتا ہے؟ "روایت" اور "رائے" کا لفظ ہی محض دھوکا ہے یہاں
تو ایک روایت ہے دوسری تعمیل حکم قرآنی ہے۔ رائے کا تو کہیں وجود بھی نہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ صحابی اگر کوئی
حدیث بھی بیان کرے اور عملاً اس کے خلاف بھی کرے یا اس کے خلاف فتویٰ بھی دے تو اس سے نفس روایت
میں قدح کا وقوع ضروری نہیں۔ مگر یہ ضرور سمجھا جائے گا کہ وہ روایت منسوخ ہے اور اب اس پر عمل جائز نہیں
اس لیے کہ منسوخ احکام پر عمل اس کے نسخ سے انکار ہے اور نسخ حکم خود ایک حکم ہے۔ قرآن مبین میں البتہ
نسخ کا امکان نہیں ہے۔ مگر حدیثوں میں نسخ کا وقوع تو تقریباً لازمی ہے۔ اس لیے صرف روایت میں قدح کا
واقع نہ ہونا اس کی دلیل نہیں کہ اس روایت کا حکم بھی ضرور واجب العمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسا صحابی
جس کا علم و تقویٰ مسلم ہو، اس کا فتویٰ اپنی روایت کے خلاف دو باتوں میں سے ایک کی دلیل واضح ہے۔ اگر
وہ روایت صحیح ہے تو یقیناً منسوخ ہے۔ ورنہ وہ روایت ہی سرے سے موضوع ہے اور اس صحابی کی طرف غلط
طریقے سے منسوب کی گئی ہے۔ ہرگز اس صحابی نے وہ حدیث روایت نہیں کی ہے۔ غرض اس مجیب ضعیف
کے جواب ضعیف میں یہ آٹھ باتیں ایسی واضح ہیں کہ ان کے سمجھ لینے کے بعد جواب کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔
دو تین روایتیں حیثیت سے بھی پیش کی ہیں اس لیے آٹھ ہی پر ختم نہ سمجھ لیجئے۔ وہ آٹھ باتیں تو مناظرانہ حیثیت
میں اپنی طرف سے جو کچھ کہا گیا تھا، اس کے متعلق تھیں۔

نویں بات یہ کہ مرد کی وجہ سے ثبوت حکم رضاع حضرت علی مرتضیٰ رضہ کے قول سے ثابت ہے۔ وہ دلیل

ہی ثابت ہے جس طرح حضرت عائشہ رضؓ کی اصلاح والی روایت سے ثابت ہے جس کی تنقید تفرت ح احوال رُوات کو کے ہو چکی۔ نص قرآنی کے خلاف حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کا کوئی قول ہو ہی نہیں سکتا۔ اور پھر اس قول کو سند کے ساتھ نقل کیوں نہ کیا؟ بالفرض اگر کوئی ایسا قول حضرت علی مرتضیٰ کی طرف منسوب ہو جو جمہور صحابہ و امہات المؤمنینؓ کے فتوے ہی کے نہیں بلکہ قرآنی عبارۃ النص کے بھی خلاف ہو تو ایسے قول کی نسبت اُن کی طرف کب صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے؟

دسویں بات مجیب ضعیف صاحب کا آخری حربہ یہ ہے کہ بخاری میں ابن عباسؓ سے ان کے موافق ایک روایت ہے۔ اس کے متعلق بھی اولاً یہی جواب ہے کہ یہ روایت یا تو منسوخ ہے یا ابن عباسؓ کی طرف غلط منسوب ہے، اس لیے کہ ابن عباسؓ بنت زینب بنت ابی سلمہ کے نکاح کے وقت موجود تھے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ ان سے زینب نے استفتانہ کیا ہو۔ اگر یہ اختلاف کرتے یا خوش بھی رہتے تو اس کا ذکر محدثین ضرور کرتے۔ مگر کسی نے بھی قول جمہور الصحابہ میں سے ان کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ اس لیے ابن عباسؓ کا بھی وہی فتویٰ تھا جو جمہور صحابہؓ اور امہات المومنین کا فتویٰ تھا۔ باقی رہی روایت، تو وہ منسوخ ہے، یا موضوع۔ اس کے علاوہ ایک احاد روایت جمہور صحابہ وامہات المؤمنین اور قرآن کے خلاف کس طرح صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے۔ بہرحال اس روایت کا حال بھی سن لیجئے۔

یہ روایت "قتادہ بن دعامہ سے بخاری میں مروی ہے اور قتادہ اہل بدعت کے سرداروں اور داعیوں میں سے تھے۔ تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۵۳ میں ابن حجر لکھتے ہیں: "قتادہ پر قدریہ ہونے کا الزام تھا۔ علی بن المدینی نے یحییٰ بن سعید سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اہل بدعت میں سردار ہو اور بدعت کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہو، اس کو ترک کردو (یعنی اس کی حدیثیں نہ لیا کرو) تو یحییٰ بن سعید نے کہا کہ پھر تم قتادہ، ابن ابی رواد، عمرو بن ذر، اور ایک جماعت کا ذکر کرکے کہا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا کروگے؟ (یعنی یہ سب بھی تو اہل بدعت کے سردار ہیں اور دوسروں کو بدعت کی طرف دعوت دیا کرتے ہیں) پھر یحییٰ بن سعید نے کہا کہ اگر میں اسی طرح لوگوں کو چھوڑنے لگوں تو بہت لوگوں کو چھوڑ دینا پڑے گا۔" اس تصریح سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حدیثوں کی ہوس میں اہل بدعت کی بھی پروا نہیں کی جاتی تھی اور ظاہری زہد و عبادت پر بھروسہ کرکے کیسے کیسے اہل بدعت سے روایتیں لے لی جاتی تھیں۔ خود قتادہ کا حال یہیں پر ابن حجر لکھتے ہیں کہ قتادہ حاطب اللیل تھے۔ کوئی روایت بھی ان کے نزدیک قابل ترک نہیں تھی۔

جس سے جو کچھ ہو سکتا لے لیا کرتے تھے اور سیر صفحہ ۲۵۵ میں ہے کہ "یہ مُدَلّس بھی تھے علاوہ قدریہ ہونے کے"۔ صفحہ ۳۵۶ میں ہے کہ "ابو داؤد نے کہا ہے کہ یہ ایسے تیس شخصوں سے روایت کرتے ہیں جن سے کچھ سنا تک نہیں"۔ مگر یہ تخمینہ کم ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں تو ۴۶ رُوات کے نام گن دیئے ہیں جن سے یہ روایت کرتے ہیں مگر اُن سے سنا کچھ نہیں۔ قتادہ جو حدیثیں سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں، علی بن المدینی ان حدیثوں کو بے حد ضعیف قرار دیا کرتے تھے۔ ابن حجر کے علاوہ ذہبی وغیرہ سب نے مدلسین میں قتادہ کا شمار کیا ہے۔ اب یہ بھی ابن حجر ہی کی زبانی سن لیجئے کہ تدلیس کیا چیز ہے۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۸ میں ہے: "یزید بن زریع سے پوچھا گیا تدلیس کے متعلق۔ تو انہوں نے کہا کہ التدلیس کذبٌ یعنی تدلیس کذب ہے"۔ اور وہ تو آپ کو یاد ہی ہوگا جو تھوڑا پہلے ابن شہاب زہری کے ذکر میں مَیں نے لکھا تھا کہ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے "یحییٰ بن سعید زہری اور قتادہ کی مرسل حدیثوں کو لاشئے سمجھتے تھے اور کہتے تھے، یہ بمنزلہ ریح ہے"۔ اور ابن عباس والی روایت اِنہیں قتادہ ابن دعامہ سے مروی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت تو مرسل نہیں ہے جو بمنزلہ ریح ہو تو سنیئے:

خطرناک ارسال | یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ جو لوگ ارسال کے عادی ہوتے ہیں اور درمیان سے ایک راوی کو غائب کر دیا کرتے ہیں اور اتنے دلیر ہوتے ہیں کہ ایسے ایسے لوگوں سے روایت کر دیا کرتے ہیں حدثنا فلانٌ کہہ کر جن سے ان کی لقا تک ثابت نہیں، اُن سے یہ ہرگز بعید نہیں کہ جن سے ان کی لقا اور سماع ثابت ہے وہ ان سے بھی مرسل روایتیں کرتے رہتے ہوں۔ مگر ان کے تلامذہ کو ان کے ارسال کا پتہ ان حدیثوں میں تو مل جاتا ہے جن کو وہ ایسوں سے روایت کر رہے ہیں، جن سے ان کی لقا یا سماع ثابت نہیں ہے۔ مگر جن سے سماع ثابت ہے ان سے وہ جب ارسال کرتے ہیں تو ان کے تلامذہ تو اُن روایتوں کو متصل ہی سمجھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ضرور شیخ نے فلاں سے سنا ہوگا۔ اس طرح اہل لقاء و سماع سے ان کا ارسال بالکل صیغۂ راز ہی میں رہ جاتا ہے اس لیے خوگران ارسال کی متصل روایتیں بھی بہت زیادہ قابل غور و محل تامل ہیں۔ صرف ان کے تلامذہ کی کثرت اور حدیث دانی کی شہرت اور ظاہری زہد و ورع سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ فایاك ان تقع فی المھلکۃ۔

محترم ایڈیٹر اہلحدیث نے عربی کا ایک مشہور شعر بھی میری "نذر" کیا ہے۔ میں اپنی طرف سے چار نئے شعر بڑھا کر اجازہ کے ساتھ ان کی نذران کو واپس کرتا ہوں۔

نذرانہ محترم ممدوح سے

لہ ستعلم لیلیٰ ای دَین تدانت — وایّ غریم فی التقاضی غریمھا (مشہور شعر)

ٹہ وتعلم ان الدائنین اذا اقتضوا — مولّدُھا یفنیٰ اِذاً و قدیمھا

تہ وفتنۃٌ عقلٍ فی الدیانۃ عُجبُہٗ — و'افۃُ ایمان العقول سقیمھا

ٹہ لصاحب روضٍ ایُّ شکویٰ من السمو... م اذ صَرَّمت ما فی الریاض نسیمھا

ھہ جرحت فوادی یا ثناءُ! واننی — لَاَیقَنتُ "حشوٌ فی الجراحۃ جیمھا"

لہ لیلیٰ عن قریب جان لے گی کہ اُس نے کون سا قرض لیا ہے اور اس کا مہاجن وصول کرنے کے وقت کس قسم کا مہاجن ہے یعنی کیسا سخت اور زبردست وصول کرنے والا ہے۔ ٹہ اور وہ (لیلیٰ) جان لے گی کہ یہ مہاجن جب وصول کرنے پر آئیں گے۔ تو اس (لیلیٰ) کا نو پیدا مال بھی اس وقت فنا ہو جائے گا اور پرانا مال بھی، یعنی سارا نیا پرانا اس کا قرض ہی میں بک جائیگا یا کھپ جائے گا۔ تہ اور دیانت میں غرورِ عقل، عقل کے لیے فتنہ ہے اور ایمان کے لیے عقلِ سقیم آفت ہے۔ ٹہ جن کے پاس اسلام کے باغ ہیں، ان کو بادِ سموم (غیر مذاہب) سے کیا شکوہ ہو سکتا ہے، جب کہ بادِ نسیم (مولویوں) ہی نے (دین کے) باغوں میں جو کچھ تھا سب کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ھہ اے ثناء اللہ (بزعم خود) تم نے میرے قلب کو جراحت پہنچائی اور میں تو اس کا یقین رکھتا ہوں کہ اس "جراحت" میں "جیم" حشو یعنی ایک حرف زائد ناقابلِ اعتبار ہے۔ یعنی تمہاری پہنچائی ہوئی "جراحت" میرے لیے

کامیاب زندگی

روزنامہ "شہباز" کا تبصرہ

جناب محمد اقبال صاحب سلمانی نے مشہور انگریز مصنف ہربرٹ این کیسن کی کتاب (Climbing Up) کا اُردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے زندگی کو کامیاب بنانے کے رموز و اسرار نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ ہنرور محنتی انسان اپنے اندر کون سے اوصاف پیدا کر کے ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ سلمانی صاحب نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ بہت عمدگی کے ساتھ کیا ہے۔ انداز بیان سادہ، تراجم کے الجھاؤ سے مبرّا۔ زبان سلیس ہے، اس کتاب کا مطالعہ ان نوجوانوں کو اپنا کردار بنانے میں بہت فائدہ بخش ثابت ہوگا جو زندگی کی کشمکش میں داخل ہو رہے ہیں، کاغذ سفید دبیز۔ کتابت و طباعت اعلیٰ۔ کتاب مجلّد، صفحات ۱۷۶۔ قیمت عہ ("شہباز" لاہور ۹ نومبر ۱۹۴۲ء)

ملنے کا پتہ: دفتر آمت مسلمہ، توحید باغ، امرتسر

ابتلاء الوامقین

مکرم استاذ مولانا محمد عالم صاحب آسی امرتسری نے مولانا تمنا عمادی کے بلیغ اشعار (مندرجہ ص۳۴) سے متاثر ہو کر چند نفیس شعر موزون فرمائے ہیں جو حضرت تمنا اور "مدیر الحدیث" کے نقطۂ خیال سے الگ ایک نئے اسلوب کے حامل ہیں۔ امید ہے کہ اہل ذوق حضرات ان سے حظ حاصل کریں گے (مدیر)

---

[۱] لليلى من الاموال مالا تحدها   لها عيشة مرضية ونعيمها

[۲] ولم تكترث من اىّ دين تداينت   واى غريمها فى التقاضى غريمها

[۳] تريد ابتلاء الوامقين بحبّها   ليمتاز ممن يدعيها نديمها

[۴] لها نظرة لو ساوموها بروحهم   لما بلغ المعشار منها جسيمها

[۵] وما قدروا ليلى كما كان حقها   وآفة افهام الرجال سقيمها

[۶] "الى مثلها يرنو الحليم صبابة"   يعاف من الجهال عنها لئيمها

[۱] لیلی کی دولت کا اندازہ خود لیلی کو نہیں۔ اس کی زندگی عیش و طرب میں بسر ہو رہی ہے۔

[۲] اسے قرضہ و تقاضا کی کچھ پروا نہیں۔

[۳] اسے تو عشاق کا امتحان منظور ہے، تاکہ صادق و کاذب کا امتیاز ہو جائے۔

[۴] ارباب عشق کی گرامی ترین روح اس کی ایک نگاہ ناز کی قیمت کا دسواں حصہ بھی نہیں ہو سکتی۔

[۵] یہ سقیم الفہم لوگ لیلی کی صحیح قدر کے اہل نہیں۔

[۶] ایسی جمیل ہستیوں کو حلیم انسان عشق و محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور قدر ناشناس لئیم عرفان حسن سے محروم رہتا ہے۔

کیا حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ خارجی تھے؟

(مولانا تمنا عمادی مجیبی پھلواری شریف)

میں ایک دوست سے ملنے چھپرہ (صوبہ بہار) گیا ہوا تھا، واپس آیا تو ماہ نومبر کا البیان جو آیا ہوا تھا، مجھے ملا۔ پہلا ہی مضمون مولانا محمد عباس صاحب طالب صفوی کا بعنوان "کیا امام اعظم شیعہ تھے"؟ نظر سے گذرا۔ نہایت غور سے و تامل کے ساتھ پڑھ گیا۔ چوں کہ یہ مضمون درحقیقت میرے اُس مضمون سے متعلق ہے جو ابوجعفر محمد بن جریر الطبری پر ماہ اکتوبر سال رواں کے البیان میں شائع ہوا تھا، اس لیے ضرورت پڑی کہ مختصراً ہی سہی مگر بخیال رفع غلط فہمی کچھ لکھ دوں۔ اس لیے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

میرے فاضل دوست حضرت طالب صفوی نے میرے متعلق لکھا ہے کہ میں صرف تین ہی باتوں سے ابن جریر طبری کا تشیّع ثابت کرتا ہوں۔ (۱) میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں ضعفاء و مجروحین ہی کا حال ہے اور انہیں دونوں میں ابن جریر کا ترجمہ ہے؛ اس لیے ابن جریر ضعیف و مجروح تھے (اور چونکہ ضعیف و مجروح تھے، اس لیے شیعہ تھے)۔ (۲) امام ذہبی و ابن حجر نے ابن جریر کے رفض سے تو انکار کیا ہے مگر تشیع سے انکار نہ کر سکے۔ (۳) ابن جریر نے (بقول حضرت صفوی) "شیعوں کے مسلک توریہ (اخفائے حقیقت) پر عمل کرتے ہوئے حضرات شیخین (رض) کے حق میں ذومعنی الفاظ استعمال کیے"۔

اس کے بعد مولانا صفوی نمبر اول کا جو جواب لکھتے ہیں، اس کا خلاصہ خود ہی آخر جواب میں یوں لکھتے ہیں: "ایک شخص کی توثیق دنیائے اسلام کرتی ہے اور اس شخص پر صرف دو عالم جرح کرتے ہیں اور ان دو عالموں کی جرح کو خود ان کے شاگرد ناقابل اعتنا سمجھتے ہیں تو اس شخص کی جلالت قدر میں کیا فرق آ سکتا ہے"۔ (بلعبارتہ)

تمنا غفرلہ بادب عرض کرتا ہے کہ دنیائے اسلام نے کہاں ابن جریر کی توثیق کی ہے؟ برائے خدا اگر اسلام میں کوئی نئی دنیا پیدا ہوئی ہے تو ذرا اس دنیا کے لوگوں کے نام تو گنا دیئے؟ ائمہ حدیث میں سے کس کس نے اپنی کتابوں میں ان سے روایتیں لی ہیں؟ صرف تفسیری روایتیں تو سدی اور کلبی تک سے تمام مفسرین نے لیں، یہاں تک کہ خود ابن جریر نے۔ مگر سنن میں بھی کسی نے ابن جریر سے کوئی روایت لی؟

خود ابن جوزی نے آخر تہذیب التہذیب میں اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ کیوں نہیں درج فرمایا۔ حالانکہ ان دونوں کتابوں میں، وضاعین و کذابین کے ترجمے بھی موجود ہیں۔ لسان المیزان میں باوجود مدح سرائی اور رفع الزام کے ان کی توثیق کی کتنی سندیں نقل کی ہیں، ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ خطیب بغدادی کا یہ لکھنا کہ بڑے عالم تھے، حافظ تھے، قراءات اور ناسخ و منسوخ سے واقف تھے اور ایسے تھے ویسے تھے، توثیق کی تو دلیل نہیں۔ بہت بڑا عالم اور بہت بڑا ماہر ہونا اور بات ہے اور حجت و سند ہونا اور بات ہے صاحب تصنیف ہونے سے کوئی بھی ثقہ نہیں ہو جاتا۔

ابن خالویہ حسین بن احمد کا قول جو سند میں ابن حجر نے پیش کیا ہے کہ "انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن خزیمہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے تفسیر ابن جریر لکھ لی ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے ان سے (ابن جریر سے) املاءً لکھی ہے (یعنی وہ بتاتے گئے میں لکھتا گیا) سات برس میں۔ تو مجھ سے ابن خزیمہ نے وہ تفسیر مستعار لی اور کئی سال کے بعد واپس کی اور کہا کہ میں نے اوّل سے آخر تک دیکھی۔ روئے زمین پر ابن جریر سے زیادہ عالم کسی کو میں نہیں جانتا۔ اور حنابلہ نے البتہ ان پر ظلم کیا۔" (یہ اس لیے کہ علمائے حنابلہ عام مسلمانوں کو ابن جریر سے ملنے نہیں دیتے تھے اور روکتے تھے کہ یہ شخص گمراہ ہے، کذاب ہے تم کو بھی گمراہ کر دے گا) تو یہ قول جو ابن خالویہ کا سند میں پیش کیا ہے تو ابن خالویہ تو خود شیعہ تھے۔ ابن حجر ہی اسی لسان المیزان کی جلد دوم صفحہ ۲۶۷ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: کان امامیا عالما بالمذھب[1] .... وقد قرأ ابو الحسین النصیبی وھو من الامامیۃ علیہ کتابہ فی الامامۃ۔ مات ۳۷۰ھ۔ اور ابن خالویہ ہی کے ایک استاد ابوبکر بن مجاہد ہیں۔ ان کا بھی ایک قول بروایتِ ابوعلی الطوماری نقل کیا ہے جس میں اسی قدر ہے کہ میرا گمان ہے کہ ابن جریر سے اچھا قرآن پڑھنے والا اسی قرأت سے (کسی خاص قرأت کی طرف غالباً اشارہ ہے) اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کیا۔ یہ ابوبکر مجاہد بھی شیعہ ہی ہیں اور ابوعلی الطوماری تھرڈ کلاس لوگوں میں ہیں۔ ابن حجر نے لسان المیزان ہی میں ان کے متعلق لکھا ہے: تکلم فیہ[2] لانہ راوی عن غیر اصل۔ وقال ابن ماکولا، لم یکن یرتضونہ۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ لم یکن

---

[1] یعنی وہ امامیہ (شیعہ) تھے اور اس مذہب کے عالم تھے۔ مسئلہ امامت پر ان کی ایک کتاب تھی جس کو ان سے ابو الحسین النصیبی شیعہ امامیہ نے پڑھا تھا۔ [2] ان کے متعلق لوگوں میں چہ میگوئیاں رہی ہیں، کیونکہ وہ بے اصل روایت کیا کرتے تھے اور علامہ علی بن ہبۃ اللہ میں ماکولا نے فرمایا کہ یہ لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ تھے۔ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ "اس معرف کے نہ تھے" یعنی اس قابل نہ تھے کہ ان سے حدیثیں لی جائیں۔ ۱۲ منہ

بذاک وغیر ذلک۔ لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۴۴۔

غرض اس قسم کے لوگوں یا خود شیعوں ہی نے اگر ابن جریر کی مدح و توثیق کر دی تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دنیائے اسلام ان کی توثیق کر رہی ہے۔ چوں کہ ابن جریر نے ہر طرح رطب ویابس روایتیں جمع کر دی ہیں اور ہر فرقے والا اپنے مطلب کی روایت اس میں سے چن لیتا ہے، اس لیے یہ تفسیر ہر فرقے کے کام آجاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر فرقے میں یہ مستعمل ہے اور فرقہ پرستوں کا کام اس سے خوب چلتا ہے۔ باوجود اس کے کہ جہاں ہر فرقے کی تائید ہو رہی ہے وہاں ہر فرقے کی تردید بھی ہو رہی ہے مگر ہر شخص اپنے مطلب ہی کی ہر روایت لے لیتا ہے اور مخالف روایتوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ تو درحقیقت یہ تفسیر یا ان کی تاریخ کوئی سند نہیں ہے مگر تفرق واختلاف کی دیوار کا پشتہ ضرور ہے۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کی پیش کردہ ہر روایت غلط ہے۔ اسی ذخیرے میں بعض روایتیں صحیح بھی ہو سکتی ہیں مگر ان کی صحت وعدم صحت کا پتہ "عرض علی القرآن" ہی سے مل سکتا ہے۔ جو روایتیں قرآن کے مطابق ہیں، وہی صحیح کہی جا سکتی ہیں۔

دوسرے امر کے متعلق مولانا طالب صفوی نے وہی پرانا راگ الاپا ہے اور شیعہ اولیٰ وشیعہ اخریٰ کا فرق دکھا کر موالاۃ لا تضرہ اور تشیع یسیر کو نمایاں کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس کے متعلق میں عرض کروں گا کہ میرا مضمون اکتوبر کے البیان میں صفحہ ۴۴ زیر عنوان "شیعوں کا ایک دستور" ملاحظہ فرمائیے، ولا افادۃ فی الاعادہ (دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں) موالاۃ کا ترجمہ میں نے "غیر معمولی موالات" جو کیا ہے اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ "غیر معمولی" کا لفظ تمنا نے بڑھایا ہے۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت واحفاد کے ساتھ سارے اہل سنت موالاۃ رکھتے ہیں، یہ خصوصیت ابن جریر کی نہ تھی۔ پھر لا تضرہ "غیر مضر" کی قید بھی کچھ اشارہ کر رہی ہے کہ ان کی موالات حد اعتدال سے ضرور بڑھی ہوئی تھی۔ مگر وہ اس حد تک امام ذہبی کے نزدیک نہیں پہنچی تھی جو مضر سمجھی جا سکے۔ پھر وہ موالات "غیر معمولی" ہی ہوئی۔ مضر اور غیر مضر کا فرق تو اس کے بعد فیصلہ طلب ہے۔ مگر "غیر معمولی" ہونا تو اسی موالات کا اہل سنت کے نظریہ کے مطابق ضرور حق ہے۔

باقی رہا مولانا طالب صفوی کا یہ فرمانا کہ تمنا کے نزدیک تین ہی قسم کے راوی ہیں (۱) رافضی یا شیعہ (۲) ناصبی یا خارجی اور وہ بھی بقول تمنا چھپے ہوئے روافض ہی ہیں۔ اس لیے یہ دونوں طبقے بالکل ہی تمنا کے

نزدیک ناقابلِ اعتبار ہیں (۳) باقی رہ گئے محض تنے چند وہ "النادر کالمعدوم" ہونے کے علاوہ ان کی روایتوں کے متعلق بھی شبہ کیا جا سکتا ہے کہ شیعوں کی دست برد سے محفوظ نہ ہوں، اس لیے تمنّا کو چاہیے کہ سرے سے جنس حدیث ہی سے انکار کر کے "کلیۃً قرآن حکیم کا ہو رہے"۔

تمنّا غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ بتوفیقہٖ تعالیٰ پندرہ برسوں سے زیادہ ہوئے کہ میں نے سارے دفاتر حدیث سے قطعی انکار کر دیا ہے اور کسی کو بھی حجت فی الدین نہیں سمجھتا اور صرف قرآنِ حکیم کا ہو چکا ہوں کلیۃً بھی اور جزئیۃً۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مگر ذات رسول اللہ صلعم کو ضرور حجت فی الدین سمجھتا ہوں۔ آپ کی تعلیم و تبیین کو عین دین مانتا ہوں اور اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ آپ کی کوئی تعلیم و تبیین بلکہ کوئی قول یا فعل قرآن کے خلاف بلکہ قرآن سے باہر نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے جب کوئی آواز کان میں پڑی کہ رسول اللہ صلعم نے یوں فرمایا ہے یا اس طرح عمل کیا ہے تو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی کے فرمان کے مطابق یہ سنتے ہی انکار اور لا تسلّم کی آواز بلند نہیں کر دیتا، بلکہ اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا کے حکم قرآن کے ماتحت اس کی تحقیق شروع کر دیتا ہوں کہ اس قول یا فعل کی نسبت رسول اللہ صلعم کی طرف واقعۃً صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کے لیے قطعی معیار صرف ایک ہی ہے اور وہ قرآن حکیم کے سامنے پیش کرنا۔ اگر وہ روایت قرآن کے مطابق ہوتی ہے تو تسلیم کر لیتا ہوں، ورنہ انکار کر دیتا ہوں، چاہے اس کے راوی کسی قسم کے ہوں۔ باقی رہی تنقیدِ رُواۃ، تو یہ صرف روایت پرستوں کو خاموش کرنے کے لیے ہے اور ان پر اتمام حجت ہے اور بس۔

اسی سلسلے میں مولانا طالب صفوی نے موطائے امام مالک کی ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کو امام مالک ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ "ابن شہاب نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب تو اسے یوں پڑھتے تھے الخ" یعنی سورہ جمعہ میں اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ میں بجائے فَاسْعَوْا کے فَامْضُوْا پڑھتے تھے۔ اس کے بعد مولانا طالب صفوی لکھتے ہیں کہ "دل بے اختیار چاہتا ہے کہ امام مالک یا حضرت ابن شہاب کو شیعہ ثابت کر کے اس روایت سے نجات حاصل کی جائے مگر مشکل یہ ہے کہ علم رجال کی کسی کتاب میں ان دونوں بزرگوں کے متعلق رفض کیسا، تشیّع کا بھی الزام نہیں لگایا گیا ہے ..... الخ"

تمنّا غفرلہٗ عرض کرتا ہے، ؎ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

میرے مولانا صفوی نے دنیائے رجال کی خاک ابھی میری طرح نہیں چھانی ہے۔ دوسروں کی شہادت نہیں خود شیعوں کی کتب رجال کی شہادت لے لیجئے۔ "منتھی المقال فی اسماء الرجال" راویان شیعہ کے حالات میں نہایت مستند اور مشہور کتاب ہے۔ اس میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کا نام پڑھیے اور یہ عبارت بھی دیکھ لیجئے کہ ذکرنا ھناک[1] مایشیرالی کونہ من الشیعۃ۔ اس لیے اب تو آپ بہت آسانی کے ساتھ اس روایت مکذوبہ سے نجات حاصل کر لے سکتے ہیں۔ پھر آپ تو اتنا ضرور جانتے ہوں گے کہ ابن شہاب کی ولادت حسب اختلاف اقوال ۵۰ھ یا ۵۱ھ یا ۵۶ھ یا ۵۸ھ میں ہے جن میں سے اصح قول میرے نزدیک ۵۸ھ ہی ہے اور حضرت امیرالمومنین فاروق پاک رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۳ھ میں ہے ("پاک" کے اعداد "۲۳" ہیں) اس لیے ابن شہاب نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بسمع خود تو یہ قرأت سنی نہیں ہوگی۔ یقیناً وہ کسی دوسرے ہی سے سن کر یہ روایت کر رہے ہوں گے تو جب تک اس درمیانی راوی کا حال معلوم نہ ہو اس روایت کی حقیقت کس طرح معلوم ہو سکتی ہے؟ ابن شہاب مرسل[2] روایت کرنے کے بے حد خوگر تھے۔ اسی لیے یحییٰ بن سعید جو ان کے شاگرد تھے قتادہ اور ابن شہاب کی مرسل روایتوں کو کہا کرتے تھے کہ بمنزلۃ الریح، دیکھیے تہذیب التہذیب ترجمہ ابن شہاب۔ تو یہ روایت بھی بمنزلۃ الریح ہی ہے۔ کہیے، اب تو اس وضعی وجعلی روایت سے آپ کو مکمل نجات مل گئی اور آپ کی منہ مانگی مراد مل گئی؟ اب بھی تو کہیے کہ ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

اب ذرا امام مالک کا بھی حال سن لیجئے۔ وہ ہزار بزرگ اور ثقہ و حجت وسند سہی۔ مگر ان کے پرائیویٹ سکرٹری ان کے کاتب احادیث اور صاحب السر صاحب کا حال امام ذہبی کی میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱ میں اور ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۱ میں مفصل موجود ہے اور دونوں نے ان کو "کاتب مالک" تسلیم کر لیا ہے، ان کو بالاتفاق تمام محدثین نے کذاب اور راوی موضوعات لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کان یدخل علیھم مالیس منی حدیثھم، یعنی، ائمہ حدیث کی کتابوں میں ان حدیثوں کو داخل کر دیا

---

[1] (ترجمہ) میں نے وہاں ذکر کیا ہے جو اشارہ کرتا ہے اس امر کی طرف کہ ابن شہاب شیعہ تھے۔ ۱۲ منہ۔ ص ۹ (مدیر)

[2] یعنی ایسے لوگوں سے روایت کیا کرتے تھے جن کو نہ کبھی دیکھا، نہ کچھ ان سے سنا۔ ۱۲ منہ

کرتا تھا جو اُن کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے مؤطا میں یہ حدیث اگر اسی کی داخل کردہ ہو تو کیا تعجب ہے؟
ان کاتب مالک صاحب کا نام نامی واسم گرامی حبیب بن ابی حبیب ابو محمد البصری ہے۔

موطا کے متعلق میں نے کسی حد تک اپنے مضمون "حجیت حدیث اور صحت حدیث" میں (مطبوعہ البیان ماہ مئی ۱۹۵۷ء) بہ تفصیل کچھ عرض کیا ہے۔ یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اتنا لکھ دینا نامناسب نہ ہوگا کہ مؤطا کا جو نسخہ دائر وسائر ہے اور جس کی شرحیں عام طور سے ملتی ہیں۔ وہ یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر المصمودی الاندلسی القرطبی کا نسخہ ہے۔ انہوں نے مؤطا کا پورا نسخہ امام مالک سے نہیں سنا تھا۔ اس کے بعض حصے زیاد بن عبداللہ شبطون سے سنے تھے جو فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتے تھے، یعنی شیعہ تھے اور ان کو خود فن حدیث میں کوئی بصیرت نہ تھی۔ پھر وہم و تصحیف میں بھی مبتلا تھے۔ پس ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

امر سوم کا جواب دیتے ہوئے میرے دوست مولانا صفوی نے بطور معارضہ خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کے ترجمے سے ایک قول بلا سلسلۂ رُوات پیش کیا ہے جو حضرت امام اعظم کی طرف منسوب ہے، جس سے ہرگز وہ مفہوم نہیں نکلتا جو مولانا صفوی نکالتے ہیں جیسا کہ محترم ایڈیٹر البیان نے فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے۔ پھر بھی مولانا صفوی لکھتے ہیں کہ" اور اگر سبِ شیخینؓ ہی معیارِ رفض ہے الخ" میں پوچھتا ہوں کہ "سبِ شیخین" اگر معیار رفض نہ ہوگا تو پھر کیا ہوگا؟ میں تو اس کو معیار رفض ہی نہیں بلکہ معیارِ نفاق سمجھتا ہوں

مولانا صفوی کے اس غیر معقول معارضہ کا جوابِ شافی محترم ایڈیٹر البیان لکھ چکے ہیں اس لیے مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ معارضہ کے جواب میں معارضہ ہی پیش کردوں تو بہتر ہے۔ صفوی صاحب نے بلا تصحیح اسناد ایک قول پیش کردیا ہے جو باوجود اُن کے غیر مفید ہونے کے مشتبہ ہے کہ معلوم نہیں یہ قول امام اعظمؒ کا ہے بھی یا نہیں۔ میں معارضہ میں اسناد کے ساتھ صحیح مسلم کی روایت پیش کرتا ہوں۔ لیجئے سنیے۔ مقدمہ صحیح مسلم صفحہ ۱۰ مولوی مطبوعہ مطبع علوی دہلی میں ہے؛ حدثنا داود بن عمرو الضبی قال نافع بن عمر عن ابن ابی ملیکۃ۔ قال کتبت الی ابن عباس اسئلہ ان یکتب لی کتابا ویخفی عنی۔ فقال ولدٌ ناصحٌ انا اختار لہ الامور اختیاراً واخفی عنہ۔ قال فدعا بقضاء علی رض فجعل یکتب منہ اشیاء ویمرؔ

؎ خطیب بغدادی اور امام مسلم دونوں کا فرق ملحوظ رہے۔ ۱۲ منہ

به الشيعى فيقول والله ما قضى بهذا علیؓ منه الا ان يكون ضلّ۔ یعنی امام مسلم کہتے ہیں کہ داؤد بن عمرو الضبی نے ہم سے کہا کہ ہم سے نافع بن عمر نے ابن ابی ملیکہ (عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ زہیر بن عبداللہ ابو محمد التیمی المکی التابعی المتوفی ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ) سے سن کے کہا کہ ابن ابی ملیکہ فرماتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن عباس کو لکھا (اور) ان سے یہ درخواست کی کہ وہ میرے لیے ایک کتاب لکھ دیں اور مجھ سے پوشیدہ رکھیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے فرمایا کہ مخلص لڑکا ہے۔ میں اس کے لیے مناسب طور سے امور کا انتخاب کروں گا اور اس سے پوشیدہ رکھوں گا۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ تو حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت علی رضؓ کے فیصلے منگوائے اور ان میں سے بعض چیزیں لکھنے لگے۔ اور (اس سلسلے میں) بعض چیز ان کے سامنے سے گزرتی تھی تو وہ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم علی رضؓ نے نہیں فیصلہ کیا ہوگا، بایں طور مگر یہ کہ وہ گمراہ ہوگئے ہوں۔"

فرمائیے حضرت عبداللہ بن عباس حضرت علی کے چچیرے بھائی ہیں اور بقول ائمہ رجال مذہب شیعہ حضرت علی رضؓ کے شاگرد رشید ہیں اور بلا واسطہ راویانِ حدیث حضرت کے لکھے ہوئے فیصلے دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے یہ فیصلے نہیں کیے، مگر یہ کہ وہ گمراہ ہو گئے تھے۔ تو کیا نعوذ باللہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت علی کو گمراہ قرار دیا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس فیصلے کی نسبت جو حضرت علیؓ کی طرف تھی آپ سے انکار کیا۔ جس طرح امام اعظمؒ نے اس قول یا فیصلے کو جسے حضرت فاروق اعظم رضؓ کی طرف منسوب کر کے کسی نے آن کے سامنے پیش کیا تھا، حضرت فاروق اعظم رضؓ کا قول نہیں تسلیم کیا اور کہا کہ یہ تو کسی شیطان کا قول ہے۔ اگر یہ طریقہ انکار ایسا ہے جس سے امام اعظمؒ شیعہ ہو جا سکتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس کو ان سے پہلے خارجی بن جانا چاہیے۔

اس روایت کے راویوں کو بھی سن لیجئے۔ نافع بن عمر بن جمیل بن عامر الحافظ المکی؛ بالاتفاق ثقہ ہیں کان من اثبت الناس ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں (متوفی ۱۶۹ھ) اور داؤد بن عمرو بن زہیر الضبی ابو سلیمانی البغدادی ایسے ہی جلیل القدر تھے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امام احمد بن حنبل ان کی رکاب تھام لیا کرتے تھے اور ابن ابی ملیکہ تو کبار تابعین میں سے تیس تیس صحابیوں کے دیکھنے والے ہیں اور بعضوں نے تو لکھا ہے کہ اسی صحابیوں کو دیکھا۔ یعنی اسی کو دیکھا اور تیس سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا صفوی اس قول کو جو امام اعظم کی طرف منسوب فرماتے ہیں اسی طرح تصحیح اسناد کے ساتھ ثابت فرمائیں تو میں جانوں۔

اسی طرح خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ کی اور بھی جو چند روایتیں مولانا صفوی نے امام اعظم متوفی ۱۵۰ھ کے متعلق لکھی ہیں جب تک ان کے اسناد کی صحت اور رُوات کی وثاقت بھی نہ دکھا دی جائے کبھی قابل وثوق نہیں ہوسکتیں۔

باقی رہا محترم ایڈیٹر البیان نے جو مولانا صفوی کے جواب میں (فٹ نوٹ میں) تحریر فرمایا ہے کہ "نہیں تو صادق علیہ السلام اور ان بزرگوں (حضرت علی اور ان کی اولاد علیہم السلام) میں بھی کوئی شیعہ نظر نہیں آتا۔ پھر ابو حنیفہ ان کی صحبت میں رہ کر کس طرح شیعہ بن گئے؟ حقیقت یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار اپنے مضمون کو نباہنے میں کامیاب نہیں ہوسکے" تو اس سے بہتر جواب مولانا صفوی کے ناکام عنوانِ مضمون کا اور کیا ہوسکتا ہے؟ وکفٰی بہ جواباً

آخر میں اتنا اور عرض کردینا ہے کہ مولانا صفوی نے میرے متعلق لکھا ہے کہ میں نے انہیں تین باتوں کو ابن جریر کی شیعیت کی دلیل میں پیش کیا ہے جن کو انہوں نے جواب دینے کے لیے منتخب فرمایا حالانکہ کسی کا بھی جواب نہ ہوسکا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان تین باتوں کے علاوہ اور بھی دلیلیں ان کی شیعیت کی لکھی ہیں۔ مثلاً (۱) وہ غدیر خم والی جھوٹی حدیث اس کد کے ساتھ صحیح قرار دیتے تھے کہ اس کی تصحیح کے لیے ایک مستقل کتاب ہی لکھ ڈالی۔ حالانکہ یہ حدیث محدثین متقدمین کے نزدیک بالاتفاق موضوع مکذوب ہے (۲) ابن حجر لسان المیزان میں طلاق کے ایک فتویٰ کا بھی ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے مذہب شیعہ ہی کے مطابق دیا تھا (۳) حضرت علی اور ان کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل میں خصوصیت کے ساتھ ایک ایسی کتاب لکھی جس میں وضّاعین وکذّابین کوفہ کے تمام مزخرفات بھر دیے۔ (۴) ان کی تفسیر میں ایسی بہت سی موضوع روایتیں ہیں جو شیعوں کے موافق ہیں اور ان کو صرف یہی روایت کرتے ہیں، دوسرے محدثین ان روایتوں سے بالکل بے خبر نظر آتے ہیں جس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جو امام حافظ سلیمانی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شیعوں کی حمایت میں روایتیں گھڑا کرتے ہیں (۵) میں نے ثبوت میں سورۂ احزاب کی آیۂ تطہیر کو پیش کیا تھا جس کی تفسیر میں انہوں نے تقریباً دس روایتیں وضع کرکے لکھی ہیں۔ ان کے سوا کسی اور محدث کے پاس وہ روایت نہیں دکھائی جاسکتی۔

مگر مولانا صفوی نے ان سب باتوں کو تو بالکل نظر انداز کردیا اور ان کے علاوہ جو تین باتیں تھیں انہیں کو پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش ناکام فرمائی کہ تمنا نے انہیں تین باتوں کی بنا پر ابن جریر

کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مجھ کو تو یقین ہے کہ "ابوجعفر محمد بن جریر الطبری" کے مسمٰی ہرگز دو نہیں ہیں۔ "ابن یزید" اور "ابن رستم" کا فرق بالکل لایعنی ہے۔ محمد بن جریر کے دادا کا نام "رستم" تھا۔ یہ طبرستان کے رہنے والے تھے اور مجوسی تھے۔ مسلمان ہوئے تو ان کا اسلامی نام "یزید" رکھا گیا۔ محمد بن جریر اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری الکوفی کے شاگرد رشید تھے۔ اور اسمٰعیل بن موسیٰ شاگرد تھے، شریک بن عبداللہ ابن ابی شریک النخعی الکوفی کے۔ اور یہ دونوں استاد شاگرد شیعہ تھے۔ محمد بن جریر بھی شیعی ہو گئے۔ اہل کوفہ سے راہ و رسم بہت تھی۔ کچھ دنوں کے بعد علمائے شیعہ نے "یزید" کے نام سے بیزاری کی وجہ سے بھی اور پھر اپنے لیے ایک نئے "ابوجعفر محمد بن جریر الطبری" پیدا کرنے کے لیے بھی اپنی کتابوں میں ان کے دادا کا اصلی نام "رستم" ہی رکھا اور اہل سنت نے اسلامی نام "یزید" ہی لکھا۔ پھر شیعوں کے مقصد کے مطابق دو شخصیتیں الگ الگ ہو گئیں۔ اہل سنت نے ان کی وہ کتابیں جو اجمالی مضامین کی تھیں ان کو تو ابن یزید کی تصنیف سمجھ لیا گیا اور جو خالص شیعیت کی تھیں، ان کو ابن رستم کی تصنیف قرار دے کر شیعوں کے سر ڈال دیا۔

اور یہ بھی بخوبی ممکن ہے کہ خود ابن جریر ہی نے اپنی بعض تصنیفوں میں اپنے دادا کا نام "رستم" لکھا ہو اور بعض میں اپنے دادا کا نام "یزید" تاکہ دونوں طبقوں میں ان کی تصنیفات پھیلیں۔ کہیں کھل کر تشیع کی حمایت کی جائے اور کہیں چھپ کر۔ وما ذلک من مثلہ ببعید ۔ واللہ المستعان علیٰ ما یصفون

مُفت لٹریچر کی تقسیم

جناب میاں محمد احمد علی صاحب الیکٹریکل انجینئر کپور تھلہ نے جو "البیان" کے ایک قدیم معاون ہیں، ہمارے پاس چند دینی کتابوں کی ایک تعداد بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ ہم انہیں "البیان" کے پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیں، ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مسیح واحمد	(ضخامت ۴۸ صفحے)	(۴) قیامت	(ضخامت ۴۸ صفحے)
(۲) حیات وممات کا معمہ	(ضخامت ۳۲ صفحے)	(۵) تقلید وتحقیق	(ضخامت ۱۰۴ صفحے)
(۳) فلسفہ روحانی	(ضخامت ۴۸ صفحے)	(۶) صراط مستقیم	(ضخامت ۲۸۰ صفحے)

یہ کتابیں "بلاغ" کے قدیم و مرحوم معاون ڈاکٹر صادق علی صاحب ریٹائرڈ سرجن میجر کی تصنیفات سے ہیں، ہم نے ان کو سرسری طور سے دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ معطی کی خواہش کے احترام میں انہیں معاونین البیان کے ہاتھوں پہنچا دیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ سارا لٹریچر، قرآن مجید کی روشنی میں تحقیق و کاوش سے لکھا گیا ہے اور ہمارے ناظرین اس کے مطالعے سے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

اس سے پہلے بھی البیان کے نئے اور پرانے معاونوں کو "بلاغ" کے پرانے پرچوں کی صورت میں ایک رعایت پیش کی جا چکی ہے، یعنی جو صاحب اپنے سالانہ چندے کے ساتھ مزید ۸عہ محصول ڈاک کے لیے بھیج دیتے ہیں، انہیں رسالہ "بلاغ" کے ۴۴ منتخب پرچے، جن کا حجم ۱۳۰۰ صفحے سے زائد ہے، مفت ارسال کر دیے جاتے ہیں۔

آج ہم اس رعایت کے ساتھ ان کتابوں کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں

آیندہ جو اصحاب البیان کے سالانہ چندے کے ساتھ

مزید ۸عہ یعنی کل للعہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال فرمائیں گے، ان کے نام ایک برس کے لیے البیان جاری کرنے کے علاوہ ۱۳۰۰ صفحے کے "بلاغ" کے پرانے پرچے اور ۵۰۰ صفحے کی مذکورہ بالا کتابیں مفت بھیجی جائیں گی۔

ہم قارئین "البیان" سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف خود اس پیش کش سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس رعایت کی طرف متوجہ کریں گے۔ البیان کی اشاعت بڑھانے کے لیے یہ ایک اچھا موقعہ ہے، احباب کو اس طرف ضرور دھیان دینا چاہیے۔

منیجر "البیان" امرت سر

ابراہیمؑ (از حکیم محمد حسین صاحب قرشی) (جدید ایڈیشن)
اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ
ن دراصل ابراہیمؑ ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہؐ
لعم اسی دین کے مبلغ تھے اور اسی دین کی پیروی اور
باع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان
اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مکمل
یرت یہاں تک کہ اُن کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی
موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں
بت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل
رآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری
تاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں
کا ۱۱۵ عنوانوں پر مشتمل ہے، قرآن مجید کی بیان کردہ
صفات ابراہیمؑ کی تشریح و تفسیر کا مبسوط اضافہ کیا گیا ہے
سیرت خلیلؑ سے متعلق نہایت اہم نکات اور معلومات
مبنی ہے۔ قیمت ۵ر (محصول الگ)

الوراثت فی القرآن حضرت خواجہ احمد الدینؒ
ے اُن مضامین کا مجموعہ جن میں قرآنی اصول وراثت پر
نہایت بصیرت افروز بحث کی گئی ہے اور مروجہ اصول فقہ
اس علم وراثت کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی
ں قرآن مجید کی روشنی میں اُن کی احسن طریقے سے تردید
ہے۔ ضخامت ۴۴۲ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ
ت ۱۲ (محصول الگ) برگ سبز ۲ر

قول احسن مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سب سے
بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے۔ قول احسن میں قرآن مجید
کے مضامین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور
پر فرقہ بندی کا مخالف ہے۔ ہمیں صرف مسلم کہلانا چاہئے
باقی تمام نام، شیعہ، سنی اور اہل حدیث وغیرہ بدعتی ہیں،
جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو نقصان عظیم پہنچ رہا
ہے۔ قیمت ۲ر (محصول الگ)

قربانی یہ مختصر کتاب، مفتی محمد الدین صاحب وکیل
گجرات کی تالیف ہے۔ اس میں آپ نے قرآن مجید کی رو
سے یہ ثابت کیا ہے کہ مروجہ قربانی محض ایک رسمی چیز ہے
دین کے ساتھ اسے کوئی تعلق نہیں، اصل چیز تقویٰ ہے
جو خدا کے ہاں مقبول ہے۔ قیمت ۲ر (محصول الگ)

صفات القرآن۔ قیمت ۴ر — محصول الگ
تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ قیمت ۲ر — 〃
ختم نبوت۔ قیمت ۲ر — 〃
حقیقۃ الصلوٰۃ۔ قیمت ۸ر — 〃
اوصاف رسول کریم۔ قیمت ۸ر — 〃
حریت و مساوات۔ قیمت ۶ر — 〃
حضرت محمد رسول اللہؐ۔ قیمت ۲ر — 〃
اقبال کی پیش گوئیاں۔ قیمت ۲ر — 〃
دعوت الرسل الی اللہ (مقدمہ) قیمت ۲ر — 〃
جنت کا گہنا (نظم)، قیمت ۱ر — 〃

ملنے کا پتہ: **دفتر اُمتِ مُسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر**

[illegible] دہلی

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن [illegible] کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عموماً ہر تفسیر، تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے [illegible] معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفہ فطرت [illegible] الٰہی [illegible] کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے [illegible] ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چوں کہ قرآن کسی خصوصی ماحول کا پابند نہیں۔ کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں۔ کسی متعین زمانہ اور محدود [illegible] کا متکفل نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے۔ پس اس تفسیر میں یہ خصوصیات [illegible] جو اس کو عام تفاسیر ممتاز کرتی ہیں۔

۱۔ اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیساکہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

۲۔ اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ ترجمہ [illegible] لکھا گیا ہے۔

۴۔ اس کے بعد عام منشائے قرآن [illegible] محکمات سے واضح ہے۔

۵۔ اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی [illegible] کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

۶۔ [illegible]

کاغذ اعلیٰ درجہ کا [illegible] کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ با [illegible] ظاہری باطنی محاسن [illegible]

یعنی: منزل اول صفحات ۰۰۰ مجلد سنہری (۔۔ روپے)　منزل دوم (۔۔)　[illegible]

منزل [illegible] (۔۔)　منزل پنجم (۔۔)　منزل ششم (۔۔)

ملنے کا پتہ: دفتر امت مسلمہ [illegible] جامع [illegible]